سُبُلُ الهُدیٰ والرشاد

فِی

سیرتِ خیر العباد (اردو)

اوّل - دوم

1 - 2

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین

تصنیف:

حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

جملہ حقوق محفوظ ہیں

2012ء

بار اول.................................1000

ہدیہ...

زیرِ اہتمام..............نجابت علی تارڑ

کمپوزنگ..........ایمان گرافکس (عبدالقادر)

﴿لیگل ایڈوائزرز﴾

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

﴿ملنے کے پتے﴾

راولپنڈی کے سول ڈسٹری بیوٹرز

اِسلامِک بُک کارپوریشن

فضل داد پلازہ - اقبال روڈ - کمیٹی چوک ○ راولپنڈی 051-5536111

سلام بک شاپ، مین ایم اے جناح روڈ، کراچی 021-32212167

مکتبہ برکات المدینہ حیدر آباد، کراچی 021-34219324

مکتبہ رضویہ آرام باغ، کراچی 021-32216464

کتب خانہ حاجی نیاز احمد، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان 0313-8461000

مکتبہ فیضان سنت بوہڑ گیٹ ملتان 0306-7305026

مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر پاکپتن شریف 0301-7241723

مکتبہ غوثیہ عطاریہ، اوکاڑہ 0321-7083119

مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد 041-2631204

مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد 0333-7413467

مکتبہ سخی سلطان حیدر آباد 0321-3025510

مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ گوجرانوالہ 055-4237699

مکتبہ المجاہد بھیرہ شریف 048-6691763

مکتبہ نعیمیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

انتساب

سید المرسلین، امام النبیین، رحمۃ للعالمین، حضور اکرم
شفیع معظم ﷺ

آپ ﷺ کے اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم

اور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کے نام

شاہاں راچہ عجیب اگر نوازند بگدارا

ذوالفقار علی ساقیؔ

فہرست جلد اوّل

فہرست جلد دوم

آپ ﷺ کے جسد اطہر کے اوصاف

وہ امور جو آپ کی ولادت مبارکہ اور بعثت کے مابین رونما ہوئے

❁❁❁

تصنیف: حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی

دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

مؤلف کے حالاتِ زندگی

حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کا لقب شمس الدین، کنیت ابو عبداللہ اور اسم گرامی محمد بن یوسف الصالحی الشامی ہے۔ امام شعرانی نے اپنی تصنیف لطیف "الطبقات" میں لکھا ہے:

"وہ ایک متقی اور پاکباز عالم دین تھے۔ وہ علوم کے بحر ذخار تھے۔ انہوں نے "السیرۃ النبویۃ" کتاب کو ایک ہزار کتب سے تالیف کیا۔ لوگوں نے اس کی کتابت کی طرف خصوصی توجہ کی۔ انہوں نے اس کتاب میں ایسا طریقہ اختیار کیا جو پہلے کہیں نظر نہیں آتا۔ انہوں نے شادی نہ کی تھی۔ اگر کوئی مہمان آجاتا تو وہ خود ہی اس کی خدمت پر کمربستہ ہو جاتے تھے۔ انتہائی شیریں گفتار تھے۔ بہت زیادہ روزے رکھتے تھے۔ رات بھر قیام فرماتے۔ میں نے ان کے ہاں کئی راتیں گزاریں۔ میں نے دیکھا کہ وہ رات کے وقت بہت ہی کم سوتے تھے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی عالم دین وصال کر جاتا۔ جس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوتے تو یہ قاضی کے پاس جاتے۔ اپنے وظائف میں سے اس کے یتیم بچوں کے لیے ماہانہ وظیفہ مقرر کرتے حتیٰ کہ وہ بچے جوان ہو جاتے۔ وہ حکومتی ملازمین سے کچھ بھی قبول نہ کرتے تھے اور نہ ہی ان کا کھانا کھاتے تھے۔"

حضرت العلام بہت بڑے محدث اور تاریخ کے جید عالم تھے۔ دمشق کے ایک قصبہ "صالحیہ" میں ولادت ہوئی اور تادم وصال قاہرہ کے صحرا "برقوقیہ" میں رہے۔ انہوں نے درج ذیل کتب رقم فرمائیں:

١. الآیات الباهرة فی معراج سید اهل الدنیا والآخرة
٢. الاتحاف بتمیز ما تبع فیه البیضاوی صاحب الکشاف
٣. اتحاف الراغب الولی فی ترجمة الاوزاعی
٤. اتحاف الاریب بخلاصة الاعاریب
٥. تفضیل الاستفادة من بیان حکمتی الشهادة
٦. الجامع الوجیز الخادم للغات القرآن العزیز
٧. الجواهر النفائس فی تحبیر کتاب العرائس
٨. رفع القدر و مجمع الفتوة فی شرح الصدر و خاتم النبوة

- ٩ سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد
- ١٠ شرح الاجرومية
- ١١ عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفة النعمان
- ١٢ عین الاصابة فی معرفة الصحابة
- ١٣ الفتح الرحمانی فی شرح ابیات الجرجانی فی الکلام
- ١٤ کشف اللبس فی رد الشمس
- ١٥ مختصر المسمّٰی بالآیات البینات
- ١٦ مرشد السالك الی الفیة ابن مالك
- ١٧ النکت علی الالفیة
- ١٨ النکت المهمات من الکلام علی الابناء والبنین والبنات
- ١٩ وجوب فتح همزة "اِن" و کسرها وجواز الامرین

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے ۹۴۲ھ میں وصال فرمایا۔ رب تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں بلند مقام عطا کرے۔ آمین ثم آمین

ذوالفقار علی ساقیؔ
بھیرہ شریف

حضرت مؤلف علیہ الرحمۃ کا مقدمہ

ہمارے سردار اور آقا شیخ اور شیخ الاسلام، خاتمۃ المحدثین والاعلام ابوعبداللہ محمد بن یوسف الشامی رحمۃ اللہ نے فرمایا:
رب تعالیٰ ان کے طفیل ہم پر رحم کرے اور انہیں اس کوشش اور سعی کی جزائے خیر عطا کرے۔ آمین!

"ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے حضور نبی پاک، صاحب لولاک ﷺ کو بلند مناصب عطا فرمائے۔ شرف کے اعلیٰ مراتب پر فائز فرمایا۔ روشن معجزات سے آپ کی تائید کی۔ جو آفتاب و ماہتاب کی نورانیت سے واضح تر ہو گئے۔ یہ معجزات تعداد میں تاباں ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ اس نے آپ کی سیرت طیبہ کو اس شخص کے لیے امن بنایا۔ جو اس راہ پر گامزن ہو۔ اس کے لیے مصائب سے نجات کا ذریعہ بنایا۔ میں اس ذاتِ پاک کی ایسی تعریف کرتا ہوں جس سے مجھے اس کی رضا نصیب ہو جائے اور حاجات پوری ہو جائیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ یکتا ہے، وہ وحدۂ لا شریک ہے وہ مشارق و مغارب کا رب ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور نبی مکرم حضرت محمد مصطفی ﷺ اس کے خاص بندے اور رسولِ مکرم ہیں۔ اس نے انہیں صحیح اور درست دین کے ساتھ مبعوث کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کی آلِ پاک پر اور صحابہ کرام پر درود و سلام بھیجے، جنہوں نے بلند مقامات پا لیے۔

امابعد! یہ ایسی کتاب ہے جسے میں نے تین سو سے زائد کتابوں سے منتخب کر کے لکھا ہے۔ میں نے اس میں صحیح کے لیے جدوجہد کی ہے، میں نے آپ ﷺ کے فضائل کے بحر ناپید کنار سے چند قطرات کا تذکرہ کیا ہے۔ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل آپ کی تخلیق، آپ کی نبوت کی نشانیاں، آپ کے شمائل، آپ کی سیرت طیبہ، احوال، افعال اور سفروں کا تذکرہ کیا ہے۔ حتیٰ کہ رب دوجہاں نے آپ کو حریمِ ناز میں بلا لیا۔ وہاں آپ کو انعام و تعظیم سے نوازا۔ علیہ من اللہ افضل الصّلاۃ و ازکی التسلیم۔

میں نے اس تصنیف لطیف میں موضوع احادیث کا تذکرہ نہیں کیا۔ میں نے ہر باب کے اختتام پر مشکل مقامات کی وضاحت، عمدہ اور نفیس امور کا تذکرہ کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نفیس الفاظ کے معانی اور ان کا اعراب بھی لکھ دیا ہے۔ ان روایات کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی ہے جنہیں متناقض کہا جاتا تھا۔ میں جب آئمہ میں سے کسی ایک امام صاحب کی روایت نقل کروں گا اگر وہ متفق ہوئے تو میں ان کے الفاظ کو جمع کروں گا۔ جب میں اسے اکثر مؤلفین کی طرف منسوب کروں گا تو اگر وہ متفق ہوئے میں ان کے الفاظ جمع کروں۔ اگر میں بخاری اور مسلم کی طرف حدیث پاک منسوب کروں ان کے ہمراہ کسی اور کا بھی تذکرہ کروں تو یہ اس زیادتی کی وجہ سے ہوگا جو ان دونوں کے ہاں ہوگی۔

اگر حضور اکرم ﷺ سے روایت کرنے والے صحابی ہوں گے تو میں "رضی اللہ عنہ" لکھوں گا۔ اگر وہ تابعی یا تبع تابعی ہوں گے تو میں رحمہ اللہ لکھوں گا۔ جب میں شیخین لکھوں گا تو اس سے مراد امام بخاری اور امام مسلم ہوں گے۔ متفق علیہ سے مراد وہ روایت ہوگی جسے یہ دونوں روایت کریں گے۔ الاربعہ (چار) سے مراد ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی ہوں

گے۔ الستۃ (چھ) سے مراد شیخان اور مذکورہ چار ہوں گے۔ الخامسۃ (پانچ) سے مراد مذکورہ بالا ہی ہوں گے سوائے ابن ماجہ کے۔ جب ثلاثۃ (تین) کہوں گا۔ تو مذکورہ چاروں میں سے ابن ماجہ شامل نہ ہوں گے۔ آئمہ سے مراد، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم ہوں گے۔

میں مسند امام اعظم حضرت ابوحنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ کی اسانید سے واقف نہیں ہوا۔ اس لیے میں نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ ابوعمر سے مراد حافظ یوسف بن عبدالبر، القاضی سے مراد ابوالفضل عیاض، الامیر سے مراد امام حافظ ابونصر علی بن ھبۃ اللہ الوزیری البغدادی المعروف بابن ماکولا، امام السہیلی سے مراد، امام ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ الخثعمی، الروض سے مراد ان کی کتاب "الروض الانف" ابوالفرج سے مراد حافظ عبدالرحمان ابن جوزی، ابوالخطاب سے مراد حافظ عمر بن الحسن بن دحیہ، ابوذر سے مراد مصعب بن محمد بن مسعود، الاملاء سے مراد سیرت ھشام پر ان کی شرح، زاد المعاد سے مراد زاد المعاد فی ھدی خیر العباد از ابن قیم ابوربیع سے مراد سلیمان بن سالم الکلاعی، الاکتفاء سے مراد ان کی تصنیف "الاکتفاء" ابوالفتح سے مراد حافظ محمد بن محمد بن سید الناس، العیون سے مراد ان کی تصنیف عیون الاثر، القطب سے مراد حافظ قطب الدین الحلبی، المورد سے مراد ان کی کتاب المورد العذب، الزہر سے مراد الزہر الباسم، الاشارہ سے مراد الاشارۃ الی سیرۃ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ (یہ دونوں کتابیں حافظ علاؤ الدین مغلطای کی ہیں) الامتاع سے مراد امتاع الاسماع از شیخ تقی الدین مقریزی، المصباح سے مراد، المصباح المنیر از امام علامہ ابوالعباس احمد بن محمد بن علی الفیومی، التقریب سے مراد علم الغریب از علامہ محمود شہیر بابن خطیب الدھشۃ، الحافظ سے مراد شیخ الاسلام ابوالفضل احمد بن علی بن حجر، الفتح سے مراد ان کی کتاب فتح الباری، شرح الدرر سے مراد ان کی الفیۃ السیرۃ کی شرح، النور سے مراد نور النبراس از حافظ برھان الدین الحلبی، الغرر سے مراد الغرر المنیۃ از علامہ محب الدین، شیخ الشافعیہ سے نورالدین سمھودی مراد ہیں۔ الشیخ سے مراد امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

جہاں میں الموحدۃ کا اطلاق کروں گا تو اس سے مراد ثانی الحروف، المثلثہ سے مراد الرابعۃ اور التحتیۃ سے مراد آخر الحروف ہوگا۔ میں نے اس تصنیف لطیف کا نام "سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد و ذکر فضائلہ و اعلام نبوتہ و افعالہ و احوالہ فی المبدأ والمعاد" رکھا ہے۔

جب آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا یہ کتاب مستطاب میری زندگی کا ثمر اور میری عمر کا حاصل ہے۔ میں اپنے رب تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ وہ اسے صرف اور صرف اپنی رضا کے حصول کا سبب بنائے اور دار نعیم میں مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرمائے۔ آمین!

وھو حسبی و نعم الوکیل ما شاء کان وما لم یشا لم یکن ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مترجم کا مقصد و مدعا بھی صرف اور صرف یہی ہے کہ رب تعالیٰ اس تصنیف لطیف کے طفیل اس سے راضی ہو جائے کیونکہ یہ نعمت سب سے عظیم تر ہے۔ رضوان من اللہ اکبر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ و صحبہ اجمعین!

پہلا باب

اللہ تعالیٰ نے سب انبیائے کرام سے پہلے آپ ﷺ کی تخلیق کی

امام ابواسحاق الجوزجانی نے اپنی تاریخ میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "سارے انبیاء کرام علیہم السلام سے قبل میری تخلیق ہوئی اور سب سے آخر میں مبعوث ہوا۔" ابن اسحاق نے حضرت قتادہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "سارے لوگوں سے پہلے میری تخلیق ہوئی۔ سب سے آخر میں مجھے مبعوث کیا گیا۔ ابوسعد نے "الشرف" میں ابن جوزی نے "الوفا" میں حضرت کعب الاحبار سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب اللہ رب العزت نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو تخلیق کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرائیل کو حکم دیا کہ وہ وہ مٹی لے کر آئیں جو زمین کا دل، اس کی رونق اور اس کا نور تھی۔ حضرت جبرائیل نیچے تشریف لائے ان کے ہمراہ فردوس اور رفیق اعلیٰ کے ملائکہ تھے۔ انہوں نے اس جگہ سے مٹھی بھر مٹی مبارک لی، جہاں آج آپ کی قبر انور ہے۔ یہ مٹی روشن اور منور تھی۔ اسے جنت کی نہروں کے رواں پانی آب تسنیم سے دھویا گیا۔ حتیٰ کہ وہ ایک چمکتا ہوا موتی بن گئی۔ اس کی بہت بڑی بڑی شعاعیں تھیں۔ پھر ملائکہ نے یہ مٹی عرش، کرسی، آسمانوں اور زمین کے ارد گرد گھمایا۔ حتیٰ کہ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جاننے سے پہلے حضور اکرم ﷺ کو پہچان لیا۔ حضور اکرم ﷺ کا نور پاک حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی کی چمک میں دیکھا جاسکتا تھا۔ ان سے کہا گیا" آدم! یہ آپ کی اولاد کے سردار ہیں۔ یہ نبی اور مرسل ہیں۔ جب حضرت حواء علیہا السلام کے بطن مبارک میں حضرت شیث علیہ السلام جلوہ گر ہوئے تو یہ نور حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت حواء علیہا السلام کی طرف منتقل ہو گیا۔ حضرت حوا کے بطن اقدس سے بیک وقت دو بچے پیدا ہوتے تھے۔ مگر حضرت شیث علیہ السلام تنہا پیدا ہوئے۔ یہ حضور ﷺ کی عزت و کرامت کی وجہ سے تھا۔ پھر یہ نور مبارک ایک پاک شخص سے دوسرے پاک شخص کی طرف منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ آپ کی ولادت باسعادت ہو گئی۔

حافظ الناقد ابی الحسن بن القطان کی کتاب الاحکام میں روایت ہے۔ حضرت علی بن حسن اپنے والد گرامی وہ اپنے

والد گرامی سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "تخلیق آدم سے چودہ ہزار سال قبل میں رب تعالیٰ کے سامنے نور تھا۔"

امام مسلم کے استاذ حافظ محمد بن عمر العدنی نے اپنی مسند میں حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ (اسلام کی سعادت حاصل کرنے والے) قریش تخلیق آدم سے چودہ ہزار سال قبل رب تعالیٰ کے سامنے نور تھے وہ نور رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا تھا۔ اس کی تسبیح سن کر ملائکہ تسبیح بیان کرتے تھے۔" ابن القطان نے کہا ہے کہ اس روایت کو اس رایت کے ساتھ جمع کرنا ممکن ہے۔ جسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ کہ نور نبوی کو اس کی تخلیق سے بارہ ہزار سال قبل جسم اطہر عطا کیا گیا۔ اس میں سارے قریش کا اضافہ کر دیا گیا اور وہ نور اپنی زبان سے تسبیح بیان کرتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے چچا جان نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! ﷺ میں آپ کی تعریف کرنا چاہتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ آپ کے منہ کو ہمیشہ سلامت رکھے، میری نعت پڑھیں۔" انہوں نے درج ذیل اشعار عرض کیے۔

من قبلها طبت فی الظلال و فی مستودع حیث یخصف الورق

ترجمہ: "اس سے پہلے آپ سایہ کناں مقامات اور اس جگہ رہے جہاں پتے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔"

ثم هبطت البلاد لا بشر انت ولا مضغة ولا علق

ترجمہ: "پھر آپ شہروں میں جلوہ گر ہوئے اس وقت آپ نہ بشر، نہ مضغۃ اور نہ ہی علق تھے۔"

بل نطفة ترکب السفین و قد الجم نسرا و اهله الغرق

ترجمہ: "اس وقت آپ نطفہ تھے وہ کشتی پر سوار ہوا۔ اس نے نسر کا منہ بند کر دیا اور اس کے پجاری غرق ہو گئے۔

وردت نار الخلیل مکتتما تجول فیها و لیس تحترق

ترجمہ: "آپ چھپ کر حضرت خلیل علیہ السلام کے ساتھ آتش نمرود میں بھی تشریف لے گئے، آپ اس میں گھوم رہے تھے مگر جل نہیں رہے تھے۔"

تنقل من صالب الی رحم اذا مضی عالم بدا طبق

ترجمہ: "وہ نور ایک پشت سے دوسری رحم میں منتقل ہوتا رہا جب ایک عالم گزر جاتا تو دوسرا گروہ ظاہر ہوتا۔"

حتی احتوی بیتك المهیمن من خندق علیاء تحتها النطق

ترجمہ: "حتیٰ کہ آپ کا منصب بلند رفعتوں اور عظمتوں پر آشیاں بند ہو گیا، اور قوت گویائی اس سے عاجز ہے۔"

انت لما ولدت اشرقت الارض وضائت بنورك الافق

ترجمہ: "جب آپ کی ولادت ہوئی تو زمین چمک اٹھی، اور آپ کے نور سے آفاق جگمگا اٹھے۔"

فنحن فی ذالك الضیاء فی النور سبل الرشاد نخترق

ترجمہ: "ہم اسی اجالے اور روشنی میں ہدایت کی راہوں پر چلتے رہے۔"

حضرت سعید بن منصور، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی تخلیق کی، انہیں ان کے بیٹوں سے آگاہ کیا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ ان میں سے بعض بعض سے افضل تھے۔ انہوں نے ان سب کے نیچے ایک تاباں نور دیکھا۔ عرض کی "مولا! یہ کون ہے؟" رب نے فرمایا: "یہ نبی کریم احمد مجتبیٰ ہیں۔ یہ اول ہیں۔ یہ آخر ہیں۔"

سعید اور امام بیہقی کے الفاظ یہ ہیں: "یہ وہ ہستی ہیں جو سب سے پہلے جنت میں جائے گی۔" حضرت آدم نے رب تعالیٰ کی یوں تعریف کی "ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے میری اولاد میں سے وہ ذات پیدا کی جو مجھ سے قبل جنت میں جائے گی۔ میں اس پر حسد نہیں کروں گا۔"

اللہ تعالیٰ حضرت صالح بن حسین شافعی پر رحم کرے۔ انہوں نے اپنے قصیدے میں لکھا ہے:

وَ كَانَ لَدَى الفِرْدَوْسِ فی زمنِ الرضا وَ اَثْوَابُ شملِ الانس محكمة السَّدٰی

ترجمہ: "حضرت آدم روح اور جسم کے ارتباط کے بعد ابتداء میں فردوس اعلیٰ میں تھے۔ انہیں رب تعالیٰ کا بہت قرب حاصل تھا۔"

یشاهد فی عدن ضیاء مُشْتعشَعَا یرید علی الانوار فی النور والهدٰی

ترجمہ: "انہوں نے جنت میں ایک پھیلتا ہوا نور دیکھا، یہ نور اپنی ہدایت کے اجالا میں سب سے بڑھ کر تھا۔"

فَقَالَ اِلٰهی مَا الضیاءُ الَّذِی اری جُنُودُ السَّمَاءِ تَغْشُوْا اِلَیْهِ تردُّدا

ترجمہ: "حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: "مولا! یہ کیسا نور ہے کہ آسمان کے لشکر نور حاصل کرنے کے لیے بار بار اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔"

فَقَالَ نَبِیٌّ خیرُ من وطی الثَّرٰی وَ اَفْضَلُ مَنْ فی الخَیْرِ رَاحَ وَ اغتدٰی

ترجمہ: "اللہ نے فرمایا: وہ ایسے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بے مثل ہیں، وہ ان سے افضل ہیں جو صبح و شام بھلائی میں آتے جاتے ہیں۔"

تخیّرته من قبل خَلْقِكَ سیدا والبسته قبل النبیین سؤددًا

ترجمہ: "آدم! میں نے تمہاری تخلیق سے قبل انہیں سردار بنایا ہے اور سارے انبیاء کرام سے پہلے سرداری کا تاج ان کے سر پر سجایا۔"

دوسرا باب

حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر ساری مخلوق کو آپ کے لیے پیدا کیا گیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی "محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔ اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں نہ آدم کی تخلیق کرتا۔ نہ جنت بناتا نہ آگ پیدا کرتا۔ میں نے پانی پر عرش کی تخلیق کی۔ اس میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔ اس روایت کو ابوشیخ نے طبقات الاصبہانیین میں لکھا ہے۔ امام حاکم نے اسے صحیح لکھا ہے۔ امام سبکی نے اسے شفاء السقام میں لکھا ہے۔ امام البلقینی نے اسے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے۔ امام الذھبی نے لکھا ہے۔ اس کی سند میں عمرو بن اوس ہے۔ اس کے بارے علم نہیں کہ وہ کون تھا۔

اس روایت کی شاہد روایت وہ حدیث بھی ہے جسے امام حاکم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ عنقریب اس کا تذکرہ بھی ہو گا۔ امام جمال الدین محمود بن جملہ نے کہا ہے کہ یہ شرف نہ تو ملائکہ میں سے کسی فرشتہ کو اور نہ ہی آپ کے علاوہ کسی نبی یا رسول کو حاصل ہوا ہے۔

وَمَا عَجَبٌ اکرامُ الفٍ لواحدٍ　　لعَیْنٍ تُفَدّٰی الف عین وَ تُکْرَمٗ

ترجمہ: "یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک ہستی کے لیے ایک ہزار کا احترام کیا جائے، وہ آنکھ مبارک جس پر ہزار آنکھیں فدا ہوں جسے عزت و احترام نصیب ہو۔"

دیلمی نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس حضرت جبرائیل امین آئے۔ عرض کی: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ فرماتا ہے اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت تخلیق نہ کرتا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں آگ پیدا نہ کرتا۔"

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضرت جبرائیل امین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ عرض کی کہ آپ کا رب فرماتا ہے۔" اگر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے تو آپ کو اپنا حبیب بنایا ہے۔ میں نے ایسی کوئی مخلوق تخلیق نہیں کی جو مجھے آپ سے زیادہ معزز ہو میں نے دنیا اور اہلِ دنیا کو اس لیے بنایا ہے تاکہ انہیں آپ کی عزت اور مقام سے آگاہ کروں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا تخلیق نہ کرتا۔" اس روایت کو ابن

عساکر نے نقل کیا ہے۔ اس کی سند بہت عمدہ ہے۔

شیخ الاسلام البلقینی کے فتاویٰ میں ہے کہ مولد العزفی اور شفاء الصدور از ابن سبع میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رب کریم نے فرمایا: "اے محمد عربی ﷺ! مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی زمین تخلیق نہ کرتا۔ آسمان نہ بناتا اس آسمان کو بلند نہ کرتا نہ اس زمین کو پھیلاتا۔"

ان دونوں مصنفوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: "اے محبوب کریم! میں نے آپ کے لیے ہی اس کشادہ وادی (زمین) کو پھیلایا ہے۔ پانی کو موجزن کیا ہے۔ آسمان کو بلند کیا ہے۔ آپ کی رفعت کے لیے ہی ثواب، سزا، جنت اور آگ بنائی ہے۔"

عارف باللہ، سیدی علی بن ابی الوفاء نے کتنی خوبصورت بات کی ہے۔

سَكَنَ الفؤادُ فَعِشْ هَنِيْئًا يَا جَسَدُ   هٰذا النعيم هو المُقِيْمُ إِلَى الأَبَدِ

ترجمہ: "دل پرسکون ہوگیا۔ اے میرے جسم! اچھے طریقہ سے زندگی بسر کر۔ یہ ایسی نعمت ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔"

رُوْحُ الوُجُوْدِ حَيَاةُ مَنْ هُوَ وَاجِدٌ   لَوْلَاهُ مَا تَمَّ الوُجُوْدُ لِمَنْ وُجِدْ

ترجمہ: "وہ کائنات کی روح ہیں، سارے موجودات کی زندگی ہیں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو وجود والوں کا وجود مکمل نہ ہوسکتا۔"

عِيْسٰى و آدمُ والصدورُ جَمِيْعُهُمْ   هُمْ أَعْيُنٌ هُوَ نُوْرُهَا لَمَّا وَرَد

ترجمہ: "حضرت عیسیٰ اور حضرت آدم اور سارے انبیاء و مرسلین گویا کہ آنکھیں ہیں آپ ان آنکھوں کا نور بن کر تشریف لائے۔"

لَوْ أَبْصَرَ الشَّيْطَانُ طلعةَ نورِهٖ   فی وجهِ آدمَ كَانَ أَوَّلَ مَنْ سَجَد

ترجمہ: "اگر شیطان چہرہ آدم میں آپ کے نور کی چمک دیکھ لیتا وہ سب سے پہلے سجدہ میں گر جاتا۔"

لَوْ أَرٰى نمرودُ نُوْرَ جَمَالِهٖ   عَبَدَ الجَلِيْلَ مع الخَلِيْلِ وَمَا عَنَد

ترجمہ: "اگر نمرود آپ کے جمال اور حسن کا نور دیکھ لیتا تو وہ حضرت خلیل کے ساتھ رب جلیل کی عبادت کرتا اور عداوت نہ کرتا۔"

يكن جمال الله جل فلا يُرٰى   الّا بتوفيق من الله الصمد

ترجمہ: "لیکن رب تعالیٰ کا حسن و جمال بہت عظیم ہے۔ جس کی زیارت رب تعالیٰ کی توفیق کے بغیر نہیں ہوسکتی۔"

تیسرا باب

آپ ﷺ کی نبوت کا حضرت آدم میں روح پھونکنے سے پہلے ہونا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: "رب العزت نے آسمانوں اورزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مخلوق کی تقدیروں کو لکھ دیا تھا۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔"

امام مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے۔ صاحب اللطائف نے یہ اضافہ کیا ہے کہ "الذکر" یعنی ام الکتاب میں جو کچھ لکھا گیا تھا اس میں یہ ذکر خیر بھی تھا۔ "محمد (جانِ عالم ﷺ) خاتم النبیین ہیں۔"

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں رب تعالیٰ کے ہاں ام الکتاب میں خاتم النبیین لکھا گیا تھا۔ اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی میں گوندھے ہوئے تھے۔" اس روایت کو امام احمد اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ الطیبی نے "مشکاۃ" کی شرح میں لکھا ہے "اِنْجَدَلَ" "جدل" کا فعل مطاوع ہے۔

جب کوئی کسی کو زمین پر پچھاڑ دے۔ اس کی اصل "الانقاء علی الجدالۃ" ہے جَدَالۃ سخت زمین کو کہا جاتا ہے۔ "یہ انابۃ فعل مناب فعل" کی سبیل پر ہے یعنی "منجدل" کو یہ اجازت دینا درست نہیں کہ وہ جَدَل کے مطاوع فعل ہو۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آدم سخت زمین سے جدا ہوں۔ بلکہ آپ اس پر ہی لٹائے گئے تھے۔ "الطینۃ" سے مراد "الخلقۃ" ہے یہ "طانہ اللہ علی طینتك" سے مشتق ہے۔ "فی" میں جار مجرور "منجدل" کے متعلق نہیں ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت آدم اپنی خلقت میں مظروف ہوں۔ بلکہ یہ اَنَّ کی دوسری خبر ہے واؤ اور اس کا مابعد المکتوب سے حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اس کا معنی یہ ہے "مجھے اس حال میں "خاتم الانبیاء" لکھا گیا جب حضرت آدم زمین پر پڑے تھے۔ وہ اپنی تخلیق کے مابین تھے۔ ان کی تصویر کشی اور روح پھونکنے سے فراغت نہیں ہوئی تھی۔"

الحافظ ابوالفرج ابن رجب رحمہ اللہ نے "اللطائف" میں لکھا ہے "اس حدیث پاک کا مقصود یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت اس سے پہلے بھی مشہور و معروف تھی کہ رب تعالیٰ آپ کی تخلیق کرتا اور آپ کو دنیا میں جلوہ گر کرتا۔ حضرت آدم کی تخلیق سے قبل ام الکتاب میں آپ کا ذکر خیر مرقوم تھا۔ ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ذکر سے مراد بھی یہی ہے۔ ارشادِ پاک ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ (الرعد:۳۹)

ترجمہ: "مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے جو چاہتا ہے، اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے ام الکتاب کے بارے پوچھا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا: "رب تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ کیا تخلیق کرنے والا ہے۔ اور اس کی مخلوق کیا کرے گی۔ اس نے اپنے علم سے کہا: "کتاب بن جا" وہ کتاب ہو گیا۔" اس میں شبہ نہیں کہ رب تعالیٰ کا علم قدیم اور ازلی ہے۔ وہ یقیناً اسے علم تھا کہ وہ کیا تخلیق کرنے لگا ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے یہ علم زمین و آسمان کی تخلیق سے قبل اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس تھی۔ ارشاد فرمایا:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ (الحدید:۲۲)

ترجمہ: "نہیں آتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں۔ اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں بے شک یہ بات اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔"

صحیح بخاری میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رب تعالیٰ موجود تھا۔ اس سے قبل کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس نے "الذکر" میں ہر چیز لکھ دی پھر آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا۔

اس حدیث پاک میں "انی عند اللہ فی ام الکتاب" اس سے مراد یہ نہیں (واللہ اعلم) کہ آپ اس وقت ام الکتاب میں خاتم النبیین لکھے گئے تھے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس لکھے ہوئے کے بارے میں خبر دی جائے جو اس وقت ام الکتاب میں لکھا گیا تھا حالانکہ اس وقت حضرت آدم میں روح بھی پھونکی نہیں گئی تھی۔ حالانکہ وہ نوع انسانی کے پہلے فرد ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے تخلیق کیا۔ دیگر احادیث طیبہ میں ہے کہ اس حالت میں آپ کو نبوت عطا کر دی گئی۔ یہ تیسرا مرتبہ ہے۔ یہ علم اور کتابت کے رتبہ سے عینی اور خارجی وجود کے رتبہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ آپ کو حضرت آدم کی پشت انور سے نکالا گیا۔ نبوت کا تاج سجایا گیا۔ آپ کی نبوت خارج میں موجود ہو گئی، حالانکہ وہ پہلے ام الکتاب میں مکتوب تھی۔

حضرت میسرہ الفجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ! آپ کے سر پر نبوت کا تاج کب سجایا گیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے مابین تھے" اس روایت کو امام احمد، امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے عرض کی: "آپ کا ذکر خیر کب لکھا گیا؟" آپ نے فرمایا: "میں اس وقت بھی نبی لکھا گیا جبکہ حضرت آدم روح اور جسم کے مابین تھے۔" یہ روایت ابن عساکر نے لکھی ہے یہ روایت اگر اسے حضرت عرباض سے منقول روایت کے ساتھ ملایا جائے کہ آپ کی نبوت کے وجوب، اس کے ثبوت اور خارج میں اس کے ظہور کا احتمال رکھتی ہے، کیونکہ کتابۃ اس امر میں استعمال ہوتی ہے جو شرعی طور پر واجب ہو۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ۔ (البقرہ: ۱۸۳)

ترجمہ: "فرض کیے گئے ہیں تم پر روزے۔"

یا مقدر ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ (الحشر: ۲۱)

ترجمہ: "اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ صحابہ کرام نے عرض کی "یا رسول اللہ! آپ کے سر پر نبوت کا تاج کب سجایا گیا؟ آپ نے فرمایا: "حضرت آدم اس وقت روح اور جسم کے مابین تھے۔" اس روایت کو امام ترمذی نے لکھا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ حضرت صنابحی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! آپ کو کب نبی بنایا گیا؟" آپ نے فرمایا: "اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے مابین تھے" اس روایت کو ابو نعیم نے نقل کیا ہے۔ الآجری نے کتاب الشریعۃ میں سعید بن ابی راشد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت عطاء سے پوچھا: "کیا حضور ﷺ مخلوق کی تخلیق سے پہلے نبی تھے؟" انہوں نے فرمایا "ہاں! اللہ کی قسم! دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل آپ نبی تھے۔"

حافظ ابن رجب نے لکھا "یہ عطاء خراسانی ہیں یہ بھی اس امر کی طرف اشارہ ہے جس کا تذکرہ ہم نے کیا یہ کہ تقادیر لکھتے وقت ام الکتاب میں آپ کی نبوت کا تذکرہ کر دیا گیا۔ رب تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے یہ اشعار لکھے ہیں:

سَبَقَتْ نُبُوَّتُهُ وَ آدَمُ طِيْنَةٌ فله الفخار على جميع النَّاسِ

سُبْحَانَ من خَصَّ النبى محمدًا بِفَضَائِل تُتْلى بغيرِ قِيَاسِ

ترجمہ: "آپ ﷺ کی نبوت سبقت لے گئی، حالانکہ اس وقت حضرت آدم مٹی میں گوندھے ہوئے تھے۔ آپ کو سارے لوگوں پر فخر حاصل ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے حضور ﷺ کے ساتھ ایسے فضائل مختص کیے جنہیں کسی شک و شبہ کے بغیر پڑھا جاتا ہے۔"

تنبیہ

امام سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "جس نے حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کنت نبيا و آدم بين الروح والجسد کی تشریح میں یہ کہا ہے کہ آپ عنقریب نبی بن جائیں گے۔ اس کا موقف درست نہیں ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا علم تو ہر چیز کو محیط ہے۔ اس وقت میں حضور نبی کریم ﷺ کو نبوت کے وصف سے متصف فرمانے سے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ امر آپ کے لیے اس وقت ثابت تھا۔ اگر اس سے مراد صرف علم ہوتا کہ آپ عنقریب مستقبل میں نبی بن جائیں

کے تو پھر آپ کے لیے یہ خصوصیت نہ رہے گی کہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ حضرت آدم روح اور جسم کے مابین تھے۔ کیونکہ اس وقت اور اس سے قبل بھی رب تعالیٰ کو سارے انبیاء کی نبوت کے بارے علم تھا۔ یہ یقیناً حضور کریم ﷺ کی خصوصیت ہے اسی لیے حضور کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس سے آگاہ کیا۔ تاکہ امت اس قدر و منزلت کو جان لے جو آپ کو رب تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ نبوت وصف کے لیے لازم ہے کہ موصوف اس وقت موجود ہو۔ یہ اس وقت ہی تھا۔ جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی آپ کے وجود اور بعثت سے قبل آپ کو اس وصف کے ساتھ کیسے متصف کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کے لیے اسے صحیح قرار دیا جائے تو دیگر انبیاء کے لیے بھی یہ اسی طرح ہوگا۔"

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں۔ "روایت ہے کہ رب تعالیٰ نے ارواح کو اجسام سے پہلے تخلیق کیا۔ آپ کے فرمان "کنت نبیا" میں اشارہ آپ کی مبارک روح کی طرف یا حقائق میں سے حقیقت کی طرف ہے۔ حقائق کو سمجھنے سے ہماری عقول عاجز ہیں۔" ان کا خالق ہی ان کے بارے جان سکتا ہے یا وہ جان سکتا ہے رب تعالیٰ اپنے نور سے جس کی مدد فرمائے۔ پھر ان حقائق میں سے ہر حقیقت کو رب تعالیٰ وہ کچھ عطا کر سکتا ہے جو چاہے اور جب چاہے عطا کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ کی حقیقت تخلیق آدم سے قبل بھی تھی۔ رب تعالیٰ نے اسے اس وصف سے متصف کر دیا۔ اس طرح کہ رب تعالیٰ نے اس کی تخلیق اس طرح کی ہو کہ اس میں اس کی استعداد موجود ہو۔ رب تعالیٰ اس وقت اس کو اس وصف سے متصف کر دیا ہو۔ آپ نبی بن گئے۔ آپ کا اسم گرامی عرش معلیٰ پر لکھا آپ کی رسالت کی خبر دی تاکہ فرشتے وغیرہم آپ کی عزت و کرامت سے آگاہ ہو جائیں۔ آپ کی حقیقت اس وقت موجود ہو۔ اگرچہ آپ کا جسم منور اس سے مؤخر ہو۔ جو اس وصف سے متصف ہو۔ آپ کی حقیقت ان اوصاف مبارکہ سے متصف تھی جو درگاہِ ایزدی سے آپ کو عطا کیے گئے۔ لیکن بعثت اور تبلیغ، ہر وہ امر جو رب تعالیٰ کی طرف سے تھا یا آپ کی ذات اقدس جس کے لیے تیار تھی اسے مؤخر کر دیا گیا۔ لیکن آپ کی حقیقت معجل تھی اس میں کوئی تاخر نہ تھا۔ اسی طرح آپ کو نبی بنانا، حکمت اور نبوت عطا کرنا بھی معجل تھا۔ لیکن ان کا تکون اور تنقل مؤخر ہو گیا حتیٰ کہ آپ کا ظہور ہو گیا۔ حضرت کعب سے مروی اثر بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

ایک عارف باللہ نے فرمایا ہے "جب رب تعالیٰ نے ان ارواح کو تخلیق کیا جو اجسام کے مدبرۃ تھیں یہ فلک کی حرکت کے وجود کے وقت تھا۔ اس وقت رب تعالیٰ نے حرکت کے ساتھ زمان کو تخلیق کیا۔ سب سے پہلے رب تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک کو پیدا کیا پھر حرکات فلکیہ سے ارواح کا صدور ہوا، عالم غیب میں ان کا وجود تھا، لیکن عالم شہادت میں ان کا وجود نہ تھا۔ اس وقت رب تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس وقت حضرت آدم بھی موجود نہ تھے۔ جس طرح کہ فرمایا: "آدم اس وقت روح اور جسم کے مابین تھے" آپ کا فرمان کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ حقیقت ہو۔ حصر کی وجہ سے دو امور کے مابین عدم نہیں ہو سکتا۔ کسی چیز میں معدوم کے لیے حصر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ پھر آپ کے جسم اطہر کے وجود اور اس کے ساتھ روح کے ارتباط تک

زماں منتہی ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ کا ظہور پوری طرح اپنے جسم اقدس اور روح پاک کے ساتھ ہو گیا۔ سابقہ انبیاء اور مرسلین کی شریعتوں پر پہلے آپ کا باطنی حکم تھا۔ پھر آپ کا حکم ظاہر ہو گیا۔ پھر یہ شرع منسوخ ہو گئی۔ کیونکہ شرع ایک ہی تھی، اور صاحب شرع آپ ہی تھے۔ آپ نے فرمایا: "کنت نبیا" نہ تو "کنت انسانا" فرمایا نہ ہی "کنت موجوداً"۔ فرمایا۔ نبوت اس شرع کے بغیر ہوتی ہی نہیں جو رب تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔ آپ نے بتا دیا کہ آپ دنیا میں انبیاء کرام کی تشریف آوری سے قبل بھی صاحب النبوۃ تھے۔

ابن سعد نے حضرت سہل مولی عثمہ سے روایت کیا ہے۔ وہ نصرانی تھے وہ اپنی ماں اور چچا کی کفالت میں یتیم تھے۔ وہ انجیل پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا: "میں نے اپنے چچا کا مصحف لیا۔ اسے پڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ میں ایک ورق تک پہنچا۔ مجھے اس کی کثافت نے حیران کر دیا۔ میں نے اسے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ گوند کے ساتھ اسے جوڑا گیا تھا۔ میں نے اسے کھولا۔ میں نے وہاں حضور کی تعریف پائی۔ وہاں لکھا تھا: "وہ نہ طویل قامت ہوں گے نہ ہی ان کا قد چھوٹا ہوگا۔ ان کی رنگت سفید ہوگی۔ ان کی دو مینڈھیاں ہوں گی۔ ان کے کندھوں کے مابین خاتم النبوۃ ہوگی۔ وہ اکثر احتباء کریں گے۔ وہ صدقہ نہیں کھائیں گے، وہ گدھے پر سوار ہوں گے وہ اونٹ پر سواری کریں گے۔ بکری کا دودھ نکالیں گے۔ وہ پیوند لگی قمیض پہنیں گے۔ جو اس طرح کرتا ہے وہ تکبر سے نکل جاتا ہے۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے۔ ان کا اسم گرامی "احمد" ہوگا۔

سہل نے کہا: "جب میں اس جگہ پہنچا تو میرا چچا آیا جب اس نے وہ ورقہ دیکھا تو اس نے مجھے مارا اور کہا: 'تو نے یہ ورقہ کیوں کھولا ہے۔ اسے کیوں پڑھا ہے؟'' میں نے کہا: ''اس میں حضور اکرم ﷺ کی نعت ہے۔'' اس نے کہا: ''ابھی تک وہ نہیں آئے۔''

عبدالحمید بن جعفر نے اپنے والد سے روایت کی ہے ان کے والد کا نام زبیر بن باطا تھا۔ وہ بہت عالم تھا۔ انہوں نے کہا: "میں نے ایک صحیفہ دیکھا۔ میرا باپ اس پر مہر لگا کر رکھتا تھا۔ اس میں احمد مجتبیٰ ﷺ کا ذکر خیر تھا۔ سرزمین القرظ سے ان کا ظہور ہوگا۔ وہ اس اس صفت سے متصف ہوں گے۔ زبیر اپنے باپ کے اس اس کے بارے گفتگو کرتا تھا۔ اس وقت حضور ﷺ مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ پھر اس نے سن لیا کہ حضور اکرم ﷺ کا مکہ مکرمہ میں ظہور ہو چکا ہے۔ وہ اس صحیفہ کی طرف گیا۔ اس نے اسے مٹا دیا اور حضور ﷺ کی شان کو چھپا دیا۔ اس نے کہا: "یہ وہ نہیں ہیں۔"

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے حضرت شعیا پر وحی کی: "میں نبی امی کو مبعوث کروں گا۔ میں ان کے ذریعے بہرے کانوں، محجوب دلوں اور اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا وہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے، طیبہ ہجرت کریں گے، شام ان کا ملک ہوگا، وہ میرے متوکل، چیدہ اور بلند شان والے نبی ہوں گے۔ وہ حبیب، برگزیدہ اور مختار ہوں گے۔ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے، بلکہ وہ معاف کر دیں گے۔ وہ بیوگان کی

آغوش میں یتیم کے لیے بھی روئیں گے۔ وہ نہ سخت ہوں گے نہ تند خو ہوں گے۔ نہ بازاروں میں شور کریں گے۔ نہ فحش گوئی کریں گے۔ وہ بدکلامی نہیں کریں گے۔ وہ اگر چراغ کے پاس سے گزریں گے تو چراغ ان کے وقار کی وجہ سے نہیں بجھے گا۔ اگر وہ خشک بانس پر چلیں گے تو ان کے قدموں کی چاپ سنائی نہیں دے گی۔ میں انہیں مبشر اور نذیر بنا کر بھیجوں گا۔ میں انہیں ہر عمدہ خصلت عطا کروں گا۔ ہر خلق کریم سے نوازوں گا۔ میں وقار کو ان کا لباس اور نیکی کو ان کا شعار بنا دوں گا۔ تقویٰ ان کا ضمیر ہوگا۔ حکمت ان کی سرشت ہوگی۔ صدق اور وفا ان کی طبیعت ہوگی۔ عفو، مغفرت اور بھلائی ان کا خلق ہوگا۔ عدل ان کی سیرت ہوگی۔ حق کو ان کی شریعت اور ہدایت کو ان کا امام بنا دوں گا۔ اسلام کو ان کی ملت بنا دوں گا۔ ان کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ میں گمراہی کے بعد ان کے ذریعے ہدایت دوں گا۔ جہالت کے بعد ان کے ذریعے تعلیم دوں گا۔ گمنامی کے بعد ان کے ذریعے رفعت دوں گا۔ جنت کے بعد ان کے ذریعے بلند کروں گا۔ قلت کے بعد ان کے ذریعے کثیر کروں گا۔ غربت کے بعد ان کے ذریعے امارت بخشوں گا۔ جدائی کے بعد ان کے ذریعے جمع کروں گا۔ میں ان کے ذریعے متفرق دل، منتشر خواہشات اور مختلف اقوام کو جمع کروں گا۔ ان کی امت کو بہترین امت بناؤں گا۔ ان کو لوگوں کے لیے نکالوں گا۔ وہ نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے۔ وہ میری توحید کے گن گائیں گے، مجھ پر ایمان لائیں گے، میرے ساتھ اخلاص کریں گے، وہ میرے رسل عظام کے پیغام کی تصدیق کریں گے، وہ سورج کا لحاظ کریں گے، ان دلوں، ارواح اور چہروں کے لیے بشارت ہو جنہوں نے میرے لیے اخلاص کا اظہار کیا، میں انہیں تسبیح و تہلیل، تکبر و تحمید الہام کروں گا۔ وہ اپنی مساجد، مجلسوں، بستروں اور آتے اور جاتے رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے۔ وہ مساجد میں اس طرح صفیں بنائیں گے جس طرح فرشتے میرے عرش کے اردگرد صفیں بناتے ہیں۔ وہ میرے دوست اور مددگار ہوں گے۔ میں ان کے ذریعے اپنے دشمنوں بت پرستوں سے انتقام لوں گا۔ وہ قیام، قعود اور سجدہ کر کے میری نماز پڑھیں گے۔ وہ میرے رضا کے حصول کے لیے اپنے مالک اور اموال سے نکلیں گے۔ وہ صفیں اور بھیڑ بنا کر میرے رستے میں جہاد کریں گے۔ میں ان کی کتاب پر کتب کو، ان کی شریعت پر شریعتوں کو اور ان کے دین پر ادیان کو ختم کروں گا۔ جو ان کی کتاب پر ایمان نہ لایا ان کی شریعت اور ان کے دین میں داخل نہ ہوا۔ اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں وہ مجھ سے بری ہے۔ میں انہیں امتوں میں سے افضل بناؤں گا، میں انہیں بہترین امت بنا کر لوگوں پر گواہ بناؤں گا، وہ جب غصے میں ہوں گے تو میری تہلیل بیان کریں گے۔ جب ان کے ہاں رزق کی کمی ہوگی تو وہ میری تکبیر بیان کریں گے۔ جب باہم جھگڑا ہوگا، تو وہ میری تسبیح بیان کریں گے۔ وہ چہروں کو صاف کریں گے۔ اطراف کو پاکیزہ رکھیں گے وہ کمر میں تہ بند باندھیں گے، وہ ہر بلند جگہ اور ٹیلے پر کلمہ طیبہ پڑھیں گے ان کے خون ان کی قربانیاں ہوں گے۔ ان کے سینے انجیل ہوں گے۔ وہ رات کے راہب اور دن کے شیر ہوں گے۔ آسمان کی فضا میں پکارنے والا انہیں پکارے گا۔ ان کے ذکر کی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ہوگی۔ بشارت ہو اس کے لیے جو ان کے ہمراہ ہوگا۔ ان کے دین، طریقہ اور

شریعت پر ہوگا۔ یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔ میں بہت زیادہ فضل کرنے والا ہوں۔"

ابن قتیبہ نے کہا ہے: "جب بانس لمبا ہو اس پر تھوڑی سی ہوا چلے یا لطیف شخص بھی اس پر سے گزرے تو اس میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ آواز پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ حضور ﷺ اس طرح پروقار ہوں جس طرح پرسکون پرندہ ہوتا ہے۔"

امام بیہقی نے حضرت وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی: "اے داؤد! عنقریب آپ کے بعد ایک نبی آئیں گے۔ احمد اور محمد (ﷺ) ان کے اسم گرامی ہوں گے۔ وہ سچے ہیں میں کبھی بھی ان سے ناراض نہیں ہوں گا۔ وہ کبھی بھی میری نافرمانی نہیں کریں گے، میں نے ان کے اگلوں اور پچھلوں کی خطائیں معاف کر دی ہیں۔ اس ضمن میں احادیث اور روایات کثیر ہیں۔

❁❁❁

چوتھا باب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد لینے کے بارے

ابن سعد نے امام شعبی سے مرسل روایت کیا ہے۔ایک شخص نے عرض کی: "یارسول اللہ! آپ کے سر اقدس پر نبوت کا تاج کب سجایا گیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "اس وقت آدم روح اور جسم کے مابین تھے، جب مجھ سے عہد لیا گیا۔"

ابوسہل القطان نے "امالی" میں سہل بن صالح الہمدانی سے روایت کیا ہے۔انہوں نے کہا "میں نے ابوجعفر محمد بن علی سے پوچھا کہ حضور ﷺ سارے انبیاء سے مقدم کیسے ہو گئے۔حالانکہ آپ کو آخر میں مبعوث کیا گیا؟ انہوں نے کہا: "جب اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالا۔اور انہیں اپنے آپ پر گواہ بنایا تو انہیں فرمایا: "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ جس ذات والا نے سب سے پہلے "بلیٰ" "ہاں" کہا۔وہ حضور کریم کی ذات اقدس تھی۔اسی لیے آپ سارے انبیاء سے مقدم ہوئے اور سب سے آخر میں آپ کو مبعوث کیا گیا۔

حافظ ابن رجب نے "الطائف" میں لکھا ہے "امام شعبی کی روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب حضرت آدم کی صورت گری کی گئی تو آپ ﷺ کو باہر نکالا گیا۔آپ سے عہد لیا گیا۔نبوت سے سرفراز کیا گیا۔پھر آپ کو حضرت آدم کی پشت اقدس میں لوٹا دیا گیا۔حتیٰ کہ آپ کے ظہور کا وقت آ گیا۔اسی طرح آپ تخلیق کے اعتبار سے اول اور بعثت کے اعتبار سے آخر ہیں۔آپ اس اعتبار سے آخر النبیین ہیں کیونکہ آپ کا زمانہ ان سے مؤخر ہے۔

یوں نہیں کہا جائے گا کہ حضرت آدم کو آپ سے پہلے تخلیق کیا گیا کیونکہ اس وقت حضرت آدم میں روح نہیں پھونکی گئی تھی۔حضور ﷺ زندہ تھے۔جب آپ کو نکالا گیا۔نبوت سے سرفراز کیا گیا اور آپ سے عہد لیا گیا۔اس طرح بھی نہیں کہا جائے گا کہ حضرت آدم کی پشت سے اولاد نکالنا نفخ روح کے بعد تھا جس طرح کہ اس پر اکثر احادیث دلالت کرتی ہیں۔جو امر طے شدہ ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو حضرت آدم میں نفخ روح سے پہلے نکالا گیا اور نبوت سے سرفراز کیا گیا۔کیونکہ یہ آپ کے ساتھ مختص تھا کہ آپ کو حضرت آدم میں نفخ روح سے قبل نکالا جائے، کیونکہ نوع انسانی کی تخلیق کا مقصود آپ کی ذات ہے۔ آپ اس کا عین اور خلاصہ ہیں۔امام شعبی اور دیگر ان روایات سے استدلال کیا جا سکتا ہے، جو پہلے باب میں گزر چکی ہیں کہ آپ کی ولادت ہوئی تو آپ اس وقت بھی نبی تھے۔آپ کو اس وقت نبوت سے سرفراز کیا گیا جب آپ سے میثاق اور عہد لیا گیا۔جب آپ کو حضرت آدم کی پشت انور سے نکالا گیا، اس وقت بھی آپ نبی تھے۔لیکن دنیا میں آپ کے ظہور کی مدت کو

متاخر کردیا گیا یہ امر آپ کے نبی ہونے کے مانع نہیں ہے۔ جس طرح کہ کسی آدمی کے سپرد ایک سلطنت کر دی جائے اور اسے زمانہ مستقبل میں تصرف کا حکم دیا جائے۔ اقتدار کا حکم اس کے لیے اس وقت سے ثابت ہوگا جب اقتدار اس کے سپرد کیا جائے گا۔ اگرچہ اس کا تصرف وقت مقررہ تک کے لیے مؤخر کر دیا گیا ہو سابقہ باب میں احادیث طیبہ واضح طور پر آپ کی نبوت پر دلالت کر رہی ہیں۔

❁❁❁

پانچواں باب

عرش، ملکوت اور دیگر اشیاء پر آپ کا نام مبارک

امام علامہ خالد بن محمود بن جملہ نے کہا ہے "آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے ثابت نہیں کہ اس کا نام عرش پر لکھا گیا ہو۔" امام حاکم اور امام طبرانی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جب حضرت آدم سے لغزش صادر ہوگئی تو انہوں نے عرض کی: "پروردگار! میں محمد عربی ﷺ کے وسیلہ سے التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم نے محمد عربی ﷺ کو کیسے جان لیا؟" انہوں نے عرض کی: "مولا! جب تو نے مجھے اپنے دست اقدس سے پیدا کیا مجھ میں اپنی روح پھونکی، میں نے سر اقدس اٹھایا میں نے عرش کے پائیوں پر یوں لکھا ہوا دیکھا: "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" میں نے کہا "تو نے اسے نام کے ساتھ اس ذات کا نام ہی ملایا ہوگا جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگی۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آدم! تم نے سچ کہا ہے۔ اگر محمد عربی ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں تخلیق نہ کرتا۔"

امام زاہد شیخ ابراہیم الرقی نے لکھا ہے کہ اگر رب تعالیٰ حضرت آدم پر نظر کرم نہ فرماتا تو وہ اور ان کی اولاد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے "دار السخط" میں رہتی۔

اس ایک ہستی کے بارے تمہارا کیا گمان ہے جس کی برکت سارے جہانوں کو شامل ہے حتیٰ کہ اس کے طفیل سرکشوں کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ محروم کو رزق عطا کیا جاتا ہے۔ شکستہ دلوں کو جوڑ دیا جاتا ہے۔ عذاب سے نجات عطا کر دی جاتی ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ ہم روزِ حشر بھی ان کی شفاعت کے منتظر ہوں گے۔ دنیا کی ابتداء میں ہمارے بارے اور ہمارے باپ کے بارے آپ کی شفاعت سبقت لے گئی ہے۔ آپ کا ظاہر و باطن پاک ہے۔ آپ کا اول و آخر مبارک ہے۔ ابن ابی عاصم نے مسند میں اور ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "موسیٰ! جس نے اس حالت میں مجھ سے ملاقات کی کہ وہ محمد عربی ﷺ کا انکار کرتا ہوگا میں اسے آگ میں داخل کروں گا۔" انہوں نے عرض کی: "محمد کون ہیں؟" رب تعالیٰ نے فرمایا: "موسیٰ! مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں نے کوئی مخلوق ایسی تخلیق نہیں جو مجھے ان سے معزز ہو۔ میں نے آسمانوں، زمین، سورج اور چاند کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل ان کا نام اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھا۔"

ابن منذر نے حضرات محمد بن علی بن حسین سے روایت لکھی ہے کہ جب حضرت آدم نے درخت کھا لیا تو ان کا کرب عظیم ہو گیا۔ ندامت بڑھ گئی، حضرت جبرائیل نے انہیں یہ دعا سکھائی "مولا! میں حضور اکرم کے اس مقام و منصب کے طفیل دعا مانگتا ہوں جو انہیں تیری بارگاہ میں حاصل ہے کہ تو میری لغزش کو معاف کر دے۔" حضرت آدم نے اسی طرح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آدم! تمہیں یہ علم کیسے ہوا؟" انہوں نے عرض کی: "مولا! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی۔"

ابن ابی الدنیا نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم کی اولاد میں باہم مباحثہ ہونے لگا کہ رب تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز مخلوق کون سی ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا: "حضرت آدم معزز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دستِ اقدس سے تخلیق کیا۔ مسجودِ ملائکہ بنایا۔" دوسروں نے کہا: "بلکہ ملائکہ زیادہ معزز ہیں، جو رب تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔" انہوں نے یہ گفتگو حضرت آدم سے عرض کی۔ انہوں نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ نے مجھ میں روح پھونکی۔ ابھی روح قدموں تک نہ پہنچی تھی کہ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ میرے سامنے عرش جگمگا اٹھا۔ میں نے دیکھا وہاں لکھا ہوا تھا۔ "محمد رسول اللہ" وہی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ معزز ہیں۔"

ابن جوزی نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے عرض کی "یارسول اللہ! آپ کب سے نبی ہیں؟" آپ نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ نے زمین تخلیق کی۔ آسمان پر متمکن ہوا۔ انہیں سات آسمان بنائے۔ عرش تخلیق کیا۔ عرش کے پایہ پر محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء لکھا۔ رب تعالیٰ نے جنت تخلیق کی جس میں حضرت آدم اور حضرت حواء کو بسایا۔ رب تعالیٰ نے پتوں، دروازوں، خیموں اور قبوں پر میرا اسم گرامی رقم فرمایا۔ اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے مابین تھے۔ جب رب تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی تو انہوں نے عرش کی طرف دیکھا۔ انہوں نے وہاں میرا نام مبارک دیکھا۔ رب تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ وہ آپ کی اولاد کے سردار ہیں۔ جب شیطان نے انہیں مکر و فریب میں مبتلا کیا۔ انہوں نے توبہ کی اور میرا نام بطور وسیلہ استعمال کیا۔" ابن ابی الدنیا نے کلیب ابو وائل سے روایت بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: "اس زمانہ کے آغاز میں ہم نے ہندوستان پر لشکر کشی کی۔ میں گھنے جنگل میں گھس گیا۔ میں نے وہاں ایک درخت دیکھا اس کے سرخ پھول تھے ان میں سفید رنگت میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔

ابن عساکر نے حضرت کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام پر عصا نازل کیے۔ انہوں نے اپنے نور نظر حضرت شیث علیہ السلام کی طرف توجہ کی اور فرمایا: "میرے بیٹے! تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو۔ تم تقویٰ اور مضبوط گرہ کے ساتھ انہیں پکڑ لو۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو تو اس کے ساتھ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ضرور ذکر کرو۔ میں نے دیکھا کہ ان کے نام نامی عرش کے پایہ پر لکھا ہوا تھا۔ اس وقت میں روح اور مٹی کے مابین تھا۔ پھر میں آسمانوں میں گھوما میں نے آسمانوں میں کوئی جگہ نہ دیکھی مگر وہاں اسم محمد مکتوب تھا۔ میں نے

حورانِ بہشت کے سینوں پر، جنت کے درختوں کے پتوں پر، شجرہ طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، پردوں کی اطراف پر ملائکہ کی آنکھوں کے مابین آپ کا اسم گرامی لکھا ہوا دیکھا۔ کثرت سے ان کا ذکر کرو۔ ملائکہ ہر ہر آن ان کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اور ابن عدیم نے تاریخ حلب میں ابوالحسین علی بن عبداللہ ہاشمی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "میں ہندوستان کے شہروں میں گیا، میں نے ایک شہر میں کالے پھول دیکھے۔ وہ پھول بڑے بڑے اور خوشبودار تھے۔ ان پر سفید رنگت میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ابوبکر الصدیق، عمر الفاروق لکھا ہوا تھا۔ مجھے اس کے بارے شک ہوا۔ میں نے کہا یہ معلوم ہے میں اس کلی کی طرف گیا جو ابھی تک کھلی نہیں تھی۔ میں نے اس میں بھی یہ دلکش منظر دیکھا، جو دوسرے پھولوں میں تھا۔ اس شہر میں ایسے بہت سے درخت تھے، حالانکہ وہ لوگ پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔

"مسالک الابصار" میں ابن سعید المغربی نے ذکر کیا ہے کہ انہیں اس شخص نے بتایا جو ہندوستان گیا تھا۔ اس نے بالکین کے قصبہ میں دیکھا وہاں ایک بہت بڑا درخت تھا۔ اس کے پھول سرخ تھے۔ ان میں سفید رنگت میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

قاضی نے سمطاوی علیہ الرحمۃ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے خراسان کے ایک شہر میں ایک بچہ دیکھا جو اسی وقت پیدا ہوا تھا۔ اس کے ایک پہلو میں لا الہ الا اللہ اور دوسرے میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

شیخ عبداللہ الیافعی نے اپنی کتاب "روض الریاحین" میں لکھا ہے کہ بعض شیوخ نے کہا ہے کہ "میں ہندوستان کے ایک شہر میں گیا۔ میں نے وہاں ایک درخت دیکھا جو ایسا پھل دیتا تھا جو بادام کے مشابہ تھا۔ اس کے دو چھلکے تھے۔ جب اسے توڑا جاتا تو اس کے اندر سبز چھلکا نکلتا جس پر سرخ رنگت میں عمدہ کتابت میں لا الہ الا اللہ لکھا ہوتا۔ وہاں کے لوگ اس سے برکت حاصل کرتے تھے۔ جب رحمت کی بارش رک جاتی تو وہ اس کے وسیلہ سے بارش کے لیے دعائیں مانگتے تھے۔ میں نے یہ واقعہ ابو یعقوب الصیاد کو بیان کیا تو انہوں نے فرمایا: "یہ کتنا عظیم واقعہ ہے۔ میں الابلہ کے دریا میں مچھلیاں پکڑتا تھا۔ میں نے ایک مچھلی پکڑی اس کی دائیں طرف لا الہ الا اللہ اور بائیں طرف محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ جب میں نے اسے یوں دیکھا تو میں نے احترام کرتے ہوئے اسے دریا میں پھینک دیا۔

خطیب نے اپنی تاریخ میں عبدالرحمن بن ہارون المغربی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں مغرب کے سمندر پر عازم سفر ہوا۔ میں السوطون پہنچا ہمارے ہمراہ ایک صقلی غلام تھا۔ اس کے پاس ایک کانٹا تھا اس نے اسے سمندر میں پھینک دیا۔ اس نے بالشت بھر مچھلی پکڑی ہم نے اس کے ایک کان پر دیکھا وہاں لا الہ الا اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس کی گدی اور دوسرے کان پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ یہ لکھائی پتھر پر نقش سے زیادہ واضح تھی۔ وہ مچھلی سفید تھی۔ کالے رنگ میں لکھا ہوا تھا گویا کہ وہ سیاہی کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ ہم نے وہ مچھلی سمندر میں پھینک دی۔

ابوشیخ نے "العظمة" میں جعفر بن عرفہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "میں سمندر میں ایک سواری پر تھا۔ ہمارے لیے ایک سفید مچھلی ظاہر ہوئی اس کی گدی پر سیاہ رنگت کے ساتھ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

ابن عساکر نے حضرت سلمان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت کعب سے فرمایا: "ہمیں ان فضائل کے بارے بتائیں جو حضور اکرم ﷺ کی ولادت سے پہلے کے ہیں۔" انہوں نے فرمایا: "ہاں! امیر المومنین! میں نے پڑھا ہے کہ حضرت خلیل اللہ نے ایک پتھر پایا اس پر چار سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ پہلی سطر میں "لا الہ الا انا فاعبدنی" دوسری میں "لا الہ الا اللہ انا محمد رسولی طوبیٰ لمن امن بہ و اتّبع" تیسری سطر میں "انّی انا اللہ لا الہ الا انا من اعتصم بی نجا" چوتھی سطر میں "انی انا اللہ لا الہ الا انا الحرم لی والکعبة بیتی من دخل بیتي امن من عذابی" لکھا ہوا تھا۔

ابونعیم نے حضرت طلحہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "گھر میں ایک پتھر پایا گیا۔ اس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ ایک شخص کو بلایا گیا۔ اس نے اسے پڑھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا "المنتخب، المتوکل، المنیب، المختار میرا بندہ ہے۔ مکہ میں وہ پیدا ہوں گے، طیبہ کی طرف ہجرت کریں گے۔ ان کا وصال نہ ہوگا حتیٰ کہ وہ ٹیڑھے رستہ کو سیدھا کر دیں گے۔ وہ گواہی دیں گے کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ ان کی امت تعریف کرنے والی ہوگی۔ وہ ہر ٹیلے پر رب تعالیٰ کی تعریف کرے گی۔ وہ اپنے وسط میں تہ بند باندھے گی۔ اپنی اطراف کو پاکیزہ رکھے گی۔"

امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "و کان تحتہ کنز لھما" کے متعلق مجھ یہ بات پہنچی ہے کہ وہ خزانہ سونے کی ایک تختی تھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا "اس شخص پر تعجب ہے جو موت کا یقین رکھتا ہے۔ وہ کیسے خوش ہوتا ہے، تعجب ہے اس شخص پر جو حساب کا یقین رکھتا ہے، وہ کیسے ہنستا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر کیوں غمزدہ ہوتا ہے، تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا، اس کے زوال اور اس پلٹ پلٹ کر آنے کو دیکھتا ہے پھر وہ کیسے مطمئن ہوتا ہے، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

امام بزار نے حضرت ابوذر سے اسی طرح روایت کیا ہے، یہ آپ اسماء کی شرح کا تتمہ ہے۔

❁❁❁

چھٹا باب

آپ کے بارے انبیائے کرام سے عہد

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ (آل عمران: ۸۱، ۸۲)

ترجمہ: ”اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں کی) جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور امداد کرنا اس کی اس کے بعد فرمایا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا اس پر میرا بھاری ذمہ سب نے عرض ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں، پھر جو کوئی پھرے اس (پختہ عہد) کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں۔“

ابن ابی حاتم نے امام سدی سے اس آیت کے بارے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر کوئی نبی مبعوث نہ فرمایا مگر اس سے عہد لیا کہ وہ محمد عربی پر ایمان لائے گا، اور اگر ان کی ظاہری زندگی میں ان کا ظہور ہوا تو وہ آپ کی مدد کرے گا۔“

ابن جریر نے اس آیت طیبہ کی تفسیر میں حضرت علی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”حضرت آدم اور ان کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں کیا گیا، مگر اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے عہد لیا گیا کہ اگر آپ مبعوث ہوئے اور وہ زندہ ہو تو وہ آپ پر ایمان لائے گا اور آپ کی مدد کرے گا۔ اس نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنی قوم سے بھی اسی طرح کا عہد لے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رب تعالیٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا مگر اس سے عہد لیا کہ اگر وہ زندہ ہو اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کر دیا گیا تو وہ ضرور ان پر ایمان لائے گا اور ان کی مدد کرے گا۔ اسے حکم دیا کہ وہ اسی

طرح کا عہد اپنی امت سے لے لے کہ اگر ان کی زندگی میں حضور اکرم ﷺ مبعوث ہو گئے تو وہ ضرور ان پر ایمان لائیں گے اور ضرور ان کی مدد کریں گے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں، الزرکشی نے شرح البردۃ میں، ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اور جامع المسانید، الحافظ نے باب حدیث الخضر مع موسیٰ اور ابن عساکر وغیرہم نے یہ روایت نقل کی ہے۔ امام سبکی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اس آیت طیبہ میں حضور اکرم ﷺ کی وہ قدر و شان عیاں ہوتی ہے جو کسی سے مخفی نہیں۔ اگر آپ ان انبیائے کرام کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو آپ ان کے بھی رسول ہوتے۔ آپ کی نبوت اور رسالت حضرت آدم سے لے کر روزِ حشر تک سارے لوگوں کے لیے عام ہوتی۔ سارے انبیاء کرام اور ان کی امم آپ کی امت ہوتی۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان "بُعِثْتُ الی الناس کافۃ" صرف ان لوگوں تک محدود نہیں جو آپ کے مبارک زمانہ سے لے کر روزِ حشر تک پیدا ہوں گے۔ بلکہ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو آپ سے پہلے آئے تھے۔ انبیائے کرام سے اس لیے عہد لیا گیا تاکہ انہیں علم ہو جائے کہ آپ ان سے مقدم ہیں آپ ان کے نبی اور رسول ہیں۔ "اَخَذَ" میں قسم کا معنی پایا جاتا ہے، اسی لیے "لتومنن بہ ولتنصرنہ" میں لام داخل کی گئی ہے۔ اس میں ایک اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ اس بیعت کی مانند ہے جو خلفاء کے لیے لی جاتی ہے۔ شاید خلفاء کے لیے حلف اسی سے اخذ کیا گیا ہے۔ ذرا دیکھو حضور ﷺ کا رب تعالیٰ کے ہاں کیا مقام و منصب ہے۔ جب تم یہ بات جان چکے ہو تو یہ بھی جان لو کہ حضور ﷺ انبیاء کے بھی نبی ہیں۔ اسی لیے آخرت میں سارے انبیاء کا ظہور آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔ اسی طرح آپ نے دنیا میں معراج کی شب ان سب کو امامت کرائی۔ اگر آپ حضرات آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو ان انبیائے کرام اور ان کی اقوام پر لازم ہوتا کہ آپ پر ایمان لاتیں اور آپ کی نصرت کرتیں۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے ان سے عہد لیا۔ ان کی طرف آپ کی رسالت و نبوت معنیً آپ کو حاصل ہے۔ اس کا انحصار ان کا آپ کے ساتھ جمع ہونا ہے۔ امر کا مؤخر ہونا ان کے وجود کی طرف راجع ہے۔ اس طرف راجع نہیں کہ آپ اس وصف سے متصف نہیں جو اس کا تقاضا کرتا ہے۔ محل کے قبول کرنے پر فعل کے توقف اور فاعل کی اہلیت کے توقف میں فرق ہے۔ اس طرح توقف فاعل کی جہت سے نہیں ہے نہ ہی حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ والا کی طرف سے ہے۔ یہ اس زمانہ کے وجود کی جہت کی طرف سے ہے۔ جس میں آپ تشریف لائے۔ اگر آپ ان کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو بلا شبہ ان پر آپ کی اتباع لازمی ہوتی۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ آخری زمانہ میں آپ کی شریعت مطہرہ پر ہی نزول فرمائیں گے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم ہوں گے۔ وہ اس طرح نہیں ہوں گے جس طرح بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ اس امت مرحومہ کے ایک فرد ہوں گے۔ ہاں! وہ اس امت میں سے ایک ہوں گے، جس طرح کہ ہم نے کہا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی اتباع کریں گے۔ وہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی شریعت مطہرہ کے مطابق قرآن و سنت کے ساتھ فیصلے کریں گے۔ وہ اسی کے اوامر اور نواہی پر عمل پیرا ہوں گے۔ ان

کا تعلق اسی کے ساتھ اسی طرح ہوگا۔ جس طرح اس ساری امت کا ہوگا۔ وہ اس حالت میں نبی کریم ہوں گے، ان میں کسی چیز کی کوئی کمی نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر آپ ﷺ حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت نوح، یا حضرت آدم علیہم السلام کے زمانہ میں مبعوث ہوتے تو وہ اپنی اپنی نبوت اور رسالت پر برقرار رہتے۔ حضور ﷺ ان سب کی طرف رب تعالیٰ کے نبی اور رسول ہوتے۔ آپ کی نبوت و رسالت سب سے اعم، عظیم اور سب کو شامل ہے۔ آپ اصولِ دین میں دیگر انبیاء کے ساتھ متفق ہیں کیونکہ اصول مختلف نہیں ہیں۔ البتہ فروع میں اختلاف ہے۔ یہ اختلاف یا تو تخصیص کے اعتبار سے یا نسخ کے اعتبار سے یا نہ نسخ اور نہ ہی تخصیص کے اعتبار سے ہے بلکہ ان اوقات میں وہ شریعت ان امم کے اعتبار سے آپ ہی کی شریعت تھی۔ جو دیگر انبیاء ان امم کی طرف لے کر آتے، اور یہ شریعت مطہرہ اس وقت اس امت مرحومہ کے اعتبار سے ہوگی۔ اشخاص اور اوقات کے بدلنے سے احکام بدلتے رہتے ہیں۔" امام بکی علیہ الرحمۃ کا کلام ختم ہوگیا۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۔ (الانعام:۹۰)

ترجمہ: "یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی تھی اللہ نے ان ہی کے طریقہ کی پیروی کرو۔"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے ان کی ہدایت سے مراد آپ کی شریعت مطہرہ ہی ہے۔ یعنی اس شریعت کو لازم پکڑیں جو آپ کے نائب لے کر آئے تھے۔ اسی دین کو قائم کریں۔ اس میں تفرقہ نہ کریں۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا: "بهم اقتده" اسی طرح فرمایا:

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۔ (النحل: آیت ۱۲۳)

ترجمہ: "پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے۔"

اس سے مراد دین ہے۔ آپ کو دین کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دین کی اصل رب تعالیٰ کی طرف سے ہے، کسی اور کی طرف سے نہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے "اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔" اتباع کو آپ کی طرف منسوب کیا گیا۔ آپ کو دین کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا نہ کہ انبیائے کرام کی اتباع کرنے کا۔ جب سلطان اعظم ظاہر ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کے نائبوں میں سے کسی کا حکم باقی نہیں رہتا۔ مگر سلطان اعظم کا حکم باقی رہتا ہے۔ جب وہ غائب ہوتا ہے تو نائب اسی کے احکام کا حکم صادر کرتے ہیں، وہ موجود ہو یا نہ ہو۔ درحقیقت حاکم وہی ہوتا ہے۔

فانك شمس والملوك كواكب ۔۔۔ اذا ظهرت لم يبد منهن كوكب

ترجمہ: "آپ سورج ہیں اور بادشاہ ستارے ہیں جب آپ کا ظہور ہوتا ہے تو ان میں سے ایک ستارہ بھی ظاہر

نہیں ہوتا۔"

امام بوصیری علیہ الرحمۃ نے اسی مفہوم کو ادا کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ امام بوصیری امام مکی کی ولادت سے قبل وصال فرما چکے تھے۔

وَكُلُّ آيٍ أَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا   فَإِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُورِهِ بِهِمُ

ترجمہ: "وہ تمام معجزات جو دیگر رسل عظام لے کر تشریف لائے یہ معجزات انہیں آپ کے نور مبارک کی وجہ سے ہی حاصل ہوئے۔"

فَإِنَّهُ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا   يُظْهِرْنَ أَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

ترجمہ: "آپ فضل کے سورج ہیں اور انبیاء ستارے ہیں وہ تاریکیوں میں اپنے انوار لوگوں کے لیے ظاہر کرتے ہیں۔"

❁❁❁

ساتواں باب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور رب تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے بتانا

اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ (البقرہ:۱۲۹)

ترجمہ: "اے ہمارے رب بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے، بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے۔"

ابن جریر نے حضرت ابوالعالیۃ سے روایت لکھی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی: "ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم" تو ان سے کہا گیا" آپ کی دعا کو قبول کرلیا گیا ہے۔ یہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری زمانہ میں تشریف لائیں گے۔" امام احمد اور امام حاکم نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔" ابن عساکر نے حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی "یارسول اللہ! ہمیں اپنے بارے ہی بتائیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، اور سب سے آخری نبی جنہوں نے میری بشارت دی وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہیں۔"

امام احمد، امام ابن سعد، امام طبرانی، ابن مردویہ نے حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے انہوں نے کہا: "میں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے امر کی ابتداء کیسے ہے؟" آپ نے فرمایا: "میں اپنے باپ حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے میرے بارے بشارت دی۔"

ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ کو نکالنے کا حکم دیا گیا تو انہیں ایک براق پیش کی گئی۔ وہ جب بھی کسی شاداب اور عمدہ زمین پر سے گزرتے تو کہتے: "جبرائیل! اس

جگہ اتریں۔" وہ کہتے "نہیں" حتیٰ کہ وہ مکہ مکرمہ آگئے۔ حضرت جبرائیل نے کہا: "حضرت خلیل! نیچے تشریف لے آئیں۔" انہوں نے فرمایا: "اس جگہ نہ تو دودھ ہے نہ کھیتی ہے۔" حضرت جبرائیل نے کہا: "ہاں! اسی جگہ آپ کے فرزند حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوگا۔ ان کے ذریعے کلمہ علیا مکمل ہوگا۔

محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: "جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اپنے نورِ نظر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر باہر نکلیں تو ایک ملنے والے نے ان سے ملاقات کی۔ اس نے کہا: "اے ہاجرہ! تمہارا یہ فرزند بہت سے قبائل کا باپ ہوگا۔ اس کی نسل پاک سے نبیِ امی تشریف لائیں گے جو حرم پاک کے ساکن ہوں گے۔"

❁❁❁

آٹھواں باب

قدیمی کتب میں آپ ﷺ کے فضائل اور مناقب

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ

ترجمہ: ''یہ (وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں جو ان کے پاس لکھا ہوا ہے۔ تورات میں اور انجیل میں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے حضور ﷺ کی بعض وہ صفات تورات میں دیکھی ہیں جو قرآن پاک میں مرقوم ہیں۔ تورات میں ہے: ''اے نبی کریم! ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر اور ان پڑھوں کے لیے پناہ گاہ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے ہیں۔ آپ میرے رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ نہ تندخو ہوں گے نہ غلیظ۔ نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والے ہوں گے۔ وہ برائی کی برائی کے ساتھ جزا نہیں دیں گے۔ بلکہ معاف کریں گے۔ درگزر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کا وصال نہ کرائے گا حتیٰ کہ ٹیڑھی ملت سیدھی ہو جائے گی۔ وہ لا الہ الا اللہ کہیں گے۔ رب تعالیٰ ان کے ذریعے اندھی آنکھوں، غلاف میں لپٹے دلوں اور بہرے کانوں کو کھول دے گا۔''

اس روایت کو امام بخاری، ابن عساکر اور ابن جوزی نے حضرت عبداللہ بن سلام سے اور راوی نے اسے حضرت کعب سے روایت کیا ہے۔ ''شاهدًا'' کاف یا فاعل سے حال ہے۔ یعنی آپ کی گواہی ان کے لیے مقدر کرتے ہوئے جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کے ہاں ان کے بارے یا ان کے خلاف آپ کی بات مقبول ہوگی۔ جس طرح کہ عادل گواہ کا قول فیصلے میں قبول کیا جاتا ہے۔ ''حرزًا'' یعنی پناہ گاہ۔ ''للامیین'' سے مراد عرب ہیں۔ کیونکہ ان میں سے بہت کم لوگ کتابت کو جانتے تھے۔ ''الامی'' وہ ہوتا ہے جو اچھی طرح لکھ نہ سکے یہود کے لیے جائز نہیں کہ وہ ''حرزًا للامیین'' سے یہ دلیل پکڑیں کہ حضور ﷺ کو اہلِ عرب کی طرف ہی مبعوث کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ فرمان ''حتی یقیم الملة العوجاء'' یہود کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ انہوں نے تورات میں تبدیلی کر دی تھی۔

اسے تبدیل کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی طرف بھیجا تا کہ ان کا ٹیڑھا پن سیدھا ہو جائے۔ کیا ان کے علاوہ کسی اور کا ٹیڑھا پن درست کرنے کی ضرورت تھی۔ "لیس بفظ" یعنی وہ بدخلق نہیں ہوں گے۔ "ولا غلیظ" وہ تندخو نہیں ہوں گے۔ "ولا سخاب" یعنی وہ مطلق شوروغل نہیں کریں گے۔ "الملة العوجاء" اس سے مراد ملت ابراہیمی ہے۔ کیونکہ اہلِ عرب نے اسے ٹیڑھا کر دیا تھا۔ وہ ٹیڑھے کی طرح ہو گئی تھی۔ "غُلْفًا" یہ اغلف کی جمع ہے۔ اس سے مراد کسی چیز کو غلاف اور پردہ میں اس طرح لپیٹ دینا ہے کہ کوئی چیز اس تک نہ جاسکے۔

ایک اعرابی سے روایت ہے اس نے کہا: "میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ اس وقت حضور ﷺ کا وصال نہیں ہوا تھا۔ میں نے کہا: "میں آپ سے ضرور ملوں گا، اور آپ کی باتیں ضرور سنوں گا۔ میں نے آپ سے ملاقات کی۔ آپ حضرات ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ چل رہے تھے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ حتیٰ کہ وہ ایک یہودی کے پاس آئے۔ اس نے تورات کھول رکھی تھی۔ اسے پڑھ رہا تھا۔ وہ اپنے اس بچے سے تسلی پا رہا تھا، جو نزع کے عالم میں تھا۔ وہ جوان بہت خوبصورت اور باجمال تھا۔ حضور ﷺ نے اسے فرمایا: "میں تجھے اس رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات نازل کی کیا تم اپنی اس کتاب میں میرے اوصاف اور ظہور کی جگہ کے بارے کچھ پاتے ہو؟" اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا "نہیں" اس کے بیٹے نے کہا "مجھے اس رب کی قسم جس نے تورات نازل کی ہے ہم اپنی کتاب میں آپ کے اوصاف اور ظہور کی جگہ کے بارے میں پاتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔" آپ نے فرمایا: "یہودیوں کو اپنے بھائی سے دور لے جاؤ۔" پھر آپ نے اس جوان کے کفن و نمازِ جنازہ کا انتظام کیا۔ اس روایت کو امام احمد نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک کنیسہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک یہودی تھا۔ جو دوسرے یہودیوں کو تورات سنا رہا تھا۔ جب وہ حضور اکرم ﷺ کے اوصاف تک پہنچے تو وہ رک گئے۔ کنیسہ کے کونے میں ایک مریض تھا۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا "تمہیں کیا ہوا ہے تم رک کیوں گئے ہو؟" اس مریض نے کہا: "وہ حضور کے اوصاف تک پہنچ کر رک گئے ہیں۔" پھر وہ مریض آیا اس نے تورات لی۔ وہ اسے پڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ وہ حضور ﷺ کے اوصاف تک پہنچا۔ پھر عرض کی: "یہ آپ کے اور آپ کی امت مرحومہ کے اوصاف ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ رب تعالیٰ کے رسول مکرم ہیں۔" پھر وہ شخص مر گیا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: "اپنے بھائی کو لے جاؤ۔"

اس روایت کو امام احمد نے لکھا ہے۔ حضرت مقاتل بن حبان نے لکھا ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ پر وحی کی: "بنو اسرائیل کی اصلاح کے لیے خوب کوشش کریں۔ اس کوشش میں غیر سنجیدگی کا اظہار نہ کریں۔ خوب غور

سے سنیں اور اطاعت کریں۔ اے طاہرہ! باکرہ اور بتول کے فرزند! میں نے آپ کو مرد کے بغیر پیدا کیا ہے، آپ کو سب جہانوں کے لیے نشانی بنایا ہے۔ صرف میری ہی عبادت کریں۔ صرف مجھ پر ہی توکل کریں، اہل سورانیہ کی طرف جائیں جو سامنے آئیں ان کو تبلیغ کریں کہ میں زندہ جاوید ہوں۔ وہ قائم ہوں جسے زوال نہیں۔ اس امی عربی نبی کی تصدیق کرو جو اونٹ کی سواری کریں گے جو جبہ اور عمامہ پہنیں گے۔ وہ نعلین پہنیں گے اور عصا پکڑیں گے۔ ان کے بال گھنگھریالے ہوں گے۔ ان کی پیشانی کشادہ اور روشن ہوگی۔ پلکیں باہم ملی ہوں گی، آنکھیں سرمگیں ہوں گی، ناک مبارک بلند ہوگی، رخسار مبارک چوڑے ہوں گے، داڑھی مبارک گھنی ہوگی، پیشانی پر پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ ان سے مشک کی خوشبو آئے گی۔ ان کی گردن گویا کہ چاندی کی صراحی ہوگی، گویا کہ مبارک گلے میں سونا رواں ہوگا۔ سینہ مبارک سے لے کر ناف مبارک تک بالوں کی لائن ہوگی جو عصا کی مانند ہوگی۔ ان کے علاوہ سینہ اقدس اور بطن مبارک پر بال نہ ہوں گے۔ ہتھیلی اور قدم چوڑے ہوں گے۔ جب وہ لوگوں سے ملیں گے تو وہ شرف و قدر میں بلند ہوں گے۔ جب چلیں گے تو گویا کہ وہ پہاڑ سے اتر رہے ہوں گے یا کسی نشیبی علاقے میں اتر رہے ہوں ان کی نسل قلیل ہوگی۔"
اس سے مراد آپ کی پشت مبارک سے مذکر اولاد ہے۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جارود بن عبداللہ آئے۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ انہوں نے عرض کی: "مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں نے آپ کے اوصاف انجیل میں پائے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی بشارت دی ہے۔" حضرت مریم کو بتول اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مردوں سے منقطع تھیں۔ انہیں ان کی کوئی تمنا نہ تھی۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے نجاشی کو سنا وہ کہہ رہا تھا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی ہے۔ اگر میں سلطنت کے معاملہ میں مصروف نہ ہوتا اور میں لوگوں کے معاملات کا والی نہ ہوتا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتا اور نعلین مبارک اٹھانے کی سعادت حاصل کرتا۔" (ابوداؤد)

امام ترمذی نے شمائل میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم تورات میں آپ کے اوصاف یوں پاتے ہیں: "آپ محمد بن عبداللہ ہوں گے۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔ طابہ کی طرف ہجرت کریں گے، شام ان کا ملک ہوگا۔ وہ نہ فحش گو ہوں گے، نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والے ہوں گے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے، بلکہ معاف کریں گے، درگزر کریں گے، ان کی امت بہت زیادہ تعریف کرنے والی ہوگی، وہ ہر معاملہ میں رب تعالیٰ کی تعریف کرے گی۔ ہر بلند جگہ پر رب تعالیٰ کی تکبیر کہے گی، وہ اپنے اطراف کو پاک رکھے گی، وسط میں تہبند باندھے گی، وہ اپنی نماز کے لیے اسی طرح صفیں بنائیں گے جس طرح جنگ کے لیے صفیں باندھی جاتی ہیں۔ مسجد میں اس کی آواز

اس طرح آئے گی جس طرح مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ آسمان کی فضا میں ان کے منادی کو سنا جاسکے گا۔"

حضرت ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی۔ اسے پڑھا تو اس میں اس امت مرحومہ کا ذکر پایا۔ انہوں نے عرض کی: "مولا! میں نے الواح میں ایسی امت کا ذکر پایا ہے کہ جب وہ دعا مانگیں گے ان کی دعائیں قبول ہوں گی۔ اسے میری امت بنا دے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! میں نے تورات میں ایسی امت کا ذکر پڑھا ہے جن کی اناجیل ان کے سینوں میں ہوں گے۔ وہ ظاہراً انہیں پڑھیں گے اسے میری امت بنا دے۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "وہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! میں نے تورات میں ایسی امت کا ذکر پڑھا ہے کہ جو کچھ وہ کھائیں گے وہ بھی صدقہ ہوگا، اس پر بھی انہیں اجر ملے گا۔ اسے میری امت بنا دے۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "وہ احمد مجتبیٰ کی امت ہے۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! میں نے الواح میں ایسی امت کا تذکرہ پڑھا ہے جب وہ کسی نیکی کا ارادہ کرے گی۔ اسے عملی جامہ نہیں پہنائے گی تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے گی، اگر وہ اس نیکی کو کرلیں گے تو ان کے لیے دس نیکیوں کا اجر لکھا جائے گا۔ مولا! اسے میری امت بنا دے۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "وہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! میں نے تورات میں ایسی امت کا ذکر پڑھا ہے کہ ان میں سے جب کوئی برائی کا ارادہ کرے گا اور اسے کرے گا نہیں تو اسے لکھا نہیں جائے گا، اگر اس نے وہ برائی کر دی تو اس کے لیے صرف ایک برائی لکھی جائے گی۔ اسے میری امت بنا دے۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "وہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! میں نے الواح میں ایسی امت کا ذکر پڑھا ہے جنہیں اولین اور آخرین کا علم دیا جائے گا۔ وہ گمراہ مسیح الدجال کے ساتھ جنگ کریں گے۔ اسے میری امت بنا دے۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "وہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! پھر مجھے ان کی امت میں سے کر دے۔" اس وقت انہیں دو فضیلتیں عطا کی گئیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: "میں نے تمہیں اپنی رسالت اور ہم کلامی کا شرف عطا کر کے لوگوں میں سے منتخب کرلیا ہے۔ میں نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اسے پکڑلو اور شکرادا کرنے والوں میں سے ہوجاؤ۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! میں راضی ہوگیا ہوں۔"

ابن سعد نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر وحی کی: "میں آپ کی اولاد میں سے بادشاہ اور انبیاء پیدا کروں گا۔ حتیٰ کہ میں اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کروں گا۔ جن کی امت بیت المقدس کا ہیکل تعمیر کرے گی۔ وہ خاتم الانبیاء ہوں گے۔ ان کا اسم گرامی "احمد" ہوگا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رب تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے ایک نبی کی طرف یہ وحی کی "میرا غضب تم پر اس لیے شدید ہوگیا ہے کیونکہ تم نے میرا معاملہ ضائع کیا ہے۔ میں نے قسم اٹھائی ہے کہ تمہارے پاس

روح القدس نہیں آئے گا۔ حتیٰ کہ میں سرزمین عرب میں نبی الامی ﷺ کو مبعوث کروں گا۔ جن کے پاس روح القدس آئے گا۔"

ابونعیم نے حضرت کعب رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "میرے والد صاحب اس علم کو سب سے زیادہ جانتے تھے جو رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا۔ وہ مجھ سے کوئی نہیں چھپاتے تھے جو وہ جانتے تھے۔ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے بلایا۔ مجھے کہا: "نورِ نظر! تم جانتے ہو کہ میں تجھ سے کچھ نہیں چھپاتا، جو میں جانتا ہوں۔ مگر میں نے دو اوراق تم سے چھپا رکھے تھے۔ ان میں ذکر ہے کہ ایک نبی مبعوث ہوں گے، ان کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ میں نے پسند نہ کیا کہ میں تمہیں اس کے بارے بتاؤں مجھے تمہارے بارے امن نہیں کہ ممکن ہے کہ کچھ کذاب ظہور کرلیں اور تم ان کی اطاعت کرلو۔ میں نے وہ اوراق اس روشندان میں رکھ دیے ہیں۔ اس پر مٹی کا لیپ کر دیا ہے۔ اب انہیں نہ چھیڑنا نہ ہی انہیں دیکھنا اگر رب تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہوگا تو اس نبی مکرم کا ظہور ہوگا اور تم ان کی اتباع کرلو گے۔" پھر وہ مرگیا ہم نے انہیں دفن کر دیا۔ مجھے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہ تھی کہ میں ان اوراق کو دیکھوں۔ میں نے وہ روشندان کھولا۔ اس میں سے وہ دونوں ورق نکال لیے ان میں لکھا ہوا تھا: "محمد عربی ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، وہ خاتم الانبیاء ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، وہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے، طیبہ ہجرت فرمائیں گے، نہ وہ تندخو ہوں گے نہ غلیظ ہوں گے، وہ بازاروں میں شوروغل نہیں کریں گے۔ وہ برائی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دیں گے، وہ معاف اور درگزر کریں گے۔ ان کی امت بہت زیادہ تعریف کرنے والی ہوگی، وہ ہر حال میں رب تعالیٰ کی تعریف کرے گی۔ تکبیر کہتے وقت زبانیں عجز کا اظہار کریں گیں۔ جو شخص ان کے نبی کریم کے ساتھ نبرد آزما ہوگا ان کی اس کے خلاف مدد کی جائے گی۔ وہ اپنی شرمگاہیں دھوئیں گے۔ وسط میں چادریں باندھیں گے۔ ان کے سینوں میں ان کی انجیل ہوں گی۔ وہ باہم اس طرح پیار کریں گے جس طرح ایک ماں کے بیٹے باہم پیار کرتے ہیں۔ روزِ حشر وہ دیگر اقوام سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔" پھر میں اتنی دیر ٹھہرا رہا جتنا رب تعالیٰ نے چاہا۔ پھر مجھے یہ خبر ملی کہ مکہ مکرمہ ایک نبی کا ظہور ہو چکا ہے۔ میں چھان بین کرنے لگا۔ مجھے خبر ملی کہ ان کا وصال ہو چکا ہے۔ ایک خلیفہ ان کے قائم مقام ہو چکا ہے۔ ہمارے پاس ان کے لشکر آئے۔ میں نے کہا: "میں اس دین میں داخل نہ ہوں گا، حتیٰ کہ میں ان کی سیرت دیکھ لوں، ان کے اعمال کا جائزہ لے لوں۔ میں دفاع کرتا رہا۔ معاملہ مؤخر کرتا رہا، تاکہ میں چھان بین کرلوں حتیٰ کہ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عامل آگئے۔ جب میں نے انہیں دیکھا کہ وہ عہد پورا کرتے ہیں اور رب تعالیٰ نے ان کے دشمن کے خلاف ان کی مدد کی تھی جب میں نے یہ دیکھا تو میں جان گیا کہ وہی لوگ ہیں جن کا میں منتظر تھا۔ بخدا! ایک رات میں اپنے گھر کی چھت پر تھا ایک مسلمان یہ آیت طیبہ پڑھ رہا تھا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

نَّطْمِسَ وُجُوْهًا۔ (النساء:47)

ترجمہ: ”اے وہ لوگو جنہیں دی گئی کتاب، ایمان لاؤ، اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے تاکہ تصدیق کرے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے۔“

میں نے یہ آیت طیبہ سنی تو مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ وقتِ صبح میرا چہرہ میری گردن کی طرف نہ آجائے۔ مجھے اس سے بڑھ کر اور کوئی بات پسندیدہ نہ تھی کہ صبح ہو اور میں مسلمانوں کے پاس چلا جاؤں۔“

❁❁❁

نواں باب

علمائے یہود، راہب اور کاہنوں کی آپ کے بارے بشارات

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں ایران کا باشندہ تھا" دوسری روایت میں ہے "میں اہل جَیّ میں سے تھا۔ میرا باپ گاؤں کا سردار تھا۔ وہ مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ اس نے مجھے گھر میں اس طرح پابند کر دیا تھا جس طرح دوشیزہ کو پردہ میں بٹھا دیا جاتا ہے میں آتش پرستی میں محنت کرتا رہا حتیٰ کہ میں آگ کا خادم اور خازن بن گیا۔ میرے گاؤں کے لوگ ابلق گھوڑوں کی پوجا کرتے تھے۔ مجھے لوگوں کے حالات کا کوئی علم نہ تھا، مگر جس حالت میں تھا، میں جانتا تھا کہ وہ کسی چیز پر نہ تھے۔ میرا ایک بھائی تھا، جو مجھ سے بڑا تھا۔ جب میں اپنی محفل سے اٹھتا وہ اپنا کپڑا لپیٹتا پھر پہاڑی پر چڑھ جاتا۔ اس نے یہ عمل عجیب طرح سے کئی بار کیا تھا۔ میں نے اسے کہا: "تو تو اس طرح اس طرح کرتا ہے۔ مجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے کر جاتا۔" اس نے کہا: "تو ابھی بچہ ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں کسی ناپسندیدہ امر کا اظہار نہ ہو جائے۔" میں نے کہا: "نہ ڈرو۔" اس نے کہا: "اس پہاڑ میں غار کے اندر کچھ لوگ ہیں۔ وہ عبادت کرتے ہیں۔ وہ تقویٰ شعار ہیں۔ وہ رب تعالیٰ اور آخرت کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم بت پرست اور آگ کے پجاری ہیں۔ میں نے ان کا دین اختیار کر لیا ہے۔" میں نے کہا: "مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔" اس نے کہا: "حتیٰ کہ میں ان سے مشورہ کر لوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ تم سے کسی چیز کا اظہار ہو جائے گا۔ میرا باپ اس کے بارے جان جائے گا۔ وہ ان سب کو قتل کر دے گا۔ ان کی ہلاکت گویا کہ میرے ہاتھوں ہوگی۔" میں نے کہا: "مجھ سے کسی ایسے امر کا اظہار نہیں ہوگا۔" اس نے ان کے ساتھ مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا: "اسے لے آؤ۔" میں اس کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے انہیں دیکھا وہ چھ یا سات تھے۔ گویا کہ ان کی ارواح نکل چکی تھیں۔ وہ دن کے روزے رکھتے تھے۔ رات بھر قیام کرتے تھے۔ وہ درخت وغیرہ کھا لیتے تھے۔ ہم ان کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ گزشتہ انبیاء اور رسل کا تذکرہ کیا۔ حتیٰ کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچ آئے۔ انہوں نے کہا: "رب تعالیٰ نے انہیں بن باپ پیدا کیا۔ انہیں رسول بنا کر مبعوث کیا، ان کے لیے وہ امور مسخر کر دیئے جنہیں وہ سرانجام دیتے تھے۔ مثلاً مردے زندہ کرنا، پرندے بنانا، کوڑھیوں اور راندھوں کو شفاء یاب کرنا۔ ایک قوم نے ان کا انکار کیا، دوسری نے ان کی اتباع کر لی۔ وہ رب تعالیٰ کے بندے اور رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اپنی مخلوق کو آزمائش میں ڈالا۔ اے بچے! تیرا ایک رب ہے۔ تیرے ساتھ حشر کا وعدہ ہے۔ تمہارے سامنے جنت

اور آگ ہے۔ ان کی طرف تو نے جانا ہے۔ یہ لوگ جو آگ پوجتے ہیں وہ کافر اور گمراہ ہیں۔ رب تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے راضی نہ ہوگا۔ وہ کسی دین پر نہیں ہیں۔" پھر ہم واپس آگئے پھر ان کی طرف گئے۔ پھر میں نے ان کو لازم پکڑ لیا، انہوں نے مجھے کہا: "اے سلیمان! تو ابھی بچہ ہے تو وہ کچھ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا جو ہم کرتے ہیں۔ تم نماز پڑھو، سو جاؤ، کھاؤ اور پیو۔"

رئیس اپنے فرزند کے اس عمل سے آگاہ ہوگیا۔ وہ گھڑسواروں کے ساتھ ان کے پاس آیا۔ اس نے کہا: "اے فلاں، فلاں! تم نے میرا پڑوس اختیار کیا۔ میں نے تمہارا پڑوس عمدہ کیا۔ تم نے میری طرف سے برائی نہ دیکھی حتیٰ کہ تم نے میرے بیٹے کا قصد کیا، اور اسے خراب کر دیا۔ میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں، اگر میں نے تین دن کے بعد تم پر قدرت پالی تو میں تمہیں اسی غار میں جلا دوں گا۔ تم اپنے اپنے شہر چلے جاؤ، مجھے یہ بات ناپسند ہے، کہ میں تمہیں تکلیف دوں۔" انہوں نے کہا "بالکل! ہم نے بھی تمہاری برائی کا ارادہ نہیں کیا۔ ہم نے صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔" اس رئیس نے اپنے فرزند کو ان کے پاس جانے سے روک دیا۔ میں نے کہا: "رب تعالیٰ سے ڈرو۔ تم جانتے ہو یہ دین، دین الٰہی ہے۔ تمہارا باپ اور ہم کسی دین پر نہیں ہیں۔ وہ صرف آگ کے پجاری ہیں، وہ رب تعالیٰ کو نہیں جانتے۔ دوسروں کی دنیا کے لیے اپنی آخرت فروخت نہ کرو۔" اس نے کہا: "اے سلمان! حقیقت اسی طرح ہے جس طرح تم کہتے ہو۔ میں نے ان لوگوں پر رحم کرتے ہوئے ان کا پیچھا نہیں کیا۔ اگر میں ان کے پیچھے چل پڑا تو میرا باپ گھڑسوار دستے کے ساتھ میرا تعاقب کرے گا۔ میرے ان کے پاس آنے ہی اسے گھبرا دیا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ میں جان گیا ہوں کہ حق ان کے پاس ہے۔" میں نے اسے کہا: "تو بہتر جانتا ہے۔" پھر میں اپنے بھائی سے ملا۔ میں نے اسے گذارش کی۔ اس نے کہا: "میں معیشت کی جستجو میں مصروف ہوں۔" میں ان لوگوں کے پاس اس وقت آیا جب وہ جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا: "اے سلیمان! ہمیں پہلے ہی خطرہ تھا۔ اسی طرح ہوا، جس طرح کہ تم نے دیکھا ہے۔ تم رب تعالیٰ سے ڈرو، دین وہی ہے جس کی ہم نے تمہیں وصیت کی ہے۔ یہ بت پرست رب تعالیٰ کو نہیں جانتے۔ نہ اسے یاد کرتے ہیں، تمہیں کوئی دھوکا نہ دے دے۔"

دوسری روایت میں ہے: "میرے باپ کی بہت بڑی جاگیر تھی، ایک دن وہ اپنی عمارت میں مصروف تھا۔ اس نے مجھے کہا: "میرے نورِ نظر! اس عمارت نے مجھے آج مشغول کر دیا ہے۔ میں اپنی جاگیر کی طرف توجہ نہیں دے سکا۔ مجھے جاگیر کے بارے معلومات چاہیے۔ تم ان کے پاس جاؤ، انہیں یہ یہ حکم دو۔ تم جلدی آجانا۔ ورنہ مجھے سارے امور سے روک دو گے۔" میں باپ کی جاگیر کے ارادہ سے نکلا۔ میں عیسائیوں کے کنیسہ کے پاس سے گزرا، میں نے اس میں ان کی آوازیں سنیں۔ میں نے کہا: "یہ کیا ہے؟" انہوں نے بتایا: "عیسائی نماز پڑھ رہے ہیں۔" میں دیکھنے کے لیے اندر داخل ہوا۔ میں نے ان کی حالت دیکھی تو تعجب میں پڑ گیا۔ بخدا! میں ان کے پاس بیٹھا رہا حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا۔

میرے والد نے ہر ہر سمت میری تلاش میں آدمی بھیج دیے تھے، حتیٰ کہ شام کے وقت میں اس کے پاس آیا۔ میں جاگیر میں نہیں گیا تھا، اس نے مجھ سے پوچھا: "تم کہاں تھے؟" میں نے کہا: "والد! میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جنہیں عیسائی کہا جاتا تھا۔ مجھے ان کی نماز نے تعجب میں ڈال دیا تھا۔ مجھے ان کی دعا عجیب لگی۔ میں یہ دیکھنے کے لیے بیٹھ گیا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔" اس نے مجھے کہا: "نورِ نظر! تیرا اور تیرے آباء کا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔" میں نے کہا: "نہیں! بخدا! وہ ان کے دین سے بہتر نہیں۔ وہ قوم رب تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے۔ اسی سے دعا مانگتی ہے۔ ہم آگ پوجتے ہیں، جسے ہم اپنے ہاتھ سے جلاتے ہیں۔ جب اسے چھوڑ دیتے ہیں تو وہ بجھ جاتی ہے۔" اسے میرے بارے خدشہ لاحق ہوا۔ اس نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں، مجھے قید میں ڈال دیا۔ میں نے عیسائیوں کی طرف پیغام بھیجا۔ انہیں کہا: "اس دین کی اصل کہاں ہے؟ جس پر میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔" انہوں نے کہا: "شام میں۔" میں نے کہا: "جب تمہارے پاس وہاں کے باشندے آئیں اور وہ اپنی ضروریات پوری کرلیں تو مجھے ان کے بارے بتانا۔" جب ان کے پاس وہاں کے لوگ آئے انہوں نے اپنی ضروریات پوری کرلیں تو انہوں نے مجھے پیغام بھیجا۔ میں نے اپنے پاؤں کی بیڑی اتار پھینکی اور ان کے ساتھ جا کر مل گیا۔"

پھر رئیس ان لوگوں سے آگاہ ہوگیا، جو پہاڑ میں تھے۔ اس نے انہیں اپنے شہر سے نکل جانے کے لیے کہا۔ میں نے کہا: "میں تم سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔" انہوں نے کہا: "تم میں یہ طاقت نہیں کہ تم ہمارے ساتھ رہ سکو۔ ہم دن کو روزے رکھتے ہیں رات بھر قیام کرتے ہیں۔ درختوں کے پتے کھاتے ہیں۔ تم میں یہ طاقت نہیں۔" میں نے کہا: "میں تم سے جدا نہ ہوں گا۔" انہوں نے کہا: "تم بہتر جانتے ہو۔" ہم نے تمہیں اپنے حالات بتا دیے ہیں۔ اگر جانا چاہتے ہو تو کسی کو تلاش کرو جو تمہارے ساتھ رہے۔ اپنے ہمراہ وہ سامان بھی لے لو جسے کھا سکو، جو طاقت ہم میں ہے تم میں نہیں۔" میں نے اسی طرح کیا میں اپنے بھائی سے ملا۔ اسے یہ گزارش کی، مگر اس نے انکار کر دیا۔ میں ان کے پاس آیا۔ انہوں نے کوچ کیا۔ وہ چلتے تھے، میں بھی ان کے ساتھ چلتا تھا۔ رب تعالیٰ نے ہمیں سلامتی عطا فرمائی، حتیٰ کہ ہم موصل پہنچ گئے، ہم موصل کے گرجا میں گئے جب وہ وہاں داخل ہوئے تو لوگوں نے انہیں گھیر لیا۔ انہوں نے پوچھا: ""تم کہاں تھے۔" انہوں نے کہا: "ہم ایسے شہروں کی طرف گئے تھے جہاں لوگ رب تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے، وہ آگ پوجتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں دھتکار دیا۔ ہم تمہارے پاس آگئے۔" کچھ مدت گزر گئی تو انہوں نے مجھے کہا: "اے سلمان! ان پہاڑوں میں ایک قوم کا بسیرا ہے، وہ ہمارے دین پر ہیں۔ ہم ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ تم ان لوگوں کے ہمراہ ہی ٹھہرو۔ یہ اہلِ دین ہیں۔ عنقریب تم ان سے وہ کچھ دیکھو گے جو تم پسند کرتے ہو۔ میں نے کہا: "میں تمہیں چھوڑنے والا نہیں۔" مجھے گرجا والوں نے نصیحت کی۔ انہوں نے کہا: "اے بچے! ہمارے پاس ٹھہر جا۔ ہمارے گرجا کی کوئی چیز تمہیں عاجز نہیں کرے گی۔" میں نے کہا: "میں تم سے جدا نہیں ہوں گا۔" وہ نکلے، میں ان کے ہمراہ تھا۔ ہم صبح کے وقت پہاڑوں کے مابین تھے۔ اچانک ہم نے

ایک چٹان دیکھی۔ وہاں کثیر پانی اور بہت زیادہ کھانا تھا۔ ہم چٹان کے پاس بیٹھ گئے۔ جب سورج بلند ہوا تو ان پہاڑوں سے نکلے ایک شخص ایک آدمی کو باہر نکالنے لگا۔ گویا کہ روح ان کے جسم سے نکل چکی تھی۔ حتیٰ کہ ان کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ انہوں نے انہیں مرحبا کہا۔ انہیں گھیر لیا۔ انہوں نے کہا: "تم کہاں تھے؟" انہوں نے کہا: "ہم ایسے شہروں میں تھے جہاں رب تعالیٰ کو یاد نہیں کیا جاتا، وہاں لوگ آگ کے پجاری ہیں، وہ رب تعالیٰ کی پوجا نہیں کرتے، انہوں نے ہمیں دھتکار دیا۔" انہوں نے کہا: "یہ بچہ کون ہے؟" وہ لوگ میری تعریف کرنے لگے، انہوں نے کہا: "یہ ان شہروں سے ہمارے ساتھ ہو لیا تھا۔ ہم نے اس کی طرف سے بھلائی ہی دیکھی ہے۔" بخدا! وہ اسی حالت پر تھے کہ ایک طویل غار سے ایک شخص ان کے پاس آیا۔ اس نے انہیں سلام کہا وہ بیٹھ گیا۔ وہ لوگ اس کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ میرے ساتھیوں نے اس کی تعظیم کی۔ اس نے پوچھا: "تم کہاں تھے؟" انہوں نے بتایا۔ اس نے پوچھا: "یہ بچہ کون ہے؟" انہوں نے میری تعریف کی اور بتایا کہ میں ان کا پیروکار ہوں۔ میں نے آج تک اتنا احترام نہ دیکھا تھا جتنا وہ اس شخص کا کر رہے تھے۔ اس نے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر اس نے انبیاء اور رسل کا تذکرہ کیا جو انہوں نے تکالیف برداشت کیں تھیں ان کا تذکرہ کیا۔ جو سلوک ان کے ساتھ رکھا گیا تھا اسے یاد کیا حتیٰ کہ اس نے حضرت عیسیٰ کو یاد کیا کہ بن باپ ان کی ولادت ہوئی۔ رب تعالیٰ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا ان کے دستِ اقدس پر مردے زندہ کیے، اندھوں کو درست کیا۔ کوڑھیوں کو شفاء یاب کیا، وہ مٹی سے پرندہ بناتے تھے۔ پھر اس میں پھونک مارتے تھے۔ وہ رب تعالیٰ کے اذن سے پرندے بن جاتا تھا۔ رب تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل کی۔ انہیں تورات سکھائی۔ بنو اسرائیل کی طرف انہیں رسول بنا کر بھیجا۔ ایک قوم نے ان کا انکار کیا، دوسری قوم ان پر ایمان لے آئی۔" اس نے ان بعض مصیبتوں کا تذکرہ کیا جو حضرت عیسیٰ کو جھیلنی پڑیں۔ وہ ایسے بندے تھے جن پر رب تعالیٰ نے اپنا انعام کیا تھا۔ انہوں نے اس کا شکر ادا کیا، اس سے راضی ہو گئے۔" پھر اس نے وعظ کرتے ہوئے کہا: "رب تعالیٰ سے ڈرو۔ حضرت عیسیٰ کے پیغام کو لازم پکڑو، اس کی مخالفت نہ کرو، ورنہ تمہاری مخالفت کی جائے گی۔" اس نے اٹھ کر جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے کہا: "میں تم سے جدا نہ ہوں گا۔" اس نے کہا: "بچے! تم میرے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ میں صرف اتوار کے روز ہی اس غار سے نکلتا ہوں۔" میں نے کہا: "میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گا۔" میں نے اس کا تعاقب کیا، حتیٰ کہ وہ غار میں داخل ہو گیا۔ میں نے اسے نہ سوتے ہوئے اور نہ کھاتے ہوئے دیکھا۔ وہ دوسرے اتوار تک رکوع اور سجود میں مصروف رہتا تھا۔ وقتِ صبح ہم باہر نکلے جب ان لوگوں نے اسے دیکھا تو ان کے پاس جمع ہو گئے اس نے اسی طرح گفتگو کی جس طرح پہلی بار کر چکا تھا۔ پھر وہ اپنے غار کی طرف آ گیا۔ میں بھی اس کے ہمراہ تھا۔ میں ان کے ہمراہ اتنی دیر ٹھہرا رہا، جتنی دیر رب تعالیٰ نے چاہا۔ وہ ہر اتوار کو باہر نکلتا، لوگ اس کی طرف آتے، اس کی تعظیم کرتے، وہ انہیں وصیت کرتا، وہ ایک اتوار باہر نکلا۔ اس نے کہا: "اے قوم! میں عمر رسیدہ ہو گیا ہوں، میری ہڈیاں نرم ہو گئی ہیں۔ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں نے فلاں وقت سے اس گھر کی زیارت نہیں کی۔ میرا اس تک جانا ضروری ہے۔"

میں نے کہا: "میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔" میں اس کے ساتھ نکلا حتیٰ کہ ہم بیت المقدس آئے۔ وہ اندر داخل ہوا اور نماز پڑھنے لگا۔ وہ مجھے کہتا تھا: "اے سلیمان! عنقریب رب تعالیٰ ایک نبی مبعوث کرے گا۔ ان کا نام نامی احمد ہوگا۔ وہ تہامہ کی زمین سے ظہور کریں گے۔ وہ ہدیہ کھالیں گے، صدقہ نہیں کھائیں گے۔ ان کے کندھوں کے مابین مہر نبوت ہوگی۔ ان کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ میں عمر رسیدہ ہوں۔ میرا گمان نہیں کہ میں انہیں پا سکوں۔ اگر تم انہیں پالو تو ان کی تصدیق کرنا۔ ان کی اتباع کرنا۔" میں نے کہا: "کیا تم مجھے وہ دین ترک کرنے کا حکم دے رہے ہو، جس پر خود ہو؟ اس نے کہا: "ہاں!"

پھر وہ بیت المقدس سے نکلا۔ دروازہ پر ایک مفلوج شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: "مجھے اپنا ہاتھ پکڑا۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا: "اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کھڑا ہو جا۔" وہ اس طرح اٹھا گویا کہ اسے رسی سے ابھی کھولا گیا ہو۔ اس نے ہاتھ چھڑایا اور چلا گیا۔ وہ کسی کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔ اس مفلوج شخص نے کہا: "اے بچے! مجھے میرے کپڑے پکڑاؤ۔ حتیٰ کہ میں روانہ ہو جاؤں۔" میں نے اسے کپڑے دیے، راہب روانہ ہو گیا، جب بھی میں نے اس سے کسی متعلق پوچھا، لوگوں نے مجھے بتایا: "تمہارے آگے ہے۔" میں روانہ ہوا، حتیٰ کہ میں شام پہنچ گیا، میں نے ان سے پوچھا: "اس دین کا افضل شخص کہاں ہے؟" لوگوں نے بتایا: "وہ کنیسہ کا پادری "الاسقف" میں اس کے پاس آیا۔ میں نے اس سے کہا: "میں پسند کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ رہوں۔ اس میں تمہارے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت کروں۔ تجھ سے بھلائی سیکھوں۔" اس نے کہا: "میرے ساتھ ہو جاؤ۔" میں اس کے ساتھ رہنے لگا۔ وہ برا شخص تھا۔ لوگوں کو صدقہ کا حکم دیتا تھا، انہیں صدقہ کی ترغیب دیتا۔ جب وہ صدقہ کا مال جمع کرتے تھے تو وہ اسے مساکین میں تقسیم نہیں کرتا تھا۔ مجھے اس سے شدید بغض ہو گیا۔ وہ جلد ہی مر گیا، لوگ اسے دفنانے کے لیے آئے۔ میں نے انہیں کہا: "یہ ایک برا شخص تھا، یہ صدقہ کا حکم دیتا تھا، پھر تمہیں اس کی ترغیب دیتا تھا۔ جب تم اس کے لیے مال جمع کرتے تھے تو وہ اسے جمع کر لیتا تھا، وہ مساکین میں تقسیم نہیں کرتا تھا۔" لوگوں نے مجھ سے پوچھا: "اس کی نشانی کیا ہے؟" میں نے کہا: "میں ابھی تمہیں اس کا خزانہ دکھاتا ہوں۔" انہوں نے کہا: "لے آؤ" میں نے انہیں سات گھڑے دکھائے جو سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے یہ رقم دیکھی تو انہوں نے اسے پتھر مارے۔ انہوں نے کہا: "ہم اسے کبھی بھی دفن نہیں کریں گے۔" انہوں نے اسے لکڑی پر لٹکا دیا اور اس پر پتھر برسائے۔ وہ اس کی جگہ دوسرا شخص لے کر آئے۔ اسے اس کی جگہ متعین کر دیا۔ میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا جو اس طرح پانچ نمازیں پڑھتا ہو۔ یا اس طرح کا زاہد ہو۔ وہ ہمہ وقت عبادت میں کوشاں رہتا تھا۔ میں جتنا پیار اس سے کرتا تھا، کسی اور سے اتنی محبت نہیں کرتا تھا۔ میں اس کے ساتھ ہی رہا حتیٰ کہ اس کی وفات کا وقت قریب آ گیا۔ میں نے اسے کہا: "اے فلاں! تمہارا وقت آخریں آ پہنچا ہے۔ بخدا! میں اتنا پیار کسی اور سے نہیں کرتا جتنا آپ سے کرتا ہوں۔ آپ اب مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟" اس نے کہا: "میرے بچے! میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں وہ موصل میں رہتا

ہے، تم اس کے پاس جاؤ تم اسے میری طرح ہی پاؤ گے۔"

جب وہ مرگیا تو میں موصل چلا گیا۔ وہ پادری بھی زہد اور کوشش میں اسی طرح تھا۔ میں نے اسے کہا: "فلاں پادری نے مجھے تمہارے پاس آنے کی وصیت کی ہے، تاکہ تمہارے پاس رہوں۔" اس نے کہا: "میرے پاس ٹھہر جاؤ۔" میں اس کے پاس ٹھہر گیا۔ وہ اپنے ساتھی کی طرح پاکباز تھا۔ حتیٰ کہ اس کی وفات کا وقت قریب آگیا۔ میں نے اسے کہا: "فلاں نے مجھے تمہارے پاس آنے کی وصیت کی تھی۔ اب تمہاری موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ اب تم مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہو۔" اس نے کہا: "میرے بچے! میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں جو نصیبین میں ہے۔ وہ ہماری طرح ہی ہے۔ اس کے ساتھ مل جاؤ۔" اسے دفن کر کے میں اس شخص کے پاس چلا گیا۔ میں نے اسے کہا: "فلاں نے مجھے فلاں کے پاس اور فلاں نے مجھے تمہارے پاس آنے کی وصیت کی ہے۔" اس نے کہا: "میرے پاس ٹھہر جاؤ۔" وہ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی مانند متقی تھا۔ حتیٰ کہ اس کی وفات کا وقت قریب آگیا۔ میں نے اسے کہا: "فلاں! تمہارے لیے اب اللہ کا امر آپہنچا ہے۔ فلاں نے مجھے فلاں کے پاس اور فلاں نے فلاں کے پاس جانے کی وصیت کی تھی۔ فلاں نے مجھے تمہارے پاس آنے کی وصیت کی تھی۔ اب تم مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہو؟" اس نے مجھے کہا: "میرے نورِ نظر! بخدا! میں کسی شخص کو نہیں جانتا جو اس دین پر ہو جس پر ہم تھے البتہ سرزمین روم میں عموریہ میں ایک شخص ہے۔ اس کے پاس چلے جاؤ۔ تم اسے اسی طرح پاؤ گے جس طرح ہم تھے۔ جب وہ مرگیا تو میں نے اسے دفنایا اور سفر کر کے عموریہ جا پہنچا۔ میں نے اسے بھی اسی طرح پاکباز پایا۔ جس طرح اس کے ساتھی تھے۔ میں نے اس کے پاس قیام کیا۔ کچھ روزگار بھی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ میرے پاس کچھ بکریاں اور گائیں جمع ہو گئیں۔ پھر اس کی وفات کا وقت قریب آگیا۔ میں نے اسے کہا: "فلاں نے مجھے فلاں، فلاں نے مجھے فلاں اور فلاں نے مجھے فلاں اور فلاں نے مجھے تمہارے پاس آنے کی وصیت کی تھی۔ اب تمہارا وقت آگیا ہے تم مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہو؟ اس نے کہا: "اے میرے بچے! اب ہم جیسا کوئی شخص باقی نہیں رہا۔ جس کے پاس میں تمہیں جانے کے لیے کہتا۔ لیکن ایک نبی کریم کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ حرم پاک سے وہ مبعوث ہوں گے۔ دو چٹانوں کے مابین سنگلاخ زمین ان کی ہجرت گاہ ہوگی۔ ان کی واضح علامات ہیں۔ ان کے کندھوں کے مابین مہر نبوت ہوگی۔ وہ ہدیہ کھالیں گے۔ صدقہ نہیں کھائیں گے۔ اگر تم ان شہروں کی طرف جانے کی طاقت رکھتے ہو۔ تو چلے جاؤ۔ ان کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔" میں نے اسے دفنایا، پھر ٹھہرا رہا حتیٰ کہ بنو کلب کے تاجر وہیں سے گزرے۔ میں نے انہیں کہا: "مجھے اپنے ساتھ سرزمین عرب میں لے چلو میں تمہیں اپنی یہ بکریاں اور گائیں دے دوں گا۔ انہوں نے ہامی بھر لی۔ میں نے ساری بکریاں اور گائیں ان کے حوالے کیں جب وہ وادی القریٰ پہنچے تو انہوں نے مجھ پر ظلم کیا۔ اور مجھے وہاں ایک یہودی کے ہاتھوں غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ بخدا! میں نے کھجوریں دیکھیں۔ میں نے سمجھا کہ شاید وہی جگہ ہو جو مجھے میرے ساتھی نے بتائی تھی۔ حتیٰ کہ بنو قریظہ کا ایک یہودی وادی

القری آیا اور مجھے اس یہودی سے خرید لیا۔ وہ مجھے لے کر نکلا اور مجھے مدینہ طیبہ لے آیا۔"

دوسرے الفاظ میں ہے: "مجھے انصار کی ایک عورت نے خرید لیا۔ مجھے اپنے باغ میں کام پر لگا دیا۔ اس کا نام خلیبہ بنت فلاں تھا۔ وہ بنو نجار کی حلیف تھی۔ بخدا! جب میں نے وہ پاک زمین دیکھی تو میں نے اسے پہچان لیا۔ میں غلامی میں باغ میں کام کرتا رہا۔ روایت ہے کہ اسی طرح سولہ ماہ گزر گئے۔"

انہوں نے فرمایا: "بخدا! میں اس باغ میں تھا کہ اس یہودی کا چچازاد آیا۔ اس نے کہا: "رب تعالیٰ! بنو قیلہ کو برباد کرے وہ اب قباء میں ہیں وہ اس شخص کے اردگرد جمع ہیں جو مکہ مکرمہ سے آیا ہے اور وہ گمان کرتا ہے کہ وہ نبی ہے۔" بخدا! جب میں نے یہ بات سنی تو مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ میں اپنے مالک پر گر پڑوں گا۔ میں نیچے اترا۔ میں نے پوچھا: "یہ کیسی خبر ہے؟ یہ کیا ہے؟ میرے مالک نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور مجھے زوردار تھپڑ رسید کیا۔ اس نے کہا: "تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اپنے کام کی طرف توجہ دو۔" میں نے کہا: "کچھ بھی ہو۔ میں نے ایک خبر سنی تھی۔ میں اسے جاننا چاہتا تھا۔" میں باہر نکلا۔ میں نے پوچھا: مجھے ایک عورت ملی۔ وہ میرے شہروں کی تھی۔ اس کے اہل خانہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس نے مجھے حضور ﷺ کے متعلق بتایا۔ شام ہو گئی تھی۔ میرے پاس کچھ کھانا تھا۔ میں نے اسے اٹھایا اور بارگاہ رسالت مآب میں لے گیا۔ آپ قباء میں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کی: "مجھے خبر ملی ہے کہ آپ ایک پاکباز شخص ہیں۔ آپ کے ساتھی غریب ہیں، میرے پاس یہ صدقہ کا مال ہے۔ میں نے سوچا: "ان شہروں میں صدقہ کے صحیح مستحق یہی ہیں۔ آپ یہ لے لیں اور کھا لیں۔" حضور ﷺ نے اپنا دست اقدس روکا اپنے صحابہ سے کھانے کے لیے فرمایا، خود نہ کھایا۔ میں نے دل میں سوچا: "میرے اس ساتھی کی ایک علامت تو پوری ہو گئی ہے جس نے مجھے آپ کی علامات کے بارے بتایا تھا۔"

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ بلغ کا گوشت لے کر حاضر خدمت ہوئے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ اونٹ کے گوشت کی ثرید لے کر آئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ کھجوریں لے کر حاضر خدمت ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے رکھیں۔ آپ نے فرمایا: "اے سلمان! یہ کیا ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یہ آپ کے لیے اور آپ کے ساتھیوں کے لیے صدقہ ہے۔" آپ نے فرمایا: "اسے اٹھا لو۔ ہم صدقہ نہیں کھاتے، دوسرے روز بھی وہ اسی طرح کی چیز لے کر آئے۔ آپ کے سامنے اسے رکھ دیا۔ آپ نے پوچھا: "اے سلمان! یہ کیا ہے؟" انہوں نے عرض کی: یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے۔" حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: "دسترخوان اپنی طرف کھینچ لو۔" ابن اسحاق کی روایت کے مطابق وہ کھجوریں لے کر آئے تھے اور عرض کی: "یہ صدقہ ہے۔" حضرت سلیمان نے فرمایا: "میں واپس آ گیا۔ حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے۔ میں نے کچھ جمع کیا۔ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ عرض کی: "میں نے دیکھا کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے۔ میں نے اپنے مالکہ سے کہا "مجھے ایک دن اور چھٹی دو۔" میں نے اس دن کام کیا اور

بارگاہ رسالت مآب میں کچھ ہدیہ پیش کیا۔آپ نے اسے قبول کیا اور اس میں کھایا۔شمائل ترمذی میں ہے کہ آپ ایک دسترخوان لے کر آئے جس پر کھجوریں تھیں۔حضور ﷺ نے انہیں کھالیا۔میں نے کہا: "دو علامت تو پوری ہوگئیں۔" میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لا رہے تھے۔آپ نے دو چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔آپ اپنے صحابہ کرام میں جلوہ نما تھے۔میں پیچھے سے گھوم کر آیا تاکہ پیچھے سے مہر نبوت کی زیارت کروں۔حضور اکرم ﷺ نے مجھے اسی طرح دیکھا تو آپ کو علم ہوگیا کہ میں کچھ چھان بین کر رہا ہوں۔آپ نے اپنی کمر انور سے چادر اٹھا دی۔میں نے کندھوں کے مابین مہر نبوت کی زیارت کرلی۔جس طرح کہ میرے ساتھی نے مجھے بتایا تھا۔میں جھک کر اسے چومنے لگا۔میں برابر روتا جا رہا تھا۔آپ نے فرمایا: "سلمان! ادھر آجاؤ۔" میں آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔آپ نے پسند فرمایا کہ آپ کے صحابہ کرام بھی میری داستان سنیں۔میں نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر اپنی حکایت غم بیان کر دی۔پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ غلامی کی وجہ سے مصروف رہے۔حتیٰ کہ آپ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شرکت نہ کر سکے۔امام نووی نے لکھا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شرکت کی۔انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا: "اے سلمان! مکاتبت کرلو۔" میں نے پانچ سو کھجور کے پودوں کے عوض مکاتبت کرلی۔دوسری روایت کے مطابق تین سو پودوں کے عوض مکاتبت کرلی تھی۔جنہیں میں نے "الفقیر" میں لگانا تھا اور اس کی نگرانی کرنی تھی، حتیٰ کہ وہ پھل لے آتے۔اس کے ساتھ ساتھ چالیس اوقیہ بھی ادا کرنے تھے۔کھجوروں کے پودوں میں صحابہ کرام نے میری مدد کی۔کسی نے تیس، کسی نے بیس اور کسی نے دس پودے دیے۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ان کے لیے گڑھے کھودو۔جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتا دینا، حتیٰ کہ میں اپنے ہاتھ سے پودے لگا دوں۔میں نے گڑھے کھودے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے میری مدد کی، حتیٰ کہ ہم فارغ ہوگئے۔حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ہم وہ پودے اٹھا کر آپ کی خدمت میں لے گئے۔آپ نے انہیں اپنے دست اقدس سے لگایا، ان کے ساتھ ساتھ مٹی برابر کی سارے پودے اُگ آئے، صرف ایک پودے کے۔جسے میں نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا۔دوسری روایت کے مطابق اسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لگایا تھا۔اس پودے کے علاوہ دیگر سارے پودے اسی سال پھل لے آئے تھے۔حضور ﷺ نے فرمایا: "اسے کس نے لگایا ہے۔" صحابہ کرام نے عرض کی: "حضرت عمر نے۔" آپ نے اسے اکھیڑا۔اپنے دستِ اقدس سے لگایا وہ بھی اسی سال پھل لے آیا۔مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ایک پودا بھی نہیں مرا تھا۔اب دراہم مجھ پر باقی تھے۔ایک شخص نے کبوتری کے انڈے کے برابر سونا آپ کی خدمت میں پیش کیا۔حضور ﷺ نے مجھے فرمایا: "سلمان! یہ لے لو اور اپنا قرض ادا کرلو۔" میں نے عرض کی: "یارسول اللہ! اس سے میرا قرض کیسے ادا ہوگا؟ آپ نے اسے اپنی زبان اقدس سے لگایا پھر اسے میری طرف پھینک دیا۔فرمایا: "اسے لے جاؤ۔عنقریب رب تعالیٰ اس کے ذریعے تمہارا قرض اتار دے گا۔مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔" میں نے اس انڈے سے چالیس اوقیہ وزن کیا۔اپنا قرض اتارا

اور جتنا آپ نے عطا کیا تھا۔ وہ ابھی میرے پاس باقی تھا۔" اس روایت کو امام احمد، ابن سعد، البزار، الطبرانی اور ابونعیم وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ میں نے متفرق روایات کو ملا کر تفصیل بیان کر دی ہے۔

تنبیہات

1. ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلمان ایران کے تھے۔ دوسری میں ہے کہ اہلِ اصبہان میں سے تھے۔ تیسری میں ہے کہ اہلِ جَیّ میں سے تھے۔ ایک میں ہے کہ وہ "رامہرمز" کے تھے۔ ان روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ جَیّ اصبہان کا شہر ہے۔ وہ رامہرمز میں پیدا ہوئے اور آپ اصل میں ایران کے تھے۔ جس طرح کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے تاریخ ابونعیم اور دلائل میں ہے۔
2. ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کھجوریں پیش کیں۔ دوسری میں ہے، وہ تر کھجوریں تھیں۔ تیسری روایت میں ہے کہ کچی کھجوریں پیش کیں۔ چوتھی روایت میں ہے کہ اونٹ کا گوشت پیش کیا۔ پانچویں روایت میں ہے کہ بلغ کا گوشت پیش کیا۔ ممکن ہے کہ حضرت سلمان نے یہ ساری چیزیں ایک ہی مجلس میں پیش کر دیں ہوں۔ کبھی ایک کا اور کبھی دوسری کا تذکرہ کیا ہو یا انہیں مختلف مجالس میں پیش کیا ہو اور احتیاط کرتے ہوئے ان میں سے ایک مجلس میں ایک کا ذکر کیا ہو۔

ابن اسحاق نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھے حضرت سلمان سے یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ عموریہ کے پادری نے وقت وفات حضرت سلمان سے کہا تھا کہ وہ شام کے دو گھنے درختوں کے پاس جائیں۔ ایک شخص ہر سال بعد ایک رات میں ایک درخت سے نکل کر دوسرے درخت کی طرف جاتا ہے۔ مریض اس سے دعا کراتے ہیں وہ جس مریض کے لیے بھی دعا کرتا ہے۔ شفایاب کر دیتا ہے۔ اس سے یہ سوال پوچھنا جو مجھ سے پوچھ رہے ہو۔" انہوں نے کہا: "میں اس جگہ آیا۔ ایک سال ٹھہرا رہا۔ وہ ایک رات باہر نکلا میں نے اسے کندھے سے پکڑ لیا۔ میں نے کہا: "رب تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، مجھے دین ابراہیمی حنیفیہ کے بارے میں بتائیں۔" انہوں نے کہا: "ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے، وہ حرم کعبہ میں بیت اللہ میں مبعوث ہوں گے وہ دین حنیف کے ساتھ مبعوث ہوں گے جب حضرت سلمان نے اس بات کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: "سلمان! اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو تم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زیارت کی ہے۔"

امام سہیلی نے لکھا ہے۔ "اس روایت کی سند مقطوع ہے۔ اس میں ایک مجہول شخص ہے، جسے حسن بن عمارہ کہا جاتا ہے۔ وہ ضعیف ہے۔" اگر یہ روایت صحیح ہو تو پھر اس کے متن میں کوئی اجنبیت نہیں۔ الطبرانی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اٹھائے جانے کے بعد نازل ہوئے جبکہ ان کی والدہ ماجدہ اور ایک عورت اس درخت کے پاس بیٹھ کر

رو رہی تھیں جس پر صلیب لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے ان کے ساتھ کلام کیا اور انہیں بتایا کہ وہ قتل نہیں ہوئے۔ رب تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا ہے انہوں نے حواریین کی طرف پیغام بھیجا اور انہیں مختلف شہروں میں بھیج دیا۔ جب ایک مرتبہ نازل ہونا جائز ہے تو پھر بار بار نازل ہونا بھی جائز ہے۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ نازل ہونے والے وہی ہیں حتیٰ کہ وہ ظاہری طور پر نزول فرمالیں۔ وہ صلیب کو توڑ دیں اور خنزیر کو قتل کر دیں جیسا کہ صحیح روایات میں ہے۔ حافظ ابوخیر سخاوی نے اپنی کتاب "التحصیل والبیان فی سیاق قصۃ السید سلمان" میں لکھا ہے کہ ابن جریر نے جو کچھ لکھا ہے وہ دلیل کا محتاج ہے۔ جو کچھ ابن جریر نے لکھا ہے اسے عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں اور ابن منذر نے ایک اور سند سے حضرت وھب بن منبہ سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک سے زائد مالکوں میں سے ہوتے ہوئے آئے۔ امام سہیلی نے نقل کیا ہے کہ حماد بن سلمہ کی تصنیف میں ہے کہ وہ پادری جنہوں نے حضرت سلمان کے ساتھ ملاقات کی وہ حق پر تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے۔ وہ تیس افراد تھے جو یکے بعد دیگرے سردار بنتے رہے۔" امام ذہبی نے لکھا ہے: "میں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی عمر کے بارے مختلف اقوال دیکھے ہیں سب میں یہی ہے کہ انہوں نے ایک سو پچاس سال سے زیادہ عمر پائی۔ زائد میں اضافہ ہے پھر میں نے رجوع کر لیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کی عمر اسی سال سے زائد نہ تھی۔

"الحافظ" نے لکھا ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں مستند بات ذکر نہیں کی۔ شاید انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے کے بعد حضرت سلمان کی جنگوں میں شرکت سے اندازہ لگایا ہو۔ انہوں نے کندہ کی عورت سے شادی بھی کی تھی۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سرگرم زندگی بسر کی۔ اگر وہ ثابت ہو جائے جو انہوں نے ذکر کیا ہے تو یہ ان کے حق میں کرامت ہوگی۔ اس سے کوئی مانع بھی نہیں۔ ابوالشیخ نے طبقات الاصبہانیین میں روایت لکھی ہے کہ عباس بن یزید نے کہا ہے کہ اہلِ علم کہتے ہیں کہ حضرت سلمان نے ۳۵۰ سال زندگی بسر کی۔ ۲۵۰ سال میں اہلِ علم کو کوئی شک نہیں۔

ابن اسحاق نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت لکھی ہے۔ انہوں نے کہا: "ہمیں بہت سے بزرگوں نے بتایا ہے کہ اہلِ عرب میں سے کوئی بھی ہم سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے نہیں جانتا تھا۔ ہمارے ساتھ یہود تھے۔ وہ اہلِ کتاب تھے جبکہ ہم بت پرست تھے۔ جب ہم انہیں شکست سے دوچار کرتے۔ تو وہ کہتے "ایک نبی کریم کی بعثت کا وقت قریب آگیا ہے۔ ہم ان کی اتباع کر کے تمہیں عاد اور ارم کی طرح قتل کریں گے۔" جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تو ہم نے ان کی اتباع کی جبکہ یہودیوں نے انکار کر دیا۔ ان کے بارے رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ (البقرۃ: ۸۹)

ترجمہ: "اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلے سے) تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا سو پھٹکار ہو اللہ کی کفر کرنے والوں پر۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خیبر کے یہودی غطفان کے یہودیوں کے ساتھ لڑتے تھے۔ وہ جب بھی جنگ کرتے خیبر کے یہودیوں کو شکست ہو جاتی۔ ان یہودیوں نے یہ دعا مانگی: "مولا! ہم تجھ سے محمد النبی الامی ﷺ کے طفیل دعا مانگتے ہیں۔ جن کے بارے تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو انہی آخری زمانہ میں مبعوث کرے گا۔ جب بھی وہ معرکہ آزما ہوتے تو وہ یہ دعا مانگتے۔ غطفان کو شکست ہو جاتی۔ جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا۔ ان کے بارے مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اس روایت کو امام حاکم اور امام بیہقی نے نقل کیا ہے۔

حضرت سلمہ بن سلامہ بن وقش سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: "ہمارے سامنے ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنی قوم بنو عبد الاشہل کی محفل میں آیا۔ اس نے بعثت، قیامت، جنت، آگ حساب اور میزان کے بارے گفتگو کی۔ وہ لوگ بت پرست تھے۔ وہ مر کر جی اٹھنے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ یہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ان لوگوں نے کہا: "اے فلاں! تیرے لیے ہلاکت! کیا یہ ممکن ہے کہ لوگوں کو ان کی موت کے بعد اٹھایا جائے۔ انہیں جنت یا دوزخ بھیج کر ان کے اعمال کی جزا و سزا دی جائے۔" اس نے کہا: "ہاں! مجھے اس ذات کی قسم جس کی قسمیں اٹھائی جاتی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ اس آگ میں سے میرا حصہ یہ ہو کہ تم اپنے گھر میں بہت بڑا تنور جلاؤ۔ پھر اسے گرم کرو۔ پھر مجھے اس میں پھینک دو۔ پھر مجھ پر مٹی کا لیپ کر دو۔ اور میں کل اس آگ سے بچ جاؤں۔" ان لوگوں نے پوچھا: "اس کی علامت کیا ہے؟" اس نے کہا: "ان شہروں کی طرف ایک نبی مبعوث ہوں گے۔" اس نے اپنے دست اقدس سے مکہ مکرمہ اور یمن کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے پوچھا: "ان کا زمانہ کیسے نصیب ہوگا۔" اس نے میری طرف دیکھا۔ میں سب سے کم عمر تھا۔ اس نے کہا: "اگر اس بچے کو عمر نصیب ہوئی تو یہ انہیں پالے گا۔" شب و روز گزرتے رہے۔ حضور ﷺ مبعوث ہو گئے۔ وہ شخص ہمارے سامنے زندہ تھا ہم آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی تصدیق کر دی، مگر اس نے کفر و سرکشی کرتے ہوئے انکار کر دیا۔ ہم نے اسے کہا: "اے فلاں! کیا تو اس ضمن میں ہمیں وہ کچھ نہیں بتاتا تھا جو بتایا کرتا تھا۔" اس نے کہا: "یہ وہ نہیں ہیں۔" اس روایت کو ابن اسحاق اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

محمد بن عدی نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں ان کا نام "محمد" کیسے رکھا۔ انہوں نے کہا: "میں بنو تمیم کی جماعت کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ جب ہم شام پہنچے تو ہم ایک کنویں کے پاس ٹھہرے جس پر درخت تھے۔ وہاں ایک راہب کا بسیرا تھا۔ اس نے پوچھا: "تمہارا تعلق کن لوگوں کے ساتھ ہے؟" ہم نے کہا: "مضر کے ساتھ۔" اس نے کہا: "عنقریب تمہارے ہاں ایک نبی مبعوث ہوں گے جلدی ان کے پاس جاؤ۔ ان سے اپنا حصہ لے لو تم ہدایت

پا جاؤ گے۔ وہ خاتم النبیین ہوں گے۔" ہم نے پوچھا: "ان کا نام کیا ہو گا؟" اس نے کہا: "محمد" جب ہم اپنے اہلِ خانہ کے پاس آئے تو ہم میں سے ہر ایک کو رب تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا اس نے اس کا نام "محمد" رکھا۔ (الطبرانی، البیہقی، ابونعیم)

ابن سعد نے حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ اہلِ عرب کاہنوں اور اہلِ کتاب سے سنا تھا کہ عنقریب اہلِ عرب میں سے ایک نبی مبعوث ہوں گے۔ جن کا نام نامی "محمد" ہو گا۔ کئی لوگوں نے نبوت میں طمع کرتے ہوئے اپنے بیٹوں کے نام "محمد" رکھ لیا تھا۔

الطبرانی اور امام بیہقی نے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں اور امیہ بن ابی صلت شام کی طرف گئے۔ ہم ایک بستی کے پاس سے گزرے اس میں عیسائی رہتے تھے۔ جب انہوں نے امیہ کو دیکھا تو اس کی بڑی تعظیم کی اور چاہا کہ وہ ان کے ساتھ چلا جائے۔ امیہ نے مجھے کہا: "ابوسفیان! میرے ساتھ چلو تم ایک ایسے شخص کے پاس چلو گے جس پر عیسائیت کے علم کی انتہاء ہوتی ہے، میں نے کہا: "میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گا۔" وہ چلا گیا۔ پھر واپس آیا۔ اس نے مجھے کہا: "کیا تم وہ کچھ چھپاؤ گے جو میں تمہیں بیان کروں گا؟" اس نے کہا: "ہاں!" اس شخص نے مجھے بتایا ہے جس پر نصرانیت کے علم کی انتہا ہوتی ہے کہ نبی کریم مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں نے گمان کیا کہ شاید وہ میں ہوں۔ اس نے کہا" وہ تم میں سے نہیں ہوں گے۔ وہ اہلِ مکہ میں سے ہوں گے۔" میں نے پوچھا: "ان کا نسب کیا ہو گا؟" انہوں نے کہا: "وہ اپنی قوم کے بہترین نسب میں سے ہوں گے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد شام اسی دفعہ لرزہ ہے صرف ایک لرزہ باقی رہ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اہلِ شام کو مصیبت اور شر کا سامنا کرنا پڑا ہے۔"

ابن عساکر نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں خانہ کعبہ کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں زید بن عمرو بھی تھا۔ اس کے پاس سے امیہ بن صامت گزرا۔ اس نے کہا: "جس نبی کریم کا انتظار ہو رہا ہے۔ وہ ہم میں سے یا تم میں سے یا اہلِ فلسطین میں سے ہو گا۔" اس نے کہا: "میں نے اس سے قبل تو سنا نہیں تھا کہ ایسے نبی کا انتظار ہو جسے ابھی تک مبعوث نہ کیا گیا ہو۔" میں ورقہ بن نوفل کے پاس گیا۔ اسے یہ واقعہ سنایا۔ اس نے کہا: "ہاں! میرے بھتیجے! ہمیں اہلِ کتاب اور علماء نے بتایا ہے کہ جس نبی کا انتظار ہو رہا ہے وہ عرب کے بہترین نسب میں سے ہوں گے۔ مجھے نسب کا علم ہے۔ تمہاری قوم عرب کے نسب میں سے بہترین ہے۔" انہوں نے کہا: "چچا! نبی کسے کہتے ہیں؟" اس نے کہا: "وہ وہی کچھ کہتے ہیں جو ان سے کہا جائے مگر وہ ظلم نہیں کرتے نہ ہی زیادتی کرتے ہیں۔" جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی۔"

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ زید بن عمرو سے ملے۔ آپ نے اسے فرمایا: "میں کیوں دیکھتا ہوں کہ میری قوم تجھ سے عداوت رکھتی ہے۔" اس نے کہا: "بخدا! میں نے ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی، لیکن میں انہیں گمراہ دیکھتا ہوں۔ میں اس دین کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ حتیٰ کہ میں جزیرہ میں ایک بزرگ کے پاس گیا۔ میں

نے اسے اپنے سفر کا مقصد بتایا۔" اس نے پوچھا: "تمہارا تعلق کن لوگوں کے ساتھ ہے؟" میں نے کہا: "میں بیت اللہ الحرام کے مکینوں میں سے ہوں۔" اس نے کہا: "تمہارے شہر میں ایک نبی کریم کا ظہور ہو چکا ہے یا ان کا ظہور ہونے ہی والا ہے۔ ان کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے۔ واپس لوٹ جاؤ۔ ان کی تصدیق کرو اور ان پر ایمان لے آؤ۔" میں واپس آیا تو مجھے کچھ محسوس نہ ہوا۔" زید بن عمرو حضور ﷺ کی بعثت سے قبل مر چکا تھا۔"

حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ زید بن عمرو نے کہا: "میں نے اپنی قوم کی مخالفت کی۔ ملت ابراہیمی کی اتباع کی۔ مجھے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک نبی کے ظہور کا انتظار تھا۔ جن کا اسم گرامی "احمد" ہوگا۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ میں انہیں نہ پا سکوں گا۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں۔ ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں۔ اگر تمہیں ان کا عہد نصیب ہو جائے میرا اسلام پیش کرنا۔ میں تمہیں ان کی ایسی علامات بتاتا ہوں کہ وہ تمہارے لیے مخفی نہیں رہیں گے۔ وہ نہ طویل قد والے نہ ہی چھوٹے قد والے ہوں گے۔ ان کے بال نہ کثیر ہوں گے نہ قلیل۔ ان کی آنکھوں میں سرخی ہر وقت رہے گی۔ ان کے کندھوں کے مابین مہر نبوت ہوگی۔ ان کا نام نامی احمد ہوگا۔ یہ شہر مکہ ان کی جائے ولادت اور بعثت کی جگہ ہوگا۔ پھر ان کی قوم انہیں یہاں سے نکال دے گی۔ وہ ان کے پیغام کو ناپسند کرے گی، پھر وہ یثرب کی طرف ہجرت کریں گے۔ پھر ان کا امر غالب آجائے گا۔ ان کی وجہ سے دھوکہ میں نہ پڑنا میں نے دین ابراہیمی کی تلاش میں سارے شہر چھان مارے ہیں۔ میں نے یہودیوں، عیسائیوں اور آتش پرستوں سب سے پوچھا ہے۔" انہوں نے بتایا: "یہ دین تمہارے پیچھے ہے۔" انہوں نے مجھے وہی علامات بتائیں، جو میں نے تمہیں بتائی ہیں۔" انہوں نے بتایا ہے اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔" حضرت عامر نے کہا: "جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو میں نے آپ کو زید کے بارے بتایا۔ آپ نے فرمایا: "میں نے اسے جنت میں دیکھا، وہ اپنا دامن گھسیٹ رہا تھا۔"

(ابن سعد، ابونعیم)

ابن عساکر نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ ربیعہ بن نصر اللخمی نے ایک خواب دیکھا جس نے اسے ڈرا دیا۔ اس نے کسی کاہن، جادوگر، قیافہ شناس اور نجومی کو نہ چھوڑا۔ مگر انہیں اپنے پاس جمع کیا۔ انہیں کہا: "میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔ مجھے اس کی تعبیر بتاؤ۔" انہوں نے کہا "ہمیں خواب بتائیں ہم اس کی تعبیر بیان کر دیں گے۔" بادشاہ نے کہا: "اگر میں نے تمہیں خواب بھی بتا دی تو میں تمہاری تعبیر سے مطمئن نہیں ہو سکوں گا۔ اس کی تعبیر وہی جانتا ہے، جو خواب کو میرے بتانے سے پہلے جانتا ہو۔" اسے کہا گیا: "اگر یہ ارادہ ہے تو پھر سطیح اور شق کی طرف پیغام بھیجو۔ ان سے بڑھ کر عالم کوئی نہیں۔ وہ تمہیں ہر اس سوال کا جواب دیں گے جو تم ان سے پوچھو گے۔" بادشاہ نے ان کی طرف پیغام بھیج دیا۔ سطیح شق سے قبل آگیا۔ اس نے اسے کہا: "میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔ مجھے اس کے بارے بتاؤ۔ اگر تم نے خواب بیان کر دی تو تم اس کی تعبیر بیان کر دو گے۔" سطیح نے کہا:

"آپ نے آگ دیکھی ہے، جو ظلمتوں سے ظاہر ہوئی ہے وہ تہامہ کی زمین پر گر پڑی ہے۔ اور ہر سر والی چیز کو کھا گئی ہے۔" بادشاہ نے کہا: "سطیح! تو نے خواب بیان کرنے میں ذرا بھی خطا نہیں کی۔ اب اس کی تعبیر بتا۔" اس نے کہا: "میں حنش کی دو سنگلاخ چٹانوں کی قسم کھاتا ہوں کہ حبشہ کے لوگ تمہارے پاس ضرور آئیں گے۔ وہ جرش اور ابین کے درمیانی علاقے پر قابض ہو جائیں گے۔" بادشاہ نے پوچھا: "تیرے باپ کی قسم! سطیح! یہ بات تو ہمارے لیے اذیت ناک ہے۔ یہ سب کچھ کب ہوگا؟ کیا میرے عہد میں یا اس کے بعد۔" سطیح نے کہا: "بعد میں! تمہارے عہدِ حکومت کے ساٹھ یا ستر سال بعد۔" بادشاہ: کیا اہلِ حبشہ کا ملک ہمیشہ رہے گا یا زوال پذیر ہو جائے گا۔" سطیح: "ان کی حکومت زوال کا شکار بن جائے گی۔ ان کی حکومت ستر سال سے کچھ زائد عرصہ رہے گی۔ پھر انہیں قتل کیا جائے گا، وہ دوڑتے ہوئے بھاگ جائیں گے۔" بادشاہ: "انہیں کون قتل کرے گا؟ کون بھگائے گا؟" سطیح: "انہیں ارم ذی یزن بھاگنے پر مجبور کرے گا۔ عدن سے وہ نکلے گا۔ وہ ان میں سے کسی کو یمن میں نہیں چھوڑے گا۔" بادشاہ: "کیا اس کی سلطنت ہمیشہ رہے گی یا ختم ہو جائے گی۔" سطیح: "ختم ہو جائے گی۔" بادشاہ: "اسے کون ختم کرے گا؟" سطیح: "ایک پاکباز نبی، جس پر رب تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے گی۔" بادشاہ: "یہ نبی کریم کس قبیلہ سے تعلق رکھیں گے۔" سطیح: "ان کا تعلق بنو غالب بن فہر بن مالک بن نضر سے ہوگا۔ ان کا غلبہ آخری زمانہ تک رہے گا۔" بادشاہ: "کیا زمانہ کا آخر بھی ہے؟" سطیح: "ہاں! اس روز اگلوں اور پچھلوں کو جمع کیا جائے گا۔ احسان کرنے والے سعادت مند ہوں گے، برائی کرنے والے بد بخت ہوں گے۔" بادشاہ: "کیا یہ حق ہے جس کی تو خبر دے رہا ہے؟" سطیح: "ہاں! شفق کی سرخی، رات کی سیاہی کی قسم! دن کی سفیدی کی قسم جب وہ پھیل جائے۔ میں نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے وہ حق ہے۔"

پھر اس کے پاس شق آ گیا، بادشاہ نے اسے اسی طرح کہا، جس طرح سطیح سے کہا تھا۔ اس سے وہ کچھ چھپایا جو سطیح نے کہا تھا۔ تاکہ دیکھ لے کہ کیا یہ دونوں اتفاق کرتے ہیں یا اختلاف! شق نے کہا: "آپ نے ایک انگارہ دیکھا ہے۔ جو تاریکیوں سے نکلا وہ باغ اور ٹیلے کے مابین گرا۔ اور ہر جاندار چیز کو کھا گیا۔" بادشاہ سمجھ گیا کہ ان دونوں نے خواب بیان کرنے میں اتفاق کیا ہے۔" اس نے کہا: "شق! تو نے خواب بیان کرنے میں ذرا بھر خطاء نہیں کی۔ اب اس کی تعبیر بھی بیان کرو۔" اس نے کہا: "دو پہاڑوں کے مابین بسنے والے انسانوں کی قسم! تمہاری سرزمین پر سوڈانی آئیں گے، وہ ہر چیز پر غلبہ پالیں گے۔ ابین سے نجران تک ان کی حکومت ہوگی۔" بادشاہ: "یہ سب کچھ کب ہوگا؟ کیا میرے زمانہ میں یا اس کے بعد۔" شق: "اس کے بعد۔ پھر ایک عظیم جوان تمہیں ان سے نجات دلائے گا۔ انہیں ذلیل و رسوا کر دے گا۔" بادشاہ: "وہ عظیم جوان کون ہوگا؟" شق: "وہ جوان ہوگا۔ نہ اس کا جسم موٹا ہوگا، نہ ہی وہ ناز میں پلا ہوگا، وہ ذی یزن کے گھر سے نکلے گا۔" بادشاہ: "کیا اس کی سلطنت دائمی ہوگی یا منقطع ہو جائے گی۔" شق: "ایک رسول مرسل اس کی سلطنت کو منقطع کر دیں گے۔ وہ حق اور عدل کے ساتھ آئیں گے۔ وہ اہلِ دین و فضل کے مابین آئیں گے۔ ان کی سلطنت روزِ حشر تک

رہے گی۔" بادشاہ: "یہ روز حشر کیا ہے؟" شق: "اس میں والیان کو جزادی جائے گی۔ آسمان سے صدا آئے گی، جسے زندہ اور مردہ سن لیں گے۔ اس میں لوگوں کو وعدہ کے لیے جمع کیا جائے گا۔ متقی کامیاب ہوں گے۔" بادشاہ: "کیا یہ حق ہے، جو تو کہہ رہا ہے؟" شق: "ہاں! آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے کہ رب کی قسم! نشیب و فراز کے رب کی قسم! جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے، وہ حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔"

امام سہیلی نے فرمایا ہے: "سطیح ایک پھینکا گیا جسم تھا۔ اس کے اعضاء نہ تھے۔ اس طرح شق کا صرف ایک ہاتھ ایک ٹانگ اور ایک آنکھ تھی۔"

حضرت وھب بن منبہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: "سطیح سے کہا گیا "تمہیں یہ علم کیسے ملا؟" اس نے کہا: "ایک جن میرا ساتھی ہے۔ اس نے اس وقت باتیں سن لیں تھیں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی سیناء میں رب تعالیٰ سے کلام کیا تھا۔ وہ اس میں سے کچھ باتیں مجھے بتا دیتا ہے۔" سطیح اور شق اس روز پیدا ہوئے تھے جس روز طریقہ کاہنہ مری تھی۔ مرنے سے قبل اس نے سطیح کو بلایا۔ سطیح کو اس کے پاس لایا گیا۔ اس نے اس کے منہ میں تھوکا۔ اس نے بتایا کہ وہ اس کا جانشین ہوگا۔ اب علم اور کہانت اس کے پاس ہوگی۔" اس کا چہرہ اس کے سینے میں تھا۔ اس کا نہ سر تھا نہ گردن۔ اس کاہنہ نے شق کو بلایا۔ اس کے ساتھ اسی طرح کیا جس طرح سطیح کے ساتھ کیا تھا، پھر وہ مرگئی سطیح نے طویل عمر پائی۔ حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ کا میلاد پایا اور کسریٰ اور شیروان کو دیکھا۔"

ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سطیح کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ گوشت تھا۔ جسے چٹائی پر رکھا جاتا تھا۔ اسے چٹائی پر رکھ کر جہاں چاہتے لے جاتے تھے۔ اس میں نہ ہڈی تھی نہ پٹھے۔ بلکہ اس کی گردن، کھوپڑی اور ہتھیلیاں تھیں۔ اسے اس کی گدی تک اس طرح لپیٹ دیا جاتا تھا، جس طرح کپڑا لپیٹا جاتا ہے۔ اس کی زبان کے علاوہ اور کچھ حرکت نہ کرتا تھا۔

ابن عساکر نے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا ہے: "مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ سطیح عرم کے سیلاب کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس دن مرا جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے اس نے پانچ سو سال یا تین سو سال زندگی پائی۔"

ابن سعد، ابونعیم اور ابن عساکر نے ابونملہ رحمہ اللہ سے روایت بیان کی ہے کہ بنو قریظہ کے یہودی اپنی کتابوں میں اپنے بچوں کو حضور ﷺ کا ذکر پڑھاتے تھے۔ انہیں آپ کی صفات بتاتے تھے۔ انہیں آپ کے نام اور ہجرت گاہ کے بارے بتاتے تھے۔ جب حضور ﷺ کا ظہور ہوا تو انہوں نے حسد اور سرکشی کی اور آپ کا انکار کر دیا۔

ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ جب تبع مدینہ طیبہ آیا۔ وہ "قناۃ" میں اترا۔ اس نے یہود کے علماء کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے کہا: "میں اس شہر کو برباد کرنے لگا ہوں۔" سامول جو سب سے بڑا عالم تھا۔ اس نے کہا: "بادشاہ! یہ شہر اس نبی کریم ﷺ کی ہجرت گاہ ہوگا جو اولاد

اسماعیل میں سے ہوں گے، ان کا نام نامی احمد ہوگا۔ یہ ان کی ہجرت گاہ بنے گا۔ جس جگہ تمہارا بسیرا ہے، اس جگہ ان کے اور ان کے دشمنوں کے مابین جنگ ہوگی۔'' تبع: ان کے ساتھ جنگ کون کرے گا؟ سامول: ان کی قوم ان کی طرف بڑھے گی۔ اس جگہ باہم جنگ ہوگی۔ تبع: ان کی قبر انور کہاں ہوگی؟ سامول: اسی شہر میں۔ بادشاہ: جنگ میں نتائج کیا ہوں گے؟ سامول: کبھی ان کے حق میں اور کبھی ان کے خلاف۔ اس جگہ جہاں تم کھڑے ہو ان کے صحابہ کرام شہید ہوں گے۔ بالآخر ان کو فتح نصیب ہوگی۔ پھر ان کا غلبہ ہو جائے گا۔ پھر اس معاملہ میں کوئی ان کی مخالفت نہ کرے گا۔ تبع: ان کا مبارک حلیہ کیا ہوگا؟ سامول: وہ نہ طویل قد کے اور نہ ہی کوتاہ قد ہوں گے۔ ان کی آنکھوں میں سرخی ہوگی۔ وہ اونٹ پر سوار ہوں گے۔ وہ عمامہ باندھیں گے۔ ان کی تلوار ان کے کندھے پر ہوگی، وہ پرواہ نہیں کریں گے کہ وہ اپنے بھائی یا چچا یا چچازاد سے جہاد کریں۔ حتیٰ کہ انہیں غلبہ نصیب ہو جائے گا۔''

ابن ظفر نے حضرت سفیان بن مجاشع سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے تمیم کے افراد دیکھے، وہ ایک کاہنہ کے پاس جمع تھے۔ میں نے سنا وہ کہہ رہی تھی۔ ''جو ان سے پیار کرنے لگا وہ معزز ہوگا۔ جس نے انہیں ترک کر دیا وہ ذلیل ہو جائے گا۔ جو ان کی طرف میلان رکھے گا، وہ تندرست رہے گا جو ان سے عداوت رکھے گا وہ برباد ہو جائے گا۔'' حضرت سفیان نے پوچھا: ''کاہنہ! تو کس کا ذکر کر رہی ہے؟'' اس نے کہا: ''حرام اور حلال کے مالک علم اور ہدایت کے صاحب، گرفت اور حلم، جنگ اور صلح والے، سرداروں کے سردار، سفید رنگت والے، نحوست مٹانے والے اور دشمن کو ہلاک کرنے والے ہوں گے۔'' حضرت سفیان نے پوچھا: ''وہ کون ہیں؟'' کاہنہ: ''وہ نبی ہیں۔ ان کی تائید کی جائے گی۔ ان کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ ان کی ولادت کی گھڑی قریب آ گئی ہے۔ وہ ہر سرخ اور سیاہ کی طرف مبعوث ہوں گے۔ وہ ایسی کتاب لے کر آئیں گے جس میں لغزش کا گمان نہیں ہوگا۔ ان کا اسم گرامی ''محمد'' ہوگا۔'' سفیان: ''کیا وہ عرب میں سے ہوں گے یا عجم میں سے؟'' کاہنہ: ''بادل والے آسمان کی قسم! شاخوں والے درختوں کی قسم! وہ معد بن عدنان کی نسل میں سے ہوں گے۔ سفیان! تمہارے لیے یہی کافی ہے۔'' جب ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی تو انہوں نے اس کا نام ''محمد'' رکھا کہ شاید ان کا بچہ ہی وہ شخص ہے جو مذکورہ بالا صفات کا حامل ہو۔

حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: ''زمانہ جاہلیت میں میں اپنی قوم کے بتوں سے تنگ تھا۔ میں نے بتوں کی پوجا کو باطل گمان کیا۔ میں اہل کتاب میں سے ایک شخص سے ملا اور اس سے افضل دین کے بارے پوچھا۔ اس نے کہا: ''مکہ مکرمہ سے ایک شخص کا ظہور ہوگا۔ وہ اپنی قوم کے بتوں سے نفرت کرے گا۔ وہ افضل دین کے ساتھ تشریف لائے گا۔ جب ان کے متعلق سن لو تو ان کی اتباع کر لینا۔'' اب اس کے علاوہ میرا اور کوئی مقصد حیات نہ تھا۔ میں مکہ مکرمہ آیا اور پوچھا: ''کیا کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے؟'' وہ کہتے: ''نہیں۔'' ایک دفعہ میں ایک راستے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے پاس سے ایک سوار گزرا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''کہاں سے آئے ہو؟'' اس ...

میں نے پوچھا: "کیا کوئی نیا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے؟" اس نے کہا: "ہاں! ایک شخص نے اپنی قوم کے بتوں سے نفرت کا اظہار کیا ہے اور معبودِ برحق کی طرف دعوت دی۔" میں نے کہا: "مجھے اسی ذات کی جستجو تھی۔" میں آپ کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ لوگوں سے چھپے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی: "آپ کون ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نبی ہوں۔" میں نے پوچھا: "نبی کیا ہوتا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے بھیجا جاتا ہے۔" میں نے پوچھا: "اسے کون بھیجتا ہے؟" آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ۔" میں نے پوچھا: "اس نے آپ کو کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے؟" آپ نے فرمایا: "صلہ رحمی کی جائے، خون نہ بہایا جائے۔ راستوں کو پر امن بنایا جائے، بتوں کو توڑ دیا جائے۔ ایک رب تعالیٰ کی عبادت کی جائے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔" میں نے عرض کی: "آپ کتنے عمدہ پیغام کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں۔ میں نے آپ کی تصدیق کر دی ہے۔ کیا میں آپ کے پاس ٹھہر سکتا ہوں؟" آپ نے فرمایا: "تم لوگوں کی اس پیغام کے ساتھ نفرت دیکھ رہے ہو، جسے میں لے کر آیا ہوں۔ آپ چلے جاؤ۔ جب سنو کہ میں ہجرت کر کے چلا گیا ہوں تو وہیں آجانا۔" جب میں نے سنا کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے ہیں تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔" (ابوسعد، ابونعیم، ابن عساکر)

ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مجھے خبر ملی ہے کہ جب بنو اسرائیل کو بخت نصر کی وجہ سے تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب وہ ذلیل و رسواء اور منتشر ہو گئے۔ وہ اپنی کتب میں پاتے تھے کہ محمد عربی ﷺ رب تعالیٰ کے رسول بن کر تشریف لائیں گے۔ ان کا ظہور عرب کی ایسی بستی سے ہوگا جہاں کھجوریں ہوں گی۔ جب وہ شام کی زمین سے نکلے، تو وہ شام اور یمن کے مابین سارے شہروں کی چھان بین کرنے لگے کہ ان میں سے کس میں یثرب جیسی صفات پائی جاتی ہیں۔ وہاں ایک گروہ اتر جاتا۔ انہیں امید تھی کہ وہ محمد عربی ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کرلیں گے اور آپ کی اتباع کرلیں گے حتیٰ کہ بنوہارون کا ایک گروہ یثرب آیا ان کے آباء اس حال میں مرے کہ وہ حضور ﷺ پر ایمان رکھتے تھے کہ آپ تشریف لائیں گے۔ وہ اپنے بیٹوں کو آپ کی اتباع پر ابھارتے تھے۔ جب ان کی اولاد نے آپ کو پالیا تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا حالانکہ وہ آپ کو جانتے تھے۔

ابونعیم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں اپنے گھر میں تھا۔ میری عمر سات سال تھی۔ میں جو دیکھتا یا سنتا اسے یاد رکھتا تھا۔ میں اپنے باپ کے ساتھ تھا کہ ایک جوان ہمارے پاس آیا جسے ثابت بن ضحاک کہتے تھے۔ اس نے کہا: "بنوقریظہ کا ایک یہودی مجھ سے مباحثہ کرتا ہوا کہہ رہا تھا "ایک کریم نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ وہ ہماری کتاب کی طرح کی کتاب لے کر آئیں گے اور تمہیں عاد اور ارم کی طرح قتل کریں گے۔" حضرت حسان نے فرمایا: "بخدا! میں بلند ٹیلے پر تھا۔ میں نے وقت سحر ایک بلند آواز سنی۔ اتنی بلند آواز میں نے نہیں سنی تھی۔ مدینہ طیبہ کے ٹیلے پر ایک یہودی کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں مشعل تھی، اس کے پاس لوگ جمع ہو گئے۔

لوگوں نے پوچھا: "تمہیں کیا ہوا ہے؟" اس نے کہا: "احمد مجتبیٰ ﷺ کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ یہ ستارہ صرف نبوت کے لیے طلوع ہوتا ہے۔ احمد مجتبیٰ ﷺ کے علاوہ کوئی نبی باقی نہیں رہ گیا۔" لوگ اس کی خبر پر ہنسنے لگے اور تعجب کا اظہار کرنے لگے۔" حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک سو بیس سال زندگی گزاری۔ ساٹھ سال زمانہ جاہلیت اور ساٹھ سال زمانہ اسلام میں بسر کیے۔

امام واقدی اور ابو نعیم نے حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "ہمارے مابین یہودی بھی رہتے تھے۔ یہودی ایک نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے تھے۔ جو مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوں گے، ان کا نام احمد ہوگا۔ ان کے علاوہ کوئی نبی باقی نہیں رہا۔ ہماری کتب میں ان کا حلیہ یہ یہ ہے۔ حتیٰ کہ وہ آپ کا سارا حلیہ بیان کر دیتے۔ میں اس وقت بچہ تھا۔ جو دیکھتا اسے یاد رکھتا جو سنتا وہ ذہن نشین رہتا تھا۔ میں نے بنو عبدالاشہل کی طرف ایک چیخ سنی۔ قوم خوفزدہ ہو گئی کہ کوئی معاملہ رونما نہ ہوا ہو۔ پھر آواز مخفی ہو گئی پھر آواز آئی۔ ہم نے وہ آواز سمجھ لی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ "اے اہلِ یثرب! یہ احمد مجتبیٰ ﷺ کا ستارہ ہے، جو دنیا میں جلوہ گر ہو گئے ہیں۔" ہم اس پر تعجب کرنے لگے۔ پھر ہم طویل عرصہ ٹھہرے رہے۔" ہم یہ سب کچھ بھول گئے۔ ایک قوم مر گئی، دوسری پیدا ہو گئی۔ میں عمر رسیدہ ہو گیا۔ پھر اسی طرح کی آواز آئی۔ "اہلِ یثرب! محمد عربی ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔ نبوت کا تاج ان کے سر پر سجا دیا گیا ہے۔ ان پر وہی ناموس اکبر آیا ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آتا تھا۔" پھر میں نے سنا کہ مکہ مکرمہ میں ایک شخص کا ظہور ہوا ہے۔ جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ میری قوم سے کچھ لوگ نکل آئے۔ کچھ ٹھہرے رہے۔ بعض نوجوانوں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں نے بھی اسلام قبول کر لیا، حتیٰ کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

ابو نعیم نے ابو سعید مالک بن سنان خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے اپنے باپ کو سنا وہ کہہ رہے تھے۔" ایک دن میں بنو عبدالاشہل کے پاس آیا تھا، تاکہ ان سے بات چیت کروں۔ میں نے یوشع یہودی کو سنا وہ کہہ رہا تھا۔ "ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے، جن کا نام نامی احمد ہوگا، ان کا ظہور حرم پاک سے ہوگا۔" اس سے پوچھا گیا: "ان کا حلیہ کیا ہوگا؟" اس نے کہا: "ان کا قد نہ لمبا نہ ہی چھوٹا ہوگا۔ ان کی آنکھوں میں سرخی ہوگی۔ وہ چادر اوڑھیں گے۔ دراز گوش پر سواری کریں گے۔ ان کی تلوار ان کے کندھے پر ہوگی۔ یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہوگا۔" میں اپنی قوم میں واپس آ گیا۔ میں اس کی بات پر تعجب کر رہا تھا۔ ایک آدمی کہہ رہا تھا "یہ صرف یوشع ہی نہیں کہتا۔ سارے یہودی اسی طرح کہتے ہیں۔" میں بنو قریظہ کے پاس آیا۔ میں نے انہیں دیکھا وہ ایک جگہ جمع تھے۔ وہ حضور ﷺ کا ذکر خیر کر رہے تھے۔ زبیر بن باطا نے کہا: "وہ سرخ ستارہ طلوع ہو چکا ہے جو کسی نبی کے ظہور کے وقت طلوع ہوتا ہے۔ انبیاء میں سے صرف احمد مجتبیٰ ﷺ ہی باقی رہ گئے ہیں۔ یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے۔

ابن عساکر نے حضرت کعب سے روایت لکھی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب آسمانی وحی تھی۔ وہ تجارت کی غرض سے شام گئے، انہوں نے ایک خواب دیکھا

پوچھا ''آپ کہاں رہتے ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''مکہ مکرمہ میں'' بحیری: کس قبیلہ سے تعلق ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق: ''قریش سے۔'' بحیری: ''کیا کرتے ہیں؟'' سیدنا صدیق اکبر: ''تجارت۔'' بحیری: رب تعالیٰ نے تمہاری خواب سچ کر دکھائی ہے۔ تمہاری قوم میں ایک نبی مبعوث ہوں گے۔ تم ان کے وزیر ہو گے۔ ان کے وصال کے بعد ان کے خلیفہ ہو گے۔'' حضرت ابوبکر صدیق نے یہ واقعہ مخفی رکھا، حتیٰ کہ حضور ﷺ مبعوث ہو گئے، انہوں نے پوچھا: ''محمد عربی ﷺ! آپ کے دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''وہ خواب جسے تم نے شام میں دیکھا تھا۔'' انہوں نے عرض کی: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

ابونعیم اور امام بیہقی نے عفیر بن زرعہ بن سیف بن ذی یزن سے روایت کیا ہے کہ جب سیف ذی یزن حبشہ پر غالب آیا۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک دو سال تھی۔ اس وقت سیف کے پاس عرب کے وفود، سردار اور شعراء آئے تاکہ اسے مبارک باد دیں، اسے بتائیں کہ اس نے اپنی قوم کا بدلہ لینے کے لیے کتنی مشکلات جھیلیں ہیں۔ وفد قریش بھی اس کے پاس آیا۔ اس وفد میں عبدالمطلب بن ہاشم، امیہ بن عبدشمس، عبداللہ بن جدعان، اسد بن عبدالعزیٰ، وہب بن عبدمناف، قصی بن عبدالدار شامل تھے۔ اذن حاصل کرنے والے سیف کے پاس آیا۔ اس وقت وہ غمدان محل میں تھا۔ اسی محل کے بارے امیہ بن ابی صلت الثقفی نے کہا ہے:

وَاشْرَبْ هَنِيْئًا عَلَيْكَ التَّاجُ مُرْتَفِقًا   فِيْ رَأْسِ غُمْدَانَ دَارٌ مِنْكَ مِهْلَالَا

ترجمہ: ''تو مزے سے شراب پی۔ تیرے سر پر وہ تاج ہے جو جواہرات سے مزین ہے۔ اور غمدان محل میں تیرے لیے عمدہ گھر ہے۔''

وَاشْرَبْ هَنِيْئًا فَقَدْ شَالَتْ نَعَامَتُهُمْ   وَ اَسْبَلِ الْيَوْمَ فِيْ بُرْدَيْكَ اِسْبَالَا

ترجمہ: ''تو مزے سے شراب پی، دشمنوں کو برباد کر دیا گیا ہے۔ آج اپنی دو چادروں کو خوب لٹکا کر چل۔''

تِلْكَ الْمَكَارِمُ لَا قَعْبَانَ مِنْ لَبَنٍ   شِيْبَا بِمَاءٍ فَعَادَا بَعْدُ اَبْوَالَا

ترجمہ: ''یہ عمدہ صفات ہیں۔ یہ ایسے دودھ کے پیالے نہیں ہیں جن میں پانی ملایا گیا ہو۔ جو کچھ دیر بعد پیشاب بن جائیں۔''

بادشاہ نے مرکب خوشبو لگا رکھی تھی۔ وہ چمک رہا تھا۔ اس نے اپنی مانگ میں سفید مشک لگا رکھی تھی۔ اس نے دو چادریں پہن رکھی تھیں۔ ایک اوپر تھی دوسری کو بطور ازار بند باندھ رکھا تھا۔ تلوار اس کے سامنے تھی۔ اس کے دائیں بائیں بادشاہ اور سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں سرداران قریش کے مقام و منصب سے آگاہ کیا گیا۔ اس نے انہیں اذن دے دیا وہ اس کے پاس آئے۔ حضرت عبدالمطلب قریب ہوئے اور کلام کرنے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے کہا: ''اگر تمہیں بادشاہ کے سامنے گفتگو کرنے کا طریقہ آتا ہے تو میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔'' حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: ''اے شاہ والا! رب

تعالیٰ نے آپ کو بلند منصب عطا فرمایا ہے۔ تمہیں ایسی نبات بنایا ہے جس سے اس کی اصل خوشگوار ہے۔ اس کی اصل کو اس سے عمدگی نصیب ہوتی ہے۔ شاخوں کو رفعت نصیب ہوتی ہے وہ عمدہ اور بہترین جگہ پر ہو۔ اے بادشاہ! تو ایسے امور سے دور رہے جو لعنت کا مستحق بناتے ہیں، عرب کا ایسا بادشاہ ہے عرب جس کا فرمانبردار ہے۔ اس کا وہ ستون ہے جس پر اس کا بھروسہ ہے۔ تو ان کا وہ قلعہ ہے جس کی طرف لوگ آتے ہیں۔ تیرے سلف بہترین سلف ہیں۔ تو ہمارے لیے ان کا بہترین جانشین ہے۔ جس کا جانشین تم جیسا ہو۔ اس کا ذکر نہیں مٹتا۔ جس کا تو سلف ہو وہ گمنام نہیں رہتا۔ ہم اہلِ حرم ہیں۔ اس کے گھر کے محافظ ہیں۔ ہمیں تمہارا وہ کرب اور مصیبت لے کر آیا ہے جو اب دور ہو چکا ہے۔ اس نے ہمیں بوجھل بنا دیا تھا۔ ہم مبارکباد دینے آئے ہیں۔ ازار بند لینے نہیں آئے۔"

بادشاہ نے ان سے کہا: "اے گفتگو کرنے والے! تم کون ہو؟" انہوں نے کہا: "میں عبدالمطلب بن ہاشم ہوں۔" بادشاہ نے کہا: "ہمارا بھانجا!" عبدالمطلب: "ہاں!" بادشاہ: "قریب ہو جاؤ۔" پھر بادشاہ نے ان پر اور ان کی قوم پر توجہ کی۔ انہیں خوش آمدید کہا۔ اس نے کہا: "تمہارے لیے یہاں اونٹنی بھی ہے اور رکجاوہ بھی، کشادہ میدان بھی ہے اور ایسا بادشاہ بھی ہے جس کی سخاوت کی کوئی حد نہیں۔ جو بڑے بڑے عطیات عطا کرتا ہے۔ بادشاہ نے تمہاری گفتگو سن لی ہے۔ تمہاری رشتہ داری پہچان لی ہے، تمہارا وسیلہ قبول کر لیا ہے۔ شب و روز تمہیں چھپا نہیں سکتے۔ جب تک تم ٹھہرے رہے تمہیں عزت ملے گی۔ جب جانے لگے تو تمہیں انعام دیا جائے گا۔" پھر یہ وفد مہمان خانے میں چلا گیا۔ بادشاہ نے ان کی ضیافت کی۔ ایک ماہ گزر گیا، بادشاہ نہ انہیں جانے کی اجازت دیتا اور نہ ہی ان سے ملاقات کرتا۔ ایک دن اس نے حضرت عبدالمطلب کی طرف پیغام بھیجا۔ انہیں اپنے قریب کیا۔ اس نے کہا: "عبدالمطلب! میں اپنے علم کا راز تمہیں بتانے لگا ہوں۔ اگر تمہارے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں اسے یہ راز نہ بتاتا۔ میں تمہیں اس کا راز دان سمجھتا ہوں، میں راز تمہیں بتانے لگا ہوں تم اسے مخفی رکھنا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس راز کو بتانے کا حکم دے دے۔ میں نے اپنے علم اور اس کتاب میں پایا ہے جو ہمارے لیے مختص ہے جسے ہم دوسروں سے چھپاتے ہیں۔ اس علم میں ہم ایک عظیم خبر پاتے ہیں جس میں زندگی کا شرف ہے، وفا کی فضیلت ہے، یہ فضیلت لوگوں کے لیے عام اور تمہارے اور تمہارے قبیلے کے لیے خاص ہے۔" حضرت عبدالمطلب نے کہا: "بادشاہ! رب تعالیٰ تمہیں خوش رکھے نیکی کی توفیق دے۔ وہ راز کیا ہے۔ لوگ گروہ در گروہ آپ پر فدا! ذرا بتاؤ۔" بادشاہ نے کہا: "جب تہامہ میں ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوگا، جس کے کندھوں کے مابین نشانی ہوگی۔ اسے سیادت نصیب ہوگی، تمہیں روز حشر تک سرداری ملے گی۔" عبدالمطلب نے کہا: "اے بادشاہ! تمہیں اتنی بھلائی ملے کہ اتنی بھلائی کسی کو نصیب نہ ہوئی ہو، اگر بادشاہ کی ہیبت، جلال اور تعظیم رکاوٹ نہ بنے تو میں کہتا ہوں کہ وہ مجھے یہ راز کھول کر بیان کرو تاکہ میرا لطف دوبالا ہو جائے۔" بادشاہ نے کہا: "اب وقت آ گیا ہے کہ وہ بچہ پیدا ہو یا وہ بچہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس کا نام نامی "محمد" ہے۔ اس کے والدین کریمین وفات پا چکے ہوں گے۔ اس کا دادا اور چچا اس کی کفالت کریں گے۔ رب تعالیٰ

اسے واضح طور پر مبعوث کرے گا۔ ہم میں سے اس کے انصار پیدا کرے گا۔ ان کے ساتھ اس کے دوستوں کو عزت نصیب ہوگی۔ اس کے دشمن رسوا ہوں گے۔ وہ تلوار کے ساتھ جہاد کرے گا۔ وہ ان کے ذریعے لوگوں کا قیمتی مال فتح کرے گا۔ وہ رحمن کی عبادت کرے گا۔ شیطان کو رسوا کرے گا۔ آگ بجھا دے گا۔ بتوں کو توڑ دے گا۔ اس کی بات فیصلہ کن ہوگی۔ اس کا حکم سراپا عدل ہوگا۔ وہ نیکی کا حکم دے گا، خود بھی نیکی کرے گا۔ برائی سے روکے گا خود بھی اس سے رکے گا۔"

حضرت عبدالمطلب نے کہا: "تمہاری کوشش کو عزت نصیب ہو۔ تمہاری مملکت دائمی رہے۔ تمہیں رفعت نصیب ہو۔ کیا تم مزید وضاحت کرو گے۔ اب میرے لیے بعض امور واضح ہو چکے ہیں۔" سیف نے کہا: "پردوں والے گھر کی قسم! تم اس مبارک بچے کے دادا ہو۔ اس میں ذرا شک نہیں۔" یہ سن کر حضرت عبدالمطلب سجدہ میں گر پڑے۔ سیف نے کہا: "تمہارا سینہ ٹھنڈا ہو۔ تمہارا ذکر بلند ہو۔ اپنا سر اٹھاؤ۔ جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے کیا تمہیں کچھ محسوس ہوا ہے؟"

عبدالمطلب: "اے بادشاہ! ہاں! میرا ایک فرزند تھا۔ میں اس سے بہت زیادہ پیار کرتا تھا۔ اس سے نرمی برتتا تھا۔ اس کی زوجہ آمنہ بنت وہب تھیں ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جس کا نام میں نے "محمد" رکھا ہے۔ اس کے والدین کریمین وصال کر چکے ہیں، میں اور اس کا چچا اس کی کفالت کرتے ہیں۔" سیف نے کہا: "میں نے جو کچھ کہنا تھا اسے کہہ دیا ہے تم اپنے بیٹے کی حفاظت کرو، انہیں یہود سے بچاؤ، وہ ان کے دشمن ہیں، لیکن رب تعالیٰ یہود کو کامیاب نہیں کرے گا، جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے، اسے مخفی رکھنا۔ اس وفد سے یہ سب کچھ چھپانا جو تمہارے ساتھ ہے۔ میں اس سے امن سے نہیں ہوں کہ وہ حسد کرنے لگیں گے۔ وہ ان کے لیے رکاوٹیں کھڑی کریں گے۔ ان کے لیے مشکلات تلاش کریں گے۔ وہ یا ان کی اولاد اس طرح ضرور کرے گی۔ اگر مجھے یہ علم نہ ہوتا کہ میں ان کی بعثت سے قبل مر جاؤں گا۔ تو میں اپنے پیادہ اور گھڑسوار دستے کے ساتھ جاتا حتیٰ کہ یثرب پہنچ جاتا، میں کتاب ناطق اور علم سابق میں پاتا ہوں کہ یثرب میں ان کے امر کو استحکام نصیب ہوگا۔ وہیں انہیں انصار ملیں گے اور ان کی قبر انور وہیں ہوگی۔ اگر مجھے آفات کا اندیشہ نہ ہوتا اور ان پر مشکلات کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ان کی کم عمری میں ہی ان کے امر کا اعلان کر دیتا۔" پھر بادشاہ نے وفد کے دیگر ارکان کو بلایا ہر ایک کو دس دس سیاہ فام غلام اور دس دس سیاہ فام لونڈیاں دینے کا حکم دیا۔ ہر ایک کو دو دو حلے دس دس رطل سونا اور دس دس رطل چاندی اور سو سو اونٹ دینے کا حکم دیا اور ہر ایک کو ایک ایک برتن عنبر سے بھر کر دیا اور حضرت عبدالمطلب کو ہر چیز دس گنا زیادہ دی۔ پھر فرمایا "ایک سال بعد آنا مجھے اس مبارک بچے کے بارے بتانا اس کے معاملات سے آگاہ کرنا۔" لیکن سال گزرنے سے پہلے ہی وہ سیف مر گیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب یہ بات کثرت سے کرتے تھے "اے گروہِ قریش! بادشاہ نے جو کچھ مجھے عطا کیا ہے اس پر تم میں سے کوئی رشک نہ کرے خواہ وہ کثیر ہے لیکن وہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن مجھ پر اس امر پر رشک کرو، جو میرے لیے باقی رہے گا۔ میری نسل میں اس کا ذکر اور فخر باقی رہے گا۔" جب پوچھا جاتا کہ وہ کیا ہے؟ تو وہ کہتے: "جو کچھ میں کہتا ہوں کچھ مدت بعد اسے جان لیا جائے گا۔"

امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ روایت کلبی سے، ابو صالح سے اور حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ ابو نعیم نے محمد بن عمر کی سند سے ان کے شیوخ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "ایک دن حضرت عبدالمطلب حجر میں تھے ان کے پاس نجران کا پادری بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ان کا دوست تھا۔ ان سے باتیں کرتا تھا۔ اس نے کہا: "ہم پاتے ہیں کہ اولاد اسماعیل میں سے ایک نبی پیدا ہوں گے۔ یہ شہر ان کی جائے پیدائش ہے۔ ان کا حلیہ یہ ہوگا۔" حضور اکرم ﷺ کو اس کے پاس لایا گیا۔ پادری نے آپ کو دیکھا آنکھوں کی سرخی دیکھی۔ کمر مبارک اور قدمین دیکھے تو کہنے لگا: "یہ نبی آخرالزمان ہیں۔ یہ آپ کے کیا لگتے ہیں۔" حضرت عبدالمطلب: "یہ میرے بیٹے ہیں۔" پادری: "نہیں۔ ان کے والد کو زندہ نہیں ہونا چاہیے۔" حضرت عبدالمطلب: "یہ میرے بیٹے کے بیٹے ہیں۔ ان کے والد گرامی اس وقت وفات پا گئے تھے جب یہ اپنی امی کے بطن میں تھے۔" پادری: "آپ نے سچ کہا ہے۔" حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں سے کہا: "اپنے اس بھتیجے کی حفاظت کرو۔ کیا تم سن نہیں رہے کہ ان کے بارے کیا کہا جا رہا ہے؟"

اس باب میں اور بھی بہت سی روایات مروی ہیں لیکن اتنا تذکرہ ہی کافی ہے۔

❁❁❁

دسواں باب

بعض خواب جو آپ ﷺ کی بعثت پر دلالت کرتے ہیں

ابونعیم نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب جناب عبدالمطلب سے بیان کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: "اسی اثناء میں کہ میں حجر میں سویا ہوا تھا۔ میں نے ایک خواب دیکھا، جس نے مجھے ڈرایا۔ میں گھبرا کر اٹھا۔ میں قریش کی کاہنہ کے پاس گیا۔ مجھ پر ریشمی دھاری دار چادر تھی۔ میری زلفیں میرے کندھوں تک لٹکی ہوئی تھیں۔ میں نے کاہنہ سے کہا: "میں نے آج رات خواب دیکھا ہے کہ گویا کہ ایک درخت اگا ہے، جس کی چوٹی آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔ اس کی شاخیں مشرق تا مغرب پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے کوئی نور اس کے نور سے زیادہ روشن نہ دیکھا۔ وہ سورج سے ستر گنا زیادہ ضوفشاں تھا۔ میں نے عرب و عجم کو اس کے سامنے سجدہ ریز دیکھا اور وہ ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کی عظمت، نور اور بلندی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک لمحہ وہ غائب اور دوسرے لمحہ میں وہ ظاہر ہو جاتا۔ میں نے قریش کے ایک گروہ کو دیکھا۔ وہ اس کی شاخوں کے ساتھ لٹکے ہوئے تھے۔ میں نے دوسرے گروہ کو دیکھا وہ اسے کاٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اس کے قریب ہوئے، تو انہیں ایک جوان نے پکڑ لیا، میں نے اتنا حسین جوان آج تک نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی اتنی عمدہ خوشبو سونگھی تھی۔ اس جوان نے اس گروہ کی کمریں توڑ دیں۔ ان کی آنکھیں اکھیڑ پھینکیں۔ میں نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ تاکہ اس درخت کو پکڑلوں، لیکن میں یوں نہ کر سکا۔ میں نے پوچھا: "یہ کس کے حصہ میں ہے؟" انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ ان لوگوں کے نصیب میں ہے جو اس درخت کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں۔ وہ تم سے سبقت لے گئے ہیں۔ میں گھبرا کر جاگ گیا۔ میں نے دیکھا کہ کاہنہ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس نے کہا: "اگر تمہارا خواب سچا ہے تو پھر تمہاری صلب ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو مشرق و مغرب کا مالک بنے گا، لوگ اس کا دین اختیار کریں گے۔" حضرت عبدالمطلب نے جناب ابوطالب سے فرمایا: "شاید تم اس بچے کے چچا بنو۔" جناب ابوطالب یہ خواب بیان کرتے تھے تو حضور ﷺ مبعوث ہو چکے تھے، وہ فرماتے تھے: "وہ درخت ابوالقاسم الامین ﷺ ہیں۔" جب ان سے کہا جاتا: "کیا آپ ایمان نہیں لائیں گے؟" تو وہ کہتے: "گالی اور عار کی وجہ سے۔"

ابن ظفر نے ذکر کیا ہے کہ مرثد بن کلال نے ایک خواب دیکھا جس نے اسے خوفزدہ کر دیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو وہ خواب بھول چکا تھا۔ حتیٰ کہ اسے اس میں سے کچھ بھی یاد نہ رہا۔ پھر اس نے کاہن حاضر کیے اور ہر ہر کاہن سے خلوت میں ملاقات کرنے لگا۔ اس نے ان سے کہا: "مجھے اس امر کے بارے بتاؤ، جو میں تم سے پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" ایک

کاہن نے اسے بتایا کہ اس کے پاس اس کا علم نہیں ہے نہ کسی ایک کاہن کے پاس اس کا جواب ہے۔ پھر مرثد شکار کے لیے نکلا۔ اس نے شکار کی تلاش میں مبالغہ سے کام لیا۔ اپنے دوستوں سے جدا ہو گیا۔ پہاڑ کی چوٹی پر اسے چند گھر نظر آئے، وہ ایک گھر میں چلا گیا، ایک بڑھیا اس کے سامنے آ گئی۔ اس نے بادشاہ کو پیالے میں کھانا پیش کیا۔ بادشاہ نیچے اترا جب سورج غروب ہو گیا تو وہ وہیں سو گیا۔ جب وہ جاگا تو سورج کافی بلند ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے سامنے ایک نوجوان لڑکی دیکھی آج تک اتنی حسین دوشیزہ اس نے نہیں دیکھی تھی۔ اس نے بادشاہ سے کہا: "آپ ایسے امور سے دور رہیں جو لعنت کا سبب بنیں۔ اے شاہ والا! کیا آپ کھانا کھائیں گے؟" جب بادشاہ کو علم ہوا کہ یہ دوشیزہ اسے جانتی ہے۔ تو اسے اپنے بارے میں خطرہ لاحق ہوا۔ اس دوشیزہ نے کہا: "آپ پر بشر فدا! اس نے بادشاہ کے سامنے ثرید پیش کی۔ خود اس سے دور کھڑی ہو گئی حتیٰ کہ اس نے کھانا کھا لیا۔ پھر اسے خالص اور ٹھنڈا دودھ پیش کیا۔ بادشاہ نے اتنا دودھ پیا جتنی اس کو ضرورت تھی۔ وہ اس دوشیزہ کو آتے جاتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس کے دل کو حسن و جمال سے بھر دیا تھا۔ دل کو محبت سے لبریز کر دیا تھا۔ اس نے دوشیزہ کا نام پوچھا۔ اس نے بتایا کہ اس کا نام عفیراء ہے۔ بادشاہ نے پوچھا: "عفیراء! جس کو تو نے شاہ والا کہا ہے وہ کون ہے؟ عفیراء: وہ عظیم بادشاہ مرثد ہے جس نے سارے کاہن اور کاہنہ جمع کیے تھے۔ وہ اس خواب کے متعلق جاننا چاہتا تھا جس نے اسے پریشان کر دیا تھا۔" بادشاہ: "اے عفیراء! کیا تو جانتی ہے کہ وہ خواب کیا تھا؟" عفیراء: "ہاں! وہ ایک سچا خواب تھا۔ وہ پریشان کن خواب تھا۔ آپ نے دیکھا ہے کہ بگولوں پر بگولے اٹھ رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے تھے۔ ان میں روشن شعلے بھی تھے۔ ان کا پھیلنے والا دھواں تھا۔ اس کے بعد آپ نے ایک نہر دیکھی جو اس سے پیتا تھا وہ سیراب ہو جاتا تھا۔ جو غوطہ لگاتا تھا وہ غرق ہو جاتا تھا۔ پھر آپ نے گھنٹی بجانے والے کی آواز کو سنا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ نہر کے ساحل پر چلو۔" بادشاہ نے کہا: "خواب تو یہی ہے۔ اس کی تعبیر کیا ہے؟" عفیراء نے کہا: "وہ آگ کے بگولے تبع بادشاہ تھے۔ نہر سے مراد وسیع علم ہے۔ پلانے والے نبی کریم ﷺ ہیں۔ جس نے پانی پی لیا وہ ان کا تابعدار دوست بن گیا، جس نے انکار کیا، وہ ان کا دشمن بن گیا۔" بادشاہ: "کیا یہ نبی امن کے ساتھ آئیں گے یا جنگ کے ساتھ۔" عفیراء: مجھے اس ذات کی قسم جس نے آسمان کو بلند کیا۔ جس نے بادل سے پانی نازل کیا۔ وہ خونریزی کو باطل کریں گے۔ وہ بادشاہوں کی اولادوں کو کنیزیں اور غلام بنا لیں گے۔" بادشاہ: "وہ کس کی طرف دعوت دیں گے؟" عفیراء: "وہ روزوں، نماز، صلہ رحمی، بت توڑنے، جوئے کے تیر توڑنے اور گناہوں سے بچنے کا حکم دیں گے۔" بادشاہ: وہ کس قوم سے ہوں گے؟ عفیراء: "وہ مضر بن نزار کی نسل سے ہوں گے۔ ان کے لیے بہت سا گرد و غبار اٹھے گا وہ اپنے دشمن کو قتل کریں گے یا انہیں قیدی بنا لیں گے۔" بادشاہ: "عفیراء! جب ان کی قوم قتل ہو جائے گی تو پھر ان کی مدد کون کرے گا؟" عفیراء: مختلف سمتوں کے معزز لوگ ان کی مدد کریں گے، ان کی نگاہیں نور بصیرت سے روشن ہو جائیں گی۔ ان پر غم سہنے آسان ہوں گے۔" بادشاہ نے سر جھکا لیا۔ وہ اس دوشیزہ کو شادی کا پیغام دینا چاہتا تھا۔ دوشیزہ نے کہا: "بادشاہ!

آپ لعنت سے دور رہیں۔ میرا منگیتر ایک غیور انسان ہے۔ وہ میری طرف بہت رجحان رکھتا ہے۔ مجھ سے تعرض کرنے والا برباد ہو جاتا ہے۔" بادشاہ اسی وقت اٹھا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور اپنے محل میں چلا گیا۔ اس دوشیزہ کے لیے ایک سو اونٹ بھیج دیے۔

ابن سعد اور ابن جوزی نے حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "حضور ﷺ کی بعثت سے قبل خالد بن سعید سوئے ہوئے تھے۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ گویا کہ مکہ مکرمہ میں اتنی تاریکی چھا گئی ہے کہ انسان اپنی ہتھیلی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اسی حالت میں تھے کہ چشمۂ زمزم سے ایک نور نکلا پھر وہ آسمان کی طرف بلند ہوا۔ اس نے بیت اللہ کو روشن کر دیا۔ پھر اس نے سارا مکہ مکرمہ روشن کر دیا۔ پھر وہ مدینہ طیبہ کے نخلستانوں کی طرف چلا گیا انہیں بھی روشن کر دیا۔ حتیٰ کہ میں نخلستان میں کھجوریں بھی دیکھ سکتا تھا۔ میں بیدار ہوا۔ میں نے اپنے بھائی عمرو بن سعید کو اپنا خواب بیان کیا۔ وہ رائے میں مجھ سے زیادہ پختہ تھے۔ انہوں نے کہا: "میرے بھائی! یہ معاملہ حضرت عبدالمطلب کے خاندان میں ہی رونما ہوگا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ یہ ان کے باپ کے چشمہ سے نکلا ہے۔" خالد نے کہا: "یہ خواب ان امور میں سے تھا جن کے سبب رب تعالیٰ نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی۔" حضرت ام خالد نے فرمایا: "سب سے پہلے میرا بیٹا اسلام لایا۔ کیونکہ اس نے حضور اکرم ﷺ کے بارے خواب دیکھا تھا۔" آپ نے فرمایا: "اے خالد! میں وہی نور ہوں۔ میں رب تعالیٰ کا رسول ہوں۔" آپ نے ان امور کا ذکر کیا، جن کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ حضرت خالد اسلام لے آئے۔ حضرت عمرو نے ان کے بعد اسلام قبول کیا۔

ابن سعد نے سعد بن حرام انصاری سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ چالیس افراد کے ساتھ ایک تاجر کی حیثیت سے شام گئے۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ ان کے پاس ایک آنے والا آیا۔ اس نے کہا: "مکہ مکرمہ میں نبیٔ دو جہاں ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔ ابوامامہ! ان کی اتباع کرلو۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ تم ایک جگہ اترو گے۔ تمہارے ساتھیوں کو مرض آلے گا۔ تم نجات پا جاؤ گے۔ فلاں کی آنکھ میں نیزہ لگے گا۔" وہ ایک جگہ اترے۔ وہاں کے لوگ طاعون میں مبتلا تھے۔ حضرت ابوامامہ کے علاوہ سارے اس مرض میں مبتلا ہو گئے ان کے ایک ساتھی کی آنکھ میں نیزہ لگا۔

ابن سعد اور ابن جوزی نے حضرت عمرو بن مرہ الجہنی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "زمانہ جاہلیت میں میں ایک قوم کے ہمراہ حج کی نیت سے عازم سفر ہوا۔ میں نے مکہ مکرمہ میں خواب دیکھا کہ ایک نور پھیل رہا تھا۔ جو کعبہ سے نکلا تھا۔ حتیٰ کہ میرے لیے کعبہ سے لے کر یثرب کے پہاڑوں تک سب کچھ روشن ہو گیا۔ میں نے جہینہ کو دیکھ لیا۔ میں نے اس نور میں آواز سنی وہ کہہ رہی تھی "ظلمت چھٹ گئی ہے۔ روشنی پھیل گئی ہے۔ خاتم الانبیاء مبعوث ہو چکے ہیں۔ پھر میرے قریب ایک دفعہ پھر اجالا ہوا۔ حتیٰ کہ میں نے حیرہ کے محلات دیکھے۔ مدائن کا سفید محل دیکھا۔ میں نے اس نور میں ایک آواز سنی وہ کہہ رہا تھا۔ "اسلام کا ظہور ہو چکا ہے۔ بت ٹوٹ چکے ہیں۔ صلہ رحمی ہو گئی ہے۔" میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

میں نے اپنی قوم سے کہا: ''بخدا! قبیلہ قریش میں کوئی واقعہ رونما ہوا ہے۔'' میں نے انہیں اپنا خواب سنایا۔ جب ہم اپنے شہر پہنچے تو یہ خبر ملی کہ احمد ﷺ نامی ذات والا مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں آیا اور جو کچھ دیکھا تھا آپ کو عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: ''عمرو بن مرہ! میں نبی ہوں۔ مجھے سارے لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ میں انہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ انہیں خونریزی سے روکتا ہوں۔ انہیں صلہ رحمی کرنے، رب تعالیٰ کی عبادت کرنے، بت توڑنے، بیت اللہ کا حج کرنے اور رمضان المبارک کے روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں۔'' جس نے لبیک کہا اس کے لیے جنت ہے۔ جس نے نافرمانی کی اس کے لیے آگ ہے۔ عمرو! رب تعالیٰ پر ایمان لے آؤ۔ رب تعالیٰ تمہیں جہنم کے خطرات سے نجات عطا کرے گا۔ میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ! میں اس حلال اور حرام پر ایمان لایا جس کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا۔ پھر میں نے یہ اشعار کہے:

شهدتُ بان الله حقٌّ و انّني — لالهة الاصنام اول تاركِ

لاَصْحَبَ خَيْرَ النَّاسِ نَفْسًا وَ وَالِدًا — رَسُوْلُ مَلِيْكِ النَّاسِ فَوْقَ الجبائِكِ

ترجمہ: ''میں نے گواہی دی کہ رب تعالیٰ حق ہے۔ میں ان بتوں کو سب سے پہلے چھوڑنے والا ہوں۔ تاکہ میں اس ذات والا کی رفاقت اختیار کروں جو نفس اور والد کے اعتبار سے سب بہترین ہیں۔ جو اس کائنات میں رب تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

ابونعیم نے حضرت کعب اور وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''بخت نصر نے ایک خواب دیکھا جس نے اسے خوفزدہ کر دیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو وہ خواب اسے بھول چکا تھا۔ اس نے اپنے کاہن اور جادوگر بلائے۔ اپنی وہ پریشانی بتائی جو اسے اس خواب کی وجہ سے لاحق ہوئی تھی۔ اس نے انہیں کہا کہ وہ اس خواب کی تعبیر بیان کریں۔'' انہوں نے کہا: ''بادشاہ سلامت! خواب بھی بیان کرو۔'' بخت نصر نے کہا: ''میں خواب تو بھول چکا ہوں۔'' کاہنوں اور جادوگروں نے کہا: ''ہم اس کی تعبیر پر قادر نہیں ہیں حتیٰ کہ آپ وہ خواب بیان کر دیں۔'' بادشاہ نے حضرت دانیال علیہ السلام کو بلایا اور ان سے خواب اور اس کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے کہا: ''بادشاہ! تم نے ایک بہت بڑا بت دیکھا ہے جس کی ٹانگیں زمین میں تھیں سر آسمان پر تھا۔ اس کا اوپر کا حصہ سونے کا، اس کا وسط چاندی کا اور نچلا حصہ تانبے کا بنا ہوا تھا۔ اس کی پنڈلیاں لوہے کی بنی ہوئی تھیں۔ اس کی ٹانگیں پختہ مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔ اسی اثناء میں کہ تم اس کی طرف دیکھ رہے تھے تمہیں اس کے حسن نے متعجب کر دیا۔ رب تعالیٰ نے آسمان سے ایک پتھر بھیجا جو اس کے سر کی چوٹی پر لگا اور اسے توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کا سونا، چاندی، تانبا، لوٹا اور مٹی باہم مل گئے۔ حتیٰ کہ یوں گمان ہونے لگا کہ اگر سارے جن و انس بھی اکٹھے ہو جائیں وہ پھر بھی انہیں جدا کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اگر ہوا چلے تو ان کے ذرات کو بکھیر دے تم نے وہ پتھر دیکھا جس کے ساتھ اس بت کو توڑا گیا تھا وہ بڑھتا اور پھیلتا گیا حتیٰ کہ اس نے ساری زمین کو بھر دیا،

تمہیں آسمان اور پتھر ہی نظر آرہے تھے۔ بخت نصر نے کہا: تم نے سچ کہا ہے۔ میں نے یہی خواب دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر کیا ہے؟ حضرت دانیال نے فرمایا: "بت مختلف اقوام تھیں جو ابتدائی، وسطی اور آخری زمانہ میں ہوں گی۔ وہ پتھر جس سے رب تعالیٰ نے بت کو پاش پاش کیا وہ رب تعالیٰ کا دین تھا، جس کے ساتھ رب تعالیٰ آخری زمانہ میں ضرب لگائے گا اور سارے ادیان پر غالب کر دے گا۔ رب تعالیٰ عرب میں امی نبی ﷺ مبعوث کرے گا۔ رب تعالیٰ ان کے ذریعے امم اور ادیان کو اس طرح پیس دے گا جس طرح اس پتھر نے اس بت کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ وہ اس دین کو سارے ادیان پر غالب کر دے گا جس طرح آپ نے دیکھا کہ وہ پتھر ساری روئے زمین پر پھیل گیا تھا۔"

❀❀❀

گیارھواں باب

حضور ﷺ کی تصویر، دیگر انبیائے کرام کی تصاویر کے ساتھ

امام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مجھے اور ایک شخص کو ہرقل صاحب روم کی طرف بھیجا گیا، تا کہ ہم اسے اسلام کی طرف بلائیں، ہم عازم سفر ہو کر دمشق پہنچے۔ ہم جبلہ بن الایہم غسانی کے پاس ٹھہرے۔ ہم اس کے پاس گئے تو وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ہماری طرف قاصد بھیجا تا کہ ہم اس کے ساتھ بات چیت کریں۔ ہم نے کہا: "ہم قاصد سے بات چیت نہیں کریں گے۔ ہمیں بادشاہ کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اگر وہ اجازت دیتا ہے تو ہم اس کے ساتھ بات چیت کرتے ہیں، ورنہ ہم اس کے قاصد کے ساتھ بات چیت نہیں کریں گے۔" اس کا قاصد اس کے پاس گیا اس کے یہ معاملہ بتایا تو اس نے ہمیں اجازت دے دی۔ حضرت ہشام نے اس کے ساتھ بات چیت کی اور اس کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ حضرت ہشام نے پوچھا: "تم نے یہ کون سا لباس پہن رکھا ہے؟" اس نے کہا: "میں نے یہ لباس اس قسم کے ساتھ پہنے ہیں کہ میں انہیں اس وقت تک نہ اتاروں گا جب تک میں تمہیں شام سے نہ نکال دوں۔" ہم نے اسے کہا "اسی جگہ ٹھہرو۔ بخدا! ہم تم سے یہ سلطنت اور اقتدار چھین لیں گے۔ ان شاء اللہ! ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس کے بارے بتا دیا تھا۔" اس نے کہا: "کیا تم سمراء ہو؟" ہم نے کہا: "ہاں!" اس نے کہا "تم وہ نہیں ہو۔ وہ تو دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ رات کو افطار کرتے ہیں۔ تمہارا روزہ کیسے ہوتا ہے؟" جب ہم نے اسے بتایا تو اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس نے کہا "اٹھو! اس نے ہمارے ہمراہ ایک قاصد بھیجا۔" جب ہم اس شہر کے قریب پہنچے تو اس قاصد نے کہا "تمہارے یہ جانور اس شہر میں داخل نہں ہو سکتے۔ ہم تمہیں براذین (غیر عربی گھوڑے) یا خچروں پر سوار کریں گے۔" ہم نے کہا: "نہیں! بخدا! ہم ان جانوروں پر ہی طے کریں گے۔" اس نے بادشاہ کی طرف پیغام بھیجا کہ انہوں نے ہمارے جانوروں پر آنے سے انکار کر دیا ہے۔" ہم اپنے جانوروں پر داخل ہوئے۔ ہم اپنی تلواریں لٹکائے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ ہم اس کے کمرہ تک پہنچ گئے۔ وہ ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم نے کہا: "لا الہ الا اللہ اللہ اکبر!" اس نعرہ کے بعد کمرہ لرز گیا۔ گویا کہ وہ کھجور کا گچھا ہو۔ پھر ہم اس کے پاس گئے۔ اس نے کہا: "اگر تم مجھے وہ سلام کرتے ہو جو تم باہم ایک دوسرے کو کرتے ہو تو تمہیں کیا تھا؟" ہم نے کہا: "جو سلام ہم باہم کرتے ہیں وہ تمہارے لیے روا نہیں اور جو سلام تم باہم کرتے ہو وہ ہمارے لیے روا

نہیں۔" اس نے پوچھا: "تم کیسے سلام کرتے ہو؟" ہم نے کہا: "السلام علیکم" اس نے کہا: "تم اپنے بادشاہ کو کیسے سلام کرتے ہو؟" ہم نے کہا: "اسی طرح۔" بادشاہ: "وہ تمہیں جواب کیسے دیتا ہے؟" ہم نے کہا: "اسی طرح۔" بادشاہ: "تمہارا سب سے بڑا کلام کیا ہے؟" ہم نے کہا: "لا الٰہ الا اللہ اللہ اکبر" جب ہم نے یہ کہا تو وہ کمرہ لرزنے لگا۔ حتیٰ کہ بادشاہ نے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ جب تم نے یہ کلمہ کہا تو یہ کمرہ لرزنے لگا ہے، کیا اپنے شہر میں جب بھی تم یہ کلمہ کہتے ہو تمہارے گھر اسی طرح لرزتے ہیں؟" ہم نے کہا: "نہیں! یہ لرزہ تو صرف اسی جگہ آیا ہے۔" اس نے کہا: "میری تمنا ہے کہ تم جب بھی یہ کلمہ کہو تو ہر ہر چیز گر پڑے اور میں نصف مملکت سے دست بردار ہو جاؤں۔" ہم نے کہا: "کیوں؟" اس نے کہا: "کیونکہ اس کے مناسب یہی ہے اور یہ اس امر کے زیادہ مستحق ہے کہ یہ نبوت کا امر نہ ہو اور یہ لوگوں کے حیلوں میں سے ہو۔" پھر اس نے ہمارے ارادہ کے بارے مختلف سوالات کیے۔ ہم نے اسے جوابات دیے۔ اس نے کہا: "اٹھو۔" ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے ہمارے لیے اچھے بستر اور عمدہ ضیافت کا اہتمام کیا۔ ہم تین دن تک وہیں ٹھہرے رہے۔ پھر اس نے رات کے وقت پیغام بھیجا۔ ہم اس کے پاس گئے۔ اس نے اپنی بات دہرائی۔ ہم نے اس کو پہلے کی طرح کے جوابات دیے۔ پھر اس نے بہت بڑا صندوق منگوایا۔ جس میں چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے۔ جن پر دروازے لگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک دروازہ کھولا۔ اس میں سے سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا۔ اس کو پھیلایا۔ اس میں سرخ تصویر بنی ہوئی تھی۔ وہ اس شخص کی تصویر تھی جس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ اس کی گردن طویل تھی۔ اس وقت اس کی داڑھی نہ تھی اس کے بالوں کی دو خوبصورت مینڈھیاں تھیں۔ اس نے پوچھا: "کیا انہیں پہچانتے ہو؟" ہم نے کہا: "نہیں۔" اس نے کہا: "یہ آدم علیہ السلام ہیں۔" ان کے بال سارے لوگوں سے زیادہ تھے۔ پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا۔ اس سے سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا۔ اس میں سفید تصویر تھی۔ اس میں اس شخص کی تصویر تھی جس کے جسم پر بہت سے بال تھے۔ یہ بال گھنگھریالے تھے۔ آنکھیں سرخ تھیں، قامت بڑی تھی، داڑھی خوبصورت تھی، اس نے پوچھا: "کیا انہیں جانتے ہو؟" ہم نے کہا: "نہیں!" اس نے کہا: "یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔" پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا اس سے سیاہ ریشم نکالا۔ اس میں اس ذات کی تصویر تھی۔ جو بہت سفید تھی، آنکھیں خوبصورت تھیں، ان کی پیشانی کشادہ تھی، رخسار چوڑے تھے، داڑھی سفید تھی، گویا کہ وہ تبسم فرما رہے تھے۔" اس نے پوچھا: "انہیں جانتے ہو؟" ہم نے کہا: "نہیں۔" اس نے کہا: "یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔" پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا اس سے سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا۔ اس میں سفید تصویر تھی۔ وہ حضور پاک ﷺ کی تصویر تھی۔ اس نے کہا: "کیا انہیں جانتے ہو؟" ہم نے کہا: "ہاں! یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔" پھر ہم رونے لگے۔ بخدا! وہ کھڑا رہا پھر وہ بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: "بخدا! یہ وہی ہیں۔" ہم نے کہا: "ہاں! وہی ہیں۔" وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا: "یہ آخری خانہ میں تھی لیکن میں نے اسے جلدی اس لیے نکال لیا تاکہ دیکھوں کہ تم انہیں پہچانتے ہو یا کہ نہیں۔" پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا۔ اس میں سے سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا۔ اس میں گندم گوں تصویر تھی۔ وہ ایسے شخص کی تصویر تھی، جن کے بال بہت زیادہ

گھنگھریالے تھے۔ نظر تیز تھی۔ آنکھیں ذرا دھنسی ہوئی تھیں۔ وہ چیں بہ جبیں تھے۔ ان کے لب سکڑے ہوئے تھے، ان کے دانت تہ بہ تہ تھے، گویا کہ وہ غصے میں تھے۔ اس نے کہا: ''تم انہیں جانتے ہو؟'' ہم نے کہا: ''نہیں۔'' اس نے کہا: ''یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔'' ان کے پہلو میں ایک تصویر تھی، جو انہی کے مشابہ تھی، ان کے بالوں کو تیل لگا ہوا تھا۔ ان کی پیشانی چوڑی تھی، ان کی آنکھوں میں سیاہی زیادہ تھی۔ اس نے پوچھا: ''انہیں جانتے ہو؟'' ہم نے کہا: ''نہیں۔'' اس نے کہا: ''یہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔'' پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا۔ اس سے سفید ریشم کا ٹکڑا نکالا۔ اس پر ایک درمیانہ قد کی تصویر تھی۔ جس کے بال سیدھے تھے۔ اس نے پوچھا ''کیا انہیں جانتے ہو؟'' ہم نے کہا: ''نہیں'' اس نے کہا: ''یہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔'' پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا۔ اس میں سے ریشم کا ٹکڑا نکالا۔ اس میں سے ایک شخص کی تصویر تھی۔ جو سرخی کی طرف میلان رکھتی تھی۔ ناک مبارک سرخ اور رخسار خفیف تھے۔ چہرہ خوبصورت تھا۔ اس نے پوچھا: ''کیا انہیں جانتے ہو؟'' ہم نے کہا: ''نہیں۔'' اس نے کہا: ''یہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔'' پھر اس نے ایک اور تصویر نکالی جو سفید ریشم پر تھی، یہ تصویر حضرت اسحاق علیہ السلام کی تصویر کے مشابہ تھی مگر ان کے لبوں پر تل تھا، اس نے کہا: ''کیا انہیں جانتے ہو؟'' ہم نے کہا: ''نہیں۔'' اس نے کہا: ''یہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔'' پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا۔ اس میں سے سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا۔ وہاں سفید شخص کی تصویر تھی، جن کا چہرہ بہت خوبصورت تھا۔ ناک بلند تھی، قد بلند تھا، چہرے پر نور تھا۔ چہرے سے خشوع و خضوع عیاں تھا۔ وہ مائل بہ سرخی تھا۔ اس نے کہا: ''کیا انہیں جانتے ہو؟'' ہم نے کہا: ''نہیں۔'' اس نے کہا: ''یہ تمہارے نبی کریم ﷺ کے جدامجد حضرت اسماعیل ہیں۔'' پھر اس نے ایک اور تصویر نکالی، جو سیاہ ریشم پر بنی ہوئی تھی۔ وہاں اس طرح کی تصویر تھی، گویا کہ وہ حضرت آدم کی تصویر ہو۔ ان کا چہرہ سورج کی طرح تھا۔ اس نے کہا: ''کیا انہیں جانتے ہو؟'' ہم نے کہا: ''نہیں'' اس نے کہا: ''یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔'' پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا وہاں سے سفید ریشم کا ٹکڑا نکالا وہاں ایک ایسے شخص کی تصویر تھی جن کی رنگت سرخ تھی، جن کی پنڈلیاں موٹی تھیں، مگر آنکھیں ذرا چھوٹی تھیں، پیٹ بڑا تھا، قد درمیانہ تھا، وہ تلوار سونتے ہوئے تھے۔ اس نے پوچھا: ''انہیں جانتے ہو۔'' ہم نے کہا: ''نہیں۔'' انہوں نے کہا: ''یہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔'' پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا۔ اس میں سے سفید ریشم کا ٹکڑا نکالا۔ وہ ایسے شخص کی تصویر تھی، جن کی پنڈلیاں موٹی اور ٹانگیں طویل تھیں، وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ اس نے پوچھا: ''کیا انہیں جانتے ہو؟'' ہم نے کہا: نہیں۔'' انہوں نے کہا: ''یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تصویر ہے۔'' پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا۔ اس سے سفید ریشم کا ٹکڑا نکالا۔ اس میں سفید تصویر تھی۔ وہ ایک جوان شخص کی تصویر تھی۔ ان کی داڑھی کے بال سفید تھے۔ جسم پر بہت سے بال تھے، چہرہ خوبصورت تھا۔ اس نے پوچھا: ''کیا انہیں جانتے ہو؟'' ہم نے کہا: نہیں۔'' اس نے کہا: ''یہ حضرت عیسیٰ بن مریم ہیں۔'' ہم نے اس سے پوچھا: ''یہ تصاویر تم نے کہاں سے لیں ہیں؟ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ تصاویر بالکل صحیح ہیں۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے ہمارے نبی کریم ﷺ کی تصویر بالکل صحیح ہے۔'' اس نے کہا: ''حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے التجا کی

کہ وہ ان کی اولاد میں سے انبیاء دکھائے۔ رب تعالیٰ نے ان کی تصاویر نازل کیں۔ یہ مغرب الشمس کے پاس حضرت آدم علیہ السلام کے خزانہ (المارى) میں تھیں۔ ذوالقرنین نے انہیں وہاں سے نکالا اور حضرت دانیال علیہ السلام کو دے دیں۔" پھر اس نے کہا: "بخدا! میں چاہتا ہوں کہ اپنے ملک سے نکل جاؤں۔ اور تم میں سے ادنیٰ شخص کا غلام بن جاؤں، حتیٰ کہ مر جاؤں۔" پھر اس نے ہمیں عمدہ انعامات دیے اور ہمیں الوداع کیا۔

جب ہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بادشاہ نے جو دکھایا تھا یا سنایا تھا وہ انہیں بتایا تو وہ رونے لگے۔ اور انہوں نے کہا: "مسکین! اگر رب تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہوتا وہ رونے لگے۔ اور انہوں نے کہا: "مسکین! اگر رب تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہوتا تو وہ یہ کر گزرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتاتے تھے کہ یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اپنے ہاں پاتے تھے۔" اس روایت کو ابن عساکر نے حضرت دحیہ سے اور ابن ظفر نے "خیر البشر" میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام بیہقی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا۔ ان کے امر کا مکہ مکرمہ میں اظہار کر دیا۔ میں شام کی طرف گیا۔ جب میں بصریٰ میں تھا تو میرے پاس عیسائیوں کی ایک جماعت آئی۔ انہوں نے پوچھا: "کیا تمہارا تعلق حرم پاک سے ہے؟" میں نے کہا: "ہاں!" انہوں نے کہا: "کیا تم اس ذات کو جانتے ہو جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟" میں نے کہا: "ہاں!" انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس کنیسہ میں داخل کر دیا جس میں تصاویر تھیں۔ انہوں نے کہا: "ذرا دیکھو کیا تمہیں ان کی تصویر نظر آ رہی ہے۔" میں نے دیکھا تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر نظر آ گئی۔ پھر مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصویر بھی نظر آئی۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑی کو پکڑ رکھا تھا۔ انہوں نے پوچھا: "کیا ان کے حلیے سے آگاہ ہو؟" میں نے کہا: "ہاں!" انہوں نے اشارہ کیا اور کہا: "کیا یہ وہی ہیں۔" میں نے کہا: "بخدا! یہ ان کی تصویر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی ہیں۔" انہوں نے کہا: "کیا اس ذات کو جانتے ہو جنہوں نے ان کی ایڑھی پکڑ رکھی ہے؟" انہوں نے کہا: "ہاں!" ان عیسائیوں نے کہا: "ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ تمہارے صاحب ہیں اور یہ ان کے بعد خلیفہ ہوں گے۔"

❁❁❁

مکہ مکرمہ کے بعض فضائل

حضور ﷺ کے فضائل ان گنت ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے۔ان میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ کی ولادت اس شہر میں ہوئی جو دیگر شہروں سے افضل ہے۔اس لیے اس شہر کے بعض فضائل کا ذکر کرنا بہتر ہے۔بعض سیرت نگاروں نے اپنی کتب میں ان کا ذکر کیا ہے۔بعض نے ان سے اعراض کیا ہے۔میں بھی مکہ مکرمہ کے بعض فضائل ذکر کر دیتا ہوں۔

پہلا باب

خانہ کعبہ کے امر کی ابتداء

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ ۔ (آل عمران:۹۶)

ترجمہ: "بے شک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے۔"

ابن ابی شیبہ، امام احمد، عبد بن حمید، شیخان، ابن جریر اور امام بیہقی نے "الشعب" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! ﷺ سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟" آپ نے فرمایا: "مسجد حرام۔" میں نے عرض کی: "پھر؟" آپ نے فرمایا: "مسجد اقصیٰ"۔ میں نے عرض کی: "ان کے درمیان کتنی مدت تھی؟" آپ نے فرمایا: "چالیس سال۔"

ابن المنذر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس آیت کے متعلق انہوں نے فرمایا: "خانہ کعبہ سے پہلے گھر موجود تھے، لیکن یہ سب سے پہلا گھر ہے جسے عبادتِ الٰہی کے لیے بنایا گیا۔" ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں حسن سے روایت کیا ہے کہ وہ پہلا گھر جس میں مکہ مکرمہ میں رب تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے۔"

ابن ابی حاتم اور الازرقی نے حضرت کعب سے روایت لکھی ہے کہ بیت اللہ زمین کی تخلیق سے چالیس سال قبل پانی پر خشک جھاگ کی طرح تھا۔ اس سے زمین کو پھیلایا گیا۔" ابن جریر اور ابو شیخ نے "العظمۃ" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "بیت اللہ کو دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل پانی پر رکھا گیا پھر اس کے نیچے زمین پھیلائی گئی۔" عبدالرزاق، ازرقی، جندی نے اپنی تاریخ میں حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے زمین کی کسی بھی چیز کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل بیت اللہ کی جگہ کو تخلیق کیا۔ اس کے ارکان ساتویں زمین کی تہ میں تھے۔ اور زمین کو اس کے نیچے پھیلایا گیا۔

ابن جریر، ابن منذر، طبرانی، بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل بیت اللہ کو پیدا فرمایا۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ گویا کہ وہ سفید مکھن تھا۔ زمین کو اس کے نیچے پھیلایا گیا۔" ابن منذر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خانہ کعبہ کو زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل تخلیق کیا گیا۔ یہ زمین میں سے ہی تھا یہ پانی پر ابھرا ہوا تھا۔ اس پر دو فرشتے تھے جو رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔ جب رب تعالیٰ نے

زمین کو تخلیق کرنے کا ارادہ فرمایا تو زمین کو اسی جگہ سے پھیلایا اور اسی زمین کا مرکز بنایا۔"

امام بیہقی نے "الشعب" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "پہلا ٹکڑا جو زمین پر رکھا گیا وہ خانہ کعبہ کی جگہ تھا۔ پھر اس سے زمین کو پھیلایا گیا۔ پہلا پہاڑ جو زمین پر پھیلایا گیا وہ کوہِ ابوقبیس تھا۔ پھر اس کے ذریعے پہاڑ پھیلائے گئے۔"

ابن ابی حاتم اور عمرو بن دینار نے فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ نے ہوا بھیجی۔ اس نے پانی کو موجزن کر دیا۔ سفید ابھری ہوئی جگہ ظاہر ہوئی۔ رب تعالیٰ نے اس کے ذریعے زمین کو پھیلا دیا۔ اس لیے اس شہر کو ام القریٰ کہا جاتا ہے۔"

ابن مردویہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ام القریٰ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔"

امام سہیلی نے لکھا ہے "تفسیر میں ہے کہ جب رب تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین سے فرمایا:

ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۖ قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١١﴾ (حم السجدہ: ١١)

ترجمہ: "آجاؤ (تعمیل حکم اور ادائے فرائض کے لیے) خوشی سے یا مجبوراً دونوں نے عرض کی ہم خوشی خوشی (دست بستہ) حاضر ہیں۔"

تو اس کا جواب صرف سرزمین حرم نے ہی دیا تھا۔ عبد بن حمید اور ازرقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "زمین اور آسمان کی تخلیق سے قبل رب تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ رب تعالیٰ نے تیز آندھی بھیجی۔ آندھی نے پانی میں تموج پیدا کیا خانہ کعبہ کی جگہ سے جھاگ پیدا ہوئی گویا کہ وہ گنبد تھی۔ رب تعالیٰ نے اس کے نیچے زمین کو پھیلا دیا۔ پھر اسے اور پھیلایا۔ پہاڑ بطور میخ مقرر کیے۔ سب سے پہلے کوہِ ابی قبیس بنایا گیا، اس لیے مکہ مکرمہ کو "ام القریٰ" کہا جاتا ہے۔

عبدالرزاق، ابن جریر، ابن منذر نے حضرت معمر سے اور ابن منذر اور ازرقی نے حضرت وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی بیت اللہ کو بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا۔ انہیں سرزمین ہند میں اتارا گیا ان کا سر آسمان پر اور ٹانگیں زمین پر تھیں۔ ملائکہ انہیں ڈراتے رہے۔ ان کا قد ساٹھ ذراع رہ گیا۔ جب وہ ملائکہ کی آواز اور ان کی تسبیح نہ سن سکے تو بارگاہِ ربوبیت میں عرض کی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: "آدم! میں نے ایک گھر اتارا ہے جس کا اسی طرح طواف کیا جائے گا، جس طرح میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس کے پاس اس طرح نماز پڑھی جائے گی، جس طرح میرے عرش کے ارد گرد نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس کے پاس جاؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام بیت اللہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ ان کے نیچے زمین کو سمیٹ دیا گیا۔ سمندروں اور گزرگاہوں کو سمیٹ دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے قدم جہاں لگتے تھے تو جگہ آباد ہو جاتی۔ وہ بابرکت بن جاتی، حتیٰ کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ اس سے قبل وہ بہت زیادہ آہ و بکا کرتے تھے، حتیٰ کہ فرشتے بھی ان کے رونے کی وجہ سے رونے لگتے تھے۔ ان کے غم

کی وجہ سے غمزدہ ہو جاتے تھے۔ رب تعالیٰ نے جنت کا خیمہ لگایا تا کہ انہیں کچھ تسلی ہو۔ اس خیمہ کو رب تعالیٰ نے اس جگہ لگایا جہاں اب خانہ کعبہ ہے۔ یہ خیمہ جنت کے سرخ یاقوت کا تھا۔ اس میں تین قندیلیں تھیں۔ یہ قندیلیں سونے کی تھیں جن میں جنت کا نور چمکتا تھا۔ اس کے ساتھ اس روز "رکن" بھی اتارا گیا۔ وہ سفید یاقوت تھا جو جنت کا حصہ تھا۔ یہ حضرت آدم کے لیے کرسی کا کام دیتا تھا۔ وہ اس پر تشریف رکھتے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام مکہ مکرمہ میں تھے تو رب تعالیٰ نے ان کی اور اس خیمہ کی حفاظت ملائکہ کے ذریعے فرمائی۔ وہ اس کی حفاظت کرتے تھے اور زمین کے مکینوں کو اس سے دور رکھتے تھے۔ اس وقت زمین میں جن اور شیاطین رہتے تھے۔ ان کے لیے روا نہ تھا کہ وہ جنت کی کسی چیز کی طرف دیکھتے اس وقت زمین پاک اور صاف تھی۔ نہ اسے ناپاک کیا جاتا تھا نہ ہی اس میں خونریزی ہوتی تھی۔ نہ اس میں لغزشیں ہوتی تھیں۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے اسے ملائکہ کا مسکن بنایا تھا۔ وہ اس میں رب تعالیٰ کی اسی طرح تسبیح بیان کرتے تھے جس طرح وہ آسمان میں رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔ وہ شب و روز ذکر کرتے تھے اس سے اکتاتے نہ تھے۔ وہ حرم کی حدود میں ایک صف بنا کر کھڑے ہو جاتے تھے، سارے حرم کو گھیر لیتے تھے۔ حل ان کے پیچھے ہوتا تھا، حرم ان کے سامنے ہوتا تھا۔ اس کو نہ کوئی جن اور نہ ہی شیطان عبور کر سکتا تھا۔ ملائکہ کے مقام کی وجہ سے اسے حرم بنا دیا گیا۔ آج تک یہ حرم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام جب حضرت حواء سے ملاقات کا ارادہ کرتے تو وہ حرم سے باہر نکل کر ان سے ملاقات کرتے۔ وہ خیمہ اسی جگہ رہا حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا وصال ہو گیا اور رب تعالیٰ نے انہیں اپنی جناب میں بلا لیا۔

عبدالرزاق، عبد بن حمید اور ابن منذر نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اتارا تو ان کا سر آسمان پر اور ٹانگیں زمین پر ہوتی تھیں، اہلِ آسمان کی دعا سن کر ان سے انس کرتے تھے۔ ملائکہ اس سے خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی۔ تو رب تعالیٰ نے اس کا قد چھوٹا کر دیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام ملائکہ کی تسبیح نہ سن سکے تو پریشان ہو گئے، انہوں نے رب تعالیٰ سے عرض کی۔ پھر وہ مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ ان کے قدموں کے نیچے زمین سمٹی گئی حتیٰ کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ رب تعالیٰ نے ان پر جنت کا یاقوت اتارا جو اس جگہ تھا جہاں آج کل خانہ کعبہ ہے۔ اس کا طواف ہوتا رہا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے طوفانِ نوح میں وہ یاقوت اوپر اٹھا لیا۔

ایک وضاحت

ربّ تعالیٰ کا یہ فرمان "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ گھر سے مراد عبادت خانہ ہے۔ مطلق گھر نہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کی وضاحت بھی مروی ہے۔ اسحاق بن راھویہ اور ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ ان سے روایت کیا ہے کہ خانہ کعبہ سے پہلے گھر تو تھے۔ لیکن یہ پہلا گھر تھا جسے عبادتِ الٰہی کے لیے بنایا گیا۔" پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ اس کی مزید تفصیل معراج کے ابواب میں آئے گی۔

چالیس سال کی مدت کے بارے ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس میں اشکال ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس بنایا تھا۔ ان دونوں کے مابین ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ ہے۔ الحافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مستند بات یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ بنائی تھی۔ امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب مسجد اقصیٰ بنالی تو انہوں نے رب تعالیٰ سے تین امور کا سوال کیا تھا۔

الطبرانی نے رافع بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس بنانے کا آغاز کیا تھا۔ رب تعالیٰ نے ان پر وحی کی کہ اس کی تکمیل حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں ہوگی۔

ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد کی پہلی بنیاد رکھنے کی طرف اشارہ ہے نہ تو حضرت ابراہیم نے خانہ کعبہ کی اور نہ حضرت سلیمان نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی۔ بلکہ روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تھا۔ پھر ان کی اولاد روئے زمین پر پھیل گئی۔ جائز ہے کہ ان میں سے کسی نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی ہو۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ حدیث پاک اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے ان دونوں مساجد کی ابتداءً بنیاد رکھی تھی۔ بلکہ یہ تو ان کی تجدید تھی ان کے علاوہ کسی اور نے بنیاد رکھی تھی۔

"الحافظ" نے لکھا ہے کہ ابن جوزی نے اپنی صحیح میں اس حدیث کے ظاہر پر موقف اختیار کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے "اس روایت میں اس شخص کا رد ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت اسماعیل اور حضرت داؤد علیہما السلام کے مابین ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اگر یوں ہوتا تو ان کے مابین چالیس سال کا عرصہ ہوتا۔ لیکن یہ بالکل محال ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیت اللہ کو تعمیر کرنے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین اتنی مدت نہیں۔ نص قرآنی سے یہ ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدت بعد جالوت کو قتل کیا تھا۔" لیکن حافظ ضیاء الدین مقدسی نے ابن جوزی کے اس جواب پر اس کی گرفت کی ہے۔ خطابی نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ مسجد اقصیٰ کی بنیاد پہلے کسی ولی نے رکھی ہو۔ پھر حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے اسے تعمیر کیا ہو۔ پھر انہوں نے اسے تعمیر کر کے اس کو وسیع کیا ہو۔ اس کی بناء کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ مسجد اقصیٰ کو اولیاء کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے، ممکن ہے وہ ہی اس کے بانی ہوں یا کوئی اور ہوں مجھے یہ تحقیق نہیں ہے۔"

حافظ نے لکھا ہے "یہ احتمال قابل توجہ ہے۔ میں نے پڑھا ہے کہ مسجد اقصیٰ کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی ایک قول ہے کہ ملائکہ نے رکھی تھی۔ ایک قوم حضرت سام بن نوح جبکہ ایک اور قول حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے بھی ہے۔ پہلے دو احتمالات پر بعد میں اس کی تجدید ہوگی جس طرح کہ خانہ کعبہ کی تجدید ہوتی رہی۔ دوسرے دو احتمال کے

مطابق حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اس کی بنیاد رکھی ہوگی حضرت داؤد نے اس کی تجدید کی ہوگی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دستِ اقدس پر مکمل ہوئی۔ لیکن جو احتمال ابن جوزی نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔ میں نے اس کی تائید میں بھی کچھ پڑھا ہے۔ اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جس میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ان دونوں مساجد کی بنیاد رکھی۔ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں تحریر کیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ تعمیر کر لیا تو ربّ تعالیٰ نے انہیں بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے اسے تعمیر کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا بیت اللہ تعمیر کرنا مشہور ہے۔ ایک روایت کے مطابق جب انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تو انہیں بیت المقدس کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے وہاں مسجد بنائی اس میں نماز پڑھی۔ تاکہ ان کی بعض اولاد کا وہ قبلہ بن جائے جو خطابی نے گمان کیا ہے کہ ایلیاء ایک شخص کا نام ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ بلکہ وہ شہر کا نام ہے مسجد کو اسی طرف منسوب کر دیا گیا۔ جس طرح کہ مسجد المدینہ اور مسجد مکۃ کہا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ البکری نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ ایلیاء بیت المقدس کا شہر ہے اس کو تین طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ جو خطابی نے فرمایا ہے اسے اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ اس کو اس کے بانی کے نام سے موسوم کر دیا گیا، جس طرح کہ دوسرے شہروں کو بانیوں کے ناموں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

❁❁❁

دوسرا باب

بیت اللہ کو کتنی بار تعمیر کیا گیا؟

ملائکہ کی تعمیر

علامہ ازرقی نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا: "اس گھر کے طواف کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی؟" انہوں نے فرمایا: "اس گھر کے طواف کا آغاز یوں ہوا کہ جب رب تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (البقرہ: ۳۰)

ترجمہ: "میں زمین میں خلیفہ بنانے لگا ہوں۔"

تو ملائکہ نے عرض کی "مولا! ہمارے علاوہ خلیفہ زمین میں فساد کرے گا۔ وہ خونریزی کرے گا، وہ باہمی حسد کریں گے۔ بغض رکھیں گے۔ عداوت کریں گے۔ مولا! خلیفہ ہم میں سے بنا دے۔ ہم نہ اس میں فساد کریں گے، نہ خون ریزی کریں گے۔ نہ باہم بغض اور حسد کریں گے، ہم تیری تسبیح کریں گے، تیری پاکیزگی بیان کریں گے۔ تیری اطاعت کریں گے نافرمانی نہیں کریں گے۔" رب تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۳۰)

ترجمہ: "بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

ملائکہ نے سوچا کہ جو کچھ انہوں نے کہا تھا وہ رب تعالیٰ کا رد تھا۔ اور اس کی وجہ سے ان پر ناراض ہو گیا ہے۔ انہوں نے عرش کی پناہ لی۔ اپنے سر بلند کیے۔ روتے اور گڑ گڑاتے ہوئے اپنی انگلیوں سے اشارے کیے، وہ رب تعالیٰ کے غضب سے ڈر رہے تھے۔ انہوں نے تین ساعتیں عرش کا طواف کیا۔ رب تعالیٰ نے ان کی طرف دیکھا۔ ان پر اپنی رحمت نازل کی۔ رب تعالیٰ نے عرش کے نیچے چار ستونوں پر ایک گھر بنایا۔ یہ ستون زبرجد کے تھے۔ انہیں سرخ یاقوت سے ڈھانپ دیا۔ اسے بیت الضراح کا نام دیا۔ پھر ملائکہ سے فرمایا اس گھر کا طواف کرو۔" ملائکہ نے اس گھر کا طواف کیا۔ عرش کو چھوڑ دیا، یہ بات ان کے لیے آسان تھی۔ اس سے مراد بیت المعمور ہے، جس کا تذکرہ رب تعالیٰ نے کیا ہے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں، پھر وہ دوبارہ اس طرف کبھی نہیں آتے۔ پھر رب تعالیٰ نے ملائکہ کو بھیجا۔ ان سے فرمایا: "اس طرح کا ایک گھر زمین میں بھی بناؤ۔ رب تعالیٰ نے زمین کے باشندوں کو حکم دیا کہ وہ اس گھر کا اس کا

طواف کریں جس طرح اہلِ آسمان بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں۔"

حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر

امام بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو حضرت آدم اور حضرت حوا کے پاس بھیجا۔ ان سے کہا: "میرے لیے ایک گھر بناؤ۔" حضرت جبرائیل امین نے ان کے لیے خط کھینچا۔ حضرت آدم مٹی کھودنے لگے، جبکہ حضرت حوا علیہا السلام مٹی کو منتقل کرنے لگیں حتیٰ کہ پانی کی سطح آ گئی۔ نیچے سے صدا آئی۔ "آدم! اتنا ہی کافی ہے۔" جب انہوں نے گھر تعمیر کر دیا تو رب تعالیٰ نے ان پر وحی کی کہ وہ اس کا طواف کریں۔ ان سے کہا گیا۔ "آپ انسانوں میں سے اول ہیں اور یہ پہلا گھر ہے، جسے تعمیر کیا گیا پھر وقت گزرتا گیا حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس مقدس گھر کو تعمیر کیا پھر صدیاں بیت گئی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس گھر کی بنیادیں اٹھائیں۔"

ابن ابی حاتم، ابن جریر اور الطبرانی نے موقوفاً اس روایت کو نقل کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت آدم نے اسے پانچ پہاڑوں حراء، لبنان، طورِ زیتا، طورِ سیناء اور جودی سے بنایا۔

علامہ ازرقی، ابوالشیخ نے العظمۃ میں اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "جب حضرت آدم کو رب تعالیٰ نے زمین پر اتارا تو ان کا سر آسمانوں پر اور ٹانگیں زمین پر تھیں۔ وہ مضطرب موج کی طرح لرزتے تھے۔ رب تعالیٰ نے ان کا قد ساٹھ گز کر دیا۔ انہوں نے کہا "مولا! اب میں ملائکہ کی تسبیح کیوں نہیں سنتا نہ انہیں محسوس کرتا ہوں۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "آدم! تمہاری لغزش کی وجہ سے لیکن جاؤ۔ میرے لیے ایک گھر بناؤ۔ اس کا طواف کرو۔ اس کے اردگرد میرا اس طرح ذکر کرو جس طرح تم نے ملائکہ کو میرے عرش کے اردگرد کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت آدم علیہ السلام روانہ ہوئے ان کے لیے زمین کو سمیٹ دیا گیا۔ جنگلات کو کم کر دیا گیا، وہ ایک قوم میں ایک جنگل عبور کر جاتے سمندروں کو ان کے لیے سمیٹ دیا گیا۔ وہ ایک قدم سے سمندر عبور کر جاتے۔ وہ زمین کی جس جگہ پر قدم رکھتے وہ آبادی اور برکت ہو جاتی۔ حتیٰ کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے، انہوں نے بیت اللہ بنایا۔ حضرت جبرائیل نے زمین پر اپنا پر مارا، انہوں نے ساتویں، زمین پر ایک محکم بنیاد ظاہر کی۔ ملائکہ نے اس بنیاد میں اتنے بڑے بڑے پتھر پھینکے جن کو تیس آدمی بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ انہوں نے پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے اسے تعمیر کیا۔ (۱) لبنان (۲) طورِ زیتا (۳) طورِ سیناء (۴) جودی (۵) حراء۔ حتیٰ کہ بنیادیں زمین کے برابر ہو گئیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ اس میں نماز پڑھی اور اس کا طواف کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیج دیا۔ یہ طوفان غضب کی وجہ سے تھا۔ طوفان ختم ہو گیا۔ یہ طوفان سند اور ہند تک نہ پہنچا تھا۔ طوفان نے بیت اللہ کے نشانات مٹا دیے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے اس مقدس گھر کی بنیادیں اٹھائیں۔"

ازرقی نے حضرت عبداللہ بن زیاد سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا تو فرمایا۔ "آدم! اس گھر کے بالکل سیدھ میں زمین پر میرا گھر تعمیر کرو جو آسمان پر ہے۔ اس میں تم اور تمہاری اولاد میری عبادت کرو۔ جس طرح فرشتے میرے عرش کے ارد گرد میری عبادت کرتے ہیں۔ ملائکہ نیچے آئے، انہوں نے زمین کھودی حتیٰ کہ ساتویں زمین تک بنیادیں کھودلیں۔ اس میں ملائکہ نے پتھر پھینکے حتیٰ کہ بنیادیں زمین کے برابر ہوگئیں۔"

ازرقی نے حضرت عبداللہ بن زیاد سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا تو فرمایا: "آدم! اس گھر کے بالکل سیدھ میں زمین میں میرا گھر تعمیر کرو جو آسمان پر ہے۔ اس میں تم اور تمہاری اولاد میری عبادت کرو۔ جس طرح فرشتے میرے عرش کے ارد گرد میری عبادت کرتے ہیں۔" ملائکہ نیچے آئے، انہوں نے زمین کھودی حتیٰ کہ ساتویں زمین تک بنیادیں کھودلیں۔ اس میں ملائکہ نے پتھر پھینکے حتیٰ کہ بنیادیں زمین کے برابر ہوگئیں۔
حضرت آدم علیہ السلام سرخ یاقوت لے کر اترے تھے۔ جس کے چار سفید ارکان تھے۔ انہوں نے اسے بنیاد میں رکھا۔ وہ یاقوت اسی طرح رہا حتیٰ کہ طوفان کے زمانہ میں رب تعالیٰ نے اسے اٹھالیا۔

اولادِ آدم کی تعمیر

ابن المنذر اور ازرقی نے حضرت وھب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت آدم کا وصال ہوگیا اور رب تعالیٰ نے انہیں جنت میں داخل کر دیا تو اس نے وہ خیمہ بھی اٹھا دیا جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اولادِ آدم نے اس کی جگہ مٹی اور پتھروں سے ایک گھر تعمیر کر دیا۔ انہوں نے اسے آباد کیا، حتیٰ کہ حضرت نوح کے زمانہ میں طوفان نے اس کے نشانات مٹا دیے اور اس کی جگہ مخفی ہوگئی۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ اسے حضرت شیث بن آدم نے تعمیر کیا تھا۔

سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کی تعمیر

ابن کثیر نے یقین سے کہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس کے بارے ایک روایت بھی درست نہیں ہے کہ حضرت خلیل اللہ سے پہلے کسی نے اس کو تعمیر کیا ہو۔" لیکن اس نظریہ میں اعتراض کی گنجائش ہے جیسے کہ پہلے روایات اور آثار گزر چکے ہیں۔

ابن سعد نے حضرت ابوجہم بن حذیفہ سے روایت کیا ہے۔ امام احمد، عبد بن حمید، امام بخاری، ابن جریر وغیرہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے قبل خواتین پیٹی استعمال نہیں کرتی تھیں۔ انہوں نے اسے استعمال کیا تاکہ حضرت سارہ سے ان کے اثرات چھپ جائیں۔ اسی طرح اہلِ عرب نے دامن گھسیٹ کر چلنا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے سیکھا۔ الحافظ نے لکھا ہے "اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ

کو ہبہ کر دیا تھا۔ اور ان کے بطن سے حضرت اسماعیل کی ولادت ہوئی۔ حضرت ابوجہم نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ستر سال تھی اور حضرت اسماعیل ان کی پہلی اولاد تھی۔ جب ان کی ولادت ہوئی تو حضرت سارہ کو ان سے غیرت آئی۔ انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ حضرت ہاجرہ کے تین اعضاء کاٹیں گی۔ حضرت ہاجرہ نے پیٹی لی۔ اسے اپنے وسط میں باندھ لیا۔ وہ بھاگ گئیں۔ ان کا دامن گھسٹ رہا تھا تاکہ ان کے نشانات حضرت ہاجرہ سے مخفی ہو جائیں۔ حضرت ابراہیم نے اس ضمن میں سفارش کی۔ انہوں نے حضرت سارہ علیہا السلام سے فرمایا: "تم اس طرح اپنی قسم پوری کر لو کہ حضرت ہاجرہ کے دونوں کانوں میں سوراخ کر دو اور ان کا ختنہ کر دو۔" سب سے پہلے انہوں نے اس طرح کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت سارہ کی غیرت شدت اختیار کر گئی اور حضرت ابراہیم حضرت ہاجرہ اور ان کے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ چھوڑ آئے۔"

ابوجہم کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم پر وحی فرمائی۔ انہیں مکہ مکرمہ جانے کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو براق پر سوار کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے آگے بٹھایا۔ اس وقت ان کی عمر دو سال تھی۔ حضرت ہاجرہ کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ ان کے ہمراہ حضرت جبرائیل امین تھے۔ جنہوں نے ان کو بیت اللہ کی جگہ اور حرم کی علامات بتائی تھیں۔ وہ جب بھی کسی بستی کے پاس سے گزرتے تو حضرت ابراہیم فرماتے: "اے جبرائیل! کیا مجھے اس بستی کے بارے حکم دیا گیا ہے۔" وہ کہتے: "نہیں۔" حتیٰ کہ وہ مکہ مکرمہ آ گئے۔ اس وقت وہاں عضاہ، سلم اور سمر کے درخت۔ حرم کے اردگرد عمالقہ کا بسیرا تھا۔ وہ سب سے پہلے مکہ میں فروکش ہوئے۔ وہ عرفہ میں تھے اس وقت پانی کی قلت تھی۔ بیت اللہ کے نشانات مٹ چکے تھے۔ وہاں سرخ رنگ کا بلند ٹیلہ تھا جو اپنے اردگرد سے جدا تھا۔ حضرت جبرائیل جب کداء داخل ہوئے تو انہوں نے کہا: "مجھے اس شہر کا حکم دیا گیا ہے۔" حضرت ابراہیم نے پوچھا: "تمہیں اس شہر کا حکم دیا گیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہاں!" حضرت ابراہیم بیت اللہ کی طرف گئے حجر کی طرف گئے۔ حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو وہاں ٹھہرایا اور انہیں حکم دیا کہ وہاں عریش بنا لیں۔"

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے حضرت ابراہیم حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر آئے۔ اس وقت حضرت اسماعیل شیر خوار تھے۔ انہیں دوحہ کے پاس ٹھہرا دیا۔ یہ زمزم کے اوپر مسجد حرام کی بلند جگہ کو کہا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں کلاموں میں کوئی مخالفت نہیں جس طرح کہ شفاء الغرام میں لکھا گیا ہے کیونکہ احتمال ہے کہ حضرت ابراہیم نے پہلے انہیں "دوحہ" اتارا ہو۔ پھر انہیں حجر میں اتارا ہو یا اس کے برعکس کیا ہو۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں کسی کا بسیرا نہ تھا نہ ہی اس جگہ پانی تھا۔ حضرت ابراہیم نے انہیں وہاں اتارا ان کے پاس ایک توشہ دان رکھا جس میں کھجوریں تھیں اور ایک مشکیزہ رکھا جس میں پانی تھا۔ پھر وہ واپس لوٹ آئے۔" ابوجہم نے لکھا ہے "پھر وہ شام واپس آ گئے۔" حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو بیت اللہ کے پاس چھوڑ آئے۔ حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے آئیں۔

انہیں کداء آلیا۔ انہیں تین بار صدا دی۔ "یا ابراہیم! آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ جس میں نہ انسان ہے نہ کوئی اور چیز، آپ ہمیں کس کے حوالے کر رہے ہیں؟ انہوں نے کئی بار یہ بات دہرائی۔ حضرت ابراہیم ان کی طرف توجہ نہیں کر رہے تھے۔ تیسری بار جواب دیا: "رب تعالیٰ کے سپرد" حضرت ہاجرہ نے پوچھا: "کیا رب تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہاں" انہوں نے کہا: "میں راضی ہوں۔ تم ہمیں اس ذات کے حوالے کر رہے ہو، جو کافی ہے۔" وہ واپس آ گئیں۔

ابوجہم کی روایت میں ہے "انہوں نے حجر کی جگہ پر سمر اور سلم کے درخت سے عریش بنا لیا۔ حضرت ابراہیم روانہ ہو گئے جب کداء پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے نورِ نظر کے لیے نہ عمارت تھی نہ سایہ اور نہ ہی کوئی اور چیز تھی۔ انہیں رحمت نے آلیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم سے یہ ہستیاں مخفی ہو گئیں تو انہوں نے بیت اللہ کی طرف منہ کیا۔ ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

رَبَّنَاۤ اِنِّیۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡكُرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ (ابراہیم: ۳۷)

ترجمہ: "اے ہمارے رب میں نے بسا دیا ہے۔ اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں اے ہمارے رب یہ اس لیے تاکہ وہ قائم کریں۔ نماز پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے۔ پھلوں سے تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔"

حضرت ہاجرہ اپنے نورِ نظر کو دودھ پلانے لگیں۔ وہ مشکیزہ میں سے پانی پلانے لگیں۔ جب مشکیزہ میں سے پانی ختم ہو گیا۔ تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو پیاس لگی۔ دودھ ختم ہو گیا۔ حضرت اسماعیل کو بھی پیاس لگی۔ تو وہ اپنے نورِ نظر کی طرف بار بار دیکھنے لگیں۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت اسماعیل کو پیاس لگی تو وہ اپنی ایڑیاں زمین پر مارنے لگے گویا کہ وہ عالم نزع میں تھے۔ حضرت ہاجرہ آگے بڑھ گئیں۔ انہوں نے کہا: "میری عدم موجودگی میں ان کا وصال کرنا میرے لیے آسان ہے۔ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ میرے اس چلنے کو بابرکت بنا دے۔ انہوں نے کوہِ صفا کو اپنے قریب تر پایا۔ اس کی طرف گئیں۔ اس وقت وادی گہری تھی۔ وہ اپنے رب تعالیٰ سے مدد مانگتے اور دعا مانگتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔ پھر وادی کی طرف منہ کیا کہ وہ کسی کو دیکھ رہی ہیں۔ مگر کسی کو نہ دیکھا۔ وہ صفا سے نیچے اتریں وادی کو عبور کیا مروہ پر آ گئیں۔ مروہ پر کھڑی ہو گئیں اور دیکھا کہ وہ کس کو دیکھتی ہیں۔ سات بار اسی طرح کیا۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اسی لیے لوگ صفا اور مروہ کی سعی کرتے ہیں۔

حضرت ہاجرہ نے سب سے پہلے یہ سعی کی تھی۔" ابوجہم کی روایت میں ہے کہ اس سے قبل لوگ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے لیکن وہ صفا اور مروہ کے مابین سعی نہیں کرتے تھے۔ نہ ہی مواقف میں ٹھہرتے تھے۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہر بار اسماعیل کو دیکھتیں کہ ان کے بعد ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ جب مروہ پر چڑھیں تو انہوں نے آواز سنی۔ انہوں نے خود سے کہا: "رکو" پھر انہوں نے غور سے سنا تو آواز سنی۔ انہوں نے کہا: "شاید تمہارے پاس مدد پہنچ چکی ہے۔" اچانک ان کے پاس فرشتہ آ گیا۔ یا "جبرائیل" آ گئے۔ الطبرانی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل نے انہیں آواز دی۔ "آپ کون ہیں؟" انہوں نے فرمایا: "ہاجرہ! حضرت ابراہیم کے نورِ نظر کی والدہ! حضرت جبرائیل۔ انہوں نے تمہیں کس کے سپرد کیا ہے؟ حضرت ہاجرہ: "اللہ تعالیٰ کے" حضرت جبرائیل: "انہوں نے تمہیں اس ذات کے سپرد کیا ہے، جو کافی ہے۔"

ابوجہم کی روایت میں ہے "جب ساتواں چکر تھا تو حضرت ہاجرہ نے آواز سنی۔ انہوں نے یہ آواز پہلی بار ہی سنی تھی۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید بھوک اور پیاس کی وجہ سے کانوں میں آواز سنائی دے رہی ہے۔ انہوں نے اپنے نورِ نظر کی طرف دیکھا۔ وہ حرکت کر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لیے مروہ پر ٹھہر گئیں۔ پھر انہوں نے پہلے جیسی آواز سنی۔ انہوں نے کہا "میں نے تمہاری عجیب آواز سنی ہے۔ اگر تمہارے پاس بھلائی ہے تو میری مدد کرو۔" میں ہلاک ہونے لگی ہوں۔ میرا نورِ نظر بھی ہلاک ہونے لگا ہے۔" اب یہ آواز ان کے آگے سے آنے لگی۔ ان کے نفس کو تقویت نصیب ہوئی۔ حتیٰ کہ آواز حضرت اسماعیل کے سر کے پاس سے آنے لگی۔ پھر حضرت جبرائیل ان کے لیے عیاں ہوتے۔ انہیں لے کر چلے حتیٰ کہ انہیں زمزم کی جگہ پر کھڑا کر دیا۔ انہوں نے اپنے پر یا ایڑی زمین پر ماری۔ یا اپنی انگلی سے زمین کو نیچے دبایا تو چشمہ پھوٹ نکلا۔ پانی ظاہر ہو گیا۔ حضرت ہاجرہ حیرت زدہ تھیں۔ وہ پانی کے اردگرد حوض بنانے لگیں۔ وہ اپنے ہاتھ سے زمین کریدنے لگیں۔ وہ کہہ رہی تھیں "اس طرح، اس طرح" وہ پانی کو مٹی سے روکنے لگیں۔ انہیں خدشہ تھا کہ پانی مشکیزہ میں ڈالنے سے قبل زیر زمین نہ چلا جائے، وہ اپنے ہاتھ سے پانی مشکیزہ میں ڈالنے لگیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پر رحم فرمائے۔ اگر وہ زمزم کو اسی طرح چھوڑ دیتیں یا پانی سے چلو نہ بھرتیں تو یہ رواں چشمہ ہوتا۔"

انہوں نے خود بھی پانی نوش کیا۔ اپنے نورِ نظر کو بھی پلایا۔ فرشتے نے کہا: "ہلاکت کا اندیشہ نہ کرو۔ اس جگہ اللہ کا گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کے والدِ محترم تعمیر کریں گے۔"

بیت اللہ ایک ٹیلے کی مانند بلند تھا۔ سیلاب اس کے دائیں بائیں سے گزر جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا۔ ابوجہم کی روایت میں ہے کہ حضرت ہاجرہ کا شیر مبارک زیادہ ہو گیا۔ حضرت اسماعیل کے لیے یہی پانی اور کھانا تھا۔ وہ آبِ زمزم سے نوش فرماتی رہیں۔ فرشتے نے ان سے کہا اس پانی کے ختم ہو جانے کا خدشہ نہ کرو۔ آپ کو

بشارت ہو۔ آپ کا یہ نورِ نظر عنقریب جوان ہوگا۔ ان کے والد گرامی شام سے آئیں گے۔ وہ یہاں بیت اللہ تعمیر کریں گے۔ لوگ دور دراز سے لبیک کا ترانہ سجا کر اس کے ارد گرد طواف کرنے کے لیے آئیں گے۔ وہ غبار آلود اور گرد آلود ہوں گے۔ وہ اس کا طواف کریں گے۔ رب تعالیٰ کے مہمانوں کے لیے پانی مشروب ہوگا۔" حضرت ہاجرہ نے فرمایا: "رب تعالیٰ تمہیں بھی بھلائی کی بشارت دے۔" ان کا نفس خوش ہوگیا انہوں نے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔

عمالقہ کے دو غلام آئے، وہ اپنے اونٹ کی جستجو میں تھے۔ انہیں پیاس لگی۔ ان کے اہلِ خانہ عرفہ میں تھے۔ انہوں نے پرندے دیکھے۔ جو خانہ کعبہ کی طرف اڑ رہے تھے۔ انہیں یہ امر عجیب لگا۔ انہوں نے کہا: "پانی کے بغیر پرندے کیسے اڑ رہے ہیں۔" ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ذرا ٹھہرو۔ پھر ہم پرندوں کے پیچھے چلیں گے۔" وہ کچھ دیر رک گئے، پھر روانہ ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ پرندے آجارہے تھے۔ انہوں نے ایک پرندے کا تعاقب کیا، حتیٰ کہ وہ کوہِ ابی قبیس پر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے پانی کی طرف دیکھا۔ عریش دیکھا۔ وہ اترے۔ حضرت ہاجرہ سے بات چیت کی۔ انہوں نے ساری داستان سنا دی۔ انہوں نے پوچھا "یہ پانی کس کے لیے ہے؟" حضرت ہاجرہ: میرے لیے اور میرے بچے کے لیے۔" غلام: اسے کس نے کھودا ہے؟ حضرت ہاجرہ: "یہ رب تعالیٰ کا چشمہ ہے۔" وہ جان گئے کہ اس جگہ کوئی پانی نہیں کھود سکتا۔ وہ اپنے اہلِ خانہ کے پاس گئے اور انہیں بتایا۔ وہ بھی اسی جگہ منتقل ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ ان سے مانوس ہو گئیں۔ حضرت اسماعیل ان کے بچوں میں پروان چڑھنے لگے۔ حضرت ابراہیم ہر ماہ براق پر سوار ہو کر حضرت ہاجرہ کے پاس آتے تھے۔ وہ صبح سویرے مکہ مکرمہ آجاتے تھے۔ اور دوپہر کے وقت شام کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ جب وہ آئے تو انہوں نے عمالقہ کو وہاں دیکھا۔ لوگوں کی کثیر تعداد دیکھی پانی کا چشمہ دیکھا تو مسرور ہو گئے۔

جب حضرت اسماعیل بڑے ہو گئے تو انہوں نے عمالقہ میں شادی کر لی۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لیے آئے۔ حضرت اسماعیل اپنے جانور چرانے گئے تھے۔ انہوں نے تیر کمان بھی ساتھ لیا تھا تاکہ اگر شکار ملے تو اس سے شکار کر سکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے گھر آئے۔ اور یوں سلام کیا۔ "السلام علیکم یا اہل البیت!" حضرت اسماعیل کی بیوی خاموش رہی۔ جواب نہ دیا شاید دل میں جواب دیا ہو۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: "کیا میں نیچے اتروں؟" اس عورت نے جواب دیا۔ "نہیں۔" حضرت ابراہیم: "تمہارا کھانا اور پینا کیسا ہے؟" اس عورت نے تنگدستی کی شکایت کی۔ اس نے کہا: "کھانے نام کی تو کوئی چیز نہیں۔ جہاں تک پینے کا تعلق ہے تو ہم کم دودھ دینے والی بکری کو ہی دوہتے ہیں۔ پانی کی شدت آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔" حضرت ابراہیم: "گھر کے مالک کہاں ہیں؟" حضرت اسماعیل کی زوجہ: "وہ ضروری کام کے لیے گئے ہیں۔" حضرت ابراہیم: "جب وہ آئیں تو انہیں سلام دینا، اور کہنا: "اپنے گھر کی دہلیز تبدیل کر لو۔" پھر حضرت ابراہیم گھر لوٹ آئے۔ حضرت اسماعیل گھر واپس آئے۔ اپنی زوجہ سے پوچھا: "کیا یہاں کوئی آیا تھا۔" جواب میں زوجہ نے کہا: "حضرت ابراہیم آئے تھے۔" اس نے ان کے اور اپنے مابین ہونے والی

ساری گفتگو سنادی۔ انہوں نے اس زوجہ کو طلاق دے دی۔ پھر جتنی دیر رب تعالیٰ نے چاہا ٹھہرے رہے۔
عمالقہ مکہ مکرمہ کے والی تھے۔ انہوں نے حرمت حرم کو چاک کیا۔ انہوں نے اس میں بڑے بڑے امور حلال کیے۔ وہ امور پا لیے جنہیں وہ پا نہیں سکتے تھے۔ ان میں ایک شخص کھڑا ہوا۔ جسے عموق کہا جاتا تھا۔ اس نے کہا: "اے میری قوم! سابقہ روش پر باقی رہو۔ تم نے دیکھا ہے اور سنا ہے جو سابقہ اقوام ہلاک کر دی گئیں۔ اس طرح کا وطیرہ نہ اپناؤ۔ صلہ رحمی کرو۔ رب تعالیٰ کے حرم اور بیت اللہ کی حرمت چاک نہ کرو۔" عمالقہ نے اس شخص کی بات قبول نہ کی اور اپنی ہلاکت کے لیے سرکشی میں اضافہ کرتے گئے۔
پھر جرہم اور قطوراء دونوں چچازاد قافلہ کی شکل میں یمن سے روانہ ہوئے۔ ان کے شہروں کو قحط سالی نے آلیا تھا۔ وہ اپنی اولاد اور اموال سمیت عازم سفر ہوئے۔ جب مکہ مکرمہ پہنچے اس میں رواں چشمہ دیکھا۔ درخت دیکھے۔ بہت سی آبادی دیکھی، مال کی کثرت دیکھی اور موسم سرما میں گرمی دیکھی تو اس جگہ نے انہیں تعجب میں ڈال دیا۔ وہ اسی جگہ اترے۔ یمن سے جو قوم بھی عازم سفر ہوتی تو خود میں سے اپنا ایک بادشاہ بنالیتی جو ان کے معاملات کی نگرانی کرتا۔ وہ اسی طریقہ کو اپنائے ہوئے تھے۔ اگرچہ ان کا کارواں مختصر ہوتا۔ مضاض بن عمرو اپنی قوم کا امیر تھا۔ جبکہ سمیدع بنو قطوراء کا امیر تھا۔ مضاض نے اپنے ساتھیوں کو قعیقعان کے مقام پر اتارا۔ جبکہ سمیدع نے بنو قطوراء کو اجیاد کے مقام پر اتارا۔ عمالقہ ان کے ساتھ جھگڑا کرنے لگے۔ انہوں نے عمالقہ پر غلبہ پالیا۔ انہیں حرم سے نکال دیا۔ وہ حرم کے اردگرد رہنے لگے۔ حرم میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ ان ہر دو میں سے ہر ایک اپنی قوم کا امیر تھا، وہ دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے تھے۔ یہ عرب تھے۔ ان کی زبان عربی تھی۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل کی ملاقات کے لیے آتے تھے۔ حضرت اسماعیل نے ہالہ بنت مضاض کو دیکھا تو اس کے باپ مضاض سے اس کا رشتہ مانگ لیا۔
ابی جہم کی روایت میں اسی طرح ہے۔ حضرت اسماعیل نے پہلی شادی عمالقہ میں اور دوسری جرہم میں کی۔ جبکہ حضرت ابن عباس کی روایت میں اس طرح نہیں۔ اس میں ہے کہ انہوں نے پہلی اور دوسری شادی جرہم میں کی۔ انہوں نے زمزم کے واقعہ کے بعد لکھا ہے۔ "حضرت ہاجرہ اسی حالت پر تھیں کہ ان کے پاس سے جرہم کا کارواں گزرا۔ وہ کداء کے رستے سے آئے۔ اور مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقے میں خیمہ زن ہو گئے۔ انہوں نے ایک منڈلاتا ہوا پرندہ دیکھا۔ انہوں نے کہا: "یہ پرندہ پانی پر چکر لگا رہا ہے۔ ہم تو اس وادی میں آتے ہیں۔ اس میں تو پانی کا نشان نہیں۔" دوسری روایت میں ہے جرہم نے مکہ مکرمہ کے قریب ایک وادی میں ڈیرا لگا لیا۔ انہوں نے اپنا ایک یا دو آدمی بھیجے۔ انہیں پانی مل گیا۔ واپس آئے تو انہوں نے اپنی قوم کو پانی کے متعلق بتایا۔ جب جرہم پانی کے پاس آئے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پانی کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے عرض کی: "کیا آپ اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ کے پاس اتریں۔" انہوں نے فرمایا: "ہاں! لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں۔" جرہم: "بالکل صحیح ہے۔"

حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اس طرح حضرت ہاجرہ نے انس پالیا۔ وہ انس کو پسند کرتی تھی۔ جرہم وہیں اترے، اہل وعیال کو بھی بلالیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے مابین ہی پروان چڑھ کر ان کے بچوں میں پلتے رہے۔ ان سے عربی سیکھی۔ ان سے محبت کرنے لگے۔ جب وہ جوان ہو گئے تو ان کی ایک عورت سے شادی کرلی۔ حضرت ہاجرہ کا وصال ہو گیا۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شادی کرلی تو حضرت ابراہیم مکہ مکرمہ میں آئے اور اپنے خاندان کا حال دریافت کیا، حضرت اسماعیل سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ان کی بیوی سے ان کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: "وہ ہمارے لیے شکار لانے گئے ہیں۔" حضرت اسماعیل کے خاندان کا گزارا شکار پر ہی تھا۔ حضرت ابراہیم نے اس عورت سے گزر اوقات کے متعلق پوچھا، تو اس نے کہا: "بہت بری ہے ہم تنگی اور شدت میں رہ رہے ہیں۔" اس عورت نے شکوہ کیا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: "جب تمہارے خاوند آئیں تو انہیں میرا اسلام دینا اور کہنا: "اپنے گھر کی دہلیز تبدیل کرلو۔" جب حضرت اسماعیل آئے گویا کہ انہوں نے کسی چیز کے ساتھ انس پایا۔ انہوں نے پوچھا: "کیا کوئی تمہارے پاس آیا تھا؟" عورت نے کہا: "ہاں! اس حلیہ کے ایک بزرگ آئے تھے۔" گویا کہ وہ ان کی شان کو چھپا رہی تھی۔ انہوں نے آپ کے بارے پوچھا۔ میں نے بتایا۔ انہوں نے مجھ سے گزر اوقات کے بارے پوچھا، تو میں نے کہا: "ہم شدت اور تنگی میں ہیں۔" حضرت اسماعیل: "کیا وہ کچھ فرما بھی گئے ہیں۔" زوجہ: "ہاں! انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو سلام دوں۔ اور تم سے کہہ گئے کہ تم اپنے گھر کی دہلیز تبدیل کرلو۔" حضرت اسماعیل: "وہ میرے والد محترم تھے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں جدا کر دوں، تم اپنے اہلِ خانہ کے پاس چلی جاؤ۔" انہوں نے اسے طلاق دے دی۔ دوسری عورت سے شادی کرلی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر ان کے پاس آئے۔ حضرت اسماعیل گھر پر نہ تھے۔ ان کی زوجہ سے ان کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا: "ہمارے کھانے کے لیے کچھ لینے گئے ہیں۔" حضرت ابراہیم: "گزر اوقات کیسی ہو رہی ہے؟" عورت نے کہا: "ہم خیریت سے ہیں، ہر چیز دستیاب ہے۔ اس نے رب تعالیٰ کی تعریف کی۔" حضرت ابراہیم: "کیا کھاتے ہو؟" عورت: "گوشت اور دودھ۔" حضرت ابراہیم: "پیتے کیا ہو؟" عورت: "پانی۔" حضرت ابراہیم نے یہ دعا مانگی: "مولا! ان کے دودھ، گوشت اور پانی میں برکت فرما۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اس وقت غلہ نہ تھا۔ اگر غلہ ہوتا تو وہ ان کے لیے اس میں بھی برکت کی دعا کر دیتے۔ مکہ مکرمہ کبھی بھی ان چیزوں سے خالی نہیں رہا۔"

ابوجہم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملنے کے لیے آئے۔ وہ ان کے گھر پہنچے۔ یوں سلام کیا: السلام علیك اهل البيت ورحمة الله! ان کی زوجہ اٹھ کر ان کی طرف گئیں۔ سلام کا جواب دیا۔ خوش آمدید کہا۔ حضرت ابراہیم: گزر بسر کیسے ہو رہی ہے؟ عورت: الحمدللہ! بہترین! ہمیں بہت سا دودھ میسر ہے، بہت سا گوشت دستیاب ہے۔ ہمارا پانی اچھا ہے۔" حضرت ابراہیم: کیا غلہ بھی ہے۔ عورت: ان شاء اللہ! عنقریب ہوگا۔ ہم خوش

حال ہیں۔ حضرت ابراہیم: اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے۔" حضرت اسماعیل کی زوجہ: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، آپ نیچے اتریں، کھانا کھائیں، پانی پئیں۔" حضرت ابراہیم: "میں اتر نہیں سکتا۔" حضرت اسماعیل کی زوجہ: "آپ کے بال گرد آلود ہیں، کیا میں آپ کا سر دھو کر تیل نہ لگا دوں؟" حضرت ابراہیم: "ضرور! اگر پسند کرو۔" وہ عورت مقام (ایک پتھر) لے کر آئی، وہ اس وقت سفید اور شیشے کی طرح تھا۔ یہ حضرت اسماعیل کے گھر پڑا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم نے اپنی سواری پر ہی دائیں طرف اس کے آگے کر دی۔ اس عورت نے ان کی دائیں سمت دھو دی۔ جب فارغ ہوئے تو پتھر دوسری طرف منتقل کیا۔ انہوں نے اپنا بائیں پاؤں اس پر رکھا۔ اور اپنی سواری پر ہی سر کا دوسرا حصہ آگے کر دیا، اس عورت نے ان کا دوسرا حصہ بھی دھو دیا۔ اس پتھر پر آج تک یہ نشان ہے۔ ابوجہم نے لکھا ہے "میں نے انگلیوں اور ایڑی کے نشانات دیکھے ہیں۔" جب عورت نے سر دھولیا تو حضرت ابراہیم نے اسے فرمایا: "جب اسماعیل آئیں تو انہیں میرا اسلام دینا اور کہنا: "اب دروازہ کی دہلیز درست ہے۔ اس سے گھر کی اصلاح ہے۔" جب حضرت اسماعیل آئے۔ والد گرامی کی خوشبو پائی، تو فرمایا: "کیا میرے بعد تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟" زوجہ نے کہا: "ایک خوبصورت بزرگ آئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا۔ میں نے بتایا۔ انہوں نے ہماری گزر اوقات کے متعلق پوچھا۔ میں نے عرض کی کہ گزر بسر اچھی ہو رہی ہے۔" حضرت اسماعیل: "وہ جاتی دفعہ کیا کہہ گئے ہیں؟" زوجہ: "وہ آپ کو سلام کہتے تھے اور کہتے تھے کہ اب گھر کی دہلیز درست ہے اسے برقرار رکھنا۔" حضرت اسماعیل: "وہ میرے والد گرامی تھے۔ تم میرے گھر کی دہلیز ہو۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنی زوجیت میں رکھوں۔"

ابوجہم نے کہا ہے کہ حضرت اسماعیل نے کہا: "میرے ہاں تم پہلے ہی معزز تھیں۔ اب تمہاری عزت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ سن کر وہ رونے لگیں۔" حضرت اسماعیل نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: "کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ کون تھے، میں ان کے ساتھ اور اچھا سلوک کرتی۔" حضرت اسماعیل: نہ رو۔ تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ تم اس سے زائد پر قادر نہ تھی۔ جتنا کچھ تم نے کر دیا ہے۔" اس زوجہ محترمہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دس فرزند ہوئے۔ ان میں سے ایک نابت تھے۔

تعمیر ابراہیمی

جب حضرت اسماعیل کی عمر تیس سال اور حضرت ابراہیم کی عمر ایک سو سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم پر وحی کی کہ وہ اس کا گھر تعمیر کریں۔ انہوں نے عرض کی: "مولا! میں یہ گھر کہاں بناؤں؟" "رب تعالیٰ نے فرمایا: "سکینہ کے پیچھے پیچھے چلو۔" یہ ہوا تھی جس کا ایک چہرہ اور دو پر تھے۔ حضرت ابراہیم کے ساتھ فرشتہ اور مرد بھی تھے۔ حتیٰ کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے: "پھر حضرت ابراہیم شام میں اتنا عرصہ ٹھہرے رہے جتنا رب تعالیٰ نے چاہا پھر مکہ مکرمہ میں آئے۔ حضرت اسماعیل زمزم کے چشمہ کے قریب دوحہ کے نیچے تیر درست کر رہے تھے۔ جب انہوں نے اپنے والد ماجد کو دیکھا تو پرتپاک استقبال کیا۔ انہوں نے بھی اپنے لختِ جگر کو گلے لگایا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دو ہستیاں بہت زیادہ روئیں۔ حتیٰ کہ پرندے بھی ان کے رونے کی وجہ سے رونے لگے۔ پھر فرمایا: "اسماعیل! رب تعالیٰ نے مجھے ایک امر کا حکم دیا ہے۔" حضرت اسماعیل: "آپ کو جو حکم ملا ہے کر گزریے۔" حضرت ابراہیم: "کیا تم میری مدد کرو گے؟" حضرت اسماعیل: "میں آپ کی مدد کروں گا۔" حضرت ابراہیم: "رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ اس کا گھر تعمیر کروں۔ انہوں نے بلند ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت انہوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں۔

ابوجہم نے کہا ہے کہ حضرت اسماعیل اس جگہ اترے جو رب تعالیٰ نے حضرت خلیل کے لیے متعین فرمائی تھی۔ وہ ایک بلند ٹیلہ جو اپنے اردگرد سے بلند تھا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے بیت اللہ کی بنیادیں کھودیں۔ وہ حضرت آدم کی بنیادیں تلاش کرنا چاہتے تھے۔ ان کے ساتھ تیسرا کوئی نہ تھا۔ انہوں نے بیت اللہ کے اردگرد کھدائی کی۔ انہوں نے اتنا بڑا پتھر دیکھا جسے تیس افراد اٹھا سکتے تھے۔ انہوں نے بنیادیں کھودیں حتیٰ کہ حضرت آدم کی بنیاد تک پہنچ گئے۔

امام احمد نے صحیح سند سے لکھا ہے کہ وہ بنیادیں جو حضرت ابراہیم نے اٹھائیں تھیں وہ اس گھر کی پہلی بنیادیں تھیں۔ یہ بنیادیں زمین کی ساتویں تہ تک ہیں۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت اسماعیل پتھر لانے لگے۔ حضرت ابراہیم تعمیر کرنے لگے۔ جب عمارت کچھ بلند ہوگئی تو وہ مقام (حجر) لے آئے۔ اسے نیچے رکھا۔ حضرت ابراہیم اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرنے لگے۔ حضرت اسماعیل انہیں پتھر پکڑا رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی:

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝ (البقرہ: ۱۲۷)

ترجمہ: "اے ہمارے رب! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

ابوجہم نے روایت کیا ہے: "سکینہ نے حلقہ بنا لیا گویا کہ وہ بادل ہو۔ اس نے کہا: "میرے اوپر گھر تعمیر کرو۔" اس لیے تم کسی کافر یا جابر کو طواف کرتے نہ دیکھو گے مگر اس پر قادر رہوں گا۔" حضرت ابراہیم نے گھر تعمیر کیا۔ آسمان کی طرف بلندی سات ذراع اور اس کی چوڑائی تین ذراع رکھی۔ زمین کی طرف طول بائیس ذراع رکھا۔ حجر بھی خانہ کعبہ میں داخل کر دیا یہ سات ذراع تھا۔ یہ پہلے حضرت اسماعیل کے ریوڑ کا باڑا تھا۔ انہوں نے پتھر پر پتھر جوڑ کر گھر تعمیر کیا۔ اس کا چھت نہیں بنایا تھا۔ اس کے دو دروازے رکھے تھے۔ ایک دروازے کے پاس ایک کنواں کھودا جو بیت اللہ کے ہدایا پھینکنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ انہوں نے رکن کو لوگوں کے لیے علامت مقرر کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام وادی کی طرف گئے تاکہ پتھر تلاش کریں۔ حضرت جبرائیل حجر اسود لے کر آئے، طوفان کے وقت اسے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا۔

اب حضرت جبرائیل اسے لے کر آئے۔ حضرت ابراہیم نے رکن کی جگہ اسے رکھ دیا۔ حضرت اسماعیل پتھر لے کر آئے تو حضرت ابراہیم رکن کی جگہ حجر اسود کو رکھ چکے تھے۔ انہوں نے پوچھا: "آپ نے یہ پتھر کہاں سے لیا۔ اسے کون لے کر آیا ہے؟" حضرت ابراہیم: جس نے مجھے نہ تمہارے سپرد کیا ہے نہ تمہارے پتھر کے۔" جب حضرت ابراہیم بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے انہوں نے حجر کو بھی بیت اللہ میں شامل کر دیا تھا۔ مقام ابراہیمی کو بیت اللہ کے دائیں طرف متصل جوڑ دیا۔

امام بیہقی نے حضرت وھب بن منبہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ نے زمین کو غرق کیا تو بیت اللہ کو اٹھا لیا۔ اسے عرش کے نیچے رکھ دیا۔ دو ہزار سال تک زمین بنجر رہی۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم مبعوث ہو گئے۔ رب تعالیٰ نے انہیں بیت اللہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ سکینہ آئی گویا کہ وہ بادل تھی۔ اس کا سر تھا وہ گفتگو بھی کرتی تھی۔ انسانی چہرے کی طرح کا چہرہ بھی تھا۔ اس نے کہا: "ابراہیم! میرے سایہ کے مطابق جگہ لو اس پر بیت اللہ تعمیر کرو۔ اس میں کمی بیشی نہ کرنا۔" حضرت ابراہیم نے اس کے سایہ کے مطابق جگہ لی۔ انہوں نے اور حضرت اسماعیل نے بیت اللہ تعمیر کیا۔ اس پر چھت نہ ڈالا۔ لوگ اس میں زیورات اور سامان پھینکتے تھے۔ جب یہ بھرنے کے قریب تھا تو پانچ افراد نے اس میں چوری کرنے کی کوشش کی۔ چار مختلف کونوں میں کھڑے ہو گئے۔ پانچواں اندر داخل ہو گیا۔ وہ سر کے بل گرا اور مر گیا۔ اس وقت رب تعالیٰ نے ایک سانپ بھیج دیا جو سفید تھا۔ اس کا سر اور دم کالی تھی۔ اس نے پانچ سو سال تک بیت اللہ کی حفاظت کی جو بھی اس کے قریب جاتا۔ وہ ہلاک ہو جاتا۔ حتیٰ کہ قریش مکہ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔

علامہ ازرقی نے لکھا ہے "جب حضرت خلیل اللہ کو آسمان کی سیر کرائی گئی تو انہوں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھا تو خانہ کعبہ کی جگہ کو پسند کیا۔ ملائکہ نے ان سے کہا: "خلیل اللہ! آپ نے زمین میں رب تعالیٰ کے حرم کو پسند کیا ہے، انہوں نے سات یا پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے اسے تعمیر کیا۔ ان پہاڑوں کے پتھر ملائکہ حضرت خلیل کے پاس لاتے تھے۔

علامہ ازرقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، مجاہد، بشر بن عاصم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ارمینیہ سے آئے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ شام سے آئے۔ ان کے ہمراہ سکینہ، فرشتہ اور ایک جانور تھا۔ انہوں نے بیت اللہ کی اس طرح نشاندہی کی جس طرح مکڑا اپنا گھر بناتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے اس کی بنیادیں کھودیں۔ حتیٰ کہ وہ ان پتھروں تک پہنچ گئے جو اونٹ کی کوہان کی طرح تھی۔ جنہیں تیس افراد حرکت دے سکتے تھے۔ پھر فرمایا: "اٹھو اور میرا گھر تعمیر کرو۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! کس جگہ گھر بناؤں۔" رب تعالیٰ نے ایک بادل بھیج دیا۔ جس کا سر تھا۔ اس نے حضرت ابراہیم کے ساتھ بات کی اس نے کہا: "خلیل اللہ! رب تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اس بادل کی مقدار کا احاطہ کرلو۔" وہ اس کی طرف دیکھتے جاتے اور اس جگہ گھیرتے جاتے۔" اس سر نے کہا: "آپ نے عمدہ کام کیا ہے۔" سکینہ نے کہا: "آپ نے بیت اللہ کی نشاندہی کر لی ہے۔" انہوں نے کہا: "ہاں! وہ بادل اٹھ گیا۔ پھر وہ بنیادیں نظر آ گئیں جو زمین کے اندر تھیں حضرت ابراہیم نے بیت اللہ

تعمیر کیا۔ اسی لیے کوئی جابر بادشاہ یا اجڈ اعرابی اس کا طواف نہیں کرتا، مگر اس پر سکون اور وقار ہوتا ہے۔ ازرقی نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ہمیں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خلیل اللہ نے پانچ پہاڑوں سے خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ (۱) طور سیناء، (۲) طور زیتا، (۳) لبنان، (۴) جودی، (۵) حراء۔

امام سہیلی نے لکھا ہے: ”رب تعالیٰ کی حکمت عیاں ہے کہ کیسے اسے پانچ پہاڑوں سے تعمیر کیا تاکہ معنی میں مشاکلت پیدا ہو جائے۔ یہ پانچ نمازوں کا قبلہ ہے۔ اسلام کے ستون بھی پانچ ہیں اور کیسے سکینہ نے راہ نمائی کی۔ یہ پانچ نمازوں کا قبلہ ہے۔ سکینہ نماز کی شان میں سے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”نماز کی طرف اس طرح آؤ کہ تم پر وقار اور سکینت ہو۔“

علامہ ازرقی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت خلیل نے بیت اللہ بنایا آسمان کی طرف اس کی بلندی نو ذراع رکھی۔ زمین میں اس کا عرض رکن اسود سے رکن شامی تک تیس ذراع رکھا۔ اسی طرف حجر ہے۔ رکن شامی اور رکن غربی کے مابین بائیس ذراع رکھے۔ رکن غربی سے رکن یمانی تک اکتیس ذراع رکھے۔ اس کے یمانی چھت کی لمبائی رکن اسود سے رکن یمانی تک بیس ذراع رکھی۔ اس کا دروازہ زمین پر رکھا۔ اس کا دروازہ نہ لگایا۔ اس کے اندر دائیں طرف ایک گڑھا کھودا جو بیت اللہ کے لیے بطور خزانہ استعمال ہوتا تھا۔ ابن الحاج مکی نے لکھا ہے: ”مناسک حج میں بھی حضرت ابراہیم کی تعمیر کی کچھ خبر ہے۔ حضرت ابراہیم کی تعمیر پیچھے سے گول تھی۔ اس کے دو یمنی رکن تھے۔ قریش نے تعمیر کے وقت اس کے چار ارکان بنا دیے۔

اعلانِ حج

ابو جہم نے لکھا ہے ”جب حضرت ابراہیم تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں۔ انہوں نے عرض کی: ”مولا! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟“ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”اعلان کرو، آواز پہنچانا میرا کام ہے۔“ وہ مقام ابراہیمی پر بلند ہوئے اس وقت یہ بیت اللہ کے ساتھ متصل تھا۔ حتیٰ کہ وہ سارے پہاڑوں سے بلند ہو گیا۔ انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں۔ مشرق و مغرب کی طرف چہرہ پھیرا اور فرمایا ”اے لوگو! تم پر بیت اللہ العتیق کا حج فرض کیا گیا ہے۔ اپنے رب کو لبیک کہو۔“ سات سمندروں کے نیچے مشرق و مغرب اور زمین کے نیچے سے ہر چیز نے کہا: ”لبیک اللھم لبیک“ کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ اب بھی لبیک کا نغمہ الاپتے ہوئے آتے ہیں۔ اس دن سے لے کر روز حشر تک جس نے بھی حج کیا وہ ان لوگوں میں سے ہو گا، جس نے رب تعالیٰ کی صدا پر لبیک کہا ہو گا۔ ارشاد فرمایا:

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ (آل عمران: ۹۷)

ترجمہ: ”اس میں روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے یعنی مقام ابراہیمی پر کھڑے ہو کر آپ کی صدا لگانا بھی

نشانیوں میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے۔"

محمد بن عمر اسلمی نے روایت کیا ہے کہ روایت ہے کہ مقام ابراہیمی پر آپ کے قدموں کے نشانات بھی نشانی ہیں۔
علامہ فاکہی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھر پر کھڑے ہوئے۔"
فرمایا: "اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے۔" جو باپوں کی پشتوں یا ماؤں کے ارحام میں تھے سب نے یہ آواز سنی۔ اس نے جواب دیا: جس کے بارے رب تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ روزِ حشر تک حج کرے گا۔ "لبیک اللھم لبیک" بخدا! انہوں نے اسے گاڑھا یا چونے سے نہیں بنایا تھا۔ نہ ہی ان کے پاس کوئی ایسی چیز تھی جس کے ساتھ وہ چھت ڈالتے۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ہر روز ایک ساق (عرق) تعمیر کرتے تھے۔"

ابن ابی شیبہ، ابن منیع، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور امام حاکم (انہوں نے اس روایت کی تصحیح کی ہے) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت خلیل اللہ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے۔ عرض کی: "مولا! میں فارغ ہو گیا ہوں۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟" رب نے فرمایا: "تم اعلان کرو آواز پہنچانا میرا کام ہے۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! میں کس طرح اعلان کروں؟" فرمایا: "کہو، لوگو! تم پر بیت اللہ العتیق کا حج فرض کیا گیا ہے۔" یہ صدا اہلِ آسمان اور اہلِ زمین نے سنی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ دور دراز کے علاقے سے لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے آتے ہیں۔" ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اعلان حج کرنے کا حکم دیا وہ کوہِ ابی قبیس پر چڑھے۔ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں۔ پھر آواز دی: "اے لوگو! رب تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے تم اسے جواب دو۔" لوگوں نے ماؤں کے پیٹوں اور باپوں کی پشتوں میں لبیک کہا۔ سب سے پہلے اہلِ یمن نے لبیک کہی۔ وہ ہی روزِ حشر تک حج کرے گا۔ جس نے حضرت ابراہیم کی آواز پر لبیک کہا ہو گا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور مناسکِ حج

ابوجہم نے کہا ہے "جب حضرت ابراہیم اعلانِ حج سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرائیل انہیں لے گئے۔ انہیں صفا اور مروہ دکھایا۔ حرم کی حدود پر انہیں کھڑا کیا۔ اس پر انہیں پتھر نصب کرنے کے لیے کہا۔ حضرت ابراہیم نے اسی طرح کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے حرم کے پتھر نصب کیے اور حضرت جبرائیل نے انہیں وہ مقامات دکھائے۔ ذوالحجۃ کے ساتویں روز حضرت ابراہیم نے مکہ مکرمہ میں اس وقت خطبہ دیا۔ جب سورج ڈھل چکا تھا۔ وہ کھڑے تھے۔ حضرت اسماعیل بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسرے روز وہ باہر نکلے، وہ دونوں پیدل تھے۔ احرام باندھے ہوئے تھے۔ ہر ایک نے کچھ اشیاء اٹھا رکھی تھیں۔ ہر ایک کے پاس عصا تھا۔ جس پر وہ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اس لیے اس دن کو یوم الترویہ کہا جاتا

ہے۔ وہ دونوں منیٰ آئے۔ وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی۔ وہ دائیں طرف اترے تھے۔ پھر ٹھہرے رہے حتیٰ کہ سورج کوہ ثبیر پر چمکنے لگا۔ پھر دونوں چل کر عرفہ آئے۔ حضرت جبرائیل امین ان کے ساتھ تھے۔ حتیٰ کہ وہ نمرہ اترے۔ وہ انہیں عرفات کی نشانیاں دکھا رہے تھے۔ حضرت ابراہیم اس سے پہلے بھی جانتے تھے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: "میں انہیں جان گیا ہوں۔ اس لیے اس جگہ کو عرفات کہا جاتا ہے۔ جب سورج ڈھل گیا، تو حضرت جبرائیل انہیں لے کر چلے، انہیں اس جگہ لے آئے جہاں آج کل مسجد ہے، حضرت ابراہیم نے کھڑے ہو کر چند کلمات کہے حضرت اسماعیل بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے نماز ظہر اور عصر ملا کر پڑھی۔ حضرت جبرائیل انہیں پہاڑوں کی طرف لے گئے۔ وہ دعائیں مانگتے رہے، حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر وہ عرفہ سے پیدل روانہ ہوئے۔ پھر مزدلفہ رک گئے۔ وہاں نماز مغرب اور عشاء پڑھی۔ اس جگہ رات بسر کی۔ جب سورج طلوع ہو گیا تو قزح پر کھڑے ہو گئے جب سورج روشن ہو گیا تو پیدل چلے۔ محسر تک پہنچے تو اسے تیزی سے عبور کیا۔ پھر معمول کی رفتار سے چلے پھر جمرۃ العقبہ کو سات کنکریاں ماریں۔ جنہیں وہ مزدلفہ سے لے کر آئے تھے۔ وقت فجر منیٰ اترے۔ یوم النحر کو قربانی پیش کی اور بال منڈوائے۔ پھر منیٰ ٹھہر گئے، رمی جمار کیا جبکہ سورج بلند ہو چکا تھا۔ الابطح میں نماز ظہر پڑھی۔ یہ مناسک حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سکھائے تھے۔ جب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام حج سے فارغ ہوئے تو شام چلے گئے۔ وہ ہر سال حج کرتے تھے۔ حضرت سارہ، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور الاسباط اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے اس کا حج کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی حج کیا۔

وقت وصال حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس موت کا فرشتہ آیا۔ انہوں نے ان سے مہلت مانگی۔ جب رب تعالیٰ نے ان کے وصال کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے رب تعالیٰ کے حکم پر سر تسلیم خم کیا۔ ملک الموت نے کہا: "اے خلیل اللہ! آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں کس حالت میں آپ کی روح کو قبض کروں۔" انہوں نے کہا: "سجدہ کی حالت میں۔" سجدہ کی حالت میں ان کی روح قبض کر لی گئی۔ شام میں انہیں دفن کیا گیا۔ اپنے والد گرامی کے وصال کے بعد حضرت اسماعیل اتنا عرصہ بحیات رہے جتنا رب تعالیٰ نے چاہا۔ پھر انہوں نے مکہ مکرمہ میں وصال فرمایا۔ باب کعبہ کے پاس الحجون میں دفن ہوئے۔ اسی جگہ حضرت ہاجرہ کی قبر انور بھی ہے۔"

عمالقہ اور جرہم کی تعمیر

ابن ابی شیبہ، اسحاق بن راھویہ نے اپنی مسند میں، ابن جریر، ابن ابی حاتم، امام بیہقی نے دلائل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت جب تک رب تعالیٰ نے چاہا برقرار رہی۔ پھر وہ گر گئی، پھر عمالقہ نے اسے تعمیر کیا۔ وہ پھر گر گئی۔ پھر اسے جرہم نے بنایا۔ امام سہیلی نے لکھا ہے، "کہا گیا ہے کہ اسے بنو جرہم کے زمانہ میں ایک یا دو دفعہ تعمیر کیا گیا، کیونکہ سیلاب نے اس کی دیواروں کو نقصان دیا تھا۔ یہ تعمیر نہ تھی بلکہ اس کی درستگی

تھی۔اس کے اور سیلابوں کے مابین ایک دیوار تعمیر کر دی گئی۔" میں کہتا ہوں کہ ابو جہم کی روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بنو جرہم کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کی بلند جگہ سے سیلاب بیت اللہ میں داخل ہو گیا۔جس سے عمارت گر گئی۔ جرہم نے اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کر دیا۔اس کے دو پٹ بنائے اور ایک تالہ بنایا۔اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

قصی بن کلاب کی تعمیر

زبیر بن بکار نے کتاب النسب میں اور امام ابو اسحاق نے "الاحکام الاسلطانیہ" میں یہ صراحت کی ہے کہ اسے قصی بن کلاب نے تعمیر کیا تھا۔

قریش کی تعمیر

عنقریب اس کا تذکرہ ہوگا۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "کیا تم دیکھتی نہیں ہو کہ تمہاری قوم نے جب کعبہ بنایا تو انہوں نے حضرت ابراہیم کی بنیادوں میں کمی کر دی۔" میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! کیا آپ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر نہیں فرما دیتے۔آپ نے فرمایا: "اگر تمہاری قوم کفر سے نئی نئی تاب نہ ہوئی ہوتی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "اگر ام المومنین نے یہ حضور ﷺ سے سنا ہے تو میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کبھی ان دو شامی رکنوں کو استلام کرنا ترک کیا ہو جو حجر کے ساتھ ہیں مگر یہ کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر مکمل نہ ہوا۔" دوسری روایت میں ام المومنین نے فرمایا "مجھے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر تمہاری قوم کفر سے نئی نئی تائب نہ ہوتی تو میں خانہ کعبہ کو گرا دیتا اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرتا۔قریش نے اس کی بنیاد کو کم کر دیا تھا۔میں اس کا ایک دروازہ بناتا۔"

امام بخاری نے روایت کیا ہے "اگر تمہاری قوم جاہلیت سے نئی نئی تائب نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو گرانے کا حکم دیتا، وہ جگہ اس میں داخل کرتا جسے اس سے نکال دیا گیا تھا۔میں اسے زمین کے ساتھ ملا دیتا۔اس کے دو دروازے بناتا۔ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور میں اسے حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر تعمیر کرتا۔"

اس روایت نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی۔ابن رومان کہتے ہیں: "جب حضرت ابن زبیر نے اسے گرایا تو میں اس وقت وہاں موجود تھا۔انہوں نے حطیم کا حصہ بھی اس میں شامل کر دیا۔میں نے بنیاد ابراہیمی کے پتھر دیکھے وہ اونٹوں کی کوہانوں کی طرح تھے۔" حضرت جریر بن ابی حازم نے کہا ہے "میں نے ابن رومان سے کہا: "وہ کس جگہ

ہے؟" انہوں نے کہا: "میں تمہیں اب بھی دکھا سکتا ہوں۔" میں ان کے ساتھ حجر میں داخل ہوا۔ انہوں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ کہا: "اس جگہ۔" جریر کہتے ہیں: "میں نے حجر کی جگہ کا اندازہ لگایا، وہ تقریباً چھ ذراع تھی۔" سعید بن مینا کی روایت میں ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو سنا۔ وہ میری خالہ جان ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کر رہے تھے، کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "عائشہ! اگر تمہاری قوم شرک سے نئی نئی تائب نہ ہوئی ہوتی تو میں کعبہ کو گراتا اسے زمین کے ساتھ ملا دیتا۔ اس کے دو دروازے بناتا ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں۔ حطیم کے چھ ذراع اس میں شامل کر دیتا۔ قریش نے یہ جگہ خانہ کعبہ سے اس وقت نکال دی تھی۔ جب انہوں نے اسے تعمیر کیا تھا۔"

امام مسلم نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت کیا ہے جب یزید کے زمانہ میں بیت اللہ جل گیا۔ اہلِ شام نے جب اس پر حملہ کیا تھا۔ حضرت ابن زبیر نے اسے چھوڑ دیا، جب حج کا زمانہ آیا۔ انہوں نے لوگوں کو شام کے لوگوں کے خلاف اکسانا چاہا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو انہوں نے کہا: "اے لوگو! مجھے خانہ کعبہ کے بارے مشورہ دو، کیا میں اسے گرا دوں۔ پھر اسے تعمیر کروں، یا اس کی اصلاح کر دوں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "میری رائے یہ ہے کہ تم اس کی اصلاح کر دو، وہ گھر چھوڑ دو، جس پر لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، وہ پتھر اسی طرح چھوڑ دو، جن پر لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ ان پر حضور ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔" ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو وہ اس وقت تک راضی نہ ہوگا حتیٰ کہ اس کا گھر نیا بنایا جائے تو پھر تمہارا رب کے گھر کی کیفیت کیا ہوگی۔ میں تین بار رب تعالیٰ سے استخارہ کروں گا، پھر اپنے ارادہ پر عمل کروں گا۔" جب تین روز گزر گئے سب نے اتفاق کر لیا کہ اسے گرایا جائے۔ لوگ اس سے کنارہ کش رہنے لگے، کہ ابتداء کون کرے۔ حتیٰ کہ ایک شخص بیت اللہ پر چڑھا۔ اس نے اس سے ایک پتھر گرایا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ نہیں ہوا۔ تو وہ بھی اس کے پیچھے گئے۔ انہوں نے بیت اللہ کو گرا دیا۔ حتیٰ کہ زمین تک پہنچ آئے۔ حضرت ابن زبیر نے ستون بنائے، ان پر پردے لٹکا دیے، حتیٰ کہ اس کی بنیادیں بلند ہو گئیں۔ امام سہیلی نے لکھا ہے "لوگ ان پردوں کا طواف کرتے رہے۔ طواف میں خلل نہ آیا حتیٰ کہ جس روز حضرت ابن زبیر کو شہید کیا گیا۔ جنگ کی بھٹی خوب گرم تھی لوگ مشغول تھے۔ طواف کرنے والا کوئی نہ تھا، لوگوں نے ایک اونٹ کو دیکھا جو طواف کر رہا تھا۔"
حضرت ابن زبیر نے فرمایا: "میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سنا وہ فرماتی تھیں۔ "اگر لوگ کفر سے نئے نئے تائب نہ ہوئے ہوتے اور نہ ہی میرے پاس اتنی رقم ہے جو بیت اللہ کی تعمیر میں خرچ کروں تو میں پانچ ذراع حجر کو خانہ کعبہ میں شامل کر دیتی۔ اس کے دو دروازے رکھتی۔ ایک سے لوگ داخل ہوتے دوسرے سے باہر نکل جاتے۔"
حضرت ابن زبیر نے فرمایا: "آج میرے پاس رقم ہے جسے میں خرچ کروں۔ مجھے لوگوں کا خطرہ نہیں ہے۔" انہوں نے پانچ ذراع بیت اللہ میں شامل کر دیے حتیٰ کہ بنیادیں ظاہر ہو گئیں لوگوں نے انہیں دیکھا۔ انہی پر خانہ کعبہ کو تعمیر کیا گیا۔ خانہ

ایک سے آدمی اندر جاتا تھا دوسرے سے باہر نکل آتا تھا۔

جب حضرت ابن زبیر شہید ہو گئے تو حجاج نے عبدالملک کی طرف لکھا۔ اور اسے بتایا کہ ابن زبیر نے خانہ کعبہ کو ان بنیادوں پر تعمیر کیا ہے، جس میں اہلِ مکہ سے عدول کیا گیا ہے۔" عبدالملک نے لکھا" ہم ابن زبیر کے اس اضافہ کو پسند نہیں کرتے، جو انہوں نے طول میں اضافہ کیا ہے، اسے برقرار رکھو جو حجر میں اضافہ کیا ہے، اسے اپنی بنیادوں پر لوٹا دو۔ وہ دروازہ بند کر دو جو انہوں نے کھولا ہے۔" حجاج نے بیت اللہ میں کمی کی اور اسے سابقہ بنیادوں پر تعمیر کر دیا۔

تاریخ مکہ میں علامہ ازرقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن زبیر نے جب خانہ کعبہ گرایا۔ اسے زمین کے برابر کیا اور حضرت ابراہیم کی بنیادیں ظاہر ہوئیں تو انہوں نے دیکھا کہ حجر میں بنیادیں چھ ذراع تک تھیں اور ان بنیادوں کے پتھر اونٹوں کی گردنوں کی طرح تھے۔ وہ سرخ پتھر تھے جو باہم یوں جکڑے ہوئے تھے جس طرح انگلیاں باہم پھنس جاتی ہیں۔ انہوں نے وہاں ایک قبر دیکھی۔ فرمایا: "یہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے۔ حضرت ابن زبیر نے سرداروں میں سے پچاس افراد بلائے۔ انہیں اس پر گواہ بنایا، عبداللہ بن مطیع عدوی نے اس میں کدال داخل کیا۔ یہ کدال اس کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے اسے بیت اللہ کے ارکان میں سے ایک رکن میں داخل کیا۔ سارے ارکان لرز اٹھے۔ بیت اللہ کی اطراف پر لرزہ طاری ہو گیا۔ سارا شہر کپکپا اٹھا۔ لوگ ڈر گئے۔ پتھر کا ایک ٹکڑا اڑا۔ انہوں نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا، اس میں آگ کی طرح کا نور تھا۔ اس سے بجلی چمکی جس کا اجالا مکہ مکرمہ کے ہر گھر میں داخل ہو گیا۔ لوگ ڈر گئے۔ حضرت ابن زبیر نے کہا: "گواہ بن جاؤ۔" پھر انہی بنیادوں پر بنیاد رکھی۔ اس کے دو دروازے رکھے جو زمین کے ساتھ متصل تھے۔ جب رکن کی جگہ تک دیواریں بلند ہو گئیں۔ گراتے وقت رکن کو ریشم میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا۔ انہوں نے اسے تابوت میں داخل کر کے اسے مقفل کر دیا تھا۔ پھر اسے دارالندوہ رکھ دیا تھا۔ انہوں نے خانہ کعبہ میں سے زیورات، کپڑے اور خوشبوئیں لیں اور حضرت شیبہ بن عثمان کے گھر خانہ کعبہ کے خزانہ میں رکھ دیں۔ جب حجر اسود کی جگہ تک دیواریں تعمیر ہو گئیں۔ تو انہوں نے دو پتھر رگڑ کر انہیں باہم جوڑ دیا۔ حضرت ابن زبیر نے اپنے نور نظر عباد اور جبیر بن شیبہ کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود کو کپڑے میں رکھیں اور فرمایا: "جب تم فارغ ہو جاؤ تو تکبیر کہنا، میں تمہاری تکبیر سن کر نماز مختصر کر دوں گا۔" جب انہوں نے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھا تو تکبیر کہی لوگوں نے یہ تکبیر سنی۔ قریش کے وہ لوگ ناراض ہو گئے انہوں نے کہا: "زمانہ جاہلیت میں بھی قریش نے اس طرح نہیں رکھا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے اس ذات والا کو ثالث مقرر کیا، جو ان کے پاس سب سے پہلے داخل ہوئی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔

حجر اسود جلنے کی وجہ سے پھٹ چکا تھا۔ ابن زبیر نے اسے چاندی سے جوڑ دیا۔ ابن عون نے کہا" جب حجر اسود پھٹا تو میں نے اس کے اندر دیکھا گویا کہ وہ چاندی تھا۔ جب حضرت ابن زبیر نے خانہ کعبہ کو گرایا تو اس کی لمبائی اٹھارہ ذراع تھی۔ جب اس لمبائی تک عمارت پہنچی تو وہ حجر کی وجہ سے کم نظر آئی۔ حضرت ابن زبیر نے فرمایا کہ قریش کی تعمیر سے

قبل یہ نو ذراع بلند تھی۔ قریش نے نو ذراع کا اضافہ کیا میں اسے مزید نو ذراع بلند کرتا ہوں۔ انہوں نے اسے ستائیس ذراع بلند کر دیا۔ یہ ستائیس مدماک تھی۔ اس کی دیواریں دو ذراع تھیں۔ انہوں نے اس کے اندر تین ستون بنائے۔ اس سے قبل دو لائنوں میں چھ ستون تھے۔ انہوں نے ایک وفد صفاء بھیجا۔ جو سنگ مرمر لے کر آیا۔ اسے روشنی کے لیے طاق میں رکھا۔ اس کے دروازے کے دو پاٹ بنائے۔ جن کی لمبائی گیارہ ذراع تھی۔ دوسرا دروازہ اس کے بالمقابل بنایا۔ اس کے لیے ایک لکڑی کی سیڑھی بنائی۔ جس کے ذریعے اس کی چھت پر جایا جا سکتا تھا۔ جب وہ اس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اس کے اندر اور باہر کو خوشبو اور زعفران کی دھونی دی۔ اس پر قباطی کا غلاف چڑھایا۔ حکم دیا کہ ہر اطاعت گزار شخص تنعیم جائے اور وہاں سے عمرہ کرے۔ جو قربانی دے سکتا ہو وہ قربانی کرے۔ اگر اونٹ قربان نہ کر سکتا ہو تو بکری ذبح کرے۔ ورنہ جو چاہے صدقہ کر دے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک سو اونٹ ذبح کیے جب طواف کیا تو چاروں ارکان کو بوسہ دیا۔ یہ بیت اللہ حضرت ابن زبیر کی بنیادوں پر رہا۔ اس کے سارے ارکان کا بوسہ لیا جاتا رہا ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے تھے دوسرے سے نکل جاتے تھے، حتیٰ کہ ابن زبیر شہید ہو گئے۔ حجاج مکہ میں داخل ہو گیا اس نے حضرت ابن زبیر کی تعمیر کے بارے عبدالملک کو لکھا۔ اس نے لکھا کہ حجر کا حصہ گرا دو۔ خانہ کعبہ کو پہلے کی طرح رہنے دو۔ مغربی دروازہ بند کر دو۔ باقی کو اسی طرح رہنے دو۔" آج کل خانہ کعبہ حضرت ابن زبیر کی بنیادوں پر ہے۔ سوائے اس دیوار کے جو حجر کی طرف ہے، جبکہ مغربی دروازہ بھی بند کر دیا گیا۔ یہ حجاج نے بند کیا تھا۔ اس نے وہ سیڑھی بھی گرا دی جو وسط میں تھی۔ دروازے کی طوالت میں پانچ ذراع کی کمی کر دی۔ جب عبدالملک نے حج کیا تو حارث بن عبداللہ نے اسے کہا: "میں حضرت ابن زبیر کے لیے اس حدیث کی گواہی دیتا ہوں جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی تھی۔ میں نے بھی ان سے وہ روایت سنی تھی۔ عبدالملک: "تم نے بھی سنی تھی۔" حارث: "ہاں! عبدالملک نے اسے چھڑی کے ساتھ زمین کریدی جو اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے کہا: "کاش! میں خانہ کعبہ کو اسی طرح رہنے دیتا جس طرح ابن زبیر نے بنایا تھا۔"

حجاج کی تعمیر

امام سہیلی اور امام نووی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ شفاء الغرام میں ہے کہ حجاج نے خانہ کعبہ کا بعض حصہ ہی تعمیر کیا تھا۔

❁❁❁

تیسرا باب

بیت اللہ کے اسماء مبارکہ

۱ کعبہ

ارشادِ ربانی ہے:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ۔ (المائدۃ:۹۷)

مجاہد نے کہا ہے کہ مربع ہونے کی وجہ سے اس کا نام کعبہ رکھا گیا۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید اور عکرمہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ قاضی نے "المشارق" میں لکھا ہے کہ کعبہ بعینہٖ بیت اللہ ہے اور کچھ نہیں۔ اس کے مربع ہونے کی وجہ سے اسے کعبہ کہا جاتا ہے۔ ہر بلند اور مربع عمارت کو کعبہ کہا جاتا ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے "اس کے گول اور بلند ہونے کی وجہ سے اسے کعبہ کہا جاتا ہے، یا اس کے مربع ہونے کی وجہ سے اسے کعبہ کہا جاتا ہے۔" شفاء الغرام میں ہے "ان لوگوں میں ابن ابی نجیح اور ابن جریج بھی شامل ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ اسے کعبہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ٹخنے کی شکل پر ہے۔

۲ بکّہ

ابو مالک الغفاری نے لکھا ہے کہ بکہ بیت اللہ کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔ مکہ سارے شہر کو کہا جاتا ہے۔ (ابن شیبہ، سعید بن منصور، عبد بن حمید اور ابن جریر) حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ مکہ الفج سے لے کر تنعیم تک ہے جبکہ بکہ بیت اللہ سے لے کر البطحاء تک ہے۔ (ابن ابی حاتم) حضرت عکرمہ نے فرمایا ہے: "بیت اللہ اور اس کا ارد گرد بکہ ہے جبکہ شہر کا دوسرا حصہ مکہ ہے۔" (ابن شیبہ، عبد بن حمید) مجاہد نے کہا ہے: "بکہ سے مراد کعبہ ہے اور مکہ اس کے ارد گرد کو کہا جاتا ہے۔" (عبد بن حمید) ابن شہاب نے کہا ہے بکہ بیت اللہ ہے جبکہ مکہ سارا حرم ہے۔ ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ محمد بن مہاجر فرماتے ہیں کہ اسے بکہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ظالموں کی گردن توڑ کر رکھ دیتا ہے۔" اس کی مزید تفصیل حرم کے اسماء میں بیان کی جائے گی۔

۳ بیت الحرام

اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

۴ مسجد حرام

ارشادِ ربانی ہے:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ (البقرۃ: ۱۴۴)

ترجمہ: "(لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔"

اس سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ مسجد حرام کا اطلاق خانہ کعبہ کے علاوہ مسجد حرام پر بھی ہوتا ہے۔

۵ قادس

شفاء الغرام میں اس نام کا تذکرہ ہوا ہے مگر انہوں نے اس میں گفتگو نہیں کی۔ ابوعبید البکری نے اپنی معجم میں کُراع سے نقل کیا ہے کہ القادس بیت اللہ کا نام ہے۔ کراع کے علاوہ دیگر علماء نے کہا ہے کہ اسے تطہیر کی وجہ سے قادس کہا جاتا ہے کیونکہ یہ گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔

۶ ناذر

یہ بھی شفاء الغرام میں مذکور ہے۔ قاموس میں بھی کہا گیا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ کے اسماء میں سے ہے۔

۷ قریۃ القدیمہ

۸ البیت العتیق

ارشادِ ربانی ہے:

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ (الحج: ۲۹)

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام ترمذی نے، ابن جریر، حاکم نے (امام ترمذی نے اس روایت کو حسن جبکہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے) حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے اس کا نام البیت العتیق اس لیے رکھا ہے کیونکہ اس نے اسے جابر بادشاہوں سے آزاد کر دیا ہے کبھی کسی جابر نے اس پہ غلبہ نہیں پایا۔" عبد بن حمید، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ اس کو البیت العتیق اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے اسے جابروں سے آزاد کر دیا ہے کسی جابر نے کبھی اس کا دعویٰ نہیں

ابن منذر، ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ اسے البیت العتیق اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ جس نے بھی اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا ہے۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں رب تعالیٰ نے اسے غرق ہونے سے بچا لیا تھا۔ (ابن منذر، ابن ابی حاتم) حسن نے کہا ہے کیونکہ یہ پہلا گھر ہے جسے تعمیر کیا گیا۔ (ابن ابی حاتم) لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر کا قول درست ہے۔ ابن جماعۃ نے مناسک میں اسے درست قرار دیا ہے۔

۹ البنیہ

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے انہوں نے کہا: "میں نے سوچا کہ میں اس عمارت کی طرف پیٹھ نہ کروں۔ رب تعالیٰ نے اس بنیہ (عمارت) کی بہت سی قسمیں اٹھائیں ہیں۔

۱۰ الدوار

اس نام کو یاقوت نے المشترک میں ذکر کیا ہے۔

❁❁❁

چوتھا باب

خانہ کعبہ کے فضائل اور آداب

ابن خزیمہ، الطبرانی، امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور کریم ﷺ نے فرمایا: "جو بیت اللہ میں داخل ہوا، اس میں نماز پڑھی، وہ نیکی میں داخل ہوا۔ برائی سے نکل گیا۔ وہ اس طرح نکلا کہ اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ فاکہی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بیت اللہ میں داخل ہونے کے بارے فرمایا: "یہ نیکی میں داخل ہونا اور برائی سے نکلنا ہے۔"

فاکہی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے ہند بن اوس سے کہا "کیا تم نے کعبہ دیکھا ہے؟ جو اس میں داخل ہوا۔ اس میں نماز پڑھی۔ وہ اس طرح گناہوں سے پاک ہو گیا گویا کہ اس کی ماں نے اسے ابھی جنم دیا ہو۔"

فاکہی نے حضرت عطاء سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میرا بیت اللہ میں دو رکعتیں پڑھنا مسجد حرام میں چار رکعتیں پڑھنے سے افضل ہیں۔"

فاکہی نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ خانہ کعبہ میں ایک نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ حضرت حسن نے اہلِ مکہ کے لیے جو رسالہ لکھا تھا اس میں تھا "جو بیت اللہ میں داخل ہو گیا وہ رب تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو گیا۔ وہ رب تعالیٰ کی پناہ، اور امن میں داخل ہو گیا۔ جو باہر نکلا تو وہ اس حال میں باہر نکلا کہ اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے۔"

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم نے یحییٰ بن جعدہ سے رب تعالیٰ کے اس فرمان "من دخله کان آمنا" کے بارے روایت کیا ہے "وہ آگ سے امن میں ہے۔"

حافظ ابوطاہر السلفی جب خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تھے تو انہوں نے کتنے عمدہ اشعار کہے تھے:

ابعد دخول البیت والله ضامن   ایبقی قبیح والخطایا کوامن

ترجمہ: "کیا بیت اللہ میں داخل ہو جانے کے بعد، جبکہ رب تعالیٰ ضامن ہو تو کیا کوئی گناہ باقی رہ سکتا ہے، گناہ تو مخفی ہوتے ہیں۔"

فحاشا و کلابل تسامح کلھا و یرجع کل وھو جذلان آمن

ترجمہ: "ہرگز نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، بلکہ سب واپس آتے ہیں، وہ امن میں اور مسرور ہوتے ہیں۔"

دو فائدے

◆ ۱ شفاء الغرام میں ہے حضور ﷺ ہجرت کے بعد چار بار بیت اللہ میں داخل ہوئے۔

◇ ۱ فتح کے روز۔ (مسلم)

◇ ۲ فتح کے دوسرے روز۔ (امام احمد نے حضرت اسامہ سے روایت کیا ہے۔)

◇ ۳ عمرۃ القضاء میں۔ (الطبری نے حضرت عروۃ اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہے جس طرح کہ عنقریب اس کا تذکرہ ہوگا۔)

◇ ۴ حجۃ الوداع۔ (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

◆ ۲ آئمہ اربعہ نے اتفاق کیا ہے کہ خانہ کعبہ میں داخل ہونا مستحب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں کثرت سے داخل ہونے کو مستحسن سمجھا ہے۔ جہاں تک حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ میرے پاس سے تشریف لے گئے۔ آپ خوش و خرم تھے۔ جب واپس آئے تو آپ غمزدہ تھے۔ میں نے عرض کی تو آپ نے فرمایا: "میں خانہ کعبہ میں داخل ہوا تھا۔ میری خواہش ہے کہ میں اس میں داخل نہ ہوتا، مجھے خدشہ ہے کہ میرے بعد میری امت میری اتباع کرے گی۔" (امام احمد، ترمذی، امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے)

اس میں مستحب نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ آپ کا بیت اللہ میں داخل ہونا استحباب کی دلیل ہے اور داخل نہ ہونے کی تمنا کرنے کا سبب خود آپ نے بیان کر دیا ہے کہ آپ نے امت پر شفقت کرتے ہوئے یوں فرمایا تھا۔ اس سے استحباب ختم نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے عمرہ کیا۔ بیت اللہ کا طواف کیا، مقام ابراہیمی کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں۔ آپ کے ہمراہ ایسا فرد بھی تھا جو آپ کو لوگوں سے چھپائے ہوا تھا۔" ان سے ایک شخص نے پوچھا: "کیا حضور ﷺ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے تھے؟" انہوں نے کہا: "نہیں۔" (بخاری و مسلم)

اس میں بھی استحباب نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ علماء کرام نے فرمایا ہے "حضور ﷺ بیت اللہ میں اس لیے تشریف نہیں لے گئے تھے کیونکہ اس میں بت اور تصاویر تھیں۔ مشرکین آپ کو بت نکالنے یا تصویریں

مٹانے نہیں دیتے تھے۔ فتح مکہ کے روز آپ نے تصاویر ہٹانے کا حکم دیا۔ پھر آپ اندر تشریف لے گئے۔"

خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کے آداب بہت سے ہیں۔ ان میں سے ایک غسل کرنا ہے۔ خفین اور جوتے اتارنا ہے۔ اپنی نظر اس کی چھتوں کی طرف نہ لے جانا ہے، کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ حاکم نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی تھیں۔"مسلمان مرد کے لیے تعجب ہے جب وہ خانہ کعبہ میں داخل ہوتا ہے، جب اپنی نظریں اس کے چھت کی طرف لے جاتا ہے تو اسے رب تعالیٰ کی جلالت اور عظمت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ حضور ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے آپ نے سجدہ کی جگہ سے نظریں نہ ہٹائیں حتیٰ کہ آپ باہر تشریف لے آئے۔"

آداب میں یہ بھی ہے کہ اس طرح بھیڑ نہ بنائی جائے کہ کسی کو یا خود کو اذیت ملے۔ اسی طرح یہ بھی آداب میں سے ہے کہ انسان کے دل میں خشوع وخضوع ہو۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو۔ اگر رو سکتا ہو، ورنہ رونے والی شکل بنا لے۔ اسی طرح آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مخلوق کسی سے سوال نہ کرے۔

حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا:"ہشام بن عبدالملک خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ اس نے حضرت سلام بن عبداللہ کو دیکھا۔ اس نے ان سے کہا:"کچھ ضرورت ہو تو بتائیں۔" انہوں نے کہا:"مجھے رب تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میں اس کے گھر میں کسی اور سے مانگوں۔" البتہ خانہ کعبہ میں وہ امور بجا لائے جو حضور ﷺ نے سرانجام دیے تھے۔ مثلاً تسبیح، تہلیل، تحمید، رب تعالیٰ کی تعریف، دعا، استغفار اور نماز، غزوۃ الفتح میں مزید تفصیل بیان کی جائے گی۔

❁❁❁

پانچواں باب

بیت اللہ کی زیارت کرنے کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیت اللہ کی زیارت کرنا خالص ایمان ہے۔ حضرت حماد بن سلمہ نے فرمایا: "خانہ کعبہ کی زیارت کرنے والا، بیت اللہ سے باہر دعا میں کوشش کرنے والے کی طرح ہے۔"

حضرت یونس بن خبّاب نے فرمایا: "خانہ کعبہ کی زیارت کرنا، اس کے علاوہ دیگر مقامات پر روزہ دار، قیام کرنے والے اور دعا مانگنے کی طرح عبادت ہے۔"

حضرت مجاہد سے روایت ہے "خانہ کعبہ کی طرف دیکھنا، عبادت ہے۔"

حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا: "جس نے ایمان لاتے ہوئے اور تصدیق کرتے ہوئے خانہ کعبہ کی زیارت کی وہ لغزشوں سے اس طرح نکل گیا گویا کہ اس کی ماں نے اسے ابھی جنم دیا ہو۔"

ابو سائب المدنی نے کہا ہے: "جس نے ایمان لاتے ہوئے اور تصدیق کرتے ہوئے خانہ کعبہ کی زیارت کی تو اس کے گناہ اس طرح جھڑیں گے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔"

حضرت زہیر بن محمد نے فرمایا ہے: "مسجد حرام میں وہ بیٹھنے والا جو بیت اللہ کی طرف دیکھ رہا ہو جو طواف نہ کر رہا ہو۔ وہ اس نمازی سے افضل ہے جو بیت اللہ میں نماز پڑھ رہا ہو۔ لیکن بیت اللہ کی زیارت نہ کر رہا ہو۔"

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: "بیت اللہ کی زیارت کرنا عبادت ہے۔ بیت اللہ کی طرف دیکھنے والا روزہ دار، قیام کرنے والے، دعا مانگنے والے، عاجزی کرنے والے راہِ خدا میں مجاہد کی طرح ہے۔" (الازرقی، الجندی)

❁❁❁

چھٹا باب

حجر اسود اور مقام ابراہیم کے فضائل

امام ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، امام حاکم اور بیہقی نے الدلائل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "رکن اور مقام جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ جن کا نور رب تعالیٰ نے ختم کر دیا ہے۔ اگر ان کا نور ختم نہ ہوتا تو از مشرق تا مغرب ان سے روشن ہو جاتا۔"

حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "رکن اور مقام جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔"

امام بیہقی نے "الشعب" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رکن (حجر اسود) اور مقام (ابراہیمی) جنت کے یاقوتوں میں سے ہیں۔ اگر بنو آدم انہیں اپنی خطاؤں کے ساتھ مس نہ کرتے تو یہ مشرق و مغرب کو روشن کر دیتے۔ انہیں جو بیمار یا مریض چھوتا ہے، رب تعالیٰ اسے شفاء یاب کر دیتا ہے۔"

امام ترمذی، امام احمد اور ابن خزیمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جب حجر اسود جنت سے آیا تھا تو یہ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا۔ بنو آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔"

ابن خزیمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "حجر اسود جنت کے یاقوتوں میں سے سفید یاقوت تھا، مشرکین کی خطاؤں نے اسے کالا کر دیا ہے۔ جب روز حشر میں یہ آئے گا تو یہ کوہِ احد کی طرح ہوگا، یہ اس شخص کی گواہی دے گا جس نے دنیا میں اسے استلام کیا ہوگا یا چوما ہوگا۔"

امام بدرالدین احمد بن محمد جو ابن صاحب سے مشہور ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ جو اسود جنت کا یاقوت ہی کیوں ہے دیگر جواہرات میں سے کیوں نہیں تو میں کہوں گا کہ اس میں عجیب راز ہے۔ جسے میں نے "الرموز فی کشف اغطیۃ الکنوز" میں پڑھا ہے۔ میں اس کے بارے بڑا حریص ہوں لیکن اب میں اس پردے سے کچھ پردہ اٹھاتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج متوسط فلک رابع میں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

لو لم یکن وسط الاشیاء احسنها   ما اختارت الشمس من افلاکها الوسطا

ترجمہ: "اگر اشیاء کا وسط عمدہ ترین نہ ہوتا تو سورج اپنے افلاک میں سے وسط کو پسند نہ کرتا۔"

یہ ان افلاک کا معاون اور مددگار ہوتا ہے جو اس کے اوپر اور نیچے ہوتے ہیں۔ معدہ نفس کے فلک رابع میں ہے یہ بھی اپنے سے اوپر اور نیچے والا اعضاء کا ممد و معاون ہوتا ہے۔ اس کا مستقر آگ ہے۔ رب تعالیٰ نے اس میں ترش چشمہ جاری کر دیا جو ہضم اور ٹھنڈک کا معاون ہے مکہ مکرمہ بھی دنیا کا متوسط فلک ہے۔ یہ آگ کا محل ہے یہ دنیا کا مددگار ہے۔ ارشاد فرمایا:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ۔ (المائدۃ:۹۷)

ترجمہ: "بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے بقا کا باعث لوگوں کے لیے۔"

یعنی یہ لوگوں کی دنیا اور دین کو قائم کرنے والا ہے۔ اس نے حجر اسود کو بھی جنت کے یاقوت میں سے بنایا جسے آگ کی پرواہ نہیں، اس سے معنوی اور حسی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔

وطالما اصلى الياقوت جمر اعضا ثم انطفا الجمر والياقوت ياقوت

ترجمہ: "کئی دفعہ یاقوت کو تازہ انگارے سے تایا گیا، پھر انگارہ بجھ گیا یاقوت یاقوت ہی ہے۔ اس میں ایک اور راز بھی ہے۔ وہ یہ کہ وہ دائرہ یاقوتیہ کا نقطہ ہے۔"

حجر اسود کا سیاہ ہو جانا

امام سہیلی نے لکھا ہے "اس سے یہی حکمت واضح ہوتی ہے کہ اسے اولادِ آدم کی لغزشوں نے سیاہ کر دیا تھا۔ لیکن یہ خصوصیت خانہ کعبہ کے کسی اور پتھر یا اس کے پردوں میں موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اقرار نامہ رکھا گیا ہے۔ وہ عہد وہی فطرت ہے۔ جس پر لوگوں کی تخلیق ہوئی۔ یعنی رب تعالیٰ کی توحید ہر بچہ اسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے وہ عہد اسی توحید پر لیا گیا تھا۔ لیکن اس بچے کے والدین اسے یہودی، عیسائی اور آتش پرست بنا دیتے ہیں۔ جب وہ اس عہد نامے سے انحراف کرتا ہے تو شرک کی وجہ سے اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے۔ جس طرح اولاد آدم کا دل اس عہد اور میثاق کا محل ہے۔ اسی طرح حجر اسود بھی اس عہد اور میثاق کی جگہ ہے۔ اسی طرح دونوں میں مناسبت قائم ہو گئی۔ جس طرح انسان کا دل گناہوں سے سیاہ ہو جاتا ہے اسی طرح حجر اسود بھی سفید ہونے کے بعد سیاہ ہو گیا۔ خطائیں اس کا سبب ہیں، یہ رب تعالیٰ کی طرف سے حکمت ہے۔"

ابوشیخ نے حضرت جعفر بن محمد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں اپنے والد گرامی حضرت محمد بن علی رحمہما اللہ کے ہمراہ تھا۔ ایک شخص نے ان سے عرض کی: "اے ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ! اس رکن کی تخلیق کیسے ہوئی؟" انہوں نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق کی۔ تو بنو آدم سے فرمایا: "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" انہوں نے عرض کی: "ہاں! جب انہوں نے اقرار کیا تو ایک نہر رواں ہوئی جو شہد سے زیادہ میٹھی تھی۔ وہ مکھن سے زیادہ نرم تھی۔ پھر قلم کو حکم دیا۔

اس نے اس نہر سے سیاہی لی اور اس اقرار کو اور جو کچھ روز حشر تک ہونے والا تھا، اسے لکھا۔ پھر قلم نے وہ اقرار نامہ اس پتھر میں رکھ دیا۔ یہ استلام اس پیروی میں ہی کیا جاتا ہے، جو انہوں نے کیا تھا۔"

عبد الرزاق نے مصنف نے ابو شیخ نے حضرت فاطمہ بنت حسن رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب رب تعالیٰ نے بنو آدم سے میثاق لیا تو اسے حجر اسود میں رکھ دیا۔ حجر اسود کو استلام کرنا، رب تعالیٰ کے عہد کے ساتھ وفا ہے۔

جندی نے فضائل مکہ میں، ابو الحسن القطان المطولات میں امام حاکم اور امام بیہقی نے الشعب میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا۔ انہوں نے جب طواف کا آغاز اور حجر اسود کی طرف منہ کیا تو فرمایا: "میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے جو نہ نفع دے سکتا ہے، نہ نقصان۔ اگر میں نے حضور ﷺ کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔" پھر اسے چوم لیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "امیر المومنین! یہ پتھر نفع اور نقصان دے سکتا ہے۔ حضرت عمر: "وہ کیسے؟" حضرت علی: "کتاب اللہ کے ساتھ۔" حضرت عمر: "کتاب اللہ میں یہ کہاں ہے؟" حضرت علی نے فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ (الاعراف: ۱۷۲)

ترجمہ: "اور (اے محبوب یاد کرو) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنایا خود ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بیشک تو ہی ہمارا رب ہے۔"

رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی تو ان کی کمر کو مس کیا۔ اولاد آدم سے اقرار لیا کہ وہ ان کا رب اور وہ اس کے بندے ہیں۔ اس نے عہد اور میثاق لیے انہیں باریک کاغذ میں لکھا۔ اس پتھر کی دو آنکھیں اور ایک زبان تھی۔ اس نے اسے فرمایا: "اپنا منہ کھول" اس نے اپنا منہ کھولا۔ وہ کاغذ اس میں رکھ دیا گیا۔ اس نے فرمایا: "جو تمہارے ساتھ وفائے عہد کرے اس کی گواہی روزِ حشر دینا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: "حجر اسود کو روزِ حشر لایا جائے گا۔ اس کی تیز زبان ہوگی۔ جس نے اسے توحید کے ساتھ استلام کیا ہوگا، یہ اس کی گواہی دے گا۔ امیر المومنین! اس لیے یہ نقصان بھی دے سکتا ہے اور فائدہ بھی۔" حضرت عمر نے فرمایا: "میں رب تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس قوم میں رہوں جس میں آپ نہ ہوں اے ابو الحسن!"

تنبیہ: محب طبری نے کہا ہے کہ بعض ملحدین نے اعتراض کیا ہے کہ مشرکین کی لغزشوں نے حجر اسود کو کیسے سیاہ کر دیا جبکہ اہلِ ایمان کی توحید اسے سفید نہ کر سکیں؟

1. جسے حضرت ابن عباس کی روایت اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ جسے جندی نے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا نور مٹا دیا ہے تاکہ جنت کی زینت کو تاریکی سے مستور کر دے، گویا کہ اب اس کا وصف تبدیل ہو گیا ہے، گویا کہ تاریکی اس کے لیے مانع حجاب ہے جو اسے دیکھنے نہیں دیتی۔ اگر اس کا وجود دیکھا جائے کیونکہ یہ بھی جائز ہے کہ اس پر غیر مرئی ہونے کا اطلاق کیا جائے جس طرح کہ اس عورت پر غیر مرئی ہونے کا اطلاق کیا جاتا ہے جو کپڑوں میں مخفی ہو۔
2. ابن حبیب نے بھی اس کا جواب دیا ہے، انہوں نے فرمایا: "اگر رب تعالیٰ چاہتا تو اسی طرح ہو جاتا۔ اے معترض! تجھے کیا علم کہ رب تعالیٰ نے یہ عادت جاری فرما دی ہو کہ سیاہ رنگت سے رنگا تو جا سکتا ہو مگر اس پر رنگ نہ چڑھتا ہو جب کہ سفید اس کے برعکس ہو۔
3. یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے سیاہ رنگ کو باقی رکھنا، عبرت کے لیے ہو۔ تاکہ علم ہو سکے کہ لغزشیں جب پتھر میں تاثیر کرتی ہیں تو اس کی حالت کیا ہو جاتی ہے، دلوں میں ان کی تاثیر کتنی بڑی ہو گی۔

حجر اسود کی گواہی

دارمی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "روزِ حشر کو رب تعالیٰ حجر اسود کو اس طرح اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی، یہ ان کے ساتھ دیکھے گا۔ ایک زبان ہو گی اس کے ساتھ یہ گفتگو کرے گا، یہ اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے اسے استلام کیا ہو گا۔"

حضور اکرم ﷺ کا حجر اسود کو چومنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ کو دیکھا آپ نے حجر اسود کو استلام کیا اور اسے بوسہ دیا۔ (امام بخاری، امام مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حجر اسود پر سجدہ کیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا "میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے بھی اس کا بوسہ لیا اور اس پر سجدہ کیا۔ پھر انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔" (بیہقی)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "دو رکنوں کو چھونا گناہوں کا کفارہ ہے۔" (ترمذی)

حضرت عابس بن ربیعہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ حجر اسود کو چوم رہے تھے۔ وہ فرما رہے تھے "میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے تو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے حضور ﷺ

کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔"

محب الطبری نے کہا ہے "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس طرح اس لیے فرمایا تھا کیونکہ لوگ بت پرستی سے نئے نئے تائب ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروق کو یہ خدشہ دامن گیر ہوا کہ کہیں جاہل یہ گمان نہ کریں کہ حجر اسود کو استلام کرنا بعض پتھروں کی تعظیم کرنا ہے۔ جس طرح کہ لوگ زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے۔ حضرت عمر نے ارادہ فرمایا کہ وہ لوگوں کو بتا دیں کہ ان کا حجر اسود کو استلام کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی اتباع ہے نہ کہ اس لیے کہ پتھر بذات خود نفع اور نقصان دے سکتا ہے جس طرح زمانہ جاہلیت میں لوگ بتوں کے بارے عقیدہ رکھتے تھے۔

حجر اسود رب تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے

الطبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حجر اسود روز حشر اس طرح آئے گا کہ یہ کوہِ ابی قبیس سے بھی بڑا ہوگا۔ اس کی ایک زبان اور دو لب ہوں گے۔ جس نے اسے استلام کیا ہوگا یہ اس کے حق میں گواہی دے گا۔ یہ زمین میں رب تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔ جس کے ساتھ وہ اپنی مخلوق سے مصافحہ کرتا ہے۔" اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ سوائے عبداللہ بن مؤمل کے، وہ ضعیف ہے۔

الطبرانی اور ابوعبید القاسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حجر اسود زمین میں رب تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔"

ازرقی اور ابوطاہر المخلص نے یہ اضافہ کیا ہے "جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کو نہ پایا، اس نے حجر اسود کو چھو لیا تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی۔"

اس روایت کو ازرقی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے "حجر اسود زمین میں رب تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔ جس کے ساتھ وہ اس طرح اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے۔"

محمد بن ابی عمر اور ازرقی نے روایت کیا ہے "حجر اسود زمین میں رب تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے جس سے وہ اپنی مخلوق سے مصافحہ کرتا ہے، مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں ابن عباس کی جان ہے جو مسلمان بھی حجر اسود کے پاس جو بھی مانگتا ہے، رب تعالیٰ اسے ضرور عطا کرتا ہے۔"

الحافظ نے "المطالب العالیۃ" میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان کے شاگرد حافظ سخاوی نے مقاصد الحسنہ میں اضافہ کیا ہے۔ اس روایت کے کئی شواہد ہیں۔ الدیلمی نے حضرت انس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "حجر اسود زمین میں رب تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے، جس نے اپنے ہاتھ سے اسے مس کیا اس نے رب تعالیٰ سے یہ بیعت کی کہ وہ اس کی

نافرمانی نہیں کرے گا۔"

اسی طرح حارث بن ابی اسامۃ اور خطیب اور ابن عساکر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "حجر اسود زمین میں رب تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے۔" امام خطابی نے لکھا ہے کہ "یہ زمین میں رب تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔"

اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے حجر اسود کو استلام کیا تو اس نے رب تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا اور یہ رسم ہے بادشاہ اپنے عہد کو مصافحہ کے ساتھ پختہ کرتا ہے۔ وہ یہ مصافحہ اس شخص کے ساتھ کرتا ہے جسے وہ اپنے ساتھ مختص کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ انہیں اس سے مخاطب کرتا ہے جس کے ساتھ وہ عہد کرتے ہیں۔

"نہایہ" میں ہے "یہ کلام تمثیل ہے جب بادشاہ کسی سے مصافحہ کرتا ہے تو وہ شخص اس بادشاہ کا ہاتھ چوم لیتا ہے۔ حجر اسود رب تعالیٰ کے لیے اسی طرح ہے جس طرح بادشاہ کا دایاں ہاتھ ہوتا ہے جسے چوما جاتا ہے۔"

محب الطبری نے لکھا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب بادشاہ کے پاس وفد آتا ہے تو وہ اس کا دایاں ہاتھ چوم لیتا ہے۔ جب حاجی پہلے پہلے وہاں جاتا ہے تو اس کے لیے سنت ہے کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دے یہ بادشاہ کے دائیں ہاتھ کی طرح ہو گیا۔ بلند و برتر مثال رب تعالیٰ کے لیے ہے۔

❁❁❁

ساتواں باب

آبِ زمزم کے فضائل

آبِ زمزم کو اس نام سے کیوں پکارا جاتا ہے۔ اس کے بارے ایک قول یہ ہے کہ اس کے پانی کی کثرت کی وجہ سے۔ ابوعبید بکری نے کہا ہے کہ آبِ زمزم کو زمزم بھی کہا جاتا ہے، اس کا معنی کثیر ہے۔

ابن التیان نے "الموعب" میں لکھا ہے کہ آبِ زمزم کو زمزام بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی کثیر ہے۔ پانی کی حرکت کی وجہ سے بھی اسے زمزم کہا جاتا ہے۔ الزمزمہ وہ آواز ہوتی ہے جس میں گرج پیدا ہو۔"

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس کے جمع ہونے کی وجہ سے اسے زمزم کہا جاتا ہے۔

مجاہد نے کہا ہے کہ اسے زمزم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ "الھزمۃ" سے مشتق ہے۔ الھزمۃ سے مراد ایڑھی کے ساتھ زمین کو ٹٹولنا ہے۔ (اس روایت کو علامہ فاکہی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔) اس کو زمزم اس لیے بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسے میزان کے ساتھ باندھا جاتا ہے تاکہ یہ دائیں بائیں نہ ہو۔

البکری نے معجم میں لکھا ہے کہ زمزم میں کئی لغات ہیں: (۱) زَمزَم (۲) زُمُزم (۳) زَمَزم

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ کھانے کا کھانا اور مرض سے شفا ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "آبِ زمزم اس مقصد کے لیے کافی ہو جاتا ہے جس کے لیے اسے پیا جاتا ہے۔" اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ البتہ اس کے مرسل یا متصل ہونے میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "روئے زمین کا بہترین پانی آبِ زمزم ہے اس میں کھانا بھی ہے اور امراض سے شفاء بھی ہے۔" اس روایت کو الطبرانی نے لکھا ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "ہم اسے شباعۃ کہتے تھے کیونکہ یہ ہمارے اہل وعیال کا بہترین مددگار ہوتا تھا۔" (الطبرانی) انہوں نے فرمایا: "پاکباز لوگوں کا مشروب پیا کرو۔" یعنی زمزم۔ (الازرقی) انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ جب کسی شخص کو تحفہ دینا چاہتے تو اسے آبِ زمزم پلا دیتے۔ (ابونعیم نے اس روایت کو الحلیہ میں ذکر کیا ہے۔ دمیاطی نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔)

عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو ہم نے بھی ان کے ساتھ ہی حج کیا۔ بیت اللہ کا طواف کر کے انہوں نے مقام ابراہیمی پر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر زمزم کے پاس سے گزرے وہ صفا کی طرف جا رہے تھے۔'' انہوں نے کہا: ''اے غلام! میرے لیے ایک ڈول نکالو'' غلام نے ایک ڈول نکالا۔ انہیں پیش کیا گیا۔ انہوں نے پانی پیا۔ اپنے چہرے پر انڈیلا سر پر انڈیلا۔ انہوں نے کہا: ''زمزم شفاء ہے۔ یہ اس مقصد کے لیے کافی ہو جاتا ہے جس کے لیے اسے پیا جاتا ہے۔'' (الفاکہی)

الحافظ نے لکھا ہے یہ روایت موقوف ہے لیکن یہ ساری ان روایات سے احسن ہے اس ضمن میں جن سے آگاہ ہوا ہوں۔'' امام احمد، امام ابن ماجہ نے حضرت ابو زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''آبِ زمزم اس مقصد کے لیے کافی ہو جاتا ہے جس کے لیے اسے پیا جاتا ہے۔''

دو تنبیہ

1. بہت سے آئمہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے اس روایت کا تجربہ کیا ہے اور اسے صحیح پایا ہے۔
2. بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی فضیلت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک یہ اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ اگر اسے منتقل کر دیا جائے تو یہ تبدیل ہو جاتا ہے۔

''المقاصد الحسنیٰ'' میں ہے اس بات کی کوئی اصل نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہیل بن عمرو کی طرف لکھا۔ ''اگر رات کے وقت میرا گرامی نامہ تمہیں مل جائے تو صبح نہ کرنا۔ اگر دن کے وقت میرا مبارک خط مل جائے تو شام نہ کرنا حتیٰ کہ میری طرف آبِ زمزم بھیج دو۔'' انہوں نے دو مشکیزے آپ کی طرف بھیجے۔ آپ اس وقت مدینہ طیبہ میں تھے۔ یہ فتح مکہ سے پہلے کی بات ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

امام ترمذی (انہوں نے اس روایت کو حسن کہا ہے)، ابن خزیمہ، حاکم، امام بیہقی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ بوتلوں میں آبِ زمزم لے کر جاتی تھیں۔ وہ فرماتیں ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم برتنوں اور مشکیزوں میں لے کر جاتے تھے۔ آپ اسے مریضوں پر انڈیلتے تھے وہ شفاء یاب ہو جاتے تھے۔''

الطبرانی نے حبیب بن ابی ثابت سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''میں نے حضرت عطاء سے آبِ زمزم لے جانے کے بارے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آبِ زمزم لے کر گئے۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما آبِ زمزم لے کر گئے۔

فائدہ

آئمہ اربعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آبِ زمزم کو منتقل کرنا جائز ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ شوافع نے آبِ زمزم اور حرم کے پتھر منتقل کرنے میں فرق کیا ہے۔ حرم کے پتھروں کو منتقل کرنا جائز نہیں۔ جبکہ آبِ زمزم لے جانا جائز ہے، کیونکہ زمزم ایسی چیز نہیں جو زائل ہو جائے تو پھر نہ ملے۔ امام شافعی نے یہ فرق کیا ہے۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

آبِ زمزم کی بعض خصوصیات

1. آبِ زمزم سے بخار اتر جاتا ہے۔ جس طرح کہ حضور ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔ (سنن النسائی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)
2. اس سے سر درد ختم ہو جاتا ہے۔ یہ حضرت ضحاک کا قول ہے۔
3. یہ شرعی اور طبی طور پر زمین کے سارے پانیوں سے افضل ہے۔ شیخ بدر الدین بن صاحب نے فرمایا: میں نے آبِ زمزم کا مکہ مکرمہ کے دوسرے چشمے کے پانی کے ساتھ موازنہ کیا۔ میں نے آبِ زمزم کو دوسرے پانی سے چارگنا وزنی پایا۔ پھر میں نے اسے طب کی کسوٹی پر پرکھا تو میں نے پایا کہ یہ طبی اور شرعی اعتبار سے سارے پانیوں سے افضل ہے۔ شیخ الاسلام البلقینی نے کہا ہے: "یہ جنت کے پانی سے بھی افضل ہے۔" اس کی مزید تفصیل "شق صدر" کے باب میں آئے گی۔
4. یہ شعبان کی نصف شب برات کو میٹھا اور عمدہ ہو جاتا ہے۔ یہ قول ابن الحاج نے مناسک میں کیا ہے۔ انہوں نے اسے مکی بن ابی طالب سے نقل کیا ہے۔ شیخ مکی بن ابی طالب نے کہا ہے۔ "پندرہ شعبان کو آبِ زمزم میٹھا اور عمدہ ہو جاتا ہے یہ خوشگوار ہو جاتا ہے۔ اہلِ مکہ کہتے ہیں اور اس رات کو اس کے ساتھ سلوان کا چشمہ مل جاتا ہے۔ وہ اس رات پانی حاصل کرنے کے لیے۔ بہت سے اموال خرچ کرتے ہیں۔ پانی پر بھیڑ بن جاتی ہے۔ صرف شرف و قدر والے لوگ ہی پانی تک جا سکتے ہیں۔ میں تین سال سے یہ مشاہدہ کر رہا ہوں۔
5. سال میں پندرہ شعبان کو یہ پانی زیادہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ کنوؤں کا پانی کم ہو جاتا ہے۔ یہ عارف لوگ ہی مشاہدہ کرتے ہیں۔ شیخ صالح ابوالحسن بکر باج رحمہ اللہ نے اس کا مشاہدہ کیا تھا۔
6. اس کی زیارت سے نظر کو تقویت نصیب ہوتی ہے۔ (الضحاک)
7. یہ خطائیں اور لغزشیں معاف کرا دیتا ہے۔ اس کا تذکرہ ابوالحسن محمد بن مرزوق الزعفرانی نے "مناسک" میں کیا ہے۔ ازرقی نے حضرت مکحول سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "زمزم کی زیارت عبادت ہے، یہ خطائیں مٹا دیتا ہے۔"

۶ رب تعالیٰ نے اسے قدرے نمکین بنایا ہے۔ جس سے ایمان کے نمک کو جلا ملتی ہے۔ اگر اسے بہت زیادہ میٹھا بنا دیتا تو یہ انسانی فطرت پر غالب آجاتا۔ اسی طرح ابو العلاء المعرّی کے اس قول کا رد ہو جاتا ہے۔

لك الحمد امواه البلاد باسرها عذاب و خصت بالملوحة زمزم

ترجمہ: "تیرے لیے ہی تعریف ہے سارے شہروں کے پانی میٹھے ہیں۔ جبکہ آبِ زمزم کو نمک کے ساتھ مختص کیا ہے۔"

۹ جس نے اسے اپنے سر پر تین چلو بھر کر انڈیلا اسے ذلت و رسوائی کا کبھی بھی سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ علامہ فاکہی نے اہلِ روم کے بعض بادشاہوں سے نقل کیا ہے کہ یہ بات ان کی کتب میں ہے۔

آبِ زمزم کے بعض اسماء

علامہ فاکہی نے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا: "آبِ زمزم کے یہ نام ہیں: (۱) زمزم (۲) ھزمۃ جبرائیل (۳) سقیا اسماعیل (۴) لا تنزف ولا تذم (۵) برکۃ، سیدہ (۷) نافعہ (۸) مضنونہ (۹) عونۃ (۱۰) بشریٰ (۱۱) صافیہ (۱۲) برہ (۱۳) عصمۃ (۱۴) سالمہ (۱۵) میمونہ (۱۶) مبارکہ (۱۷) کافیہ (۱۸) عافیہ (۱۹) مغذیہ (۲۰) طاھرہ (۲۱) حرمۃ (۲۲) مرویہ (۲۳) مؤنسہ (۲۴) طعام (۲۵) شفاء سقم

بعض علماء نے یہ اضافہ کیا ہے۔ طیبہ، تکتم، شباعۃ العیال، شراب الابرار، قریۃ النمل، نقرۃ الغراب الاعصم، ھزمۃ اسماعیل، حضرۃ العباس۔

یاقوت نے اس نام کا تذکرہ المشترک میں کیا ہے۔ ھمزۃ جبریل۔

علامہ بکری نے "الشیاعۃ" کا اضافہ کیا ہے۔

رکضۃ جبریل، حفیرۃ عبد المطلب، یہ حضرت ابو عمر الزاہد سے نقل کیا گیا ہے۔

"الزھر" میں ابن سید نے زمم، شبعۃ اور حفیرۃ عبد المطلب کا اضافہ کیا ہے۔ ابن خالویہ نے اپنی کتاب "لیس" میں "مکنونہ" اور "مکتومہ" کا اضافہ کیا ہے۔

✿✿✿

آٹھواں باب

حضرت عبدالمطلب کے ہاتھوں آبِ زمزم کی تجدید

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آبِ زمزم حضرت اسماعیل کا چشمہ ہے۔ حضرت جبرائیل نے اسے اپنی ایڑی سے رواں فرمایا تھا۔ ہاتھ یا ان کے علاوہ کسی اور عضو سے جاری نہ فرمایا۔ یہ اس طرف اشارہ تھا یہ وراثت میں ان کی اولاد میں جاری رہے گا۔ اس سے مراد حضور کریم ﷺ اور آپ کی امت ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ۔ (الزخرف:۲۸)

ترجمہ: "اور آپ نے بنا دیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں۔"

اس سے مراد حضور ﷺ کی امت ہے۔ زمزم ایک رواں چشمہ رہا۔ مکہ مکرمہ کے باشندے اس سے فائدہ حاصل کرتے رہے۔ جب اللہ رب العزت نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وصال فرمایا تو ان کے بعد ان کے نورِ نظر حضرت نابت بیت اللہ کے ولی بنے۔ وہ جب تک رب تعالیٰ نے چاہا بیت اللہ کے ولی رہے۔ پھر یہ ولایت مضاض بن عمرو الجرھمی اور بنو اسماعیل اور بنو نابت کے حصے میں آئی۔ وہ اپنے نانا اور بنو جرہم میں سے اپنے ماموؤں کے ساتھ ولایت کے منصب پر فائز رہے۔ پھر رب تعالیٰ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ میں پھیلا دیا۔ ان کے ننھال بنو جرہم بیت اللہ کے والی اور مکہ مکرمہ کے احکام بن گئے۔ اولاد اسماعیل اپنے ننھال اور رشتہ داری کی وجہ سے ان سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ وہ یہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں بغاوت یا قتل و غارت ہو۔

پھر بنو جرہم نے مکہ مکرمہ میں بغاوت کا آغاز کر دیا۔ وہ حرم پاک کی معزز اشیاء کو حلال سمجھنے لگے۔ جو ان کے اہل کے علاوہ جو مکہ مکرمہ میں داخل ہوتا وہ اس پر ظلم کرتے۔ جو مال خانہ کعبہ کے لیے بطور ہدیہ دیا جاتا وہ اسے ہڑپ کر جاتے۔ ان کے امور منتشر ہو گئے۔ جب کنانہ میں سے بنو بکر بن عبد مناۃ اور غبشان میں سے خزاعہ نے یہ امر دیکھا تو انہوں نے ان کے ساتھ جنگ کرنے پر اتفاق کر لیا تاکہ انہیں مکہ مکرمہ میں سے نکال دیں۔ انہوں نے ان کو جنگ کے بارے آگاہ کیا۔ باہم قتال ہوا۔ بنو بکر اور غبشان ان پر غالب آ گئے۔ انہوں نے ان کو مکہ مکرمہ سے جلا وطن کر دیا۔ زمانہ جاہلیت میں مکہ مکرمہ میں ظلم اور بغاوت نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ جو اس میں بغاوت کرتا تھا مکہ مکرمہ اسے باہر نکال پھینکتا تھا۔ جو بادشاہ بھی اس کی حرمت کو حلال کرنے کا ارادہ کرتا اسے اسی جگہ ہلاک کر دیا جاتا۔ عمرو بن حارث بن مضاض خانہ کعبہ کے

دو ہرن اور حجر اسود کو لے کر نکلا۔ اس نے ہرنوں کو زمزم کے کنوئیں میں چھپا کر اسے بھر دیا۔ پھر مدت مدید گزر گئی حتیٰ کہ وہ جگہ بھی بھول گئی جہاں چشمہ زمزم تھا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کے لیے اس کی نشاندہی کی۔ عمرو بن حارث بنو جرہم کو لے کر یمن چلا گیا۔

حضرت عبدالمطلب کی کھدائی

حضرت عبدالمطلب کی زمزم کی کھدائی کا قصہ ابن اسحاق نے حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب حطیم میں سوئے ہوئے تھے۔ ان کے پاس کوئی آیا اور ان سے کہا گیا "برہ کو کھود و۔" انہوں نے کہا: "برہ کیا ہے؟" وہ آدمی چلا گیا۔ دوسر روز جب وہ سوئے ہوئے تھے تو ایک شخص ان کے پاس آیا۔ انہیں کہا: "المضنو یہ کو کھود و۔" انہوں نے پوچھا: "مضنو نہ کیا ہے؟" وہ شخص پھر چلا گیا۔ تیسرے روز وہ اپنے بستر میں سوئے تو ان سے کہا گیا: "طیبہ" کو کھود و۔" انہوں نے پوچھا: "طیبہ کیا ہے؟" اس نے کہا: "یہ وہ چشمہ ہے جو نہ تو کبھی خشک ہوگا۔ نہ اس کی مذمت کی جائے گی۔ حاجیوں کے بڑے بڑے گروہ اس سے سیراب ہوں گے۔

ثُمَّ ادْعُ بِالْمَاءِ الرَّوِيِّ غَيْرِ الْكَدِرْ يَسْقِي حَجِيجَ اللّٰهِ فِي كُلِّ مُبَرّْ

لَيْسَ يُخَافُ مِنْهُ شَيْءٌ مَا عَمَرْ

ترجمہ: "پھر پانی زیادہ ہو جانے کی دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ سارے مناسک میں حاجیوں کو سیراب کرتا رہے گا۔
جب تک آب زمزم برقرار رہے گا اس کی وجہ سے کسی کو کسی اذیت کا اندیشہ نہیں۔"

اس وقت حضرت عبدالمطلب قریش کے پاس گئے۔ انہیں فرمایا: "کیا تمہیں علم ہے کہ مجھے زمزم کی کھدائی کا حکم دیا گیا ہے۔" قریش نے پوچھا: "کیا تمہارے لیے بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ کہاں ہے؟" حضرت عبدالمطلب: "نہیں۔" قریش: "اپنے بستر کے پاس لوٹ جائیں جب یہ تم نے یہ خواب دیکھا ہے۔ اگر یہ رب تعالیٰ کی طرف سے حق ہوا تو عنقریب یہ تفصیل تم سے بیان کر دی جائے گی۔ اگر یہ شیطان کی طرف سے ہوا تو پھر یہ خواب دوبارہ نہیں آئے گا۔" حضرت عبدالمطلب اپنے بستر کی طرف آ گئے۔ اس میں سو گئے۔ انہوں نے التجا کی: "مولا! مجھے ساری تفصیلات سے آگاہ کر۔" انہیں خواب آیا۔ انہیں کہا گیا: "تکتم کو کھود و۔" یہ انہیں کہا گیا: "زمزم کو کھود و۔ اگر تم نے اسے کھودا تو تمہاری مذمت نہیں کی جائے گی۔ یہ تمہارے جد اعلیٰ کی وراثت ہے۔ یہ نہ تو کبھی خشک ہوگا نہ اس کی مذمت بیان کی جائے گی۔ یہ بڑے بڑے حاجیوں کے گروہوں کو سیراب کر دے گا۔ یہ اس بڑے شتر مرغ کی طرح ہوگا جس کا گوشت تقسیم نہ کیا جائے۔ اس میں بکریاں چروانے کا حکم نافذ ہوگا۔ یہ میراث اور محکم عقد ہوگا یہ اس طرح نہیں جس طرح کہ تم جانتے ہو۔" حضرت عبدالمطلب نے پوچھا: "یہ کہاں ہے؟" ان سے کہا گیا: "یہ لید اور خون کے مابین ہے۔ یہ اعصم کو لے (جس کے پروں پر سفیدی ہو)

کو کرید نے کی جگہ پر چیونٹیوں کے سوراخ کے قریب ہے۔"

حضرت عبدالمطلب اٹھے۔ چلے مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ ان علامات کا انتظار کرنے لگے جو انہیں بتائی گئی تھیں۔ حزورۃ میں ایک گائے ذبح کی گئی۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے قصاب سے بھاگ کر آگئی حتیٰ کہ مسجد حرام میں اسکی جگہ لگی جو دو بتوں اساف اور نائلہ کے پاس تھی۔ اس جگہ ہی اس گائے کو ذبح کیا گیا۔ اس کا گوشت اٹھا کر لے جایا گیا۔ ایک کوا اڑتا ہوا آیا۔ حتیٰ کہ وہ لید پر گرا اور چیونٹیوں کی بستی کو روندھنے لگا۔ حضرت عبدالمطلب اٹھے۔ اس جگہ کھدائی کرنے لگے۔ ان کے ہمراہ ان کا نور نظر حارث بھی تھا۔ حارث کے علاوہ اور کوئی بیٹا نہ تھا۔ قریش ان کے پاس آئے۔ ان سے پوچھا: "کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "مجھے زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا گیا ہے۔" جب حضرت عبدالمطلب کے لیے سب کچھ عیاں ہو گیا تو انہوں نے کنواں دیکھا تو باآواز بلند تکبیر کہی۔ قریش جان گئے کہ عبدالمطلب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ وہ ان کے پاس گئے۔ ان سے کہا: "عبدالمطلب! یہ ہمارے باپ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے اس میں ہمارا بھی حق ہے ہم کو بھی اس میں شریک کرلو۔" انہوں نے فرمایا: "میں اس طرح نہیں کروں گا۔ یہ امر تمہیں چھوڑ کر میرے ساتھ مختص کیا گیا ہے۔" قریش: "ہم کسی کو ثالث بنا لیتے ہیں۔" عبدالمطلب: "ضرور۔" قریش: "ہمارے اور تمہارے مابین بنو سعد بن ھذیم کی کاہنہ فیصلہ کرے گی۔" یہ شام کی باسی تھی۔ حضرت عبدالمطلب بنو امیہ کے ہمراہ عازم سفر ہوئے قریش کے ہر قبیلہ میں سے چند چند افراد ساتھ تھے۔ شام اور حجاز کے مابین ریگستان تھا۔ جب وہ اس ریگستان تک پہنچے تو حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کے پاس پانی ختم ہو گیا حتیٰ کہ ان کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ انہوں نے اپنی قوم سے پانی مانگا۔ انہوں نے کہا: "ہم تمہیں پانی نہیں دے سکتے۔ ہمیں بھی تمہاری طرح پانی کی قلت کا خطرہ ہے۔" حضرت عبدالمطلب نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "تمہاری کیا رائے ہے؟" انہوں نے کہا: "ہماری رائے وہی ہے جو آپ کی رائے ہے۔" انہوں نے کہا: "میری رائے تو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی اپنی قبر کھود لے۔ تم میں سے جب کوئی مر جائے گا تو اس کے ساتھی اسے اس کی قبر میں دفن کر دیں گے۔ حتیٰ کہ تم میں سے آخری شخص اپنے ساتھی کو دفن کر دے گا۔ ایک شخص کا ضائع ہو جانا سب کے ضائع ہو جانے سے آسان ہے۔" انہوں نے اسی طرح کیا۔ پھر انہوں نے کہا: "بخدا! خود کو یوں موت کے آگے پھینک دینا اور پانی تلاش نہ کرنا کمزوری ہے، پانی تلاش کرو، شاید رب تعالیٰ ہمیں سیراب کر دے۔ روانہ ہو جاؤ۔" سارے ساتھی بھی عازم سفر ہو گئے اور حضرت عبدالمطلب بھی رواں ہونے لگے جب اپنی اونٹنی پر بیٹھ گئے اسے اٹھایا تو اس کے قدموں کے نیچے میٹھے پانی کا چشمہ رواں ہو گیا۔ حضرت عبدالمطلب نے تکبیر کہی۔ ان کے ساتھیوں نے بھی تکبیر کہی۔ پھر وہ نیچے اترے خود بھی پانی پیا۔ اپنے ساتھیوں کو بھی پانی پلایا۔ پھر قبائل کو بلایا۔ ان سے فرمایا: "پانی کی طرف آؤ۔ رب تعالیٰ نے ہمیں پانی عطا فرمایا ہے۔ قریش نے کہا: "اے عبدالمطلب! رب تعالیٰ نے تمہارے حق میں فیصلہ کر دیا ہے۔ ہم زمزم کے متعلق کبھی تم سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ جس ذات والا نے تمہیں اس صحرا میں پانی پلایا ہے اسکا

نے تمہیں زمزم پلانا ہے۔تم اپنے چشمے کی طرف لوٹ چلو وہ کاہنہ تک نہ پہنچے۔ وہ چشمۂ زمزم اور حضرت عبدالمطلب کے درمیان سے ہٹ گئے۔ حضرت عبدالمطلب واپس آ گئے، انہوں نے زمزم کی کھدائی کو مکمل کیا۔اس کے اردگرد حوض بنایا، جس کو وہ بھرتے تھے۔ اور اسے حاجیوں کو پلاتے تھے۔ قریش کے لوگ رات کے وقت حسد کرتے ہوئے وہ حوض گرا دیتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب صبح اسے درست کر دیتے تھے، جب یہ فساد زیادہ ہو گیا تو حضرت عبدالمطلب نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ انہوں نے خواب دیکھا انہیں کہا گیا یوں کہو: "مولا! میں اسے غسل کرنے کے لیے حلال نہیں کرتا بلکہ یہ پانی پینے والے کے لیے حلال اور شفا یابی عطا کرنے والا ہے۔" حضرت عبدالمطلب اٹھے۔ اسی طرح صدا دی پھر واپس آ گئے۔ اب جو شخص بھی ان کا حوض خراب کرنے کی کوشش کرتا اس کا جسم مرض میں مبتلا ہو جاتا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ان کا حوض اور چشمہ چھوڑ دیا۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے چشمۂ زمزم میں سونے کے دو ہرن پائے۔ یہ وہی ہرن تھے جنہیں بنو جرہم جاتی دفعہ دفن کر کے گئے تھے۔ انہوں نے اس میں عمدہ تلواریں اور زرہیں پائیں قریش نے ان سے کہا: "عبدالمطلب! ان اشیاء میں ہمارا بھی حق ہے۔" انہوں نے کہا: "نہیں۔ لیکن اس معاملہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین انصاف کر دے گا۔ ہم ان اشیاء پر قرعہ اندازی کر لیتے ہیں۔" قریش: وہ کیسے؟" عبدالمطلب: "میں خانہ کعبہ کے لیے دو تیر، اپنے لیے دو تیر اور تمہارے لیے دو تیر مقرر کر لیتا ہوں۔ جس چیز پر جس کا قرعہ نکل آیا وہ اسی کی ہو گی۔ جس کا قرعہ نہ نکلا اس کے لیے کچھ بھی نہ ہو گا۔" قریش: "یہ تم نے انصاف کیا ہے۔" انہوں نے دو زرد تیر خانہ کعبہ کے لیے مقرر کیا۔ دو سیاہ تیر اپنے لیے جبکہ دو سفید تیر قریش کے لیے نکالے۔ پھر اس قرعہ اندازی کرنے والے کو دیے جو ہبل کے پاس قرعہ اندازی کرتا تھا۔ حضرت عبدالمطلب دعا کرنے کے لیے اٹھے۔ قرعہ انداز قرعے پھینکنے لگا۔ دو زرد تیر ہرنوں پر نکلے دو سیاہ تیر تلواروں اور زرھوں کے لیے نکلے۔ قریش کے نام پر کوئی قرعہ نہ نکلا۔ حضرت عبدالمطلب نے تلواروں سے خانہ کعبہ کا دروازہ بنایا۔ دروازے میں ہرنوں کا سونا استعمال کیا۔ یہ پہلا سونا تھا۔ جو خانہ کعبہ کے لیے وقف کیا گیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "جب حضرت عبدالمطلب نے کنواں کھودا۔ رب تعالیٰ نے چشمۂ زمزم کی طرف ان کی راہ نمائی کی۔ ان کو اس شرف کے ساتھ مختص کیا کہ مکہ مکرمہ کے سارے چشمے معطل ہو گئے لوگ اس کی برکت اور فضل و برکت کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ کیونکہ یہ بیت اللہ میں تھا۔ اور یہ چشمہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے رواں ہوا تھا۔

فوائد

1. امام سہیلی نے لکھا ہے: "یہ تلواریں اور ہرن ایران کے بادشاہ ساسان نے خانہ کعبہ کے لیے بھیجے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق سابور نے انہیں بھیجا تھا۔ ایران کے بادشاہوں ابتداء میں ساسان یا سابور کے دور

تک بیت اللہ کا حج کرتے رہے۔

◆ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ تین علامات کے ساتھ حضرت عبدالمطلب کی راہ نمائی کی گئی۔

① سفید پروں والے کوے کی کریدنے کی جگہ سے۔

② یہ گوبر اور خون کے مابین ہے۔

③ چیونٹیوں کے بل کے پاس ہے۔

یہ علامات حکمت الٰہیہ اور اس لطیف مشاکلہ کی وجہ سے متعین کی گئی ہیں، جو علم تعبیر میں درست ہیں۔ زمزم اور اس کے پانی پر پوری طرح صادق آتی ہیں۔ جہاں تک گوبر اور خون کا تعلق ہے تو آبِ زمزم کھانے کے قائم مقام اور مرضوں سے شفاء ہے یہ اس مقصد کے لیے کافی ہو جاتا ہے جس کے لیے اسے پیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے تین شب و روز تک اسکا پانی پیا۔ وہ موٹے ہو گئے ان کے پیٹ کی شکنیں ختم ہو گئیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے بارے فرمایا ہے۔ "جب تم میں سے کوئی دودھ پیے تو یوں کہے: "مولا! ہمارے لیے اس میں برکت ڈال دے۔ ہمارے لیے اس میں اضافہ فرما دے۔ دودھ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جو کھانے اور پینے کے قائم مقام ہو سکے۔" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ (النحل: ۶۶)

ترجمہ: "جو ان کے شکموں میں گوبر اور خون ہے ان کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لیے۔"

یہ مبارک چشمہ گوبر اور خون کے درمیان سے ظاہر ہوا۔ یہ دلائل اس کے معنی کے ساتھ مشاکلت رکھتے ہیں۔ جہاں تک کوے کا تعلق ہے۔ اس کی تاویل فاسق سے کی گئی ہے یہ سیاہ ہوتا ہے۔ کعبہ کے پاس اس کا کریدنا اس سیاہ حبشی کے کریدنے پر دلالت کرتا ہے۔ جو اپنی کدال کے ساتھ آخری زمانہ میں بیت اللہ کو گرا دے گا۔ گویا کوے کا کریدنا اس برے فعل کی عکاسی کر رہا ہے جو آخری زمانہ میں فاسق رحمٰن کے قبلہ اور اہلِ ایمان کے چشمہ کے ساتھ کرے گا۔ اس وقت قرآن پاک کو اٹھا لیا جائے گا اور دوبارہ بتوں کی عبادت کی جائے گی۔

صحیح روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی اسے خراب کرے گا۔" اس کے وصف میں "افحج" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے اس طرح کوا کو دیکھیں تو وہ "اعصم" ہے "افحج" ٹانگوں کے مابین فاصلے کو کہتے ہیں جس طرح "العصم" میں اختلاف ہے۔ اسی طرح قباعد میں بھی اختلاف ہے۔ جو چھوٹی پنڈلیوں سے معلوم ہو جاتا ہے جس طرح کہ کہا جاتا ہے کہ اعصم وہ کوا ہوتا ہے جس کی پنڈلیاں اسی طرح کی ہوں۔ یہ علم تعبیر ہے کیونکہ یہ خواب ہے۔

اسی طرح چیونٹیوں کے بل میں بھی مشاکلت پائی جاتی ہے کیونکہ زمزم مکہ مکرمہ کا چشمہ ہے جہاں حاجی اور عمرہ

کرنے والے ہر طرف سے جاتے ہیں۔ وہ اس کے لیے جو اور گندم لے کر جاتے ہیں۔ وہاں کاشتکاری نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ۔ (ابراہیم: ۳۷)

ترجمہ: "اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں۔"

چیونٹیوں کی بستی بھی اسی طرح ہے کیونکہ چیونٹیاں نہ کاشت کرتی ہیں نہ دانا بوتی ہیں۔ غلہ ہر سمت سے ان کے بل کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ اس طرح مکہ مکرمہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ۔ (النحل: ۱۱۲)

ترجمہ: "اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن (اور) چین سے (آباد) تھی آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے۔"

اسی طرح قریۃ کا لفظ "قریت الماء فی الحوض" حوض میں پانی جمع کرنے سے مشتق ہے خوابوں کی تعبیر کبھی لفظوں میں اور کبھی معنی میں کی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ نے اس تعبیر میں لفظ اور معنی دونوں کو جمع کر دیا۔

۳ علامہ زمخشری نے "ربیع الابرار" میں لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل نے آبِ زمزم کو دو بار جاری کیا۔ ایک دفعہ حضرت آدم کے لیے۔ یہ طوفان کے زمانہ میں منقطع ہو گیا۔ پھر حضرت اسماعیل کے لیے۔ "الزہر" میں ہے خویلد بن اسد کے یہ اشعار بھی اس کی تائید کرتے ہیں جو اس نے حضرت عبدالمطلب کی شان میں کہے تھے:

اقول ما قولی علیھم بسبة　　　الیك ابن سلمی انت حافر زمزم

ترجمہ: "میں کہتا ہوں میرا یہ کہنا تمہارے لیے گالی نہیں اے ابن سلمیٰ! تم نے ہی چشمۂ زمزم کھودا تھا۔"

رکیة ابراھم یوم ابن ھاجر　　　و رکفة جبرائیل علی عھد آدم

ترجمہ: "یہ حضرت ہاجرہ کے لختِ جگر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کنواں تھا۔ اور حضرت آدم کے وقت یہ حضرت جبرائیل کا چشمہ تھا۔"

✿✿✿

ساتواں باب

مکہ مکرمہ اور حرم پاک کے بعض نام

امام نووی نے لکھا ہے کہ شہروں میں سے کوئی ایسا شہر نہیں جس کے نام مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ سے زیادہ ہوں۔ کیونکہ یہ دونوں شہر سارے شہروں سے افضل ہیں۔ بعض اسمائے مبارکہ درج ذیل ہیں:

۱ البائسہ

علامہ مجاہد نے فرمایا ہے کہ یہ اس کا نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ اس شخص کو ہلاک کر دیتا ہے جو اس میں الحاد کرتا ہے۔

۲ برّہ

ابن خلیل نے یہ نام علامہ زرکشی سے نقل کیا ہے۔

۳ باسق

ابن رشیق نے اس کا تذکرہ "العمدۃ" میں کیا ہے۔ شفاء الغرام میں ہے کہ عرفات کا پہاڑ اور حجاز کی وادی کا نام ہے۔

۴ بکّہ

یہ مکہ ہی ہے۔ میم کی جگہ الباء کو رکھ دیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ ۔ (آل عمران: ۹۶)

ترجمہ: "بے شک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے۔"

پھر فرمایا: "ببطن مکۃ"

علامہ عطیہ نے فرمایا ہے کہ بیت اللہ کی جگہ کو بکہ اور اس کے اردگرد کو مکہ کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے۔

عکرمہ نے کہا ہے کہ بیت اللہ کا اردگرد بکہ اور اس کے پرے مکہ ہے۔

ابو عبیدہ نے لکھا ہے بکہ مکہ کی وادی کا نام ہے۔

علامہ بکری نے لکھا ہے کہ اہل لغت فرماتے ہیں کہ مکہ اور بکہ ایک ہی جگہ کے نام ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ دو اسم ہیں جن کے معانی ایک چیز پر واقع ہوتے ہیں۔ مکہ کو اس کے قلیل پانی کی وجہ سے مکہ کہا جاتا ہے اور بکہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں لوگوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔

علامہ زرکشی نے اعلام میں اور الفاسی نے شفاء الغرام میں لکھا ہے کیونکہ یہ ان جابروں کی گردنیں توڑ دیتا ہے۔ جو اس میں الحاد کرتے ہیں۔ وہ اس میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔ بالآخر خشوع و خضوع کرتے ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ متکبرین کی نخوت ختم کر دیتا ہے۔

۵ البلد

ارشادِ ربانی ہے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱ (بلد:۱)

ترجمہ: "میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی۔"

ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "البلد" سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲ (بلد:۲)

ترجمہ: "دراں حالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں۔"

اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا ہے، رب تعالیٰ فتح مکہ کے روز آپ کے لیے حلال کر دیا تھا کہ آپ جسے چاہیں تہ تیغ کر دیں جسے چاہیں زندہ رکھیں۔

۶ بلد اللہ

کیونکہ رب تعالیٰ نے دیگر شہروں کو چھوڑ کر اسے پسند فرمایا ہے۔

۷ البلدہ

ارشادِ ربانی ہے:

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝۱۵ (سبا:۱۵)

ترجمہ: "اتنا پاکیزہ شہر اور ایسا رب غفور (اہلِ سبا تمہاری خوش بختی کا کیا کہنا)

یاقوت نے المشترک میں لکھا ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ. (النمل:۹۱)

ترجمہ: "مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے میں عبادت کروں اس (مقدس) شہر کے رب کی۔"

علامہ واحدی اور ابن برجان نے لکھا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے اسی طرح عبد بن حمید نے قتادہ سے اور د بن منذر نے جریج سے نقل کیا ہے کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اس سے مراد مکہ ہے۔

۸ البلد الحرام

یہ اسے مکہ کی حرمت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

۹ البلد الامین

کیونکہ اس میں قتال حرام ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ ۝۳ (التین:۳)

ترجمہ: "(قسم ہے) اور اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی۔"

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت طیبہ کے بارے پوچھا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد مکہ ہے۔" (الطبرانی فی الاوسط)

ابن عباس، ابن جریر، ابن ابی حاتم نے اسی طرح فرمایا۔ اس میں مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۱۰ الثنیہ

علامہ زرکشی نے یہ ذکر کیا ہے۔ علامہ یاقوت نے المشترک میں لکھا ہے کہ یہ ثنیۃ البیضاء ہے۔ یہ وہ گھاٹی ہے جو تمہیں فتح کی طرف لے جائے گی۔ جبکہ تم مدینہ طیبہ کی طرف رخ کیے ہو۔ تم ذی طویٰ کی سمت سے مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں جاؤ، انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ مکہ مکرمہ کا نام ثنیہ ہے۔

۱۱ الحاطمۃ

یہ نام ارزقی اور امام نووی نے تحریر کیا ہے کیونکہ یہ ملحدوں کی گردنیں توڑ دیتا ہے۔

۱۲ الحرم

سلیمان بن خلیل نے اس کا تذکرہ اپنے "مناسک" میں کیا ہے۔ اسی طرح اسے الحُرمۃ یا الحرمۃ کہا جاتا ہے۔

۱۳ الراس

امام نووی نے لکھا ہے کیونکہ یہ سارے روئے زمین سے افضل ہے۔ جس طرح کہ انسان کا سر افضل ہے۔ کراع نے کہا ہے:

فی الراس آیات لمن کان ذا حِجیً و فی مدین العلیا و فی موضع الحجر

۱۴ الرِّتاج

اس کا تذکرہ علامہ طبری نے کہا ہے۔ زرکشی نے لکھا ہے کہ اس کا معنی دروازہ ہے۔ خلیل نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ لیا جاتا ہے۔ حدیث پاک ہے:

جعل ماله رتاج الكعبة۔

اس نے اپنا مال مکہ کے لیے وقف کر دیا۔ اس کو دروازہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اسی سے داخل ہوا جاتا ہے۔

۱۵ سبوحۃ

شفاء الغرام میں اس کا تذکرہ ہے۔ اس کا معنی البلد الحرام ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ عرفات کی وادی کا نام ہے۔

۱۶ سلام

۱۷ السبل

اس کا تذکرہ صاحب القاموس نے کیا ہے۔

۱۸ صلاح

امام نووی نے لکھا ہے کہ اس کے امن کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ زرکشی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ کیونکہ اس میں لوگوں کی اصلاح ہے یا اس میں نیک اعمال سرانجام دیے جاتے ہیں۔

۱۹ طیبہ

۲۰ العذراء

کیونکہ تو اس جگہ کسی ناپسندیدہ امر سے نہیں ملے گا۔

۲۱ العرش

۲۲ العریش

ابن سیدہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے کیونکہ اس میں کھجوروں کو نصب کیا جاتا ہے اور ان سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔ زرکشی نے لکھا ہے کیونکہ اس میں بہت زیادہ عریش پائے جاتے ہیں۔

۲۳ العروض

اس کا تذکرہ تعبیر میں کیا گیا ہے۔ صحاح میں ہے: عرّض الرجل اذاتی العروض۔ اس سے مراد مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور اس کا اردگرد ہے۔

۲۴ فاران

المشترک میں ہے کہ فاران مکہ مکرمہ کا پہاڑ ہے۔ یا حجاز کے پہاڑ کا نام ہے۔ اس کا تذکرہ تورات میں بھی ہے۔ اس کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

۲۵ المقدسہ، القادس، القادسیہ

یہ بھی اس کے نام ہیں۔ جو القدس (پاکیزہ) سے مشتق ہیں کیونکہ یہ شہر گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ پہلا نام ابن جماعۃ نے لکھا ہے دوسرا اور تیسرا ابن قرقول نے لکھا ہے۔ زرکشی نے تیسرا اور الفاسی نے چوتھا نام لکھا ہے۔

۲۶ قریۃ الحمس

یہ احمس کی جمع ہے۔ اس سے مراد قریش ہیں، یا جسے قریش، کنانہ، جدیلہ اور قیس جنم دیں۔ انہیں حمس اس لیے کہا جاتا تھا کیونکہ یہ اپنے دین میں شدت اختیار کرتے تھے۔ الحماسہ شجاعت کو کہا جاتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل بعد میں آئے گی۔

۲۷ قریۃ النمل

یہ دونوں نام صاحب القاموس نے ذکر کیے ہیں۔ شفاء الغرام میں ہے کہ قریۃ النمل اور نقرۃ الغراب۔ یہ دونوں علامات حضرت عبدالمطلب کو اس وقت دکھائی گئیں تھیں جب انہیں آبِ زمزم کھودنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بعض نے مجازی طور پر انہیں آبِ زمزم کے نام شمار کیا ہے۔ اگر ہمارے شیخ انہیں اسم سمجھتے تو ان سے مکہ مکرمہ کے اسی طرح نام رکھے جا سکتے ہیں جس طرح کل کا نام بعض رکھا جا سکتا ہے۔ یہ جائز ہے اس طرح مکہ مکرمہ کو صفا، مروہ اور حجون کہنا بھی جائز ہے

اگر ہمارے شیخ ملاحظہ کرتے کہ قریۃ الحمس مکہ کا نام ہے کیونکہ حمس مکہ کے باشندوں کو کہتے ہیں تو اسی طرح اس شہر کو قریۃ العمالیق اور قریۃ جرہم کہنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ حمس سے قبل یہی یہاں کے باشندے تھے۔ مگر قریۃ النمل، نقرۃ الغراب اور قریۃ الحمس لغت کی کتب سے منقول ہے۔ اس پر دوسرے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

۲۷ القریۃ

اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً۔ (النحل:۱۱۲)

ترجمہ: "اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ ہے کہ ایک بستی تھی۔"

مجاہد نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے۔

۲۸ کوثیٰ

ازرقی نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ امام سہیلی نے اسے یقین کے ساتھ کہا ہے۔ المطالع میں ہے۔ "اس میں ایک حصہ ہے جس پر اس کا نام رکھا گیا ہے۔" فاکہی نے کہا ہے کہ کوثیٰ قیقعان کے کنارے پر ہے۔ یا منیٰ کا پہاڑ کوثیٰ ہے۔

۲۹ مامون

امام زرکشی نے اس کا تذکرہ کیا ابن دحیہ نے لکھا ہے کیونکہ اس میں قتال حرام ہے۔

۳۰ مخرج صدق

زبیر بن بکار نے اخبار مدینہ میں حضرت زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو مدخل صدق اور مکہ مکرمہ کو مخرج صدق بنایا ہے۔

۳۱ مسجد حرام

حضرت ابن عباس نے روایت کیا ہے حرم سارے کا سارا مسجد حرام ہے۔ اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

۳۲ المعاد

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۔ (القصص:۸۵)

ترجمہ: "(اے محبوب) یقیناً وہ (قادر مطلق) جس نے آپ پر قرآن کی تبلیغ فرض کی ہے آپ کو واپس لے

جائے گا جہاں آپ چاہتے ہیں۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

۳۳ المکتان

شیخ برھان الدین قیراطی نے اسماء مکہ کے قصیدہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ شفاء الغرام میں ہے: "شاید انہوں نے ورقہ بن نوفل کے اس شعر سے استدلال کیا ہو:

ارٰی الامر لا یزداد الا تفاقماً والضارنا بالمکتین قلیل

ترجمہ: "میں دیکھتا ہوں کہ معاملہ خطرناک ہو رہا ہے، اور مکتین میں ہمارے مددگار کم ہیں۔"

اس کی مزید تفصیل عنقریب آئے گی۔

۳۴ مکہ

مکہ کو مکہ کیوں کہا جاتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کیونکہ یہ جابر لوگوں کی نخوت ختم کر دیتا ہے یا اس لیے کہ یہ فاجروں کو باہر نکال دیتا ہے۔ یا اس لیے کہ یہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یا اس لیے کہ اس کا پانی کم ہے۔ یا اس لیے کہ یہ سارے گناہ مٹا دیتا ہے۔ یا اس لیے یہ وادی کے دامن میں ہے، بارش کے وقت پانی ادھر آتا ہے جس کی وجہ سے سیلاب آجاتا ہے۔

۳۵ نادر

اسے الزھر میں لکھا گیا ہے۔

۳۶ الناسّہ

اسے ماوردی نے ذکر کیا ہے کیونکہ الحاد کرنے والے کو جلاوطن کر دیتا ہے۔ یا پیاس سے خشک ہو جانے "نس الشیٔ" سے مشتق ہے۔ الصحاح میں ہے کہ مکہ کو اس کے پانی کی قلت کی وجہ سے الناسہ کہا جاتا ہے۔

۳۷ النساسہ

اس کا معنی بھی وہی ہے جو سابقہ نام کا ہے یعنی قلیل پانی کی وجہ سے اسے النساسہ کہا جاتا ہے۔

۳۸ الناشہ

یہ نام "الزھر" میں نقل کیا گیا ہے۔ یعنی اس شخص کو دھتکار دیتا ہے۔

۳۹ الوادی

حضرت عمر فاروق کے کلام میں اس کا تذکرہ ہے۔

۴۰ ام راحم

اس کا تذکرہ شفاء الغرام میں ہے۔ الزہر میں اسے کراع سے نقل کیا گیا ہے۔ ماوردی نے اسے مجاہد سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ لوگ اس میں بھیڑ بناتے ہیں۔

۴۱ ام الرّحم

اس کا معنی وہی ہے جو اس سے پہلے نام کا ہے۔

۴۲ ام الرّحمات

شیخ عبداللہ المرجانی نے اسے ابن عربی سے نقل کیا ہے۔

۴۳ ام روح

رَوح سے مراد رحمت ہے۔ اسے ابن اثیر نے المرصّع میں ذکر کیا ہے۔

۴۴ ام زحم

اسے الرشاطی نے ذکر کیا ہے۔

۴۵ ام صبیح

اسے بھی ابن اثیر نے المرصّع میں ذکر کیا ہے۔

۴۶ ام القریٰ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ (الانعام:۹۲)

علامہ ضحاک نے کہا ہے۔ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ ام القریٰ اسے کیوں کہتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔
ایک قول یہ ہے کیونکہ زمین کو اس کے نیچے بچھایا گیا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، جو پہلے گزر چکا ہے۔
دوسرا قول یہ ہے کیونکہ یہ سارے شہروں سے بڑا اور عظیم ہے۔ کیونکہ اس میں بیت اللہ ہے۔ کیونکہ رسم یہی ہے

کہ بادشاہ اور اس کا شہر سارے مقامات سے مقدم ہوتے ہیں۔ اسے "ام" اس لیے کہا گیا ہے۔ کیونکہ سارے امت اس کی طرف منہ کرتی ہے۔ یا اس لیے کہ ساری بستیوں والے اپنے دین اور دنیا میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۴۲ ام کوثی

اس کا ذکر مرجانی نے کیا ہے۔ مگر اس پر گفتگو نہیں کی۔

✿✿✿

دسواں باب

حرم مکہ اور اسے حرم بنانے کا سبب

حرم مکہ سے مراد وہ جگہ ہے جس نے مکہ مکرمہ کا احاطہ کر رکھا ہے اور جوانب سے اس کا گھیراؤ کر رکھا ہے۔اس کے شرف کی وجہ سے رب تعالیٰ نے اسے حرمت کا مقام عطا فرمایا ہے۔امام نووی نے الایضاح میں لکھا ہے۔"مدینہ طیبہ کے رستے اس کی حد تنعیم ہے، جہاں نفار کے گھر ہیں یہ جگہ مکہ مکرمہ سے تین میل دور ہے۔یمن کے رستے سے یہ لبن گھاٹی میں اضاۃ لبن تک ہے۔یہ جگہ مکہ مکرمہ سے سات میل دور ہے۔عراق کے رستے میں اس کی حد مقطع پہاڑ کی گھاٹی ہے۔یہ جگہ مکہ مکرمہ سے سات میل دور ہے۔جعرانہ کی طرف سے یہ آل عبداللہ بن خالد کی گھاٹی تک ہے، یہ مکہ مکرمہ سے نو میل ہے۔حدود حرم میں نو میل صرف یہ جگہ ہے۔

طائف کے رستہ میں عرفات میں یہ وادی نمرہ تک ہے۔یہ بھی مکہ مکرمہ سے سات میل دور ہے۔جدہ کے رستے میں یہ منقطع الاعشاش تک ہے یہ مکہ مکرمہ سے دس میل دور ہے۔" یہ وہ حد ہے جسے رب تعالیٰ نے حرم بنایا ہے۔اسے حرمت کے ساتھ مختص کیا ہے۔حکم میں سارے شہروں سے جدا رکھا ہے۔علامہ ارزقی نے کتاب مکہ میں یہی حدود لکھی ہیں۔ ہمارے اصحاب نے کتب فقہ میں بھی یہی حدود لکھی ہیں۔مثلاً ماوردی نے "احکام السلطانیہ" میں اس طرح لکھا ہے۔مگر علامہ ازرقی نے طائف کی طرف سے اس حد کے بارے لکھا ہے کہ یہ گیارہ میل ہے۔البتہ جمہور علماء نے اسے سات میل لکھا ہے۔شفاء الغرام میں کہ الفاکہی، ابو القاسم عبید اللہ بن عبداللہ نے اپنی کتاب المسالک میں اسی طرح لکھا ہے۔علامہ ازرقی نے جو کچھ لکھا ہے اس کی مخالفت نہ تو ان سے قبل نہ ہی ہم عصر اور نہ ہی ان کے عہد کے علماء نے کی ہے۔البتہ ماوردی اور صاحب المہذب نے ان کی مخالفت کی ہے۔ایک شاعر نے ان حدود کو اس طرح نظم کیا ہے:

و للحرم التحدید من ارض طیبه ثلاثة اامیال اذا رمت اتقانه

و سبعة امیال عراق و طائف وجُدة عشر و تسع جعرانه

و من یمن سبع بتقدیم سینها لذالك سیل الحل لم یعد بنیانه

ترجمہ: "سرزمین مکہ سے حرم پاک کی حدود ہیں۔جب تم پختگی کا ارادہ کرو تو یہ مدینہ طیبہ کی طرف سے تین میل ہے۔عراق اور طائف کی طرف سے سات میل ہے جدہ کی طرف سے دس اور جعرانہ کی طرف

سے نو میل ہے اور یمن کی طرف سے سات میل ہے۔ جب سین کو مقدم کیا جائے یعنی حل کا سیلاب حرم میں صرف ایک جگہ سے داخل ہوتا ہے۔ وہ جگہ تنعیم ہے۔"

علامہ طبری نے "القری" میں حرم کی حد بندی اور اس میں اختلاف کی چار وجوہات بیان کی ہیں:

1. حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضرت آدم علیہ السلام کو نیچے اتارا گیا تو وہ معذرت کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے۔ چالیس سال بعد رب تعالیٰ نے ان کی طرف جبرائیل کو بھیجا اور فرمایا: "اپنا سر اوپر اٹھائیں میں نے آپ کی توبہ قبول کر لی ہے۔" انہوں نے عرض کی: "مجھے اس طواف کا افسوس ہے جو میں تیرے فرشتوں کے ساتھ تیرے عرش کا کیا کرتا تھا۔" رب تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی۔ "میں عنقریب آپ پر ایک گھر اتاروں گا۔ جسے میں قبلہ بناؤں گا۔" رب تعالیٰ نے بیت المعمور نازل کیا۔ وہ سرخ یاقوت تھا جو بہت زیادہ چمکتا تھا۔ اس کے دو دروازے تھے ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں۔ اس کی دیواروں میں جنت کے سفید یاقوت کے ستارے چمکتے تھے۔ جب یہ گھر زمین پر آ گیا تو اس کے نور نے مشرق و مغرب کو جگمگا دیا۔ جنات اور شیاطین گھبرا کر بھاگ گئے۔ وہ فضا میں بلند ہوئے۔ تاکہ دیکھیں کہ یہ نور کہاں سے نکل رہا ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ مکہ مکرمہ سے نکل رہا تھا، تو وہ اس کے قریب ہونے کے لیے آئے۔ رب تعالیٰ نے ملائکہ بھیجے۔ تو حرم کے ارد گرد اس جگہ کھڑے ہو گئے، جہاں آج کل نشانات لگے ہوتے ہیں۔ انہوں نے جنات اور شیاطین کو روک دیا۔ اس لیے اس کا نام حرم رکھ دیا گیا۔

2. وھب بن منبہ نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو ان کا رونا شدت اختیار کر گیا۔ رب تعالیٰ نے ان کے لیے خیمہ لگایا۔ یہ کعبہ کی جگہ تھا۔ یہ خیمہ جنت کے سرخ یاقوت کا تھا۔ اس میں تین قندیلیں تھیں، جن میں نور چمکتا تھا۔ اس کی روشنی حرم کی جگہوں تک جاتی تھی۔ رب تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے ذریعے اس خیمہ کی حفاظت فرمائی۔ وہ اس جگہ کھڑے تھے جہاں حرم کی حدود تھیں۔ وہ اس کی حفاظت کرتے تھے اور اس سے جنات کو دور رکھتے تھے۔ جب حضرت آدم کا وصال ہوا تو یہ خیمہ بھی اٹھا لیا گیا۔

3. روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ تعمیر کیا تو اپنے نورِ نظر حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا: "مجھے ایک پتھر لا کر دو جسے میں لوگوں کے لیے علامت مقرر کر دوں۔" حضرت اسماعیل گئے مگر انہیں ایسا پتھر نہ ملا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حجر اسود کو پایا۔ انہوں نے پوچھا: "آپ کو یہ کہاں سے ملا ہے؟" انہوں نے فرمایا: "یہ مجھے اس ذات والا نے بھیجا ہے جس نے مجھے تمہارے پتھر کے سپرد نہیں کیا۔ اسے حضرت جبرائیل لے کر آئے ہیں۔" حضرت ابراہیم نے اس پتھر کو اس جگہ رکھا وہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کو منور کرنے لگا ہر ہر سمت سے جہاں تک حجر اسود کا نور پہنچا رب تعالیٰ نے اسے حرم بنا دیا۔

۴. جب حضرت آدم زمین پر اترے تو انہیں اپنے آپ کے بارے شیاطین اور جنات کے بارے خدشہ لاحق ہوا۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی پناہ طلب کی۔ رب تعالیٰ نے ملائکہ بھیجے۔ انہوں نے ہر طرف مکہ مکرمہ کو گھیر لیا۔ اس کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ جہاں جہاں ملائکہ کھڑے تھے۔ رب تعالیٰ نے اسے حرم بنا دیا۔ شفاء الغرام میں امام سہیلی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب رب تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین سے فرمایا:

ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۚ قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١١﴾ (فصلت:١١)

ترجمہ: "آجاؤ (تعمیل حکم اور ادائے فرض کے لیے) خوشی سے یا مجبوراً دونوں نے عرض کی ہم خوشی خوشی (دست بستہ) حاضر ہیں۔"

تو سرزمین حرم کے علاوہ کسی حصے نے جواب نہ دیا۔ رب تعالیٰ نے اسے حرم بنا دیا۔

علامہ زرکشی نے لکھا ہے: "اگر یوں کہا جائے کہ حرم کعبہ کی حد بندی کیوں کی گئی؟ تو اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

۱. ان احکام کے التزام کے لیے جو اس سے ثابت ہوتے ہیں اور اس کی برکات کو عیاں کرنے کے لیے۔

۲. کہا جاتا ہے کہ جب حجر اسود کو زمین پر لایا گیا تو یہ سفید تھا۔ اس سے نور نکل رہا تھا، جہاں تک وہ نور تھا اسے حرم کی حدود بنا دیا گیا۔ یہ معنی مناسب ہے اور سب سے بالاتر ہے۔

۳. یہ وہ انوار ہیں جنہیں عالم اعلیٰ سے رکھا گیا ہے، یہ ربانی، سری روحانی ہیں جو اس حصۂ زمین کی طرف متوجہ ہیں۔ اہل مشاہدہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ انوار حرم کی حدود تک جاتے ہیں۔ ان سے انوار کا منبع نکلتا ہے۔ یہ انوار حرمین شریفین اور ارض مقدسہ میں پھیلتے ہیں۔

علاماتِ حرم کا تذکرہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حدودِ حرم کا تعین کیا۔ حضرت جبرائیل امین نے انہیں ان حدود کا تعین کر کے دیا۔ فتح مکہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت تمیم بن اسد خزاعی کو بھیجا۔ انہوں نے ان حدود کی تجدید کی۔ (ابن سعد، ارزقی)

علامہ ارزقی نے حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خلیل اللہ نے حرم کعبہ کا تعین کیا۔ حضرت جبرائیل امین نے انہیں یہ حدود دکھائیں۔ قصی نے ان کی تجدید کی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ مکرمہ کے روز تمیم بن اسد خزاعی کو بھیجا۔ انہوں نے ان کی تجدید کی۔

❁❁❁

گیارھواں باب

مکہ مکرمہ کی تعظیم وتکریم

حضرت ابوشریح عدوی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے دوسرے روز کھڑے ہوئے اور فرمایا: "مکہ مکرمہ کو رب تعالیٰ نے حرم بنایا ہے، اسے لوگوں نے حرم نہیں بنایا۔ جو شخص رب تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ اس میں خونریزی کرے۔ نہ اس کا درخت کاٹے۔ اگر کوئی حضور ﷺ کے اس میں قتال سے رخصت لینا چاہے تو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو یہ اذن دیا تھا تمہارے لیے یہ اجازت نہیں ہے۔ مجھے بھی دن کی ایک ساعت کے لیے اجازت دی گئی، آج اس کی حرمت اس طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل اس کی حرمت تھی۔ تم میں سے موجود غائب تک پہنچا دے۔" (امام شافعی، شیخان)

ان سے ہی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے اس کو اس دن سے حرم بنایا ہے، جب اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی۔ اسے اس روز بنایا جس دن اس نے سورج اور چاند کو بنایا۔ یہ حرم ہے، میرے بعد یہ کسی کے لیے حلال نہ ہوگا۔ یہ میرے لیے بھی دن کی ایک ساعت کے لیے حلال ہوا، پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ جیسے کہ پہلی تھی۔" (الطبرانی)

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ امت اس وقت تک بھلائی پر رہے گی جب تک یہ اس حرم کی پوری طرح تعظیم بجالاتی رہی۔ جب انہوں نے اس کی تعظیم کو ضائع کر دیا وہ ہلاک ہو جائیں گے۔" (ابن ماجہ)

حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: "اے لوگو! رب تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو اس روز سے حرم بنایا ہے۔ جس روز اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی۔ یہ روزِ حشر تک حرم ہے، نہ تو اس کا درخت کاٹا جائے نہ اس کے شکار کو ڈرایا جائے، نہ ہی گم شدہ چیز اٹھائی جائے، مگر تشہیر کے لیے۔" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "سوائے اذخر کے، یہ گھروں اور قبروں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: "سوائے اذخر کے۔" (بخاری، ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا: "اس شہر کو رب تعالیٰ نے اس

روز سے حرم بنایا ہے، جس دن اس نے آسمانوں، زمین، سورج، چاند تخلیق کیے۔ یہ اخشبین پہاڑ رکھے یہ رب تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ روز حشر تک حرام ہے۔ نہ تو مجھ سے قبل کسی کے لیے اس میں قتال حلال ہوا نہ ہی میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ میرے لیے بھی دن کی ایک ساعت کے لیے حلال ہوا۔ یہ رب تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ روز حشر تک حرام ہے۔ نہ تو اس کا درخت کاٹا جائے نہ ہی اس کے شکار کو خوفزدہ کیا جائے، نہ ہی اس میں گم شدہ چیز اٹھائی جائے مگر اس کے لیے جائز ہے تو آخر تک اس کا اعلان کراتا رہے۔"

امام ارزقی نے امام زہری سے مرسل روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "لوگوں نے مکہ مکرمہ کو حرم نہیں بنایا۔ بلکہ رب تعالیٰ نے اسے حرم بنایا یہ روز قیامت تک حرام ہے۔ رب تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سے سب سے زیادہ سرکش وہ آدمی ہے جس نے حرم میں کسی کو قتل کیا۔ وہ شخص بھی سب سے زیادہ سرکش ہے جس نے اپنے قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کیا اور جس نے زمانہ جاہلیت کا بدلہ لینا شروع کیا۔

علامہ ارزقی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت قتادہ نے فرمایا۔ ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ حرم اوپر سے تا عرش حرم ہی ہے۔" حضرت مجاہد سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حرم کے ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں تک حرم بنایا گیا ہے۔ یہ گھر چودھواں گھر ہے۔ ہر آسمان پر ایک گھر ہے ہر زمین میں ایک گھر ہے، اگر وہ گر پڑیں تو ایک دوسرے کے اوپر گریں۔

ارزقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "آسمانوں پر بیت المعمور سے اسے الصراح کہا جاتا ہے وہ خانہ کعبہ کے بالکل اوپر ہے اس میں روزانہ ستر ہزار ایسے فرشتے داخل ہوتے ہیں جنہوں نے پہلے اس کی زیارت نہیں کی ہوتی۔ ساتویں آسمان پر بھی خانہ کعبہ کے بالکل اوپر ایک حرم ہے۔"

ازرقی، طبرانی اور امام بیہقی نے "الشعب" میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں چھ ہزار افراد پر میں لعنت کرتا ہوں۔ ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ کتاب اللہ میں اضافہ کرنے والے پر۔ تقدیر الٰہی کو جھٹلانے والے پر، وہ شخص جو طاقت کے ساتھ مسلط ہوتا کہ اسے ذلیل کرے جسے رب تعالیٰ نے عزت دی ہو اور اسے عزت دے جسے رب تعالیٰ نے ذلیل کیا ہو۔ میری سنت کو ترک کرنے والے پر، میری عترت کے بارے وہ حلال کرنے والے پر جسے رب تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ رب تعالیٰ کے حرم کو حلال کرنے والے پر۔"

غیر ذوالعقول کی تعظیم کعبہ

ابن ابی الدنیا نے "ذم الملاھی" میں جویریہ بن اسماء سے وہ اپنے چچا سے روایت کرتیں ہیں۔ انہوں نے کہا: "میں نے ایک قوم کے ساتھ حج کیا۔ ہم ایک جگہ اترے ہمارے ہمراہ ایک عورت تھی۔ وہ سوگئی۔ اٹھی تو اس پر ایک

سانپ لپٹا ہوا تھا۔ وہ اس کے پستانوں کے ارد گرد تھا۔ اس چیز نے ہمیں خوفزدہ کر دیا۔ وہ سانپ اسی طرح لپٹا رہا، وہ اسے نقصان نہیں دیتا تھا حتیٰ کہ ہم حرم پاک میں داخل ہو گئے۔ وہ نیچے کھسک گیا۔ ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ ہم نے اپنے نسک ادا کیے پھر واپس لوٹ آئے۔ جب ہم اس جگہ آئے جہاں پر سانپ اس کے ارد گرد لپٹا تھا تو اسی جگہ ہم نے قیام کیا۔ وہ عورت سو گئی جب جاگی تو وہ سانپ اس کے ارد گرد لپٹا ہوا تھا۔ پھر اس سانپ نے آواز نکالی تو وہ وادی سانپوں سے بھر گئی انہوں نے اس عورت کو اتنا ڈسا کہ صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں۔ میں نے اس کی خادمہ سے کہا "ہمیں اس عورت کے بارے بتاؤ۔" اسنے کہا: "اس نے تین بار سرکشی کی۔ یہ جب بھی بچہ جنتی تنور کو گرم کر کے اس میں وہ بچہ پھینک دیتی۔"

علامہ ارزقی نے حضرت ابن ابی نجیح سے روایت کیا ہے کہ حرم پاک میں طوفان ۔کے زمانہ میں بڑے سانپ چھوٹوں کو نہیں کھاتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے ابن سابط علیہ الرحمۃ سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے زمانہ میں لوگ باہر نکل جاتے مکہ مکرمہ میں کوئی بھی باقی نہ رہتا تھا۔ ایک چور پیچھے رہ گیا۔ اس نے سونے کے ایک ٹکڑے کا عزم کیا۔ دوسرا اٹھانے کے لیے اسے نیچے رکھ دیا۔ جب اس نے اپنا سر بیت اللہ کی الماری میں داخل کیا تو اس کا سر بیت اللہ کے اندر ہی رہ گیا۔ جبکہ جسم بیت اللہ سے باہر تھا۔ لوگوں نے اسے کتوں کے آگے پھینک دیا۔

الجندی نے حضرت طاؤس سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ حرم کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ مگر اسے فوراً رکھ دیتے تھے، تاکہ وہ کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔" حرم پاک کی تعظیم کے بارے احادیث اور روایات حد و شمار سے زیادہ ہیں۔

علامہ ازرقی نے حضرت خویطب بن عبدالعزیٰ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک عورت اپنے خاوند سے پناہ لیتے ہوئے خانہ کعبہ میں داخل ہوئی۔ خاوند نے اپنی بیوی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا میں نے اسے زمانہ اسلام میں دیکھا تو اس کا ہاتھ شل تھا۔

ازرقی نے حضرت ابن جریج سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "رکن، مقام، زمزم اور حجر کے مابین "حطیم" ہے۔ اساف ایک مرد اور نائلہ ایک عورت خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ مرد نے اس میں اس عورت کا بوسہ لیا وہ دونوں پتھر بن گئے۔ انہیں خانہ کعبہ سے نکالا گیا۔ ایک کو چشمہ زمزم پر نصب کر دیا گیا۔ دوسرے کو خانہ کعبہ کے سامنے نصب کر دیا گیا۔ تاکہ ان سے عبرت پکڑیں۔ اور اس طرح کے فعل کا ارتکاب نہ کریں۔ اس جگہ کو حطیم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ لوگ ایمان کے ساتھ وہاں ٹھہرتے ہیں۔ اس میں مظلوم کی ظالم کے لیے بددعا قبول ہوتی ہے جس نے ظالم کے لیے بھی اس جگہ دعا کی گئی وہ ہلاک ہو گیا۔ جس نے بھی اس جگہ جھوٹی قسم اٹھائی وہ جلدی سزا پا گیا۔ اس کی وجہ سے لوگ ظلم سے رک جاتے ہیں۔ لوگ اس جگہ قسمیں اٹھاتے تھے، حتیٰ کہ اسلام آگیا رب تعالیٰ نے

تنبیہ

سابقہ احادیث میں تذکرہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اسے حرم بنایا ہے یہ اس روایت کے مخالف نہیں جسے امام احمد، امام مسلم، امام نسائی وغیرھم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا۔ میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے رب تعالیٰ کے حکم سے اسے حرم بنایا تھا اپنے اجتہاد سے نہیں یا رب تعالیٰ اس روز یہ فیصلہ کر دیا تھا جس روز اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی تھی کہ حضرت ابراہیم عنقریب مکہ مکرمہ کو حرم بنائیں گے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے لوگوں کے مابین اس کی حرمت کا اظہار کیا۔ اس سے قبل یہ رب تعالیٰ کے ہاں حرام تھا۔ طوفانِ نوح کے بعد انہوں نے اس کا اظہار کیا۔

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ سابقہ احادیث کا معنی یہ ہے کہ ابتداء میں رب تعالیٰ کسی ایسے سبب کے بغیر اسے حرم بنایا جو کسی کی طرف منسوب کیا جاتا۔ اس میں کسی کا عمل دخل نہ تھا۔ اس لیے اسے اس معنی سے مؤکد کیا۔ "اسے لوگوں میں سے کسی نے حرم نہیں بنایا۔" یعنی اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا بلکہ شرعی طور پر اس کی تحریم ثابت ہے۔ اس میں عقل کا عمل دخل نہیں ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ رب تعالیٰ کی محرمات میں سے ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونا لازم ہے یہ لوگوں کے حرام کردہ نہیں ہیں، جیسا کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں اپنی طرف سے اشیاء کو حرام کر دیا تھا۔ اسے ترک کرنے سے اجتہاد عمدہ نہیں ہوتا۔ ایک قول کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی حرمت تخلیق کی ابتدا سے لگاتار قائم ہے۔ یہ ان اشیاء میں سے نہیں جو حضور کریم ﷺ کی شریعت مطہرہ کے ساتھ مختص ہوں۔

❁❁❁

بارھواں باب

ملائکہ اور انبیاء کرام کا حج کرنا اور اس کی تعظیم بجا لانا

علامہ ازرقی نے حضرت عثمان بن ساج رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھے حضرت سعید نے بتایا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اپنے حج سے فارغ ہوئے تو دو گھاٹیوں کے پاس انہیں ملائکہ ملے۔ انہوں نے کہا: "حضرت آدم! رب تعالیٰ تمہارا حج قبول کرے، ہم نے آپ سے دو ہزار سال قبل اللہ کا حج کیا تھا۔"

علامہ ازرقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت آدم اپنے حج سے فارغ ہوئے تو ردم کے مقام پر ملائکہ نے ان کے ساتھ ملاقات کی۔ انہوں نے کہا "آدم! رب تعالیٰ تمہارا حج قبول کرے۔ ہم نے آپ سے دو ہزار سال قبل اس گھر کا حج کیا تھا۔" حضرت آدم: تم اس کے ارد گرد کیا کہتے تھے۔" ملائکہ: "ہم یہ ورد کرتے تھے: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" حضرت آدم بھی طواف کرتے وقت یہی کلمات کہتے تھے۔"

علامہ ازرقی نے حضرت عمرو بن یسار مکی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ جب رب تعالیٰ نے کسی امر کے لیے کسی فرشتہ کو زمین میں بھیجنے کا ارادہ کرتا۔ رب تعالیٰ نے اس فرشتے کو اپنے گھر کے طواف کی اجازت دیتا۔ وہ فرشتہ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے نیچے اترتا۔

علامہ ازرقی، جندی اور ابن منذر نے حضرت وھب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے سابقہ کتب میں پڑھا ہے ان میں ہے کہ رب تعالیٰ کسی فرشتے کو بھی زمین پر نہیں بھیجتا۔ مگر اسے بیت اللہ کی زیارت کا حکم دیتا تھا۔ وہ عرش الٰہی سے احرام باندھ کر تلبیہ کہتے ہوئے جدا ہوتا ہے وہ حجر اسود کو استلام کرتا ہے پھر بیت اللہ کا طواف کرتا ہے اور بیت اللہ کے اندر دو رکعتیں پڑھتا ہے۔"

الطبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ملائکہ نے سب سے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا تھا۔

ازرقی نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبرائیل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے انہوں نے سبز عمامہ باندھ رکھا تھا۔ ان پر گرد و غبار تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "یہ کیسا غبار ہے جو میں آپ پر دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے عرض کی: "میں نے بیت اللہ کی زیارت کی۔ رکن پر ملائکہ کا ہجوم تھا۔ یہ غبار جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ ملائکہ کے پروں کی وجہ سے اڑا تھا۔"

حضرت آدم علیہ السلام کا حج

حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم سرزمین ہند میں اترے۔ان کے پاس جنت کی چار لکڑیاں تھیں۔ یہ وہیں ہیں جن سے لوگ خوشبو حاصل کرتے ہیں۔انہوں نے بیت اللہ کا حج کیا۔صفا اور مروہ کے مابین سعی کی۔اور حج کے مناسک ادا کیے۔

علامہ ازرقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت سعید نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ستر پیدل حج کیے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم نے حج کیا مناسک ادا کیے۔جب فارغ ہوئے تو عرض کی: "مولا! ہر مزدور کی اجرت ہوتی ہے۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "آدم! جس عمل میں آپ ہیں اس کی وجہ سے میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے۔آپ کی اولاد میں سے جو بھی بیت اللہ کی زیارت کے لیے آیا۔اس نے گناہوں کا اعتراف کرلیا، میں اسے معاف کر دوں گا۔"

ابن خزیمہ، ابوالشیخ نے العظمۃ میں اور دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت آدم اس گھر کے پاس ایک ہزار بار آئے۔وہ کبھی بھی سوار ہو کر نہیں آتے، بلکہ ہند سے پیدل آتے۔انہوں نے تین سو حج اور سات سو عمرے کیے تھے۔پہلا حج انہوں نے ادا کیا، وہ عرفہ کھڑے تھے۔حضرت جبرائیل امین ان کے پاس آئے۔انہوں نے کہا: "آدم! رب تعالیٰ آپ کا حج قبول کرے۔ہم آپ کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل اس گھر کا حج کرتے رہے ہیں۔"

ازرقی، جندی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ حضرت آدم نے حج کیا۔بیت اللہ کا طواف کیا، وہ طواف میں ملائکہ سے ملے۔انہوں نے کہا: "آدم! رب تعالیٰ آپ کا حج قبول کرے ہم آپ سے دو ہزار سال قبل اس کا طواف کرتے تھے۔" حضرت آدم: تم طواف میں کیا کہتے تھے؟ ملائکہ: "ہم کہتے تھے: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" حضرت آدم: "یہ اضافہ کرلو: لا حول ولا قوۃ الا باللہ" ملائکہ نے یہ اضافہ کرلیا۔

بیت اللہ کی تعمیر کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا حج کیا۔وہ طواف میں ملائکہ سے ملے۔ملائکہ نے انہیں سلام کیا۔حضرت ابراہیم نے پوچھا: "تم اپنے طواف میں کیا کہتے تھے؟" ملائکہ: "ہم آپ کے باپ حضرت آدم سے قبل یوں کہتے تھے: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" حضرت آدم نے یہ اضافہ کر دیا: "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" حضرت خلیل اللہ: "اب اس میں العلی العظیم کا اضافہ کرلو۔" ملائکہ نے یہ اضافہ کرلیا۔

حضرات ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کا حج

اس سے قبل تعمیر کعبہ کے بیان میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کے حج کا

تذکرہ ہو چکا ہے۔علامہ ازرقی نے عبدالرحمان بن سابط سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "سابقہ انبیاء میں سے جب کسی نبی کی امت ہلاک ہو جاتی تو وہ مکہ مکرمہ میں آجاتا وہ اور اس کے ساتھی وہاں رب تعالیٰ کی عبادت کرتے حتیٰ کہ ان کا وصال ہو جاتا۔ اس میں حضرات نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام کا وصال ہوا۔ زمزم اور حجر کے مابین ان کی قبریں ہیں۔"

ابن جوزی نے "مثیر العزم الساکن الی اشرف الاماکن" میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ طوفان سے قبل حضرت نوح علیہ السلام نے بیت اللہ کا حج کیا تھا۔

علامہ ازرقی نے حضرت وھب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ حضرات ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام نے بیت اللہ کا حج اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیا۔ مکہ مکرمہ میں ان کا وصال ہوا۔ ان کی قبریں خانہ کعبہ کے مغرب میں دارالندوہ اور دار ابن ہاشم کے مابین ہیں۔

تنبیہ

حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کے حج کے بارے بہت سی احادیث اور روایات وارد ہیں۔ اس کی سند اس روایت کی سند سے زیادہ قوی ہے "ہر نبی نے بیت اللہ کا حج کیا سوائے حضرت ھود اور صالح علیہما السلام کے" شیخ نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہ السلام کا حج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے مابین ایک وادی میں حضور ﷺ کے ساتھ عازم سفر تھے۔ آپ نے پوچھا: "یہ کون سی وادی ہے؟" صحابہ کرام نے عرض کی: "وادی الازرق" آپ نے فرمایا: "گویا کہ میں حضرت موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ اپنی انگلی اپنے کانوں میں رکھی ہوئے ہیں وہ تلبیہ کہتے ہوئے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔" پھر ہم آگے عازم سفر ہوئے حتیٰ کہ ہم ثنیہ پہنچ گئے۔ آپ نے پوچھا: "یہ کون سی گھاٹی ہے۔" آپ سے عرض کی گئی: "ہرشی کی گھاٹی" آپ نے فرمایا: "گویا کہ میں حضرت یونس کو دیکھ رہا ہوں وہ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں۔ اس اونٹنی کی نکیل کھجور کے چھلکے کی ہے۔ انہوں نے اون کا جبہ پہن رکھا ہے وہ اس گھاٹی پر سے تلبیہ کہتے ہوئے گزر رہے ہیں۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "گویا کہ میں حضرت موسیٰ بن عمران کی طرف دیکھ رہا ہوں، وہ اس وادی میں احرام باندھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے دو سفید چھوٹی چادریں پہن رکھی ہیں۔"

حضرت مجاہد سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضرت موسیٰ نے سرخ اونٹ پر حج کیا وہ روحاء سے

گزرے۔ انہوں نے دو سفید چھوٹی چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ ایک کو بطور ازار بند باندھ رکھا تھا دوسری اپنے اوپر اوڑھ رکھی تھی۔ انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر صفا اور مروہ کی سعی کی۔ انہوں نے آسمان سے صدا سنی۔ "میرے بندے میں حاضر ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر پڑے۔ (ازرقی)

حضرت مجاہد سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ستر انبیاء کرام نے بیت اللہ کا حج کیا۔ ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔ انہوں نے دو سفید چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ ان میں حضرت یونس بھی تھے جو یوں کہہ رہے تھے "لبیک کاشف الکرب" (سعید بن منصور نے روایت کیا ہے)

دیگر انبیائے کرام کا حج

ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ انبیائے کرام جب خانہ کعبہ کی حدود میں آتے تھے وہ اپنے جوتے اتار لیتے تھے۔ حضرت ابوذر خشنی نے اپنے مناسک میں حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "بنو اسرائیل کے ایک ہزار انبیاء کرام نے حج کیا وہ مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے جوتے ذوطویٰ میں رکھ دیے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "صفاح الروحاء کے مقام سے ستر انبیاء حج کرتے ہوئے گذرے انہوں نے اون کا لباس پہنا ہوا تھا۔ ان کے اونٹوں کی نکیلیں کھجور کے ریشوں کی تھیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ "فج الروحاء" کے مقام سے ستر انبیائے کرام حج کرتے ہوئے گذرے انہوں نے صوف کے لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کے اونٹوں کی نکیلیں کھجور کے ریشوں کی تھیں۔ (ازرقی)

عثمان بن ساج سے روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: "صفاح الروحاء سے ستر انبیاء کرام سرخ اونٹوں پر سے گزرے۔ ان کی نکیلیں کھجور کے ریشوں کی تھیں انہوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ ان کے تلبیے متفرق تھے۔

حضرت مجاہد سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "پچھتر انبیائے کرام نے حج کیا انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ مسجد منیٰ میں نماز پڑھی۔ اگر تم استطاعت رکھتے ہو کہ تمہاری نماز مسجد منیٰ میں نہ رہنے پائے تو ضرور یوں کر گزرو۔

عبدالرحمٰن بن سابط رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے عبدالرحمان بن ضمرہ السلوی کو سنا انہوں نے کہا: "رکن سے لے کر مقام تک پھر زمزم تک ستر انبیائے کرام کی قبریں ہیں، وہ حج کرنے آتے تھے۔ اسی جگہ ان کا وصال ہو گیا۔

بنو اسرائیل کا حج

ابونعیم نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل میں سے ایک ہزار افراد حج کرتے تھے۔ وہ جب حرم کی

حدود تک پہنچتے۔ وہ اپنے جوتے اتار لیتے تھے پھر ننگے پاؤں حرم میں داخل ہوتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنواسرائیل کی ایک جماعت مکہ مکرمہ آئی جب وہ ذوطویٰ پہنچی تو انہوں نے اپنے جوتے اتار لیے۔ وہ بیت اللہ کی تعظیم کر رہے تھے۔

علامہ ازرقی اور ابن عساکر نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حواریوں نے بھی حج کیا۔ جب وہ حرم میں داخل ہوئے تو وہ حرم کی تعظیم کرتے ہوئے ننگے پاؤں چلنے لگتے۔

حضرت ذوالقرنین کا حج

علامہ ازرقی نے حضرت عطاء بن سائب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا جو بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ انہیں عجیب لگا۔ انہوں نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' اس نے کہا: ''میں ذوالقرنین کے ساتھیوں میں سے ہوں۔'' حضرت خلیل اللہ: ''وہ کہاں ہے؟'' وہ شخص: ''وہ الابطح میں ہے۔'' حضرت ابراہیم نے اس سے ملاقات کی اور اس کے ساتھ معانقہ کیا۔ ذوالقرنین سے کہا گیا: ''تم سوار کیوں نہیں ہوتے؟'' انہوں نے کہا: ''میں کیسے سوار ہو جاؤں، جبکہ یہ پیدل چل رہا ہے۔'' انہوں کے پیدل حج کیا۔

ابن ابی حاتم نے علباء بن احمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ذوالقرنین مکہ مکرمہ آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل خانہ کعبہ تعمیر کر رہے تھے جب انہوں نے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ''ہم ایسے بندے ہیں جنہیں حکم دیا گیا ہے۔'' ذوالقرنین: ''تمہارے لیے کون گواہی دے گا؟'' انہوں نے کہا: ''پانچ مینڈھے۔'' پانچ مینڈھوں نے گواہی دی۔ ذوالقرنین نے کہا: ''تم نے سچ کہا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کے بعد اور اصحاب کہف کا حج

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام فج الروحاء کے مقام سے حج کرتے ہوئے یا عمرہ کرتے ہوئے ضرور گزریں گے۔ وہ تلبیہ کہہ رہے ہوں گے۔''

حضرت سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے: ''قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطن الروحاء کے پاس سے حج یا عمرہ کے لیے گزریں گے۔ وہ یوں تلبیہ کہہ رہے ہوں گے۔ ''لبیك اللهم لبیك''

ابن جوزی نے المشیر میں حضرت عطاف بن خالد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ جب اتریں گے تو وہ ستر ہزار افراد کے ساتھ حج کریں گے۔ ان میں اصحاب کہف بھی ہوں گے۔ جب ان (اصحابِ کہف) کا وصال ہوا تھا تو وہ حج نہیں کر سکے تھے۔

❁❁❁

تیرھواں باب

اصحابِ فیل (ہاتھی والوں) کی داستان

اصحابِ فیل کا واقعہ صحیح روایت کے مطابق اس سال رونما ہوا تھا جس سال حضور ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اکثر علماء کرام کا یہی مؤقف ہے۔ ان کی ہلاکت آپ اور آپ کے شہر کے شرف کی وجہ سے تھا ورنہ اصحاب فیل اہلِ کتاب عیسائی تھے۔ ان کا دین حال کے اعتبار سے اس دین سے زیادہ قریب تھا جسے اہلِ مکہ نے اپنا رکھا تھا۔ کیونکہ اہلِ مکہ کی اکثریت بت پرست تھی۔ رب تعالیٰ نے ان کی ایسی نصرت فرمائی جس میں کسی بشر کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ تقدیر زبانِ حال سے کہہ رہی تھی "اے گروہِ قریش! ہم نے اہلِ حبشہ کے خلاف تمہاری مدد اس لیے نہیں کی کہ تم ان سے بہتر تھے۔ لیکن ہم نے اس بیت اللہ کی حفاظت کرنا چاہی جسے ہم نبی امی خاتم الانبیاء محمد عربی ﷺ کو مبعوث فرما کر مشرف کریں گے۔ اس کی تعظیم و توقیر کریں گے۔" اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵ (الفیل: ۱-۵)

ترجمہ: "کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکروفریب کو ناکام نہیں بنا دیا۔ اور (وہ یوں کہ) بھیج دیے ان پر ہر سمت سے پرندے ڈاروں کے ڈار۔ جو برساتے تھے ان پر کنکر کی پتھریاں۔ پس بنا ڈالا ان کو جیسے کھایا ہوا بھوسہ۔"

ذوالنواس یمن کا آخری مشرک بادشاہ تھا۔ اس نے ہی اصحاب الاخدود (خندق والوں) کو قتل کیا تھا۔ عیسائیوں کی تعداد تقریباً بیس ہزار تھی۔ دوس ذوثعلبان نے ان سے نجات دلائی۔ وہ قیصر روم کے پاس چلا گیا۔ وہ بھی عیسائی تھا۔ اس نے اس کے لیے نجاشی حبشہ کے بادشاہ کو خط لکھا۔ اس نے ان کے ساتھ دو امیر ارياط اور ابرہہ بن الصباح ابویکسوم کو بھیجا ان کے ہمراہ بہت بڑا لشکر تھا۔ وہ یمن میں داخل ہو گئے شہروں میں گھس گئے۔ حمیر سے ملک چھین لیا۔ ذونواس نے سمندر میں چھلانگ دی۔ حبشہ کا لشکر یمن میں ٹھہر گیا۔ اس پر دو امیر مقرر کیے گئے۔ ارياط۔ ابرہہ۔ ان کے معاملہ میں اختلاف ہو گیا۔ انہوں نے ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ صفیں باندھ لیں اور جنگ کے لیے تیار ہو

گئے۔ابرہہ کے ارياط سے کہا: ”ہمیں اپنے مابین اس لشکرکشی کی ضرورت نہیں ہے۔آؤ ہم ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں جس نے دوسرے کوقتل کر دیا۔ بعد میں حبشہ کا بادشاہ وہی ہوگا۔ ارياط نے اس کی صدا پر لبیک کہا۔وہ مقابلہ کرنے لگے۔ان میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک ایک جوان کھڑا تھا۔ارياط نے ابرہہ پر حملہ کر دیا۔اسے تلوار کی ضرب لگائی۔اس کی ناک کاٹ کر رکھ دی۔اس کا چہرہ زخمی کر دیا۔ابرہہ کے جوان عتودہ نے ارياط پر حملہ کر کے اسے تہ تیغ کر دیا۔ابرہہ زخمی حالت میں واپس آیا۔اس نے اپنے زخم کا علاج کرایا۔وہ صحتیاب ہوگیا۔اس طرح یمن کا پورا علاقہ حبشہ کے پاس چلا گیا۔نجاشی نے ابرہہ کی طرف خط لکھا۔اس نے اسے اس فعل پر ملامت کی۔اسے ڈرایا۔اس نے قسم اٹھائی کہ وہ اس کا شہر روند ڈالے گا۔اس کی پیشانی کے بال کاٹے گا۔ابرہہ نے اس کے ساتھ نرمی کرتے اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہوئے اس کی طرف پیغام بھیجا۔اپنے قاصد کے ہمراہ کچھ تحائف بھیجے۔ایک توشہ دان بھیجا جس میں یمن کی مٹی تھی۔اس میں اس کی پیشانی کے بال تھے۔اس کے ساتھ یہ خط بھی بھیجا: ”شاہ والا! یہ مٹی روند ھ لیں۔اپنی قسم پوری کر لیں۔میں اپنی پیشانی کو بادشاہ کے دربار میں بھیج رہا ہوں۔میں بادشاہ کا غلام ہوں۔“ جب شاہِ حبشہ تک یہ خط پہنچا تو اسے یہ بہت پسند آیا۔وہ ابرہہ سے راضی ہوگیا اور اس کے منصب پر برقرار رکھا۔

پھر ابرہہ نے دیکھا کہ لوگ حج کے زمانہ میں بیت اللہ الحرام کا قصد کرتے تھے۔اس نے پوچھا: ”یہ لوگ کہاں جاتے ہیں۔“ اسے کہا گیا: ”یہ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کا حج کرنے جاتے ہیں۔“ اس نے پوچھا: ”بیت اللہ کیا ہے؟“ اسے بتایا گیا: ”اسے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔“ ابرہہ: ”اس کا لباس کیا ہے؟“ لوگ: ”یہاں سے یمنی دھاری دار چادریں جاتی ہیں۔“ ابرہہ نے کہا: ”مجھے حضرت مسیح کی قسم! میں اس سے بہتر گھر بناؤں گا۔“ اس نے صنعاء میں ایک بڑا گھر تعمیر کیا جس کی عمارت بہت بلند تھی۔جس کی اطراف آراستہ تھیں۔اہلِ عرب نے اسے قلیس کہا کیونکہ وہ اتنا بلند تھا کہ اس کی طرف دیکھنے والے کی ٹوپی اس کے سر سے نیچے گر پڑتی تھی۔اس نے بلقیس کے محل سے ہر وہ چیز منتقل کی جس کی اسے ضرورت تھی۔ اہلِ یمن یہ کنیسہ بنانے میں ذلیل ہو گئے۔اس نے اسے سفید، سرخ، زرد اور سیاہ سنگ مرمر سے بنایا۔اسے سونے اور چاندی سے سجایا۔اس میں جواہرات سجائے اس میں بہت بڑا سرخ یاقوت رکھا۔اس میں سونے اور چاندی کی صلیبیں آویزاں کیں۔عاج اور آبنوس کے منبر رکھے۔اس میں عود جلایا جاتا تھا۔اس کی دیواروں پر مشک پھینکا جاتا تھا۔اس میں مزدوروں کے بارے اس کا ضابطہ یہ تھا۔اگر اس کے کام پر جانے سے قبل سورج طلوع ہو گیا تو وہ اس کا ہاتھ کاٹ دے گا۔ایک دن ایک مزدور سو گیا۔حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔اس کے ساتھ اس کی ماں آئی۔وہ ایک بوڑھی عورت تھی۔اس نے ابرہہ کے سامنے آہ وزاری کی۔اور اپنے بیٹے کی سفارش کی۔مگر ابرہہ نے انکار کر دیا۔مگر یہ کہ وہ اس کے بیٹے کا ہاتھ کاٹے گا۔بوڑھی نے کہا: ”تو آج اپنا کدال مار لے کل یہ ملک کسی دوسرے کے پاس چلا جائے گا۔“ ابرہہ نے کہا: ”تیرے لیے ہلاکت تو کیا کہہ رہی ہے۔“ بڑھیا نے کہا: ”ہاں! جس طرح یہ مملکت کسی اور کے پاس سے تمہاری پاس آئی

ہے اسی طرح یہ تیرے پاس سے کسی اور کے پاس چلی جائے گی۔" اس نے اس عورت کی اس بات سے نصیحت پکڑی اور لوگوں کو معاف کرنے لگا۔

پھر اس نے نجاشی کی طرف لکھا: "اے شاہِ ذی شان! میں نے آپ کے لیے کنیسہ بنایا ہے۔ اس سے قبل کسی بادشاہ کے لیے اس جیسا کنیسہ نہیں بنایا گیا ہوگا۔ میں سارے عرب کو مجبور کروں گا کہ وہ اس کا حج کریں گے۔" اس نے لوگوں کو حکم دیا لوگوں نے اس کا حج کیا۔ عرب کے کئی قبائل کئی سالوں تک اس کا حج کرتے رہے۔ لوگ اس میں عبادت کرتے تھے اور قربانیاں کرتے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب اہلِ عرب کو اس خط کا علم ہوا جو ابرہہ نے نجاشی کی طرف لکھا تھا۔ بنو فُقَیم میں سے نسأۃ کے ایک شخص نے اس کنیسہ میں پیشاب کر دیا۔ پھر اپنے گھر چلا گیا۔"

ابن سعد نے کہا ہے "فضیل بن حبیب خثعمی اس کنیسہ کے بارے بری نیت رکھتا تھا۔ وہ ٹھہرا رہا حتیٰ کہ ایک رات وہ اس طرح آیا کہ کوئی اسے دیکھ نہیں رہا تھا۔ اس گندگی اٹھائی اور اسے اس کے قبلہ میں پھینک دیا۔ مردار جمع کیے اور انہیں اس کنیسہ میں پھینک دیا۔"

مقاتل نے کہا: "قریش کے چند جوان اس کنیسہ میں گئے۔ انہوں نے اس میں آگ بڑھائی۔ اس روز تیز ہوا تھی۔ کنیسہ جل گیا۔ وہ نیچے گر پڑا۔ ابرہہ کو اس کے بارے خبر دی گئی۔ اس نے پوچھا: "یہ کس نے کیا ہے؟" اسے کہا گیا: "یہ اس گھر کے اہل میں سے کچھ لوگوں نے کیا ہے جس کا اہلِ عرب حج کرتے ہیں۔" یہ سن کر ابرہہ کو سخت غصہ آیا۔ اس نے قسم اٹھائی کہ وہ ضرور جائے گا۔ وہ خانہ کعبہ کو گرا دے گا۔ اس کا پتھر پتھر جدا کر دے گا۔ اس نے نجاشی کو خط لکھا اور اپنے اس ارادہ سے آگاہ کیا۔ اس نے اس سے التجا کی کہ وہ اپنا ہاتھی اس کی طرف بھیجے۔ نجاشی کا ایک ہاتھی تھا جسے "محمود" کہا جاتا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا ہاتھی تھا۔ زمین میں اتنا بڑا اور قوی ہاتھی اور کوئی نہ تھا۔ نجاشی نے وہ ہاتھی ابرہہ کی طرف بھیج دیا۔ اس نے اہلِ حبشہ کو حکم دیا۔ ساٹھ ہزار کا لشکر تیار ہو گیا پھر وہ سرزمین مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب اہلِ عرب نے یہ سنا تو انہوں نے اسے عظیم سمجھا۔ اس سے غضب ناک ہوئے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ وہ خانہ کعبہ کو گرانے آرہا ہے تو انہوں نے کہا کہ اب اس کے ساتھ لڑنا ان کا حق ہے۔" یمن کے اشراف میں سے ایک شخص اس کے مقابلہ کے لیے نکلا جسے ذونفر کہا جاتا تھا۔ اس نے اپنی قوم اور عرب کے ان قبائل کو دعوت دی جو اس کی بات مانتے تھے۔ کہ وہ ابرہہ کے ساتھ لڑیں اور بیت اللہ کو گرنے سے بچائیں۔ قبائل نے اس کی صدا پر لبیک کہا۔ وہ ابرہہ کے ساتھ معرکہ آزما ہوا مگر ابرہہ نے اسے شکست سے دوچار کر دیا۔ ذونفر گرفتار ہوا۔ اسے ابرہہ کے پاس لایا گیا۔ جب وہ اسے قتل کرنے لگا تو ذونفر نے اسے کہا: "اے شاہِ والا! مجھے قتل نہ کرو۔ شاید مجھے اپنے ساتھ رکھنا میرے قتل کرنے سے بہتر ہو۔" اس نے اسے چھوڑ دیا۔ اسے اپنے ہاں قید کر دیا۔ ابرہہ آگے عازم سفر ہوا، جب وہ سرزمین خثعم پہنچا تو نفیل بن

حبیب خثعمی نے اپنی قوم کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ لیکن ابرہہ نے اسے بھی شکست سے دو چار کر دیا۔ نفیل گرفتار ہو گیا۔ اسے ابرہہ کے سامنے پیش کیا گیا جب اس نے اسے قتل کرنا چاہا تو نفیل نے اسے کہا: "اے بادشاہ! مجھے قتل نہ کرو۔ میں سرزمین عرب میں تمہاری راہ نمائی کروں گا۔" ابرہہ نے اسے چھوڑ دیا۔ ابرہہ مکہ مکرمہ کا عزم کیے آگے بڑھا۔ وہ طائف سے گزرا۔ مسعود بن معتب بنو ثقیف کے ساتھ نکلا۔ انہوں نے کہا: "ہم تمہارے غلام ہیں۔ ہم آپ کی بات سنتے ہیں اور سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں آپ کا مخالف کوئی نہیں ہے۔ ہمارا گھر وہی ہے جس کا آپ ارادہ رکھتے ہیں یعنی لات۔ یہ بت طائف میں تھا۔ وہ اس کی اس طرح تعظیم کرتے تھے جس طرح وہ خانہ کعبہ کی تعظیم کرتے تھے۔ شاہ والا! جس گھر کا آپ عزم کیے ہیں وہ مکہ میں ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ایسا شخص بھیجتے ہیں جو آپ کی راہ نمائی کرے گا۔" بادشاہ نے انہیں کچھ نہ کہا۔ انہوں نے اس کے ساتھ ابورغال کو بھیجا۔ وہ اس کی راہ نمائی مکہ مکرمہ کی راہ کی طرف کرتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اسے مُغمّس لے گیا۔ اسی جگہ یہ مر گیا۔ لوگوں نے اس کی قبر پر پتھر برسائے۔ مغمس میں لوگ اس کی قبر کو رجم کیا کرتے تھے۔ جب ابرہہ مغمس فروکش ہوا۔ اس نے حبشہ کا ایک شخص بھیجا جسے اسود بن مقصود کہا جاتا تھا۔ وہ اپنے گھڑ سوار دستے کے ساتھ گیا۔ وہ مکہ مکرمہ گیا اور تہامہ سے قریش اور دیگر قبائل کے اونٹ ہانک کر لے آیا۔ ان میں حضرت عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ تھے۔ وہ اس وقت قریش کے سردار اور عمر رسیدہ شخص تھے۔ قریش، کنانہ اور ہذیل کے قبائل نے ابرہہ کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر انہیں علم ہو گیا کہ اس کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت ان میں نہیں۔

ابرہہ نے حناطہ الحمیری کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ اس نے اسے کہا: "اس شہر کے سردار کے بارے پوچھو۔ پھر اسے کہو کہ بادشاہ کہتا ہے "میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے نہیں آیا۔ میں اس گھر کو گرانے کے لیے آیا ہوں اگر انہوں نے جنگ نہ کی تو مجھے ان کے خون بہانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ میرے ساتھ جنگ کا ارادہ نہ کرے تو اسے میرے پاس لے آؤ۔"

جب حناطہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ تو اس نے مکہ مکرمہ کے سردار اور راہ نما کے بارے پوچھا۔ اسے بتایا گیا۔ "عبدالمطلب بن ہاشم۔" اس نے انہیں وہ کچھ کہا جو ابرہہ نے اسے بتایا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: "بخدا! ہم اس کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ نہ ہی ہمارا یہ ارادہ ہے۔ یہ رب تعالیٰ کا مقدس گھر ہے۔ اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا گھر ہے۔ اگر وہ اسے روک دے تو یہ اس کا حرم اور گھر ہے۔ اگر وہ اس کا رستہ کھلا چھوڑ دے تو ہم میں اس کا دفاع کرنے کی طاقت نہیں ہے۔" حناطہ نے کہا: "ابرہہ کے پاس چلیں۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اس کے پاس لے آؤں۔" حضرت عبدالمطلب اس کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے بعض بیٹے بھی تھے۔ حتیٰ کہ وہ لشکر میں آئے۔ انہوں نے ذونفر کے بارے پوچھا۔ وہ ان کا دوست تھا۔ وہ ان کے پاس گئے۔ وہ اپنی مجلس میں تھا۔ انہوں نے کہا: "ذوالنفر! جو مصیبت ہم پر اتری ہے کیا اس میں ہمیں کچھ فائدہ دے سکتے ہو؟" ذوالنفر نے اسے کہا: "اس شخص کے ہاتھوں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ جو بادشاہ کے ہاتھوں اسیر ہو۔ جو اس کا منتظر ہو کہ بادشاہ اسے صبح قتل کرتا ہے یا شام کو۔

بخدا! میں اس مصیبت میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ البتہ ہاتھی کا سائس انیس میرا دوست ہے۔ اس کے پاس جائیں اور میں اسے بتا دیتا ہوں اور اسے آپ کا حق یاد دلاتا ہوں۔ میں اسے کہتا ہوں کہ وہ بادشاہ کے پاس جانے کے لیے آپ کو اجازت لے دے۔ آپ بادشاہ سے بات چیت کر لیں۔ وہ بادشاہ کے ہاں آپ کی سفارش کرے گا۔"
عبدالمطلب نے کہا: "میرے لیے یہی کافی ہے۔"

ذونفر نے انیس کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ آیا تو اسے کہا: "یہ عبدالمطلب ہیں یہ قریش کے سردار اور مکہ مکرمہ کے چشمہ کے مالک ہیں۔ یہ لوگوں کو میدانوں میں درندوں کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر کھلاتے ہیں بادشاہ ان کے دوسو اونٹ لے کر آیا ہے۔ انہیں بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت لے دو۔ اور جتنی طاقت ہے ان کی اتنی مدد کرو۔" انیس نے کہا: "بالکل درست ہے۔" انیس نے ابرہہ سے بات کی۔ اس نے کہا: "بادشاہ سلامت! آپ کے دروازے پر قریش کے سردار ہیں۔ وہ آپ سے اذن مانگ رہے ہیں وہ مکہ کے چشمہ کے مالک ہیں وہ لوگوں کو میدانوں میں اور درندوں کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر کھلاتے ہیں۔ انہیں اپنے پاس آنے کی اجازت دیں۔" ابرہہ نے انہیں اجازت دے دی۔

حضرت عبدالمطلب سارے لوگوں سے زیادہ باجمال، خوبصورت اور عظیم تھے۔ جب ابرہہ نے انہیں دیکھا تو ان کی بہت زیادہ عزت و تکریم کی۔ اس نے انہیں اپنے تخت سے نیچے بٹھانا ناپسند کیا۔ اس نے یہ بھی ناپسند کیا کہ اہلِ حبشہ اسے دیکھیں کہ اس نے عبدالمطلب کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا ہوا ہے۔ وہ اپنی قالین پر بیٹھ گیا۔ عبدالمطلب کو اپنے ساتھ پہلو میں بٹھالیا۔

"الدرر المنتظم" میں ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس گئے تو اس کے ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی نے انہیں سجدہ کیا۔ وہ ابرہہ کو سجدہ نہیں کرتا تھا۔ ابرہہ نے اس پر تعجب کیا۔ اس نے جادوگر اور کاہن بلائے۔ اور اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا: "اس ہاتھی نے انہیں سجدہ نہیں کیا بلکہ اس نور کو سجدہ کیا ہے جو ان کی آنکھوں کے مابین ہے۔"

ابرہہ نے اپنے ترجمان سے کہا "ان سے پوچھو ان کی کیا ضرورت ہے؟" ترجمان نے پوچھا تو انہوں نے کہا: "میری حاجت یہ ہے بادشاہ میرے وہ دوسو اونٹ واپس کر دے جنہیں وہ ہانک کر لے آیا ہے۔" جب ترجمان نے یہ بات بتائی تو بادشاہ نے کہا "انہیں کہو جب میں نے انہیں دیکھا تو یہ مجھے بہت اچھے لگے تھے لیکن اب میری دلچسپی کم ہو گئی ہے۔ جب انہوں نے اونٹوں کے بارے تو گفتگو کی ہے لیکن وہ اس گھر کو چھوڑ رہے ہیں جو ان کا اور ان کے آباء کا دین ہے اور میں جسے گرانے آیا ہوں۔ وہ اس کے متعلق مجھ سے گفتگو نہیں کر رہے۔" حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: "میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے جو اسے بھی روک دے گا۔" ابرہہ: "وہ مجھے نہیں روک سکتا۔"
عبدالمطلب: "وہ جانے یا تو جان۔"

ابن سائب اور مقاتل نے کہا ہے "پھر حضرت عبدالمطلب نے ابرہہ کو تہامہ کے اموال پیش کیے تاکہ وہ بیت

اللہ کو گرائے بغیر واپس چلا جائے۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس نے ان کے اونٹ واپس کر دیے۔ انہوں نے انہیں قلاوے پہنائے۔ اشعار کیا اور انہیں خانہ کعبہ کے لیے وقف کر دیا۔ انہیں حرم میں بکھیر دیا۔ قوم ان کی طرف گئی۔ بعض کی کونچیں کاٹ دیں۔ حضرت عبدالمطلب نے ابرہہ اور اس کے لشکر کے لیے بددعا کی۔ مقاتل کہتے ہیں حضرت عبدالمطلب نے کہا:

لاھمَّ اخز الاسود بن مقصود ۔۔۔ الآخِذَ الهجمةَ بعدَ التقليد

فتلَّهَا الى طماطم سود ۔۔۔ بين ثبير و حرا والبيد

والمروتين والمساعي السود ۔۔۔ يهدم البيت الحرام المقصود

قد اجمعوا ان لا يكون لك عيد ۔۔۔ احفرهم ابى و انت محمود

ترجمہ: مولا! اسود بن مقصود کو رسواء فرما۔ اس نے تقریباً ایک سو اونٹوں کو پکڑ لیا ہے، پھر اس نے ان اونٹوں کو کالے عجمی کے سپرد کر دیا ہے۔ وہ اونٹ ثبیر، حراء اور لبید کے درمیان تھے۔ وہ صفا و مروہ کے مابین تھے۔ وہ بیت اللہ الحرام کو گرانا چاہتا ہے۔ انہوں نے یہ اتفاق کر لیا ہے کہ تیرے لیے عید نہ منائی جائے۔ مولا! انہیں ذلیل و رسواء فرما تُو تو محمود ہے۔"

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ اشعار عکرمہ بن عامر کے ہیں۔ انہوں نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا۔ پھر حضرت عبدالمطلب قریش کے پاس لوٹ آئے۔ انہیں خبردار کیا۔ انہیں مکہ مکرمہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں اور گھاٹیوں میں بکھر جانے کا حکم دیا۔ تاکہ اس کا لشکر انہیں نقصان نہ دے۔ پھر حضرت عبدالمطلب خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہمراہ قریش کے بعض افراد تھے۔ وہ رب تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔ وہ ابرہہ کے خلاف مدد مانگنے لگے۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا:

لاھُمَّ ان المرء يمنع ۔۔۔ رحله فا منع جلالك

لَا يغلبن صَلِيبُهُمْ ۔۔۔ و محالهم عدوًا مِحَالك

وانصُرْ على آل الصليب ۔۔۔ و عابديه اليوم آلك

ان كنت تاركهم ۔۔۔ و كعبتنا فامر ما بذالك

ترجمہ: "اے مولا! انسان بھی اپنے کجاوے کی حفاظت کرتا ہے۔ پروردگار تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ ان کی صلیب اور قوت تیری قوت پر کل غالب نہ آجائے۔ صلیب کی اولاد اور اس کی عبادت کرنے والوں کے خلاف اپنے پڑوسیوں کی مدد فرما۔ اگر تو انہیں اور ہمارے کعبہ کو چھوڑنے والا ہے تو معاملہ اسی طرح ہے جس طرح تو چاہتا ہے۔"

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب حبشہ کے خلاف دعا مانگنے لگے۔ انہوں نے کہا:

يَا رَبِّ لَا ارجولهم سواك يَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَ
وَامْنَعْهُمْ اَنْ يُخْرِبُوْا قراك انّ عدوّا البيت من عاداك

ترجمہ: ''مولا! ان کے بارے مجھے تیرے علاوہ کسی اور سے امید نہیں ہے۔ مولا! اس پناہ گاہ کو ان کے ہاتھوں سے محفوظ فرما۔ انہیں روک دے کہ وہ تیری بستیوں کو برباد کریں۔ جس نے تیرے ساتھ عداوت رکھی وہ بیت اللہ کا دشمن ہے۔''

ابن اسحاق کہتے ہیں ''پھر حضرت عبدالمطلب اور قریش پہاڑوں کی چوٹیوں اور گھاٹیوں کی طرف چلے آئے۔ وہ ان میں محفوظ ہو گئے۔ وہ دیکھنے لگے کہ ابرہہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر کیا کرتا ہے۔ مقاتل نے ذکر کیا ہے ''حضرت عبدالمطلب ان کے ساتھ نہیں نکلے تھے۔ بلکہ مکہ معظمہ میں ٹھہرے رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نہیں نکلوں گا حتیٰ کہ رب تعالیٰ اس کے بارے فیصلہ فرما دے۔'' پھر وہ اور حضرت ابو مسعود ثقفی بلند جگہ پر چڑھ گئے۔ تا کہ وہ دیکھیں کہ ابرہہ مکہ مکرمہ کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ صبح کے وقت ابرہہ نے تیاری کی تا کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو جاتے۔ اس کے ہاتھی تیار کیے گئے۔ لشکر کو تیار کیا۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہا جاتا ہے کہ اس کے ہمراہ تیرہ ہاتھی تھے۔ جو سارے کے سارے ہلاک ہو گئے تھے۔

علامہ ماوردی نے اکثر مفسرین سے نقل کیا ہے کہ اس کے ہمراہ صرف ایک ہی ہاتھی تھا جس کا نام محمود تھا۔

ضحاک کہتے ہیں کہ اس کے ہمراہ آٹھ ہاتھی تھے۔ ابرہہ نے بیت اللہ کو گرانے پر اتفاق کر لیا۔ وہ ہاتھی کو خانہ کعبہ کے سامنے لے کر آیا تھا تا کہ وہ اس کی اس طرح تعظیم کریں جس طرح وہ خانہ کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں۔

دیگر علماء نے لکھا ہے کہ تا کہ وہ ارکان کعبہ کو رسے ڈال لے۔ پھر وہ رسے ہاتھیوں کی گردنوں کے ساتھ باندھے دے پھر انہیں ہانکے تا کہ خانہ کعبہ یکبار نیچے آ جائے۔ جب انہوں نے ہاتھی کا رخ خانہ کعبہ کی طرف کیا۔ نفیل بن حبیب آیا۔ اس نے ہاتھی کا کان پکڑا اس نے کہا: ''محمود! تو حرم پاک میں ہے۔'' پھر نفیل بھاگتا ہوا گیا حتیٰ کہ وہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ ہاتھی نیچے بیٹھ گیا۔ سپاہیوں نے اسے گرز سے مارا۔ تا کہ وہ اٹھے۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے اس کے پیٹ کے نیچے ڈنڈے مارے۔ ان ڈنڈوں کے لوہے کے سرے چبھوئے مگر ہاتھی نے انکار کر دیا۔ انہوں نے اس کا رخ یمن کی طرف کیا۔ وہ بھاگ نکلا۔ انہوں نے اس کا رخ شام کی طرف کیا تو اس نے اسی طرح کیا۔ اسی طرح وہ مشرق کی طرف بھی بھاگ نکلا۔ جب انہوں نے اس کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ اور بلند آواز نکالنے لگا۔

یونس بن بکر نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب ہاتھی بیٹھ گیا کہ سپاہی اسے قسمیں دینے لگے کہ وہ اسے یمن لے جائیں گے وہ دم ہلانے لگا۔ گویا کہ وہ ان سے عہد لے رہا ہے۔ جب وہ قسمیں اٹھاتے تو وہ اٹھتا۔ بھاگنے لگتا جب اسے

مکہ مکرمہ کی طرف لے کر آتے تو وہ فوراً بیٹھ جاتا۔ وہ اس کے لیے قسمیں اٹھانے لگتے۔ وہ دم ہلاتا گویا کہ قسموں کو پختہ کر رہا ہو۔ انہوں نے کئی بار اس طرح کیا۔

زجاج نے معانی القرآن میں لکھا ہے کہ ان کے جانور بیت اللہ کی طرف نہیں جاتے تھے۔ جب انہیں واپس لے کر آتے تو وہ چلنے لگتے۔ رب تعالیٰ نے انہیں بہت بڑی نصیحت فرمائی تھی۔ مگر وہ اس نیت پر ٹھہرے رہے کہ بیت اللہ کو گرا کر جائیں گے۔ وہ ہاتھی کے ساتھ کوشش کرتے رہے حتیٰ کہ شام ہو گئی۔

ابن اسحاق کی روایت ہے اس رات انہوں نے عذاب کا ادراک کر لیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے ستاروں کو دیکھا وہ ان کی طرف پریشان کن نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ قریب تھا کہ وہ انہیں عذاب کے قرب ہونے کے بارے انہیں بتا دیتے۔ وقتِ سحر ربِ تعالیٰ نے سمندر کی طرف سے ابابیل بھیج دیے۔ وہ خطاطیف کی طرح تھے۔ ہر پرندے کے پاس تین پتھر تھے۔ ایک پتھر ان کی چونچ میں ایک ایک ان کے پنجے میں تھا۔ وہ مسور اور چنے کے دانے کے برابر تھا۔ وہ پرندے آئے انہوں نے لشکر کے اوپر صف بندی کر لی۔ جب سپاہیوں نے پرندے دیکھے تو وہ خوفزدہ ہو گئے۔ وہ نیچے گر پڑے۔ پرندے چھا گئے۔ انہوں نے وہ پتھر پھینک دیے جو ان کی ٹانگوں اور چونچوں میں تھے۔ پتھر انسان کے ایک پہلو پر لگتا دوسرے سے نکل جاتا۔ اگر وہ ان کے سر پر لگتا تو نیچے سے نکل جاتا۔ وہ جسے لگتے اسے پیس کر رکھ دیتے وہ اسی جگہ گر پڑتا۔ اسے چیچک کے دانے نکل آتے۔ رب تعالیٰ نے تیز ہوا بھیجی جو ان کی ٹانگوں کو لگی۔ اس کی قوت میں اضافہ ہو گیا۔

ابونعیم نے حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھے ہاتھی کو ہانکنے والے اور اس کے سائس نے بتایا۔ انہوں نے کہا: "ہمارے پاس بادشاہ کا بڑا ہاتھی تھا۔ وہ جس لشکر کی طرف جاتا تھا اسے شکست سے دوچار کر دیتا تھا۔ جب ہم حرم پاک کے قریب ہوئے ہم جب بھی ان کا رخ حرم کی طرف کرتے وہ بیٹھ جاتا جب ہم اسے مارتے وہ نیچے گر پڑتا۔ کبھی ہم اسے اتنا مارتے کہ ہم اکتا جاتے جب وہ مُحَسِّر پہنچا تو وہ بیٹھ گیا تو وہ نہ اٹھا۔ عذاب آ گیا۔" میں نے پوچھا: "کیا تم دونوں کے علاوہ کسی نے نجات پائی؟" انہوں نے کہا: "ہاں! سب کو عذاب نہیں پہنچا تھا۔"

ابرہہ اور اس کے سپاہی اپنے شہروں کی طرف بھاگ نکلے۔ وہ جب بھی کسی زمین میں داخل ہوتے تو ان کا ایک عضو گر پڑتا حتیٰ کہ وہ خثعم کے شہروں تک جا پہنچے تو اس کا سر رہ گیا تھا۔ وہ اسی جگہ مر گیا۔ اس کا وزیر بھاگ نکلا۔ اس کا پرندہ اس کے سر کے اوپر تھا۔ حتیٰ کہ وہ نجاشی تک پہنچ گیا۔ اسے وہ داستان سنائی۔ جب وہ فارغ ہو گیا تو پرندے نے اسے پتھر مارا تو وہ بادشاہ کے سامنے مر گیا۔

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ ان پرندوں کے سر درندوں کے سروں کی طرح تھے۔ اس طرح کہ پرندے نہ پہلے اور نہ ہی بعد میں دیکھنے میں آئے تھے۔ ان کا اثر ان کی جلدوں میں ہو گیا اس وقت چیچک کے مرض کی ابتدا ہوئی۔

عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ وہ ابلق خطاطیف کی طرح تھے۔ عبد بن حمید، ابن منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے ابابیل کو بلایا۔ انہیں سیاہ پتھر دیے جن پر مٹی تھی۔ جب انہوں نے لشکر کو گھیر لیا تو اس کے اوپر صف بندی کر لی۔ ہر انسان کو خارش لگ گئی۔ وہ جس حصہ پر خارش کرتا اس کا گوشت نیچے گر پڑتا۔ فریابی، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم نے حضرت عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ وہ پرندے سمندر کی طرف سے آئے تھے۔ گویا کہ وہ ھند کے لوگ تھے۔ وہ اونٹوں کی طرح تھے۔ ان میں سے چھوٹے انسان کے سروں کی طرح تھے وہ جس پر بھی نشانہ مارتے تھے اسے مار دیتے تھے۔

ابونعیم نے حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "میں نے وہ کنکریاں دیکھی تھیں جو ان پرندوں نے اصحابِ فیل پر پھینکیں تھیں۔ وہ چنے کے دانے کی طرح تھیں وہ مسور کے دانے سے بڑی تھیں ان پر مہر لگی ہوئی تھی گویا کہ وہ ظفار کا سنگریزہ تھا۔"

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "وہ چنے اور مسور کے دانے کے برابر تھیں۔ ان سے سرخ رنگ کے چھینٹے نکلتے تھے ان پر مہریں لگی ہوئیں تھیں۔

امام ابن اسحاق، امام واقدی، ابونعیم اور بیہقی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے ہاتھی کو ہانکنے والے اور اس کے سائیس کو دیکھا وہ اندھے اور اپاہج تھے وہ لوگوں سے مانگا کرتے تھے۔"

ابونعیم نے حضرت ابوصالح علیہ الرحمۃ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے پاس ان کنکریوں میں سے ایک کنکری دیکھی۔ وہ قفیز کی طرح تھیں گویا کہ وہ ظفار کا عقیق ہو۔ ہر پتھر پر لگنے والے کا نام اور اس کے باپ کا نام لکھا ہوا تھا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے۔ "ان سب کو یہ عذاب نہیں پہنچا تھا۔ وہ اس رستے سے ڈرتے ہوئے بھاگ گئے، جس سے آئے تھے۔ وہ نفیل بن حبیب کے متعلق پوچھ رہے تھے تاکہ وہ انہیں رستہ بتائے۔ اس وقت نفیل نے کہا:

این المفر و الا له الغالب   والاشرم المغلوب لیس غالب

ترجمہ: "اب اب کہاں بھاگ کر جاتے ہو۔ رب تعالیٰ غالب ہے، اشرم مغلوب ہے، وہ غالب نہیں ہے۔"

وہ گرتے گراتے اور ہر ہر مقام مرتے مرتے نکل گئے۔ ابرہہ کو سنگریزہ لگا تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ عازم سفر ہوا تھا۔ رستہ میں اس کا گوشت گرتا گیا۔ جب بھی ٹکڑا گرتا اس کے بعد گندگی، خون اور پیپ گرتی۔ جب اسے صنعاء لایا گیا تو وہ پرندے کے چوزے کی طرح تھا۔ اس کا دل پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

وقت صبح حضرت عبدالمطلب نے دیکھا۔ ان کے ہمراہ ابومسعود بھی تھا۔ ابومسعود نے کہا: "ذرا سمندر کی طرف دیکھو۔" انہوں نے کہا: "مجھے سفید پرندے نظر آرہے ہیں۔" ابومسعود: "دیکھو یہ کہاں جاتے ہیں؟ وہ ہمارے سروں پر چکر

لگانے لگے۔" انہوں نے پوچھا: "کیا انہیں جانتے ہو؟" اس نے کہا: "نہیں! یہ پرندے نہ نجد کے ہیں نہ تہامہ کے۔ نہ یمن کے ہیں نہ شام کے۔ یہ ہماری سرزمین پر اجنبی پرندے ہیں۔" حضرت عبدالمطلب: یہ کتنے بڑے ہیں۔ ابومسعود: "وہ کھجور کی طرح ہیں۔ ان کی چونچوں میں کنکریاں ہیں۔ یہ ابابیل ہیں جو ایک دوسرے کے بعد آرہے ہیں ہر گروہ کے آگے آگے ایک پرندہ ہے جو اس کی قیادت کر رہا ہے۔ اس کی چونچ سرخ سر سیاہ اور گردن طویل ہے۔" حتیٰ کہ جب وہ لشکر تک پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے۔ ابومسعود نے کہا: "یہ اس معاملہ کے لیے ہیں جو ہو کر رہے گا۔ پھر حضرت عبدالمطلب نے اپنے ایک نور نظر کو ایک تیز رفتار گھوڑا دے کر بھیجا تا کہ دیکھے اس قوم کے ساتھ کیا ہوا؟ گھوڑا ان کی طرف گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ سارے ریزہ ریزہ تھے۔ وہ لخت جگر واپس لوٹ آیا۔ اس نے اپنی ران سے کپڑا اٹھایا ہوا تھا۔ جب عبدالمطلب نے اسے دیکھا تو فرمایا "میرا بیٹا سارے عرب سے بڑا شہہ سوار ہے۔ اس نے بشارت دیتے ہوئے یا ڈراتے ہوئے کپڑا اٹھایا ہوا ہے۔ وہ جب ان کے قریب ہوا تو اس نے کہا "وہ سب مارے گئے ہیں۔" وہ پہاڑ سے کچھ ہی نیچے اترے تھے۔ انہوں نے کسی کو نہ دیکھا۔ جب وہ لشکر کے قریب ہوئے تو لشکر کو منہ کے بل گرا ہوا دیکھا۔ حضرت عبدالمطلب نے کلہاڑا لیا۔ اس سے زمین میں گڑھا کھودا۔ اسے سونے اور جواہرات سے بھر دیا۔ انہوں نے اپنے دوست کے لیے بھی گڑھا کھودا اس طرح اسے بھی بھر دیا۔ ہر ایک اپنے گڑھے پر بیٹھ گیا۔ حضرت عبدالمطلب نے لوگوں کو بلایا۔ وہ آئے اور بہت سا سامان لے کر چلے گئے۔ حضرت عبدالمطلب کی عظمت میں اضافہ ہو گیا کیونکہ وہ مکہ مکرمہ سے باہر نہیں نکلے تھے۔ رب تعالیٰ نے بہت بڑا سیلاب بھیجا۔ اس نے حبشیوں کی لاشیں اٹھائیں اور انہیں سمندر میں پھینک دیا۔

جب اہل حبشہ کو رب تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ تو اہل عرب کے دلوں میں قریش کی دھاک بیٹھ گئی۔ انہوں نے کہا: "یہ اللہ والے ہیں۔ انہوں نے ان کی طرف سے جنگ کی۔ دشمن کی تکلیف کو روکا۔ اس واقعہ کے بارے بہت سے اشعار کہے۔ جس طرح کہ حضرت عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے:

قُلْتُ والاشرم یَرْدِی خیله ۔۔۔ انّ ذاالا شرم غِرٌّ بِالْحَرَمِ

ترجمہ: "میں نے کہا کہ اشرم اپنے گھوڑے کو ہلاک کر دے گا۔ یہ ہونٹ کٹا حرم کے متعلق دھوکے میں ہے۔"

رامه تبّع فیمن جَمّعَتْ ۔۔۔ حمیر والحیُّ من آل قدم

ترجمہ: تبع نے اپنے لشکر جرار سمیت، حمیر نے اور آل قدم کے ایک قبیلہ نے اس کا قصد کیا تھا۔"

فانثنی عنه و فی اَوْدَاجِهٖ ۔۔۔ جارض امسك منه بالکَظَمِ

ترجمہ: "وہ اس سے رک گئے۔ اس کی رگوں میں ایسی رکاوٹ آجاتی ہے کہ روح نکلنے کی وجہ سے رک جاتی ہے۔"

نحن آل الله فی بلدته ۔۔۔ لم نزل فیها علی عهد ابرهم

ترجمہ: "ہم رب تعالیٰ کے شہر میں اس کے قریبی بندے ہیں اور حضرت ابراہیم کے دور سے یہاں فروکش ہیں۔"

حضرت عبدالمطلب نے تبع کی داستان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ابن اسحاق نے اسے روایت کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے: "جب تبع اپنے شہر کی طرف لوٹ رہا تھا تو بنو ھذیل بن مدرکہ کا ایک وفد اس کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا کیا ہم آپ کی راہ نمائی اس گھر کی طرف نہ کریں، جہاں بہت سا مال ہے آپ سے پہلے بادشاہ اس سے غافل رہے اس میں موتی، زبرجد، یاقوت اور سونا اور چاندی ہے۔" اس نے کہا: "ضرور!" انہوں نے کہا: "مکہ کا گھر۔" بنو ھذیل چاہتے تھے کہ وہ اس طرح ہلاک ہو جائے۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ جو بیت اللہ کے پاس بغاوت کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر تبع بہت خوش ہوا۔ وہ بیت اللہ کو گرانے کے عزم سے آگے بڑھا۔ رب تعالیٰ نے اس پر ہوا بھیج دی۔ اس نے اس کے ہاتھوں اور پاؤں کو ٹیڑھا کر دیا۔ اس کا جسم مفلوج ہو گیا۔ اس نے اپنے ایک آدمی کو یہود کے پاس بھیجا۔ اس نے پوچھا: "یہ کون سا مرض ہے۔ جو مجھے لگ گیا ہے۔" یہودیوں نے پوچھا: "کیا کوئی نیا کام کیا ہے؟" تبع: "میں نے کوئی نیا کام نہیں کیا۔" یہودی: "اپنے نفس سے کوئی نیا کام کرنے سے کہا ہو؟" اس نے کہا: "ہاں! اس نے بیت اللہ کو گرانے کا ساز و سامان اٹھانے کے عزم کے بارے آگاہ کیا۔" یہودیوں نے کہا: "وہ رب تعالیٰ کا پاک گھر ہے۔ جس نے اسے بری نگاہ سے دیکھا وہ ہلاک ہو گیا۔" تبع: "اس سے باہر نکلنے کی کوئی صورت ہے؟" یہودی: "اپنے آپ سے وعدہ کرو کہ تم اس گھر کا طواف کرو گے۔ اسے غلاف چڑھاؤ گے، اس کی تعظیم بجا لاؤ گے۔" اس نے اپنے آپ سے یہ وعدہ کیا۔ رب تعالیٰ نے اسے نجات عطا فرما دی۔ وہ مکہ مکرمہ پہنچا، بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفا اور مروہ کے مابین سعی کی۔ سر منڈوایا چھ روز مکہ مکرمہ میں ٹھہرا لوگوں کے لیے جانور ذبح کیے۔ اہل مکہ کو کھلایا، شہد پلائی۔ خواب دیکھا کہ وہ بیت اللہ کو غلاف چڑھا رہا تھا۔ اس نے الخصف کا غلاف چڑھایا۔ پھر اس نے دیکھا کہ وہ اس سے عمدہ کپڑے کا غلاف چڑھا رہا تھا۔ اس نے عافر کا غلاف چڑھایا۔ پھر اس نے دیکھا کہ وہ اس سے بھی عمدہ کپڑے کا غلاف چڑھا رہا تھا۔ اس نے الملاء اور وصائل کا غلاف چڑھایا۔

تنبیہات

1. اکثر روایات میں ہے کہ کنکریاں مسور کے دانے سے بڑی اور چنے کے دانے سے چھوٹی تھیں بعض روایات میں ہے کہ وہ اس سے بڑی تھیں۔ گویا کہ ان میں چھوٹی بڑی تھیں جو کسی نے دیکھا اس کے متعلق بیان کر دیا۔
2. اگر کوئی کہے کہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں ایک واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ اس نے حصین بن نمیر کو بھیجا اس نے کوہ ابی قبیس پر منجنیق نصب کی۔ خانہ کعبہ پر پتھر برسائے، حجر اسود کو توڑ دیا۔ خانہ کعبہ جل گیا اس کی دیوار گر پڑی۔ اس کا چھت بھی گر پڑا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں روکا نہ گیا کیونکہ دعوت مکمل ہو چکی تھی۔ بات مکمل ہو چکی تھی۔ دلیل ثابت ہو چکی تھی۔ رب تعالیٰ نے ان کا معاملہ آخرت کے لیے مؤخر کر دیا۔ حضور ﷺ نے فتنوں کے واقع ہونے کی خبر دے دی تھی۔ آپ نے بتا دیا تھا کہ عنقریب خانہ کعبہ کو گرا دیا جائے گا۔

آپ کا نسب پاک

پہلا باب

اہلِ عرب کی فضیلت اور ان کے ساتھ محبت

حضور ﷺ کی اصل عرب ہے اس لیے مناسب ہے کہ اہلِ عرب کے بعض فضائل کا تذکرہ کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عرب کا کوئی قبیلہ نہیں مگر اس کے مضری، ربیعی یا یمانی سے حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اس باب کی کئی انواع ہیں۔

◆ ۱ رب تعالیٰ نے تخلیق میں عرب کو اور اہلِ عرب میں سے آپ کو منتخب کر لیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے مخلوق کو تخلیق کیا۔ مخلوق میں سے بنو آدم کو منتخب کر لیا۔ بنو آدم میں سے عرب کو منتخب کیا۔ عرب میں سے مضر کو مضر میں سے قریش کو منتخب کیا۔ قریش میں سے بنوہاشم کو منتخب کیا اور بنوہاشم میں سے مجھے منتخب کر لیا۔ میں بہترین کی طرف بہترین میں سے بہترین ہوں۔ جس نے اہلِ عرب سے محبت کی اس نے میری وجہ سے ان سے محبت کی جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا۔ اس نے میری وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھا۔ (الطبرانی، حاکم، بیہقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ نے خلق کو تخلیق کیا تو اس نے عرب کو منتخب کیا۔ عرب میں سے قریش کو منتخب کیا۔ قریش میں سے بنوہاشم کو منتخب کیا اور بنوہاشم میں سے مجھے منتخب کر لیا۔ میں بہترین میں سے بہترین ہوں۔" (حاکم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو حضرت جبرائیل امین کو بھیجا۔ انہوں نے لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک قسم عرب دوسری قسم عجم تھے عرب میں رب تعالیٰ کے منتخب لوگ تھے۔ پھر عرب کو دو حصوں میں منقسیم کیا پھر یمن مضر اور قریش میں تقسیم کیا۔ رب تعالیٰ کے برگزیدہ بندے قریش میں تھے۔ پھر مجھے نکالا میں اس سے بہترین ہوں جس سے میں ہوں۔"

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل کو، بنو اسماعیل میں سے کنانہ کو، کنانہ میں سے قریش کو، قریش میں سے بنوہاشم کو اور بنوہاشم میں سے مجھے

منتخب کر لیا۔

◆ اہلِ عرب سے محبت حضور ﷺ کی محبت کی وجہ سے ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جس نے عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ جس نے اہلِ عرب سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جس نے اہلِ عرب سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ جس نے اہلِ عرب سے بغض رکھا۔ اس نے میری وجہ سے ان سے بغض رکھا۔" (حاکم)

الطبرانی اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین وجوہات کی بناء پر اہلِ عرب سے محبت کرو۔ (۱) میں عربی ہوں۔ (۲) قرآن پاک عربی زبان میں ہے۔ (۳) اہلِ جنت کی زبان عربی ہے۔

◆ عرب سے بغض رکھنا دین سے جدا کر دینے والا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "اے سلمان! مجھ سے بغض نہ رکھو ورنہ تم دین سے جدا ہو جاؤ گے۔" میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں آپ سے کیسے بغض رکھ سکتا ہوں۔ حالانکہ آپ کے وسیلہ سے رب تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی ہے۔" آپ نے فرمایا: "تم عرب سے بغض رکھو گے تو مجھ سے بغض رکھو گے۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "عرب سے صرف منافق ہی بغض رکھ سکتا ہے۔" (الطبرانی)

◆ قریش کی فضیلت۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "قریش کی محبت ایمان میں سے ہے۔ ان سے بغض رکھنا کفر ہے۔" (الطبرانی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اس معاملہ میں لوگ قریش کے تابع ہیں ان کے مسلمان قریش کے مسلمانوں کے تابع ہیں۔ ان کے کافر ان کے کافروں کے تابع ہیں۔"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ معاملہ قریش میں سے جو بھی ان کے ساتھ عداوت رکھے گا، رب تعالیٰ اسے منہ کے بل گرا دے گا۔ جب تک وہ دین کو قائم کرتے رہے۔" (بخاری)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جس نے قریش کو ذلیل کرنے کی کوشش کی رب تعالیٰ نے اسے رسوا کر دیا۔" (ترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اگر قریش کے بارے یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ اترانے لگیں گے تو میں انہیں اس مقام سے آگاہ کرتا جو ان کا رب تعالیٰ کے ہاں ہے۔" (امام احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "امانت کو قریش میں تلاش کرو۔ امین قریش

میں ہے۔ اسے دیگر امین سے دو فضیلتیں حاصل ہیں۔ قریش کے طاقتور کو دوسرے طاقتور سے دو فضیلتیں حاصل ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن حارث الزبیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "علم قریش میں اور امانت ازد میں ہے۔" (الطبرانی)

حضرت رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "قریش اہلِ امانت ہیں۔ جس نے ان کے ساتھ بغاوت کی رب تعالیٰ اسے ناک کے بل رسوا کرے گا۔"

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی قریش کے ساتھ مڈبھیڑ ہوگئی۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: "قتادہ! قریش کو گالیاں نہ دینا۔ شاید ان میں سے ایسے افراد دیکھو۔ جن کے عمل کے ساتھ تم اپنے عمل کو کم دیکھو جن کے افعال کے ساتھ اپنے افعال کو کم جانو۔ جب تم انہیں دیکھو تو ان پر رشک کرو۔ اگر مجھے قریش کے اترانے کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں اس مقام سے آگاہ کرتا جو ان کا رب تعالیٰ کے ہاں ہے۔"

روایت ہے کہ حضرت ابوقتادہ انصاری نے فتح مکہ کے روز کہا: "اس روز رب تعالیٰ قریش کو ذلیل کر دے گا۔" بعض صحابہ کرام نے عرض کی: "یارسول اللہ! کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ابوقتادہ کیا کہہ رہے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "ابوقتادہ! ذرا آہستہ! اگر تم اپنا حلم کا ان کے حلم کے ساتھ وزن کرو تو تم اپنے حلم کو ان کے حلم کے ساتھ حقیر جانو گے۔ اگر تم اپنی رائے کا ان کی رائے کے ساتھ وزن کرو تو تم اپنی رائے کو حقیر جانو گے اگر تم اپنے افعال کا ان کے افعال کے ساتھ موازنہ کرو تو تم اپنے افعال کو حقیر سمجھو گے۔ قریش کو نہ کچھ سکھاؤ۔ بلکہ ان سے سیکھو۔ اگر قریش کے اترانے کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں اس مقام سے آگاہ کرتا جو ان کا مقام رب تعالیٰ کے ہاں ہے۔" (بیہقی)

حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! قریش سے آگے نہ بڑھا کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ نہ ان سے پیچھے رہا کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ انہیں کچھ نہ سکھاؤ بلکہ ان سے سیکھو۔ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ اگر مجھے قریش کے اترانے کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں اس مقام سے آگاہ کرتا جو رب تعالیٰ کے ہاں ان کا ہے۔" (بیہقی)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "سات فضیلتوں کے ساتھ رب تعالیٰ نے قریش کو فضیلت عطا کی ہے۔ جو نہ تو ان سے قبل کسی کو عطا کی گئیں اور نہ ہی بعد میں دی جائیں گی۔ رب تعالیٰ نے قریش کو یہ فضیلت دی ہے کہ میں ان سے ہوں۔ نبوت ان میں ہے حجابۃ ان میں ہے۔ سقایہ ان میں ہے ہاتھی والوں کے خلاف ان کی مدد کی گئی۔ دس سال تک انہوں نے رب تعالیٰ کی اس طرح عبادت کی کہ ان کے علاوہ کوئی اور اس کی عبادت نہیں کرتا تھا۔ ان کے بارے قرآن پاک کی سورت نازل کی۔ ان کے علاوہ کسی اور کے بارے سورت نازل نہ کی۔" (الطبرانی)

اس ضمن میں اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ اللہ رب العزت ابن جابر پر رحم فرمائے انہوں نے کیا خوب اشعار

کہے ہیں:

من اعربِ العرب الا ان نسبتهٗ — الی قریش حماة البیت والحرم

ترجمہ: عربوں کا عجیب وغریب امر یہ ہے کہ ان کی نسبت قریش کی طرف ہے جو بیت اللہ کے نگہبان اور حرم کے نگران ہیں۔"

لا عیب فیهم سوی الّا تری لهم — ضَیْفًا یجوع ولا جَارًا بمهتضم

ترجمہ: "اس کے علاوہ ان میں کوئی عیب نہیں ہے کہ ان کو دیکھے گا کہ ان کا مہمان بھوکا نہیں رہتا نہ ہی ہمسایہ کی حق تلفی ہوگی۔"

ما عاب منهم عدوٌّ غیر انهم — لم یصرفوا السیف یوما عن عدوهم

ترجمہ: "کسی دشمن نے ان کا کوئی عیب نہیں نکالا۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے کسی دن بھی دشمن سے تلوار نہیں پھیری۔"

من غض من مجدهم فالمجد عنه نأی — لکنه غص اذ سادوا علی الامم

ترجمہ: "جس نے ان کی بزرگی کے ح قیمیں کمی کی تو بزرگی اس سے دور ہوگئی۔ لیکن اسے اس وقت تنگی ہوتی ہے جب وہ اقوام پر سردار بن جاتے ہیں۔"

لا خیر فی المرءِ لم یعرف حقوقهم — لکنه من ذوی الاهواء والتهم

ترجمہ: "اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جس نے ان کے حقوق نہ جانے۔ بلکہ وہ ہی خواہشات نفسانیہ کا پیروکار اور خراب ہے۔"

عیبت عداهم فزانوهم بان ترکوا — سیوفهم وهی تیجان لهامهم

ترجمہ: "ان کے دشمنوں نے ان پر عیب لگایا۔ انہوں نے ان کا موازنہ نہ کیا کہ وہ ان کی کھوپڑوں پر تلوار رکھتے ہیں جو تاجوں کی مانند ہوتی ہیں۔"

تجری دماء الاعادی من سیوفهم — مثل المواهب تجری من اکفهم

ترجمہ: "ان کی تلواروں سے ان کے دشمنوں کا خون اس طرح گرتا ہے جس طرح ان کے ہاتھوں سے عطیات گرتے ہیں۔"

لهم احادیث مجد کالریاض اذا — اهدت نواسم حبی باری النسم

ترجمہ: "ان کے بارے بزرگی کی گفتگو باغ کی مانند ہے۔ جب میرے محبوب روحوں کو پیدا کرنے والے کی طرف سے ہوا کے جھونکے تحائف لے کر آتے ہیں۔"

تری الغنی لدیهم الفقیر وقد عادوا سواء فلازم باب قصدهم

ترجمہ: تو دیکھے گا کہ ان کے دروازے پر غنی اور فقیر یکساں طور پر آتے ہیں تو بھی ان کے دروازے کو لازم پکڑ لے۔"

قل المصباح اذا مالاح نورهم ان کان عندك هذا النور فابتسم

ترجمہ: "صبح سے کہو جب کہ قریش کا نور چمکے۔ اگر تیرے پاس اس طرح کا نور ہے تو پھر مسکراؤ۔"

اذا بدا البدر تحت اللیل قلت له أ أنت یا بدر ام مرای وجوههم

ترجمہ: "جب ماہ تمام ظاہر ہو تو اسے کہو اے چاند! تو ماہِ تمام ہے یا ان کے چہروں کا آئینہ ہے۔"

کانوا عیونا ولکن للحفاة کما کانوا لیوثا ولکن فی عداتهم

ترجمہ: "وہ چشمے ہیں لیکن پاکبازوں کے لیے۔ وہ شیر ہیں لیکن اپنے مدمقابلوں کے لیے۔"

کم قائل قال حازا لمجد وارثه ففلت هم وارثوہ عن جدودهم

ترجمہ: "کتنے ہی کہنے والوں نے کہا کہ ان کے وارثوں نے بزرگی کی حدود عبور کر دیں ہیں میں نے کہا وہ اپنے آباء سے اس بزرگی کے وارث ہیں۔"

قد اورث المجد عبدالله شیبة عن عمرو بن عبد مناف عن قصیهم

ترجمہ: "حضرت عبداللہ حضرت عبدالمطلب سے بزرگی کے وارث بنے، عمرو بن عبدمناف اپنے قصی سے فضیلت کے وارث ہے۔"

مجاء فیهم بمن جال السماء و من سما علی النجم فی سامی بیوتهم

ترجمہ: "ان میں ایسے بھی تھے جو بزرگی کے آسمان تک جا پہنچے، بعض اپنے عمدہ گھروں میں ستاروں پر چلے۔"

فالعرب خیر الناس ثم خیرهم قریش هم وهو منهم خیر خیرهم

ترجمہ: "عرب لوگوں میں سے بہترین ہیں پھر ان میں بہترین قریش ہیں اور ان میں بہترین سے بہترین بھی ان میں سے ہیں۔"

قوم اذا قیل من؟ قالوا نبیکم منا فهل هذه تلفی لغیرهم

ترجمہ: "وہ ایسی قوم ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم کون ہو؟ وہ کہتے ہیں تمہارے نبی کریم ﷺ ہم میں سے ہیں کہا کہ یہ سعادت کسی اور کو حاصل ہے۔"

ان تقراء "النحل" تنحل جسم حاسدهم و فی براۃ یبدو وجه جاههم

ترجمہ: "اگر تم سورۃ النحل پڑھے تو ان کے حاسدوں کا جسم پگھل جائے گا۔ سورۃ برات سے ان کی وجاہت کی

شان عیاں ہوتی ہے۔"

قوم النبی فان تحفل بغیرھم بین الوریٰ فقد استسمنت ذا ورم

ترجمہ: "حضور ﷺ کی قوم ایسی ہے کہ اگر تو ان کے علاوہ کسی اور کو جمع کرے گا تو تو لوگوں میں سے ورم والوں کو جمع کرے گا۔"

ان یجحد العجم فضل العرب قل لھم خیر الوریٰ منکم ام من صمیمھم

ترجمہ: "اگر عجم والے عرب کی فضیلت کا انکار کریں تو ان سے کہو کہ حضور ﷺ کا تعلق تم سے ہے یا کہ آپ عرب کے خلاصہ میں سے ہیں۔"

من فضل العجم فض اللہ فاہٗ ولو فاھو لعضّوا و عضو من نبیھم

ترجمہ: "جس نے عجم کو فضیلت دی۔ رب تعالیٰ ان کے منہ کو خراب کرے۔ اگر انہوں نے ایسی گفتگو کی تو ان کے منہ میں بات اٹک جائے گی۔ وہ اپنے نبی کریم ﷺ سے شرمندہ ہوں گے۔"

❁❁❁

دوسرا باب

آپ ﷺ کے نسب کی پاکیزگی اور طہارت

آپ ﷺ کے نسب کی طہارت کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ آپ ﷺ بنو ہاشم کا خلاصہ اور قریش کے عمدہ خاندان میں سے ہیں۔ آپ ﷺ سارے عرب و عجم سے معزز ہیں۔ آپ ﷺ والد گرامی اور والدہ ماجدہ کی طرف سے عمدہ خاندان سے ہیں۔ آپ ﷺ سارے اہلِ مکہ اور سارے انسان بلکہ ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ اس کی گواہی آپ کے دشمن بھی دیتے تھے۔ یہی گواہی ابوسفیان نے ملک الروم قیصر کے سامنے دی تھی۔ حالانکہ وہ اس وقت آپ کا دشمن تھا۔ آپ کی قوم ساری اقوام سے معزز، آپ کا قبیلہ سارے قبائل سے افضل آپ کا خاندان سارے خاندانوں سے افضل ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ (الانعام: ۱۲۴)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو۔"

حضرت عکرمہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان تقلبك فی الساجدين (الشعراء: ۲۱۹) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ ایک نبی کی پشت سے دوسرے نبی کی پشت میں جلوہ افروز ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ نبی بن کر جلوہ نما ہوئے۔" (البزار، الطبرانی)

حضرت عطاء سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ انبیائے کرام کی پشتوں سے منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر سے اطہر جلوہ افروز ہوئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں بنو آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث ہوا ہوں۔ قرن بہ قرن زمانہ تبدل ہوتا رہا حتیٰ کہ وہ زمانہ آ گیا جس میں میں مبعوث ہوا۔" (بخاری)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "عرب میں سے مضر اور مضر میں سے بنو عبد مناف اور بنو عبد مناف میں سے بنو ہاشم اور بنو ہاشم میں سے بنو عبد المطلب بہترین ہیں۔ بخدا! جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی تخلیق کی ہے جب بھی اولاد آدم دو حصوں میں منقسم ہوئی میں ان میں سے بہترین میں تھا۔" (ابونعیم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔

مجھے بہترین قسم میں رکھا۔ پھر دو قسموں کو اثلاث میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین ثلث میں رکھا۔ پھر اثلاث کے قبائل بنائے تو مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا۔ پھر قبائل کو گھروں میں تبدیل کیا تو مجھے بہترین گھر میں رکھا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کردے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو!"

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "حضرت جبرائیل امین نے کہا: "میں نے زمین کے مشارق و مغارب چھان مارے میں نے کسی کو محمد عربی سے افضل نہیں پایا نہ ہی کسی قبیلہ کو بنوہاشم سے افضل پایا۔" (الطبرانی، بیہقی، ابن عساکر)

حافظ نے "امالی" میں لکھا ہے کہ اس متن میں صحت کی علامات عیاں ہیں۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہما نے معضل روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس حضرت جبرائیل آئے انہوں نے عرض کی: "محمد عربی! ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا میں زمین کے مشرق و مغرب میں گھوما میں نے کنانہ سے عمدہ کسی کو نہ دیکھا۔ پھر اس نے مجھے حکم دیا میں کنانہ میں گھوما۔ میں نے قریش سے بڑھ کر عمدہ کسی قبیلہ نہ دیکھا۔ اس نے مجھے حکم دیا میں نے قریش چھان بین کی۔ میں نے بنوہاشم سے بڑھ کر کوئی قبیلہ نہ دیکھا پھر اس نے مجھے حکم دیا۔ میں ان کے نفوس میں سے منتخب کرلوں۔ مجھے کوئی نفس آپ کے نفس سے بہترین نظر نہ آیا۔" (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "مجھے کسی باغیہ نے جنم نہیں دیا۔ جب سے میں حضرت آدم کی صلب سے نکلا ہو۔ نسل درنسل اقوام مجھے کھینچتی رہیں حتیٰ کہ عرب کے دو بہترین قبائل بنوہاشم اور بنوزھرہ سے میرا ظہور ہوا۔" (ابن عساکر)

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لقد جاء کم رسول من انفسکم۔"

الفاء کے فتح کے ساتھ۔ میں تم میں سے نسب، سسرال اور حسب کے اعتبار سے بہترین (نفیس) ہوں۔ حضرت آدم سے لے کر میرے آباء میں سے کوئی بھی بدکاری کی وجہ سے پیدا نہیں ہوا سب صحیح نکاح سے پیدا ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "حضرت آدم سے لے کر میرا ظہور قدسی نکاح سے ہوا وہ کبھی بھی بدکاری سے نہ ہوا۔" (ابن سعد، ابن عساکر)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میرا ظہور ہمیشہ صحیح نکاح سے ہوتا رہا۔ کسی وقت بھی بدکاری سے نہ ہوا۔" (ابن سعد، ابن عساکر)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میرا ظہور صحیح نکاح سے ہوا۔ میرا ظہور حضرت

آدم سے لے کر کبھی بھی بدکاری کی وجہ سے نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ میں اپنے والدین کریمین کے گھر جلوہ افروز ہوگیا۔ زمانہ جاہلیت کے نکاح میں سے مجھے کچھ بھی نہیں پہنچا تھا۔ مجھے ہمیشہ نکاح اسلام کی طرح کے نکاح سے جنم دیا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "مجھے جاہلیت کی بدکاری میں سے کسی چیز نے جنم نہیں دیا۔ مجھے ہمیشہ نکاح اسلام کی طرح کے نکاح نے ہی جنم دیا۔" (الطبرانی، ابونعیم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (اسلام سے سعادت مند ہونے والے) قریش حضرت آدم کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل رب تعالیٰ کے سامنے نور تھا۔ وہ نور رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا تھا۔ اس کی تسبیح کی وجہ سے ملائکہ بھی رب تعالیٰ کی تسبیح کرتے تھے۔ جب رب تعالیٰ نے حضرت آدم کی تخلیق کی تو وہ نور حضرت آدم کی کمر میں رکھ دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے حضرت آدم کی کمر میں مجھے زمین پر اتارا۔ مجھے حضرت نوح کی صلب میں رکھا۔ پھر مجھے حضرت ابراہیم کی کمر میں رکھا۔ وہ مجھے پاکیزہ اصلاب اور پاکیزہ ارحام میں رکھتا رہا۔ حتیٰ کہ میرے والدین کریمین کے ذریعے میرا ظہور کر دیا۔ انہوں نے کبھی بھی بدکاری نہیں کی تھی۔" (اسے ابن عمر العدنی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے)

رب تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جس نے یہ اشعار کہے ہیں:

حَفِظَ الالٰہُ کرامةً لمحمدٍ　　آباءہ الامجاد صونا لاسمه

ترجمہ: "اللہ رب العزت نے حضور اکرم ﷺ کی عزت و کرامت کرتے ہوئے آپ کے اجداد و امجاد کی حفاظت فرمائی آپ کے مبارک نام کی حفاظت کرتے ہوئے۔"

ترکوا السفاح فلم یصبهم عاره　　من آدم والی ابیه و امه

ترجمہ: "وہ سب بدکاری کے قریب بھی نہ گئے۔ حضرت آدم سے لے کر آپ کے والدین کریمین تک کسی کو یہ عار نہ پہنچی۔"

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے یہ اشعار کہے ہیں:

من عهد آدم لم یزل یحمی له　　فی نسلها الاصلاب والارحام

ترجمہ: حضرت آدم کے عہد سے لے کر آپ کے نسب پاک میں اصلاب اور ارحام آپ کے لیے حفاظت کرتے رہے۔"

حتی تنقل فی نکاح طاهر　　ما ضمّ مجتمعین فیه حرام

ترجمہ: "حتیٰ کہ آپ پاکیزہ نکاح سے منتقل ہوئے۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی بدکاری کا ارتکاب نہ کیا۔"

فَبَدَا کبدر التمِّ لیلة وضعه　　ما شانَ مطلعه المنیر قَتَام

ترجمہ: "آپ اپنی ولادت باسعادت کی رات چودھویں کے چاند کی طرح ظاہر ہوتے۔ کالے غبار نے ان

کے روشن مطلع کو عیب دار نہ کیا۔"

فانجابت الظلماء من انوارہٖ   والنور لا یبقی علیہ ظلام

ترجمہ: "آپ کے انوار سے ظلمت چھٹ گئی۔ نور پر کسی قسم کی ظلمت باقی نہ رہی۔"

شکرًا لمھدیہٖ الینا نعمۃً   لیست تحیط بکنھھا الاوھام

ترجمہ: "اس ذاتِ والا کا شکریہ جس نے ہماری طرف آپ کو نعمت بنا کر بھیجا ہے۔ ذہن آپ کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔"

❁❁❁

تیسرا باب

آپ ﷺ کا نسب پاک

آپ ﷺ سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وھب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فھر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہیں۔ حضور ﷺ کے نسب پاک میں عدنان تک سب کا اتفاق ہے۔ اس سے اوپر اختلاف ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عدنان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مابین کتنے آباء تھے اس میں اختلاف ہے۔ کسی نے زیادہ اور کسی نے کم بتائے ہیں۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم تک نسب پاک میں اختلاف ہے۔ اس کی حقیقت صرف رب تعالیٰ جانتا ہے۔ علامہ، امام ابوعلی محمد بن اسعد بن علی بن حسن الجوانی نے ترجیح دیتے ہوئے کہا ہے کہ نسب پاک سارے طرق سے صحیح، عمدہ اور واضح ہے۔ اسی طرح یہ نسب میں ان کے شیوخ مثلاً شیخ شرف الدین بن ابی جعفر البغدادی جو ابن الجوانیہ سے معروف ہیں۔ ابوالغنائم زیدی، بطحاوی، سنجری، ابوبکر محمد بن عبدہ النقعسی وغیرھم کی یہی روایت ہے اکثر اجل علماء نسب نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی یہی روایت ہے۔ اکثر اہلِ علم کی یہی رائے ہے۔ حافظ شرف الدین دمیاطی قاضی عزالدین بن جماعۃ، ابوالفتح، علامہ بدرالدین حسن بن حبیب حلبی نے اپنی اپنی سیرت کی کتب میں پھر یہ نسب اس طرح چلایا ہے۔ "عدنان بن اذ بن ادد بن یسع بن ھمیسع بن سلامان بن بنت بن حمل بن قیدار بن اسماعیل۔

ابن اسحاق اور ابن ہشام نے لکھا ہے "ادد بن مقوم بن ناحور بن تارح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیم (علیہما السلام) بن آزر بن ناحور بن ساروح بن راغو بن فالخ بن عیبر بن شالخ بن افرخشذ بن سام بن نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ (ادریس علیہ السلام) بن یرد بن مہلاییل بن قینان بن یانش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جس نے یہ اشعار کہے ہیں:

فاولئک السادات لم تر مثلھم   عَیْنٌ علی متتابع الاحقاب

ترجمہ: ”یہ سردار ہیں لگاتار کئی زمانوں سے اس طرح کا چشمہ تجھے نظر نہیں آئے گا۔“

لم یعرفوا رَدَّ العفاۃِ و طالما ردّوا عداتھم علی الاعقاب

ترجمہ: ”مہمانوں کو رد کرنا انہوں نے جانا ہی نہیں۔ اکثر اوقات بعض لوگ ایڑیوں کے بل لوٹ جاتے ہیں۔“

زھر الوجوہ کریمۃ احسابھم یُعطون عافیھم بغیر حساب

ترجمہ: ”وہ روشن چہروں والے عمدہ نسب والے وہ اپنے مہمانوں کو بے حساب عطا کرتے ہیں۔“

حَلُمُوا الی ان لا تکاد تراھم یوما علی ذی ھفوۃ بغضا بہٖ

ترجمہ: ”وہ اتنے حلیم ہیں کہ تو انہیں نہیں دیکھے گا کہ کسی خطا کار پر ناراض ہو رہے ہوں۔“

ھو تکرموا حتیٰ ابوا ان یجعلوا بین العفاۃِ ومالھم من باب

ترجمہ: ”وہ اتنے کریم ہیں کہ انہوں نے انکار کر دیا ہے کہ وہ اپنے مہمان اور اپنے مال کے مابین دروازہ رکھیں۔“

کانت تعیش الطیر فی اجنابھم والوحش حین تشح کل سحاب

ترجمہ: ”پرندے ان کے پہلوؤں میں زندگی گزارتے ہیں۔ درندے بھی ان کے ساتھ رہتے ہیں جب کسی قسم کا بادل نہیں برستا۔“

و کفاھم ان النبی محمدا منھم فمدحھم بکل کتاب

ترجمہ: ”ان کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ محمد عربی ﷺ ان میں سے ہیں ان کی تعریف ہر ہر کتاب میں موجود ہے۔“

جس شاعر نے یہ اشعار کہے ہیں رب تعالیٰ اس پر بھی رحم کرے:

نسب اضاء و شمسہ من ھاشم و سماء ہ من یعرب و نزار

ترجمہ: وہ ایسا نسب ہے جس نے روشن کر دیا ہے۔ اس کا سورج ہاشم ہیں اس کے آسمان یعرب اور نزار ہیں۔“

من معشرٍ ورثو السیادۃ کابرًا عن کابرٍ فھم کبار کبار

ترجمہ: وہ اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو سیادت کا وارث ہے یکے بعد دیگرے بنے وہ بڑوں سے بڑے ہیں۔“

اقمار اندیہ اسود وقائع اطواد احلام سحاب قطار

ترجمہ: ”وہ مجلسوں کے چاند، حالات کے سردار، عقل کے پہاڑ اور لگاتار برسنے والے بادل ہیں۔“

لا عار فیھم غیر طول تیقظ ما زال ینفی ضیق طیف العار

ترجمہ: ”اس کے علاوہ ان میں کوئی عار نہیں کہ وہ لگاتار ہوشیار ہیں، وہ عار کے خیال کی تنگی کی نفی کرتے ہیں۔“

اھل الرفادۃ والحجابۃ والحجا و سقایۃ الحجاج والزوّار

ترجمہ: وہ رفادہ، حجابہ، حجا، حاجیوں اور زیارت کرنے والوں کو پانی پلانے والے ہیں۔"

المطعمون اذالبلاد مجیعة و مبدلوا الاعسار بالایسار

ترجمہ: "وہ اس وقت کھلاتے ہیں جب شہر بھوکے ہوتے ہیں وہ تنگی کو کشادگی میں تبدیل کرنے والے ہیں۔"

والمجتبیٰ الھادی خیارھم وھم بین الانام خیار کل خیار

ترجمہ: مجتبیٰ ہادی ﷺ ان میں سے بہترین ہیں حالانکہ وہ لوگوں میں سے بہترین میں سے بہترین ہیں۔"

ابوعمر نے لکھا ہے کہ شعراء نے حضور ﷺ کے نسب پاک کو نظم کرنے کی بہت کوششیں کیں ہیں۔ لیکن اس ضمن میں ابوالعباس عبداللہ محمد بن محمد الناشی کی کوشش بڑی لاثانی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

مدحت رسول اللہ ابغی بمدحہٖ وفور حظوظی من کریم المواھب

ترجمہ: "میں نے حضور ﷺ کی تعریف کی۔ میں نے آپ کی تعریف سے عمدہ عطیات کا وافر حصہ چاہا۔"

مدحت امراء فات المدیح موحّدًا باوصافِہٖ من مبعد او مقارِبٖ

ترجمہ: "میں نے اس ہستی کی تعریف کی ہے جن کی تعریف کرنے والا اپنے اوصاف میں قریبی اور دور کے لوگوں سے آگے نکل جاتا ہے۔"

نبیا تسامی فی المشارق نورہ فلاحت ھوادیہ لاھل المغارِبٖ

ترجمہ: "وہ ایسے نبی پاک ہیں مشارق میں جن کا نور پھیل گیا اور اہلِ مغرب کی پہاڑیاں بھی اس سے جگمگا اٹھیں۔"

اتتنا بِہٖ الانباء قبل مجیئہٖ و شاعت بِہٖ الاخبار فی کل جانب

ترجمہ: "آپ کے متعلق ہمیں آپ کے آنے سے پہلے ہی بشارات پہنچی تھیں۔ اور ہر طرف آپ کے بارے خبریں پھیل چکی تھیں۔"

اصبحت الکھان تھتف باسمہٖ و تنفی بہ رجم الظنون الکواذب

ترجمہ: "کاہن آپ کے اسم مبارک کو گنگنانے لگے اور انہوں نے آپ کے بارے جھوٹے گمانوں کی نفی کر دی۔"

وانطقت الاصنام نطقا تبرّأت الی اللہ فیہ من مقال الاکاذب

ترجمہ: "بتوں نے بھی آپ کے بارے گفتگو کی اور جھوٹے اقوال سے رب تعالیٰ کی جناب میں برأت کا اظہار کیا۔"

و قالت لاھل الکفر قولًا مبینا اتاکم نبی من لوی بن غالب

ترجمہ: "انہوں نے اہلِ کفر سے واضح بات کی کہ تمہارے ہاں لوی بن غالب میں سے نبی کریم تشریف لا چکے ہیں۔"

ورام استراق السمع جن فزیلت مقاعدھم منھا رجوم الکواکب

ترجمہ: "جنات نے چوری چھپے باتیں سننے کی کوشش کی ستاروں کے ٹوٹنے نے انہیں ان جگہوں سے دور کر دیا۔"

هدانا الی ما لم نکن نهتدی له　　لطول العمی عن موضحات المذاهب

ترجمہ: "ہماری راہ نمائی اس کی طرف کی جس کی طرف ہم راہ نمائی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اگرچہ مذاہب کی وضاحتیں ساری زندگی ہوتی رہتیں۔"

و جاء بآیاتٍ تبین انها　　دلائل جبار مثیب معاقب

ترجمہ: "آپ ایسے معجزات لے کر تشریف لائے جن سے ظاہر ہو گیا کہ یہ جبار کے دلائل ہیں جو ثواب اور عذاب دینے والا ہے۔"

فمنها انشقاق البدر حتی تعممت　　شعوب الضیا منه رؤوس الاخاشب

ترجمہ: "ان میں سے ایک چاند کا دو حصوں میں منقسم ہو جانا ہے، حتیٰ کہ اس کی روشنی کی شعاعیں پہاڑوں کی چوٹیوں تک پھیل گئیں۔"

و منها نبوع الماء بین بنانه　　و قد عدم الوراد قرب المشارب

ترجمہ: "ان میں سے ایک معجزہ آپ کی انگلیوں سے پانی رواں ہونا بھی ہے۔ پانی پینے والے گھاٹ کے قریب بھی نہ جا سکتے تھے۔"

فروّی بها جما عفیرا و اسهلت　　باعناقه طوعا اکف المذانب

ترجمہ: "اس میں سے بہت بڑے مجمع نے پانی پیا۔ آپ کے صحابہ کرام کے لیے انگلیوں کے پوروں سے پانی پینا آسان ہو گیا۔"

و بئر طفت بالماء من مس سهمه　　و من قبل لم تسمح بمذقة شارب

ترجمہ: "اور کنوئیں میں پانی آپ کے تیر کے چھونے سے ہی ابلنے لگا۔ اس سے قبل وہ پینے والے کی تھوڑی سی ضرورت بھی پوری نہیں کر سکتا تھا۔"

و ضرع مراه فاستدر و لم یکن　　به درة تضنهی الی کف حالب

ترجمہ: "آپ نے کھیری پر دست اقدس لگایا تو وہ دودھ سے بھر گئی، حالانکہ پہلے اس میں اتنا دودھ بھی نہ تھا جو دوہنے والے کے ہاتھ کی طرف جاتا۔"

و نطق فصیح من ذراع مبینة　　لکید عدوٍّ للعداوة ناصب

ترجمہ: "بکری کی دستی نے آپ سے فصیح زبان میں گفتگو کی اور اس نے دشمن کی اس چال سے آگاہ کیا جو دشمنی پر مبنی تھی۔"

و اخبارہ بالامر من قبل کونہٖ   و عند مبادیہ بما فی العواقب

ترجمہ: "واقع کے رونما ہونے سے قبل اس کی اطلاع دے دینا۔ آپ کے علم کے سرچشمہ کے پاس انجام کی بھی خبریں تھیں۔"

و من تلکم الآیات وحی اتی بہٖ   قریب المأتی مستجم العجائب

ترجمہ: "ان معجزات میں سے وہ وحی بھی شامل ہے۔ جو آپ پر آتی جس کے آنے کا وقت قریب تھا جو عجائب سے بھری ہوتی تھی۔"

تقاصرت الافکار عنہ فلم تطع   بلیغا و لم یخطر علی قلب خاطب

ترجمہ: "افکار اس سے عاجز تھے اس نے نہ تو کسی بلیغ کی اطاعت کی نہ ہی کسی واعظ کرنے والے کے دل سے گزرا ہوا تھا۔"

حوی کل علم واحتوی کل حکمۃ   وفات مرام المستمر الموارب

ترجمہ: "ہر علم کا اس نے احاطہ کرلیا، ہر حکمت کو اس نے گھیر لیا۔ لگا تار دھوکا دینے والے کا مقصد ختم ہوگیا۔"

اتانابہٖ لاعن رویۃ مرتیئٍ   ولا صحف مشتمل ولا وصفِ کاتبٖ

ترجمہ: "آپ یہ علم ہمارے پاس لے کر آئے جو ایسے سوچ و بچار کی وجہ سے نہ تھا، جس میں شک ہو نہ وہ صحف پر مشتمل تھا نہ ہی وہ کاتب کی صفت کی وجہ سے تھا۔"

یواتیہ طورًا فی اجابۃ سائل   و افتاء مستفتٍ و وعظ مخاطبٖ

ترجمہ: "آپ کے پاس وہ علم مسائل کا جواب لیے ہے، دریافت کرنے والے کو فتویٰ دینے کے لیے اور مخاطب سے واعظ کرنے کے لیے فوراً آجاتا تھا۔"

و اتیان برھان و فرض شرائع   و قصّ احادیث و نصب مآدبٖ

ترجمہ: "یہ دلیل لانے، شریعت کے فرائض سمجھانے، احادیث بیان کرنے اور آداب سکھانے کے لیے آتا ہے۔"

تصریف امثال و تثبیت حجۃ   و تعریف ذی جحد و توقیف کاذبٖ

ترجمہ: "اسی طرح پھیر پھیر کر مثالیں بیان کرنے، حجت ثابت کرنے انکار کرنے والے سے آگاہ کرنے اور جھوٹے کے بارے بتانے کے لیے علم کا سرچشمہ پھوٹا۔"

و فی مجمع النادی و فی حومۃ الوغی   و عند حدیث المعضلات الغرائب

ترجمہ: "بڑے بڑے مجمع میں۔ جنگ کی شدت میں اور عجیب وغریب احادیث کے وقت بھی۔"

فیاتی علی ما شئت من طرقاتہ   کریم المعانی مستدل الضرائب

ترجمہ: "یہ علم اپنے طریقوں سے اس طرح آئے گا جس طرح تو چاہے گا۔ اس کے معانی عمدہ اور ہمیشہ درست ہوں گے۔"

و صدق منه البعض بعضا كانما | يلاحظ معناه بعين المراقب

ترجمہ: "ان میں بعض بعض کی تصدیق کر رہی تھیں اور نگران کی آنکھ سے اس کا معنی دیکھا جاسکتا تھا۔"

و عجز الورٰی عن ان يجيئوا بمثل ما | و صفناهٗ معلوم بطول التجارب

ترجمہ: "ساری مخلوق اس طرح کا علم لانے سے عاجز آگئی جس کا ہم نے وصف بیان کر دیا ہے یہ بات طویل تجارب سے مشہور ہے۔"

تأبی بعبد الله اكرم والد | تبلجِ منه عن كريم مناسب

ترجمہ: "حضرت عبداللہ کو آپ کا والد گرامی بننے کا شرف ملا۔ معزز رشتہ داروں نے ان سے اجالا پایا۔"

و شيبة ذی الحمد الذی فخرت بِهٖ | قريش علی اهل العلی والمناصب

ترجمہ: "حضرت عبدالمطلب وہ ہیں جن پر قریش بلند منصب اور رفیع مقامات والے لوگوں پر فخر کرتے تھے۔"

و من كان يستسقی الغمام بوجههٖ | و يصدر عن آراهٖ فی النوائب

ترجمہ: "ان کے چہرے کے طفیل بادل مانگا جاتا تھا۔ مصائب میں ان کے مشوروں سے مدد لی جاتی تھی۔"

و هاشم البانی مشيد افتخارهٖ | بغر المساعی و ابتذال المواهب

ترجمہ: "ہاشم وہ ہیں جنہوں نے عمدہ کوشش اور عطیات دے کر فخر کی عمارت کو پختہ کیا۔"

و عبد مناف وهو علّم قومه | اشتطاط المعانی واحتكام الرغائب

ترجمہ: "عبد مناف نے اپنی قوم کو عمدہ مقاصد اور بلند عطیات کی تعلیم دی۔"

و ان قصيا من كرام غراسهٖ | لفی منهل لم يدن من كف قاضب

ترجمہ: "قصی بھی اپنے چمن کے عمدہ لوگوں میں سے ہیں وہ ایسے گھاٹ میں ہیں جس کے قریب کاٹنے والے کے ہاتھ نہیں جاسکتے۔"

بهٖ جمع الله القبائل بعد ما | تعتمها نهب الاكُفِّ السوالب

ترجمہ: "ان کے ذریعے ہی رب تعالیٰ قبائل کو جمع کیا بعد اس کے کہ لٹیروں کے ہاتھوں کی لوٹ مار نے انہیں تقسیم کر دیا تھا۔"

و حل كلاب من ذرا المجد معقلا | تقا صرعنه كل دانٍ و عازبٖ

ترجمہ: "کلاب بھی بزرگی کی رفعتوں پر آشیاں بند ہوئے جس کو حاصل کرنے سے ہر قریبی اور بعیدی ناکام ہو گیا۔"

و مرة لم يحلل مريرة عزمه　　سفاه سفيه او محوبة حائب

ترجمہ: "مرہ وہ ہیں جن کے عزم کی رسی کو احمق کی طاقت یا گناہ گار کا گناہ نہ کھول سکا۔"

و كعب علا عن طالب المجد كعبه　　فنال باعلى السعى اعلى المراتب

ترجمہ: "حضرت کعب وہ ہیں جن کی ایڑھی بھی بزرگی کی جستجو کرنے والے سے بلند ہو گئی انہوں نے جدوجہد سے اعلیٰ مراتب حاصل کر لیے۔"

والوى لوى بالعِداة فطوعت　　له همم الشُمِّ الانوف الاغالب

ترجمہ: "لوی نے دشمنوں کو پھیر دیا اور ان کے لیے بڑے بڑے اور غالب سرداروں کی ہمتوں کو تابع کر دیا گیا۔"

و فى غالب بأس ابى الناس دونهم　　يدافع عنه كل قِرن مغالب

ترجمہ: "غالب میں جنگ کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ یہ کسی اور میں اتنی شدت نہ تھی وہ اس کے ساتھ ہر اس سردار کا مقابلہ کرتے تھے جو ان پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔"

و كانت لفهر فى قريش خطابة　　يعوذ بها عند اشتجارِ المخاطب

ترجمہ: "فہر کو قریش میں خطابت کا ملکہ حاصل تھا۔ مخاطب سے جھگڑے کے وقت اس سے پناہ لی جاتی تھی۔"

ما زال منهم مالك خير مالك　　و اكرم مصحوب و انجد صاحب

ترجمہ: "مالک ان میں سے بہترین مالک رہے۔ وہ معزز ساتھی اور عمدہ صاحب تھے۔"

والنضر طول يقصر الطرف دونه　　بحيث التقى ضوء النجوم الثواقب

ترجمہ: "نضر کے پاس اتنی طاقت تھی کہ نگاہ اس سے تھک جاتی تھی حتیٰ کہ تابندہ ستاروں کی روشنی مل جاتی۔"

لعمرى لقد ابدى كنانة قبله　　محاسن تابى ان تطوع لغالب

ترجمہ: "تمہاری زندگانی کی قسم! کنانہ نے اس سے قبل ایسے محاسن کا اظہار کیا جنہوں نے غالب اکثریت کی اطاعت سے انکار کر دیا۔"

و من قبله ابقى خزيمة حمده　　تليد تُراثٍ عن حميد الاقارب

ترجمہ: "اس سے پہلے خزیمہ نے اپنی تعریف باقی رکھی۔ وہ قریبی رشتہ داروں کے عمدہ خصائل کے وارث بنے۔"

و مدركه لم يدرك الناس مثله　　اعف و اعلى عن دنئ المكاسب

ترجمہ: "مدرکہ جیسا فرد لوگوں کو نہ مل سکا۔ وہ گھٹیا عادات سے بلند و برتر ہے۔"

الياس كان الياس منه مقارنا　　لا عدائه قبل اعتداد الكتائب

ترجمہ: "الیاس تو دشمن کے لیے ناامیدی تھے۔ لشکروں کے شمار کرنے سے قبل ہی دشمن ان پر فتح پانے

سے ناامید ہو جاتا تھا۔"

و فی مضر مستجمع الفخر کله اذا اعترکت یوما زحوف المقانب

ترجمہ: "مضر میں تو سارے فخر جمع تھے۔ جب کسی دن بے حقیقت لشکر باہم نبرد آزما ہوتے تھے۔"

و حل نزار من ریاسة اهلِهٖ محلا تسامی عن عیون الرواقب

ترجمہ: "نزار نے اپنے اہل کی شان و شوکت کو اس جگہ اتارا جو نگرانوں کی آنکھوں سے بلند ہے۔"

و کان معد عدة لولیه اذا خاف من کید العدوا لمحارب

ترجمہ: "معد اپنے دوست کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ جب اسے جنگ جو دشمن کی چال کا خطرہ ہوتا تھا۔"

و ما زال عدنان اذا عد فضله توحد فیهٖ عن قریب و صاحب

ترجمہ: "عدنان کے فضائل جب بھی شمار کیے جاتے تو وہ ہر قریبی اور دوست سے جدا گانہ نظر آتے۔"

واد تادّی الفضل منه لغاية وارث حواه عن قدوم اشایب

ترجمہ: "اد کی وجہ سے فضل اپنی انتہاء کو پہنچا۔ وہ ایسے ترکہ کے وارث بنے جو انہیں بڑے بڑے سرداروں سے ملا تھا۔"

و فی ادد حلم تزین بالحجا اذا الحلم ازهاه قطوب الحواجب

ترجمہ: "ادد میں ایسا حلم تھا جسے عقل نے مزین کیا تھا۔ حلم کو بڑے بڑے سرداروں نے پسند کیا ہے۔"

وما زال یستعلی همیسع بالعلی و یتبع آمالَ البعید المراقب

ترجمہ: "ھمیسع بلندیوں پر فائز رہے۔ وہ دور کے نگہبانوں کی امیدوں کی اتباع کرتے رہے۔"

و نبت نمته دوحة العز واتبنی معاقله و فی مسخر الاهاضب

ترجمہ: "بنت کی پرورش عزت و کرم نے کی انہوں نے بلند و بالا پہاڑوں میں عزت کے قلعے تعمیر کیے۔"

و حیزت لقیدار سماحة خاتم و حکمة لقمان و همة حاجب

ترجمہ: "قیدار کے لیے خاتم کی سخاوت، لقمان کی حکمت اور حاجب کی ہمت کو جمع کر دیا گیا۔"

هم نسل اسماعیل صادق وعدهٖ فما بعده فی الفخر مسعیٰ لذاهب

ترجمہ: "یہ حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں فخر میں چلنے والے کے لیے اس کے بعد کوئی رستہ نہیں ہے۔"

کان خلیل الله اکرم من عنت له الارض من ماش علیها و راکب

ترجمہ: "حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ان تمام سے معزز ہیں پیدل چلنے والوں اور سواروں میں سے زمین جس کے لیے جھک گئی ہے۔"

و تارح ما زالت له اريحيةٌ　　　تبين منه عن حميد الغرائب

ترجمہ: "تارح کے ایسے خصائل تھے جن سے عمدہ اوصاف عیاں ہوتے تھے۔"

و ناحور نحار العدى حفظت له　　　مآثر لما يحصها عد حاسب

ترجمہ: "ناخور دشمن کو ذبح کرنے والے ہیں، ان کے اتنے شاندار کارنامے ہیں کہ شمار کرنے والا انہیں گن نہیں سکتا۔"

وساروغ فى الهيجاء ضيغم غابة　　　يقد الكماة بالمرهفات القواضب

ترجمہ: "ساروغ جنگ میں جنگل کے شیر کی طرح ہوتے تھے، وہ تیز دھار تلواروں کی ساتھ بہادروں کو کاٹ دیتے تھے۔"

وارغو فناب فى الحروب محكم　　　ظنين على نفس المشيح المغالب

ترجمہ: "ارغو کو جنگوں میں ثالث بنایا جاتا تھا۔ روکنے والے اور غالب آنے والے نفس کو ناقابل اعتبار سمجھتے تھے۔"

وما فالغ فى فضله تلو قومه　　　ولا عابر من دونهم فى المراتب

ترجمہ: "اپنی قوم کا تابع نہ ان کے فضل کو ختم کر سکتا تھا نہ ہی کوئی اجنبی ان کے مراتب کا مقابلہ کر سکتا تھا۔"

و فالغ و ارفخشذ و سام سمت بهم　　　سجايا حمتهم كلّ زار و عائب

ترجمہ: فالغ، ارفخشذ اور سام کو فضیلتوں نے رفعتوں پر فائز کر دیا تھا ہر منکر اور عیب لگانے والے سے ان کا دفاع کیا۔"

وما زال نوح عند ذى العرش فاضلا　　　يعدده فى المصطفين الاطايب

ترجمہ: "حضرت نوح علیہ السلام عرش والے کے نزدیک فضیلت کے حامل رہے اس نے انہیں پاکیزہ اور چیدہ لوگوں میں شمار کیا ہے۔"

ولمك ابوه فى الروع زائعا　　　جريا على نفس الكمى المضارب

ترجمہ: "ان کے والد گرامی لمک جنگ میں عمدہ ہوتے تھے۔ وہ ہر شمشیر زن اور بہادر کے ساتھ نبرد آزما ہوتے تھے۔"

و من قبل لمك لم يزل متوشلغ　　　يذود العِدى بالذائدات الشوازب

ترجمہ: "لمک سے پہلے متوشلخ تھے وہ تیز تلواروں سے دشمن کو دور ہٹاتے تھے۔"

كانت لادريس النبى منازل　　　من الله لم تقرن بهمة الغاسب

ترجمہ: "حضرت ادریس علیہ السلام کے لیے رب تعالیٰ کی جناب ایسے مراتب ہیں جنہیں غالب کی ہمت ...

نہیں ملایا جا سکتا۔"

و یارد بحر عند اهل سراته ابی الخزایا مستدق المذاهب

ترجمہ: "یارد اپنے اہلِ فضل کے نزدیک سمندر تھے وہ ندامت کا انکار کر دیتے تھے وہ رستوں کو چھوٹا سمجھتے تھے۔"

و کانت لمهیاییل فیهم فضائل مهذبة من فاحشات المثالب

ترجمہ: "مہیاییل کے لیے ان میں فضائل تھے۔ وہ برے عیوب سے دور تھے۔"

و قینان من قبل اقتنی مجد قومه وفات بشاؤ الفضل و خد الرکائب

ترجمہ: "قینان نے اپنی قوم کی بزرگی کو جمع کر لیا تھا۔ وہ فضل کی رفتار سے سواروں سے آگے نکل گئے۔"

و کان انوش ناش للمجد نفسه و نزهها عن مردیات المطالب

ترجمہ: "انوش اپنے نفس کی بزرگی کے حصول کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور نفس کو ہلاکت خیز آرزوؤں سے دور کر دیا۔"

وما زال شیث بالفضائل فاضلا شریفا بریا من زمیم المعایب

ترجمہ: "حضرت شیث بھی فضائل میں سب سے بڑھ گئے تھے وہ معزز تھے وہ برے عیوب سے پاک تھے۔"

و کلهم من نور آدم اقبسوا و عن عوده اجنوا ثمارا لمناقب

ترجمہ: "ان سب نے حضرت آدم علیہ السلام کے نور سے اکتساب کیا تھا۔ ان کے عود سے ہی انہوں نے مناقب کے پھول چنے تھے۔"

کان رسول الله اکرم منجب جزی فی طهور الطیبین المناجب

ترجمہ: "حضور ﷺ معزز اور برگزیدہ تھے آپ پاکیزہ اور عمدہ لوگوں کی پشتوں میں رواں رہے۔"

مقابلة آباءه وَ امهاته مبراة من فاضحات المثالب

ترجمہ: "آپ کے آباء امہات کے مقابلہ میں سربلند ہیں، وہ سب برے عیوب سے پاک ہیں۔"

علیه سلام الله فی کل شراق الاحَ لنا ضوئًا و فی کل غارب

ترجمہ: "آپ پر رب تعالیٰ کا سلام ہو ہر مشرق و مغرب میں آپ نے ہمارے لیے روشنی پھیلا دی۔"

❁❁❁

چوتھا باب

آپ ﷺ کے آباء کرام کے ناموں کی شرح اور مختصر حالاتِ زندگی

عبداللہ

یہ علم اور مرکب اضافی سے منقول ہے۔ مضاف الیہ رب تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ اکثر اہلِ علم کا یہی مؤقف ہے۔ جیسا کہ علامہ بندنیجی نے کہا ہے۔ میں نے اپنی کتاب "القول الجامع الوجیز الخادم للقرآن العزیز" میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ مضاف اصل میں صفت ہے۔ عبد مملوک کو کہا جاتا ہے یہ تعبد سے مشتق ہے۔ اس کا معنی تذلل ہے۔ ابن الانباری نے کہا ہے "عبد رب تعالیٰ کے لیے جھکنے والا ہوتا ہے۔ یہ اہلِ عرب کے قول "طریق معبد" سے مشتق ہے۔ جب اسے بہت سے لوگ روندھیں۔ عبودیت بندے کے عمدہ اوصاف میں سے ہے۔ رب تعالیٰ نے شب معراج اپنے حبیب لبیب ﷺ کو اسی وصف سے یاد فرمایا تھا۔

ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ کی کنیت ابوقثم ہے۔ قثم آپ ﷺ کے اسماء گرامی میں سے ہے۔ یا قثم بمعنی الاعطاء یا الجمع سے ماخوذ ہے۔ جس شخص میں بہت سی بھلائیاں پائی جائیں اسے قثوم یا قثم کہا جاتا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق ان کی کنیت ابواحمد یا ابومحمد تھی۔ اس کی کنیت ذبیح تھی۔ جیسے کہ ابن سعد، حاکم، ابن جریر، امام بیہقی اور ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب نے چشمۂ زمزم کھودا تو ان کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ جس کا نام حارث تھا۔ اس پر انہوں نے اپنی کنیت رکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے نذر مانی کہ اگر ان کے ہاں دس بچے پیدا ہوئے پھر وہ جوان ہو گئے تو وہ ان میں سے کسی ایک کو خانہ کعبہ کے پاس ذبح کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدی بن نوفل نے ان سے کہا تھا "کیا تم ہم پر زیادتی کرتے ہو حالانکہ آپ کا کوئی بچہ نہیں ہے؟" عبدالمطلب نے کہا تھا: "اے ابوالقلتہ! کیا تو مجھے عار دلاتا ہے۔ بخدا! اگر رب تعالیٰ نے مجھے دس بچے دیئے تو میں ان میں سے ایک کو خانہ کعبہ کے پاس ذبح کروں گا۔"

جب ان کے ہاں دس بچے پیدا ہو گئے اور انہیں علم ہو گیا کہ یہ اب ان کا دفاع کر سکیں گے۔ زمزم کو کھودے ہوئے تیس سال گزر چکے تھے۔ انہوں نے انہیں جمع کیا، اپنی نذر کے بارے بتایا۔ اسے پورا کرنے کے لیے کہا۔ بیٹوں نے ان کی اطاعت کی۔ انہوں نے کہا: "آپ اپنی نذر پوری کریں اور جو چاہیں کریں۔" انہوں نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک ایک تیر لے لے۔ اس پر اپنا نام لکھ لے۔ پھر انہیں میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے اسی طرح کیا۔ وہ

انہیں لے کر ہبل کے پاس چلے گئے۔ یہ کعبہ کے وسط میں کنویں کے پاس ایک بت تھا۔ اس کنویں میں لوگ اپنے تحائف پھینکتے تھے۔ اس کے پاس پتھر پڑے ہوئے تھے۔ جن سے لوگ اپنے امور کے بارے قرعہ اندازی کرتے تھے۔ جناب عبدالمطلب نے قرعہ انداز سے کہا: "میرے بچوں سے تیر لے کر ان سے قرعہ اندازی کرو۔" انہوں نے اسے اپنی نذر کے متعلق بھی آگاہ کیا۔ ہر ہر بیٹے نے اسے وہ تیر پکڑا دیا جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے۔

"حضرت عبداللہ حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ سب سے پیارے یہی تھے۔ حضرت عبدالمطلب دیکھتے کہ جب وہ تیر اندازی میں غلطی کرتا تو نشانہ خطا جاتا تھا۔ تیر انداز نے تیر لیے تاکہ قرعہ اندازی کرے۔ حضرت عبدالمطلب رب تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔ قرعہ انداز نے قرعہ نکالا۔ حضرت عبداللہ کے نام قرعہ نکل آیا۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کا ہاتھ پکڑا۔ چھری لی اور انہیں ذبح کرنے کے لیے اساف اور نائلہ کے پاس آ گئے۔ حضرت عباس نے حضرت عبداللہ کو اپنے والد کی ٹانگوں کے نیچے سے کھینچ لیا۔ جب انہوں نے انہیں ذبح کرنے کے لیے لٹایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ کا چہرہ بھی زخمی ہو گیا تھا۔ اس زخم کا نشان ان کے چہرے پر رہا، حتیٰ کہ ان کا وصال ہو گیا۔ قریش اپنی اپنی محافل سے اٹھ کر ان کے پاس گئے۔ انہوں نے پوچھا "عبدالمطلب! کیا ارادہ ہے؟" انہوں نے کہا: "میں اسے ذبح کرنا چاہتا ہوں۔" قریش: "بخدا! تم اسے ذبح نہیں کر سکتے حتیٰ کہ تم اس کے متعلق معذور ہو جاؤ۔ اگر تم نے اس طرح کر دیا تو لوگ اپنے بیٹے لا کر ذبح کرتے رہیں گے۔ نسل انسانی کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔" عبداللہ بن مغیرہ نے کہا: "بخدا! تم اسے ذبح نہیں کر سکتے حتیٰ کہ تم ان کے بارے معذور ہو جاؤ۔ اگر ان کا فدیہ ہمارے اموال بھی بنے۔ ہم ان کا فدیہ ادا کریں گے۔" قریش نے کہا: "اس طرح نہ کریں، حجاز جائیں، وہاں ایک کاہنہ ہے، جس کے تابع ایک جن ہے۔ اس سے اس کے متعلق پوچھ لو۔ پھر تمہیں اپنے اس معاملہ کے بارے اختیار ہے۔ اگر اس نے تمہیں ذبح کرنے کا حکم دیا تو ذبح کر دینا اور اگر کسی ایسے کام کا حکم دیا جس میں آسائش ہو تو وہ کر دینا۔"

قریش عازم سفر ہوئے۔ حتیٰ کہ وہ مدینہ پہنچے انہیں پتہ چلا کہ وہ خیبر میں ہے، وہ سوار ہو کر خیبر پہنچے۔ اس کے متعلق پوچھا۔ حضرت عبدالمطلب نے اسے اپنی داستان سنائی۔ اپنی نذر کے بارے بتایا۔ کاہنہ نے کہا: "تم آج چلے جاؤ۔ حتیٰ کہ میرا تابع جن میرے پاس آ جائے۔ میں اس سے پوچھوں گی۔" قریش باہر نکل آئے۔ حضرت عبدالمطلب رب تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔ پھر وقت صبح قریش دوبارہ اس کے پاس گئے۔ اس کاہنہ نے کہا: "میرے پاس تمہارے متعلق خبر آ چکی ہے۔ تم میں ایک شخص کی دیت کیا ہے؟" قریش: "دس اونٹ۔" کاہنہ: "تم اپنے وطن لوٹ جاؤ۔ اپنے صاحب کو قریب کر لینا۔ دس اونٹ بھی قریب کر لینا۔ پھر قرعہ اندازی کر لینا۔ اگر قرعہ عبداللہ کے نام نکلے تو دس اونٹ کا اضافہ کر لینا۔ حتیٰ کہ تمہارا رب راضی ہو جائے۔ جب قرعہ اونٹوں کے نام نکل آئے تو اونٹ ذبح کر لینا۔ تمہارا رب تم سے راضی ہو جائے گا۔ اور تمہارے صاحب کو نجات مل جائے گی۔"

قریش عازم سفر ہو کر مکہ مکرمہ پہنچے جب انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا تو حضرت عبدالمطلب دعا کرنے لگے۔ قریش نے حضرت عبداللہ اور دس اونٹوں کو قریب کر لیا۔ قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ انہوں نے دس اونٹوں کا اضافہ کر دیا۔ اونٹوں کی تعداد بیس ہو گئی۔ حضرت عبدالمطلب دعا مانگنے لگے۔ قرعہ نکالا گیا تو قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلتا رہا۔ حتیٰ کہ اونٹوں کی تعداد ایک سو ہو گئی۔ حضرت عبدالمطلب دعا مانگنے لگے، پھر قرعہ ڈالا تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ قریش نے کہا: "عبدالمطلب! تمہارا رب راضی ہو گیا ہے۔" انہوں نے کہا: "نہیں! بخدا! حتیٰ کہ میں تین بار قرعہ اندازی کر لوں۔" پھر دوسری اور تیسری بار قرعہ اندازی ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب دعا مانگنے لگے، ہر دو بار قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ ایک سو اونٹوں کو ذبح کر دیا گیا۔ کسی انسان یا درندے کو ان سے نہ روکا گیا۔

امام زہری نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے ایک سو اونٹ دیت دینے کا طریقہ رائج کیا۔ پھر قریش اور اہلِ عرب میں یہی طریقہ رائج پا گیا۔ حضور ﷺ نے اسے برقرار رکھا۔

حاکم اور ابن جریر نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے عرض کی: "اے ابن الذبیحین!" حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا اور انکار نہ فرمایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: "دو ذبیح کون ہیں؟" انہوں نے فرمایا: "حضرت اسماعیل اور حضرت عبداللہ۔" ابن حزم نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ کے ہاں حضور اکرم ﷺ کے علاوہ کوئی اور بچہ پیدا نہ ہوا تھا۔ نہ ہی مذکر نہ ہی مونث پیدا ہوا۔

ابن سعد نے لکھا "حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضور اکرم ﷺ کے علاوہ اور کوئی بچہ پیدا نہ ہوا۔ حضرت عبداللہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو تھا۔

الصلاح الصفدی نے تذکرہ میں اور ہمارے شیخ نے "المسالک" میں حضرت عبداللہ کے یہ اشعار لکھے ہیں:

لقد حکم السارون فی کل بلدۃٍ | بان لنا فضلاً علی سادۃ العرب

ترجمہ: "شہروں میں چلنے والوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمیں سارے عرب کے سرداروں پر فضیلت حاصل ہے۔"

و انّ ابی ذوالمجد والسودد الذی | یشار بہ ما بین نشز الی حفض

ترجمہ: "میرے والد گرامی وہ بزرگی اور فضیلت رکھتے ہیں کہ سارے نشیبوں و فراز میں ان کے ساتھ مشاورت کی جاتی ہے۔"

وجدی و آباء لہ اثلوا العلی | قدیما بطیب العرق والحسب المحض

ترجمہ: "میرے دادا اور آباء نے پرانے زمانہ سے ہی عمدہ نسب اور پاکیزہ حسب سے رفعت کو مضبوط کیا ہے۔"

تنبیہ

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ میرا باپ کہاں ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''آگ میں۔'' جب وہ چلنے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا: ''میرا اور تیرا باپ آگ میں ہیں۔''

شیخ نے ''مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ'' میں لکھا ہے "ان ابی و اباك فی النار" کے الفاظ پر راوی متفق نہیں ہیں۔ حماد بن سلمہ نے حضرت ثابت سے اسی طرح روایت کیے ہیں۔ لیکن حضرت معمر نے حضرت ثابت سے اور الفاظ سے روایت کیا ہے، انہوں نے ان الفاظ کا ذکر نہیں کیا: "ان ابی و اباك فی النار" بلکہ آپ نے اسے فرمایا: ''تم جب کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرو تو اسے عذاب کی بشارت دے دو۔'' یہ الفاظ حضور ﷺ کے والد گرامی پر دلالت نہیں کر رہے۔ یہ روایت اس روایت سے بہتر ہے۔ معمر حماد سے بہتر ہیں۔ حماد کے حفظ کے بارے گفتگو کی گئی ہے۔ ان کے لیے منکر احادیث بھی روایت کی گئی ہیں۔ محدثین بیان کرتے ہیں کہ ان کے پروردہ نے یہ احادیث ان کی کتب میں شامل کر دیں تھیں۔ حضرت حماد کو احادیث یاد نہ تھیں۔ وہ ان کتب سے روایات بیان کرتے جن سے ان کو وہم ہو گیا۔ اسی لیے امام بخاری نے ان سے ایک روایت بھی نہیں لی۔ امام مسلم نے اصول میں ان سے صرف ایک روایت لی ہے وہ جو حضرت ثابت سے مروی ہے۔

اسی حاکم نے ''المدخل'' میں لکھا ہے کہ امام مسلم نے حماد سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔ جبکہ حضرت معمر کی یادداشت کے بارے نہ تو گفتگو کی گئی ہے نہ ہی ان کی کسی روایت کو منکر کہا گیا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان کے الفاظ زیادہ اثبت ہیں۔ پھر ہم پاتے ہیں کہ اسی طرح کی حدیث حضرت سعد بن وقاص سے بھی روایت ہے۔ البزار، الطبرانی، بیہقی نے حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی: ''میرا باپ کہاں ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''آگ میں۔'' اس نے کہا: ''آپ کے والد گرامی کہاں ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرو اسے آگ کی بشارت دے دو۔''

یہ سند شیخین کی شرط پر ہے۔ ان الفاظ سے ان الفاظ کا تعینِ ہو گیا۔ اس کو دوسری روایت سے مقدم کرنے پر بھی اعتماد ہو گیا۔ الطبرانی اور البیہقی نے لکھا ہے کہ بعد میں اس اعرابی نے اسلام قبول کر لیا اس نے کہا: ''حضور ﷺ نے مجھے تھکاوٹ والے کام کا مکلف بنا دیا ہے، میں جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرتا ہوں اسے آگ کی بشارت دیتا ہوں۔''

شیخ نے لکھا ہے ''یہ زیادتی وضاحت کرتی ہے کہ وہ عام لفظ تھا جو آپ کی زبان اقدس سے نکلا تھا۔ اعرابی نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کے حکم کی اتباع کی اور اس کے علاوہ اس کے لیے کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اگر آپ کا جواب پہلے الفاظ کے ساتھ ہوتا تو وہاں کسی کو کسی بھی چیز کے بارے حکم نہیں ہے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے اور اس میں راوی کا

تصرف ہے۔ اس نے اسے بالمعنی اپنی سمجھ کے مطابق روایت کیا ہے۔

صحیحین میں اسی طرح کی کثیر روایات ہیں۔ اس کے ایک لفظ میں راوی نے تصرف کیا ہے۔ جبکہ دوسری روایت اس سے زیادہ ثابت ہے۔ جس طرح کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت جو بسم اللہ پڑھنے کی نفی کے بارے ہے۔ امام شافعی نے اس کی یہی علت بیان کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ دوسری سند سے ثابت ہے کہ سماع کی نفی ہے۔ راوی نے اسے قرأت کی نفی سمجھ لیا ہے۔ اس نے جو سمجھا بالمعنی روایت کر دیا، اور غلطی کر دی۔ شیخ فرماتے ہیں:

"ہم مسلم شریف کی روایات کا وہی جواب دیتے ہیں جو امام شافعی نے بسم اللہ کی قرأت کی نفی کے بارے جواب دیا ہے۔"

پھر میں نے ایک روایت دیکھی جس میں معمر کی روایت جیسے الفاظ تھے۔ اس میں زیادہ وضاحت ہے۔ کیونکہ اس نے وضاحت کر دی ہے کہ سائل نے ارادہ کیا تھا کہ وہ آپ کے والد گرامی کے بارے سوال کرے۔ آپ نے ادب اور حسن انداز سے اسے جواب دیا۔

امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے کہ حضرت لقیط بن عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! ہم میں سے جو بھی جاہلیت میں گزرا ہے، کیا ان میں سے کوئی خیر پر بھی ہے؟" قریش کے ایک شخص نے کہا: "تمہارا منافق باپ آگ میں ہے۔ اس نے لوگوں کے سامنے میرے باپ کے بارے جو کچھ کہا تھا اس کی وجہ سے گویا کہ میرے چہرے کی جلد اور گوشت کے مابین آگ لگ گئی۔ میں سمجھ گیا۔ میں نے عرض کی: "آپ کے والد گرامی! یا رسول اللہ! جب میں نے غور و فکر کیا تو مجھے دوسرا فقرہ زیادہ عمدہ لگا۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! آپ کے اہلِ خانہ کہاں ہیں؟" آپ نے فرمایا: "تم جب بھی کسی قرشی یا عامری مشرک کی قبر کے پاس سے گزرو تو اسے کہو "مجھے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ میں تمہیں وہ بشارت دیتا ہوں جو تمہیں بری لگے گی۔"

اس روایت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ یہ ساری روایات سے زیادہ واضح ہے۔ اگر پہلے الفاظ پر ہی سارے راویوں پر اتفاق کیا جائے تو وہ پہلے مسلک کے دلائل اور حدیث پاک کے معارض ہے جب دیگر ایسے دلائل اس سے تعارض آجائیں جو اس سے راجح ہوں تو اس کے تاویل لازم ہو جاتی ہے اور ان دلائل کو اس سے مقدم کرنا لازم ہوتا ہے۔ جیسا کہ اصول میں یہ ضابطہ طے ہے۔

تتمہ

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اہل نار میں سے سب نے ہلکا عذاب جناب ابوطالب کا ہے۔ وہ آگ کی سطح پر ہیں۔ ان کے پاؤں میں آگ کے جوتے ہیں جس سے ان کا دماغ ابل رہا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے

والدین کریمین آگ میں نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ آگ میں ہوتے تو ان کا عذاب جناب ابوطالب کے عذاب سے ہلکا ہوتا کیونکہ وہ ان سے رشتہ میں قریبی ہیں۔ وہ اس ضمن میں زیادہ معذور ہیں۔ انہوں نے بعثت کو نہ پایا تھا۔ نہ ہی ان پر اسلام پیش کیا گیا جس سے وہ رک گئے ہوں۔ لیکن جناب ابوطالب کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ صادق و مصدوق نبی ﷺ نے ان کے بارے بتا دیا ہے کہ ان کا عذاب سب سے ہلکا ہے۔ لیکن آپ کے والدین اہلِ نار میں سے نہیں ہیں۔ اہلِ اصول اس امر کو دلالۃ الاشارہ کہتے ہیں۔

تنبیہ

وہ احادیث جو آپ کے والدین کریمین کے عدم نجات کے بارے ہیں۔ ان کے بارے علماء نے فرمایا ہے کہ وہ ان آیات اور احادیث سے پہلے کی ہیں جن کا تذکرہ مسلک اول میں کر دیا گیا ہے۔ جس طرح کہ انہوں نے ان روایات کا جواب دیا ہے جو مشرکین کے بچوں کے بارے ہیں کہ وہ آگ میں ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان ان احادیث کا ناسخ ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾ (بنی اسرائیل:۱۵)

ترجمہ: "اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو۔"

علماء نے حضور اکرم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے کئی مسلک اختیار کیے ہیں۔

پہلا مسلک

پہلا مسلک یہ ہے کہ انہیں کسی کی دعوت نہیں پہنچی تھی۔ یہ امر کئی امور کا مجموعہ ہے۔ ان کا زمانہ مؤخر تھا۔ سابقہ انبیاء کرام اور ان کے مابین بہت زیادہ بعد تھا۔ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل حضرت عیسیٰ تشریف لائے تھے۔ حضرت عیسیٰ اور حضور ﷺ کے مابین تقریباً چھ سو سال کا عرصہ ہے یہ دونوں زمانہ جاہلیت میں تھے۔ زمین کے مشرق و مغرب میں جاہلیت پھیلی ہوئی تھی۔ شریعت کو جاننے والے مفقود تھے۔ صحیح دعوت صرف اہلِ کتاب کے چند علماء کے پاس ہی تھی۔ جو زمین میں دور دراز پھیلے ہوئے تھے۔ وہ دونوں مدینہ طیبہ کے علاوہ کہیں اور سفر بھی نہ کر سکے۔ نہ ہی انہیں طویل زندگی نصیب ہوئی۔ آپ کے والد ماجد تقریباً اٹھارہ سال زندہ رہے۔ اور والدہ ماجدہ کا انتقال تقریباً بیس سال کی عمر میں ہوا۔ اس عمر میں اس زمانہ میں مقصود تلاش کرنا آسان نہ تھا۔ بالخصوص آپ کی والدہ ماجدہ ایک پاکباز خاتون تھیں، باپردہ تھیں۔ گھر میں رہتی تھیں۔ مردوں میں اختلاط نہ فرماتی تھیں۔ عورتیں عموماً دین اور شریعتوں کے امور کو جانتی بھی نہیں ہیں خصوصاً زمانہ جاہلیت میں تو مردوں کو دین کے بارے کچھ علم نہ تھا۔ عورتوں کو یہ علم کیسے ہو سکتا تھا۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مبعوث کیا تو اہلِ مکہ نے تعجب کرتے ہوئے کہا:

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ (بنی اسرائیل: ۹۴)

ترجمہ: "کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر۔"

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ (المومنون: ۲۴)

ترجمہ: "اگر اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا تو وہ اتارتا فرشتوں کو ہم نے نہیں سنی یہ بات (جو نوح کہتا ہے) اپنے پہلے آباء واجداد میں۔"

اگر ان کے پاس بعثت کا علم ہوتا تو اس کا انکار نہ کرتے کیونکہ وہ گمان کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم کو اسی دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا جس پر وہ تھے۔ انہوں نے کسی ایسے شخص کو نہ پایا جو انہیں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ کرتا کیونکہ وہ مٹ چکی تھی۔ اسے ماننے والے ختم ہو چکے تھے۔ کیونکہ حضرت خلیل اللہ اور ان کے مابین تین ہزار سال سے زائد کا عرصہ تھا۔ جسے دعوت نہ پہنچی ہو اس کے بارے یہ حکم لگایا گیا ہے کہ وہ نجات یافتہ ہے۔ جیسے کہ آنے والی احادیث اس پر دلالت کر رہی ہیں۔ اسے آزمائش سے پہلے عذاب نہیں دیا جائے گا۔ یہ ہمارا مذہب ہے اس میں ہمارے آئمہ شافعیہ کا فقہ میں اور اشاعرہ کا اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس پر حضرت امام شافعی نے الام اور المختصر میں نص بیان کی ہے۔ سارے آئمہ نے اس کی پیروی کی ہے کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ انہوں نے بہت سی آیات سے استدلال کیا ہے۔ مثلاً رب تعالیٰ کا یہ ارشاد:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵)

ترجمہ: "اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو۔"

حضرت قتادہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: "رب تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتا جب تک کہ اس کے پاس رب تعالیٰ کی طرف سے خبر نہ پہنچ جائے۔ یا رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل نہ آجائے۔"

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ (الانعام: ۱۳۱)

ترجمہ: "یہ اس لیے کہ نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا ہے بستیوں کو ظلم سے اس حال میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں۔"

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾ (القصص: ۴۷)

ترجمہ: "(اور اس کی وجہ یہ ہے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت ان کے اعمال کے باعث جو انہوں نے کیے ہیں وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف

کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے تیری آیات کی اور ہم ہو جاتے ایمان لانے والوں سے۔"

علامہ زرکشی نے ان کا تذکرہ "جمع الجمع" میں کیا ہے۔ انہوں نے اس قاعدہ سے استدلال کیا ہے کہ منعم کا شکر ادا کرنا از روئے عقل واجب نہیں ہوتا بلکہ سماعت سے واجب ہوتا ہے یہ قاعدہ، قاعدہ کلامیۃ کی طرف لوٹتا ہے یہ عقلیین کی تحسین وتقبیح کا قاعدہ ہے۔ اس انکار پر اشاعرہ کے مابین اتفاق ہے جیسے کہ کلام اور اصول کی کتب میں معروف ہے۔ آئمہ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ یہ مسئلہ کہ جسے دعوت نہ پہنچی ہو ایک دوسرے اصولی قاعدہ کی طرف لوٹتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ غافل مکلف نہیں ہوتا۔ اصول میں یہ دوسری آیت کی وجہ سے درست ہے۔ پھر آئمہ کی عبارت ان لوگوں کے بارے مختلف ہے۔ جنہیں دعوت نہ پہنچی ہو۔ عمدہ قول اس کا ہے جس نے کہا ہے کہ وہ نجات یافتہ ہے۔ امام سبکی نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ بعض آئمہ نے لکھا ہے کہ وہ فطرت پر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔

امام غزالی نے کہا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ وہ مسلمان کے معنی میں ہے۔ بعض علماء نے حضور اکرم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے یہ مسلک اختیار کیا ہے۔ انہوں نے وضاحت کی ہے کہ انہیں دعوت نہیں پہنچی تھی۔ سبط ابن جوزی نے مرآۃ الزمان میں یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ امام الآبی نے شرح مسلم میں یہی لکھا ہے۔ ہمارے شیخ شرف الدین المناوی نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے وہ یہی جواب دیتے تھے جب ان کے بارے سوال کیا جاتا۔

اہلِ فترت کے بارے بہت سی روایات ہیں کہ انہیں روک دیا جائے گا۔ حتیٰ روزِ حشر انہیں آزمایا جائے گا جو اطاعت کرے گا اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا، جو نافرمانی کرے گا، اسے آگ میں داخل کر دیا جائے گا۔ ان روایات میں سے تین کی تصحیح کی گئی ہے۔

1. اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "چار افراد روز حشر دلیل پکڑیں گے۔ (۱) ایسا بہرہ شخص جو کچھ بھی نہ سن سکتا ہو۔ (۲) احمق شخص (۳) انتہائی بوڑھا شخص (۴) وہ شخص جو فترت میں مرا کہے گا۔" مولا! اسلام آیا۔ میں کچھ سن ہی نہیں سکتا تھا۔" احمق کہے گا" اسلام آیا۔ بچے مجھے لید مارتے تھے۔" بوڑھا شخص عرض کرے گا:" مولا! اسلام آیا تو میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ فترت میں مرنے والا کہے گا: میرے پاس تیرا رسول آیا ہی نہیں۔" ان سب سے عہد لیا جائے گا کہ وہ رب تعالیٰ کی اطاعت کریں گے۔ انہیں پیغام بھیجا جائے گا کہ وہ آگ میں داخل ہو جائیں۔ جب وہ آگ میں داخل ہو جائیں گے۔ آگ ان کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے گی جو اس میں داخل نہیں ہوگا اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔"

2. دوسری وہ روایت ہے جو حضرت ابوہریرہ سے موقوفاً روایت ہے۔ یہ روایت بھی حضرت اسود بن سریع سے منقول روایت کی طرح ہے اسے امام احمد، امام اسحاق، امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ ان کی سندیں درست ہیں۔ عبدالرزاق نے اسے ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔

◆ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "روزِ حشر اہلِ جاہلیت آئیں گے وہ اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوں گے۔ ان کا رب ان سے پوچھے گا تو وہ کہیں گے، "مولا! نہ تو تو نے ہماری طرف رسول بھیجا ہے۔ نہ ہی تیرا کوئی امر ہم تک پہنچا ہے۔ اگر تو ہماری طرف رسول بھیجتا تو ہم تیرے سارے بندوں سے زیادہ اطاعت گزار ہوتے۔" رب تعالیٰ ان سے فرمائے گا "تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو تم میری اطاعت کرو گے؟" وہ کہیں گے: "ہاں!" وہ انہیں حکم دے گا کہ "وہ جہنم میں گر جائیں۔" وہ چلیں گے جب وہ اس کے قریب جائیں گے تو وہ اس کا شور و غل سنیں گے۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: "مولا! ہمیں اس سے نجات عطا فرما دے۔" رب تعالیٰ فرمائے گا، "کیا تم نے گمان نہیں کیا تھا کہ میں نے اگر تمہیں کسی امر کا حکم دیا تو تم اس کی اطاعت کرو گے۔" رب تعالیٰ ان سے عہد لے گا۔ پھر فرمائے گا۔ "جہنم کی طرف جاؤ۔" وہ چلیں گے حتیٰ کہ وہ جب اسے دیکھیں گے تو ڈر جائیں گے، وہ واپس آجائیں گے۔ وہ کہیں گے: "مولا! ہم اس سے ڈر گئے ہیں۔ ہم اس میں داخل ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے۔" رب تعالیٰ فرمائے گا۔ "اب اس میں ذلیل و رسوا ہو کر داخل ہو جاؤ۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر وہ پہلی بار جہنم میں داخل ہو جاتے تو آگ ان کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جاتی۔"

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "فترت میں ہلاک ہونے والے احمق اور بچے کو لایا جائے گا۔ فترت میں مرنے والا کہے گا "مولا! میرے پاس نہ رسول آیا نہ کتاب۔" احمق عرض کرے گا: "مولا! تو نے مجھے عقل نہیں دی، جس سے میں خیر و شر کی پہچان کر سکتا۔" بچہ عرض کرے گا۔ "میں عمل کی عمر کو نہ پا سکا۔" ان کے لیے آگ جلائی جائے گی۔ رب تعالیٰ انہیں فرمائے گا۔ "اس میں داخل ہو جاؤ۔" وہ شخص اس میں داخل ہو جائے گا۔ جو رب تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وہ سعید ہوتا اگر وہ عمل کو پا لیتا۔ وہ شخص اس میں داخل ہونے سے رک جائے گا۔ جس کے بارے رب تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ شقی ہوتا اگر وہ عمل کو پا لیتا۔ رب تعالیٰ ان سے فرمائے گا۔ "تم نے میری نافرمانی کی ہے۔ اس وقت تمہاری کیفیت کیا ہوتی جب میں غیب کے ساتھ اپنے رسول کو بھیجتا۔"

اس روایت کو امام البزار نے عطیہ العوفی کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں ضعف ہے۔ امام ترمذی کو اگر اپنی روایت کا شاہد مل جائے تو وہ اپنی روایت کو حسن قرار دیتے ہیں۔ اس روایت کے کئی شاھد ہیں۔ حکم اس کے حسن اور ثبوت کا تقاضا کرتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "روزِ حشر چار افراد کو لایا جائے گا۔ (۱) بچہ (۲) احمق (۳) فترت میں مرنے والے کو (۴) بہت زیادہ بوڑھے کو۔ ہر ایک اپنی اپنی دلیل سے بات کرے گا۔ رب تعالیٰ جہنم کی وادی کو حکم دے گا کہ وہ ظاہر ہو جائے وہ انہیں کہے گا "میں لوگوں میں اپنی طرف سے رسول بھیجتا تھا۔ لیکن

میں تمہاری طرف خود ہی رسول ہوں۔"اس جہنم میں داخل ہو جاؤ۔" جس پر بدبختی غالب ہوگی وہ عرض کرے گا"مولا! کیا ہم اس میں داخل ہو جائیں۔ ہم اسی سے تو ڈرا کرتے تھے۔" جس پر سعادت مندی تغلب ہوگی۔ وہ تیزی سے اس میں چھلانگ لگا دے گا۔ رب تعالیٰ ان سے فرمائے گا۔"تم نے میرے امر کی نافرمانی کی ہے۔ تم میرے رسل کی تکذیب اور معصیت شدت سے کرتے۔" چھلانگ لگانے والے جنت میں اور رک جانے والے جہنم کے سپرد ہوں گے۔ (البزار، ابویعلی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"روزِ حشر احمق، فترت میں مرنے والے اور بچپن میں مرنے والے کو لایا جائے گا۔ احمق کہے گا"مولا! اگر تو نے مجھے عقل عطا کی ہوتی تو تو دانا اور عقلمند شخص مجھ سے سبقت نہ لے جاتا۔" فترت میں مرنے والا اور بچہ بھی اسی طرح کہے گا۔ رب تعالیٰ ان سے فرمائے گا" کیا میں تمہیں کسی چیز کا حکم کروں تو تم اطاعت کرو گے؟" وہ عرض کریں گے"ہاں" رب تعالیٰ فرمائے گا" جاؤ آگ میں داخل ہو جاؤ۔" اگر وہ آگ میں داخل ہو جاتے۔ آگ انہیں کچھ نہ کہتی ان کا گمان تھا کہ آگ رب تعالیٰ کی ساری مخلوق کو مار ڈالتی ہے۔ وہ جلدی جلدی واپس آجائیں گے۔ انہیں دوسری بار حکم ملے گا تو وہ اسی طرح کریں گے۔ رب تعالیٰ ان سے فرمائے گا۔ "تمہاری تخلیق سے قبل میں جانتا تھا کہ تم کیا کرو گے؟ میں نے اپنے علم کے مطابق ہی تمہیں تخلیق کیا ہے۔ میرے علم کے مطابق ہی تم نے عمل کرنا ہے۔ آگ! انہیں پکڑ لے۔" آگ انہیں پکڑ لے گی۔" (الطبرانی، ابونعیم)

حافظ نے "الاصابۃ" کی چوتھی قسم میں ابوطالب کے موضوع پر اس امتحان کی حکایت کے بعد لکھا ہے "ہمیں امید ہے کہ جناب عبدالمطلب اور ان کے اہلِ خانہ برضا و رغبت اس آگ میں چھلانگ لگا دیں گے۔ اور نجات پا جائیں گے۔ سوائے جناب ابوطالب کے۔ انہوں نے بعثت کو پالیا تھا۔ مگر وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ آگ کی سطح پر ہوں گے۔

حافظ ابن کثیر نے بھی اس آزمائش کی حکایت حضور کے والدین اور سارے اہلِ فترت کے بارے رقم کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے"ان میں سے بعض رب تعالیٰ کی صدا پر لبیک کہیں گے اور بعض لبیک نہیں کہیں گے۔" مگر انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ گمان یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین لبیک کہیں گے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں کے بارے گمان یہ ہے کہ رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے صدقے انہیں لبیک کہنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ جس طرح کے تمام نے فوائد میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:"میں روزِ حشر اپنے والد گرامی اور والدہ ماجدہ کی شفاعت کروں گا۔"

امام حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے اور اسے صحیح کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے والدین کریمین کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:"میں نے ان کے بارے رب تعالیٰ سے سوال نہیں کیا۔ البتہ میں روزِ حشر کو مقامِ محمود پر فائز ہوں گا۔" یہ اشارہ ہے۔ اس سے ان کے بارے خیر کی امید ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ محمود

پر تشریف فرما ہوں گے۔ آپ شفاعت کریں گے کہ رب تعالیٰ انہیں امتحان کے وقت اطاعت کی توفیق دے گا۔ بلاشبہ جب آپ مقام محمود پر فائز ہوں گے تو آپ سے فرمایا جائے گا: "آپ مانگیں۔ آپ کو عطا کیا جائے گا۔ آپ شفاعت کریں۔ آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔"

جیسے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے جب آپ یہ مانگیں گے تو آپ کو عطا کر دیا جائے گا۔

اس کے ساتھ وہ روایت بھی ملا لو جسے ابوسعید نیشاپوری نے "شرف المصطفیٰ" میں اور عمر الملا نے اپنی سیرت میں حضرت عمران بن حصین سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "میں نے رب تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ میرے اہلِ بیت میں سے کسی کو آگ میں داخل نہ کرے۔" اس نے مجھے یہ عطا کر دیا ہے۔" ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں لکھا ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ (الضحیٰ:۵)

ترجمہ: "اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔"

حضور ﷺ کی رضا یہ ہے کہ آپ کے اہلِ بیت میں سے کوئی بھی آگ میں نہ جائے۔

یہ روایات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ کیونکہ ایک ضعیف حدیث کے طرق جب زیادہ ہو جائیں تو اس سے اس کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ الطبرانی نے حضرت ام ہانی سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میری شفاعت میرے اہلِ بیت کو نصیب نہیں ہوگی۔ میری شفاعت تو حاء اور حکم (دو قبائل) کو بھی نصیب ہوگی۔

امام ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الآبی نے شرح مسلم میں "ان ابی و اباك فی النار" کی تشریح میں امام نووی کا قول ذکر کیا ہے کہ جو حالت کفر میں مرا وہ آگ میں جائے گا۔ اسے مقربین کی قرابت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

علامہ الآبی نے فرمایا ہے "ذرا اس اطلاق کو دیکھو" امام سہیلی نے لکھا ہے "ہمیں اس طرح نہیں کہنا چاہیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "مردوں کی وجہ سے زندوں کو تکلیف نہ دو۔"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ (الاحزاب:۵۷)

ترجمہ: "بیشک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے رسوا کن عذاب۔"

شاید یہ روایت صحیح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کریمین کو زندہ کیا ہو، وہ آپ پر ایمان لے آئے ہوں۔

حضور ﷺ کی شانِ اقدس اس سے کہیں بالا ہے۔ رب تعالیٰ بھی کسی چیز سے عاجز نہیں ہے۔

پھر امام نووی نے لکھا ہے "جو فترت پر مرا وہ اسی دین پر تھا جس پر اہلِ عرب تھے وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ وہ آگ میں جائے گا۔ یہ عذاب دعوت کو پہنچنے سے قبل نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم وغیرہ کی دعوت انہیں پہنچی تھی۔"

انہوں نے لکھا ہے "ذرا اس منافات کو دیکھو بلاشبہ جنہیں دعوت پہنچ جاتی ہے، وہ اہلِ فترت میں سے نہیں ہوتے۔ اہلِ فترت میں وہ اقوام شامل ہوتی ہیں جو رسل عظام کے ان زمانوں میں ہوتی ہیں کہ نہ تو ان کی طرف پہلا رسول بھیجا گیا نہ ہی انہوں نے دوسرا رسول پایا۔ جیسے کہ وہ اعرابی جن کی طرف نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ نہ ہی انہوں نے حضور ﷺ کو پایا۔ اس تفصیل کے مطابق فترت ان لوگوں کو شامل ہوگی جو دو رسولوں کے مابین ہوں گے۔ لیکن فقہاء جب فترت کے بارے گفتگو کرتے ہیں تو وہ مدت مراد لیتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم ﷺ کے مابین ہے۔ جب دلائل قاطع اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ایسا شخص عذاب میں مبتلا نہ ہوگا حتیٰ کہ حجت قائم ہو جائے گی۔ ہمیں علم ہو گیا ہے کہ انہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔

اگر تم کہو "اہلِ فترت کے بارے صحیح احادیث ہیں کہ انہیں عذاب دیا جائے گا جیسے صاحب محجن وغیرہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقیل بن ابی طالب نے اس کے تین جوابات دیے ہیں:

1. یہ اخبار احاد ہیں جو دلیل قطعی کے مقابلہ میں نہیں آسکتیں۔
2. یہ عذاب انہی لوگوں کے ساتھ مختص ہے (جن کا تذکرہ احادیث طیبہ میں ہوا ہے) سبب رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔
3. ان احادیث میں عذاب ان لوگوں کے لیے مختص ہے جنہوں نے شرائع کو تبدیل کیا اور گمراہیاں پیدا کیں۔

اہلِ فترت کی تین اقسام ہیں:

1. جن لوگوں نے اپنی بصیرت سے توحید کو پالیا۔ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو کسی شریعت میں داخل نہیں ہوئے جیسے قس بن ساعدہ، زید بن عمرو وغیرہ۔ ان میں سے بعض وہ تھے جو شریعت میں داخل ہو گئے تھے۔ جیسے کہ تبع اور اس کی قوم۔
2. جنہوں نے شریعت کو تبدیل کر دیا۔ شرک کیا توحید پر نہ رہے۔ اپنے آپ کے لیے ایک شریعت بنالی۔ حلال وحرام بنایا۔ اکثر لوگ اس قسم میں شامل تھے جیسا کہ عمرو بن لحی اس نے سب سے پہلے سائبہ، وصیلہ اور حامی کی ابتداء کی۔ بعض لوگوں نے اور اضافے کیے۔ انہوں نے جنات اور ملائکہ کی عبادت شروع کر دی۔ بیٹے اور بیٹیاں گھڑلیں۔ انہوں نے اور گھر بنا لیے ان کے لیے نگران اور پردے بنا دیے۔ ان کے لیے خانہ کعبہ کی نقلیں اتاریں۔ جیسے لات، عزیٰ اور منات۔
3. یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نہ شرک کیا، نہ توحید پر تھے۔ نہ کسی نبی کی شریعت میں داخل ہوئے۔ نہ ہی اپنے لیے

کوئی شریعت بنائی۔ نہ دین اختراع کیا۔ بلکہ ساری زندگی اس طرح گزاری کہ وہ ان امور سے غافل رہے جاہلیت کے دور میں بعض لوگ اس طرح بھی تھے۔

جب اہلِ فترت کو ان تین اقسام میں تقسیم کر دیا گیا تو جنہیں عذاب دینا صحیح روایات سے ثابت ہے وہ دوسری قسم میں شامل لوگ ہوں گے۔ وہ اپنی کفر کی وجہ سے معذور نہیں ہوں گے۔ حقیقت میں اہلِ فترت تیسری قسم ہی ہے۔ وہ دلائل قطعیہ کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو حضور ﷺ نے قس اور زید میں سے ہر ایک کے بارے فرمایا: ''وہ ایک امت بن کر اٹھے گا۔'' تبع وغیرہ کا حکم ان لوگوں کے حکم کی مانند ہے جو کسی دین میں داخل ہوں جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک اس اسلام کو نہ پالے جو ہر دین کا ناسخ ہے۔''

دوسرا مسلک

آپ ﷺ کے والدین کریمین سے شرک ثابت نہیں۔ بلکہ وہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے جیسا کہ زید بن عمرو جیسے لوگ تھے۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کا یہی قول ہے۔ انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے۔ ''آپ کے سارے آباء توحید پر تھے۔'' جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں لکھا ہے۔ انہوں نے کہا ہے۔ ''آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں تھا بلکہ چچا تھا۔ اس کے درج ذیل دلائل ہیں۔ آپ کے آباء کافر نہ تھے۔ بہت سے دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾ (الشعراء: ۲۱۸)

ترجمہ: ''جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں کے گھروں کا۔''

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کا نور مبارک ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے سارے آباء مسلمان تھے۔ اس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کافر نہ تھے۔ آذر ان کا چچا تھا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ''تقلبك فی الساجدین'' کو دیگر وجوہ پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ جب تمام کے بارے روایات وارد ہیں تو اسے تمام پر محمول کرنے میں کوئی منافات نہیں۔ جب یہ صحیح ہوگیا تو ثابت ہوگیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ بت پرست نہ تھے۔

جو بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ کے آباء مشرک نہیں تھے۔ وہ آپ کا یہ فرمان ہے: ''میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل ہوتا رہا۔'' اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ (التوبہ: ۲۸)

ترجمہ: "مشرکین تو نرے ناپاک ہیں۔"

اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ آپ کے آباء میں سے کوئی بھی مشرک نہ تھا۔

شیخ نے لکھا ہے "میں نے اس موقف کے لیے ایسے قوی دلائل پائے ہیں جو عام اور خاص کے مابین ہیں عام دو مقدموں سے مرکب ہے:

۱. احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ کے آباء میں سے تمام کے تمام اپنے زمانہ کے بہترین انسان تھے۔ امام بخاری کی حدیث ہے "مجھے بنو آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث کیا گیا زمانہ قرن بہ قرن تبدیل ہوتا رہا حتیٰ کہ مجھے اس قرن میں مبعوث کیا گیا جس میں میں تھا۔" پہلے اس مفہوم کی بہت سی احادیث گزر چکی ہیں۔

۲. یہ بات بھی ثابت ہے کہ زمین سات یا اس سے زائد مسلمانوں سے خالی نہیں رہی۔ جن کے طفیل رب تعالیٰ اہلِ زمین سے مصائب دور کرتا تھا۔

عبدالرزاق نے مصنف میں، ابن منذر نے تفسیر صحیح سند میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "روئے زمین پر سات یا اس سے زائد مسلمان رہے اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور اہلِ زمین سب ہلاک ہو جاتے۔"

امام احمد نے الزہد میں اور خلال نے کرامات الاولیاء میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین سات مسلمانوں سے کبھی بھی خالی نہیں رہی جن کے طفیل رب تعالیٰ اہلِ زمین سے آفات دور کرتا تھا۔" جب ان مقدموں کو ملایا جائے تو امام رازی کا قول ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کے اجداد کرام میں ہر جد امجد اگر ان سات مسلمانوں میں سے ایک ہوں جن کا تذکرہ ہوا ہے، اگر وہ ان کے علاوہ کوئی اور ہو تو پھر دو امروں میں سے ایک امر لازم آئے گا۔

(ا) یا تو دوسرا شخص ان سے بہتر ہوگا۔ یہ قول صحیح حدیث کی مخالفت کی وجہ سے باطل ہے۔ یا وہ ان لوگوں سے بہتر ہوگا۔ حالانکہ وہ اپنے شرک پر ہوگا یا بالاجماع باطل ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (البقرۃ:۲۲۱)

ترجمہ: "اور بے شک مومن غلام بہتر ہے آزاد مشرک سے۔"

اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سارے آباء توحید پر تھے۔ تاکہ وہ ہر ہر زمانہ میں روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہوں۔

خاص یہ ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح سے لے کر حضرت آدم تک سارے آباء اسلام پر تھے۔"

ابن منذر، ابن ابی حاتم، بزار اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت

نوح علیہ السلام کے مابین دس قرن تھے۔ وہ سارے لوگ شریعت حق پر گامزن تھے۔ پھر انہوں نے اختلاف کیا تو رب تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث کیا۔ تنزیل میں حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا کی تفسیر میں ہے:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا۔ (نوح:۲۸)

ترجمہ: "میرے رب بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا۔"

نص قرآن اور اجماع سے یہ ثابت ہے کہ حضرت سام بن نوح مومن تھے۔ بلکہ ایک اثر میں ہے کہ وہ نبی تھے۔ اسی طرح ان کے فرزند ارفخشذ کے بارے روایت ہے کہ وہ اہلِ ایمان میں سے تھے۔ اس روایت کو ابن حکم نے تاریخ مصر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ انہوں نے اپنے دادا حضرت نوح کو پایا۔ انہوں نے ان کے لیے دعا کی کہ رب تعالیٰ ان کی اولاد کو ملک اور نبوت عطا کرے۔ ارفخشد سے لے کر تارح تک آباء کے ایمان کی صراحت موجود ہے۔ ابن سعد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ لوگ بابل میں تھے وہ حضرت نوح کے عہد سے لے کر اسلام پر تھے۔ حتیٰ کہ نمرود ان کا بادشاہ بن گیا۔ اس نے انہیں بت پرستی کی دعوت دی۔ انہوں نے یہ دعوت قبول کرلی۔

اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کرام حضرت آدم سے لے کر نمرود کے زمانہ تک مومن تھے۔ نمرود کے زمانہ میں ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ آزر کو اگر حضرت ابراہیم کا باپ تسلیم کرلیا جائے تو وہ سلسلۃ النسب سے نکل جاتا ہے۔ اگر وہ ان کا چچا ہو تو اس کے لیے کوئی استثناء نہیں ہے۔ یہ قول یعنی آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہ تھا۔ بہت سے اسلاف سے مروی ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ، ابن منذر نے مجاہد سے کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔ کئی سندیں صحیح ہیں۔ ابن منذر نے ابن جریج سے اور ابن ابی حاتم نے سدی سے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

لغت کے اعتبار سے اس کی توجیہ یہ ہے کہ اب کا لفظ چچا پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہ عام استعمال ہے۔ اگرچہ مجازی طور پر ہے۔ شیخ نے اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ لیکن میں اسے ترک کرتا ہوں۔ بخاری شریف کی صحیح احادیث اور علماء کی نصوص وضاحت کرتی ہیں کہ لوگ حضرت ابراہیم کے عہد سے دین ابراہیمی پر تھے۔ عمرو بن عامر خزاعی تک ان میں سے کوئی بھی کافر نہ تھا۔ اس کو عمرو بن لحی بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے بتوں کی پوجا کی۔ دین ابراہیمی کو تبدیل کیا، اہلِ عرب کو بت پرستی کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کرلی۔ عمرو حضور کے جدامجد کنانہ کا معاصر تھا۔ اس امر کی مزید تفصیل عنقریب آئے گی۔

پھر شیخ نے وہ امور ذکر کیے ہیں جو عدنان، معد، ربیعہ، مضر، خزیمہ، اسد، الیاس، کعب کے ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔ پھر انہوں نے لکھا ہے "اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر کعب بن لوی تک کے ایمان کی

صراحت ہو چکی ہے صرف آزر میں اختلاف ہے۔ اگر وہ حضرت ابراہیم کا باپ ہے تو اس کے لیے مستثنیٰ ہے۔ اگر وہ آپ کا چچا ہوا تو وہ آپ کے اجداد سے نکل جائے گا۔ نسب پاک محفوظ ہوگا۔ مرہ اور حضرت عبدالمطلب تک چار اجداد ہیں جن کے بارے مجھے کوئی روایت نہیں ملی۔ حضرت عبدالمطلب کا تذکرہ آرہا ہے۔ حافظ شمس الدین بن ناصر الدین پر رب تعالیٰ رحم کرے۔ انہوں نے کیا خوب لکھا ہے:

تنقل احمد نورا مبینا　　　تلالا فی وجوہ الساجد دینا

ترجمہ: "احمد مجتبیٰ ﷺ نور مبین بن کر منتقل ہوئے، وہ سجدہ کرنے والوں کے چہروں میں چمکے۔"

تقلب فیھم قرنا فقرنا　　　الی ان جاء خیر المرسلینا

ترجمہ: "وہ ان میں قرن بہ قرن چلتے رہے حتیٰ کہ خیر المرسلین بن کر تشریف لائے۔"

تیسرا مسلک

تیسرا مسلک یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کے والدین کریمین کو زندہ کیا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ بہت سے آئمہ اور حفاظ کا یہی مسلک ہے۔ انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو اس ضمن میں وارد ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں لکھا ہے۔ لیکن وہ موضوع نہیں ہیں۔ ابن صلاح نے علوم الحدیث میں بیان کیا ہے اور دیگر محدثین نے ان کی اتباع کی ہے کہ ابن جوزی نے موضوعات میں بہت سے تسامحات کیے ہیں ایسی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے جو موضوع نہیں ہیں بلکہ وہ ضعیف ہیں یا حسن یا صحیح ہیں۔

شیخ الاسلام ابن حجر نے ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام "القول المسدد فی الذب عن مسند احمد" ہے۔ اس میں انہوں نے ان ساری احادیث کا تذکرہ کیا ہے جنہیں ابن جوزی نے موضوعات میں شامل کیا ہے۔ حالانکہ وہ مسند احمد میں ہیں۔ انہوں نے عمدہ طریقہ سے اسے رد کیا ہے۔ انہوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ ابن جوزی نے انہیں موضوع قرار دینے میں وہم سے کام لیا ہے۔ انہوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ موضوع نہیں ہیں۔ بعض حسن ہیں بعض صحیح ہیں۔ ان میں بعض وہ بھی ہیں جو صحیح مسلم میں ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے لکھا ہے "یہ ابن جوزی کی شدید غفلت ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے جو صحیحین میں سے کسی ایک میں ہے۔"

ان کے شیخ حافظ زید الدین عراقی نے سب سے پہلے ابن جوزی کی گرفت کی۔ میں نے شیخ الاسلام کی کتابوں کی فہرست میں دیکھا کہ انہوں نے ابن جوزی کی گرفت پر کتاب شروع کی تھی۔ مگر میں اس کتاب سے آگاہ نہیں ہو سکا۔ میں نے ان احادیث کو تلاش کر لیا جو موضوع نہ تھیں۔ ان میں سے بعض سنن ابی داؤد میں، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مستدرک میں تھیں۔ میں نے ہر ہر حدیث کا حکم بیان کیا کہ وہ ضعیف ہے یا حسن یا صحیح ہے۔ میں نے ایک تالیف لکھی جس کا نام

"النکت البدیعات علی الموضوعات" رکھا۔

جو حدیث پاک ہمارے زیر بحث ہے۔ اس میں بہت سے آئمہ اور حفاظ نے ابن جوزی کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے جس سے فضائل اور مناقب میں استدلال کرنا درست ہے۔ یہ موضوع نہیں۔ ان آئمہ میں خطیب بغدادی، حافظ ابوالقاسم، ابن عساکر، ابن شاہین، امام سہیلی، امام قرطبی، امام الطبری، علامہ ابن منیر، ابن سیدناس شامل ہیں۔ حافظ شمس الدین نے اس ضمن میں یہ اشعار بھی کہے ہیں:

حبا الله النبي مزيد فضل   على فضل و كان به رؤفا

ترجمہ: "رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ پر فضل پر فضل فرمایا۔ وہ آپ کے ساتھ رؤف ہے۔"

فاحيا امه و كذا اباه   لالمانٍ به فضلا لطيفا

ترجمہ: "اللہ نے آپ کے والدین کریمین کو زندہ کیا تاکہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔ یہ آپ پر فضل لطیف ہے۔"

فسلّم فالقديم بذا قدير   و ان كان الحديث به ضعيفا

ترجمہ: "یہ تسلیم کرلے۔ ذاتِ باری تعالیٰ اس پر قادر ہے، اگرچہ اس کے بارے روایت ضعیف ہے۔"

مجھے بعض فضلاء نے بتایا ہے کہ اس نے شیخ الاسلام ابن حجر کا ایک فتویٰ بھی دیکھا ہے، جنہوں نے اس میں اس مسئلہ کا جواب دیا تھا۔ مگر میں اس سے آگاہ نہیں ہوا۔ میں صرف اس کلام سے آگاہ ہوا ہوں جو میں نے دوسرے مسلک میں لکھ دیا ہے۔

امام سہیلی نے الروض الانف میں یہ روایت لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ رب تعالیٰ سے آپ نے التجا کی کہ وہ آپ کے والدین کو زندہ کرے۔ اس نے آپ کے والدین کو زندہ کیا۔ وہ آپ پر ایمان لائے پھر ان کا وصال ہوگیا۔" اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کی رحمت اور قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے۔ حضور ﷺ بھی اس کے اہل ہیں جو عزت و کرامت چاہے آپ کے ساتھ مختص کر دے۔" انہوں نے اپنی کتاب میں کسی اور جگہ لکھا ہے کہ حضور کریم ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "اگر آپ ان کے ساتھ کدی تک پہنچیں تو آپ جنت نہ دیکھتیں حتیٰ کہ اسے آپ کے والد گرامی کا دادا دیکھ لیتا۔" اس میں آپ نے "جد ابیك" فرمایا ہے۔ "جدك" نہیں فرمایا۔ یہ امر بھی اس روایت کو تقویت دیتا ہے۔ جو ہم نے پہلے ذکر کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے۔

اس کے ساتھ ساتھ امام سہیلی کی اس روایت کو ابن جوزی نے موضوعات میں نہیں لکھا۔ انہوں نے اس میں ایک اور روایت کسی دوسری سند سے لکھی ہے۔ جس میں صرف آپ کی والدہ ماجدہ کو زندہ کرنے کا تذکرہ ہے۔ اس میں وہ روایت اس روایت کے علاوہ ہے جسے امام سہیلی نے ذکر کیا ہے۔ اس سے یہی علم ہوتا ہے کہ وہ مستقل ایک اور حدیث ہے۔ آئمہ نے اس روایت کو ان روایات کا ناسخ مانا ہے۔ جو اس کی مخالفت میں ہیں۔ انہوں نے نص بیان کی ہے کہ یہ

ان سے متاخر ہے اس لیے اس میں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام قرطبی نے لکھا ہے "حضور ﷺ کے فضائل لگاتار بڑھتے رہے۔ یہ امر بھی ان امور سے ہوگا۔ جن کے ساتھ رب تعالیٰ نے ان پر فضل کیا۔ آپ کو عزت بخشی۔ آپ کے والدین کریمین کا زندہ ہونا نہ عقلاً ممتنع ہے نہ شرعاً۔ قرآن پاک میں ہے کہ بنو اسرائیل کا قتیل زندہ ہوا اس نے اپنے قاتل کے بارے بتایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کر دیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے بھی مردے زندہ کیے۔ جب یہ ثابت ہے تو پھر آپ کے والدین کریمین زندہ کرنے میں کون سی ممانعت تھی۔ تاکہ آپ کی فضیلت اور عزت زیادہ ہو جائے۔" شیخ الاسلام نے "مسالک الحنفاء" میں اور بھی گفتگو کی ہے جو آپ کی والدہ ماجدہ کے وصال کے باب میں ذکر کی جائے گی۔

خاتمہ

بعض علماء کے نزدیک یہ مسالک قوی نہیں ہیں۔ انہوں نے امام مسلم کی روایت کو اپنے ظاہر پر رکھا ہے۔ نہ عدول اور نہ ہی نسخ کا قول کیا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے لکھا ہے "کسی کے لیے روا نہیں کہ وہ اس امر کا تذکرہ کھلے عام کرتا رہے۔"

امام سہیلی نے "الروض الانف" میں امام مسلم کی حدیث لکھنے کے بعد لکھا ہے "ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ آپ کے والدین کریمین کے بارے اس طرح کی گفتگو کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "زندوں کو مردوں کی وجہ سے اذیت نہ دیا کرو۔" ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (الاحزاب:۵۷)

ترجمہ: "بے شک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔"

"اس سے بڑھ کر اور اذیت ناک امر نہیں کہ کہا جائے کہ آپ کے والد گرامی آگ میں سے ہیں۔"

بعض علماء نے پانچواں قول بھی اختیار کیا ہے۔ وہ توقف ہے۔ شیخ تاج الدین فاکہانی نے اپنی کتاب "الفجر المنیر" میں لکھا ہے کہ رب تعالیٰ ہی آپ کے والدین کریمین کے حال سے آگاہ ہے۔ علامہ الباجی نے شرح المؤطا میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کو کسی مباح یا غیر مباح فعل سے اذیت دینا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ آپ کے علاوہ دیگر انسانوں کو مباح امر سے اذیت دینا جائز ہے۔ اس سے ممانعت نہیں ہے۔ مباح کام کرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا۔ خواہ اس کی اذیت کسی دوسرے تک پہنچ جائے۔ اس لیے جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ میں اسے حرام نہیں کرتا جس کو رب تعالیٰ نے حلال

کیا ہے۔ لیکن بخدا! رسول کریم ﷺ کی لخت جگر اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی کبھی بھی ایک شخص کے پاس جمع نہیں ہو سکتیں۔"
اس میں آپ نے سیدہ النساء کا حکم اپنا حکم بنالیا وہ یہ کہ کسی مباح فعل سے بھی آپ کو اذیت دینا درست نہیں۔
ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (الاحزاب: ۵۸)

ترجمہ: "اور جو لوگ دل دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھالیا (اپنے سر پر) بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ۔"

مؤمنین کی اذیت کو بغیر ما اکتسبوا کے ساتھ مشروط کیا جبکہ حضور ﷺ کو اذیت دینے کو کسی شرط کے بغیر ذکر فرمایا۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یحییٰ بن عبدالمالک کی سند سے نوفل بن فرات سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک عامل تھا۔ اس کے پاس شام کا ایک شخص تھا۔ جو امین تھا اس نے اسے شام کے علاوہ میں ایسے شخص کو عامل مقرر کر دیا جس کے باپ پر تہمت تھی۔ یہ بات حضرت عمر تک بھی پہنچ گئی۔ انہوں نے اسے فرمایا: "تو نے مسلمانوں کے علاقہ پر ایسے آدمی کو عامل کیوں مقرر کیا ہے جس کے باپ پر تہمت ہے۔ اس نے کہا: "رب تعالیٰ امیر المؤمنین کی اصلاح کرے۔ اگر اس کے باپ پر تہمت ہے تو پھر کیا حضور اکرم ﷺ کے والدین بھی تو مشرک تھے (نعوذ باللہ منہ) حضرت عمر نے آہ نکالی۔ پھر خاموش رہے۔ پھر اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: "میں اس کی زبان کاٹ دوں؟ اس کا ہاتھ اور ٹانگ کاٹ دوں۔ اس کی گردن اڑا دوں۔" پھر فرمایا: "جب تک میں زندہ ہوں میرے ساتھ کلام نہ کرنا۔"

شیخ نے فرمایا ہے: "مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں اس مسئلہ پر کچھ اشعار کہوں جن پر میں اپنی تالیف کو ختم کروں میں نے یہ اشعار کہے ہیں:

ان الذی بعث النبی محمدا انجی به الثقلین مما یجحف

ترجمہ: "بلاشبہ وہ ذات جس نے محمد عربی ﷺ کو مبعوث کیا۔ آپ سے ثقلین کو اس چیز سے نجات دی جو انہیں ہلاک کر سکتی تھی۔"

ولامه و ابیه حکم شائع ابداه اهل علم فیما صنفوا

ترجمہ: "آپ کے والدین کے لیے ایک حکم معروف ہے۔ اہلِ علم نے اپنی کتب میں اسی کا اظہار کیا ہے۔"

فجماعة اجروهما مجری الذی لم یاته خبر الدعاة المسعف

ترجمہ: "ایک جماعت نے انہیں اس گروہ میں شمار کیا ہے جنہیں قریبی دعوت دینے والوں کی خبر نہیں پہنچی۔"

والحکم فیمن لم تجئه دعوة ان لا عذاب علیه حکم یولف

ترجمہ: "ایسے لوگوں کے بارے رب تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے جنہیں دعوت نہ پہنچی ہو کہ ان پر کوئی عذاب نہیں۔"

فبذاك قال الشافعية كلهم والاشعرية ما بهم متوقف

ترجمہ: "یہ نظریہ سارے شوافع اور اشعریہ کا ہے۔ان میں سے کسی کا کوئی توقف نہیں ہے۔"

و بسورة الاسراء فيه حجة و بنحوذا في الذكر آي تعرف

ترجمہ: "سورۃ الاسراء میں اس کی ایک دلیل موجود ہے جو ذکر کے ذال کی طرح مشہور ہے۔"

و لبعض اهل الفقه في تعليله معنى ادق من النسيم والطف

ترجمہ: "بعض اہلِ فقہ نے اس کی تعلیل میں لکھا ہے کہ بادِ نسیم سے زیادہ نرم اور لطیف معنی ہے۔"

و نحا الامام الفخر رازي الورٰى منحىً به للسامعين تشنف

ترجمہ: "اس مسئلہ میں امام رازی کا موقف وہ ہے جس میں سامعین کے لیے اعتراض کی گنجائش ہے۔"

اذهمٔ على الفطر الذى ولدوا ولم يظهر عناد منهم و تخلف

ترجمہ: "وہ اس فطرت پر رہے جس پر ان کی ولادت ہوئی ان سے کسی عداوت اور عناد کا اظہار نہ ہوا۔"

قال الألى ولد النبي المصطفى كل على التوحيد اذ يتحنف

ترجمہ: "پہلے گروہ نے کہا ہے کہ جو نور مصطفی ﷺ کے امین رہے وہ سب توحید پر تھے وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے تھے۔"

من آدم لابيه عبدالله ما فيهم اخو الشرك ولا مستنكف

ترجمہ: "حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک ایک شخص بھی نہ مشرک تھا نہ ہی بندگی کو عار سمجھنے والا تھا۔"

فالمشركون كما بسورة التوبة نجس و كلهم بطهر يوصف

ترجمہ: "سورۃ التوبہ میں ہے کہ مشرک سارے کے سارے ناپاک ہیں۔آپ کے آباء تو پاک وصاف تھے۔"

و بسورة الشعراء فيه تقلب في الساجدين فكلهم متحنف

ترجمہ: "سورۃ الشعراء میں تقلبک فی الساجدین ہے۔آپ کے سارے آباء باطل سے منہ موڑنے والے یکسو تھے۔"

هذا كلام الشيخ فخر الدين في اسراره هطلت عليه الذرّف

ترجمہ: "یہ امام رازی کا قول ہے جو انہوں نے "اسرار" میں لکھا ہے۔ان پر رب تعالیٰ کی رحمتیں ہوں۔"

فجزاه رب العرش خير جزائهٖ و حباه جنات النعيم تزخرف

ترجمہ: "رب تعالیٰ انہیں بہترین جزاء دے۔انہیں جنات النعیم میں جگہ دے اور انہیں آراستہ کرے۔"

فلقد تدين في زمان الجاهلية فرقة دين الهدٰى و تحنفوا

ترجمہ: "زمانۂ جاہلیت میں ایک گروہ نے ہدایت کا دین اختیار کیا اور یک سو ہو گئے۔"

زيد بن عمرو بن نوفل هكذا الصديق ما شرك عليه يعكف

ترجمہ: "جیسے کہ زید بن عمرو بن نوفل اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انہوں نے تو کبھی شرک کیا ہی نہیں تھا۔"

قد فسرّ السبكى بذاك مقالةً للاشعرى وما سواه مزيف

ترجمہ: "امام سبکی نے الشعریہ کے لیے یہ بات تفصیل سے بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مؤقف درست نہیں۔"

اذ لم تزل عين الرضا منه على الصديق وهو بطول عمر احنف

ترجمہ: "حضرت صدیق اکبر پر ہر وقت رضا کی آنکھ رہی وہ ساری عمر باطل سے روگرداں رہے۔"

عادت عليه صحبة الهادى فما فى الجاهلية للضلالة يقرف

ترجمہ: "انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میسر رہی وہ زمانہ جاہلیت میں بھی گمراہی کے قریب نہ گئے۔"

فلامه و ابوه احرى سيما و رأت من الآيات مالا يوصف

ترجمہ: "آپ کے والدین اس امر کے زیادہ مستحق تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے ایسی نشانیاں دیکھیں جنہیں صحیح طرح بیان نہیں کیا جاسکتا۔"

و جماعة ذهبوا الى احيائه ابويه حتّٰى امنا لا خرفوا

ترجمہ: "ایک جماعت کا مؤقف یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ فرمایا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لائے یہ نظریہ غلط نہیں ہے۔"

روى ابن شاهين حديثا مسندا فى ذاك لكن الحديث مضعّف

ترجمہ: "ابن شاہین نے اس کے متعلق ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ لیکن وہ روایت ضعیف ہے۔"

هذى سالك لوتفرد بعضها لكفى فكيف بها اذا اتتالف

ترجمہ: "یہ مسالک ہیں اگرچہ بعض بعض سے جدا ہیں۔ یہ کافی ہیں ان کی کیفیت اس وقت کیا ہوگی جب یہ اکٹھے ہو جائیں گے۔"

و بحسب من لا يرتضيها صته ادبا لكن اين من هو منصف

ترجمہ: "جو اسے پسند نہیں کرتا اسے ادباً خاموش رہنا ہی بہتر ہے، لیکن وہ کہاں ہے جو منصف ہے۔"

صلى الا له على النبى محمد ماجدد الدين الحنيف محنف

ترجمہ: "رب تعالیٰ اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھتا رہے جب تک علماء دین حنیف کی تجدید

کرتے رہیں۔"

عبدالمطلب

ان کی کنیتیں ابوالحارث اور ابوالبطحاء تھیں۔ ان کا نام شیبۃ الحمد تھا۔ امام سہیلی نے اسے ہی درست قرار دیا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق ان کا نام عامر تھا۔ ابوعمر نے کہا ہے کہ یہ درست نہیں ہے۔ شیبہ نام کیوں رکھا گیا اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے سر پر سفید نشان تھا۔ جو ان کی مینڈھوں سے ظاہر ہوتا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق کیونکہ ان کے باپ نے ان کی ماں کو یہ وصیت کی تھی۔

ان کا لقب عبدالمطلب اس لیے پڑ گیا کیونکہ ان کے والد گرامی ہاشم تاجر کی حیثیت سے مدینہ طیبہ آئے۔ وہ عمرو بن زید کے ہاں ٹھہرے۔ انہوں نے اس کی نورِ نظر سلمی بنت عمرو کو دیکھا تو پسند آ گئی۔ اس کے باپ سے رشتہ مانگا تو اس نے رشتہ دے دیا۔ اس نے یہ شرط رکھی کہ وہ جو بچہ بھی جنم دے گی تو اس کے اہلِ خانہ میں ہی رہے گا۔ ہاشم چلے گئے۔ زوجہ سے حق زوجیت ادا نہ کیا۔ واپس آ گئے تو اسی جگہ اپنی زوجہ سے حق زوجیت ادا کیا کچھ مدت اسی جگہ ٹھہرے۔ پھر زوجہ کو مکہ مکرمہ لے آئے۔ جب اسے حمل ہوا تو وہ اپنے والد کے پاس چلی گئی۔ ہاشم شام گئے تو اس جگہ وصال ہو گیا۔ حضرت عبدالمطلب مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ سات یا آٹھ سال وہیں ٹھہرے رہے۔ اہلِ تہامہ کا ایک شخص مدینہ طیبہ سے گزرا۔ وہاں کچھ بچے تیر اندازی کر رہے تھے۔ ان میں ایک بچہ تھا جس کا تیر نشانے پہ لگتا تو وہ کہتا "میں ہاشم کا فرزند ہوں۔ میں سید بطحاء کا بیٹا ہوں۔" اس شخص نے پوچھا "اے بچے! تیرا تعلق کن کے ساتھ ہے؟" اس بچے نے کہا: "میں شیبہ بن ہاشم بن عبدمناف ہوں۔" وہ شخص مکہ مکرمہ گیا مطب بن مناف کو حطیم میں دیکھا۔ اس شخص نے کہا: "ابوالحارث! اٹھو۔ وہ اٹھے ان کی طرف گئے۔ اس شخص نے کہا: "میں ابھی ابھی یثرب سے آیا ہوں۔ میں نے وہاں تیر اندازی کرتے ہوئے بچے دیکھے۔ پھر اس نے ساری داستان سنا دی۔ پھر کہا: "میں نے اتنا عمدہ اور خوبصورت بچہ دیکھا ہے کہ اسے چھوڑا نہیں جا سکتا۔ مطلب نے کہا: "میں اس سے غافل رہا۔ بخدا! میں اس وقت اپنے خاندان اور مال کی طرف نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ میں اسے لے آؤں۔ حارث نے اسے اپنی اونٹنی دی۔ وہ اس پر سوار ہو گیا۔

مطلب روانہ ہوئے حتیٰ کہ رات کے وقت مدینہ طیبہ پہنچے پھر بنو عدی بن نجار کے پاس پہنچے۔ اس کے سامنے بچے مجلس میں تھے۔ جب اس نے اپنے بھتیجے کو دیکھا تو کہا "کیا یہ ہاشم کا فرزند ہے؟" لوگوں نے بتایا "ہاں! لوگوں نے مطلب کو پہچان لیا۔ انہوں نے کہا "ہاں! یہ تمہارا بھتیجا ہے۔ اگر تم اسے لے جانا چاہتے ہو تو اسی وقت لے جاؤ۔ اس کی ماں کو اس کے بارے علم نہیں۔ اگر اسے علم ہو گیا تو ہم اس کے اور تمہارے مابین حائل ہو جائیں گے۔" اس نے اپنی اونٹنی بٹھائی پھر شیبہ کو بلایا۔ اسے کہا: "میرے بھتیجے! میں تمہارا چچا ہوں۔ میں تمہیں اپنی قوم میں لے جانا چاہتا ہوں۔ میرے ہمراہ

سوار ہو جاؤ۔ مطلب نے اسے اونٹنی پر سوار کیا اور اونٹنی اٹھائی اور چل پڑے۔ جب شیبہ کی والدہ کو علم ہوا کہ اس کا چچا اسے لے گیا۔ وہ اپنے بیٹے پر غمزدہ ہو گئی اس نے یہ اشعار پڑھے:

كنا ولاة حمه رمه حتى اذا قام على اتمه

انتزعواه من امه و غلب الاخوال حق عمه

ترجمہ: "اس بچے کے قلیل اور کثیر کے مالک ہم ہی تھے۔ جب وہ پروان چڑھا تو انہوں نے اسے اس کی ماں سے چھین لیا۔ چچا کا حق ماموؤں کے حق پر غالب آگیا۔"

دوسرے قول کے مطابق انہوں نے والدہ کی اجازت سے انہیں حاصل کیا تھا۔ جب وقت چاشت مطلب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے حضرت عبدالمطلب تھے۔ لوگ بازاروں میں اور اپنی اپنی محافل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اسے خوش آمدید کہنے کے لیے اٹھے۔ انہوں نے پوچھا: "یہ تمہارے ہمراہ کون ہے؟" اس نے کہا: "یہ میرا غلام ہے جسے میں نے یثرب سے خریدا ہے۔" پھر شیبہ کو لے کر جزورہ آیا۔ ان کے لیے حلہ خریدا اور انہیں اپنی زوجہ خدیجہ بنت سعید کے پاس لے گئے۔ رات کے وقت شیبہ کو حلہ پہنایا۔ انہیں بنو عبد مناف کی محفل میں بٹھایا اور انہیں ان کی داستان سنا دی۔ شیبہ بعد میں یہی حلہ پہن کر نکلتے تھے مکہ مکرمہ کی گلیوں میں گھومتے تھے۔ ان کا چہرہ سارے لوگوں سے خوبصورت تھا۔ لوگ انہیں کہتے "یہ عبدالمطلب (مطلب کے غلام) ہیں۔ ان کا یہی نام معروف ہو گیا شیبہ کو چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عبدالمطلب اکثر اپنے ننھال جاتے تھے۔ اور ان کے ساتھ عمدہ سلوک کرتے تھے۔

بلاذری نے محمد بن سائب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب قریش کے حلیم اور حکیم افراد میں سے تھے۔ حرب بن امیہ ان کا دوست تھا۔ حضرت عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ جسے اذینہ کہا جاتا تھا۔ وہ اپنا مال لے کر تہامہ کے بازاروں میں جاتا تھا۔ اس کے اس فعل نے حرب کی آتش غیظ کو بھڑکایا۔ حرب نے قریش کے جوانوں کو اکسایا۔ اس نے کہا یہ گدھا تمہارے پاس آیا ہے۔ یہ بغیر کسی پناہ اور سواروں کے تمہارے شہر میں پھرتا رہتا ہے۔ بخدا! اگر تم اسے قتل کر دو۔ اس کا مال لے لو تو تمہیں کسی کے تعاقب کا کوئی خوف نہیں۔ کوئی شخص تم سے اس کے خون کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ عامر بن عبد مناف اور صخر بن عمرو نے اس یہودی پر حملہ کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت عبدالمطلب کو اس کے قاتل کا علم نہ ہو سکا۔ وہ چھان بین کرتے رہے حتیٰ کہ انہیں علم ہو گیا۔ وہ حرب بن امیہ کے پاس گئے۔ اس کے اس کرتوت پر اس کی سرزنش کی اور اپنے پڑوسی کے خون کا مطالبہ کرتے رہے وہ اپنی گفتگو میں سختی اختیار فرماتے رہے حتیٰ کہ المحک اور اللجاج نے انہیں فخر کرنے پر بلایا اور نجاشی کو ثالث مقرر کیا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے نفیل بن عبدالعزیٰ کو ثالث مقرر کیا۔ اس نے حرب سے کہا: "ابوعمرو! تم اس شخص پر فخر کرتے ہو جس کی قامت تجھ سے طویل ہے۔ جو تجھ سے حسین وجمیل ہے۔ جو عزت میں تجھ سے بڑھ کر اور ملامت میں تجھ سے کم ہے۔ وہ

اولاد میں تجھ سے کثیر ہے۔ عطیات میں تجھ سے زیادہ ہے۔ مدد کے اعتبار سے تجھ سے بڑھ کر ہے۔ میں اپنا یہ قول کرتا ہوں۔ عبدالمطلب! آپ کو غصہ دیر سے آتا ہے۔ عرب میں آپ کی شہرت پھیلی ہوئی ہے۔ آپ مستقل مزاج ہیں۔ آپ کا قبیلہ آپ سے پیار کرتا ہے۔ آپ فخر میں جیت گئے ہیں۔ یہ سن کر حرب کو غصہ آیا۔ اس نے نفیل کو گالیاں دیں۔ اس نے کہا: "جب زمانہ نے تجھے سرنگوں کر دیا تو تجھے ثالث بنا دیا گیا۔ اہلِ عرب فضیل کے پاس اپنے فیصلے لے کر جاتے تھے۔ اسی واقعہ کے بارے فضیل نے یہ اشعار کہے ہیں:

اولاد شيبة اهل المجد قد علمت — عليا معد اذا ما هز هز الورع

و شيخهم خير شيخ لست تبلغه — انّي و ليس به سخف ولا طمع

يا حرب ما بلغت سعاتكم هبعا — سِقى الحجيج وما ذا يبلغ الهبع

ابو كما واحد الفرع بينكما — منه الغساش و منه الناضر الينع

ترجمہ: "حضرت شیبہ کی اولاد بزرگی والی ہے معد کی رفعت جانتی ہے۔ جب تقویٰ حرکت دیتا ہے ان کا بزرگ بہترین بزرگ ہے۔ تو ان تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ ان میں نہ طیرین ہے نہ لالچ ہے۔ اے حرب! تمہاری کوشش تو اونٹ تک بھی نہیں پہنچی وہ تو حاجیوں کو پلاتے ہیں اور ایک اونٹ کہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ تمہارا باپ تو ایک ہے لیکن تمہارے مابین فرق بہت زیادہ ہے تم میں سے ہی کوئی وہ لکڑی ہے جسے پرندے گھونسلوں کے لیے استعمال کرتے ہیں اور تم میں ہی خوشگوار اور تر و تازہ پھل بھی ہے۔"

حضرت عبدالمطلب نے حرب کی رفاقت چھوڑ دی اور عبداللہ بن جدعان کو دوست بنا لیا ہے۔ انہوں نے حرب کو نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ اس سے ایک سو اونٹ لیے اور اس یہودی کے چچازاد کو دے دیے۔ اس نے اس یہودی کا مال بھی واپس کر دیا۔ مگر تھوڑا سا مال باقی تھا جو اس سے تلف ہو گیا تھا۔ وہ اس کا بھی ضامن بنا۔ ارقم بن نضلہ بن ہاشم نے اس واقعہ کے بارے اشعار لکھے ہیں:

و قبلك ما اردٰى امية هاشم — فاورده عمرو الى شرِّ موردِ

ايا حرب قد حاربته غير مقصِّرٍ — شاك الى الغايات طلّاع انجُدِ

ترجمہ: "تم سے قبل ہاشم نے امیہ کو ہلاک نہیں کیا تھا۔ عمرو نے اسے برے گھاٹ پر اتار دیا۔ اے ابوحرب! تو نے جنگ کرنے میں سستی سے کام نہیں لیا لیکن وہ نشیب و فراز سے آگاہی اور تجربات میں تجھ سے کہیں آگے نکل گیا ہے۔"

بلاذری نے محمد بن سائب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کا پانی کا چشمہ تھا جسے "الھرم" کہا جاتا تھا۔

جندب بن حارث نے بنو ثقیف کے ہمراہ اس پر غلبہ پالیا۔ حضرت عبدالمطلب نے قضاعی کاہن کے پاس ان کے ساتھ فخر میں مقابلہ کیا۔ اس کاہن کا نام سلم تھا۔ یہ شام میں رہتا تھا۔ قریش کے چند افراد کے ساتھ حضرت عبدالمطلب اس کے پاس گئے۔ جندب ثقیف کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا۔ جب وہ کاہن تک پہنچے تو انہوں نے توشہ دان کے منکا میں ٹڈی کا سر چھپا دیا۔ کاہن نے کہا: "تم نے میرے لیے وہ چیز چھپائی ہے جو اڑتی ہے تو بلند ہوتی ہے، جب ٹیڑھی ہوتی ہے تو گر پڑتی ہے۔ اس کی دم بڑی تیز ہے جو آری کی طرح چلتی ہے۔ انہوں نے کہا: "ذرا تفصیل بیان کرو" اس نے کہا اگر میرے اس قول کی تفصیل ہے تو یہ ہے کہ وہ ٹڈی کا سر ہے جو توشہ دان کے منکے میں ہے جو قلادہ کی تہ میں ہے۔" انہوں نے کہا: "تو نے سچ کہا ہے" انہوں نے اپنا اپنا نسب بیان کیا۔ اس نے کہا: "میں نور اور تاریکی کی قسم اٹھاتا ہوں۔ حرم والے گھر کی قسم! ہرم میں پانی کا چشمہ ہے۔ وہ کریم قریشی کے لیے ہے۔" یہ سن کر بنو ثقیف ناراض ہو گئے۔ انہوں نے اسے کہا: "ہمارے بلند منصب اور سخاوت کی وجہ سے یہ فیصلہ ہمارے حق میں کر دے۔ کیونکہ ہم بہت زیادہ نیزہ بازی کرتے ہیں۔" حضرت عبدالمطلب نے کہا: "کاہن! تم اس کے حق میں فیصلہ کرو جو بڑی بڑی خیرات والا ہے جس کا باپ مغرکا سردار ہے۔ وہ حاجیوں کو پانی پلاتے تھے جب ان کی تعداد کثیر ہوتی تھی۔" اس وقت کاہن نے کہا:

اما و رب القلص الرواسم ... يحملن ازوالاً بقيّ طاسم

ان سناء المجد والمكارم ... فی شيبة الحمد سليل هاشم

ابی النبی المرتضیٰ للعالم

ترجمہ: "ان اونٹنیوں کے رب کی قسم جو چلتے وقت زمین پر نشانات ڈالتی ہیں جو طاسم قبیلہ کے بہادروں کو اٹھاتی ہیں، بزرگی اور اخلاق کی روشنی شیبۃ الحمد میں ہے جو ہاشم کے فرزند ہیں۔ وہ اس نبی مرتضیٰ ﷺ کے دادا ہیں جو ساری دنیا کے لیے تشریف لائیں گے۔"

پھر اس نے کہا:

ان بنی النضر كرام ساده ... من مضر الحمراء فی قلاده

اهل السناء و ملوك قاده ... مزارهم بارضهم عبادة

ان مقالی فاعلموا شهاده

ترجمہ: "بنو نضر کریم اور سردار ہیں مضر الحمراء بھی اسی نسل سے ہیں وہ نورانی چہروں والے بادشاہ اور قائد ہیں۔ ان کی زمین میں ان کی زیارت کرنا عبادت ہے۔ میرا یہ قول گواہ ہے۔ خوب جان لو۔"

پھر اس نے کہا: "ثقیف بھاگا ہوا غلام تھا۔ اسے پکڑ کر آزاد کیا گیا۔ اس کا اس کریم میں کوئی حق نہیں ہے۔"

جب اس کاہن نے عبدالمطلب کے لیے ہرم کا فیصلہ کر دیا تو حضرت عبدالمطلب کے دیکھے ادھار لیے پھر اونٹ

ذبح کیا اپنے ارد گرد کے لوگوں کو کھلایا کچھ اونٹ مکہ مکرمہ کے پہاڑوں پر بھیج دیے۔ انہیں پرندوں اور درندوں کے لیے ذبح کر دیا گیا۔ جناب ابوطالب نے کہا ہے:

و نطعم حتیٰ تاکل الطیر فضلنا　　　اذ جعلت ایدی المنیضین ترعد

ترجمہ: "ہم کھلاتے ہیں حتیٰ کہ ہمارا کھانا پرندے بھی کھاتے ہیں۔ جب معالجوں کے ہاتھوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔"

علامہ بلاذری نے حضرت محمد بن سائب سے روایت کیا ہے کہ جذام کا ایک کارواں حج کے بعد عازم سفر ہوا۔ انہوں نے اپنا ایک شخص نہ پایا۔ انہوں نے اسے مکہ مکرمہ کے گھر میں تلاش کیا۔ انہیں حذافہ بن غانم ملا۔ انہوں نے اسے ہی پکڑا اور باندھ دیا اور اسے لے کر چلے۔ حضرت عبدالمطلب طائف سے واپس آرہے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کا بیٹا ابولہب تھا جو انہیں لا رہا تھا کیونکہ ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ جب حذافہ نے انہیں دیکھا تو باآواز بلند انہیں پکارا۔

حضرت عبدالمطلب نے ابولہب سے پوچھا: "یہ کیا ہے؟" اس نے کہا: "یہ حذافہ بن غانم ہے جسے کارواں نے باندھ رکھا ہے۔ جناب عبدالمطلب: "ان کے پاس جا اور ان سے بات کر کہ معاملہ کیا ہے؟" وہ کارواں کے پاس گیا انہیں بتایا پھر وہ واپس آیا اور حضرت عبدالمطلب کو بتایا۔ انہوں نے کہا: "کیا تیرے پاس کچھ ہے۔" ابولہب: "میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔" عبدالمطلب: "ان کے پاس جا اور انہیں کچھ دے اور اس آدمی کو چھڑا لے۔" ابولہب ان کے پاس گیا اس نے کہا: "تم میرے مال اور تجارت سے آگاہ ہو۔ میں تمہیں بیس اوقیہ سونا اور دس اونٹ اور دس گھوڑے دوں گا۔ یہ میری چادر بطور رھن رکھ لو۔" انہوں نے ابولہب کی بات مان لی۔ حذافہ کو چھوڑ دیا۔ حذافہ آیا۔ جب حضرت عبدالمطلب نے ابولہب کی آواز سنی تو انہوں نے کہا: "میرے باپ کی قسم! تو نافرمان ہے واپس لوٹ جا۔" ابولہب: "حذافہ میرے ساتھ ہے۔" ابولہب نے اسے بلایا: "اے حذافہ! کیا تو میری آواز سن رہا ہے؟" حذافہ: "ہاں! میرے والدین آپ پر فدا! اے حاجیوں کو پانی پلانے والے! مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیں۔ انہوں نے اسے اپنے پیچھے بٹھا لیا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ آگئے۔ حذافہ نے یہ اشعار کہے:

بنو شیبة الحمد الذی کان وجهه　　　یضیئ ظلام اللیل کالقمر البدر

ترجمہ: "حضرت عبدالمطلب کے فرزند! جن کا چہرہ تاریک رات میں ماہِ تمام کی طرح چمکتا تھا۔"

کهولهم خیر الکهول و نسلهم　　　کنسل الملوك لااقصار و خزر

ترجمہ: "ان کے بزرگ بہترین بزرگ اور ان کی نسل بادشاہوں کی نسل ہے۔ وہ نہ تو کوتاہ قد نہ ہی بھینگے ہیں۔"

ملوك و ابناء ملوكٍ و سادة　　　تفلق عنهم بیضة الطائر الصقر

ترجمہ: "وہ بادشاہ اور بادشاہوں کی اولاد ہیں۔ سردار ہیں۔ گویا کہ شاہین کا انڈا پھٹا اور وہ نکلے۔"

لساقی حجیج ثم للخیر ھاشم و عبد مناف ذلك السید الفھر

ترجمہ: "وہ حاجیوں کو پلانے والے پھر ہاشم روٹی کھلانے والے ہیں عبد مناف فہر کے سردار تھے۔"

متی تلق منھم خارجا فی شبابہ تجدہ علی احراء والدہ یجری

ترجمہ: "جب تم ان میں سے کسی شخص کو ملو گے جو جوانی سے نکل رہا ہوگا۔ تم اسے پاؤ گے کہ وہ اپنے والد کے نقشِ قدم پر چل رہا ہوگا۔"

ھم ملأوا البطحاء مجدا و سؤددا وھم نکلوا عنا غواۃ بنی بکر

ترجمہ: "انہوں نے بطحاء کو بزرگی اور سرداری سے بھر دیا ہے انہوں نے ہی بنو بکر کے باغیوں کو ہماری طرف سے سزا دی۔"

و ھم یغفرون الذنب ینقم مثله وھم ترکوا رای السفاھة والھجر

ترجمہ: "وہ ایسے گناہ معاف کر دیتے ہیں جن کا بدلہ لیا جاتا ہے انہوں نے حماقت اور یاوہ گوئی کی رائے کو ترک کر دیا ہے۔"

اخارج اما اھلکن فلا تزل بشیبة منکم شاکرا اخر الدھر

ترجمہ: "اگر میں باہر نکلتا تو میں صرف ہلاک ہو جاتا تم پر لازم ہے تم تاقیامت شیبہ کا شکریہ ادا کرو۔"

بلاذری نے حضرت محمد بن سائب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے سب سے پہلے خضاب لگایا کیونکہ انہیں جلد بڑھاپے نے آلیا۔ وہ یمن کے ایک بادشاہ کے پاس گئے اس نے انہیں خضاب لگانے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے اپنے بالوں پر مہندی لگا دی۔ پھر خضاب لگایا۔ جب واپس لوٹے تو مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر دوبارہ خضاب لگایا۔ وہ بہت زیادہ خضاب لے کر آئے تھے۔ جب وہ اپنے گھر داخل ہوئے تو ان کے بال کوے کے پروں کی طرح تھے۔ ان کی زوجہ نتیلہ نے کہا: "یہ رنگ کتنا اچھا ہے۔ کاش! آپ ہمیشہ یہی استعمال کریں۔" اس وقت عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے:

لو دام لی ھذا السواد حمدتة و کان بدیلا من شباب قد انصرم

ترجمہ: "اگر یہ سیاہی ہمیشہ رہتی تو میں اس کا شکر ادا کرتا۔ یہ اس جوانی کا بدل ہے جو گزر چکا ہے۔"

تمتعت منه والحیاۃ قصیرۃ ولا بد من موت نتیله او ھرم

ترجمہ: "میں نے اس سے لطف اٹھایا ہے۔ زندگی مختصر ہے۔ نتیلہ کو موت یا بڑھاپا ضرور آئے گا۔"

وما ذالذی یجدی علی المرء خصفه و نعمته یوما اذا عرشه انھدم

ترجمہ: "اس دن انسان کو اس کی خوشحالی اور نعمت کیا فائدہ دے سکتی ہے جس دن اس کا تخت الٹ جائے گا

ان کے بعد اہلِ مکہ خضاب لگانے لگے۔"

حضرت عبدالمطلب کا جسم سفید تھا۔ وہ خوبصورت، طویل اور فصیح تھے۔ جو بھی انہیں دیکھتا ان کی محبت میں گرفتار ہو جاتا انہیں سقایہ اور رفادہ کا منصب ملا۔ انہیں اپنی قوم میں شرف اور قدر نصیب ہوا۔ ان میں نورِ نبوت اور سلطنت کی ہیبت دیکھی جا سکتی تھی۔ ان کے اخلاق حدِ شمار سے ماوراء ہیں۔ وہ قریش کے سردار تھے۔ نفس، والد، گھر، حسن و جمال، رونق اور جملہ افضال میں ان کا ثانی نہ تھا۔

علامہ رشاطی نے لکھا ہے زمانہ جاہلیت میں انہوں نے خود پر شراب حرام کر رکھی تھی۔ ان کے کئی بیٹے اور بیٹیاں تھیں جن کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔ انہوں نے ۱۲۰ سال یا ۸۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

تنبیہ

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضور ﷺ نے انہیں فرمایا: "لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ میں اس کلمہ کے ساتھ آپ کی گواہی دوں گا۔" ابوطالب نے کہا تھا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہیں۔" اس کا ظاہر اس بات پر تقاضا کرتا ہے کہ ان کی وفات شرک پر ہوئی۔ میں نے بعض کتب میں حضرت عبدالمطلب کے بارے اختلاف پڑھا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حالتِ اسلام میں وصال کر گئے کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ کی نبوت کے دلائل دیکھ لیے تھے۔ انہیں علم ہو گیا کہ آپ توحید کے ساتھ ہی مبعوث ہوں گے۔

مسند دارمی اور سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "شاید آپ ان کے ساتھ کدیٰ یا کراء (قبور) تک پہنچی تھیں۔" انہوں نے عرض کی: "نہیں۔" آپ نے فرمایا: "اگر آپ ان کے ساتھ اس جگہ تک پہنچتیں تو جنت کو نہ دیکھتیں حتیٰ کہ اسے آپ کے والد گرامی کے دادا جان دیکھ لیتے۔" یہ ان کے عدمِ اسلام پر دلالت کرتی ہے۔

لیکن ابن سکن نے انہیں صحابہ کرام میں شمار کیا ہے کیونکہ انہوں نے ذکر کیا تھا کہ آپ عنقریب مبعوث ہوں گے۔ جس طرح کہ بحیریٰ راہب، سیف بن ذی یزن، قس بن ساعدہ وغیرھم نے کہا تھا۔ پہلی وہ روایت گزر چکی ہے جسے حضرت ابن عباس نے ان سے روایت کیا ہے۔ حافظ نے اصابۃ میں ابن سکن کی گرفت نہیں کی۔ مگر انہوں نے حضرت عبدالمطلب کا تذکرہ چوتھی قسم میں کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کی ابتدا میں لکھا ہے "چوتھی قسم میں ان افراد کا تذکرہ کروں گا جنہیں غلطی یا وہم کی بنا پر صحابہ کرام میں شمار کیا جاتا ہے۔" ظاہر ہے کہ انہوں نے ان کا تذکرہ چوتھی قسم میں اس لیے کیا ہے کیونکہ انہوںؒ نے بعثت کو نہیں پایا تھا۔ انہیں صحابہ میں کیسے شمار کیا جا سکتا تھا جیسے کہ سیف ذی یزن۔ وہ حضور پاک ﷺ کی ولادت باسعادت کے تین سال بعد مرا تھا۔ اگر وہ حضور ﷺ کی بعثت کا اقرار کر لیتا۔ اسے صحابہ میں شمار نہیں کیا

جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس نے آپ کو بعثت کے بعد نہیں دیکھا تھا بلکہ دیکھا ہی نہیں تھا۔" ابوطالب نے "الکنیٰ" میں روزِ حشر آزمائش کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے "ہمیں امید ہے کہ جناب عبدالمطلب اور ان کا خاندان اطاعت کریں گے اور رب تعالیٰ انہیں جنت عطا کر دے گا۔"

ہاشم

یہ "ہشم" سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنیٰ توڑنا ہے۔ ان کا نام عمرو العلاء تھا۔ یہ تو عَمر سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ بقاء ہے۔ اس معنیٰ کو ابوالفتح نے المبهج میں ذکر کیا ہے بطور دلیل ابی القماقم کا یہ شعر پڑھا ہے:

یا رب زد من عمرہٖ فی عمری　　　　واستوفِ منی یا الهی نذری

ترجمہ: "اے میرے مولا! میری عمر میں سے اس کی عمر میں اضافہ فرما دے۔ مولا! میری نذر کو پورا فرما۔"

روایت ہے کہ عیسیٰ بن عمر نے عمرو بن عبید سے پوچھا "تمہارا نام عمر کیوں رکھا گیا ہے؟" انہوں نے کہا: عمر کا معنیٰ بقاء ہے۔ رب تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے۔" ابن دحیۃ نے کہا ہے کہ قسم اٹھانے کے لیے صرف عَمر استعمال ہوتا ہے۔" ارشادِ ربانی ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ (الحجر: ۷۲)

ترجمہ: "(اے محبوب) آپ کی زندگی کی قسم یہ (اپنی طاقت کے نشہ میں) مست ہیں (اور) بہکے بہکے پھر رہے ہیں۔"

ان کا لقب ہاشم تھا۔ کیونکہ انہوں نے اہلِ مکہ کو ثرید کھلائی تھی۔ اہلِ مکہ کو سخت قحط سالی نے آلیا۔ یہ فلسطین گئے وہاں سے بہت سا آٹا خریدا۔ کیک خریدے۔ انہیں لے کر مکہ معظمہ آئے۔ اس کے بارے حکم دیا اس کی روٹیاں پکائی گئیں۔ پھر اس نے اونٹ ذبح کیے۔ ثرید بنائی اہلِ مکہ کو کھلائی۔ حتیٰ کہ وہ مستغنی ہو گئے۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے دو سفر شروع کیے تھے۔ ایک سفر حبشہ کی طرف، دوسرا سفر شام کی طرف۔

رشاطی نے لکھا ہے "قریش کی تجارت مکہ مکرمہ سے آگے نہ تھی۔ عجمی لوگ ساز و سامان میں ان سے بڑھ کر تھے۔ یہ عجمیوں سے سامان خریدتے تھے۔ ہاشم سوار ہو کر شام گئے۔ قیصر کے ہاں ٹھہرے، وہ ہر روز ایک بکری ذبح کرتے تھے۔ اسے ایک پیالے میں ڈالتے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بلاتے تھے سارے مل کر کھاتے تھے۔ اس بات کا تذکرہ قیصر سے کیا گیا۔ اسے کہا گیا کہ اس جگہ قریش کا ایک شخص ہے جو روٹی کی ثرید بناتا ہے۔ پھر اس پر شوربا انڈیلتا ہے۔ اس پر گوشت رکھتا ہے۔ اہلِ عجم شوربا پیالوں میں رکھتے تھے۔ پھر روٹی سے اسے کھاتے تھے۔ قیصر نے انہیں بلایا۔ قیصر نے ان سے گفتگو کی۔ ان کی گفتگو کو عجیب سمجھا۔ وہ انہیں پیغام بھیجتا رہا اور ان سے ملاقات کرتا رہا۔ جب انہوں نے بادشاہ کے

دربار میں اپنا مقام دیکھا تو کہا: "میری قوم عرب کے تاجر ہیں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے ایک خط لکھ دو جو انہیں امن دے اور ان کی تجارت امن کے ساتھ ہو۔ وہ تمہارے پاس حجاز کے چمڑے اور کپڑے لے کر آئیں گے۔ ان کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ انہیں تمہارے ہاں فروخت کریں۔ وہ تمہارے لیے سستے ہوں گے۔" بادشاہ نے انہیں امان نامہ لکھ دیا۔ ہاشم نے وہ خط لیا۔ شام کے راستے میں جب بھی وہ کسی قبیلہ کے پاس سے گزرتے۔ وہ ان کے سرداروں سے معاہدہ کرتے وہ انہیں کہتے کہ وہ اہلِ عرب کو اپنے ہاں راستہ میں اور اپنی زمین پر پناہ دیں۔ یہ رستہ کی امان تھی۔ ہاشم ایسے معاہدے کرتے کرتے مکہ معظمہ پہنچ آئے۔ اہلِ مکہ کو وہ امان نامہ دیا۔ وہ بڑا بابرکت تھا پھر وہ بڑے کارواں کے ساتھ تجارت کے لیے نکلے۔ ہاشم بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہ ان معاہدوں کو پورا کر رہے تھے جو ان کے اور اہلِ عرب کے مابین تھے۔ حتیٰ کہ وہ شام پہنچ گئے۔ اسی سفر میں وہ غزہ میں وصال کر گئے اسی وجہ سے انہیں ہاشم کہا جاتا تھا۔ یہ مشہور وجہ تسمیہ ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے انہیں عرب میں ہاشم کہا جاتا ہو۔ اسی طرح قیصر کے پاس بھی انہیں ہاشم کہا جانے لگا۔

ان کا بھائی عبدشمس نجاشی کے پاس گیا۔ اس سے معاہدے کیے۔ نوفل کسریٰ کے پاس گیا۔ اس سے معاہدے کیے۔ مطلب حمیر یمن گیا اور ان سے معاہدے کیے۔ ہاشم، عبدشمس، مطلب اور نوفل کو مجیزون کہا جاتا تھا۔ یہ سارے سردار بنے۔ ان کے بارے عبداللہ بن زبعری یا ان کے باپ نے کہا ہے:

یا ایھا الرجل المحوّل رحلہ	ھلا نزلت بآل عبد مناف
الآخذون العھد من آفاقھا	الراحلون لرحلۃ الایلاف
والرائشون و لیس یوجد رائش	والقائلون ھلم للاضیاف
والخالطون غنیھم بفقیرھم	حتیٰ یکون فقیرھم کالکافی
عمرو العلاھشم الثرید لقومہٖ	سفر الشتاء و رحلۃ الایلاف

ترجمہ: "اے وہ شخص جس نے اپنا کجاوہ الٹا کیا ہوا ہے۔ کیا تو آلِ عبدمناف کے ہاں نہیں اترا۔ جنہوں نے آفاق میں اپنے معاہدے کیے تھے۔ اور وہ اپنے عہد و پیمان کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ وہ اس وقت کھلاتے تھے جب کوئی کھلانے والا نہیں ہوتا تھا۔ وہ مہمان سے فرماتے تھے "ادھر آؤ" عمرو العلا نے اپنی قوم کے لیے ثرید بنائی۔ وہ موسم سرما اور موسمِ گرما کا سفر کرتے تھے۔"

زبیر بن بکار نے "الموفقیات" میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش احتفاد کیا کرتے تھے۔ احتفاد یہ تھا کہ جب ان میں سے کسی کے اموال ضائع ہو جاتے وہ بلند زمین کی طرف نکل جاتے۔ وہاں خیمے لگا لیتے۔ وہ ان میں چلے جاتے وہ اس سے خوف سے مر جاتے کہ ان کی مفلسی کا کسی کو علم نہ ہو۔ حتیٰ کہ ہاشم جوان ہو گئے۔ اپنی قوم میں معزز ہوئے۔ انہوں نے کہا: "اے قوم! عزت کثیر تعداد میں ہے۔ اب تم سارے عرب سے زیادہ

مالدار ہوگئے ہو۔ تعداد میں زیادہ ہو۔ اس اعتقاد کے بارے میری ایک رائے ہے۔" قریش: "آپ کی رائے درست ہوگی۔ ہمیں حکم دیں ہم سر تسلیم خم کریں گے۔" انہوں نے کہا: "میری رائے ہے کہ اپنے غریبوں کو امیروں کے ساتھ ملا دو۔ ایک غنی کے ساتھ غریب کو ملایا جائے۔ وہ موسم گرما اور موسم سرما کے سفروں میں اس کی مدد کرے گرما کا سفر شام کی طرف اور سرما کا سفر یمن کی طرف ہوتا تھا۔ غنی کے پاس جو زائد مال ہوگا غریب اور اس کے اہلِ خانہ اس کے سایہ میں زندگی گزاریں گے۔ اس طرح یہ اعتقاد ختم ہو جائے گا لوگوں میں باہم الفت پیدا ہوگی۔"

بلاذری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "بخدا! قریش جانتے ہیں کہ جس ذات نے سب سے زیادہ معاہدے کیے تھے۔ اور کارواں کی اجازت حاصل کی تھی۔ وہ ہاشم تھے۔ بخدا! قریش نے سفر کے لیے رسی نہ لی حضر کے لیے اونٹ نہ بٹھایا مگر ہاشم کی وجہ سے۔"

ہاشم ایک مالدار شخص تھے۔ جب ذوالحجہ کا پہلا دن آتا وہ خانہ کعبہ کے ساتھ کمر لگاتے۔ وہ خطبہ دیتے ہوئے کہتے: "اے گروہِ قریش! تم نسب کے اعتبار سے سارے عرب کے سردار ہو۔ تم رشتہ داری میں عرب کے سب سے زیادہ قریبی ہو۔ تم بیت اللہ کے پڑوسی ہو۔ اس نے تمہیں اپنے مقدس گھر کا نگران بنایا ہے ساری اولاد اسماعیل کو چھوڑ کر تمہیں اس کا پڑوس عطا فرمایا ہے۔ اس نے تمہاری اس سے بہترین حفاظت کی ہے جس طرح ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کی حفاظت کرتا ہے۔ تم اس کے مہمانوں کی تعظیم کرو۔ وہ دور دراز سے تمہارے پاس اس طرح آتے ہیں کہ ان کے سر گرد آلود ہوتے ہیں۔ وہ سارے شہروں سے دبلی پتلی اونٹنیوں پر آتے ہیں۔ وہ تھک جاتے ہیں۔ ان کا سامان ختم ہوگیا ہے۔ ان میں جوئیں پڑی ہوئی ہیں۔ انہیں اپنے پاس ٹھہراؤ۔ اور ان کی مدد کرو۔ اگر میرے پاس اتنا مال ہوتا جو یہ سب کچھ برداشت کرسکتا تو میں کافی ہو جاتا۔ میں اپنے مال میں سے حلال اور پاکیزہ مال نکالنے لگا ہوں جس سے نہ قطع رحمی کی گئی ہے جسے نہ ظلم کرتے ہوئے چھینا گیا ہے نہ اس میں حرام کا عمل دخل ہے جو اس طرح کرنا چاہے وہ ضرور کرے۔ میں تمہیں اس گھر کی حرمت کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میں ہر شخص بیت اللہ کے مہمانوں کے لیے ایسا مال نکالے جسے ظلم کرتے ہوئے چھینا نہ گیا ہو۔ جس میں نہ قطع رحمی کی گئی ہو۔ نہ ہی غصب کیا گیا ہو۔" سارے بنو کعب اس میں کوشش کرتے پھر اپنے اموال میں سے نکالتے۔ ہر گھر اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور بھیجتا کہ اہلِ ثروت ایک سو ہر قلیہ بھیجا کرتے تھے۔ وہ سامان ہاشم کے پاس لے کر آتے وہ یہ سارا سامان دار الندوہ میں رکھ دیتے تھے۔

حضرت ہاشم ہر سال بہت سا مال نکالتے تھے۔ وہ چشمۂ زمزم کے پاس چمڑے کے حوض بنانے کا حکم دیتے تھے۔ یہ زمزم کی کھدائی سے پہلے کی بات ہے۔ پھر ان میں مکہ مکرمہ کے کنوؤں کا پانی ملایا جاتا تھا۔ وہ حاجیوں کو پلایا جاتا تھا۔ وہ حاجیوں کو ترویہ سے قبل مکہ میں پھر منیٰ میں پھر عرفات میں کھلاتے تھے۔ وہ ان کے لیے روٹی اور گوشت کی روٹی اور گھی کی، روٹی اور کھجور کی ثرید بناتے تھے۔ ان کو پانی پلاتے تھے پھر لوگ اپنے شہروں میں چلے جاتے۔ ہاشم سارے

لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور باجمال تھے۔ اہل عرب انہیں قدح النضار اور بدر کہتے تھے۔

ابوسعد نیسا پوری نے لکھا ہے کہ ان کے چہرے پر نور نبوت دیکھا جا سکتا تھا۔ انہیں جو بھی دیکھتا تھا ان کی محبت میں گرفتار ہو جاتا تھا۔ قیصر نے ان کی طرف پیغام بھیجا تاکہ اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دے۔ کیونکہ اس نے انجیل میں ان کے اوصاف پڑھے تھے مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

ہاشم کی اولاد میں نضلہ، عبدالمطلب، اسد، ابوصیفی، شفاء، خلدہ، رقیہ اور حبیبہ شامل ہیں۔

ان کے بھائی مطلب، عبدشمس، تماضر، قلابہ، نوفل، ابوعمرو عبید اور امیمہ ان کے بھائی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہاشم اور عبدشمس جڑواں تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے پہلے پیدا ہوا۔ دوسرے قول کے مطابق پہلے ہاشم پیدا ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کی انگلی دوسرے کے جسم سے ملی ہوئی تھی۔ جب اسے جدا کیا گیا تو خون نکلا تو یہ کہا گیا: "عنقریب ان کے مابین خونریزی ہوگی۔" ہاشم اپنے والد عبدمناف کے بعد سقایۃ اور رفادہ کے نگران بنے۔ امیہ بن عبدشمس نے ان سے حسد کیا۔

بلاذری نے ہشام بن محمد بن سائب سے روایت کیا ہے کہ امیہ بن عبدشمس مالدار تھا۔ اس نے اس طرح بننے کی کوشش کی جس طرح ہاشم تھے۔ تاکہ وہ بھی قریش کو کھلائے مگر وہ عاجز آ گیا۔ مگر قریش نے اس پر کوتاہی کا عیب لگایا۔ وہ ناراض ہو گیا۔ اس نے ہاشم کے ساتھ فخر میں اس شرط پر مقابلہ کیا کہ ہرنے والا پچاس اونٹنیاں دے گا۔ جنہیں مکہ مکرمہ میں ذبح کیا جائے گا اور دس سال جلاوطن رہے گا۔ خزاعی کاہن ان کا ثالث تھا۔ یہ کاہن عسفان میں رہتا تھا۔ کاہن نے کہا: "مجھے چمکنے والے ستارے، تاباں چاند، برستے بادل، فضا میں منڈلاتے ہوئے پرندے کی قسم! نشیب و فراز کی قسم! ہاشم امیہ سے کارناموں میں سبقت لے گئے ہیں۔ وہ اول و آخر ہیں۔" ہاشم نے وہ اونٹ لیے انہیں ذبح کیا اور ان کا گوشت اہل مکہ کو کھلایا۔ امیہ شام کی طرف چلا گیا۔ وہاں دس سال ٹھہرا رہا۔ یہ پہلی عداوت تھی جو بنوہاشم اور امیہ میں رونما ہوئی تھی۔ ہاشم نے بیس سال کی عمر میں یا پچیس سال کی عمر میں غزہ میں وصال کیا۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ درست مؤقف یہی ہے۔ بنوعبدمناف میں پہلے انہی کا وصال ہوا۔ پھر عبدشمس نے مکہ میں وصال کیا نوفل نے عراق کے رستہ میں وفات پائی، سلمان کے مقام پر مطلب نے یمن کے رستہ میں بردمان میں وفات پائی۔

عبدمناف

امام سہیلی نے لکھا ہے: "یہ اناف ینیف سے مفعل کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی ہے بلند ہونا۔" مفضل کہتے ہیں کہ الانافۃ الاشراف اور الزیارہ کو کہتے ہیں اسی وجہ سے ان کا نام عبدمناف پڑ گیا۔ اس کا نام مغیرہ تھا۔ یاء مبالغہ کے لیے

ہے۔ یعنی وہ دشمنوں پر غیرت کھاتے تھے۔ یا یہ "اغار الحبل" سے مشتق ہے۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ الھاء تانیث کی ہو۔ یہ مؤنث کے وصف سے منقول ہو۔ ان کی کنیت ابو شمس تھی۔ والدہ کا نام حبی تھا۔ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انہیں قمر البطحاء کہا جاتا تھا۔

ان کو عبد مناف اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی ماں حبی بنت حلیل نے انہیں مناۃ کی خدمت کے لیے مختص کیا تھا۔ مناۃ ایک بہت بڑا بت تھا۔ ان کا نام عبد مناۃ پڑ گیا۔ پھر قصی نے دیکھا تو انہیں عبد مناۃ بن کنانہ کے ساتھ موافقت نظر آئی تو انہوں نے اسے عبد مناف کر دیا۔ یہ اپنے والد کی زندگی میں ہی سردار بن گئے۔ یہ قریش میں صاحب اطاعت تھے۔ شاعر نے ان کے بارے کہا ہے:

كانت قريش بيضة فتفلّقت ... فالمح خالصه لعبد مناف

ترجمہ: "قریش ایک انڈے کی مانند تھے جب اسے توڑا گیا تو اس کا مغز اور جوہر عبد مناف تھے۔"

بلاذری نے حضرت زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک لونڈی دیکھی وہ شعر پڑھ رہی تھی:

كانت قريش بيضةً فتفلّقت ... المح خالصه لعبد الدار

حضور ﷺ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "کیا یہ شعر اس طرح ہے؟" انہوں نے فرمایا: "نہیں۔ عبد الدار کی جگہ عبد مناف ہے۔" آپ نے فرمایا: "اسی طرح ہے۔"

قصی

یہ قصا یقصو سے مشتق ہے۔ ان کا نام زید تھا۔ امام سہیلی کے نزدیک یہ قَصی کی تصغیر ہے۔ امام رشاطی نے لکھا ہے۔ ان کو قصی اس لیے کہتے تھے کیونکہ ان کے والد کلاب بن مرہ نے فاطمہ بنت سعد بن سیل سے نکاح کر لیا۔ اسی سعد کے بارے شاعر کہتا ہے:

ما ازى فى الناس طرا رجلا ... حضر الباس كسعد بن سيل
فارس اضبط فيه عسرةً ... اذا وافق القرن نزل
و تراه يطرد الخيل كما ... يطرد الحر القطامى الحجل

ترجمہ: "میں نے سارے لوگوں میں جو جنگ میں شریک تھے ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں دیکھا تھا، جو سعد بن سیل کی طرح کا تھا۔ وہ ایسا شہسوار تھا جو تنگی پر قابو پا لیتا تھا۔ جب وہ ہم پلہ بہادر سے ملتا تھا نیچے اتر آتا تھا۔ تم اسے دیکھتے کہ وہ گھڑسواروں کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح مقامی شاہین چکور کو دور کرتا ہے۔"

اس سعد نے سب سے پہلے تلواروں کو سونے اور چاندی سے آراستہ کیا تھا۔ کلاب کے اس فاطمہ سے دو بچے پیدا ہوئے۔ زہرہ اور قصی۔ کلاب کی وفات کے وقت قصی چھوٹا تھا۔ فاطمہ نے ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ ربیعہ اسے اپنے ہمراہ لے گیا۔ اس وقت قصی چھوٹا تھا۔ فاطمہ نے ربیعہ سے رزاح کو پیدا کیا۔ یہ قصی کا والدہ کی طرف سے بھائی تھا۔ قصی نے ربیعہ کی آغوش میں پرورش پائی۔ اسے اسی لیے قصی کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے اپنے وطن سے دور پرورش پائی تھی۔ رشاطی کہتے ہیں "زید اور ربیعہ کی اولاد میں فساد پیدا ہو گیا۔ اسے کہا گیا: "تو اپنی قوم میں کیوں نہیں جاتا ہے۔ اجنبیت کی عار دلائی گئی۔ قصی تو ربیعہ ہی کو اپنا باپ سمجھتا تھا۔ وہ اپنی ماں کے پاس آیا۔ اسے ساری بات بتائی۔ اس نے کہا:

اے میرے لخت جگر! تو نفس اور باپ کے اعتبار سے معزز ہے تم کلاب بن مرہ کے فرزند ہو۔ تیری قوم بیت اللہ کے پاس رہتی ہے۔" قصی نے چلے جانے پر اتفاق کر لیا۔ والدہ نے کہا: "ذرا ٹھہر جاؤ حتیٰ کہ اشہر حرام آ جائیں تم عرب کے حاجیوں کے ساتھ چلے جانا۔ شہر حرام آیا تو وہ قضاعہ کے حاجیوں کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ مکہ مکرمہ پہنچا۔ حج کیا پھر وہیں ٹھہر گیا۔ قریش نے اس کی قدر و منزلت جان لی۔ اسے ریاست اور سرداری پر فائز کر دیا۔ قصی رائے کے اعتبار سے عمدہ، لہجہ کے اعتبار کے سچے اور سخاوت کے دھنی تھے۔ پاکیزہ دامن تھے۔ ان کو سب سے پہلا مال اس شخص کا ملا جو مکہ مکرمہ آیا وہ بہت سے چمڑے لے کر آیا۔ اس نے انہیں بیچا اس کی وفات کا وقت قریب آ گیا۔ اس کا وارث نہ تھا اس نے یہ رقم قصی کو دے دی۔ اس وقت بنو خزاعہ ابطح کے والی تھے۔ قریش گھاٹیوں، پہاڑوں اور مکہ کے اطراف میں رہتے تھے۔ قصی نے خلیل بن حبشیہ کی نورِ نظر حبی کو دعوتِ نکاح دی۔ حلیل نے ان کا نسب جان کر اپنی بیٹی کا نکاح قصی سے کر دیا۔ حلیل اس وقت کعبہ معظمہ کا نگران اور مکہ مکرمہ کے معاملات کا والی تھا۔

قصی اس کے پاس ٹھہرے رہے۔ جس سے ان کے ہاں اولاد ہوئی۔ جب ان کی اولاد پھیلی۔ ان کا مال کثیر ہوا شرف بڑھا تو حلیل مر گیا۔ اس نے خانہ کعبہ کی ولایت کی وصیت اپنی بیٹی حبی کو کی۔ اس نے کہا: "میں دروازہ نہ کھول سکتی ہوں نہ ہی بند کر سکتی ہوں۔ اس نے یہ منصب ابوغبشان بن حلیل کے سپرد کر دیا۔ اس کی عقل میں خلل تھا۔ قصی نے اس سے ایک مشکیزہ شراب اور جوان اونٹ کے بدلے خانہ کعبہ کی تولیت اس سے خرید لی۔ اس سے عرب میں یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی "سودہ میں ابوغبشان سے بھی زیادہ نقصان اٹھانے والا" جب قصی نے خانہ کعبہ کی چابی لی تو بنو خزاعہ نے اس کا انکار کر دیا۔ انہوں نے اتفاق کر لیا کہ وہ قصی اور قریش سے جنگ کریں گے اور انہیں مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد سے نکال دیں گے۔ قصی نے اپنے بھائی رزاح بن ربیعہ سے مدد طلب کی۔

بنو صوفہ لوگوں کو عرفات سے حج کراتے تھے۔ جب وہ منیٰ سے نکلتے تھے تو لوگوں میں سے کسی کو بھی نکلنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ جب تک وہ کنکریاں نہ مارتے تھے کسی کو کنکریاں مارنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ اس سال بھی بنو صوفہ نے اسی طرح کیا جس طرح وہ پہلے کرتے تھے۔ قصی قریش، کنانہ اور قضاعہ کے ہمراہ عقبہ کے پاس آئے۔ انہوں نے بنو صوفہ

سے کہا: "ہم اس منصب کے تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ قصی نے ان کے ساتھ جنگ کی۔ بہت خونریز جنگ ہوئی۔ فریقین کے بہت سے لوگ کام آئے۔ صوفہ کو شکست ہوئی۔ قصی نے ان سے یہ منصب چھین لیا۔ بنوخزیمہ اور بنو بکر قصی سے ڈرنے لگے۔ انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ قصی عنقریب انہیں بھی اسی طرح روک دے گا۔ جس طرح اس نے بنوصوفہ کو روکا ہے۔ عنقریب وہ ان کے اور مکہ مکرمہ کے معاملات کے مابین حائل ہو جائے گا۔ انہوں نے قصی کے ساتھ جنگ کرنے پر اتفاق کر لیا۔ خزاعہ اور بنو بکر نکلے۔ انہوں نے قصی کے ساتھ جنگ کی۔ سخت قتال ہوا۔ پھر انہوں نے صلح کی طرف دعوت دی کہ وہ عرب میں کسی شخص کو ثالث بنا لیں انہوں نے یعمر بن عوف کو ثالث بنا لیا۔ یہ شداخ کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے ان کے مابین یہ فیصلہ کیا کہ قصی کعبہ معظمہ اور مکہ مکرمہ کی ولایت کا خزاعہ سے زیادہ مستحق ہے۔ جو لوگ قریش نے خزاعہ کے قتل کیے ہیں ان کا خون رائیگاں ہے۔ وہ قدموں کے نیچے ہے۔ جو خزاعہ اور بنو بکر نے قریش کے لوگوں میں سے جو قتل کیے ہیں۔ ان کی دیت ہوگی۔ انہوں نے پانچ سو بیس افراد کی دیت دی۔ تیس زخمیوں کی بھی دیت دی۔ وہ قصی اور خانہ کعبہ کے امور کے مابین سے ہٹ گئے۔ یعمر کو اسی لیے الشداخ کہا جانے لگا۔

قصی خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ کے امور کے والی بن گئے۔ وہ اپنی قوم کو لے کر مکہ مکرمہ آیا اور انہیں اپنے گھر میں بسا دیا۔ انہوں نے قصی کو اپنا سردار بنا لیا۔ اس وقت حرم کعبہ میں کوئی گھر نہ تھا۔ قریش اس میں ٹھہرے رہے۔ رات کے وقت وہ باہر نکل جاتے وہ اس میں کوئی جرم کرنا حلال نہیں سمجھتے تھے۔ وہاں پرانا گھر نہ تھا۔ جب قصی نے قریش کو جمع کیا۔ قصی سارے عرب سے زیرک انسان تھے۔ انہوں نے قریش سے کہا: "کیا تم سارے حرم کعبہ کے ارد گرد جمع نہیں ہو جاتے۔ بخدا! اہل عرب تمہارے ساتھ جنگ کرنا حلال نہیں سمجھتے نہ ہی تمہیں وہ مکہ مکرمہ سے نکال سکتے ہیں۔ ہمیشہ کے لیے عرب کے سردار بن جاؤ۔" قریش نے کہا: "تم ہی ہمارے سردار ہو۔ ہماری رائے تمہاری رائے کے تابع ہے۔" قصی نے قریش کو جمع کیا اور وقت صبح انہیں خانہ کعبہ کے ارد گرد لے آیا۔ قصی ہی پہلے شخص تھے جن کو بنو کعب میں سے سب سے پہلے ملک ملا۔ ان کی قوم نے ان کی اطاعت کی۔ ان کے پاس حجابۃ، سقایۃ، افادہ، ندوہ اور لواء کا منصب تھا۔ انہوں نے مکہ مکرمہ کے سارے منصب حاصل کر لیے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو جمع کیا تھا اس لیے انہیں مجمع کہتے تھے۔ شاعر کہتا ہے:

و ابو کم قصی کان یدعی مجمعا ‏ ‏ ‏ به جمع الله القبائل من فهر

و انتم نو زید و زید ابو کم ‏ ‏ ‏ به زینت البطحاء فخرا علی فخر

ترجمہ: "قصی ہی تمہارے باپ تھے جنہیں مجمع کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے فہر کے متفرق قبائل کو جمع کر دیا۔ تم بنو زید ہو۔ زید ہی تمہارا باپ ہے۔ بطحاء نے ان کے ذریعے فخر پر فخر حاصل کر لیا۔"

قصی نے دارالندوہ تعمیر کیا۔ الندوہ لغت میں اجتماع کو کہا جاتا ہے کیونکہ قریش مشاورت کے لیے اس حویلی میں جمع ہوتے تھے۔ قریش کی کسی عورت کا نکاح نہ کیا جاتا نہ کوئی مرد نکاح کرتا نہ ہی وہ کسی معاملہ کے بارے مشاورت

کرتے مگر یہ سارے امور دارالندوہ میں طے پاتے تھے۔ جنگ کے لیے جھنڈا بھی اسی حویلی میں باندھا جاتا تھا۔ قصی یا ان کا کوئی بیٹا یہ جھنڈا باندھتا تھا۔

ابوعبیدہ نے لکھا ہے کہ جب قصی مکہ مکرمہ کے معاملات کے والی تھے۔ تو انہوں نے کہا: "اے گروہ قریش! تم رب تعالیٰ اور اس کے مقدس کے پڑوسی ہو۔ اس کے اہلِ حرام ہو۔ حاجی اور بیت اللہ کی زیارت کرنے والے رب تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ مہمان کی عزت و توقیر کرنا گویا کہ رب تعالیٰ کی عزت و توقیر کرنا ہے تم عطیات دو۔ ان کے لیے کھانے اور پینے کا بندوبست کرو۔ حتیٰ کہ وہ واپس لوٹ جائیں۔ اگر میرے پاس اتنا مال ہوتا تو میں سارے امور خود ہی کر گزرتا۔" انہوں نے قریش پر خراج مقرر کیا اور دودھ کا انتظام کرتے تھے۔ وہ مکہ مکرمہ اور عرفات میں یہ انتظامات کرتے تھے۔ پھر یہ معاملہ اسی طرح رہا حتیٰ کہ اسلام کا سورج طلوع ہو گیا۔

امام سہیلی نے لکھا ہے: "قصی لوگوں کو حوضوں سے پلاتے تھے۔ میمون اور دیگر کنوؤں کا پانی ان میں لایا جاتا تھا۔ یہ عجول کنواں کھودنے سے پہلے کی بات ہے۔"

بلاذری نے لکھا ہے کہ قریش قصی سے پہلے اس کنویں کا پانی پیتے تھے۔ جسے لوی بن غالب نے مکہ مکرمہ سے باہر کھودا تھا۔ وہ حوضوں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر پانی کے ذخیروں اور اس کنویں کا پانی استعمال کرتے تھے جسے کعب بن مرہ نے عرفہ کے پاس کھودا تھا۔ قصی نے بھی ایک کنواں کھودا جسے عجول کہا جاتا تھا، یہ پہلا کنواں تھا جسے قریش نے مکہ مکرمہ میں کھودا تھا اسی کے بارے رجاز الحاج کہتا ہے:

نروی من العجول ثم ننطلق ان قصیا قدونی و قد صدق

بالشبع للناس وریٍّ مغتبق

ترجمہ: "ہم پہلے عجول کا پانی پیتے تھے۔ پھر ہم چلے گئے۔ قصی ایک باوفا سچے انسان تھے۔ لوگ اس کنویں سے سیر ہوتے تھے اور شام کے وقت خوب سیراب ہوتے تھے۔"

ایک اور شاعر نے لکھا:

آب الحجیج طاعمین دسمًا اشبعهم زید قصی لحمًا

ولبنا محضا و خبزا هشما

ترجمہ: "حاجی گوشت چکھتے ہوئے لوٹ آتے۔ زید قصی انہیں گوشت سے سیر کرتے۔ خالص دودھ پلاتے اور روٹی کی ثرید کھلاتے۔"

روایت ہے کہ قصی نے اپنے بڑے بیٹے سے کہا تھا: "جس نے کسی کمینے کی عزت کی وہ اس کی کمینگی میں شریک ہو گیا۔ جس کسی قبیح چیز کو عمدہ سمجھا وہ بھی اس میں شریک ہو گیا۔ عزت سے جس کی اصلاح نہیں ہوتی ذلت اس کی اصلاح کر

دیتی ہے۔ یہ جسم کی دوا ہے۔ جس نے اپنی قدر سے زیادہ مانگا اسے محروم کر دیا گیا۔ حاسد تیرا چھپا دشمن ہے۔

قصی نے سب سے پہلے مزدلفہ میں آگ جلائی۔ تاکہ عرفات سے نکلنے والا اسے دیکھ لے۔ انہوں نے اپنے مناصب اپنی اولاد میں تقسیم کر دیے۔ عبد مناف کو سقایہ اور ندوہ دیا۔ اس میں نبوت اور ثروت تھی۔ اس نے عبدالدار کو حجابۃ اور لواء کا منصب دیا۔ عبد العزیٰ کو رفادہ اور ضیافہ دیا۔ وہ اس کے حکم سے ہی اس میں تصرف کرتے تھے۔ قصی کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ انہیں الحجون میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد لوگ الحجون میں دفن ہونے لگے۔ ان کی قوم کے معاملات ان کی اولاد نے سنبھال لیے۔

کلاب

اس کے جمع ہونے کی دو وجوہات ہیں:

1. امام سہیلی نے لکھا ہے کہ یہ یا تو مصدر ہے جو مکالبہ کے معنی میں ہے یا یہ کلب کی جمع ہے کیونکہ اہلِ عرب کثرت کا ارادہ کرتے تھے جس طرح وہ سباع اور انمار نام رکھ لیتے تھے۔
2. روایت ہے کہ یہ شکار کے دلدادہ تھے۔ جس کی وجہ سے کتوں سے بھی پیار کرتے تھے۔ ان کے پاس بہت سے کتے ہوتے تھے۔ جب بھی یہ اپنے کتوں کو لے کر اپنی قوم کے پاس سے گزرتے تو وہ کہتے "یہ کلاب بن مرہ ہیں" ان کا یہی لقب مشہور ہو گیا۔

ابو قیش اعرابی سے کہا گیا: "تم اپنے بچوں کے برے نام کیوں رکھتے ہو۔ مثلاً کلاب، ذئب وغیرہ اور اپنے غلاموں کے اچھے نام کیوں رکھتے ہو۔ مثلاً مرزوق، رباح وغیرہ۔ انہوں نے کہا: "ہم اپنے بچوں کے نام اپنے دشمنوں کے لیے اور اپنے غلاموں کے نام اپنے لیے رکھتے ہیں۔" یعنی ان کے بیٹے دشمن سے لڑنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ ان کے گلوں پر تیر مارتے تھے اس لیے وہ ان کے لیے ایسے نام پسند کرتے تھے۔

ابن دحیہ نے لکھا ہے: "جب کسی شخص کا اپنے ہم پلہ شخص کے ساتھ جھگڑا ہو جاتا تو وہ کہتا "اے کتے! اے درندے! اے چیتے! اے عقلمہ! باہر نکل۔" ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹوں سے برائی دور رکھنے کے لیے ایسے نام رکھتے تھے۔ ان کا نام حکیم یا مہذب یا عروہ تھا۔ محب بن شہاب نے کہا ہے کہ پہلا قول درست ہے۔ ایک عربی کہتا ہے:

حکیم بن مرہ سادی الوریٰ   یبذل النوال و کف الاذیٰ

ترجمہ: "حکیم بن مرہ دنیا کا سردار عطیات دے کر اور تکلیف دور کر کے بنا۔"

ان کی کنیت ابو زہرہ تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے آراستہ تلواریں بیت اللہ کے لیے وقف کیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قصی کے نانا سعد بن سیل نے سب سے پہلے تلواروں پر سونا اور چاندی چڑھایا۔ اس نے کلاب بن مرہ کے ہاں دو

آراستہ تلواریں بھیجیں۔ انہوں نے انہیں خانہ کعبہ کے خزانہ میں رکھ دیا۔ ان کی والدہ کا نام ھند یا نعم بنت سریر تھا۔ بلاذری نے پہلی عورت کو ان کی والدہ قرار دیا ہے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ قصی، زھرۃ۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کے اجداد میں شامل ہیں۔

حافظ نے لکھا ہے کہ اہلِ نسب کے ہاں معروف یہ ہے کہ زہرہ مرد کا نام ہے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ یہ عورت کا نام ہے۔ مگر یہ قول ھشام بن کلبی نے مردود کر دیا ہے۔ زھرہ کا نام مغیرہ تھا۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ جو کچھ ابن قتیبہ نے لکھا ہے وہ معروف نہیں ہے۔

مرۃ

اس نام کے بارے کئی اقوال منقول ہیں:

1. یہ حنظلہ اور علقمہ کے وصف (تلخی) سے منقول ہے۔ لوگ اکثر یہ نام رکھتے تھے۔ تاء تانیث کے لیے ہے۔
2. یہ آدمی کے وصف ”المرارۃ“ سے مشتق ہے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ تیم بن مرہ اس قول کو تقویت دیتا ہے تاء مبالغہ کے لیے ہے۔
3. امام سہیلی نے لکھا ہے کہ میرا گمان ہے کہ یہ جڑی بوٹیوں کے ناموں میں سے کیونکہ ابوحنیفہ نے لکھا ہے کہ مرہ ایک سبزی ہے جسے کاٹا جاتا ہے اور سرکہ کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ ھندباء کے ساتھ اس کے پتے ملتے جلتے ہیں۔
4. یہ قوت سے ماخوذ ہے جس طرح کہ ارشادِ ربانی ہے:

ذُوْ مِرَّةٍ ط (النجم:٦)

ترجمہ: ”بڑے دانا۔“

5. یہ مرّ الشئ سے مشتق ہے۔ جب کسی چیز کی تلخی شدید ہو جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿٤٦﴾ (القمر:٤٦)

ترجمہ: ”اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے۔“

ان کی کنیت ابو یقظہ تھی۔ ان کے تین فرزند تھے۔ کلاب، تیم، یقظہ۔ اس کے نام پر ان کی کنیت تھی۔ تیم حضرت ابوبکر صدیق اور طلحہ بن عبید اللہ کا قبیلہ تھا۔ یقظہ سے بنو مخزوم تھے۔ ان کی ماں بارقیہ تھی۔

کعب

یہ کس سے منقول ہے۔ اس کے بارے کئی اقوال ہیں:

1. یہ مشکیزہ یا کسی برتن میں جم جانے والے مکھن کے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے۔ یہ زجاجی اور امام سہیلی کا قول ہے۔
2. یہ انسان کی ایڑھی (کعب) سے مشتق ہے۔ قوم میں ان کے شرف و قدر کی وجہ سے انہیں کعب کہا جاتا تھا۔ ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے زجاجی وغیرہ نے یہ قول اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اہل عرب کہتے تھے۔ "ثَبَتَ ثُبُوْتَ الْكَعْبِ" امام سہیلی کا دوسرا قول یہی ہے۔ انہوں نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے داستان سے یہ استدلال کیا ہے ان کے بارے روایت ہے کہ جس روز وہ شہید ہوئے اس روز وہ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ منجنیق کا پتھر اس کے کان کے پاس سے گزرا مگر دائیں بائیں متوجہ نہ ہوئے گویا کہ وہ قائم دائم ثابت قدم تھے۔
3. یہ نیزہ کی گرہ (کعب) سے مشتق ہے۔ قوم میں ان کی عزت و شرف کی وجہ سے انہیں یہ نام دیا جاتا تھا۔ ان کی کنیت ابوھصیص تھی۔ ان کی والدہ کا نام معاویہ بنت کعب تھا۔ اہلِ عرب کے ہاں ان کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ انہوں نے ان کے وصال کے دن سے تاریخ کا اجراء کیا۔ پھر عام الفیل سے تاریخ کا اجراء کیا پھر حضرت عبدالمطلب کے وصال سے۔

امام سہیلی لکھتے ہیں۔ حضرت کعب نے ہی یوم العروبہ کو لوگوں کو جمع کیا تھا۔ اسلام میں اسی دن کو جمعہ المبارک کے نام سے یاد کیا گیا۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے ہی سب سے پہلے اسی دن کو جمعۃ کہا تھا۔" محب بن ہاشم نے دوسرے قول کو درست قرار دیا ہے۔ ابن حزم لکھتے ہیں "یوم الجمعۃ اسلامی نام ہے یہ نام زمانہ جاہلیت میں نہیں تھا۔ یہ الجمع کا واحد ہے۔ اس میں لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ عبد بن حمید نے صحیح سند سے حضرت ابن سیرین سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جمعۃ کے نزول سے قبل اہلِ مدینہ طیبہ جمع ہوئے۔ اس وقت ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف نہیں لائے تھے۔ اس لیے اسے جمعۃ کہتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل بعد میں آئے گی۔

کعب اپنی قوم کو اس روز جمع کرتے تھے۔ انہیں خطبہ دیتے تھے۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف نے کہا ہے کہ وہ کہتے تھے "غور سے سنو اور یاد رکھو۔ سمجھ اور سیکھ لو۔ رات پھیلنے والی ہے۔ دن روشن ہے۔ زمین بچھونا ہے آسمان عمارت ہے۔ پہاڑ کیل ہیں۔ ستارے نشانیاں ہیں کسی چیز کو بے کار پیدا نہیں کیا گیا۔ ہم سے رخ موڑ لو۔ اگلے پہلوں کی طرح ہیں۔ مذکر مؤنث کی مانند ہے۔ جوڑا اور تنہا سب بوسیدہ ہو جائیں گے۔ صلہ رحمی کرو اپنے عہد پورے کیا کرو سسرال کا تحفظ کیا کرو۔ اپنے اموال کو ثمر آور کیا کرو۔ یہ تمہاری مروت کا سہارا ہیں۔ کیا تم سے کسی ہلاک ہونے والے کو واپس آتے دیکھا ہے۔ یا میت کو اٹھتے دیکھا ہے۔ ایک گھر تمہارے سامنے ہے یقین اس کے علاوہ ہے جو تم گمان کرتے ہو۔ اپنے حرم کو مزین کرو۔ اس کی تعظیم بجا لاؤ۔ اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ اس سے ایک عظیم خبر کا اظہار ہوگا۔ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے ظہور ہوگا۔ اسی لیے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تشریف لائے ہیں۔" پھر کہتے:

نهار و ليل كل اوب بحاث سواء علينا ليلها و نهارها

على غفله ياتى النبى محمد يخبر اخبار صدوقا خبيرها

ترجمہ: ''شب و روز کا جدا جدا آنا ہمارے لیے برابر ہے۔ یہ شب و روز بدل بدل کر آتے ہیں۔ قوم غافل ہوگی جب حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائیں گے۔ وہ ایسے واقعات کی خبر دیں گے جن سے آگاہ کرنے والا سچا ہوگا۔''

اگر میں اس وقت دیکھنے سننے والا ہوتا۔ ہاتھ اور پاؤں سلامت ہوتے تو میں اس وقت اونٹ کی طرح ثابت قدم اور جوان اونٹ کی طرح تیز چلتا۔'' پھر وہ یہ شعر پڑھتے:

يا ليتنى شاهد فحواء دعوته حين العشيرة تبغى الحق خذلانا

ترجمہ: ''کاش! میں اس وقت موجود ہوتا جب یہ قبیلہ حق کو ناحق جھٹلانے کے لیے کوشاں ہوگا۔''

ان کی وفات اور حضور ﷺ کی بعثت کے مابین 560 سال ہیں۔ انہوں نے ہی سب سے ''امابعد'' کہا تھا۔ ان کے تین بیٹے تھے۔

1. مرہ
2. ھصیص۔ اسی پر ان کی کنیت تھی۔
3. عدی

لوی

یہ کس سے مشتق ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

1. یہ "لأی" کی تصغیر ہے۔ پھر "اللای" میں اختلاف ہے کہ وہ کیا ہے۔ ابن الانباری وغیرہ نے کہا ہے یہ جنگلی بیل کو "اللائی" کہا جاتا ہے۔ ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ گائے کو "اللائی" کہا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا: ''میں نے ایک اعرابی کو یوں کہتے ہوئے سنا: "بكم لأيك هذه" امام سہیلی نے لکھا ہے کہ "اللائی" سست روی کو کہتے ہیں۔ یہ عجلت کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔
2. یہ لواء الجیش سے مشتق ہے۔
3. یہ ''لوی الرمل'' سے مشتق ہے۔

ان کی کنیت ابوکعب تھی۔ ان کے سات بیٹے تھے۔ کعب، عامر (یہ سہیل بن عمرو کا قبیلہ ہے) سامہ، (ان کی ماں ماویہ تھی) خزیمہ بن لوئی (عائذہ قریش کا قبیلہ تھا) سعد بن لوئی (یہ بنانہ کا قبیلہ تھا) حارث (یہ جشم کا قبیلہ تھا) جشم لوئی کا غلام تھا۔ انہوں نے اس کی پرورش کی۔ پھر ان پر یہ غالب آ گیا، غوف۔ اس لیے غطفان ہیں۔ اس کی ماں عاتکہ تھی۔

دوسرے قول کے مطابق سلمی بنت حارث تھی۔ لوی ایک حکیم اور دانا شخص تھے۔ وہ بچپن سے ہی حکمت آموز

باتیں کرتے تھے۔
بلاذری نے روایت کیا ہے کہ لوی نے کہا: ''کتنی نیکیاں بوسیدہ نہیں ہوتیں نہ گمنام ہوتی ہیں۔ جب چیز گمنام ہو جاتی ہے تو اس کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ جسے نیکی کا والی بنایا جاتا ہے اس کی نیکی پھیل جاتی ہے۔''

غالب

یہ غَلَب سے اسم فاعل ہے۔ ان کی کنیت ابوتیم تھی۔ ان کے صرف دو بیٹے تھے۔ لوی، تیم، یہ تیم الادرم کے نام سے معروف تھے۔ کیونکہ ان کے ایک جبڑے میں نقص تھا۔ قریش میں دو تیم تھے۔ تیم بن مرہ اور تیم الادرم۔ یہ کاہن تھا اس کی ماں کا نام لیلی بنت حارث تھا۔

فہر

یہ فِہر سے مشتق ہے۔ طویل پتھر کو فہر کہا جاتا ہے۔ یہ امام سہیلی کا قول ہے۔
خشنی نے کہا ہے ''یہ ایسے پتھر کو کہا جاتا ہے جو ہتھیلی کو بھر دے۔ یہ مؤنث اور مذکر استعمال ہوتا ہے۔
الاصمعی نے لکھا ہے ''جس نے فہر کو مؤنث کہا ہے اسنے خطا کی ہے۔'' ان کی کنیت ابو غالب تھی۔ ان کی والدہ کا نام جندلہ تھا۔ یہ اہلِ مکہ کے رئیس تھے۔ غالب، اسد، عوف، جَون، ریص، حارث، بطن اور قیس ان کے بیٹے تھے۔
امام زہری نے انہیں ہی قریش کہا ہے۔
امام بیہقی نے یہ قول ان کی طرف منسوب کیا ہے۔
امام زہری نے کہا ہے: ''میں عرب کے نسب بیان کرنے والوں میں سے جسے پایا ہے اس طرح پایا ہے کہ اس نے کہا ''جو فہر سے متجاوز ہوا وہ قریش نہیں ہے۔''
امام شعبی، ھشام بن محمد کلبی، مصعب بن عبداللہ کا یہی قول ہے۔ حافظ شرف الدین دمیاطی نے اسے درست کہا ہے۔ حافظ ابوالفضل عراقی نے بھی اسے درست کہا ہے۔
حافظ صلاح الدین علائی نے کہا ہے کہ جمہور اہلِ نسب کا مؤقف یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے قریش بنونضر بن کنانہ کو کہا جاتا ہے۔ یہ محمد بن اسحاق، ابوعبیدہ، معمر المثنی، ابوعبید قاسم بن سلام اور امام شافعی وغیرہم کا قول ہے۔ حافظ صلاح الدین علائی نے کہا ہے ''صحیح نظری یہی ہے محققین نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان کے لیے حجت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں کندہ کے وفد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ہم میں سے نہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہم بنونضر بن کنانہ ہیں۔ ہم اپنے آباء کی طرف نسب کو ترک نہیں

کرتے ہم اپنی ماؤں کی طرف منسوب نہیں ہوتے۔" اس روایت کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ علائی نے کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ قریش بنو الیاس بن مضر ہے۔ اس قول کو الاستاذ ابو منصور عبد القادر بن طاہر نے لکھا ہے۔ اور اسے صحیح کہا ہے۔ ابو عمرو بن علاء، ابو الحسن الاخفش، حماد بن سلمہ، عبید اللہ بن حسن وغیرہ نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بنو مضر بن نزار کو قریش کہا جاتا ہے۔ اسے استاذ نے قتیبہ سے روایت کیا ہے۔ مسعر بن کدام نے یہی روایت کیا ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمانی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ قصی بن کلاب کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے۔ یہ علامہ ماوردی، ابن الاثیر وغیرہ کا قول ہے۔ مبرد کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن "النور میں ہے کہ یہ قول باطل ہے۔ گویا کہ یہ رافضیوں کا قول ہے۔ کیونکہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما قریش میں سے نہ ہوں۔ اگر وہ قریش میں نہ ہوں گے تو ان کی امامت باطل ہوگی۔ لیکن یہ مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔

قریش کو قریش کیوں کہا جاتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے:

1. سمندر میں ایک بہت بڑا جانور ہوتا ہے جو سارے جانوروں سے قوی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے قریش کو قریش کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ کھاتا ہے لیکن اسے کھایا نہیں جاتا۔ وہ غالب آتا ہے لیکن اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت بتائی تھی جب انہوں نے اس کے متعلق پوچھا تھا۔ انہوں نے شاعر جمحی کے ان اشعار سے استدلال کیا تھا:

و قریش ھی التی تسکن البحر	بھا سمیت قریش قریشا
سلطت بالعلو فی الحبة البحر	علی ساکنی البحور جیوشا
تاکل الغث والسمین	ولا تترك یوما لذی الجناحین ریشا
ھکذا فی العباد حیّ قریش	یاکلون البلاد اکلا کشیشا
ولھم فی آخر الزمان نبی	یکثر القتل فیھم والخموشا
تملاء الارض خیله و رجال	یحشرون المطیّ حشر کمیشا

ترجمہ: "قریش وہ جانور ہوتا ہے جو سمندر میں رہتا ہے۔ اسی وجہ سے قریش کو قریش کہا جاتا ہے۔ وہ سمندر کی گہرائی میں بسنے والے سارے جانور پر غالب ہوتا ہے۔ وہ ہر کمزور اور موٹی چیز کو کھا جاتا ہے۔ وہ دو پروں والے جانوروں کا ایک پر بھی نہیں چھوڑتا نوٹوں میں قریش کی بھی یہی حالت ہے۔ وہ سارے شہروں کو اچھی طرح کھا جائیں گے۔ آخری زمانہ میں ان میں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوگا۔

جوان کے بہت سے لوگوں کو زخمی اور قتل کریں گے۔ وہ اپنے گھڑسواروں پیادہ مجاہدین سے زمین کو
بھر دیں گے اور اپنی سواریوں کو تیزی کے ساتھ جمع کریں گے۔" (ابن عساکر)

ابن شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے حضرت عمرو بن عاص سے پوچھا: "قریش کو قریش کیوں کہا جاتا ہے؟" انہوں نے کہا: "قریش سے مراد وہ جانور ہے جو اپنی قوت سے سارے جانوروں کو کھا جاتا ہے۔" محمد بن سلام نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ علامہ انباری نے اسی ترجیح دی ہے۔ علامہ المطرزی نے اس جانور کے بارے لکھا ہے۔ یہ سمندری جانور کا بادشاہ ہے۔ اور سب سے طاقتور ہے۔ اسی طرح قریش بھی لوگوں کے سردار ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ انہیں قریش اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تجارت کرتے تھے لین دین کرتے تھے۔ یہ قرش الرجل سے مشتق ہوگا۔ اس کا معنی لین دین کرنا اور تجارت کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تقریش سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ابھارنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی تزئین و تحسین ہے۔ علامہ زجاجی نے لکھا ہے "لیکن یہ بعید ہے کیونکہ لغت میں تقریش کا معنی اکسانا ہے۔ اس کا معنی کلام کی تزئین و آرائش ہے ہی نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ تقریش سے مشتق ہے۔ جس کا معنی تفتیش ہے۔ کیونکہ وہ ضرورت مند کو ڈھونڈا کرتے تھے۔ پھر اس کی ضرورت کو پورا کر دیتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ قریش بن بدر بن یخلد کی وجہ سے انہیں قریش کہا جاتا ہے۔ بنونضر کی دلیل ہے۔ عرب کہا کرتے تھے۔ "قریش کا قافلہ آگیا۔ قریش کا قافلہ نکلا۔ یہ ابوعمرو کا قول ہے۔ ابن اسحاق کا قول اسی کی تائید کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قریش کو قریش اس لیے کہا جاتا ہے کہ قصی نے انہیں اس وقت جمع کیا تھا جب وہ مکہ آئے تھے۔ تقرش کا معنی جمع کرنا ہے یہ قول بھی ابوعمرو کا ہے۔

قرش دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ بطاح، ظواہر۔ قریش البطاح وہ ہیں جو قصی کے ساتھ ابطح مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ الظواہر وہ ہیں جو مکہ کے بالائی حصہ میں ٹھہرے رہے تھے۔ ابطح میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اس کی مزید تفصیل آئے گی۔ قریش کی طرف منسوب کو قرشی اور قریشی کہا جاتا ہے۔ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ فہر قریش ہے پھر اس میں اختلاف ہے کیا پہلا اسم ہے اور دوسرا القب ہے۔ یا اس کے برعکس ہے؟ زبیر وغیرہ نے کہا ہے کہ فہر لقب ہے اور ان کی والدہ نے ان کا نام قریش رکھا تھا۔ ان کے سات بیٹے تھے۔ غالب، حارث، اسد، عوف، ریث، جون، محارث۔ بیٹی صرف ایک جندلہ تھی۔

مالک

یہ مَلَکَ کا اسم فاعل ہے۔ اس کی جمع ملاک یا ملک آتی ہے۔ ان کی کنیت ابوحارث ہے۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ ہے۔ اس کا لقب عکرشہ بنت عدوان تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اس کا نام عرابۃ بنت سعد تھا۔ ان کا صرف ایک بیٹا فہر تھا۔ ان کی حکمت آموز باتوں میں سے ہے۔ "بہت سی صورتیں اپنے بارے معلومات کی مخالفت کرتی ہیں۔ وہ حسن و

جمال سے دھوکا دیتی ہیں۔ان کے افعال قبیح ہوتے ہیں۔صورتوں سے اجتناب کرو۔معلومات کی جستجو کرو۔"

نضر

ان کا نام قیس تھا۔حسن و جمال کی وجہ سے لوگ نضر کہتے تھے۔سرخ سونے کو نضر کہا جاتا ہے۔ان کی کنیت ابویخلد تھی۔مالک، یخلد، صلت ان کے بیٹے تھے۔ان کی والدہ کا نام برة بنت مر تھا۔امام سہیلی نے لکھا ہے کہ کنانہ نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس سے نکاح کر لیا تھا۔اس سے نضر بن کنانہ پیدا ہوا تھا۔یہ سابقہ شریعتوں کی وجہ سے سابقہ زمانہ میں مباح تھا۔یہ محرمات میں سے نہیں ہوتی تھی۔نہ ہی ان گناہوں میں تھا۔جن کا آغاز لوگوں نے کیا تھا۔یہ امر نسب میں تھا۔اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا:"میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں، بدکاری سے نہیں۔" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ (النساء:٢٢)

ترجمہ: "اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تھے تمہارے باپ دادا مگر جو ہو چکا (اس سے پہلے سو وہ معاف ہے)۔"

یعنی اسلام سے قبل اس کی جو حلت گزر چکی ہے۔اس استثناء کا فائدہ یہ ہے تا کہ حضور ﷺ کے نسب پاک پر عیب نہ لگایا جائے۔تا کہ آپ کو علم ہو جائے کہ آپ کے نسب پاک میں کوئی فرد بھی ایسا نہیں جو بغاوت یا بدکاری کی وجہ سے پیدا ہوا ہو۔قرآن پاک نے جن گناہوں سے بھی روکا ہے کسی میں بھی "الا ما قد سلف" کا انداز نہیں اپنایا۔صرف اسی جگہ یہ فرمایا ہے۔مثلاً فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى۔ (الاسراء:٣٢)

ترجمہ: "اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔"

اس میں "الّا ما قد سلف" نہیں فرمایا۔اسی طرح دو بہنوں کو جمع کرنے میں بھی اسی طرح فرمایا۔کیونکہ سابقہ شریعتوں میں دو بہنوں کو جمع کرنا جائز تھا۔حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجیت میں دو بہنیں راحیل اور لیا تھیں۔"الّا ما سلف" سے اسی مفہوم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔یہ نکتہ حضرت ابن عربی نے اخذ کیا ہے ابو ربیع نے بھی کہا ہے کہ اہلِ عرب کی عادت یہ تھی کہ جب آدمی مر جاتا تھا تو اس کا بڑا بیٹا بعد میں اس کی بیوہ کو اپنے نکاح میں لے لیتا تھا۔انہوں نے "مورد" میں لکھا ہے"جب میں اس قول سے آگاہ ہوا تو میں طویل مدت غور و فکر کرتا رہا۔کیونکہ یہ برہ خزیمہ بن مدرکہ کی بیوی تھی اس کے بعد کنانہ بن خزیمہ نے اس سے نکاح کر لیا تھا۔اس سے نضر بن کنانہ پیدا ہوئے۔کیا حضور ﷺ کے نسب پاک میں اس طرح کا امر واقع ہو سکتا ہے۔جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "مجھے جاہلیت کی بدکاری نے جنم نہیں دیا، مجھے اسلام کے نکاح کی طرح کے نکاح نے جنم دیا ہے۔" ابن کلبہ نے لکھا ہے کہ

انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی پانچ سو ماؤں کے نام لکھے ان میں سے کسی ایک میں بھی جاہلیت کا کوئی معاملہ نہیں پایا گیا تھا۔ پھر میں نے ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ کو دیکھا۔ انہوں نے اپنی کتاب "الاصنام" میں لکھا ہے "کنانہ بن خزیمہ نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔ وہ برہ بنت اد تھی۔ اس نے کنانہ کے لیے کوئی بچہ جنم نہ دیا بلکہ وہ اس عورت کی بھتیجی تھی۔ جو کہ برہ بنت مر تھی۔ کنانہ نے اس سے نکاح کیا تو نضر بن کنانہ پیدا ہوئے۔ بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے جب انہوں نے سنا کہ کنانہ نے اپنے باپ کی بیوہ سے نکاح کر لیا ہے کیونکہ ان دونوں عورتوں کے نام بھی ایک تھے۔ نسب بھی قریبی تھا۔ اسی سے یہ بات ہمارے مشائخ اور علماء نسب کے ہاں رائج پا گئی۔ معاذ اللہ! حضور ﷺ کے نسب پاک میں اس طرح کا ناپسندیدہ نکاح پایا جاتا ہو۔ آپ نے فرمایا "میرا ظہور اسلام کے نکاح کی طرح کے نکاح سے ہی ہوتا رہا حتیٰ کہ میرا ظہور میرے والدین کریمین سے ہوا۔" جس نے اس کے علاوہ کسی اور امر میں اعتقاد رکھا اس نے کفر کیا اور اس روایت میں شک کیا۔"

"الزهر" میں جاحظ کا یہ کلام نقل کیا گیا ہے۔ اس میں ہے کہ برہ اد بن طانجہ کی بیٹی تھی جس سے کنانہ نکاح کر لیا تھا۔ یہ وفات پا گئی۔ اس سے کوئی بچہ بھی پیدا نہ ہوا۔ پھر انہوں نے اس کے بعد اس کی بھتیجی برہ سے نکاح کر لیا۔ جس سے ان کی اولاد ہوئی۔ یہی درست قول ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ غلط ہے کیونکہ وہ حضور ﷺ کے اس فرمان سے متصادم ہے۔ "رب تعالیٰ نے میرے کسی بھی والدین کو بدکاری پر جمع نہیں کیا۔" یہ بالاجماع بدکاری ہے۔ آپ کے پاکیزہ نسب میں کوئی شخص بھی ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتا۔ پھر انہوں نے لکھا ہے "اسی سے سینوں میں ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ اس سے وسوسہ ختم ہو جاتا ہے۔ شک اور رہو تا ہے۔ اس کا شرارہ بجھ جاتا ہے۔"

میں کہتا ہوں "جو بات جاحظ نے ذکر کی ہے وہ نفیس امور میں سے ہے۔ ہم نے پہلے نسب پاک کی جو طہارت بیان کی ہے۔ وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ امام سہیلی نے علامہ زبیر کی اور علامہ زبیر نے علامہ کلبی کی اتباع کی ہے۔ اور علامہ کلبی سے بلاذری سے روایت کیا ہے کلبی متروک ہے۔ اگر کوئی ثقہ روایت کرتا پھر بھی اس کا قول قبول نہ کیا جاتا کیونکہ زمانہ میں کافی بعد ہو چکا تھا۔ مشاہدہ بھی اس نے نہیں کیا تھا۔ اور یہ مؤقف اس طہارتِ نسب کے مخالف ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ علامہ زمخشری نے یہ لکھا ہے کہ آیت طیبہ میں استثناء تحریم میں مبالغہ کے لیے لائی گئی ہے۔ اباحت کے سارے دروازے بند کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ اگر تمہارے لیے ممکن ہے کہ تم اس سے نکاح کرو جو گزر چکا ہے تو اس سے نکاح کر لو۔ اس کے علاوہ تمہارے لیے کچھ بھی حلال نہیں۔ اس اعتبار سے مدعیٰ کی نقیض کو معلق کیا وہ حل کو محال سے ثابت کرنا ہے۔ وہ گزشتہ سے نکاح کرنا ہے۔ یہ محال ہوگا۔ اس وقت عدم حلت ثابت ہو جائے گی۔ بالخصوص جبکہ رب تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے۔ یہ فحش، ناپسندیدہ اور برا رستہ ہے۔ مگر دو بہنوں کو جمع کرنا اس کے برعکس ہے۔ اس میں بھی استثناء ہے۔ اسے فوراً بعد ذکر کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے وہ معاف

ہے۔اس کے بعد رب تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (النساء:۱۰۴)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔"

یہ اس شعر کی طرح ہے:

ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم بھن فلول من قراع الکتائب

ترجمہ: "اس کے علاوہ ان میں کوئی عیب نہیں کہ ان کی تلواریں لشکروں کو لگنے کی وجہ سے کند ہو چکی ہیں۔"

شاعر نے شبہ ذم کے ساتھ مدح کو مؤکد کیا ہے۔اس کا معنی یہ ہے کہ اگر سیف میں دندانے پڑ جانا عیب ہے تو ان میں یہ عیب پایا جاتا ہے لیکن یہ عیب نہیں ہے۔کیونکہ یہ کمال شجاعت ہے۔اس طرح محال کو معلق کر کے عیب کو ثابت کیا گیا ہے۔یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔

حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ (الاعراف:۴۰)

ترجمہ: "جب تک نہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکہ میں۔"

امام الطیبی نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

کنانہ

کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو اس طرح ڈھانپ رکھا تھا جس طرح ترکش نے تیروں کو چھپایا ہوتا ہے۔الزجاجی نے لکھا ہے کہ اہلِ عرب کا قول ہے "قبل الرماء تملاء الکنائن" ان کی کنیت ابونضر تھی۔ان کی والدہ کا نام عوانہ بنت سعد تھا۔ایک قول کے مطابق ھند بنت عمرو تھا۔ابوعمر نے کہا ہے عامر عدوانی نے اپنی وصیت میں کہا ہے: "اے میرے لخت جگر! میں نے کنانہ بن خزیمہ کو پایا وہ عمر رسیدہ تھے۔عظیم شان کے مالک تھے۔ان کے علم و فضل کی وجہ سے لوگ ان کی زیارت کے لیے آتے تھے۔انہوں نے کہا: "مکہ مکرمہ سے ایک نبی کریم ﷺ کے ظہور کا وقت آ گیا ہے جنہیں احمد (مجتبیٰ ﷺ) کہا جائے گا۔وہ رب تعالیٰ، نیکی، احسان اور مکارم اخلاق کی طرف دعوت دیں گے۔تم ان کی اتباع کرنا تمہاری عزت و شرف میں اضافہ ہو جائے گا۔" ابوربیع نے لکھا ہے "کنانہ حجرے میں سوئے ہوئے تھے۔انہیں کہا گیا: "ابوالنضر! گھوڑوں، اونٹ، تعمیرات اور دائمی عزت میں کسی کو چن لو۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! سب کچھ عطا فرما۔" رب تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں عنایت فرما دیں۔ان کے بیٹوں کے نام ملکان، نضر، اور عمرو اور عامر تھے۔

خزیمہ

یہ خزمہ یا خزمہ کی تصغیر ہے۔ خزمہ کے بارے اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ "خزوم" کا واحد ہے۔ یہ "دوم" کی طرح کا ایک درخت ہوتا ہے۔ مگر یہ اس سے چھوٹا اور چوڑا ہوتا ہے۔ اس پر کھجور کی طرح کا پھل لگتا ہے۔ وہ پک کر سیاہ ہو جاتا ہے مگر یہ چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کے پتوں سے رسیاں اور ریشوں سے شہد کے خانے بنائے جاتے ہیں اس کا پھل انسان نہیں کھاتے مگر اسے کوے بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ ابوحنیفہ دینوری کا قول ہے۔

ایک قول کے مطابق مقل کے پتوں کو خزمۃ کہا جاتا ہے۔ یہ زجاج کا قول ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ حوم سے مصدر مرۃ ہے۔ اس سے مراد چیز کو باندھنا اور اس کی اصلاح کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اس خزم سے مشتق ہے۔ جس کا معنی باندھنا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "شراك مخزوم ای مشكوك" (زجاجی)

اگر یہ خزمۃ ہو تو اس سے مراد وہ کیل ہے جو اونٹ کے ناک میں ڈالی جاتی ہے اس سے نکیل باندھی جاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ حلقہ ہے جو اونٹ کے ناک مں ڈالا جاتا ہے۔" ان کی کنیت ابواسد تھی۔ ان کی والدہ کا نام سلمٰی بنت اسلم یا سلمٰی بنت اسد تھا۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ کنانہ، اسد، اسدۃ، عبداللہ۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ ان کی والدہ کا نام برہ بنت مر تھا۔ خزیمہ مکارم اخلاق اور عمدہ اوصاف کے بلند درجہ پر فائز تھے۔ ان کے بارے ہی کہا گیا ہے۔

اما خزيمة فالمكارم جمة　　　سبقت اليه وليس ثَمَّ عتيد

ترجمہ: "سارے مکارم اخلاق خزیمہ میں تیزی کے ساتھ جمع ہو گئے۔ اور خوئی خلق بھی باقی نہ رہا۔"

مدرکہ

یہ ادراک سے اسم فاعل ہے۔ کلبی، بلاذری، ابوعبید اور ابن درید اور مبرد کے نزدیک ان کا نام عمرو تھا۔ رضی شاطبی نے تو مبالغہ کرتے ہوئے اس میں اجماع نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق نے ان کا نام عامر رکھا ہے۔ ان کی کنیت ابوھذیل یا ابوخزیمۃ تھی۔ ان کے اس لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کے والد الیاس اور ان کے بیٹے مدرکہ، عمرو، عامر اور عمیر اور ان کی والدہ لیلیٰ بنت حلوان بارش اور گھاس کی تلاش میں نکلے ایک خرگوش سے ڈر کر ان کے اونٹ بھاگ گئے۔ ابن سائب نے لکھا ہے عمرو اونٹوں کے پیچھے نکلا زبیر نے لکھا ہے کہ عامر نے اسے پا لیا تھا۔ عامر یا زبیر کے نزدیک عمرو نے خرگوش شکار کر لیا۔ اس لیے اس کا نام طابخہ پڑ گیا۔ عمیر چھپ گیا۔ اسے قمعہ کہا جاتا ہے۔ ان کی والدہ تیز چال چلتی ہوئی۔ خندفۃ اس چال کو کہا جاتا ہے جس میں ڈور ہو۔ یہ چال عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ الیاس نے اسے کہا:

"ابین تخندف غبین" اس کا نام خندف پڑ گیا۔
ابو محمد عبداللہ بطلیوس نے لکھا ہے "عامر خرگوش کے پاس سے گزرا اسے مارا۔ اس کے بھائی نے کہا "میں تمہارا شکار پکاتا ہوں۔ عمرو نے اسے پکایا۔ عامر اونٹوں کو لے آیا۔ انہوں نے یہ بات اپنے والد کو بتائی تو اس نے کہا:

ادرکت یا عامر ما اردنا   و انت ما ادرکت قد طبخنا

ترجمہ: "اے عامر! جو ہمارا ارادہ تھا تم نے اسے پالیا۔ عمرو! تم نے پایا تو نہیں البتہ شکار پکا لیا۔"
اے عمیر! تم نے برا کیا جو چھپ گئے تھے۔ قمعہ کی اولاد میں عمرو بن لحی تھا جس نے دین ابراہیمی کو تبدیل کیا تھا۔

الیاس

یہ اس الیاس سے مشتق ہے جو امید کی ضد ہے۔ اسے امام سہیلی نے صحیح کہا ہے۔ ابن الانباری نے کہا ہے وصل اور ابتداء میں ہمزہ قطعی ہے۔ اس کے مادہ اشتقاق میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ رجل الیس سے مشتق ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اتنا بہادر ہو کہ راہ فرار اختیار نہ کرے۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ مجھے الاشرم نے ابوعبیدہ سے روایت کیا ہے کہ "الیاس" سل اور کمزوری کو کہا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

هو الياس او داء الهيام اصابنى   فاياك عنى لايكن بك مابيا

ترجمہ: "یہ سل یا جنون عشق کا مرض ہے۔ مجھ سے دور رہو تا کہ تمہیں وہ مرض نہ لگ جائے جو مجھے ہے۔"
یہ بھی ممکن ہے کہ اہلِ عرب کے قول "فلان الیس" سے مشتق ہو۔ یعنی وہ جنگوں میں ثابت قدم، محکم اور پیش قدمی کرنے والا ہے۔ حجاج نے کہا:

اليس يمشى قدما اذا ادّكر   ما وعد الصابر من خير صَبَرَ

ترجمہ: "وہ ثابت قدم ہے۔ جب اسے یاد آتا ہے کہ صبر کرنے والے نے کیا بھلائی کا وعدہ کیا ہے تو وہ صبر کرتا ہے۔"

الاثرم نے لکھا ہے کہ الاسد الیس۔ بہادر شیر۔ الَیس کی جمع الیاس ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ان کا نام الیاس ہے بعض نے لکھا ہے کہ ان کا نام حبیب تھا۔ کنیت ابوعمرو تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی والدہ سعد بن عدنان کی نسل میں سے تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ رباب بنت حیدہ تھی۔ (الطبری)
ایک قول یہ ہے کہ وہ حنفاء بنت ایاد تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جرہمیہ تھی۔ یہ ابن ہشام نے ذکر کیا ہے۔ مگر انہوں نے نام نہیں لکھا۔ ابن زبیر نے لکھا ہے کہ جب الیاس نے وہ برائیاں دیکھیں جو بنو اسماعیل نے اپنے آباء کے طور طریقوں میں پیدا کیں تھیں۔ جب الیاس کا فضل و کرم عام ہو گیا اور ان کا قبیلہ ان پر راضی ہو گیا تو انہوں نے بنو اسماعیل کو

ان کے آباء کے طور طریقے پر واپس کیا۔ اہلِ عرب ان کی اس طرح تعظیم کرتے تھے جس طرح وہ حکیم لوگوں مثلاً لقمان کی عزت کرتے تھے۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ وہ اپنے باپ کے وصی تھے یہ باجمال اور حسین تھے۔

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "الیاس کو برے الفاظ سے یاد نہ کیا کرو وہ مؤمن تھے۔" حج کے زمانہ میں ان کی صلب سے نبی کریم ﷺ کے تلبیہ پڑھنے کی آواز آتی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے بیت اللہ کی طرف قربانی کے جانور ہانکے تھے۔

مضر

یہ علم اور عدل کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ یہ ان کا لقب اس لیے پڑ گیا کیونکہ جو بھی انہیں دیکھتا تھا وہ ان کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ امام قتبی نے لکھا ہے کہ مضر المضیرہ سے مشتق ہے۔ دودھ سے جو چیز بنائی جائے اسے مضیرہ کہتے ہیں اس کی سفیدی کی وجہ سے ماضر کہا جاتا ہے۔ ان کا نام عمرو اور کنیت ابو الیاس تھی۔ ان کی والدہ سودہ بنت عک بن عدنان تھی۔ انہیں مضر الحمراء کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اہلِ عرب سفید کو بھی احمر کہتے تھے۔ (امام سہیلی)

ابن جریر، ماوردی، زبیر، بلاذری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے باپ نزار کا وقت وصال آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔ ان کے بیٹے مضر، ربیعہ، ایاد اور انمار تھے۔ "یہ سرخ قبہ ہے یہ اور اس کا سامان مضر کے لیے ہے۔ یہ سیاہ خیمہ اور اس کا سامان ربیعہ کے لیے ہے۔ یہ خادم (شمطاء) اور یہ سامان ایاد کے یہ بیٹھنے کی جگہ اور تھیلی انمار کے لیے ہے۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ انہوں نے گدھے کی بھی وصیت کی تھی۔ شاعر نے لکھا ہے:

نزار کان اعلم اذ تولی　　　لای بنیه اوصی بالحمار

ترجمہ: "جب نزار والی بنے تو وہ جانتے تھے کہ کس بیٹے کے لیے انہوں نے گدھے کی وصیت کرنا ہے۔"

باپ نے کہا: "تم پر یہ امر مشکل ہو جائے۔ اور تقسیم میں اختلاف ہو جائے تو افعی جرہمی کے پاس چلے جانا یہ نجران میں رہتا تھا۔ جب نزار کا وصال ہو گیا اور اولاد پر تقسیم کا معاملہ مشکل ہو گیا تو افعی کی طرف گئے جب وہ چل رہے تھے تو مضر نے چری ہوئی گھاس دیکھی اس نے کہا: "جس اونٹ نے اسے چرا ہے وہ کانا ہے۔" ربیعہ نے کہا "وہ لنگڑا ہے۔" ایاد نے کہا: "اس کی دم کٹی ہوئی ہے۔" انمار نے کہا: "وہ بھاگا ہوا ہے۔" وہ تھوڑی دیر ہی چلے تھے کہ انہیں ایک شخص ملا۔ اس نے ان سے اونٹ کے متعلق پوچھا۔ مضر نے کہا "وہ کانا ہے؟" وہ شخص: "ہاں۔" ربیعہ: "وہ بھاگا ہوا ہے؟" وہ شخص: "ہاں۔" ایاد: "اس کی دم کٹی ہوئی ہے؟" وہ شخص: "ہاں!" انمار: "وہ بھاگا ہوا ہے؟" وہ شخص: "ہاں! بخدا میرے اونٹ کے یہی اوصاف ہیں۔ اب مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے؟" انہوں نے کہا: "بخدا! ہمیں اس کے بارے کچھ علم نہیں۔" اس شخص نے ان پر وہ اونٹ لازم کر دیا۔ اس نے کہا: "میں تم سے جدا کیسے ہو سکتا ہوں۔ تم نے میرے اونٹ کے سارے اوصاف

بیان کر دیے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ چلا حتیٰ کہ وہ نجران آئے۔ افعی کے ہاں ٹھہرے۔ اونٹ والے نے افعی کو اپنا مقدمہ سنایا۔ اس نے کہا: "یہ میرے اونٹ کے اوصاف مجھے بتاتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں: "انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔" افعی: "تم نے اونٹ کے اوصاف کیسے بیان کر دیے، حالانکہ تم نے اسے دیکھا نہیں" مضر نے اسے کہا: "میں نے گھاس کو ایک طرف سے کھایا ہوا دیکھا تھا۔ دوسری طرف چھوڑی ہوئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کانا ہے۔" ربیعہ: "میں نے دیکھا کہ اس کے ایک پاؤں کے نشانات واضح تھے جبکہ دوسرے کے نشانات غیر واضح تھے۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ لنگڑا ہے۔" ایاد: "میں نے دیکھا کہ اس کی مینگنیاں صحیح و سالم تھیں۔ اگر اس کی دم ہوتی تو مینگنیاں ٹوٹی ہوئی ہوتیں۔" انمار: "میں نے دیکھا کہ اس نے عمدہ گھاس چری تھی پھر اسے چھوڑ کر اس گھاس کی طرف چلا گیا تھا جو اچھی نہ تھی میں سمجھ گیا کہ یہ بھاگا ہوا ہے۔" انہوں نے قسم اٹھائی کہ انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔ افعی نے اس شخص سے کہا: "یہ تیرے چور نہیں کسی اور کو تلاش کرو۔" پھر ان سے پوچھا: "تم کون ہو؟" انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو اس نے انہیں مرحبا کہا۔ اس نے کہا: "اتنے ذہین اور فطین ہو کر تم میرے محتاج کیسے ہو؟" پھر وہ نکل گیا۔ اس نے ان کے لیے کھانا اور شراب بھیجی۔ انہوں نے شراب پی۔ مضر نے کہا: "میں نے آج تک اتنی اچھی شراب نہیں پی۔ کاش یہ قبر پر نہ اگتی۔" ربیعہ: "میں نے آج تک اتنا عمدہ گوشت نہیں چکھا کاش اس نے کتے کا دودھ نہ پیا ہوتا۔" ایاد: "میں نے اس جیسا شخص نہیں دیکھا کاش! اسے غیر باپ کی طرف منسوب نہ کیا جاتا۔" انمار: "میں نے آج تک ایسا کلام نہیں سنا جو ہمارے لیے اس قدر مفید ہو۔" افعی نے ان کی باتیں سن لیں۔ پھر اس نے کہا: "یہ شیاطین کیا کہہ رہے ہیں؟" پھر وہ اپنی ماں کے پاس گیا۔ اس نے اسے بتایا: "وہ ایک سردار کی بیوی تھی۔ میں نے ناپسند کیا کہ اس کی جائیداد ضائع جائے۔ میں نے ایک شخص سے بدکاری کی۔ جس سے تو پیدا ہوا۔ اس نے اپنے ملازم سے کہا: "جو شراب تو نے ہمیں پلائی ہے۔ اس کا معاملہ کیا ہے؟" اس نے کہا: "یہ اس انگور سے بنائی گئی ہے جو تیرے باپ کی قبر پر اگی تھی۔" اس نے چرواہے سے بکری کے بارے پوچھا تو اس نے کہا: "اس بکری کو ہم نے کتیا کا دودھ پلایا تھا۔ کیونکہ اس کے علاوہ کچھ موجود نہ تھا۔" مضر سے پوچھا گیا: "تم نے شراب کے بارے کیسے جان لیا؟" اس نے کہا: "کیونکہ مجھے شدید پیاس لگی تھی۔" ربیعہ سے پوچھا گیا: "تم نے گوشت کے بارے کیسے جان لیا تھا؟" اس نے کہا: "کیونکہ کتے کے گوشت پر چربی غالب نہیں ہوتی ہے جبکہ بکری کے گوشت پر چربی غالب ہوتی ہے۔" ایاد سے پوچھا گیا: "تجھے اس نے غیر باپ کی طرف منسوب ہونے کا کیسا علم ہو گیا؟" اس نے کہا: "کیونکہ اس نے کھانا رکھا پھر ہمارے ساتھ نہ بیٹھا اس کی اصل میں کمینگی تھی۔"

افعی نے کہا: "اب مجھے اپنی داستان سناؤ۔ انہوں نے اپنی داستان سنائی۔ اپنا اختلاف بیان کیا۔ اس نے کہا: "سرخ خیمہ اور اس کا مال مضر کے لیے ہے۔" اسے دینار اور اونٹ مل گئے۔ اسے مضر الحمراء کہا جانے لگا۔ اس نے کہا: "سیاہ خیمے میں جانور اور مال ربیعہ کے لیے ہے۔" اسے گھوڑے مل گئے۔ اسے ربیعۃ الفرس کہا جانے لگا۔ اس نے کہا:

الشمطاء اور وہ مال (سفید اور سیاہ داغوں والے گھوڑے) ایاد کے لیے ہیں۔ اسے ایاد الشمطاء کہا جانے لگا۔ اس نے انمار کے لیے دراھم و دینار کا فیصلہ کیا پھر وہ وہاں سے آ گئے۔ محمد بن سائب نے کہا ہے: "مضر نے سب سے پہلے حدی خوانی کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اونٹ سے گر پڑے۔ یہ جوان تھے ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ انہوں نے ہائے ہاتھ ہائے ہاتھ کی صدا لگائی۔ اونٹ چراگاہ سے ان کی طرف آنے لگے۔ صحیح ہونے کے بعد انہوں نے حدی خوانی کی۔ ان کی آواز بہت خوبصورت تھی۔ بلاذری نے لکھا ہے: "ان کے غلام کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ چیخا تو اونٹ اس کے ارد گرد آنے لگے۔ اسی طرح حدی خوانی کا آغاز ہوا" حدیث پاک ہے "ربیعہ اور مضر کو برے الفاظ سے یاد نہ کیا کرو وہ دونوں مومن تھے۔"

ابن حبیب نے جید سند کے ساتھ حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "مضر کو برے الفاظ سے یاد نہ کیا کرو وہ ملت ابراہیمی پر تھے۔" ابن حبیب نے جید سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "ادد، عدنان، معد، ربیعہ، مضر، قیس، عیلان، تیم، اسد، ضبہ، خزیمہ کا وصال اسلام اور ملت ابراہیمی پر ہوا تھا۔

مضر کی حکمت آموز باتوں میں سے ہے:

"جو شر کاشت کرتا ہے وہ ندامت کاٹتا ہے خیر کی بھلائی یہ ہے کہ اسے جلدی کی جائے۔"

"اپنے نفسوں کو مشکلات کا عادی بناؤ۔ اور بری باتوں سے ان کا رخ پھیر دو۔"

"صلاح اور فساد میں صرف اتنا فرق ہے، جتنا دودھ والے جانور کو دوبارہ دوہنے میں۔"

الیاس اور الناس سے ان کے فرزند تھے۔ الناس سے مراد ہی عیلان ہے علامہ بلاذری فرماتے ہیں مضر کے غلام نے اسے آغوش پرورش میں لیا تھا۔ اس لیے اس نے اس کا نام عیلان رکھ دیا تھا۔ اس کے بیٹے کو قیس بن عیلان بن مضر کہا جاتا تھا۔ یہی قیس بن الناس ہے۔ ان کی والدہ کا نام رباب تھا۔ علامہ جوانی نے لکھا ہے۔ قیس سے مراد قیس بن عیلان بن مضر کی اولاد ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں "عیلان قیس کی گود میں تھا یہ اس کا بیٹا نہ تھا۔ عیلان بن مضر کو قیس کہا جانے لگا۔ اسے اس کی طرف اس طرح منسوب کیا جانے لگا۔ جس طرح قضاعۃ میں سعد ھذیم کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ھذیم نے اس کی پرورش کی تھی لیکن پہلی روایت درست ہے۔ ہمارے شیوخ کی وہی روایت ہے۔

نزار

ابوالفرج الاموی نے لکھا ہے کہ یہ تنزر سے مشتق ہے۔ کیونکہ یہ یکتائے روزگار تھے۔ امام سہیلی لکھتے ہیں:

"یہ النزر سے مشتق ہے۔ اس کا معنی قلیل ہے کیونکہ جب ان کے والد نے اپنا بچہ دیکھا تو اسے وہ نور نظر آیا جو اس کی آنکھوں کے مابین تھا۔ یہ نور نبوت تھا جو اصلاب میں منتقل ہو رہا تھا۔ تو وہ بہت خوش ہوئے۔ بہت سا کھانا پکایا اور کھلایا پھر کہا: "اس بچے کے بارے یہ کھانا بہت قلیل ہے۔" اس لیے ان کا نام نزار پڑ گیا۔

امام ابوالحسن ماوردی نے لکھا ہے کہ نزار کا نام خلدان تھا۔ یہ قائد تھے۔ بادشاہوں کے ساتھ ان کے تعلقات تھے۔ یہ کمزور جسم والے تھے۔ ایران کا بادشاہ انہیں کہتا تھا "اے نزار تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" ایران کی زبان میں نزار کا معنی کمزور ہے۔ ان کا یہی نام مشہور ہو گیا۔

علامہ محب ابن شہاب نے لکھا ہے "یہ قول بہت غریب ہے" ان کی کنیت ابوایاد تھی یا ابوربیعہ تھی۔ ان کی والدہ کا نام معانہ بنت جوشم یا عنہ بنت جوشن تھا۔ یہ جرہمیہ تھی۔

معد

اس کے مادہ اشتقاق کے بارے کئی اقوال ہیں:

1. یہ مفعل کے وزن پر ہے یہ عددت الشئ اعدہ عدًا سے مشتق ہے۔ (ابن الانباری، زجاجی)
2. یہ فعل ہے "معد الرجل فی الارض" (جب انسان سفر کرے) سے مشتق ہے۔ اس قول کو زجاجی نے مختصر الزاھر میں اور امام سہیلی نے لکھا ہے۔ امام سہیلی نے معد فی الارض کا معنی زمین میں فساد کرنا کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "فَعَل کے وزن پر اسماء میں تضعیف ہوتی ہے۔ تضعیف اسماء میں وہ چیز شامل کر دیتی ہے جو ان میں نہیں ہوتی۔ جیسا کہ شمّر، قشعر یرہ وغیرہ۔
3. معد گھوڑے کی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سوار کی ٹانگیں ہوتی ہیں۔ امام سہیلی نے ابن الانباری سے روایت کیا ہے کہ معدَین وہ جگہ ہے جہاں شہ سواروں کی ایڑی لگتی ہے۔ آخری دو قوموں کے مطابق یہ معد سے مشتق ہوں گے۔ اس کا معنی قوت ہے۔ معدہ بھی اسی سے مشتق ہے۔ زجاجی نے لکھا ہے۔ ممکن ہے یہ اہلِ عرب کے اس قول سے مشتق ہو "قد تمعدد الرجل" جب آدمی قوی اور شدید ہو جائے تو اس طرح کہا جاتا ہے ابوالفتح نے لکھا ہے جب بچہ مضبوط اور قوی ہو جائے تو کہا جاتا ہے "تمعدد الغلام" تمعد کا معنی، گفتگو کرنا، عبادت گزار بننا اور بولنا ہے۔ الزاجر کہتا ہے:

ربیتہ حتّٰی اذا تمعددا   وصار نھدا کالحصان اجردا

ترجمہ: "میں نے اس کی تربیت کی جب وہ مضبوط ہو گیا۔ وہ چھوٹے بالوں والے گھوڑے کی طرح ہو گیا۔"

حضرت عمر فاروق نے بھی فرمایا ہے "اخشو شنوا و تمعددوا" ان کی کنیت ابوقضاعہ یا ابونزار تھی۔ ان کی والدہ مھدد بنت اللھتم تھی۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ طسم سے تھی۔ بلاذری نے پہلا قول درست کہا ہے۔ جب بخت نصر کا زمانہ آیا تو معد بن عدنان کی عمر ۱۲ سال تھی۔ امام الطبری لکھتے ہیں "رب تعالیٰ نے ارمیاء بن خلیقا کی طرف وحی کی کہ بخت نصر کے پاس جائیں اسے بتائیں کہ میں نے اسے عرب پر تسلط عطا فرما دیا ہے معد کو براق پر سوار کر لیں تا کہ انہیں کسی

تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں ان کی پشت انور سے ایک نبی کریم ﷺ کا ظہور کروں گا۔ ان پر نبوت و رسالت ختم کروں گا۔" انہوں نے معد کو براق پر سوار کرایا انہیں سرزمین شام میں لے گئے ان کی نشوونما بنو اسرائیل میں ہوئی انہوں نے وہاں ایک عورت سے شادی کر لی جسے معانہ بنت جوشن کہا جاتا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ارمیاء حضرت معد کو عراق لے گئے تھے۔

علامہ ماوردی نے لکھا ہے کہ بخت نصر نے معد کو اس وقت قتل کرنے کا ارادہ کیا جب وہ عرب کے شہروں پر غالب آیا۔ اسے ایک نبی نے ڈرایا اس وقت یہ بات مشہور تھی کہ نبوت ان کی اولاد میں ہوگی بادشاہ نے انہیں باقی رکھا اور تکریم بجالایا۔

ابو ربیع نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب بخت نصر عرب پر غالب آیا تو رب تعالیٰ نے دو فرشتے بھیجے۔ وہ معد کو اٹھا کر لے گئے۔ جب حالات پرسکون ہو گئے تو انہیں لے آئے اور انہیں تہامہ اتار دیا۔ یہ مکہ میں اپنے ننھال بنو جرہم کے پاس ٹھہر گئے۔ اس وقت بیت اللہ کے متولی جرہم تھے۔ یہ ان کے ساتھ ہی رہتے رہے۔ ان میں سے ہی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عدنان کو فرشتے اٹھا کر لے گئے تھے۔ ابو ربیع کہتے ہیں کہ پہلا قول صحیح ہے۔

معد کی اولاد میں اختلاف ہے۔ ابن حبیب نے لکھا ہے کہ ان کے ہاں سترہ بچے پیدا ہوئے۔ نو کی نسل نہ چلی، آٹھ کی نسل چلی۔ جن کی نسل چلی ان کے نام یہ ہیں: قضاعہ۔ یہ سب سے بڑے تھے۔ ان کا نام عمرو اور لقب قضاعہ تھا۔ کیونکہ یہ اپنی قوم سے دور چلے گئے تھے۔ نزار، ایاد اکبر، حیدان، عبید، جنید، سلیم، قنص۔

نزار کے علاوہ سارے یمن چلے گئے۔

امام الطبرانی نے ابوامامہ الباھلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا۔" جب معد بن عدنان کی تعداد چالیس ہوگئی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر حملہ آور ہوئے اور اسے خوفزدہ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کرنا چاہی۔ رب تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی "ان کے لیے بددعا نہ کریں ان میں نبی امی نذیر اور بشیر پیدا ہوں گے ان سے امت مرحومہ پیدا ہوگی۔ وہ محمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہوگی۔ وہ رب تعالیٰ سے تھوڑے سے رزق سے راضی ہو جائیں گے۔ رب تعالیٰ ان سے قلیل عمل سے راضی ہو جائے گا۔ صرف لا الہ الا اللہ کے کلمہ طیبہ کی وجہ سے رب تعالیٰ انہیں جنت عطا کرے گا۔ ان کے نبی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ﷺ ہوں گے۔ وہ اپنی ہیبت کے باوجود متواضع ہوں گے ان کے سکوت میں نرمی ہوگی۔ وہ حکمت سے باتیں کریں گے۔ حلم استعمال کریں گے۔ میں ان کا ظہور قریش کے بہترین قبیلہ سے کروں گا۔ وہ سراپا بھلائی خیر سے خیر کی طرف جائیں گے۔ ان کی امت

حضرت مکحول سے روایت ہے کہ ضحاک بن معد نے بنومعد کے چالیس افراد کے ساتھ بنواسرائیل پر حملہ کیا انہوں نے صوف کی قمیصیں پہنی ہوئی تھی۔ ان کے گھوڑوں کی لگامیں کھجور کے ریشوں کی تھیں۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو قتل کیا۔ قیدی بنایا۔ فتح پائی۔ بنواسرائیل نے کہا: "موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام! بنومعد نے ہم پر حملہ کیا ہے۔ ان کی تعداد تھوڑی سی ہے۔ ان کی حالت اس وقت کیا ہوگی۔ جب وہ کثیر ہوگی۔ ان کے لیے بددعا کریں۔" حضرت موسیٰ نے وضو کیا نماز پڑھی۔ پھر عرض کی: "مولا! بنومعد نے بنواسرائیل پر حملہ کیا ہے۔ انہیں تہ تیغ کیا۔ قیدی بنائے اور فتح پائی ہے۔ انہوں نے مجھے کہا ہے کہ میں بنومعد کے لیے بددعا کروں۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "موسیٰ! ان کے لیے بددعا نہ کرنا وہ میرے بندے ہیں۔ ان میں ایک نبی کریم ﷺ ہوں گے۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ میں ان کی امت سے محبت کرتا ہوں۔" حضرت موسیٰ: ان کے لیے تیری محبت کتنی ہوگی؟" رب تعالیٰ نے فرمایا: "میں ان کے اگلوں پچھلوں کے گناہ معاف کردوں گا۔" حضرت موسیٰ: "مولا! تو ان کی امت سے کس طرح محبت کرے گا؟" رب تعالیٰ نے فرمایا: "ان کا مغفرت طلب کرنے والا مجھ سے مغفرت طلب کرے گا۔ میں اسے معاف کردوں گا۔ دعا مانگنے والا مجھ سے دعا مانگے گا۔ میں اس کی دعا قبول کروں گا۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام: "مولا! مجھے ان میں سے بنا دے۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "آپ پہلے ہیں وہ متاخر ہیں۔"

عدنان

یہ عَدَنَ بِالْمَکَانِ سے مشتق ہے جس کا معنی کسی جگہ قیام کرنا ہے۔ (ابن الانباری) ان کی کنیت ابومعد تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ انہوں نے چمڑے کا غلاف چڑھایا تھا۔ ان کے ہاں معد، الدیث، ابی، العی، عدی، امام سہیلی نے لکھا ہے کہ عدن کا شہر ان کی طرف ہی منسوب ہے (الزھر میں ہے کہ یہ کسی اور کی طرف منسوب ہے) ان کے ہاں حارث، المذہب (ضرب المثل ہے وہ مذھب سے زیادہ خوبصورت ہے) پیدا ہوئے۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ عدنان کی اولاد میں "عک" بھی تھا لیکن ہم دو امور کی وجہ سے اس میں مخالفت کرتے ہیں:

1. عک کے والد عدنان ابن عبداللہ بن الازد ہے۔ ابن معلی نے کتاب الترقیص میں لکھا ہے کہ علماء کا یہی رجحان ہے۔
2. اگر ابن اسحاق کا قول تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی عک عدنان کا صلبی بیٹا نہیں۔ جیسے کہ کلبی اور بلاذری نے لکھا ہے عک کا نام حارث بن دیث بن عدنان تھا۔

تنبیہ

جو نسب پاک پہلے گزر چکا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اس پر اتفاق ہے لیکن عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تک کے نسب میں بہت اضطراب ہے۔ اتنا اختلاف ہے کہ اکثر علماء نے یہ نسب بیان کرنے سے اعراض کیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عدنان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ لیکن ان کے مابین اجداد میں اختلاف ہے۔

علماء نسب کا ان میں اختلاف ہے ایک گروہ کا مؤقف ہے کہ یہ نسب کسی کو معلوم ہی نہیں۔ انہوں نے ابن سعد کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ صرف معد بن عدنان ادد تک نسب بیان فرماتے تھے۔ پھر آپ رک جاتے اور فرماتے "آگے نسب بیان کرنے والے جھوٹ بولتے ہیں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "اگر رب تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ یہ بتانا چاہتا تو بتا سکتا تھا۔" اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ھشام اور اس کا باپ متروک ہیں۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ یہ قول حضرت ابن مسعود کا ہے۔

دوسرے علماء فرماتے ہیں: "یہ نسب معروف ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیل کے مابین چار اجداد ہیں۔ کسی نے کہا کہ ان کے مابین سات، کسی نے آٹھ، کسی نے نو، کسی نے دس کسی نے پندرہ کسی نے بیس کسی نے تیس کسی نے اڑتیس، کسی نے انتالیس کسی نے چالیس کسی نے اکتالیس اجداد بتائے ہیں۔ اس پر ابن جریر، ابن حبان اور ابن مسعود نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ تذکرہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔"

الحافظ لکھتے ہیں: "ابن اسحاق نے جو کچھ لکھا ہے میرے نزدیک اس پر اعتماد کرنا بہتر ہے۔" انہوں نے لکھا ہے "ان میں سے بہتر روایت وہ ہے جسے طبرانی اور حاکم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور پاک ﷺ سے سنا۔" آپ نے فرمایا: "معد بن عدنان بن ادد بن زند بن الیریٰ بن اعراق الثریٰ" پھر آپ نے یہ آیت طیبہ پڑھی:

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ (الفرقان: ٣٨)

ترجمہ: "اور یاد کرو قوم عاد ثمود اور اصحاب الرس کو اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے درمیان گزریں۔" انہیں رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "اعراق الثریٰ سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام میں زند سے مراد ھمیسع ہیں۔"

اس روایت کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ امام ذھبی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ الطبرانی نے صغیر میں ذکر کیا ہے۔ اس میں عبدالعزیز بن عمران ہے جسے امام بخاری نے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ ادد کے والد زند ہیں امام دارقطنی نے لکھا ہے ہم اس روایت میں ہی زند کو جانتے ہیں۔ زند بن الجون ابو دلامہ شاعر ہے۔ جبکہ الیریٰ ایک درخت کو کہا جاتا ہے جس کی خوشبو بڑی عمدہ ہوتی ہے۔ الثریٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا لقب تھا۔ کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ہیں اور حضرت خلیل اللہ کو آگ نے چھوا تک نہ تھا۔ جس طرح آگ مٹی کو کچھ نہیں کہتی۔"

معد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نہیں ہوں گے۔ حضور ﷺ اور عدنان کے مابین تقریباً بیس اجداد ہیں۔ یہ امر بعید از قیاس ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم ﷺ کے مابین مدت تقریباً چھ سو سال بنتی ہے۔ اور اجدادِ کرام کی طویل عمروں کے بارے بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ معد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

زمانہ میں ہوں۔ جن علماء نے کہا ہے کہ حضرت عدنان اور حضرت اسماعیل کے مابین کثیر اجداد ہوں ان کا مؤقف یہ ہے کہ یہ بعید از قیاس ہے کہ حضرت معد حضرت روح اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوں اور ان کے مابین صرف چار یا پانچ اجداد ہوں۔ خواہ ان کی عمریں طویل ہوں۔

صحیح بات جو میں تحریر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت معد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے تو پھر معتمد بات یہ ہے کہ ان کے اور حضرت اسماعیل کے مابین کثیر اجداد ہوں۔ اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوں تو پھر معتمد بات یہ ہے کہ ان کے مابین قلیل اجداد ہوں۔" حالانکہ پہلے یہ امر گزر چکا ہے کہ حضرت معد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر حملہ کیا تھا۔ امام سہیلی نے لکھا ہے "میرے نزدیک یہ روایت نہ تو اس روایت کے مخالف ہے جو اس سے قبل گزر چکی ہے اور نہ ہی یہ حضرت عمر فاروق کی روایت کے مخالف ہے کیونکہ اس میں تاویل کی گنجائش ہے ممکن ہے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ابن الیریٰ بن اعراق الثریٰ اسی طرح ہو جس طرح آپ کا یہ فرمان ہے "تم سب حضرت آدم کی اولاد ہو اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ اس سے مراد ھمیسع وغیرہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صلبی بیٹے ہوں۔ اس روایت کی کوئی ایسی ہی تاویل کرنا پڑے گی۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عدنان کے مابین کتنی مدت ہے اس میں مؤرخین کا اختلاف نہیں۔ یہ محال ہے کہ ان دونوں کے مابین صرف چار یا سات اجداد ہی ہوں۔ جس طرح ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے یا ان کے مابین دس یا بیس اجداد ہوں کیونکہ مدت کا تقاضا ہے کہ زیادہ اجداد ہوں۔ امام طبری نے لکھا ہے کہ بخت نصر کے زمانہ میں حضرت معد کی عمر بارہ سال تھی۔" اگر آپ حافظ کے سابق کلام میں غور و فکر کریں گے تو امام سہیلی کا جواب آپ کو مل جائے گا۔ علامہ جوانی نے لکھا ہے "نسب میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ عرب کے پاس کتابوں کا علم نہ تھا۔ جن کی طرف وہ رجوع کرتے۔ وہ صرف بعض بعض سے یاد کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اختلاف رونما ہوا ہے۔"

جب آپ کو یہ علم ہو گیا ہے تو آنے والے اسماء میں درج ذیل فوائد ہیں:

1. ابن درید نے لکھا ہے "عدنان کے بعد کے اسماء سریانی ہیں۔ ان کے مادۂ اشتقاق کی وضاحت نہیں کی جا سکتی۔"
2. ابن مصری نے قصیدۂ سُقراطیسیہ جس کی سات بڑی بڑی جلدیں ہیں کی شرح میں لکھا ہے "یہ اسماء عجمی ہیں۔ ان میں جن اسماء کے حروف چار یا اس سے زائد ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ غیر منصرف ہیں۔ ان کے اسباب عجمہ اور تعریف ہیں۔ جن کے حروف تین ہیں اگر ان کا وسط متحرک ہو تو وہ غیر منصرف ہیں اگر وہ ساکن الوسط ہوں تو وہ منصرف ہیں جیسے نوح وغیرہ۔
3. الحافظ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک نسب لکھنے کے بعد لکھا ہے "جمہور اہلِ نسب اور اہلِ کتاب میں کوئی اختلاف نہیں۔ صرف اسماء کے نقطوں میں اختلاف ہے۔ ابن حبان نے اپنی تاریخ کی ابتداء میں اس کے برعکس لکھا ہے وہ شاذ ہے۔ ابن درید نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک نسب صحیح ہے۔ اس

میں اختلاف نہیں۔ کیونکہ تورات میں یہ نسب مذکور ہے۔ ان کی عمروں کا بھی تذکرہ ہے۔

علامہ جوانی نے مقدمہ میں لکھا ہے: "حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک کا نسب صحیح ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں سوائے آباء کے اسماء کے۔ وہ دیگر زبانوں میں منتقل ہونے کی وجہ سے ہے۔"

◆ ۴ حضرت آدم تک نسب پاک چلانے میں کراہت کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ ابن اسحاق اور ابن جریر نے جواز بیان کیا ہے۔ حضرت امام مالک سے اس شخص کے بارے پوچھا گیا۔ جو نسب پاک کو حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتا ہے تو انہوں نے اسے ناپسند فرمایا۔ ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک نسب بیان کرنے کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے اسے بھی ناپسند فرمایا۔ انہوں نے کہا: "اس شخص کو کون بیان کرتا ہے۔ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے نسب بیان کرنے کو مکروہ سمجھا ہے مثلاً یوں کہا جائے "ابراہیم بن فلاں بن فلاں" انہوں نے فرمایا: "اسے کون بتاتا ہے؟"

اُد

ابوعمر نے لکھا ہے کہ سارے طرق عدنان بن ادد بتاتے ہیں صرف ایک گروہ عدنان بن اد بن ادد کہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مادہ ادد ہے۔ ان کی والدہ النعجاء بنت عمرو بنت تبع سعد ذی قائش حمیری ہے۔

اُدَد

اس کے مادہ اشتقاق کے بارے کئی اقوال ہیں:

◆ ۱ "الود" سے فُعَل کے وزن پر واؤ کو ہمزہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ ابن سراج نے لکھا ہے کہ یہ معد اور عمر کی طرح نہیں۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ سیبویہ کا ظاہری قول بھی اسی طرح ہے۔

◆ ۲ ممکن ہے یہ "الاد" سے مشتق ہو اہم اور عظیم امر کو "الاد" کہا جاتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ (مریم: ۸۹)

ترجمہ: "(اے کافرو) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے۔"

◆ ۳ ممکن ہے یہ ادّدت الثوب سے مشتق ہو۔ اس کا معنی پھیلانا ہے۔

◆ ۴ ممکن ہے یہ ادّت الابل سے مشتق ہو جب اونٹ باہر نکلیں۔ دوسرے قول کے مطابق ممکن ہے یہ الاد سے مشتق ہو۔ آیت طیبہ میں شاذ ہو۔ عمرو بن العلاء نے اس کا معنی عظیم لکھا ہے۔ ان کی والدہ حیّۃ قحطانیہ تھی۔ الحافظ نے

التبصیر میں لکھا ہے "عورتوں کے سارے اسماء جو اس صورت پر آتے ہیں وہ یاء کے ساتھ ہیں سوائے حضرت بن اکشم کی بہن کے۔ وہ خاء اور نون کے ساتھ ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کا نام خا مہملہ اور نون کے ساتھ ہے۔

الیسع علیہ السلام

یہ نبی کریم علیہ السلام تھے۔ سورۃ الانعام اور ص میں ان کا ذکر ہے۔ یہ عجمی نام ہے۔ غیر منصرف ہے یا یہ عربی ہے۔ انہیں ان کے علم ان کے علم کی وسعت یا حق کے لیے جدو جہد کی وجہ سے یسع کہا جاتا تھا۔

الہمیسع

قوی شخص کو ہمیسع کہا جاتا ہے۔ اگر لوگ اسے ضمہ سے پڑھتے ہیں لیکن فتح سے پڑھنا درست ہے۔ امام سہیلی نے اس کا معنی عاجز ہے۔ ان کی والدہ حارثہ بنت مرداس بن زرعۃ ذی رعین الحمیری تھی۔

ابن سلامان

ان کی کسی تفصیل کا مجھے علم نہیں۔

نبت

انہیں نابت بھی کہا جاتا ہے۔ الامیر ابونصر بن ماکول نے نابت بن اسماعیل کے باب میں لکھا ہے "ان کے بارے کہا جاتا ہے وہ نابت بن سلامان بن حمل بن قیذار بن اسماعیل ہیں۔ یہ آخری قول ہے۔ لیکن الجوانی کے اس کے برعکس لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے: "عدنان بن اد بن ادد بن یسع بن ہمیسع بن سلامان بن نبت۔ انہوں نے سلامان کو نبت سے مقدم کیا ہے۔ ان کی والدہ ہامہ بنت زید بن کہلان بن سباء بن یشجب بن قحطان۔

حَمَل

ان کی والدہ العاضریہ بنت مالک جرہمی تھی۔

قیذار

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ اونٹوں کے مالک کو قیذار کہتے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اونٹوں کے مالک یہی بنے تھے۔ انہوں نے دوسری جگہ لکھا ہے "عرب کے علماء نسب لکھتے ہیں کہ عدنان کا نسب قیذار بن اسماعیل علیہ السلام کی طرف

لوٹتا ہے۔ قیذار اپنے زمانہ کا بادشاہ تھے۔ اس کا معنی وہ بادشاہ ہے جو غالب ہو۔ علامہ جوانی نے لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل کی اولاد زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی۔ وہ عرب کے قبائل میں داخل ہو گئے۔ بعض رخصت ہو گئے۔ علماء نے ان کا نسب بیان نہ کیا۔ سوائے قیذار کی اولاد کے اللہ تعالیٰ نے قیذار کی اولاد کو پھیلایا جوان کی زبان میں گفتگو کرتی تھی۔ ان کی والدہ ہالہ بنت حارث بن الفاض جرہمی تھی۔

مُقَوَّم

علامہ توزدی سے اسے مُقوِم پڑھا ہے۔

ناحور

اگر یہ عربی ہوتو یہ نحر سے مشتق ہے۔

قیرح

یہ جعفر کے وزن پر ہے امام سہیلی نے لکھا ہے کہ یہ الترحۃ سے فیعل کے وزن پر ہے۔ بشرطیکہ یہ عربی ہو الترح سرور کی ضد ہے۔

یعرب

ابن درید نے کہا ہے یہ اعرب فی کلامہ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے فصیح ہونا۔ یا یہ "اعرب بمن نفسہ" سے مشتق ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ یہ عربی ہو۔

یشجب

حافظ التوزری نے لکھا ہے کہ یہ "الشجب" سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہلاکت ہے۔ کیونکہ عرب اپنے بیٹوں کے ایسے ہی نام رکھتے تھے۔ وہ ان سے اپنے دشمن کے لیے بدفالی پکڑتے تھے۔

نابت

یہ نبت سے اسم فاعل ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

اس نام میں ایک لغت میں اسماعین بھی ہے۔ یہ اللہ رب العزت کے نبی اور رسول تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں ان کے ننھال بنو جرھم اور عمالقہ کی طرف بھیجا جو سرزمین حجاز میں تھے۔ بعض ان پر ایمان لے آئے بعض نے کفر کیا۔ ''اسماعیل'' عجمی نام ہے۔ امام سہیلی نے اس کا معنیٰ ''مطیع اللہ'' لکھا۔ صاحب القاموس نے لغات القرآن میں لکھا ہے ''روشن ستاروں کا مطلع'' نام رکھا گیا۔ بنو آدم میں سے سب سے پہلے ان کا نام ہی رکھا گیا۔ لیکن ملائکہ کے اسماء اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آسمان دنیا کے ملائکہ کا نام اسماعیل تھے۔ وضاحت قصہ معراج میں آئے گی۔ بعض لوگوں نے اس کا مادۂ اشتقاق میں تکلف کیا ہے۔ انہوں نے اسے سمع اور ایل سے مشتق مانا ہے۔ ایل رب تعالیٰ کا نام ہے۔ اگر ان کا وزن افعالیل ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں حکم دیا انہوں نے سرِ تسلیم خم کیا۔ جس نے یہ کہا ہے کہ یہ افعالیل کے وزن پر ہے کیونکہ اس کا اصل سماعیل ہے کیونکہ انہوں نے رب تعالیٰ کا حکم سنا اور اطاعت کی۔

''المطلع'' میں ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دس خصائص ہیں۔

1. ان کی زبان عربی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے فصیح زبان میں گفتگو کی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پہلے رب تعالیٰ نے جس کی زبان پر عربی زبان رواں فرمائی وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اس وقت ان کی عمر ۱۴ برس تھی۔ صحیح میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''وہ جوان ہوئے اور عربی سیکھی۔'' یہ تفصیل گزر چکی ہے۔ ''الحافظ'' میں لکھا ہے ''اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کی زبان عربی نہ تھی۔ اس سے ''اول من تکلم بالعربیہ'' کے قول کا ضعف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے ''جس نے سب سے پہلے عربی میں گفتگو کی وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔'' حافظ نے لکھا ہے کہ اس دونوں روایات کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت اسماعیل نے سب سے پہلے فصیح عربی میں گفتگو کی یا اصل عربی انہوں نے جرہم سے سیکھی ہو۔ پھر رب تعالیٰ نے ان پر فصیح عربی الہام فرما دی ہو۔ اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے ابن ہشام نے شرقی بن قطامی سے روایت کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عربی یعرب بن قحطان اور بقیہ حمیر اور جرھم سے فصیح تھی۔ شاید حدیث پاک میں اولیت حضرت اسماعیل کے ساتھ مختص ہو۔ اور یہ اولیت ان کے بقیہ بھائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دیگر اولاد کے اعتبار سے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ہی عربی زبان میں گفتگو کی تھی۔

2. وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک کے مرکز تھے۔

۳ وہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے نورِ نظر تھے۔
۴ تعمیرِ کعبہ میں وہ اپنے والد گرامی کے ساتھ شامل تھے۔
۵ وہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی پہلی اولاد تھے۔
۶ عرب کے انساب ان کی طرف لوٹتے ہیں۔
۷ آزمائش کے وقت انہوں نے سرِ تسلیم خم کیا تھا۔
۸ وہ اس خدمت کے ساتھ کامیاب ہوئے تھے۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ (الصّفّت:۱۰۷)

ترجمہ: "اور ہم نے بچالیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔"

۹ رب تعالیٰ نے اولادِ آدم میں سے انہیں چن لیا تھا۔ امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا تھا۔"

۱۰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فخر کیا تھا۔ فرمایا: "انا ابن الذبیحین"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نے انہیں بارہ ناموں سے یاد فرمایا ہے:

۱ اغلام۔ ۲ علیم۔ ۳ حلیم۔
۴ مسلم۔ ۵ مستسلم۔ ۶ آمر۔

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ۔ (مریم:۵۵)

ترجمہ: "وہ حکم دیا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا۔"

۷ صابر۔

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ (الصّفّت:۱۰۲)

ترجمہ: "اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔"

۸ مرضی۔

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ (مریم:۵۵)

ترجمہ: "اور آپ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔"

۹ صادق۔ ۱۰ رسول۔ ۱۱ نبی۔ ۱۲ مذکور۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ (مریم:۵۴)

ترجمہ: ''اور ذکر کیجیے کتاب میں اسمٰعیل کا۔''

یہ حضرت اسحاق علیہ السلام سے بڑے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے ذبیح کون تھا۔ اکثر علماء نے وضاحت کی ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں بیس سے زائد دلیلوں کے ساتھ اس کے خلاف کارد کیا ہے۔

ان کی نسل سے نبی پاک ﷺ کے علاوہ کوئی نبی نہیں آیا۔ خالد بن سنان اگر فترت کے زمانہ میں ہوں تو حضور ﷺ سے صحیح البخاری میں روایت منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میں سارے لوگوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب ہوں۔ ان کے اور میرے مابین کوئی نبی نہیں ہے۔'' اگر وہ فترت سے قبل ہوں تو ان کا نبی ہونا ممکن ہی نہیں کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ۔ (السجدہ: ۳)

ترجمہ: ''تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو نہیں آیا ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے۔''

کئی علماء نے فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد عرب میں حضور اکرم ﷺ کے علاوہ کوئی نبی مبعوث نہیں کیا۔'' اسے ابن کثیر نے روایت کیا ہے۔ الحافظ نے فتح میں لکھا ہے ''یہ حدیث جو صحیح میں ہے وہ خالد بن سنان کی داستان کو کمزور کرتی ہے۔ یہ روایت بلاشبہ صحیح ہے۔ جبکہ دوسری روایت میں مقال ہے۔ یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ مستقل شریعت کے ساتھ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے استحکام کے لیے مبعوث کیا گیا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ علیہما السلام جبار یا بادشاہ کی زمین میں سے گزرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے فرمایا: ''یہ جبار اگر یہ جان گیا کہ تم میری زوجہ ہو تو وہ غالب آجائے گا اگر وہ تم سے پوچھے کہ اسے کہنا کہ تم میری بہن ہو تم اسلام میں میری بہن ہو۔'' جب وہ جبار کی زمین میں داخل ہوئے اور اس کے سپاہیوں نے انہیں دیکھا تو انہوں نے بادشاہ سے کہا: ''تیری زمین میں ایک ایسی خاتون آئی ہے جو صرف تیرے لیے ہی مناسب ہے وہ سارے لوگوں سے زیادہ باجمال ہے۔'' اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا اور ان سے پوچھا: ''ان کا آپ سے کیا رشتہ ہے؟'' انہوں نے کہا: ''یہ میری بہن ہے۔'' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے پاس گئے اور فرمایا: ''سارہ! روئے زمین پر میرے اور تمہارے علاوہ اور کوئی مؤمن نہیں ہے۔ اس بادشاہ نے مجھے تمہارے بارے پوچھا ہے میں نے اسے بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو۔ تم میری تکذیب نہ کرنا۔'' آپ نے انہیں اس کی طرف بھیج دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بادشاہ کے پاس گئیں تو انہوں نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر دعا مانگی ''مولا! میں

تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں۔ مولا! میری عزت و ناموس کا مالک صرف حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو ہی بنانا۔ اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ فرمانا۔" یونہی اس نے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ تو ہاتھ شل ہوگیا۔ اس کے منہ سے آوازیں نکلنے لگیں حتیٰ کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارنے لگا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "اگر یہ مرگیا تو کہا جائے گا کہ اس عورت نے ہی اسے قتل کیا ہے۔" اسے چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں ہے۔ اس نے عرض کی: "آپ میرے لیے دعا کریں میں آپ کو نقصان نہیں دوں گا۔" آپ نے دعا کی تو اسے چھوڑ دیا گیا۔ اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا۔ آپ اٹھیں وضو کیا۔ نماز پڑھی پھر عرض کی: "مولا! میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں۔ میری عزت کا مالک صرف میرے خاوند کو ہی بنا۔ اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ فرما۔" اسے پھر اسی طرح ہوا حتیٰ کہ وہ اپنے ٹانگیں زمین پر مارنے لگا۔ انہوں نے کہا: "اگر یہ مرگیا تو کہا جائے گا کہ اس عورت نے اسے قتل کر دیا ہے۔" اسے چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں ہے کہ اس بادشاہ نے عرض کی "آپ رب تعالیٰ سے میرے لیے دعا کریں۔ میں آپ کو نقصان نہیں دوں گا۔" آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

اس نے اپنے پہرے داروں کو بلایا۔ اس نے کہا: "تم میرے پاس کسی انسان کو لے کر نہیں آئے بلکہ شیطان کو لے آئے ہو۔" (نعوذ باللہ منہ) اسے حضرت ابراہیم کے پاس لے جاؤ۔ انہیں حضرت ہاجرہ دو اور انہیں میری زمین سے نکال دو۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں وہ کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے دست اقدس سے اشارہ کیا۔ "مهیم" یا "مَهيا" حضرت سارہ: کیا آپ کو معلوم ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کافر کو رسوا فرمایا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: "رب تعالیٰ نے کافر کے مکر کو اس کی گردن پر پھینک دیا ہے اور مجھے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا دی ہے۔" (بخاری، مسلم، نسائی، بزار، ابن حبان)

امام نووی نے لکھا ہے "حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اس بادشاہ کی شہزادی تھیں جو عین الجحر میں رہتا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ الحازمی نے کہا ہے "یہ بعلبک کے قریب ہے۔" اس نے انہیں حضرت سارہ کو ھبہ کیا اور حضرت سارہ نے حضرت خلیل اللہ کو ھبہ کر دیا۔ امام سہیلی نے لکھا ہے "حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ھبہ کرنے سے قبل حضرت ہاجرہ مصری قبط کے ایک بادشاہ کی شہزادی تھیں۔ جب حضرت عمرو بن العاص نے مصر کا محاصرہ کیا تو انہوں نے اہلِ مصر سے کہا: "ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ مصر فتح ہوگا انہوں نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم اہلِ مصر کے ساتھ بھلائی سے پیش آئیں۔ ان کے ساتھ نسب بھی ہے اور سسرالی رشتہ بھی ہے۔" اہلِ مصر نے کہا: "اس نسب کے حق کی حفاظت ایک نبی ہی کر سکتا ہے۔ یہ بعید کا نسب ہے۔ انہوں نے سچ فرمایا ہے تمہاری والدہ ماجدہ ہمارے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی شہزادی تھی۔ عین شمس کے لوگوں نے ہمارے ساتھ جنگ کی۔ انہوں نے ہمیں شکست دی۔ انہوں نے بادشاہ کو قتل کر دیا۔ اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے وہ وہاں سے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس چلی گئیں۔"

الحافظ نے لکھا ہے کہ ھاجر سریانی زبان کا لفظ ہے۔ ان کا والد قبط کا بادشاہ تھا۔ ان کی رہائش حفن میں تھی۔ یہ مصر

کی ایک بستی یا شہر تھا۔اس میں اب بھی عظیم آثار ہیں اس مذکور جبار کا نام عمرو بن امرئ القیس بن سبا تھا۔ یہ مصر کا بادشاہ تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اس کا نام صادوق تھا۔(ابن قتیبہ) یہ اردن کا بادشاہ تھا۔ابن ہشام نے "تیجان" میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے گندم خریدا کرتے تھے۔ انہوں نے انہیں چکی پیستے دیکھا۔ یہی راز ہے جو بادشاہ کے حضرت سارہ کو حضرت ہاجرہ ہبہ کرنے میں ہے۔ اس نے کہا:"ان کی شان اس سے بالاتر ہے کہ وہ اپنے آپ کی خدمت کریں۔"اس سبب میں اختلاف ہے کہ جس کی وجہ سے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہن کہا تھا۔ظالم کا ارادہ تو یہ تھا کہ وہ انہیں چھین لیتا خواہ وہ بہن ہوتی یا بیوی۔" ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بادشاہ صرف خاوندوں والی عورتوں سے تعرض کرتا تھا۔

یہ الحافظ کا قول ہے جو ایک تتمہ کا محتاج ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے دو نقصانوں میں سے بڑے کو ان میں خفیف کا ارتکاب کر کے دور فرمانا چاہا۔ بادشاہ کے غضب کا واقعہ لازماً رونما ہونا تھا۔لیکن وہ جان جاتا کہ زندگی میں ان کا خاوند ہے تو اس کی غیرت خاوند کو قتل کرنے، غائب کرنے، قید کرنے یا نقصان دینے پر ابھار سکتی تھی۔لیکن اسے اگر علم ہو جاتا کہ وہ ان کے بھائی ہیں تو پھر غیرت بھائی کی طرف سے ہوتی نہ کہ بادشاہ کی طرف سے۔ وہ اس کی پرواہ نہ کرتا۔ایک قول یہ بھی ہے"اگر اسے پتہ چل گیا کہ آپ میری زوجہ ہیں تو وہ مجھے طلاق پر مجبور کرے گا۔" میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ یہ حضرت ابن منبہ سے روایت بھی ہے جسے عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔

الحافظ زکی الدین منذری نے "السنن" کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے ایک شخص نے کہا:"اس جبار کی عادت یہ تھی کہ وہ شادی شدہ عورت کے قریب نہ جاتا تھا حتیٰ کہ وہ اس کے خاوند کو قتل کر دیتا تھا۔ اگر وہ ظالم ہوتا تو وہ قتل سے نجات پاتا۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بہت سی اولاد تھی۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول اور اس کے خلیل تھے۔ بعد میں آنے والے سارے انبیاء کرام کے باپ ہیں۔ یہ عجمی اسم ہے۔ اس کا معنیٰ "اب راحم" رحم کرنے والا باپ ہے۔"المطلع" میں ہے اکثر محققین کی رائے ہے کہ یہ اسم جامد ہے مشتق نہیں ہے۔ بعض متکلفین نے کہا ہے کہ یہ اسم البراء یا البرء یا البراءۃ اور الھیمان یا الوھم یا الھمۃ سے مشتق ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے بری ہوئے۔ تو ان کا دل ذکرِ الٰہی کا عاشق بن گیا تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ لغزش کے سبب سے بری ہوئے اور مقام خلت پر فائز ہو جانے کا ارادہ کیا۔ بعض نے لکھا

ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں قربت کے قالب میں تخلیق کیا۔صدق نیت کے ساتھ انہوں نے ہمت کے ملکوت کی طرف عزم کیا۔ایک شاعر نے لکھا ہے:

و کنت بلا وجد اموت من الھوی   وھام علیّ القلب بالخفقانِ

فلما ارانی القلب انك حاضری   شھدتك موجوداً بکل مکانِ

ترجمہ: ''میں وجد کے بغیر محبت سے مر رہا ہوں۔مجھ پر دل نے دھڑکن کے ساتھ غلبہ پایا۔جب میرے دل نے مجھے دکھایا کہ آپ میرے پاس حاضر ہیں تو میں نے گواہی دے دی کہ آپ ہر جگہ موجود ہیں''۔

ابراہیم اسم کے بارے کئی لغات ہیں۔

1. ابراہیم۔یہ مشہور لغت ہے۔
2. ابراھام۔
3. ابراھوم۔
4. ابرھم۔
5. ابراھم۔
6. ابراھم۔ان لغات کو فراء نے بیان کیا ہے۔
7. اسی اسم کو امالہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔
8. ابراھام۔دوسرے الف کے امالہ کے ساتھ۔یہ شاذ ہے۔
9. ابرھم۔

''المطلع'' میں ہے ابراہیم کی جمع ابارہ، اباریہ، ابارمہ، ابارھہ، براھم، براھیم، براھمۃ اور براۃ ہے۔اس کی تصغیر بُرَیّہ یا ابیرہ یا بُرَیْھِیم ہے۔

ان کی کنیت ابوالضیفان تھی۔عکرمہ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد یہ سارے انبیائے کرام سے افضل ہیں۔الحافظ ابن کثیر نے تاریخ میں اسی طرح لکھا ہے۔اس کے دلائل بھی دیے ہیں۔

البزار، امام احمد، حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: ''بنو آدم میں سے بہترین حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ان میں سے افضل حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام افضل ہیں''۔اس طرح موقوفاً نہیں کہا جا سکتا۔اس کا حکم مرفوع ہے۔امام ذہبی نے اسی قول کو یقین کے ساتھ کہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت کے بارے اختلاف ہے۔برزہ میں ولادت ہوئی۔یہ جگہ دمشق کے مضافات میں ہے۔یہ ابن عساکر نے لکھا ہے مگر صحیح موقف یہ ہے کہ ان کی ولادت ''کوثا'' میں ہوئی۔یہ جگہ سرزمین عراق میں بابل کی اقلیم میں ہے۔ان کی والدہ کا نام نوبا یا لیوثا تھا۔وہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار بعد اس دنیا میں آئے۔حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کے مابین دس صدیاں تھیں۔

اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں امام واقدی سے روایت کیا ہے۔سب سے پہلے انہوں نے ہی سریانی

زبان میں گفتگو کی تھی۔ جب انہوں نے دریا عبور کیا تو وہ عبرانی زبان میں گفتگو کرنے لگے۔

الطبرانی نے حضرت ابوامامہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم اور حضرت نوح کے مابین دس صدیاں تھیں۔ نمرود (یہ عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے) نے جن افراد کو آپ کے تعاقب میں بھیجا تھا۔ اس نے انہیں کہا "جب تم کسی کو دیکھو جو سریانی زبان میں گفتگو کر رہا ہو تو اسے واپس لے آؤ۔" جب انہوں نے حضرت خلیل علیہ السلام کو پایا اور آپ کو بولنے کے لیے کہا۔ تو رب تعالیٰ نے ان کی زبان کو عبرانی میں تبدیل کر دیا۔ جب انہوں نے دریا عبور کیا تو اس زبان کو عبرانی کہا جانے لگا۔ سریانی زبان سے متعلق ابن سلام نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء سکھائے تو ملائکہ سے مخفی سکھائے۔ انہوں نے اسی زبان میں اسماء سیکھے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ ان کی اور بھی اولاد تھی۔ المطلع میں ہے حق کے رستہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دس مقامات ہیں جو انہوں نے انتہائی عزتوں کے ساتھ حاصل کیے۔

(۱) قیام طلب۔ جیسے:

هٰذَا رَبِّيْ۔ (الانعام:۷۶)

ترجمہ: "یہ ہے میرا رب۔"

(۲) مقام دعوت۔ جیسے:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ۔ (الحج:۲۷)

ترجمہ: "اور اعلان عام کر دو لوگوں میں حج کا۔"

(۳) مقام فضیلت۔ جیسے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ (البقرۃ:۱۲۵)

ترجمہ: "اور بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز۔"

(۴) مقام فقر و فاقہ۔ جیسے:

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ۔ (ابراہیم:۴۰)

ترجمہ: "میرے رب بنا دے مجھے نماز کو قائم کرنے والا۔"

(۵) مقام نعمت۔ جیسے:

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ (الشعراء:۷۹)

ترجمہ: "اور وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے۔"

(۶) مقام مغفرت۔ جیسے:

وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ؕ﴿۸۲﴾ (الشعراء: ۸۲)

ترجمہ: "اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لیے میری خطا روزِ جزا کو۔"

⑦ مقام محبت۔ جیسے:

اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ (البقرۃ: ۲۶۰)

ترجمہ: "اے میرے پروردگار دکھا دے مجھے کہ تو کیسے زندہ فرماتا ہے مردوں کو۔"

⑧ مقام مغفرت۔ جیسے:

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَۙ﴿۸۴﴾ (الشعراء: ۸۴)

ترجمہ: "اور بنادے میرے لیے سچی ناموری آئندہ آنے والوں میں۔"

⑨ مقام ہیبت۔ جیسے:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ﴿۱۱۴﴾ (التوبۃ: ۱۱۴)

ترجمہ: "بے شک ابراہیم بڑے ہی نرم دل اور بردبار تھے۔"

⑩ مقام وارثہ۔ اس مقام نے آپ کو واسطہ سے مستغنی کر دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا:

حسبی من سوالی علمه بحالی"

مؤرخین لکھتے ہیں: "حضرت ابراہیم نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی۔ ان کی عمر ۱۷۵ سال یا دو سو سال ہو چکی تھی۔ ان کا وصال ارضِ مقدس میں ہوا۔ ان کی قبر انور یقیناً وہی ہے۔ انبیائے کرام میں سے صرف حضور ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبور انور کا صحیح علم ہے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ ہوا۔

ابن ابی شیبہ، ابن سعد، ابن حبان اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب حضرت ابراہیم کی عمر مبارک ۱۲۰ سال تھی تو قدوم (کلہاڑے) کے ساتھ ان کا ختنہ کیا گیا۔ اس کے بعد وہ اسی سال تک بحیات رہے۔"

حضرت سعید رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے ختنہ کرایا۔ سب سے پہلے ان کے بال سفید ہوئے۔ جب انہوں نے یہ سفیدی دیکھی تو عرض کی: "مولا! یہ کیا ہے؟" رب تعالیٰ نے فرمایا: "اے ابراہیم! یہ وقار ہے۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! میرے وقار میں اضافہ فرما۔" سب سے پہلے انہوں نے ہی مہمان نوازی کی۔ سب سے پہلے انہوں نے مونچھیں تراشیں، سب سے پہلے انہوں نے ناخن کاٹے۔ سب سے پہلے انہوں نے زیرِ ناف بال صاف کیے۔ (امام بیہقی اور ابن عدی نے یہ روایت مرفوعاً نقل کی ہے)

ابو یعلی اور ابو شیخ نے عقیقہ میں موسیٰ بن علی بن رباح سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو ختنہ کرانے کا

حکم دیا گیا اس وقت ان کی عمر اسی سال تھی۔ انہوں نے جلدی کی کلہاڑے کے ساتھ ختنہ کر لیا۔ درد شدید ہوا تو رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: "آپ نے جلدی کی اور قبل اس کے ہم آپ کو کسی آلہ کے متعلق بتاتے آپ نے ختنہ کر لیا۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! میں نے ناپسند کیا کہ تیرے حکم کو مؤخر کروں۔" شیخان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم نے اسّی سال کی عمر میں قدوم میں (یا کلہاڑے کے ساتھ) ختنہ کیا۔

قدوم کو تخفیف اور تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ جگہ کا نام ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ آلہ ہے۔ دوسرے معنی کے وقت یہ تخفیف کے ساتھ ہوگا۔ پہلے معنی کے مطابق اس میں دو لغتیں ہیں۔ یہ اکثر کا قول ہے۔ داؤدی نے اس کے برعکس لکھا ہے۔ پھر اس جگہ میں اختلاف ہے کسی نے کہا ہے کہ یہ شام کی ایک بستی ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ سراۃ کا ایک شہر ہے۔ اکثر علماء کا گمان ہے کہ اس سے مراد آلہ ہے۔ الصحیح میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کیا تو اس وقت ان کی عمر اسی سال تھی۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن حبان نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ ہوا ان کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ ظاہر ہے کہ اس روایت میں کمی وبیشی ہے۔ کیونکہ ۱۲۰ سال تو حضرت ابراہیم کی عمر تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اس روایت کو امام حاکم نے لکھا ہے اور اسے شیخین کی شرائط پر صحیح کہا ہے۔ امام ذہبی نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا ختنہ ۱۲۰ سال میں ہوا تھا۔ کتاب العقیقہ میں ابوشیخ نے حضرت ابوہریرہ سے موصولاً اور مرفوعاً روایت کیا ہے اور انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے "اس کے بعد وہ اسی سال زندہ رہے۔ اس طرح ان کی عمر دو سو سال ہوگی۔ بعض علماء نے ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ پہلے گروہ نے ان کی نبوت کی ابتداء سے شمار کیا ہے جبکہ دوسرے گروہ نے ان کی ولادت سے شمار کیا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے سب سے پہلے پائجامہ پہنا۔ انہوں نے سب سے پہلے زیرناف بال صاف کیے۔ انہوں نے سب سے پہلے ختنہ کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے مہمان نوازی کی۔ انہوں نے سب سے پہلے بڑھاپا دیکھا۔

حضرت وکیع نے حضرت واصل بن مولیٰ ابی المیتیہ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی "آپ مجھے سارے اہل زمین سے زیادہ معزز ہیں۔ جب آپ سجدہ کریں تو زمین آپ کی شرم گاہ نہ دیکھے۔" انہوں نے پائجامہ پہن لیا۔"

امام دیلمی نے حضرت انس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہندی سے خضاب لگایا۔"

ابن ابی شیبہ اور امام بزار نے حضرت سعد بن ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے منبر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خطبہ دیا تھا۔

ابن عساکر نے حضرت حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خلیل اللہ نے سب سے پہلے لشکر کے میمنہ، میسرہ اور قلب کو ترتیب دیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ ان لوگوں کے ساتھ جہاد کے لیے نکلے تھے جنہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو قیدی بنایا تھا۔

البزار اور الطبرانی نے حضرت معاذ بن جبل سے مرفوعاً روایت کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا: "منبر بناؤ۔ میرے باپ حضرت ابراہیم نے منبر بنایا تھا۔ عصا پکڑو۔ میرے باپ حضرت ابراہیم نے عصا پکڑا تھا۔"

ابن ابی دنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے کپڑا بننے کا کام کیا تھا۔

ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمان نوازی کی تھی۔"

ابن سعد، ابن ابی الدنیا اور ابونعیم نے الحلیۃ میں امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عکرمہ سے روایت لکھی ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمان کی کنیت ابوالضیفان تھی۔ ان کی حویلی کے چار دروازے تھے۔ تاکہ کوئی شخص رہنے نہ پائے۔" امام بیہقی نے حضرت عطاء سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کھانا تناول فرمانا چاہتے تو ایک میل تک کسی شخص کو تلاش کرتے جو ان کے ہمراہ کھانا کھائے۔"

ابن ابی الدنیا نے کتاب الاخوان میں اور خطیب میں تاریخ میں حضرت تمیم داری سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جس ہستی نے سب سے پہلے معانقہ کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔"

ابن سعد نے محمد بن سائب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے مہمان نوازی کی۔ سب سے پہلے ثرید بنائی سب سے پہلے بالوں کی سفیدی دیکھی۔ رب تعالیٰ نے مال اور خدام میں وسعت دے رکھی تھی۔

امام احمد نے الزہد میں حضرت مطرف سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے اپنی قوم کی بت پرستی سے تنگ آ کر اسے چھوڑا۔ جب رب تعالیٰ سے دعا کر کے اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔

ابن ابی شیبہ، شیخان، امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ لوگوں کو روزِ حشر ننگے پاؤں عریاں جسم اٹھایا جائے گا۔ رب تعالیٰ فرمائے گا۔ "میں اپنے خلیل کو عریاں نہیں دیکھوں گا۔" حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو سفید کپڑے پہنا دیے جائیں گے۔"

یہی روایت حضرت عبداللہ بن حارث نے اس طرح روایت کی ہے "حضرت خلیل اللہ کو سب سے پہلے دو قبطیہ چادریں پہنائی جائیں گی۔ پھر حضور اکرم ﷺ اپنا یمنی حلہ پہنیں گے۔ آپ عرشِ الٰہی کے دائیں طرف ہوں گے۔

ابن ابی شیبہ اور امام احمد نے زہد میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دو بھوکے

شیر چھوڑے گئے شیروں نے ان کے قدم چاٹے اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔

ان کے وصال کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ موت کے فرشتے سے کہا گیا "حضرت ابراہیم کے ساتھ نرمی برتنا" موت کا فرشتہ ان کے پاس آیا وہ اپنے انگوروں میں تھے۔ فرشتہ ایک عمر رسیدہ آدمی کی شکل میں تھا۔ جس کا کچھ بھی باقی رہ گیا ہو جب حضرت خلیل اللہ نے اسے دیکھا تو اس پر رحم آیا۔ انہوں نے اسے اپنی ٹوکری لی۔ اور انگوروں کے باغ میں داخل ہو گئے۔ پھر انگور لا کر اس کے سامنے رکھ دیے۔ فرمایا: "کھاؤ" اس نے اپنے ہاتھ رکھے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ کھا رہا تھا پانی اس کی داڑھی اور سینے پر گر رہا تھا۔ حضرت خلیل اللہ نے تعجب کیا۔ انہوں نے کہا: "عمر نے تو تمہارے پاس کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ تمہاری عمر کتنی ہے؟ اس نے حضرت ابراہیم کی مدت عمر شمار کی اور کہا: "میری عمر اتنی ہے۔" حضرت خلیل اللہ نے کہا: "میری عمر بھی اتنی ہے۔ کیا میں انتظار کروں کہ میں بھی تمہاری طرح ہو جاؤں۔" مولا! میری روح قبض فرمالے۔ حضرت ابراہیم کا نفس خوشی خوشی وصال کے لیے تیار ہو گیا۔ ملک الموت نے اسی وقت ان کی روح قبض کر لی۔" حضرت خلیل اللہ کی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ اور بھی اولاد تھی۔

تارح

اس کا معنی "یا اعوج" ہے۔ یہ آزر ہے۔ امام جوہری نے لکھا ہے کہ یہ عجمی نام ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ آزر سے مشتق ہے جس کا معنی تعاون کرنا ہے۔ تارح اور آزر اس کے دو نام ہیں۔ جس طرح کہ کئی سیرت نگاروں نے یقین کے ساتھ کہا ہے۔ امام سہیلی نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس کا معنی "یا اعوج" ہے۔ یا یہ بت کا نام ہے۔ قرآن پاک میں یہ فعل کے مضمر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ اٰزَرَ۔ (الانعام: ۷۴)

ترجمہ: "اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے۔"

یعنی "دَعۡ آزَرَ" آزر کو چھوڑ دیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آزر کا کلمہ زجر و توبیخ کے استعمال ہوتا ہے۔

علامہ توزری نے لکھا ہے کہ اس کے دو نام تھے۔ تارح، آزر۔ حسن اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آزر بت کا نام ہے۔ جو فعل کے مقدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی "اتتخذ آذرَ الھا اتتخذ اصنامًا" یہ اس شخص کی قرات ہے جس نے را پر فتح پڑھا ہے جس نے راء پر ضمہ پڑھا اس وقت یہ "یا مخطیٔ" کے معنی میں ہوگا۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ "الموازرۃ" سے مشتق ہے۔ جس کا معنی معاونت ہے۔ یہ اپنی قوم کی بت پرستی میں اس کی معاونت کرتا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ رفع کے ساتھ ہو اور حرف نداء کے اسقاط کے ساتھ ہو۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے۔ آزر، لابیہ کا عطف بیان ہے ندا کی وجہ سے اسے آزرُ بھی پڑھا گیا ہے۔ ایک قول یہ

ہے کہ آزر بت کا نام تھا۔ کیونکہ یہ اس کی عبادت میں منہمک رہتا تھا۔ اسی لیے اسے بھی یہی نام دے دیا گیا۔ یا اس کا معنی عابد آزر ہوگا۔ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ اسے یوں بھی پڑھا گیا "ازرًا اتتخذ اصنامًا آلھة" اس وقت یہ بت کا نام ہوگا۔ اس کا معنی یہ ہے "لم تعبد آزر علی الانکار" پھر کہا "اتتخذ اصنامًا الھة" یہ اس کی تقریر اور تبیین کے لیے ہے۔ یہ انکار کے حکم میں شامل ہے۔ امام ثعلبی نے عرائس میں لکھا ہے "حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارح تھا جب وہ نمرود کے دربار میں معبودانِ باطلہ کا نگران بنا تو اسے آنور کا نام دے دیا گیا۔ (حضرت ابراہیم کے والد کے بارے تفصیلات جاننے کے لیے ضیاء النبی از جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمۃ کا مطالعہ کریں۔ مترجم)

ناحور

یہ اس ناحور کے علاوہ ہیں جن کا تذکرہ حضرت اسماعیل سے پہلے ہو چکا ہے۔ ابن ہشام نے التیجان میں لکھا ہے کہ اس نے ایک سو سالہ زندگی گزاری۔ ابن حبیب نے اس کی عمر ۱۴۸ سال لکھی ہے۔

شاروخ

علامہ جوانی نے اسے ساروغ لکھا ہے۔ ملک المؤید نے اسے ساروع بھی پڑھا گیا ہے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس نے ۲۰۷ سال زندگی پائی۔

راغو

اسے رغو بھی پڑھا گیا ہے عربی میں اس کا معنی قاسم ہے۔ ابن حبیب نے لکھا ہے کہ انہوں نے ۲۲۸ سال زندگی گزاری۔ ابن کلبی نے ان کی عمر ۲۶۰ سال لکھی ہے۔

فالخ

ابن ہشام نے التیجان میں لکھا ہے یہ سریانی زبان کا نام ہے عربی میں اس کا معنی وکیل ہے۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کے بھائی تھے۔ جب ان کے باپ نے کوہِ جودی پر عربی میں گفتگو کی تھی انہوں نے اس زبان میں گفتگو نہیں کی تھی۔ انہوں نے ۲۶۷ سال عمر گزاری۔ ابن کلبی نے ان کی عمر ۲۹۰ سال لکھی ہے۔ ابن حبیب نے ان کی عمر ۲۳۹ سال لکھی ہے۔ علامہ جوانی نے ان کی والدہ کا نام بیشا حا لکھا ہے۔

عَیبَر

یہ جعفر کے وزن پر ہے۔ اسے عابر بھی پڑھا گیا ہے۔ ابن حبیب نے ان کی عمر ۴۳۴ سال لکھی ہے۔ ابن کلبی نے ان کی عمر ۴۶۳ سال لکھی ہے۔ علامہ جوانی نے لکھا ہے کہ یہ ہی حضرت ہود علیہ السلام تھے۔ امام سہیلی اور حافظ نے لکھا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کے نسب میں راجح قول یہ ہے۔ ھود بن عبداللہ بن رباح بن حادر بن عاد بن عوص بن آدم بن سام بن نوح۔ علامہ جوانی نے ان کی والدہ کا نام رجانہ لکھا ہے یہ پاکیزہ خواتین میں سے تھیں۔

علامہ سہیلی اور توزری نے تاریخ طبری سے تحریر کیا ہے کہ عابر اور فالخ کے مابین ایک باپ قینان بھی ہیں۔ توزری نے اسے قین لکھا ہے۔ تورات میں اس کا ذکر نہیں کیونکہ یہ جادوگر تھا۔ لیکن ابن حزم نے الطبری کی گرفت کی ہے کہ تورات میں ان کے اجماع سے یہ نسب ثابت ہے۔

شالخ

امام سہیلی نے اس کا معنی الرسول یا الوکیل لکھا ہے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ انہوں نے ۳۶۳ سال زندگی بسر کی۔ ابن حبیب نے ان کی عمر ۴۳۳ سال اور ابن کلبی نے ۴۹۳ سال لکھی ہے۔ یہ اپنے والد کے وصی تھے۔

ارفخشذ

بعض نے اسے ارمخشذ لکھا ہے۔ بعض نے اسے الفخشذ لکھا ہے۔ صاحب "النور" نے اسے الفشخذ لکھا ہے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد روشن چراغ ہے۔ شاذ سریانی الزبان کا لفظ ہے۔ جس کا معنی روشنی ہے۔ ان کی والدہ الملوک بن خنوع کی بیٹی تھی۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ انہوں نے ۴۰۳ سال زندگی بسر کی۔ یہ اپنے باپ کے وصی تھے۔ ابن حبیب نے ان کی عمر ۴۶۰ سال لکھی ہے۔ جبکہ ابن کلبی نے ان کی عمر ۴۶۸ سال لکھی ہے۔ ان کے بیٹوں کے نام عابر، مالک اور قینان تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے علم نجوم میں غور وفکر کیا۔ انہوں نے یہ علم خالی تنور سے حاصل کیا۔ طوفان سے قبل اس میں ہر علم لکھ دیا گیا تھا۔ اسے زمین میں دفن کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے یہ علم وہاں سے سیکھ لیا۔

سام

امام احمد، امام ترمذی اور امام مالک نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سام ابوعرب حام ابوحبش اور یافث ابوروم ہیں"۔ بزار، ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت نوح کے تین بیٹے تھے۔ سام، حام، یافث سام سے عرب، فارس اور روم والے پیدا

ہوئے۔ ان میں بھلائی ہے۔ یافث سے یاجوج اور ماجوج پیدا ہوئے ترک اور صقالبہ پیدا ہوئے۔ ان میں بھلائی نہیں۔ حام سے قبط، بربر اور ایل سوڈان پیدا ہوئے۔" اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے "جب حضرت نوح علیہ السلام کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے سام کی وصیت کی۔ طوفان سے قبل ان کی عمر ۹۸ سال تھی۔ یہ ان کی پہلی اولاد تھی۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ اپنے باپ کے وصی تھے۔ یہ اہلِ زمین کے سرپرست تھے۔ حضرت وہب نے لکھا ہے حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ان کے ساتھ حضرت سام کی قبر تک پہنچے۔ انہوں نے کہا: "سام! اللہ تعالیٰ کی اذن سے مجھے جواب دو۔" وہ رب تعالیٰ کی قدرت سے کھجور کی طرح کھڑے ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ: "تم نے کتنی عمر پائی ہے۔" سام: "میں نے چار ہزار سال زندگی پائی۔" حضرت عیسیٰ: "یہ دنیا کیسے ہے؟" سام: اس گھر کی طرح جس کے دو دروازے ہوں۔ اس میں داخل ہوا دوسرے سے نکل گیا۔ یہ موت سے گھبراتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ سام پر موت طاری نہ کرے۔ حتیٰ کہ وہ خود موت کے بارے سوال کریں۔ حضرت سام بیمار ہو گئے۔ مرض شدت اختیار کر گئی۔ بڑھاپا بھی تھا۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے موت کا سوال کیا اور ان کا وصال ہو گیا۔ یاقوت کے معجم البلدان میں لکھا ہے۔ دمشق کے گرد و نواح میں مدینہ ایوب میں حضرت سام کی قبر ہے۔"

تنبیہ

شیخ برھان الدین ناجی نے کنز الراغبن میں لکھا ہے کہ حضرت سام نبی نہ تھے۔ لیکن ابو اللیث سمرقندی نے "بستان" میں اس کے برعکس لکھا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اور زبیر بن بکار نے الموفقیات میں کلبی سے روایت کی ہے کہ حضرت سام نبی تھے۔ لیکن کلبی متروک ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام

یہ رب تعالیٰ کے نبی اور رسول تھے۔ امام نووی نے لکھا ہے یہ عجمی نام ہے۔ یہ منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عربی ہے اور ناح ینوح سے مشتق ہے۔ کیونکہ یہ ہمہ وقت گریہ وزاری میں مشغول رہتے تھے اس لیے نوح کے نام سے معروف ہوئے۔ اس گریہ کے سبب میں اختلاف ہے۔ اس کا ایک سبب یہ لکھا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم پر گریہ زاری کرتے تھے۔ ان پر افسوس کرتے تھے کیونکہ وہ توبہ کے بغیر غرق ہوئے تھے۔ ان کے نام کے بارے اور بھی بہت کچھ کہا گیا ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں۔ ایک گروہ نے لکھا ہے کہ ان کا نام عبد الغفار تھا۔ یہ آدم ثانی ہیں کیونکہ حضرت آدم کی اولاد حضرت نوح سے ہی چلی۔ طبرانی نے حضرت ابو امامہ سے ثقہ راویوں سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے مابین دس صدیاں تھیں۔"

امام شعبی نے لکھا ہے "رب تعالیٰ نے حضرت نوح کو قابیل کی اولاد اور ان کے پیروکاروں کی طرف بھیجا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد کے دو گروہ تھے۔ ایک پہاڑوں پر جبکہ دوسرا میدانوں میں رہتا تھا۔ پہاڑی علاقوں کے مرد خوبصورت اور عورتیں بدصورت جبکہ میدانی علاقے کی عورتیں خوبصورت اور مرد بدصورت تھے۔ قابیل کی اولاد میں بے حیائی پھیل گئی۔ رب تعالیٰ نے ان میں حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ اس وقت ان کی عمر پچاس سال تھی۔ وہ ان میں ۹۵۰ سال ہے۔ وہ انہیں رب تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے۔ انہیں ڈراتے رہے مگر انہوں نے لبیک نہ کہا۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے عرض کی۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح:۲۶)

ترجمہ: "اے میرے رب نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔"

جب ان کی دعا طوالت اختیار کر گئی۔ قوم کی سرکشی اور اذیت لمبی ہوگئی تو انہوں نے رب تعالیٰ سے التجا کی۔ رب تعالیٰ نے ان پر وحی کی۔

اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ (ہود:۳۶)

ترجمہ: "بے شک ایمان نہیں لائیں گے آپ کی قوم سے مگر وہ ہی جو ایمان لا چکے ہیں۔ جب انہیں علم ہو گیا کہ ان کی پشت اور رحموں میں ایمان لانے والا کوئی نہیں تو انہوں نے یہ دعا مانگی۔"

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح:۲۶)

ترجمہ: "اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔"

رب تعالیٰ نے انہیں کشتی بنانے کا حکم دیا۔ انہوں نے عرض کی: "مولا! لکڑی کہاں سے لاؤں؟" رب تعالیٰ نے فرمایا: "درخت لگا لیں۔" انہوں نے ساج کا درخت لگایا۔ انہیں چالیس سال گزر گئے۔ حضرت نوح قوم کے لیے بددعا کرنے سے رک گئے۔ رب تعالیٰ نے قوم کی عورتوں کو بانجھ کر دیا۔ ان کے ہاں بچے نہ ہوتے تھے۔ جب درخت بڑا ہو گیا تو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اسے کاٹیں اسے سکھائیں پھر اس سے کشتی بنائیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ وہ کیسے کشتی بنائیں۔ انہوں نے ایک طرف کشتی کا دروازہ رکھا۔ کشتی اسی ذراع طویل پچاس ذراع چوڑی تھی۔ وہ تیس ذراع بلند تھی۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "اس کی لمبائی چھ سو ذراع تھی۔ رب تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ہر جانور جوڑا جوڑا سوار کر لیں۔ رب تعالیٰ نے بحر و بر کے جانور ان کے سامنے حاضر کر دیے۔ انہوں نے سب سے پہلے طوطا اور سب سے آخر میں گدھا سوار کیا۔ روایت ہے کہ کشتی میں صرف سات مومن تھے۔ حضرت نوح، ان کے فرزند سام، حام، یافث اور ان کی بیویاں' دوسرے قول کے مطابق ان کی تعداد آٹھ یا دس تھی۔ ایک اور قول کے مطابق ان کی تعداد ۷۲ یا ۸۰ تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر سارے انبیاء کرام سے طویل تھی۔ایک روایت کے مطابق ان کی عمر ۱۳۰۰ سال تھی۔ جب وحی آئی تو ان کی عمر ۳۵۰ سال تھی۔ ۹۵۰ سال تک انہوں نے تبلیغ کی۔

''المطلع'' میں ہے ''شیطانوں میں سے صرف دو شیاطین نے اسلام قبول کیا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شیطان نے اور حضرت نوح علیہ السلام کے شیطان نے۔ابلیس نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا: ''مجھ سے پانچ باتیں سیکھ لیں۔'' انہوں نے فرمایا: ''میں تیری تصدیق نہیں کروں گا۔'' رب تعالیٰ نے ان پر وحی کی ''اس کی تصدیق کرو'' انہوں نے کہا ''بتاؤ'' ابلیس: تکبر سے بچیں۔میں اس آفت میں تکبر کی وجہ سے پھنسا ہوں۔حسد سے بچیں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو حسد کی وجہ سے ہی قتل کیا تھا۔طمع سے بچیں۔آدم کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا طمع کی وجہ سے ہوا تھا حرص سے بچو۔حواء کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا حرص کی وجہ سے ہوا تھا۔طویل امیدی سے بچو۔آدم وحوا کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ طول امل کی وجہ سے ہوا تھا۔''

رب تعالیٰ نے حضرت نوح عبداً شکوراً فرمایا ہے۔فریابی، ابن جریر اور حاکم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کپڑے پہنتے یا کھانا کھاتے تو رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رب تعالیٰ نے انہیں عبداً شکوراً فرمادیا۔

امام نسائی، حاکم، بزار ایک انصاری صحابی سے حضرت نوح علیہ السلام کی وصیتوں کو یوں روایت کیا ہے۔حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ''میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ان میں کوتاہی تو ہو جائے لیکن انہیں بھولنا ہر گز نہیں۔'' میں تمہیں دو چیزوں کی وصیت کرتا ہوں۔دو چیزوں سے منع کرتا ہوں۔میں تمہیں جن دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔ان سے رب تعالیٰ خوش ہو جاتا ہے۔اس کی صالح مخلوق بھی اس سے خوش ہو جاتی ہے۔میں تمہیں لا الہ الا اللہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر زمین و آسمان کسی حلقہ میں ہوں تو یہ کلمہ انہیں توڑ کر رکھ دے اگر یہ کلمہ کسی پلڑے میں ہو تو اسے جھکا دے۔میں تمہیں ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' کی وصیت کرتا ہوں۔یہ مخلوق کی نماز (ذکر) اور انس کے ذریعہ رب تعالیٰ مخلوق کو رزق دیتا ہے۔رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ (الاسراء:۴۴)

ترجمہ: ''اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے بیشک بہت بردبار بہت بخشنے والا ہے۔''

میں جن دو چیزوں سے روکتا ہوں وہ ایسی ہیں جن سے رب تعالیٰ بھی اور اس کی صالح مخلوق چھپ جاتی ہے۔ میں تمہیں شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں۔''

تنبیہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔ "ایک دن حضرت نوح علیہ السلام نے غسل کیا انہوں نے دیکھا کہ ان کا بیٹا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا: "تو میری طرف دیکھتا ہے جبکہ میں غسل کر رہا ہوں رب تعالیٰ تیرا رنگ سیاہ کرے۔" اس کا رنگ کالا ہو گیا۔ یہ ہی سوڈان کے باپ ہیں۔ اس روایت کو حاکم نے روایت کیا ہے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ذھبی نے ان کا تعاقب کیا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمان ہے۔ محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام احمد، ابن سعد، ابو داؤد، ترمذی نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس مٹی سے تخلیق کیا جسے ساری زمین سے اکٹھا کیا گیا۔ اس مٹی کے مطابق اولادِ آدم کی رنگت ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض سرخ، بعض سفید، بعض کالے اور بعض ان کے مابین ہیں۔ اسی کے مطابق سخت، نرم، خبیث اور عمدہ ہیں۔

لامک

التیجان میں ہے کہ لامک عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ جبکہ عربی میں لمک ہے سریانی میں لمخ ہے۔ اس کا معنی "متواضع" ہے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے عود، غناء اور پانی کے حوض بنائے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے انہوں نے ۷۷۰ سال عمر بسر کی۔

متوشلخ

ابن حبیب نے لکھا ہے کہ انہوں نے ۹۶۰ سال عمر پائی۔ جوانی نے ان کی والدہ کا نام بروخا لکھا ہے۔ ان کے بھائی بھی تھے لیکن وہ لاولد تھے۔ یہ ہی اپنے باپ کے وصی تھے۔

خنوخ

گمان کیا جاتا ہے کہ یہی حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ حضرت وھب سے پوچھا گیا "حضرت ادریس کون تھے؟" انہوں نے کہا: "وہ ابونوح کے دادا تھے۔" دوسری روایت کے مطابق یہ ان کے دادا تھے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ پہلا قول درست ہے شاید دوسرا قول کو مجازاً استعمال کیا جاتا ہے باپ کا دادا، دادا ہی ہوتا ہے۔

انہوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے۔ الحافظ کہتے ہیں اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حسن سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

"الیاس ہی ادریس ہیں اور حضرت یعقوب ہی اسرائیل ہیں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت الیاس ہی ادریس ہیں تو یہ لازم آئے گا کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں نہ کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کی اولاد میں سے ہوں۔ سورۃ الانعام میں رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ ۖ

(سورۃ الانعام: ۸۴،۸۵)

ترجمہ: "اور نوح کو ہم نے ہدایت دی تھی ان سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (راہِ راست دکھائی) اور اس طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو اور (ہم نے ہدایت دی) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو۔"

اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت الیاس حضرت نوح کی اولاد میں سے ہیں خواہ ہم کہیں کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان "و من ذریتہ" میں ہ ضمیر نوح علیہ السلام کے لیے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوگا۔ وہ لازماً حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوگا۔

ابن اسحاق نے "المبدأ" میں لکھا ہے کہ الیاس بن فنحاص بن عیزان بن ہارون بن عمران ہیں حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ادریس علیہ السلام ان سے پہلے تھے۔ اکثر صحابہ کرام کا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام سے پہلے تھے۔ علامہ ابن عربی نے لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دادا نہ تھے۔ وہ تو بنو اسرائیل میں سے تھے۔ کیونکہ روایت ہے کہ وہ بنو اسرائیل سے تھے کیونکہ انہوں نے شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح استقبال کیا تھا۔ "مرحبا بالنبی الصالح والاخ الصالح" اگر وہ آپ کے اجداد میں سے ہوتے تو "الابن الصالح" سے استقبال کرتے جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ یہ عمدہ استدلال ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ تواضع اور تلطف کے لیے ہے۔ لیکن یہ اس طرح نہیں ہے۔ امام نووی کا اشارہ یہی ہے۔

ابن اسحاق کا یہ قول کہ خنوخ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اہلِ کتاب سے ماخوذ ہے۔ علامہ مازری نے لکھا ہے کہ مؤرخین کہتے ہیں حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے۔ اگر دلیل مل جائے کہ حضرت ادریس علیہ السلام رسول تھے۔ تو پھر نسابین کا یہ قول درست نہیں کہ وہ حضرت نوح سے پہلے تھے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حدیث شفاعت میں

ہے "حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے اہلِ زمین کی طرف بھیجا۔ اگر کوئی دلیل قائم نہ ہوتو پھر ان کا قول درست ہے حالانکہ صحیح قول یہی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نبی تھے رسول نہ تھے۔"

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت یہ نص بیان کرتی ہے کہ حضرت آدم اور حضرت ادریس رسول تھے۔ الطبرانی، حاکم اور ابن حبان نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نبی اور رسول تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے قلم کے ساتھ لکھا تھا۔" امام حاکم نے ضعیف سند سے حضرت سمرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ادریس سفید رنگت والے، لمبے قد والے، بڑے پیٹ والے چوڑے سینے والے تھے ان کے سر پر بہت زیادہ بال تھے لیکن جسم کے بال کم تھے۔ ان کی ایک آنکھ دوسری سے بڑی تھی۔ ان کے جسم پر مرض کے بغیر سیاہ نقطے تھے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ ان کی آواز نرم تھی۔ انہیں ادریس اس لیے کہا جاتا تھا کیونکہ وہ اللہ کی کتب اور اسلام کی سنن پڑھتے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے کپڑے سیے انہیں پہنا اس سے قبل لوگ کھالیں پہنتے تھے۔ ایک ہزار انسانوں نے ان کی صدا پر لبیک کہا۔ جب رب تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا تو انہوں نے ان کے بعد اختلاف کیا اور بدعتیں پیدا کیں۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے ۳۶۵ سال زندگی بسر کی۔ "المطلع" میں ہے کہ ادریس کو سریانی میں خنوخ کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی بہت زیادہ عبادت کرنے والا ہے۔ ادریس اعجمی اور غیر منصرف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ الدرس یا الدراسۃ سے مشتق ہے کیونکہ وہ بہت زیادہ کتابیں پڑھتے تھے۔ انہیں حضرت آدم اور حضرت شیث علیہما السلام کے صحیفے یاد تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ۵۱ جبکہ حضرت شیث علیہ السلام پر ۲۰ صحیفے نازل ہوئے۔ ان پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔ وہ سب کو یاد کرتے اور پڑھتے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے سیاہ اور سب سے پہلے علم ہیئت کے بارے خبر دی۔ حساب اور ستاروں کے بارے تائید سماوی سے بتایا۔ رب تعالیٰ نے انہیں ان کی دعا کی وجہ سے اٹھالیا تھا۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی اتنی عبادت کی حتیٰ کہ ملائکہ نے ان کی رفاقت کی تمنا کی۔

یَرْد

ابن ہشام نے التیجان میں لکھا ہے کہ تورات میں ان کا نام یارد ہے یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا معنی "ضابط" ہے۔ انجیل میں ان کا نام یَرْد ہے۔ عربی میں اس کا معنی "ضبط" ہے وہ رب تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے تھے۔ انہوں نے ۹۶۲ سال عمر پائی۔ یہ اپنے والد کے وصی تھے۔ ابن حبیب نے ان کی عمر ۸۹۵ سال لکھی ہے۔

مھلائیل

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ اس کا معنی الممدح ہے۔ التیجان میں ہے کہ یہ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق زمین کے نگران بنے۔ انجیل میں ان کا نام مھلائیل ہے جس کا معنی "یسبح اللہ" ہے۔ انہوں نے ۲۲۰ سال کی عمر میں

وصال کیا۔ امام سہیلی نے لکھا ہے "ان کے زمانہ میں بتوں کی عبادت شروع ہوئی۔"

قینن

یہ جعفر کے وزن پر ہے۔ اسے قینان بھی پڑھا گیا ہے۔ "التیجان" میں ہے کہ قینان عبرانی زبان کا لفظ ہے عربی میں اسے "مستوی" کہتے ہیں۔ انجیل میں ان کا نام قاینان ہے۔ عربی میں اس کا معنی عیسیٰ ہے۔ یہ اپنے باپ کے وصی تھے۔ ان کے جانشین تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حق قائم کیا۔ انہوں نے ۱۲۰ سال عمر گزاری۔ "النور" میں ہے میرے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ انہوں نے ہی انطاکیہ کا شہر بسایا تھا۔

یانش

التیجان میں ہے کہ سریانی میں اسے انوش کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کا معنی صادق ہے۔ یہی زمین میں رب تعالیٰ کے امر کے والی تھے۔ وہ رب تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا رہے۔ حتیٰ کہ ان کی عمر ۹۵۰ سال ہوگئی۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے کھجور لگائی۔ خانہ کعبہ کے دروازے لگائے۔ دانہ کاشت کیا۔ ابو العباس احمد بن قاضی نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے دانہ کاشت کیا وہ کاشتکاری کرتے تھے۔ جوانی نے لکھا ہے کہ ان کی والدہ کا نام لبود بنت آدم تھا۔

صیث

اسے شیث اور شیاث بھی پڑھا گیا ہے۔ اسے منصرف اور غیر منصرف بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کا معنی ھبۃ اللہ یا عطیۃ اللہ ہے۔ ابن ہشام نے کہا کہ اس کا معنی نُصب ہے کیونکہ ان پر اور ان کی اولاد پر دینا نصب کی گئی۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد میں سے باجمال، افضل تھے یہ حضرت آدم کے مشابہ تھے۔ ان کو سب سے پیارے تھے۔ یہ اپنے والد گرامی کے وصی اور ولی عہد تھے۔ یہ سارے انسانوں کے باپ ہیں۔ سارے انسانوں کے نسب ان تک جاتے ہیں انہوں نے زندگی کے ۹۱۲ سال گزارے۔

آدم

ان کی کنیت ابو البشر، آدم اور خلیفہ ہے۔ آدم سریانی زبان کا لفظ ہے۔ اہلِ کتاب انہیں آدام کہتے ہیں علم اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔ علامہ ثعلبی نے لکھا ہے عبرانی میں مٹی کو آدام کہا جاتا ہے۔ اسی لیے انہیں آدم کہا جانے لگا۔ علامہ جوھری اور جوالیقی نے لکھا ہے کہ یہ عربی زبان کا اسم ہے۔ اس کے مادہ اشتقاق میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا

ہے کہ یہ الادمۃ سے افعل کے وزن پر ہے۔ بعض نے کہا ہے الادیم سے افعل کے وزن پر ہے کیونکہ انہیں سطح زمین سے بنایا گیا۔

ابن سعد، عبد بن حمید، ابن جریر نے حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ آدم کو آدم کیوں کہا جاتا ہے؟ کیونکہ انہیں سطح زمین سے بنایا گیا۔ انہوں نے کہا ہے کہ اعیَن کی مانند ہے۔ وزن اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ''اَدَمْتُ بَیْنَ الشیئین'' سے مشتق ہے۔ جب میں دو چیزوں میں مل جاؤں کیونکہ وہ پانی اور مٹی سے تخلیق کے گئے۔ قاسم بن محمد نے الدلائل میں لکھا ہے کہ اگر یہ ادیم الارض سے مشتق ہو تو یہ فاعل کے وزن پر ہے۔ اس میں ہمزہ اصلی ہوگا۔ یہ الادمۃ سے افعل کے وزن پر ہے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے۔ ''یہ قول درست نہیں کیونکہ کوئی ممانعت نہیں کہ یہ الادیم سے مشتق ہو۔ یہ افعل کے وزن پر ہو۔ ہمزہ زائدہ ہمزہ اصلیہ پر داخل ہو گیا ہو۔'' خلیفہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (البقرۃ:۳۰)

ترجمہ: ''بیشک میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔''

خلیفہ وہ ہوتا ہے جو اپنے سے پہلے کا جانشین ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس قوم کے بعد آئے جنہیں ''الجان'' کہا جاتا تھا۔ یا اس لیے کہ وہ آسمانی ملائکہ کے جانشین بنے۔ ''البشر'' انہیں رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ (ص:۷۱)

ترجمہ: ''میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کیچڑ سے۔''

دوسرا قول یہ ہے کہ بڑے بڑے امور سرانجام دینے کی وجہ سے انہیں بشر کہا جاتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان کے چہرے کی بشاشت کی وجہ سے انہیں بشر کہا جاتا ہے۔ انہیں الانسان رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْــًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ (الدھر:۱)

ترجمہ: ''بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایسا وقت جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔''

اپنی جنس سے انس کی وجہ سے انہیں انسان کہا جاتا ہے۔ انسان وہ ہوتا ہے جس میں دو چیزیں پائی جائیں۔ وہ دوسرے سے پیار کرے دوسرا اس سے پیار کرے۔ بعض نے اسے النوس سے مشتق مانا۔ حرکۃ کو النوس کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اپنی کوشش میں بہت زیادہ حرکت کرتا ہے۔ یا اسے الایناس کی وجہ سے الانسان کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی دیکھنا ہے کیونکہ یہ اپنی بصارت اور بصیرت سے ادراک کر لیتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے مختلف آیات طیبات ہیں۔ کسی جگہ فرمایا:

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ۔ (آل عمران:۵۹)

کسی جگہ فرمایا:

مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ۔ (الصّٰفّٰت:۱۱)

ترجمہ: "لیسدار کیچڑ سے بنایا اسے مٹی سے۔"

کسی جگہ فرمایا:

مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ (الحجر:۲۶)

ترجمہ: "کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارہ تھی۔"

کسی جگہ فرمایا:

مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ (الرحمٰن:۱۴)

ترجمہ: "بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند۔"

علماء کرام نے لکھا ہے "یہ ساری آیات ایک اصل کی طرف لوٹتی ہیں۔ ان سے مراد وہ مٹی ہے جس کی اصل طین ہے۔ رب تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ جب اس نے انہیں مٹی سے تخلیق کیا تو انہیں طین بنایا پھر حماً مسنون بنایا پھر صلصالا کالفخار بنایا۔ امام ثعلبی نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان جو اس نے ابلیس کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ (ص:۷۶)

ترجمہ: "تو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔"

اس کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ رب کے دشمن نے آگ کو مٹی پر فضیلت دینے میں غلطی کی۔ کیونکہ مٹی کئی اعتبار سے آگ سے افضل ہے۔

◆ ۱ مٹی کے خواص میں سے سکون، وقار، حلم، عاجزی، حیاء اور صبر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اور عاجزی کا یہی سبب تھا۔ رب تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔ انہیں چن لیا۔ جبکہ آگ کے خواص میں خفت، طیش، حدت، ارتفاع اور اضطراب ہے۔ یہ امور ابلیس کے تکبر کا سبب بنے۔ اسے لعنت اور ہلاکت کا سبب بنا دیا۔

◆ ۲ جنت کی مٹی مشک کی ہے۔ اس میں آگ نہیں ہے۔

◆ ۳ آگ عذاب کا سبب ہے لیکن مٹی اس کے برعکس ہے۔

◆ ۴ مٹی مختلف امور کو جمع کرنے کا سبب ہے جبکہ آگ مختلف امور کو متفرق کر دیتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "حضرت آدم علیہ السلام کو روزِ جمعۃ المبارک کو تخلیق کیا گیا۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کئی امور میں فضیلت عطا فرمائی ہے۔

1. انہیں اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا۔
2. انہیں ملائکہ سے سجدہ کرایا۔
3. انہیں اپنی جنت میں سکونت دی۔
4. انہیں چن لیا۔
5. ان کی اولاد کی تکریم کی۔
6. انہیں سارے اسماء کی تعلیم دی۔
7. انہیں پہلا نبی بنایا۔
8. وہ علم سکھایا جسے ملائکہ بھی نہیں جانتے تھے۔
9. ان کی نسل سے انبیاء اور مرسلین پیدا فرمائے۔ صدیقین اور اولیاء پیدا فرمائے۔"

تاریخ کی کتب میں ہے کہ انہوں نے ایک ہزار سال زندگی پائی۔

❁❁❁

پانچواں باب

"انا ابن العواتك والفواطم" کا مفہوم

سعید بن منصور، الطبرانی، ابن عساکر نے ثقہ راویوں سے روایت کی ہے۔ اس روایت کو حافظ، ناقد ضیاء الدین مقدسی نے صحیح کہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں سلیم میں سے عواتک کا فرزند ہوں۔" ابن عساکر نے حضرت قتادہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے کسی غزوہ میں فرمایا: "انا النبی لا کذب، انا عبد المطلب، انا ابن العواتك۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھوڑا دوڑایا۔ آپ کا گھوڑا آگے نکل گیا آپ نے فرمایا: "میں عواتک کا فرزند ہوں۔ یہ گھوڑا گویا کہ سمندر ہے۔" ابن عساکر نے روایت کیا یہ کہ احد کے روز حضور ﷺ نے فرمایا تھا: "میں فواطم کا فرزند ہوں۔"

القاموس میں ہے "عتک یعتِک" کا معنی جنگ میں پلٹ کر حملہ کرنا ہے اور "عتکت المرأة" سے مراد یہ ہے کہ عورت کا شرافت اور سرداری میں بلند منصب ہونا ہے۔ کریم اور خالص کو عاتک کہا جاتا ہے۔ عاتکہ اس کھجور کو بھی کہا جاتا ہے۔ جس کا گابھا لگایا جائے۔ خوشبودار عورت کو بھی عاتکہ کہا جاتا ہے۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ لغت میں عاتکہ کا معنی طاہرہ ہے۔ صحاح اور قاموس میں ہے کہ حضور ﷺ کی جدات میں سے نو عواتک ہیں۔ تین بنو سلیم میں سے ہیں۔ عاتکہ بنت ہلال، ہاشم کے دادا کی والدہ۔ عاتکہ بنت مرہ۔ ہاشم کی والدہ، عاتکہ بنت الاوقص۔ ام وھب ام عبد مناف بن زھرۃ۔ یہ حضور ﷺ کے نانا کی والدہ تھی۔ حضور ﷺ کے ننھال کی ساری عواتک بنو سلیم کے علاوہ ہیں۔ "نہایہ" میں ہے کہ بنو سلیم کی عواتک تین ہیں۔ لیکن انہوں نے لکھا ہے عاتکہ بنت ہلال عبد مناف ابو قصی کی والدہ تھیں۔ صحاح اور قاموس میں ہے قصی والد عبد مناف کی والدہ عاتکہ ہوگی۔ ہر حال میں کہا گیا ہے کہ ام قصی اور ان کے بیٹے عبد مناف دونوں کی مائیں عاتکہ تھیں۔ یا تو ان میں سے ہر ایک کا نام عاتکہ تھا۔ یا ایک کا نام اور دوسری کا لقب تھا۔

"نہایہ" میں ہے عواتک میں سے پہلی دوسری کی پھوپھی اور تیسری کی پھوپھی ہے۔ ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ آپ کی جدات میں سے چودہ عواتک تھیں۔ تین قریشی، چار سلیمات، دو عدوانیہ، ھذلیہ، قحطانیہ، ثقفیہ، اسدیہ، خزیمیہ،

قضاعیۃ۔ ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ آپ کی جدات میں سے فواطم دس ہیں۔ عواتک اور فواطم کے آباء میں اختلاف کی وجہ سے میں ان کا تذکرہ نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی ساری جدات پاکیزہ تھیں۔ ان کے زیادہ شرف یا شہرت کی وجہ سے عواتک اور فواطم کو مختص کیا گیا۔

امام حلیمی نے لکھا ہے کہ اس نے ان پر فخر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ مذکورہ خواتین کے مراتب اور مقامات سے آگاہ کرنا مقصود تھا۔ جس طرح کہ ایک شخص کہے "میرے والد فقیہ تھے۔" اس کا ارادہ فخر کرنے کا نہیں بلکہ وہ دوسروں کو چھوڑ کر اس کی تعریف کرنا چاہتا ہے۔ شاید آپ کا ارادہ ہو کہ آپ اس نعمت کا شکر ادا کریں جو رب تعالیٰ نے آپ پر آپ کے آباء اور جدات پر کی ہے۔ اس میں فخر نامی چیز نہیں ہے۔

❁❁❁

میلاد پاک

پہلا باب

بنو زھرہ میں حضرت عبداللہ کا نکاح کرنے کا سبب

ابن سعد، ابن البرقی، الطبرانی، حاکم اور ابونعیم نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: "ہم ایک سفر میں یمن گئے۔ میں یہود کے ایک عالم کے پاس ٹھہرا۔ مجھے اہل کتاب میں سے ایک شخص نے کہا: "آپ کا تعلق کس قبیلہ کے ساتھ ہے؟" میں نے کہا: "قریش کے ساتھ۔" اس نے پوچھا: "کس خاندان سے ہو؟" میں نے کہا: "بنو ہاشم سے۔" اس نے کہا: "کیا میں آپ کے بعض اعضاء کو دیکھ لوں۔" میں نے کہا: "ہاں! شرم گاہ کے علاوہ۔" اس نے میری ناک کی ایک طرف پھر دوسری طرف دیکھا۔ اس نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کی ناک کے ایک طرف سلطنت دوسری طرف نبوت ہے۔ ہم یہ سب بنو زہرہ میں پاتے ہیں۔ کیا جانتے ہو کیسے؟" میں نے کہا: "نہیں۔" اس نے کہا: "کیا بنو زہرہ میں سے تمہاری بیوی ہے؟" میں نے کہا: "نہیں۔" اس نے کہا: "واپس جا کر بنو زہرہ میں نکاح کر لو۔" حضرت عبدالمطلب مکہ لوٹے تو ہالہ بنت اھیب سے خود نکاح کر لیا اور اپنے نورِ نظر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت آمنہ بنت وھب سے کر دیا۔ ان کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ قریش نے کہا: "حضرت عبداللہ اپنے والد پر فتح پا گئے ہیں۔"

امام بیہقی اور ابونعیم نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بہت حسین اور خوبصورت تھے۔ ایک دن وہ قریش کی عورتوں کی طرف گئے ان میں سے ایک عورت نے کہا: "کون ہے جو اس نوجوان سے نکاح کرلے اور اس نور مبارک کی امین بن جائے جو اس کی آنکھوں کے مابین ہے۔ میں اس کی آنکھوں کے مابین نور دیکھ رہی ہوں۔" حضرت آمنہ بنت وھب نے ان سے نکاح کر لیا۔ زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ سودہ بنت زہرہ کاہنہ تھی۔ اس نے ایک دن بنو زھرہ سے کہا: "تم میں سے یا تو کوئی نذیرہ ہے یا نذیر کو جنم دے گی۔ اپنی اپنی بیٹیاں مجھے پیش کرو۔" لوگوں نے اپنی اپنی بیٹیاں پیش کیں۔ اس نے ہر ایک کے بارے وہ بات کی جو بعد میں سچ ثابت ہوئی۔ جب حضرت آمنہ بنت وھب کو اسے پیش کیا گیا تو اس نے کہا: "یہ نذیرہ ہے یا نذیر کو جنم دے گی۔ ان کی شان و شوکت عظیم ہوگی۔" جب اس سے جہنم کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ کہتا: "عنقریب نذیر تمہیں اس کے متعلق بتائے گا۔"

❁❁❁

دوسرا باب

حمل مبارک اور اس کی برکات

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جناب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے نورِ نظر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا۔ انہیں لے کر بنو اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس سے گزرے۔ جب اس عورت نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ کی طرف دیکھا تو اس نے کہا: "عبداللہ! کہاں جا رہے ہو۔" انہوں نے کہا: "اپنے والدِ گرامی کے ساتھ۔" اس عورت نے کہا: "اگر تم اسی وقت مجھ سے مباشرت کر لو تو میں وہ سو اونٹ دینے کے لیے تیار ہوں جو تمہاری طرف سے ذبح کیے گئے ہیں۔" انہوں نے فرمایا: "میں اپنے والد گرامی کے ساتھ ہوں میں نہ ان سے مخالفت کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں اور نہ ہی فراق کی۔ میں ذرا بھر بھی ان کی نافرمانی نہیں کرنا چاہتا۔" حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو وھب بن مناف کے پاس لے گئے۔ وہ بنو زہرہ کے سردار تھے۔ نسب اور شرف میں سب سے بلند تھے۔ حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ وہ اس وقت نسب اور قدر میں قریش کی ساری عورتوں سے افضل تھیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے وظیفۂ زوجیت ادا کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے صدفِ شکم میں چلا گیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اس عورت کے پاس سے گزرے جس نے اس وقت بات کی تھی مگر اب اس نے کچھ نہ کہا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ: آج تجھے کیا ہو گیا ہے کہ آج تو مجھے اپنا آپ اس طرح پیش نہیں کر رہی جس طرح کل پیش کیا تھا۔ اس نے کہا: "وہ مبارک نور جو کل آپ کے پاس تھا آج آپ سے جدا ہو گیا ہے۔ آج مجھے آپ کی ضرورت نہیں۔" یہ عورت اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے سنتی تھی۔ ورقہ نے جاہلیت میں عیسائیت اختیار کر لی تھی اور کتب کی اتباع کر لی تھی۔ وہ کہتے تھے: "اولاد اسماعیل میں سے اس امت میں ایک نبی تشریف لائیں گے۔" اس عورت کا نام ام قتال تھا۔ اس نے یہ اشعار بھی کہے:

الآن و قد ضیعت ما کنت قادرا علیه قد فارقك النور الذی جاء نی بك

ترجمہ: "اب میرے پاس آئے ہیں جبکہ آپ سے وہ چیز جا چکی ہے، جس پر آپ قادر تھے۔ آپ سے وہ نور جدا ہو چکا ہے جسے اس وقت آپ میرے پاس لے کر آئے تھے۔"

غدوت علینا حافلا فلا قد بذلته هناك لغیر فالحقن بشانك

ترجمہ: "کل آپ ہمارے پاس آئے تو آپ کے پاس وہ نور تھا۔ اب آپ وہ نورمبارک میرے علاوہ کسی اور کو دے چکے ہیں اب آپ اپنا کام کریں۔"

ولا تحبنی الیوم خِلّوا ولیتنی   اصبتُ جنینًا منك یا عبد ارك

ترجمہ: "مجھے آج فارغ البال نہ سمجھو۔ اے عبداللہ! کاش میں آپ کے نورمبارک کی امین بن سکتی۔"

ولکن ذاکم صار فی ال زھرۃ   بہ یدعم اللہ البریۃ ناسك

ترجمہ: "لیکن اس نورِمبارک کی امین تو حضرت آمنہ بن چکی ہیں۔ اس نورِمبارک کے ذریعے رب تعالیٰ مخلوق کے اخلاق درست فرمائے گا۔"

اس نے یہ اشعار بھی کہے:

علیك بآل زھرۃ حیث کانوا   و آمِنۃً الّتی حملت غلاما

ترجمہ: "آپ کی آل زہرہ کے پاس چلے جائیں جہاں پہلے تھے۔ اور حضرت آمنہ کے پاس تشریف لے چلیں جو اس من موہنے بچے سے حاملہ ہیں۔"

تری المھدی حین تری علیھا   و نورا قد تقدمہ اماماً

ترجمہ: "آپ نے انہیں دیکھا تو آپ نے ان سے وظیفہ زوجیت ادا کرلیا۔ آپ نے نور دیکھا جو فوقیت لے گیا تھا۔"

فکل الخلق یرجوہ جمیعًا   یسود الناس مھتد یا امامًا

ترجمہ: "ساری مخلوق اس کی امید رکھتی تھی۔ وہ ہدایت یافتہ اور امام بن کر لوگوں کے سردار بنیں گے۔"

براۃ اللہ من نور صفاءً   فاذھب نورہ عنا ظلاما

ترجمہ: "رب تعالیٰ نے انہیں اس نور سے پاکیزگی عطا فرمائی۔ ان کے نورمبارک نے ہم سے تاریکیاں ختم کر دیں۔"

فیھدی اھل مکۃ بعد کفر   و یفرض بعد ذالکم الصیاما

ترجمہ: "اہلِ مکہ کو کفر کے بعد ہدایت نصیب ہوگی۔ اس کے بعد وہ تم پر روزے فرض کرے گا۔"

ابونعیم، خرائطی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے نورِ نظر کو لے کر نکلے تاکہ ان کا نکاح کریں۔ تو وہ اہلِ قبالہ کی ایک کاہنہ عورت کے پاس سے گزرے۔ اس نے کتب پڑھ رکھی تھیں۔ اس کا نام فاطمہ بنت مرخشعمیہ تھا۔ اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر نورِ نبوت دیکھ لیا۔ اس نے کہا: "اے نوجوان! کیا اسی وقت مجھ سے مباشرت کرتے ہو؟ میں تمہیں سو اونٹ دوں گی۔" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اما حرام فالحمام دونه — والحل لاحل فاستبينه

فكيف بالامر الذى تبغينه — يحمي الكريم عرضه و دينه

ترجمہ: "رہا حرام تو موت حرام سے بہتر ہے۔ حلال تو مجھے اس میں واضح نظر نہیں آ رہا۔ جو کچھ تم چاہتی ہو میں اسے کیسے پورا کر سکتا ہوں۔ کریم شخص اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرتا ہے۔"

پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد کے ساتھ چلے گئے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا۔ تین روز تک وہیں قیام کیا پھر اس عورت کے پاس سے گزرے تو اس نے انہیں کچھ نہ کہا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: "تو آج مجھے اپنا آپ اس طرح پیش کیوں نہیں کر رہی جس طرح کل پیش کیا تھا۔" عورت: "تم کون ہو؟" عبداللہ: "میں فلاں ہوں۔" عورت: "تم وہ نہیں ہو۔ اگر تم وہی ہوتے تو میں تمہاری آنکھوں کے مابین نور دیکھتی۔ مجھے اب وہ نور نظر نہیں آ رہا۔ میرے بعد تم نے کیا کیا ہے؟" حضرت عبداللہ نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ عورت: "میں مشکوک کردار والی عورت نہیں ہوں۔ میں نے تمہارے چہرے میں نور دیکھا۔ میں اسے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ مگر رب تعالیٰ نے انکار کر دیا۔ مگر اسی جگہ جہاں اس کی منشاء تھی۔ تم چلے جاؤ۔ اپنی زوجہ محترمہ کو بتا دو کہ ان کے شکمِ اطہر میں روئے زمین کی بہترین ذات جلوہ گر ہو چکی ہے۔" پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

انى رائيت مخيلة لمعت — فتلالأت بحناتم القطر

فلمائها نور يضئ له — ما حوله كاضاءة البدر

و رجوتها فخرا ابوءبه — ما كل قادح زنده يورى

انه ما زهريه سلبت — ثوبيك ما استلبت وما تدرى

ترجمہ: "میں نے پانی سے لبریز بادل دیکھا وہ چمکا اور بارش سے بھرپور ہونے کی وجہ سے روشن ہوا۔ میں نے ایسا نور دیکھا جس نے اپنے اردگرد کو منور کر دیا۔ جس طرح چودھویں کا چاند روشن کرتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس شرف و قدر کو لوٹا دیا گیا ہے۔ ہر چقماق مارنے والے کی آگ روشن نہیں ہوتی۔ بخدا! تمہارے پاس جو امانت تھی وہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے لے لی ہے اور تمہیں علم تک نہیں۔"

اس نے یہ اشعار بھی کہے تھے:

بنى هاشم قد غادرت من اخيكم — امينة از للباه يعتلجان

كما غادرا المصباح بعد خبوه — فتائل قد ميثت له بدهانِ

وما كل ما يحوى الفتى من تلاده — بحزم ولا ما فاته بتوانى

فاجمل اذا طالبت امرا فانه — سيكفيكه جدان يصطرعانِ

سیکفیکہٗ اما ید مقفعلة اما ید مسبوطة ببنانٖ
ولما قضت منه امینة ما قضت بنا بصری عنه و کل لسانی

ابن سعد نے یزید بن عبداللہ سے اور امام بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم سنا کرتے تھے کہ جب حضرت آمنہ کے شکم اقدس میں حضور اکرم ﷺ کا نور مبارک جلوہ گر ہوا تو وہ فرماتی تھیں" مجھے احساس بھی نہ ہوا کہ میں آپ سے حاملہ ہوں۔ نہ ہی مجھے اس طرح کا بوجھ محسوس ہوا جس طرح کا بوجھ خواتین محسوس کرتی ہیں۔ سوائے اس کے کہ میری ماہواری رک گئی تھی۔ میں نیند اور بیداری کے مابین تھی۔ ایک آنے والا میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے بتایا: "کیا آپ کو علم ہے کہ آپ حاملہ ہیں؟" میں نے کہا: "میں نہیں جانتی۔" اس نے کہا: "آپ اس امت کے سردار سے حاملہ ہیں۔ وہ اس امت کے نبی ہیں۔ وہ جب دنیا میں جلوہ گر ہوں گے تو پیر کا دن ہوگا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ ان کے ساتھ ایک نور نکلے گا جو سرزمین شام میں بصری کے محلات کو بھر دے گا۔ جب وہ اس دنیا میں تشریف لے آئیں تو ان کا نام نامی محمد ﷺ رکھنا۔" حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ میں حاملہ ہوں پھر کچھ مدت وہ میرے پاس نہ آیا۔ جب ولادت کا وقت قریب آیا تو اس نے مجھے کہا: "یوں کہو:

اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد

ترجمہ: "میں اسے خدائے یکتا کی پناہ میں دیتی ہوں۔ ہر حسد کرنے والے کے شر سے۔"

میں یہ پڑھتی تھی۔ میں نے یہ واقعہ اپنی عورتوں سے کہا تو انہوں نے کہا: "اپنی کلائیوں اور گردن میں لوہا پہن لو۔" میں نے اسی طرح کیا۔ میں نے کچھ دن بعد دیکھا کہ وہ لوہا کٹ کر گر چکا تھا۔ پھر میں نے اسے نہیں لٹکایا۔

ایک شاعر نے لکھا ہے:

حملته آمنة و قد شرفت بهٖ و تباشرت کل الانام بقربهٖ

ترجمہ: "حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا آپ سے حاملہ ہوئیں۔ وہ اس شرف سے مشرف ہوئیں۔ سارے لوگوں نے آپ کے قرب کی بشارت دی۔"

حملا خفیفا لم تجد الما بهٖ و تباشرت وحش الفلا فرحا بهٖ

ترجمہ: "یہ ہلکا سا حمل تھا انہوں نے اس کا درد محسوس نہ کیا۔ جنگل کے جانوروں نے اس سے خوش ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو بشارات دیں۔"

واستبشرت من نور منّ و کیف لا وهو الغیاث و رحمة من ربهٖ

ترجمہ: "وہ اپنے نور سے خوش ہو گئے۔ یہ کیسے نہ ہوتا آپ غیاث ہیں اور اپنے رب کی طرف سے رحمت ہیں۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان "میں نے حمل کا بوجھ محسوس نہ کیا" الزہر مین شداد کی روایت اس کے برعکس ہے۔

ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ ابتدائے حمل میں ثقل تھا۔ لیکن بعد میں ہلکا پن محسوس ہونے لگا۔ تاکہ معمول سے خارج ہو جائے۔ الحافظ ابونعیم نے یہ بات وضاحت سے لکھی ہے۔

حضرت بریدہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضرت آمنہ نے اس وقت خواب دیکھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صدف شکم میں تھے۔ انہیں کہا گیا: ''آپ کے پیٹ مبارک میں سید المرسلین ہیں، سارے جہانوں سے بہترین ہیں۔ جب ان کی ولادت ہو تو ان کا نام نامی احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھنا اور ان کی گردن مبارک میں یہ لٹکا دینا۔'' جب میں بیدار ہوئی تو میرے پاس ایک کاغذ پڑا تھا جس پر یہ لکھا ہوا تھا:

اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد

ترجمہ: ''میں اسے خدائے یکتا کی پناہ میں دیتی ہوں۔ ہر حاسد کے شر سے۔''

کل خلق زائد من قائم او قاصد

ترجمہ: ''میں کھڑے ہونے والے اور پیغام لانے والے مخلوق میں سے زائد کے شر سے۔''

عن السبیل حائد علی الفساد جاھد

ترجمہ: ''راہِ راست سے ہٹنے والے کے شر سے۔ فساد کے لیے کوشش کرنے والے کے شر سے۔''

من نافث او عاقد و کل خلق مارد

ترجمہ: ''پھونک مارنے والے اور گرہ لگانے والے اور ہر سرکش مخلوق کے شر سے۔''

یا خذہ بالمراصد فی طرق الموارد

ترجمہ: ''وہ انہیں کمین گاہوں سے پکڑ لیتا ہے سارے گھاٹوں کے رستوں سے۔''

برتر اور عظیم رب تعالیٰ نے آپ کو ہر چیز سے محفوظ رکھا۔ اپنے ید علیا آپ کے اوپر رکھا۔ ایسی پناہ دی جسے دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ رب تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر تھا۔ وہ آپ کو نقصان نہیں دے سکتے تھے۔ نہ ہی آپ کو بیٹھنے میں، سونے میں، جاگنے یا اٹھنے میں نقصان پہنچا سکتے تھے۔ نہ رات کی ابتدا میں نہ دن کے آخر میں نقصان دے سکتے تھے۔

امام بیہقی نے حضرت ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ انہوں نے فرمایا: ''جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امی جان کے بطن اقدس میں تھے تو انہیں خواب آیا کہ آپ اس کا نام ''احمد'' رکھیں۔''

امام حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! ہمیں اپنے بارے بتائیں۔'' آپ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ جب میری والدہ ماجدہ مجھ سے حاملہ ہوئیں تو انہوں نے دیکھا کہ گویا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے۔ جس سے سرزمین شام میں ان کے لیے بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔''

ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "جب آپ میرے پیٹ مبارک میں جلوہ نما ہوئے تو میں نے کسی قسم کا بوجھ محسوس نہ کیا حتیٰ کہ دنیا میں تشریف لے آئے۔"

حمل مبارک کی ابتدا کب ہوئی؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے ایام تشریق لکھا ہے۔ بعض نے عاشوراء لکھا ہے۔ ابوزکریا یحییٰ بن عائذ نے لکھا ہے "آپ پورے نو ماہ اپنی والدہ ماجدہ کے پیٹ مبارک میں رہے۔ آپ کو درد یا ہوا وغیرہ کی کوئی تکلیف نہ ہوئی تھی۔ جیسا کہ حاملہ خواتین محسوس کرتی ہیں۔"

تنبیہ

الحافظ ابوالفضل عراقی نے لکھا ہے کہ عنقریب تذکرہ آئے گا کہ حضرت آمنہ نے اس وقت بھی نور دیکھا تھا جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ یہ روایت بہتر ہے کیونکہ اس کے طرق متصل ہیں ممکن ہے کہ آپ سے نور دو بار نکلا ہو۔ ایک دفعہ حمل کے وقت دوسری بار ولادت کے وقت۔ اس میں کوئی ممانعت بھی نہیں۔ اسی طرح دونوں احادیث میں تعارض بھی ختم ہو جائے گا۔" الشیخ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "حمل کے وقت نور خواب میں جبکہ ولادت کے وقت عالم بیداری میں دیکھا تھا۔"

❁❁❁

https://archive.org/details/@awais_sultan

تیسرا باب

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابھی تک حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن اقدس میں ہی تھے کہ آپ کے والد ماجد کا وصال ہو گیا۔ ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، بلاذری نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ امام ذھبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مشہور یہی ہے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے۔ بڑے بڑے سیرت نگاروں کا یہی قول ہے۔ امام حاکم نے یہ روایت لکھی ہے۔ اسے صحیح کہا ہے۔ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ مدت حمل دو ماہ ہو چکی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور ﷺ پنگھوڑے میں تھے کہ آپ کے والد ماجد کا وصال ہو گیا۔ ایک قول کے مطابق آپ کی عمر اس وقت دو ماہ یا ۹ ماہ یا اٹھارہ ماہ تھی۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء کا قول یہی ہے۔" میں کہتا ہوں کہ یہ کثیر کا قول تو ہے لیکن اکثر کا قول یہ نہیں۔"

ابن سعد نے محمد بن کعب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ شام کی طرف قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ گئے۔ جب وہ اپنی تجارت سے فارغ ہوئے اور واپس لوٹے۔ مدینہ طیبہ سے گزرے تو حضرت عبداللہ علیل ہو گئے۔ انہوں نے کہا: "میں اپنے ننھال بنو عدی بن نجار کے ہاں ٹھہر جاتا ہوں۔" وہ وہاں ایک ماہ تک بیمار رہے۔ ان کے ساتھی مکہ مکرمہ آ گئے۔ حضرت عبدالمطلب اپنے لخت جگر کے بارے پوچھا۔ انہوں نے کہا: "وہ بیمار ہیں اور اپنے ننھال بنو عدی کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔" حضرت عبدالمطلب نے اپنے بڑے لخت جگر حارث کو بھیجا۔ انہوں نے پایا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو چکا ہے۔ انہیں دار النابغہ میں دفن کیا جا چکا ہے۔ حارث نے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بتایا جسے سن کر انہیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چچاؤں، بھائیوں اور بہنوں کو بہت صدمہ ہوا۔ اس وقت حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن اقدس میں تھے۔ اس وقت حضرت عبداللہ کی عمر ۲۵ برس تھی۔

امام واقدی نے لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ کے وصال اور عمر کے بارے یہ روایت سب سے صحیح ہے۔ علامہ علائی اور ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس وقت عمر مبارک ۱۸ سال تھی۔ امام واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ نے حضرت آمنہ کے علاوہ اور انہوں نے حضرت عبداللہ کے علاوہ کسی سے نکاح نہ کیا۔

اخذ الا لہ ابا الرسول و لم یزل   برسولہ الفرد الیتیم رحیما

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے والد ماجد پر وفات طاری فرما دی۔ وہ اپنے یکتا اور منفرد رسول مکرم ﷺ پر رحیم رہا۔"

نفسي الفداءُ بفردٍ في يتمه والدرّ احسن ما يكون يتيما

ترجمہ: "میرا نفس اس ذات والا پر فدا جو اپنے یتیم ہونے میں منفرد تھے۔ در اگر در یتیم ہو تو وہ بہت خوبصورت ہوتا ہے۔"

ابوحیان نے بحر میں حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اس لیے یتیم ہو گئے تھے تا کہ مخلوق میں سے کسی کا حق آپ پر نہ ہو۔

ابن معاد نے کشف الاسرار میں لکھا ہے" آپ اس لیے یتیم ہو گئے کیونکہ ہر کبیر کی بنیاد صغیر ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ جب آپ اپنی عمر کی ابتدا میں بلند درجات پر فائز ہوں تو آپ کو علم ہو جائے کہ معز ز وہ ہوتا ہے جسے رب تعالیٰ عزت عطا فرمائے۔ آپ کی قوت رب تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ نیز آپ غریبوں اور یتیموں پر رحم کریں۔

حضرت آمنہ نے اپنے خاوند محترم کا مرثیہ لکھا۔ اسے ابن اسحاق نے المبداء میں اور ابن سعد نے الطبقات میں لکھا ہے:

عفا جانب البطحاء من ابن هاشم و جاور لحدا خارجا في الغمائم

ترجمہ: "بطحاء کی ایک طرف حضرت ہاشم کے فرزند کو موت نے سلا دیا ہے۔ وہ مختلف پردوں میں لپٹا ہوا ہے مکہ مکرمہ سے باہر قبر کا پڑوسی بن گیا ہے۔

دعته المنايا بغتةً فاجابها وما تركت في الناس مثل ابن هاشم

ترجمہ: "موت نے انہیں اچانک دعوت دی تو انہوں نے وہ دعوت قبول کر لی اور اس نے لوگوں میں ہاشم کے بیٹے کی مانند کسی کو نہیں چھوڑا۔"

عشية راحوا يحملون سريرهٔ يعاوره اصحابه في التزاحمُ

ترجمہ: عشاء کے وقت لوگ اس کی چارپائی کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ اور بھیڑ کی وجہ سے اس کے دوست باری باری کندھا تبدیل کر رہے تھے۔"

فان يك غالته المنايا و ريبها فقد كان معطاء كثير التراحم

ترجمہ: اگرچہ موت اور اس کی مشکلات نے اسے چھین لیا ہے۔ مگر وہ حقیقت میں بہت زیادہ عطا کرنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا تھا۔"

قاسم الوزیری المغربی نے لکھا ہے کہ حضرت آمنہ نے حضرت عبداللہ کا مرثیہ کہتے ہوئے لکھا:

اضحی ابن هاشم فی مهماء مظلمة — فی حفرةٍ بین احجار لدی الحصر

سقی جوانب قبر انت ساکنه — غیث اجمّ الذی ملآن ذو درر

ترجمہ: "حضرت ہاشم کا فرزند تاریک جنگل میں اس قبر میں چلے گئے جوالحصر کے پاس پتھروں کے مابین ہے۔ جس قبر میں آپ جلوہ فرما ہیں اسے ایسا بادل سیراب کرے جو بہتے ہوئے آنسوؤں کے قریب ہو اور موتیوں سے بھرا ہوا ہو۔"

محمد بن عمر اسلمی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ نے ترکہ میں حضرت ام ایمن، پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں چھوڑیں۔

✿✿✿

چوتھا باب

آپ ﷺ کی ولادت کی تاریخ اور جگہ

اس باب کی دو فصلیں ہیں پہلی فصل آپ کی ولادت کے دن، مہینہ اور سال کے بارے ہے۔

صحیح مؤقف یہ ہے کہ آپ پیر کے روز پیدا ہوئے۔ امام احمد، امام مسلم اور امام ابو داؤد نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سے سوموار کے دن کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''میں اس دن پیدا ہوا ہوں۔'' یا فرمایا: ''اس روز مجھ پر وحی کا نزول ہوا ہے۔''

یعقوب بن سفیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے۔ پیر کے روز آپ کے سر پر نبوت کا تاج سجایا گیا۔ پیر کے روز آپ کا وصال ہوا۔ اور پیر کے روز ہی آپ نے حجر اسود اٹھایا۔

ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یہ آیت طیبہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ (المائدہ: ۳)

ترجمہ: ''آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین۔''

بھی پیر کے روز نازل ہوئی۔ غزوۂ بدر بھی پیر کے روز ہوا۔ لیکن عمدہ مؤقف یہ ہے کہ غزوۂ بدر جمعہ کے روز ہوا۔ اور یہ آیت طیبہ جمعۃ المبارک کے دن اتری۔ زبیر بن بکار اور ابن عساکر نے معروف بن خربوذ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''حضور ﷺ بروز پیر طلوع فجر کے وقت رونق افروز ہوئے۔''

الحافظ ابو الفضل عراقی نے لکھا ہے ''صحیح مؤقف یہ ہے کہ آپ دن کے وقت پیدا ہوئے تھے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ دوپہر کے وقت اس دنیا میں رونق افروز ہوئے۔''

علامہ زرکشی نے اس قول کو درست کہا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے:

یا ساعة فتح الهدى ارفادها	لطفا و قد منح الجزا سعادها
لاحت بشهر ربيع الزاكى الذى	فاق الشهور جلالة اذ سادها
حيث النبوة اشرقت بمآثر	كالشهب لا يحصى الورى تعدادها
حيث الامانة والرسالة قد بدت	يعلى لمكة غورها و نجادها

ترجمہ: "اے وہ ساعت! جس میں ہدایت نے اپنے عطیات کے دروازے کھول دیے جب ثواب نے اسے سعادت مندی عطا کی۔ یہ عطیات اس ربیع الاول میں چمکے جو سارے مہینوں سے اس وقت فضیلت پا گیا جب سیادت کا تاج اس کے سر پر سجا دیا گیا۔ نبوت اتنی علامات کے ساتھ واضح ہوئی جتنے آسمان پر ستارے ہوتے ہیں۔ لوگ جن کی تعداد گن نہیں سکتے۔ جب امانت اور رسالت کا اظہار ہوا تو آپ نے مکہ مکرمہ کے نشیب و فراز پر غلبہ پالیا۔"

ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ ستاروں کے قریب ہو جانے کی روایت ضعف ہے۔ کیونکہ اس کا تقاضا ہے کہ آپ کی ولادت رات کے وقت ہو۔ علامہ زرکشی ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ مؤقف درست نہیں۔ کیونکہ نبوت کا زمانہ معجزات کا زمانہ ہوتا ہے۔ ممکن ہے دن کے وقت ستارے گرے ہوں۔ (قریب آئے ہوں)

یا ساعة! نلنا السعادة والهنا — فیها بخیر العالمین محمد

ترجمہ: "وہ مبارک ساعت! جس میں ہم نے سعادت حاصل کی۔ جس میں خیر العالمین محمد عربی ﷺ کی دنیا میں جلوہ نما ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔"

تمت لنا افراحها بظهوره — تکملت فی شهر مولد احمد

ترجمہ: "آپ کے ظہور سے اس کی خوشیاں ہمارے لیے مکمل ہو گئیں۔ حضور ﷺ کے میلاد کے مہینے میں یہ تکمیل پذیر ہو گئیں۔"

ایک اور شاعر نے لکھا ہے:

توالت امور السعادة فی خیر ساعة — بمولد خیر لرسل فی ساعة السعد

فیاطیب اوقاتٍ یا طیب مولدٍ — یا طیب مولود حدی سائر المجد

ترجمہ: "جب حضور ﷺ سعادت کی ساعت میں جلوہ افروز ہوئے تو بہترین گھڑی میں سعادت کے سارے امور لگاتار تھے۔ اے پاکیزہ وقت! اے پاکیزہ شہر! اے وہ پاکیزہ مولود جس نے ساری فضیلتوں کو گھیر لیا تھا۔"

ابن کثیر اور الحافظ نے لکھا ہے کہ جمہور علماء نے لکھا ہے کہ آپ ربیع الاول کے مہینہ میں اس دنیا میں تشریف لائے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ یہی بات معروف ہے۔ بعض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

یقول لنا لسان الحال منه — و قول الحق یعذب للسمیع

فوجهی والزمان و شهر وضعی — ربیع فی ربیع فی ربیع

ترجمہ: "آپ کے بارے حال کی زبان یہی کہتی ہے۔ یہ حق کی بات ہے جو سننے والے کو شیریں لگتی ہے۔

میرا چہرہ انور، میرا زمانہ اور میری ولادت کا مہینہ بہار میں بہار ہے۔"

بعض اہلِ معانی نے لکھا ہے "آپ کی ولادت موسم بہار میں ہوئی۔ اس کے دن اور رات معتدل ہوتے ہیں نہ زیادہ گرمی اور نہ زیادہ سردی ہوتی ہے۔ اس کی ہوا یبوست اور رطوبت کے مابین ہوتی ہے۔ سورج ھبوط اور علو کے مابین ہوتا ہے چاند سفید راتوں کے پہلے درجہ میں ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کی والدہ کا نام آمنہ اور دایا کا نام شفاء رکھا آپ کی پرورش کرنے والی کا نام برکتہ اور نماء تھا آپ کو دودھ پلانے والیوں میں ثواب، حلم اور سعد پایا جاتا ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے آپ بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ اس روایت کو ابن شیبہ نے مصنف میں حضرت جابر اور حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ العرز میں ہے "اس پر عمل ہے، ایک قول یہ ہے کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ ایک قول کے مطابق آٹھ راتیں گزر چکی تھیں۔ اسے ابو عمر نے روایت کیا ہے۔ ابن دحیہ نے اسے ترجیح دی ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ اکثر روایات کا تقاضا یہی ہے۔ ایک روایت میں دس ربیع الاول کا تذکرہ ہے۔ حافظ دمیاطی نے حضرت جعفر صادق سے یہی روایت کیا ہے۔ اور اسے صحیح کہا ہے۔ ایک قول سترہ تاریخ کا ہے۔ ایک قول اٹھارہ تاریخ کا ہے ایک قول یہ ہے کہ آپ یکم ربیع الاول کو طلوع فجر کے وقت پیدا ہوئے۔

ابن اسحاق اور ابونعیم نے مطلب بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ سے روایت کیا ہے وہ اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: "حضور اکرم ﷺ اور میں عام الفیل کو پیدا ہوئے۔"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت قباث سے پوچھا: "قباث! تم بڑے ہو یا حضور ﷺ! انہوں نے کہا "حضور ﷺ مجھ سے بڑے ہیں۔ مگر میری عمر آپ سے زیادہ ہے حضور ﷺ عام الفیل کو پیدا ہوئے تھے۔ میں اپنی امی کے ساتھ ہاتھی کے سبز ٹکڑے پر کھڑا تھا۔

آپ اس واقعہ کے پچاس دن بعد اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ قول مشہور ہے۔ علامہ مسعودی اور امام سہیلی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابوبکر محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے لکھا ہے کہ جب اصحابِ فیل مکہ مکرمہ میں آئے تو محرم کے تیرہ دن باقی تھے۔ بعض نے اس کے ساتھ یہ اضافہ کیا ہے کہ اس روز اتوار تھا۔ اس سال محرم کی یکم روز جمعہ کو تھی۔ ابن سعد، ابن عساکر نے حضرت امام ابوجعفر باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ جب اصحاب فیل مکہ مکرمہ میں آئے تو محرم کا نصف مہینہ گزر چکا تھا۔ حضور ﷺ اس سے ۵۵ راتیں بعد میں پیدا ہوئے تھے۔"

حافظ دمیاطی نے اسی قول کو صحیح لکھا ہے ایک قول چالیس روز بعد کا، ایک قول ایک ماہ چھ دن بعد کا، ایک قول دس سال بعد کا ایک ایک قول تیس سال بعد کا، ایک قول چالیس سال بعد کا اور ایک قول ستر سال بعد کا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ رمضان المبارک کے بارہ دن گزر چکے تھے۔ اصحاب فیل کو ۲۳ سال گزر چکے تھے ایک

قول ہے کہ آپ صفر میں، ایک قول ہے کہ آپ ربیع الآخر میں۔ ایک ہے کہ آپ محرم میں اور ایک قول ہے کہ آپ عاشوراء کے دن پیدا ہوئے۔

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ اس وقت اپریل کے ۲۰ دن گزر چکے تھے۔ امام ذہبی نے لکھا ہے میں نے تاریخ اسلام میں غور و فکر کیا۔ میں نے غور و فکر کیا کہ آپ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور اس دن ۲۰ اپریل ہو لیکن نے یہ حساب درست نہ پایا۔ بیس اپریل اس وقت بنتا ہے جبکہ آپ رمضان المبارک میں پیدا ہوئے ہوں۔ علامہ ابوالحسن الماوردی نے لکھا ہے "ربیع الاول کے مہینہ کے رومی مہینوں میں سے فروری (پانچواں سریانی مہینہ) کے بالمقابل تھا۔ علامہ دمیاطی نے لکھا ہے کہ آپ حمل برج میں پیدا ہوئے۔

ایک قول کے مطابق برج ثور میں پیدا ہوئے۔ اس سے اس احتمال کو تقویت ملتی ہے کہ آپ اپریل کی ابتدا میں پیدا ہوئے ہوں۔ یا آپ آزار میں پیدا ہوئے ہوں۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ آپ منازل میں سے غفر میں پیدا ہوئے۔ انبیاء کرام اسی منزل میں پیدا ہوتے ہیں اسی لیے کہا گیا ہے۔

خیر المنزلتین کانت فی الابد هو ما بین الزبانی والاسد

ترجمہ: "ہمیشہ دو منزلوں میں سے بہترین منزل وہ ہے جو زبانی اور اسد کے مابین ہے۔"

غفر کے ساتھ عقرب (بچھو) کا منہ ملا ہوا ہے۔ عقرب منہ کے ساتھ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کے ساتھ شیر کی دم متصل ہے۔ شیر اپنی دم کے ساتھ کسی کو نقصان نہیں دیتا۔ وہ اپنے پنجوں اور جبڑوں سے نقصان دیتا ہے۔"

ابن دحیہ نے لکھا ہے "میرا خیال ہے کہ امام سہیلی "السنبلہ" کو بھول گئے ہیں اور انہوں نے گمان کیا ہے کہ "سماک" الاسد میں سے ہے۔ حضرت ابوعبداللہ بن الحاج نے "المدخل" میں لکھا ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کرے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ آپ کو ربیع الاول کے مہینہ اور پیر کے دن کے ساتھ مختص کیا گیا۔ صحیح اور اکثر علماء کرام کے نزدیک مشہور روایت یہی ہے۔ آپ رمضان المبارک میں پیدا نہ ہوئے جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا۔ جس میں شب قدر ہے جو کئی فضائل کے ساتھ مختص ہے نہ ہی آپ اشہر حرم میں پیدا ہوئے۔ جن کو رب تعالیٰ نے اس دن سے حرمت والا بنایا ہے جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی تھی۔ نہ ہی آپ شعبان کی ۱۵ تاریخ کو پیدا ہوئے نہ ہی جمعۃ المبارک کے روز یا دن کو پیدا ہوئے تو اس کے چار جواب ہیں۔

① حدیث پاک میں ہے کہ رب تعالیٰ نے درختوں کو پیر کے روز پیدا کیا۔ یہ بہت بڑی تنبیہ ہے وہ یہ کہ قوتوں، رزقوں، پھلوں اور ان ساری بھلائیوں کی تخلیق جن سے بنو آدم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حیات نو پاتے ہیں ان سے دوا بناتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر ان کے سینے کھل اٹھتے ہیں۔ نفوس خوش ہو جاتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر ان کے نفوس مطمئن ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں وہ چیز حاصل ہوتی ہے جس پر ان کی زندگی کا دارومدار ہے جس طرح کہ رب حکیم

کی حکمت کا تقاضا ہے۔ اس ماہِ مبارک اور مبارک دن میں آپ کا وجود آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے کیونکہ اس طرح عظیم بھلائی نصیب ہوئی۔ اور وہ برکت ملی جو ساری امت محمدیہ کو شامل ہے۔

◆ ربیع الاول میں آپ کا ظہور اس شخص کے لیے بہت بڑا اشارہ ہے جو ربیع کے لفظ کے مادۂ اشتقاق کو دیکھے گا۔ اس میں عمدہ فال اور آپ کی امت کے لیے بشارت ہے۔ امام شیخ عبدالرحمن الصقلی نے لکھا ہے "ہر انسان کا اس کے نام میں حصہ ہوتا ہے یہ امر اشیاء اور انسانوں میں مشترک ہے۔ اگر اس طرح ہے تو پھر موسم بہار میں زمین رب تعالیٰ کی نعمتوں کی وجہ سے شق ہو جاتی ہے اس سے وہ رزق نکلتے ہیں جو بندوں کا سہارا بنتے ہیں ان پر ان کی زندگی، معیشت اور احوال کی اصلاح کا دارومدار ہوتا ہے۔ دانہ، گٹھلی، طرح طرح کی نباتات اور قوتیں شق ہو جاتی ہے۔ دیکھنے والے کو یہ منظر دلکش دکھائی دیتا ہے۔ وہ اشیاء زبان حال سے اپنے لگنے کی بشارت دیتی ہیں۔ اس میں رب تعالیٰ کی نعمتوں کی ابتداء کی بہت بڑی بشارت ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اگر تم ان ایام میں باغ میں داخل ہوں۔ اسے دیکھیں تو آپ کو یوں لگے گا گویا کہ وہ آپ کے لیے مسکرا رہا ہے۔ اس کی زیب و زینت تجھے زبان حال سے بتا رہی ہوگی کہ اس میں کون کون سے پھل اور رزق مخفی ہیں۔ اسی طرح زمین کی کیفیت ہوتی ہے۔ جب اس کی کلیاں کھلتی ہیں۔ آپ کی ولادت ربیع الاول میں ہونے میں یہ ساری بشارات ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کا اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ بڑی شان کے مالک ہوں گے۔ آپ عالمین کے لیے رحمت مؤمنین کے لیے بشارت ہوں گے۔ وہ دونوں جہانوں میں ان کی ہلاکتوں اور خوفوں کے لیے پناہ گاہ ہوں گے۔ آپ کی وجہ سے کفار سے بھی عذاب دور ہو جائے گا۔ ارشادِ پاک ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ (الانفال: ۳۳)

ترجمہ: "اور نہیں اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں۔"

اس طرح بہت زیادہ برکات، رزق اور قوتوں کا نزول ہوا۔ سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دی۔

◆ اس موسم کی آپ کی شریعت مطہرہ کے ساتھ مشابہت ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ موسم بہار سارے موسموں سے معتدل ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ حسین ہوتا ہے۔ نہ اس میں سخت سردی اور نہ ہی سخت گرمی ہوتی ہے۔ نہ ہی دن اور راتیں طویل ہوتی ہیں بلکہ سارے امور معتدل ہوتے ہیں۔ یہ موسم بیماریوں اور امراض سے محفوظ ہوتا ہے۔ جن میں انسان موسم خزاں میں مبتلا ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں انسانوں کے قویٰ کو نئی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ مزاج درست ہوتے ہیں۔ سینے کھل اٹھتے ہیں کیونکہ جسم بھی اسی طرح قوت پاتے ہیں جس طرح نباتات باہر نکلتے وقت قوت پاتی ہیں۔ کیونکہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ موسم بہار کے دن روزہ کے لیے اور راتیں نماز

کے لیے عمدہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کی طوالت، گرمی اور سردی میں اعتدال پایا جاتا ہے۔ یہ آپ کی شریعت مطہرہ کے ساتھ مشابہت ہے جس شریعت بیضاء کے ساتھ آپ تشریف لائے ہیں۔ آپ نے وہ بوجھ اتار دیا ہے جو ہم سے پہلے لوگوں پر تھے۔

◆ رب حکیم نے چاہا کہ زمان و مکان کو آپ کی وجہ سے شرف ملے نہ ہی زمان و مکان کو آپ کی وجہ سے شرف ملے جو زمان یا مکان آپ کے ساتھ مل جائے اسے بہت بڑی فضیلت اور رتبہ مل جائے۔ البتہ جو زمان و مکان زیادہ اعمال کی وجہ سے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر آپ ان اوقات میں پیدا ہوتے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے تو یہ وہم ہو سکتا کہ ان کی وجہ سے آپ کو شرف ملا ہے۔ رب تعالیٰ نے ان اوقات کے علاوہ میں آپ کی ولادت رکھی تا کہ آپ کی عظمت اور رفعت کا اظہار ہو سکے۔

دوسری فصل اس جگہ کے بارے ہے جہاں آپ کی ولادت ہوئی۔ کیا وہ جگہ مکہ مکرمہ میں ہے یا اس سے باہر۔ صحیح قول یہی ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ اس مکان کے بارے اختلاف ہے۔ اس کے بارے درج ذیل اقوال ہیں:

◆ ۱ آپ اس گھر میں جلوہ افروز ہوئے جو زقاق المولد میں ہے جو گھاٹی میں ہے جو شعب بنی ہاشم کے نام سے معروف ہے۔ وہ حضرت عقیل کے پاس تھی۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ یہ گھر حضور ﷺ نے حضرت عقیل کو ہبہ کر دیا تھا۔ تادم وصال یہ ان کے پاس رہا۔ ان کے بعد ان کی اولاد نے اسے محمد بن یوسف کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عقیل نے اسے ہجرت کے بعد اس وقت خریدا تھا جب قریش نے مہاجرین کے گھر فروخت کیے تھے۔

◆ ۲ آپ کی ولادت شعب بنی ہاشم میں ہوئی۔

◆ ۳ آپ ردم میں پیدا ہوئے۔

◆ ۴ آپ عسفان میں پیدا ہوئے۔

✿✿✿

پانچواں باب

اہلِ کتاب کے علماء کا اس رات کے بارے بتا دینا

ابونعیم اور امام بیہقی نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں سات آٹھ سال کا بچہ تھا۔ جو دیکھتا اسے یاد رکھتا تھا۔ میں نے ایک صبح بلند قلعے پر ایک یہودی کو چیختے ہوئے سنا۔ اس نے کہا: ''اے گروہِ یہود! سارے یہودی اس کے پاس جمع ہو گئے۔ میں سن رہا تھا۔ انہوں نے کہا: ''تیرے لیے ہلاکت! تجھے کیا ہوا ہے؟'' اس نے کہا: ''احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارہ آج طلوع ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ آج رات پیدا ہو گئے ہیں۔''

ابن سعد، حاکم، ابونعیم نے حسن سند کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''ایک یہودی مکہ مکرمہ میں رہتا تھا۔ وہ وہاں تجارت کرتا تھا۔ جب وہ رات آئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے تو اس نے قریش کی محفل میں کہا: ''اے قریش کے گروہ! کیا آج رات تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟'' قوم نے کہا: ''بخدا! ہم نہیں جانتے۔'' اس یہودی نے کہا: ''جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے خوب یاد رکھو۔ اس رات آخری امت کے نبی پیدا ہو گئے ہیں ان کے کندھوں کے مابین علامت ہو گی۔ وہاں لگاتار بال ہوں گے۔ گویا کہ وہ گھوڑے کی گردن کے بال ہوں۔ وہ دو راتیں دودھ نہیں پی سکیں گے۔'' قریش اپنی اپنی محافل سے اٹھے وہ یہودی اس کی بات پر تعجب کر رہے تھے۔ جب وہ اپنے اپنے گھر گئے تو ہر انسان نے یہ بات اپنے اہلِ خانہ کو بتائی۔ انہوں نے بتایا: ''آج عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوئے ہیں جن کا نام نامی انہوں نے ''محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم رکھا ہے۔ وہ قوم اس یہودی کے پاس آئی۔ اسے بتایا۔ اس نے کہا: ''تم میرے ساتھ چلو حتیٰ کہ میں اسے دیکھ لوں۔'' وہ اسے لے کر آئے اور اسے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے گئے۔ اس نے انہیں کہا: ''مجھے ذرا اپنا نورِ نظر دکھانا۔'' اس نے اپنا نورِ نظر اسے دکھایا۔ اس نے آپ کی کمر انور سے کپڑا ہٹایا۔ اس نے مہرِ نبوت دیکھی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اسے افاقہ ہوا تو قریش نے پوچھا: ''تیرے لیے ہلاکت! تجھے کیا ہوا ہے؟'' اس نے کہا: ''بخدا! آج بنی اسرائیل سے نبوت چلی گئی ہے۔ اے گروہِ قریش! تم خوش ہو جاؤ۔ اب تمہاری سطوت کا بول بالا ہو گا۔ اس کی شہرت از مشرق تا مغرب پھیل جائے گی۔''

ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بنو قریظہ، بنو نضیر، فدک اور خیبر کے یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل آپ کی صفات جانتے تھے۔ وہ بھی جانتے تھے کہ آپ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت

کریں گے۔ جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو یہود کے علماء نے کہا: "آج رات احمدِ مجتبیٰ ﷺ پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ جب آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے کہا: "احمد مجتبیٰ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے۔" وہ یہ سب کچھ جانتے تھے۔ آپ کا اقرار کرتے تھے۔ آپ کا حلیہ بیان کرتے تھے مگر حسد اور سرکشی کی وجہ سے آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔"

ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت شعیب بن شعیب سے روایت کیا ہے کہ مرالظہران کے مقام پر اہلِ شام کا ایک راہب رہتا تھا۔ جسے عیص کہا جاتا تھا۔ رب تعالیٰ نے اسے بہت سا علم عطا کر رکھا تھا۔ وہ اپنے کنیسہ میں رہتا تھا۔ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتا۔ لوگوں سے کہتا: "عنقریب تمہارے ہاں ایک بچہ پیدا ہو گا۔ اہلِ عرب اس کا دین اختیار کریں گے۔ وہ عجم کا مالک ہو گا۔ اس کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ جو انہیں پا لے وہ ان کی اتباع کرے تو اس نے اپنی ضرورت پوری کر دی۔ جس نے انہیں پا لیا اور ان کی مخالفت کی تو اس نے غلطی کی۔ بخدا! میں نے امن اور خوشحالی کی زمین کو نہیں چھوڑا اور اس خشک اور خوف کی زمین میں نہیں آیا مگر ان کی وجہ سے۔" مکہ مکرمہ میں جو بچہ بھی پیدا ہوتا وہ اس کے متعلق پوچھتا۔ وہ کہتا: "ابھی تک وہ بچہ پیدا نہیں ہوا۔" جب اس رات کی صبح آئی جس میں آپ پیدا ہوئے تھے۔ تو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ عیص کے پاس آئے اس کے کنیسہ کے نیچے کھڑے ہو کر اسے بلایا۔ اس نے پوچھا: "کون ہو؟" انہوں نے کہا: "میں عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہوں۔" اس نے نیچے دیکھا تو کہا: "آپ اس مبارک بچے کے دادا ہیں آج پیر کے دن وہ بچہ پیدا ہو گیا ہے جس کے متعلق میں بتایا کرتا تھا۔ پیر کے دن ہی وہ مبعوث ہوں گے۔ آپ کا ستارہ آج رات طلوع ہو گیا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اسے آج رات درد ہو گا۔ یہ شکایت اسے تین دن تک رہے گی۔ پھر اسے صحت مل جائے گی۔ اپنی زبان کی حفاظت کرنا۔ جتنا حسد ان پر ہو گا اتنا حسد کسی اور پر نہیں کیا گیا ہو گا۔ اتنی بغاوت کسی اور پر نہیں کی جائے گی۔ جتنی بغاوت ان پر ہو گی۔" حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ: "ان کی عمر مبارک کتنی ہو گی۔" عیص: "اگر ان کی عمر طویل بھی ہوئی تو وہ ستر سال تک نہیں پہنچیں گے۔ وہ ساٹھ کے عشر میں کسی طاق سال میں وصال کر جائیں گے۔ وہ اکسٹھ سال یا تریسٹھ سال کی عمر میں وصال کر جائیں گے۔"

❁❁❁

چھٹا باب

وقتِ ولادت معجزات

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میری والدہ ماجدہ نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے جس سے ان کے لیے بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔" یہ روایت ابن سعد نے نقل کی ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ "بصریٰ" سے مراد شام کا ایک شہر ہے جو دمشق کے قریب ہے۔ "المسکتۃ الفاتحۃ" میں ہے کہ بصریٰ کو مختص کرنے میں عجیب نکتہ ہے۔ شام کا یہ پہلا شہر تھا جس میں نورِ محمدی ﷺ داخل ہوا۔ شام کے شہروں میں سے سب سے پہلے یہی فتح ہوا۔ بغداد کے ایک شہر کا نام بھی "بصریٰ" ہے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مجھے میری والدہ ماجدہ نے بتایا ہے وہ حضرت آمنہ کے پاس اس وقت موجود تھیں جب حضور اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی۔ انہوں نے فرمایا: "مجھے گھر کی ہر چیز میں نور نظر آیا۔ میں نے ستارے دیکھے وہ قریب آگئے تھے۔ مجھے یوں لگا کہ وہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کے نور سے سارا گھر روشن ہو گیا مجھے ہر طرف نور ہی نور نظر آتا تھا۔"

حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں رب تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین تھا...... میری والدہ ماجدہ نے وہ خواب دیکھا جو انہوں نے دیکھا۔ انبیاء کرام کی مائیں اسی طرح دیکھتی ہیں۔" ولادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ نے ایک نور دیکھا جس سے ان کے لیے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (امام احمد، بزار، حاکم، ابن حبان۔ حاکم اور ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔)

ابن حبان نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا: "میرے اس نورِ نظر کی عجیب شان ہے۔ جب یہ میرے بطن اقدس میں تھے تو میں نے کسی قسم کا بوجھ محسوس نہیں کیا تھا۔ آپ بہت ہلکے تھے۔ آپ کی برکت بہت عظیم تھی۔ پھر میں نے ایک نور دیکھا گویا کہ مجھ سے شہاب نکلا ہے جس سے میرے لیے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو گئی تھیں۔ جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ اس طرح تشریف نہ لائے جس طرح بچے پیدا ہوتے ہیں بلکہ آپ کے ہاتھ زمین پر تھے سر اقدس آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔

ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "جب مجھ

سے میرے نورِ نظر محمد عربی ﷺ جدا ہوئے تو ان سے نور نکلا جس سے مشرق و مغرب کا مابین روشن ہو گیا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تو زمین نور سے جگمگا اٹھی۔ امام احمد اور ابن سعد نے حسن سند سے حضرت ابوامامۃ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے اپنے معاملہ کی ابتداء کے بارے فرمائیں۔" آپ نے فرمایا: "میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ میری امی جان نے دیکھا کہ ان سے نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔"

ابن سعد نے محمد بن عمر الاسلمی سے متعدد اسانید سے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک نور نکلا جس سے مشرق و مغرب کا مابین روشن ہو گیا۔ آپ اپنے گھٹنوں کے بل زمین پر آئے دستِ اقدس زمین پر رکھے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی۔ اپنے پکڑا اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا۔ آپ کے لیے شام کے محلات اور بازار روشن ہو گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے بصریٰ کے مقام پر اونٹوں کی گردنیں دیکھ لیں۔" اس نورِ مبارک سے بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ملک آپ کی فضیلت اور سلطنت کا گھر ہے۔ جیسے کہ حضرت کعب نے ذکر کیا ہے کہ سابقہ کتب میں ہے "محمد رسول اللہ ﷺ۔ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔ یثرب ہجرت فرمائیں گے۔ آپ کا ملک شام ہوگا۔" شام کی فضیلت میں بہت سی روایات ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے: "بصریٰ کے محلات روشن ہونے میں ایک اشارہ یہ ہے کہ آپ بصیرت کو نور عطا فرمائیں گے۔ اور مردہ دلوں کو حیاتِ نو بخشیں گے۔" اس نور سے اس نور کی طرف اشارہ بھی ہے جو نورِ مبارک آپ لے کر آئے۔ جس کے ساتھ اہلِ زمین کو ہدایت نصیب ہوئی۔ شرک کی تاریکی دور ہوئی۔ ارشادِ ربانی ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۶﴾ (المائدہ:۱۶-۱۵)

ترجمہ: "بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی دکھاتا ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان کو جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے اجالے کی طرف اپنی توفیق اور دکھاتا ہے انہیں راہِ راست۔"

امام ابوشامۃ نے لکھا ہے کہ آپ کی ولادت کی وقت جو نور ظاہر ہوا تھا وہ قریش میں مشہور ہو گیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی ان اشعار میں اس کا ذکر کیا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔

وانت لما ولدت...

رب تعالیٰ اس شاعر پر رحم فرمائے جس نے اشعار کہے ہیں:

لما استهل المصطفى طالعا اضاء الفضاء من نورهِ الساطع

ترجمہ: "جب حضور ﷺ بوقتِ صبح رونق افروز ہوئے تو آپ کے وسیع نور سے فضاء روشن ہوگئی۔"

و عطر الكون شذى عطره الطيب من دان و من شالع

ترجمہ: "آپ کے عمدہ اور تیز عطر کی خوشبو نے قریب اور دور کو معطر کر دیا۔"

نادت الاكوان من فرحة يا مرحبا بالقمر الطالع

ترجمہ: "کائنات نے خوشی سے صدا دی۔ طلوع ہونے والے چاند کو خوش آمدید۔"

ابن سعد نے موسیٰ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ پیدا ہوئے۔ آپ نے ہاتھ مبارک زمین پر رکھے۔ سراقدس آسمان کی طرف بلند کیا۔ اور مٹھی مبارک کو مٹی سے بھر لیا۔ بنولہب کے ایک شخص تک یہ بات پہنچی تو اس نے کہا: "اگر یہ بات سچ ہے تو یہ بچہ سارے اہلِ زمین پر غالب آجائے گا۔"

ابن سعد، ابونعیم سے قوی سند سے حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تو آپ اپنی ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل زمین پر تشریف لائے۔ آپ کی نظر مبارک آسمان کی طرف تھی۔ امام سہیلی نے یہ اضافہ کیا ہے "آپ کے ہاتھ مبارک کی انگلیاں بند تھیں صرف سبابہ سے آپ یوں اشارہ فرما رہے تھے گویا کہ آپ تسبیح بیان فرما رہے ہوں۔"

علامہ امام شمس الدین جوجری نے لکھا ہے۔ اس حالت میں نگاہ ناز کو اوپر اٹھانے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کی شان وقدر بہت بلند ہوگی۔ آپ ساری مخلوق کے سردار ہیں۔ یہ آپ کے معجزات میں سے ہے۔ یہ آپ کی ولادت کے وقت آپ کا پہلا فعل تھا۔ اس میں اس شخص کے لیے اشارہ ہے جو غور وفکر کرتا ہے کہ آپ نے ولادت سے لے کر مٹی پر قبضہ جمانے تک جو کچھ بھی کیا تو عقل کا اشارہ اسی طرف ہے کہ آپ ہر لمحہ اور ہر آن آپ کی رفعت میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مخلوق پر آپ کی شان بلند ہوتی رہے گی۔ آسمان کی طرف سر اٹھانے میں آپ کی سرداری کی طرف اشارہ ہے۔ آپ نے رفعت کے علاوہ کسی اور امر کا قصد نہ کیا۔

ابن الجوزی نے "الوفاء" میں حضرت ابوالحسین بن براء سے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "میں نے آپ کو دیکھا آپ گھٹنوں کے بل تھے۔ آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر آپ نے مٹھی بھر مٹی پر قبضہ کیا پھر سجدہ میں گر گئے۔ بعض اہلِ اشارات نے کہا ہے "جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو انہوں نے فرمایا:

اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ﴿ۙ۳۰﴾ (مریم: ۳۰)

ترجمہ: "بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔"

انہوں نے اپنے بارے عبودیت اور رسالت کی خبر دی جبکہ حضور ﷺ نے سر سجدہ میں رکھ دیا۔ آپ سے ایک

نور نکلا۔ جس سے مشرق و مغرب جگمگا اٹھا۔ آپ نے مٹی اٹھائی اور سر اقدس آسمان کی طرف بلند کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبودیت زبانی تھی۔ حضور ﷺ کی عبودیت فعلی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت خبر دینے کے ساتھ تعلق رکھتی تھی جبکہ حضور ﷺ کی رسالت انوار کے ظہور کے ساتھ تھی۔ سجدہ میں یہ اشارہ بھی تھا کہ آپ کے امر کی ابتداء قرب پر ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ (العلق:١٩)

ترجمہ: "اے حبیب سجدہ کیجیے اور ہم سے اور قریب ہو جائیے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب کا سب سے زیادہ قریبی ہوتا ہے۔" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حالت مقام عبودیت کی طرف اشارہ کرتی ہے جبکہ حضور ﷺ کی حالت مقام قرب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔" ایک شاعر نے کہا ہے:

لك القرب من مولاك يا اشرف الورىٰ و انت لكل المرسلين ختام

ترجمہ: "اے سارے لوگوں سے افضل! آپ کو اپنے رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔ آپ خاتم المرسلین ہیں۔"

انت لنا يوم القيامة شافع و انت لكل الانبياء امام

ترجمہ: "آپ ہمارے لیے روزِ حشر شفیع ہوں گے۔ آپ سارے انبیاء کے امام ہیں۔"

عليك من الله الكريم تحية مباركة مقبولة و سلام

ترجمہ: "آپ پر رب تعالیٰ کی طرف سے ایسا سلام ہو جو مبارک اور مقبول ہو۔"

حضرت ابونعیم نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت شفاء بنت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ جب پیدا ہوئے تو میرے ہاتھ پر جلوہ گر ہوئے۔ آپ نے آواز نکالی میں نے سنا آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔" از مشرق تا مغرب روشن ہو گیا۔ میں نے روم کے بعض محلات کو دیکھ لیا۔ پھر میں نے آپ کو لباس پہنایا۔ آپ کو لٹا دیا۔ جلد ہی مجھ پر تاریکی چھا گئی۔ مجھ کو رعب اور لرزہ نے آلیا۔ میں نے اپنی دائیں سمت سنا کوئی کہہ رہا تھا "تم انہیں کہاں لے گئے تھے۔" اس نے جواب دیا: "مغرب کی طرف۔" پھر تاریکی چھٹ گئی۔ پھر مجھے رعب اور کپکپاہٹ نے آلیا۔ میں نے اپنے بائیں جانب کسی کو فرماتے سنا: "تم انہیں کہاں لے گئے تھے۔" اس نے کہا: "مشرق کی طرف۔" یہ بات ہمیشہ میرے ذہن میں رہی حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کر دیا۔

تنبیہات

1. الشیخ نے اپنے فتاویٰ لکھا ہے: "میں کسی ایسی حدیث سے آگاہ نہیں جس میں تذکرہ ہو کہ آپ نے ولادت کے وقت چھینک ماری ہو۔ میں نے ابن سعد، دلائل از بیہقی، ابونعیم، ابن عساکر کا مطالعہ کیا ہے۔ مستدرک اور حاکم کو پڑھا ہے۔ ان میں ایسا کوئی تذکرہ نہیں۔ وہ حدیث مبارک جو ابھی ابھی حضرت شفاء سے روایت گزری۔ اس میں لفظ "الاستہلال" سے چھینک کی مشابہت نظر آتی ہے۔ مگر اس میں چھینک کا صراحۃً تذکرہ نہیں۔ لغت میں "الاستہلال" وقت ولادت بچے کا رونا ہے۔ شاید اس سے مراد چھینک ہی ہو۔ علامہ شمس الدین جوجری نے لکھا ہے کہ استہلال اگرچہ لغت میں وقتِ ولادت آواز نکالنا ہوتا ہے مگر اسے چھینک پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

2. عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کی یہ عادت ہے کہ وہ آپ کا ذکر خیر سنتے وقت تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض علماء نے اس قیام کو بدعت لکھا ہے۔ مگر عاشق صادق، حسانِ وقت ابوزکریا یحییٰ بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

قلیل لمدح المصطفی الخط بالذہب ... علی فضة من خط احسن من کتب
و ان ینہض الاشرف عند سماعہ ... قیاما صفوفا او جثیا علی الرکب
اما الله تعظیما سر کتب اسمہ ... علی عرشہ یا رتبہ سمت الرتب

ترجمہ: "جو شخص عمدہ کتابت کرتا ہے اس کے ذریعے چاندی پر سونے کے ساتھ حضور ﷺ کی تعریف لکھنا بھی کم ہے۔ آپ کی تعریف سن کر سرداروں کی صفوں میں کھڑا ہونا چاہیے یا گھٹنوں کے بل جھک جانا چاہیے۔ رب تعالیٰ نے تعظیم کرتے ہوئے آپ کا اسم گرامی اپنے عرش پر لکھا ہے۔ اے وہ مرتبہ! جو سارے مراتب سے بڑھ گیا ہے۔"

اتفاق ہے کہ شیخ الاسلام تقی الدین السبکی کے درس ختم پر ایک شخص نے یہ اشعار پڑھے۔ قاضی اور اعیانِ مملکت ان کے سامنے تھے جب پڑھنے والا اس شعر تک پہنچا: ان ینہض الاشراف... تو امام صرصری کے ان اشعار کی اتباع کرتے ہوئے شیخ اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں کو ایک مبارک ساعت میسر آئی۔" اس کا تذکرہ ان کے بیٹے شیخ الاسلام ابونصر بن عبدالوہاب نے "الطبقات الکبریٰ" میں ان کے عنوان کے تحت کیا ہے۔

3. بعض لوگوں نے آپ کی طرف سے یہ مشہور کر دیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوا ہوں۔" الحافظ نے لکھا ہے "یہ جھوٹ اور باطل ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔" شیخ امام زرکشی نے لکھا ہے کہ حافظ سمعانی نے ابوبکر الحیری سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: "مجھے ایک صالح بزرگ نے کہا ہے کہ انہوں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی۔ وہ فرماتے ہیں "میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیک

وسلم! مجھ تک پہنچا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے"میں عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوا ہوں۔" میں نے حاکم ابوعبداللہ نے اس روایت کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا:"یہ جھوٹ ہے۔حضور اکرم ﷺ نے تو اس طرح نہیں فرمایا۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:"ابوعبداللہ نے سچ کہا ہے۔"

حلیمی علیہ الرحمۃ نے"الشعب" میں لکھا ہے"یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔اگر صحیح بھی ہو تو پھر عادل سے مراد اس کا وہ معروف اسم ہوگا جس سے اسے یاد کیا جاتا تھا۔وہ عدل کی وجہ سے عادل نہیں ہوگا۔یا اہلِ فارس کے اعتقاد کی وجہ سے وہ عادل ہوگا۔جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَمَآ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ۔ (ھود:۱۰۱)

ترجمہ: "پس نہ فائدہ پہنچایا انہیں ان کے جھوٹے خداؤں نے۔"

یعنی جو ان کے معبودانِ باطلہ تھے۔کیونکہ حضور ﷺ رب تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی پر کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔ الشیخ نے الدرر میں لکھا ہے کہ امام بیہقی نے الشعب میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ ابوعبداللہ حاکم نے اس روایت کو باطل سمجھا ہے جو بعض جہلاء نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کی ہے"میں عادل بادشاہ کسریٰ انوشروان کے زمانہ میں پیدا ہوا ہوں۔پھر ایک پاکباز شخص نے حضور کریم ﷺ کو اپنے خواب میں دیکھا تو اس نے آپ سے ابوعبداللہ کی یہ بات عرض کی۔آپ نے فرمایا:"میں نے ایسی بات نہیں فرمائی۔" آپ نے ابوعبداللہ کی تصدیق کی۔صاحب المقاصد نے تحریر کیا ہے کہ ابن رجب نے جو اپنے طبقات میں یہ تحریر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا"ولدت فی زمن الملک العادل" یہ صحیح نہیں۔اس کی سند منقطع ہے۔

✿✿✿

ساتواں باب

پتھر کی ہنڈیاں ٹوٹ گئی

ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب لوگوں کے ہاں رات کے وقت بچہ پیدا ہوتا تو وہ کسی برتن کے نیچے رکھ دیتے تھے اور صبح تک اسے نہیں دیکھتے تھے۔ جب آپ کی ولادت ہوئی تو انہوں نے آپ کو ہنڈیا کے نیچے رکھا۔ صبح کے وقت ہنڈیا کے پاس گئے تو وہ دو حصوں میں پھٹ چکی تھی۔ آپ کی مبارک آنکھیں آسمان کی طرف تھیں۔ قریش نے اس پر بہت تعجب کیا۔

ابن سعد نے ثقہ آدمیوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت عکرمہ نے فرمایا ہے کہ جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو ہنڈیا کے نیچے رکھ دیا۔ ہنڈیا پھٹ گئی۔ انہوں نے آپ کو دیکھا آپ کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

امام بیہقی نے حضرت ابوالحسن التنوخی سے روایت کیا ہے کہ جب قریش کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ صبح تک اسے اپنی خواتین کو دے دیتے۔ وہ اس پر ہنڈیاں رکھ دیتیں۔ حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تو انہوں نے آپ پر بھی ہنڈیاں رکھی۔ وقتِ صبح وہ آپ کے پاس آئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ہنڈیا دو حصوں میں منقسم ہو چکی تھی۔ انہوں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کی نگاہِ ناز آسمانوں کی طرف بلند تھی۔ وہ خواتین حضرت عبدالمطلب کے پاس آئیں۔ انہوں نے کہا: "ہم نے آج تک ایسا بچہ نہیں دیکھا۔ ہم نے دیکھا کہ اس پر ہنڈیا ٹوٹ چکی تھی اور اس کی نگاہیں آسمان کی طرف تھیں۔" حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: "اس مبارک بچہ کی حفاظت کرو۔ مجھے یقین ہے کہ اسے بھلائی نصیب ہوگی۔" ابن جوزی نے ابوالحسین بن براء سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "میں نے آپ پر برتن رکھا۔ میں نے اسے پایا کہ وہ ٹوٹ چکا تھا آپ اپنا انگوٹھا چوس رہے تھے۔ جس سے دودھ نکل رہا تھا۔" بعض اہلِ اشارہ نے کہا ہے کہ ہنڈیا کے اس طرح پھٹ جانے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا امر غالب ہوگا۔ آپ جہالت کی ظلمت کو ختم کر دیں گے۔"

❁❁❁

آٹھواں باب

آپ کا مختون پیدا ہونا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”رب تعالیٰ کے دربار میں میری یہ عزت ہے کہ میں مختون پیدا ہوا۔ کسی نے میری شرم گاہ کو نہیں دیکھا۔“ اس روایت کو الطبرانی، ابونعیم، ابن عساکر، ابن سعد، ابن عدی، نے حضرت عباس، ابوہریرہ، حضرت انس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت جن میں ہشام بن محمد نے ”کتاب الجامع“ میں ابن حبیب نے المعجم میں، ابن درید نے الوشاح میں ابن جوزی نے ”العلل اور تلقیح“ شامل ہیں۔ ان کا یہ مؤقف ہے کہ آپ مختون پیدا ہوئے۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ احادیث اس کے بارے متواتر ہیں کہ آپ مختون پیدا ہوئے۔ لیکن امام ذھبی نے ان کی گرفت کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ میں تو اس کی صحت کے بارے بھی نہیں جانتا یہ متواتر کیسے ہوسکتی ہے۔“ امام ذھبی کو یہ جواب دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ تواتر سے مراد یہ ہو کہ یہ روایت مشہور ہو چکی ہے سیرت کی کتب میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ اس تواتر سے مراد وہ تواتر نہیں جو محدثین کی اصطلاح میں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ کا اس وقت ختنہ کیا جب انہوں نے آپ کا شق صدر کیا۔ یہ روایت خطیب نے ابوبکرہ سے مرفوعاً لکھی ہے مگر اس کی سند درست نہیں ہے۔ امام ذھبی نے اسے منکر لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ”آپ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب نے عرب کے دستور کے مطابق آپ کا ختنہ کیا۔ اس روایت کو ابوعمر نے لکھا ہے مگر حافظ ابوالفضل عراقی نے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ حافظ قطب الدین الخیضری نے لکھا ہے ”میرے نزدیک پہلا قول زیادہ راجح ہے۔ اور اس کے دلائل دوسرے قول سے قوی ہیں۔ میں کہتا ہوں ”میں نے پہلے ایک سند کا تذکرہ کیا ہے جسے حافظ ضیاء الدین مقدسی نے صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ زرکشی نے لکھا ہے کہ حضرت ضیاء الدین کا کسی روایت کو صحیح قرار دینا امام حاکم کے صحیح قرار دینے سے بہتر ہے۔“

خیضری نے لکھا ہے کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مختون پیدا ہونے میں عیب بھی پایا جاتا ہے تو ہم اسے کہیں گے ”آپ کے حق میں تو یہ انتہائی کمال ہے۔ کیونکہ یہ کھال جو ختنہ کے وقت کاٹی جاتی ہے بعض اوقات یہ نظافت اور طہارت کی تکمیل میں رکاوٹ بن جاتی ہے یہ وظیفۂ زوجیت کے وقت رکاوٹ بن جاتی ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ

کو اس طرح پیدا فرمایا کہ مختون، مسرور اور سارے عیوب و نقائص سے بری تھے۔" اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر آپ کا شق صدر کیوں ہوا۔ وہ سیاہ گوشت کا ٹکڑا کیوں نکالا گیا جو شیطان کا حصہ ہوتا ہے اگر اس طرح ہے جس طرح آپ نے کہا ہے تو پھر آپ کی تخلیق اس کے بغیر ہی ہونا چاہیے تھی۔

میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ ختنہ کرنا اور ناف کاٹنا یہ ظاہری امور ہیں جو آدمی کے عمل کے محتاج ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ یہ اشیاء آپ میں پیدا نہ فرمائیں تاکہ کسی کا آپ پر احسان نہ ہو۔ آپ کمالِ طہارت پر پیدا ہوں۔ لیکن اس گوشت کے ٹکڑے کو باہر نکالنا جو شیطان کا حصہ ہوتا ہے اس کا محل دل ہوتا ہے اس سے کوئی آگاہ نہیں ہوتا۔ اگر رب تعالیٰ آپ میں یہ بھی پیدا نہ فرماتا تو آدمیوں کو اس کی حقیقت پر آگاہی نہ ہو سکتی تھی۔ رب تعالیٰ نے یہ حقیقت حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر کی تاکہ آپ کے باطن کا کمال بھی متحقق ہو سکے۔ جس طرح اس نے ظاہر کر دیا تھا کہ آپ کا ظاہر مکمل ہے۔ (امام سبکی)

ابن سعد نے ثقہ راویوں سے روایت لکھی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں نے آپ کو جنم دیا تو آپ پاکباز تھے۔ جسم اطہر پر کوئی گندگی نہ تھی۔ آپ زمین پر جلوہ افروز ہوئے۔ ہاتھوں کے بل زمین پر بیٹھ گئے۔

فائدہ

بہت سے انبیاء کرام مختون پیدا ہوئے۔ ابن درید نے الوشاح اور ابن جوزی نے التلقیح میں ان کی تعداد تیرہ لکھی ہے۔ انہوں نے یہ روایت حضرت کعب الاحبار سے روایت کی ہے۔ ابن جوزی نے محمد بن حبیب سے یہ روایت لکھ ۱۴ لکھی ہے۔ ان میں سے ہر ایک ان کا ذکر کیا ہے جن کا ذکر دوسرے نے نہیں کیا۔ درج ذیل انبیائے کرام کے بارے ان کا اتفاق ہے۔ حضرت آدم، حضرت شیث، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت یوسف، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، حضرت سلیمان، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفی علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت کعب الاحبار نے ان انبیاء کا اضافہ کیا ہے۔" حضرت ادریس، حضرت سام، حضرت یحییٰ علیہم السلام۔" حضرت ابن حبیب نے ان انبیاء کا اضافہ کیا ہے۔ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت زکریا، حضرت حنظلہ بن صفوان (یہ اصحاب الراس کے نبی تھے) ان کے کلام سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سترہ انبیاء مختون پیدا ہوئے تھے۔ سب سے پہلے حضرت آدم اور سب سے آخر میں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ الشیخ نے قلائد الفوائد میں ان کے نام اسی طرح نظم کیے ہیں۔

و سبعة مع عشر قد روى خلقوا وهم ختان فخذ لازلت ما نوسا

ترجمہ: "سترہ انبیاء کے بارے روایت ہے کہ وہ مختون پیدا ہوئے۔ سب تم سے محبت کریں انہیں یاد کرلو۔"

محمد، آدم ادریس، شيث نوح سام هود شعيب يوسف موسٰی

ترجمہ: "وہ حضرت محمد مصطفیٰ، حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت شیث، حضرت نوح، حضرت سام، حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہم السلام ہیں۔"

لوط، سلیمان، یحییٰ، صالح — زکریا خنظله الرسی مع عیسٰی

ترجمہ: "حضرت لوط، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ، حضرت صالح، حضرت زکریا، حضرت حنظلہ الرسی اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔"

علامہ قاضی عبدالباسط البلقینی نے یوں فرمایا ہے:

و فی الرسل مختونًا لعمرك خلقه — ثمان و تسع طیبون اکارم

ترجمہ: "تیری زندگانی کی قسم! رسل عظام میں سے آٹھ اور نو پاکیزہ صفت اور مکارم اخلاق کے مالک انبیاء مختون پیدا ہوئے۔"

وهم زکریا، شیث، ادریس، یوسف — و خنظله عیسٰی و موسٰی و آدم

و نوح و شعیب سام لوط و صالح — سلیمان یحییٰ هود یاسین خاتم

ترجمہ: "ان میں حضرات زکریا، شیث، ادریس، یوسف، حنظلہ، عیسیٰ، موسیٰ اور حضرات آدم، نوح، شعیب، سام، لوط، صالح، سلیمان، یحییٰ، ہود، یاسین اور حضور علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔"

❁❁❁

نواں باب

چاند جھک جاتا ادھر جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں

الطبرانی اور امام بیہقی نے حضرت عباس بن عبد المطلب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کی نبوت کی ایک علامت نے مجھے آپ کے دین میں داخل کر دیا۔ میں نے آپ کو دیکھا۔ آپ پنگھوڑے میں تھے۔ چاند سے سرگوشی فرما رہے تھے۔ آپ اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ وہ ادھر ہی جھک جاتا تھا۔ جدھر آپ اشارہ فرماتے تھے۔" آپ نے فرمایا: "میں اس سے باتیں کرتا تھا۔ وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا۔ وہ مجھے رونے سے روکتا تھا۔ میں اس کی پیشانی آواز سنتا تھا۔ جب وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا تھا۔

امام ابو عثمان الصابونی نے لکھا ہے کہ سند اور متن میں غریب ہے۔ لیکن معجزات میں حسن ہے۔"

الحافظ نے الفتح میں امام واقدی نے سیرت میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ ولادت کی ابتداء میں پنگھوڑے میں گفتگو فرماتے تھے۔" ابن سبع نے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ ملائکہ آپ کے پنگھوڑے کو حرکت دیتے تھے۔ آپ نے سب سے پہلے یہ کلام فرمائی "اللہ اکبر کبیراً الحمد للہ کثیراً۔"

پنگھوڑے میں کئی افراد نے گفتگو کی ہے۔ ہمارے شیخ نے قلائد الفوائد میں انہیں یوں نظم کیا ہے۔

تکلم فی المهد النبی محمد ۔۔۔ و موسٰی و عیسٰی والخلیل و مریم
و مبرئ جریج ثم شاهد یوسف ۔۔۔ و طفل لدی الاخدود یرویه مسلم
و طفیل علیه مر بالامة التی ۔۔۔ یقال لها تزنی ولا تتکلم
وما شطة فی عهد فرعون طفلها ۔۔۔ و فی زمن الهادی المبارك یختم

ترجمہ: "پنگھوڑے میں ان لوگوں نے گفتگو کی حضور اکرم ﷺ، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام، حضرت مریم رضی اللہ عنہا، مبرئ جریج، شاہد یوسف۔ وہ بچہ جو خندق کے پاس تھا۔ یہ روایت مسلم نے نقل کی ہے۔ وہ بچہ جس نے ان لونڈی کی گواہی دی تھی جسے کہا جا رہا تھا کہ اس نے زنا کیا ہے۔ مگر وہ بات نہیں کر رہی تھی۔ فرعون کے عہد میں کنگھی کرنے والی کے بچہ نے اور ہادی مبارک کے زمانہ میں۔"

دسواں باب

ابلیس کا غم، اسے آسمانوں پر جانے سے روک دینا اور غیبی صدائیں

امام سہیلی اور ابوربیع نے حافظ بقی بن مخلد کی تفسیر سے روایت کیا ہے کہ ابلیس چار بار چیخا:

1. جب اسے ملعون کیا گیا۔
2. جب اسے نیچے اتارا گیا۔
3. جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔
4. جب سورۃ الفاتحہ نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تو ابلیس نے کہا: "آج رات وہ ہستی پیدا ہوگئی ہے جو ہمارا معاملہ خراب کر دے گی۔" اس کے لشکر نے اسے کہا: "کاش! تو اس کے پاس جائے اور اسے ناخن مار دے۔" جب وہ حضور ﷺ کے قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو بھیجا تو انہوں نے اسے ٹانگ مار کر عدن میں پھینک دیا۔

زبیر بن بکار اور ابن عساکر نے معروف بن خربوذ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "ابلیس ساتوں آسمانوں تک جاسکتا تھا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اسے تین آسمانوں سے روک دیا گیا۔ وہ چار تک جاسکتا تھا۔ جب حضور ﷺ پیدا ہوئے تو اسے سارے آسمانوں سے روک دیا گیا۔

الخرائطی اور ابن عساکر نے حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ قریش کے چند افراد جن میں ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو، عبداللہ بن جحش اور عثمان بن حویرث تھے وہ ایک بت کے پاس جمع ہوتے تھے۔ وہ ایک دن اس کے پاس گئے۔ اسے دیکھا کہ وہ منہ کے بل گرا ہوا تھا۔ انہوں نے اسے عجیب سمجھا۔ اسے پکڑا اور اسے پہلی حالت پر رکھ دیا۔ وہ جلد ہی نیچے گر پڑا۔ پھر تیسری بار نیچے گر پڑا۔ عثمان نے کہا: "یہ کسی اہم امر کی وجہ سے نیچے گر رہا ہے۔" اسی رات کو حضور ﷺ دنیا میں تشریف فرما ہوئے تھے۔

أیا صنم العید الذی صف حولہ صنادید وفد من بعید و قرب

ترجمہ: "اے عید کے وہ بت جس کے ارد گرد دور و نزدیک کے سرداروں نے صفیں باندھ رکھی ہیں۔"

ینکس مقلوبا ان ذاك قل لنا ۔۔۔ اذاك سفیه ام تنکس للعتب

ترجمہ: "کس وجہ سے تو الٹ ہوا ہے۔ ہمیں بتا یہ حماقت ہے یا بگاڑ کی وجہ سے ہے۔"

فان کان من ذنب اسأنا فاننا ۔۔۔ نبوء باقرار و نلوی علی الذنب

ترجمہ: "اگر یہ اس گناہ کی وجہ سے ہے جو ہم سے صادر ہوا ہے۔ تو ہم اس گناہ کا اقرار کرتے ہیں اور اس گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔"

و ان کنت مغلوبا تنکست صاغرا ۔۔۔ فما انت فی الاصنام بالسید الرب

ترجمہ: "اگر تو مغلوب ہو گیا ہے اور ذلیل ہو کر اوندھا ہو گیا ہے تو پھر تو بتوں میں بڑا رب نہیں ہے۔"

انہوں نے بت کو لیا۔ اسے اس کی سابقہ حالت پر لوٹا دیا۔ جب وہ سیدھا ہو گیا تو اس کے پیٹ سے یہ آواز آئی:

تردی لمولود اضائت لنوره ۔۔۔ جمع فجاج الارض بالشرق والغرب

ترجمہ: "ہم اس مبارک مولود کی وجہ سے برباد ہو گئے ہیں۔ جس کے نور سے زمین کی ساری شاہراہیں از مشرق تا غرب روشن ہو گئی ہیں۔"

وخرت له الاوثان طرا وارعدت ۔۔۔ قلوب الملوك الارض طرا من الرعب

ترجمہ: "سارے بت اس کی وجہ سے گر گئے ہیں اور اس کے رعب سے سارے بادشاہوں کے دل لرز اٹھے ہیں۔"

و نار جمیع الفرس باخت و اظلمت ۔۔۔ قد بات شاه الفرس فی اعظم الکرب

ترجمہ: "سارے ایران کی آگ بجھ گئی ہے اور تاریکی چھا گئی ہے اور شاہ ایران سے بڑی تکلیف میں رات بسر کی ہے۔"

و صدت عن الکهان بالغیب جنها ۔۔۔ فلا مخبر منهم بحق ولا کذب

ترجمہ: "اس آگ نے کاہنوں کے جنات غیب کی خبریں سننے سے روک دیا ہے اب سچ یہ جھوٹ کی خبر دینے والا کوئی نہیں ہے۔"

فیا لقصی ارجعوا عن ضلالتکم ۔۔۔ و هبّوا الی الاسلام والمنزل الرحب

ترجمہ: "اے قصی کی اولاد! اپنی گمراہی سے لوٹ چلو اور اسلام اور وسیع منزل کی طرف جلدی سے چلو۔"

خرائطی نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بتایا جاتا ہے کہ زید بن عمرو اور ورقہ بن نوفل نجاشی کے پاس گئے۔ اس وقت ابرہہ مکہ مکرمہ سے واپس جا چکا تھا۔ انہوں نے کہا: "جب ہم اس کے پاس گئے تو اس نے کہا: "اے قریشیو! مجھے سچ بتانا کہ تم میں ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جس کے والد گرامی کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ جب ان

کے لیے قرعہ اندازی کی گئی تو وہ بچ گئے اور ان کی طرف سے بہت سے اونٹ ذبح کیے گئے۔'' ہم نے کہا: ''ہاں!'' اس نے پوچھا: ''کیا تمہیں علم ہے کہ انہوں نے کیا کیا؟'' ہم نے کہا: ''انہوں نے ایک عورت سے شادی کی جسے آمنہ رضی اللہ عنہا کہا جاتا ہے۔ انہوں نے انہیں حاملہ حالت میں چھوڑا اور عازم سفر ہو گئے۔'' نجاشی: ''کیا تمہیں علم ہے کہ کیا ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے یا نہیں۔'' ورقہ نے کہا: ''بادشاہ سلامت! میں تمہیں بتاتا ہوں۔ میں اپنے ایک بت کے قریب ہوا۔ میں نے اس کے پیٹ سے کسی ہاتف کو سنا وہ کہہ رہا تھا:

ولد النبی فذلت الاملاک   و نأی الضلال و ادبر الاشراک

ترجمہ: ''نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے۔ بادشاہ ذلیل ہو گئے۔ گمراہی دور چلی گئی اور شرک پیٹھ کر دور ہو گیا۔''

پھر وہ بت اپنے منہ کے بل گر پڑا۔ زید بن عمرو نے کہا: ''اے بادشاہ! مجھے اس کے بارے علم ہے۔ میں اس رات باہر نکلا میں کوہِ ابی قبیس پر آیا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے دو سبز پر تھے۔ وہ کوہِ ابی قبیس پر کھڑا تھا۔ پھر اس نے مکہ مکرمہ کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا: ''شیطان ذلیل ہو گیا۔ بت باطل ہو گئے۔ الامین پیدا ہو گئے۔'' پھر اس نے اپنا کپڑا پھیلایا۔ اس نے اسے مشرق و مغرب تک پھیلا دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے نیچے ہر چیز روشن ہو گئی ہے۔ ہاتف اپنے پروں سے پھڑ پھڑایا حتیٰ کہ وہ خانہ کعبہ پر گر پڑا۔ اس کا نور قریب تھا کہ میری بینائی اچک لیتا۔ اس سے سارا تہامہ روشن ہو گیا۔ اس نے کہا: ''زمین پاک ہو گئی۔ اس کی بہار لوٹ آئی۔'' اس نے ان بتوں کی طرف اشارہ کیا جو خانہ کعبہ کی چھت پر تھے۔ وہ سارے نیچے گر پڑے۔'' نجاشی نے کہا: ''اب میں تمہیں اپنے بارے بتاتا ہوں۔ میں اس رات سویا تھا۔ جس رات کا تذکرہ تم کر رہے ہو۔ میں اپنے خیمہ میں تنہا تھا۔ اچانک زمین سے سر اور گردن بلند ہوئے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''اصحابِ فیل پر ہلاکت اتری! ابابیل نے انہیں پتھروں سے برباد کر دیا۔ ظالم اور مجرم اشرم ہلاک ہو گیا ہے۔ نبی مکی حرمی ﷺ پیدا ہو گئے ہیں جس نے ان کی صدا پر لبیک کہا وہ کامیاب ہو گیا جس نے انکار کیا وہ سرکشی کر گیا۔'' پھر وہ زمین میں داخل ہو گیا۔ وہ غائب ہو گیا۔ میں چیخنے لگا۔ میں گفتگو بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کھڑے ہونے کا اردہ کیا مگر میں کھڑا نہ ہو سکا۔ میرے اہلِ خانہ میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں کہا: ''اہلِ حبشہ کو مجھ سے دور لے جاؤ۔'' وہ انہیں دور لے گئے تو رب تعالیٰ نے میری زبان اور ٹانگیں چھوڑ دیں۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت عبدالرحمان بن عوف سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تو ایک ہاتف نے کوہِ ابی قبس سے اور دوسرے نے الحجون سے آواز دی۔ جو حجون پر کھڑا تھا۔ اس نے یہ اشعار پڑھے:

فاقسم ما انثی من الناس انجبت   ولا ولدت انثی من الناس والدہ

کما ولدت زھریۃ ذات مفخر   مجنبۃ لؤم القبائل ماجدہ

فقد ولدت خير البرية احمد ۔ فاكرم بمولود و اكرم بوالدة

ترجمہ ”میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ لوگوں میں سے کوئی عورت بھی اتنی بلند قسمت نہیں نہ ہی کسی عورت اتنا بہترین بچہ جنم دیا ہے جس طرح کا مبارک بچہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے جنم دیا ہے۔ اس کی بزرگی قبائل کی ملامت کے لیے ڈھال ہے۔ انہوں نے سارے لوگوں سے بہترین احمد مجتبیٰ ﷺ کو جنم دیا ہے۔ یہ مولود کتنا مبارک ہے اور اس کی والدہ ماجدہ کتنی مبارک ہے۔“

يا ساكني البطحاء لا تغلطوا ۔ و ميزوا الامر بعقل مضى

ان بني زهرة من سركم ۔ في غابر الامر و عند البدى

واحدة منكم فهاتوا لنا ۔ فمن مضى في الناس او من بقى

واحدة من غيرهم مثلها ۔ جنينها مثل النبي التقى

ترجمہ: ”اے بطحاء کے مکینو! لغزش نہ کھاؤ۔ اور عمدہ عقل کے ساتھ معاملہ کو ممتاز کرو۔ بنو زہرہ تمہاری گزشتہ اور موجودہ افراد میں سے افضل ہیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا یکتا اور بے مثال ہیں گزشتہ اور موجود لوگوں میں ان کی مثال کو لاؤ۔ ان کا بچہ نبی تقی بن کر تشریف لائے گا۔“

❁❁❁

گیارھواں باب

دریائے دجلہ کا پھٹ جانا، ایوانِ کسریٰ کا لرز اٹھنا، اس کے کنگرے گر جانا اور آگ کا بجھ جانا

ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ پرویز کسریٰ نے دریائے دجلہ کے کنارے پر ایک محل تعمیر کیا۔ اس پر بہت زیادہ مال و دولت خرچ کیا۔ اس نے اس عمارت کا بہت بڑا محراب بنایا جس جیسا محراب اور کہیں نہ تھا۔ ہمہ وقت اس کے پاس کاہن، جادوگر اور ستارہ شناس رہتے تھے۔ ان میں ایک عرب شخص بھی تھا۔ جسے سائب کہا جاتا تھا۔ باذان نے اسے یمن سے بھیجا تھا۔ جب کسریٰ کو کسی اہم کام کا سامنا ہوتا تو وہ ان سب کو جمع کرتا اور کہتا: "اس معاملہ میں غور و فکر کرو کہ یہ کیا ہے۔"

جب حضور اکرم ﷺ پیدا ہوئے تو کسریٰ نے دیکھا کہ اس عمارت کا محراب کسی سبب کے بغیر ہی پھٹ گیا ہے۔ دریائے دجلہ کا بند بند ٹوٹ گیا ہے۔ یہ معاملہ دیکھ کر وہ غمزدہ ہو گیا۔ اس نے اپنے کاہن، جادوگر اور نجومی بلائے۔ ان میں سائب بھی تھا۔ اس نے انہیں کہا: "میری عمارت کا محراب کسی ظاہری سبب کے بغیر ہی پھٹ گیا ہے۔ تم اپنے علم کے مطابق اس کا سبب بیان کرو۔" انہوں نے آسمان میں غور و فکر کیا ان کے لیے زمین تاریک ہو گئی۔ لیکن انہیں کسی چیز کا علم نہ ہو سکا۔ سائب نے یہ تاریک رات ایک ٹیلے پر گزاری۔ وہ دیکھتا رہا۔ اس نے حجاز کی طرف چمکتی ہوئی بجلی دیکھی۔ وہ مشرق کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ وقتِ صبح اس نے اپنے نیچے ایک سبز باغ دیکھا۔ اس نے اپنے قیافہ کے بارے بتایا جو کچھ میں نے دیکھا ہے اگر یہ صحیح ہے تو بھی حجاز سے ایک سلطان اعظم (ﷺ) کا ظہور ہوگا۔ وہ مشرق تک پہنچیں گے۔ ان کی وجہ سے زمین بہت زیادہ شاداب ہو جائے گی۔" جب کاہن اور نجومی ایک دوسرے سے ملے اور انہوں نے وہ دیکھا جو انہیں پہنچا تھا۔ سائب نے جو کچھ دیکھا تھا وہ دیکھا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: "بخدا! کسی اہم امر کی وجہ سے تمہارے علم اور اس چیز کے مابین کچھ حائل ہے۔ یہ امر آسمان سے آیا ہے۔ ایک نبی کریم ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں یا مبعوث ہوں گے۔ جو اس بادشاہ سے یہ ملک چھین لیں گے۔ اگر تم نے کسریٰ کو یہ بتا دیا کہ تمہارا یہ ملک تم سے چھن جائے گا تو وہ تمہیں قتل کر دے گا۔" انہوں نے باہم اتفاق کر لیا کہ وہ یہ معاملہ کسریٰ سے چھپائیں گے۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا: "ہم نے غور و فکر کیا ہے ہم نے پایا ہے کہ دجلہ کے بند اور عمارت کے محراب کا آغاز منحوس دن سے کیا گیا تھا۔ جب شب و روز گزرتے گئے تو نحوست ان پر چھاتی گئی اور یہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ اب ہم آپ کے لیے حساب و کتاب کرتے

ہیں۔ اس پر آپ کی عمارت تعمیر کرتے ہیں جو کبھی بھی زوال پذیر نہ ہوگی۔" انہوں نے اعداد و شمار کیا۔ بادشاہ کو عمارت بنانے کے لیے کہا۔ انہوں نے دریائے دجلہ کا بند آٹھ ماہ میں تعمیر کر دیا۔ اس پر بڑے بڑے اموال خرچ کیے حتیٰ کہ وہ اس سے فارغ ہو گئے۔ بادشاہ نے اس سے انہیں کہا: "کیا میں اس کی دیواروں پر اپنی محفل سجا لوں؟" انہوں نے کہا: "ہاں! بادشاہ نے وہاں فرش اور قالین بچھانے کا حکم دیا۔ وہ اسی حالت پر تھے کہ دریائے دجلہ پھٹ گیا۔ وہ عمارت نیچے سے بہہ گئی۔ اس نے اپنے سارے کاہن، جادوگر اور نجومی جمع کیے اور ایک سو کے قریب کو قتل کر دیا۔ اس نے انہیں کہا: "میں نے تمہیں اپنا قرب دیا تم پر اپنے اموال خرچ کیے پھر تم نے مجھ سے خیانت کی۔" انہوں نے کہا: "ہم نے اسی طرح خطا کی ہے جس طرح ہم سے پہلے لوگوں نے لغزش کی تھی۔" پھر انہوں نے حساب و کتاب کیا۔ اسے عمارت بنانے کا حکم دیا۔ جب وہ عمارت بنانے سے فارغ ہو گیا۔ انہوں نے بادشاہ کو اوپر بیٹھنے کے لیے کہا۔ بادشاہ وہاں بیٹھنے سے ڈر گیا۔ وہ سوار ہوا اور اس کی بنیاد پر چلنے لگا۔ جب وہ چل رہا تھا تو عمارت دوبارہ پھٹ گئی۔ وہ آخر تک بہہ گئی۔ بادشاہ نے ان سب کو بلایا۔ اس نے کہا: "میں تم سب کو تہ تیغ کر دوں گا ورنہ مجھ سے سچ بولو۔ انہوں نے اس کے ساتھ سچ بولا اور اسے معاملہ کی خبر دی۔" بادشاہ نے کہا: "تمہارے لیے ہلاکت! تم نے یہ سب کچھ مجھے پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔" انہوں نے کہا: "ہمیں خوف نے روکا تھا۔" بادشاہ نے انہیں چھوڑ دیا۔

ابن جریر نے تاریخ میں، امام بیہقی اور ابونعیم نے دلائل میں اور خرائطی نے مخزوم بن ہانی سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی عمر ۱۵۰ سال تھی۔ انہوں نے کہا: "جب وہ رات آئی جس میں حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی تھی تو کسریٰ کا محل لرز اٹھا۔ اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ ایران کی آگ بجھ گئی۔ حالانکہ وہ ایک ہزار سال سے نہیں بجھی تھی۔ بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا۔ موبذان نے خواب میں دیکھا کہ آگے آگے باغی اونٹ ہیں اور ان کے پیچھے عربی گھوڑے ہیں۔ انہوں نے دریائے دجلہ کو عبور کیا اور کسریٰ کے شہروں میں پھیل گئے۔ وقت صبح کسریٰ گھبرا کر اٹھا۔ پہلے جرأت کر کے اس پر صبر کیا۔ پھر اس سے سوچا کہ یہ امر اپنے وزراء اور مشیروں سے چھپانا نہیں چاہیے۔" اس نے اپنے وزراء اور مشیر جمع کیے۔ اپنا تاج پہنا۔ اپنے تخت پر بیٹھا۔ پھر اپنے مشیروں اور وزیروں کو بلایا۔ جب وہ جمع ہو گئے تو نے ان سے پوچھا: "کیا تمہیں علم ہے کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔" انہوں نے کہا: "نہیں! جب تک کہ آپ خود نہ بتا دیں۔" بادشاہ اسی حالت پر تھا جب اسے ایک خط ملا جس میں ایران کی آگ کے بجھ جانے کا تذکرہ تھا۔ اس کا غم بڑھ گیا۔ پھر اس نے وہ امر بھی بیان کر دیا جس نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا۔ موبذان نے کہا: "اللہ تعالیٰ بادشاہ کی اصلاح کرے۔ میں نے اس رات دیکھا ہے۔" پھر اس نے بادشاہ کو اپنا خواب بیان کر دیا۔ بادشاہ: "موبذان یہ سب کچھ کس لیے ہے۔" موبذان ان کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے کہا: "یہ اس واقعہ کی وجہ سے ہے جو عرب کی طرف رونما ہوا ہے۔" کسریٰ نے نعمان بن منذر کی طرف لکھا۔ "میری طرف ایک ایسا عالم بھیجو جس سے میں جو چاہوں پوچھ لوں۔" نعمان نے عبدالمسیح کو

اس کی طرف بھیج دیا۔ وہ بادشاہ کے پاس آیا تو اس نے کہا: "کیا تجھے علم ہے کہ میں تجھ سے کیا پوچھنا چاہتا ہوں؟" عبد المسیح: "مجھے بادشاہ بتا دیں، اگر میرے پاس علم ہوا تو میں خود بتا دوں گا ورنہ اس شخص کی طرف راہ نمائی کروں گا جو یہ سب کچھ جانتا ہوگا۔" بادشاہ نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ عبد المسیح نے کہا "یہ علم میرے ماموں کے پاس ہے جو شام کے مشرقی علاقے میں رہتا ہے اس کا نام سطیح ہے۔" بادشاہ: "اس کے پاس جا۔ اس سے اس امر کے متعلق پوچھو۔ اور اس کی تعبیر میرے پاس لے کر آؤ۔" عبد المسیح اٹھا۔ سطیح تک پہنچا۔ وہ نزاع کے عالم میں تھا۔ عبد المسیح نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب نہ دیا۔ عبد المسیح نے یہ اشعار پڑھے۔

اصم ام یسمع یظریف الیمن....

جب سطیح نے عبد المسیح کا کلام سنا تو اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ پھر کہا: "عبد المسیح تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر آیا ہے۔ وہ سطیح کے پاس آیا ہے حالانکہ سطیح اس وقت نزع کے عالم میں ہے۔ تجھے بنو ساسان کے بادشاہ نے بھیجا ہے۔ تاکہ ایوانِ کسریٰ کے لرزنے، آگ کے بجھنے اور موبذان کے خواب کے بارے بتائے موبذان کے سرکش اونٹ دیکھے جنہیں عربی گھوڑے ہانک رہے تھے۔ انہوں نے دریائے دجلہ کو عبور کر لیا تھا۔ وہ کسریٰ کے شہروں میں پھیل گئے تھے۔ عبد المسیح! جب تلاوت کثرت سے ہوگی۔ عصا والا ظاہر کا ہوگا وادی سماوہ بہنے لگے گی۔ بحیری ساوہ خشک ہو جائے گا تو یہ ملک شام سطیح کا ملک نہ رہے گا۔ کسریٰ کے بادشاہ اتنے ہوں گے جتنے کنگرے گرے ہیں۔ آنے والا امر آ کر رہے گا۔" پھر سطیح اسی جگہ مر گیا۔ عبد المسیح کسریٰ کے پاس آیا۔ اسے یہ تعبیر بتائی۔ اس نے کہا: "ابھی تو ہم میں چودہ بادشاہ ہوں گے۔ پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" ان کے دس بادشاہ چار سالوں میں گزر گئے۔ بقیہ چار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک رہے۔ اللہ تعالیٰ ابو عبد اللہ محمد بن ابی زکریا یحییٰ بن علی الشقراطی پر رحم کرے۔ انہوں نے کتنے عمدہ اشعار کہے ہیں:

ضائت لمولدہ الآفاق واتصلت بشری الھواتف فی الاشراق والطفل

و صرح کسریٰ تداعی من قواعدہ وانقض منکسر الارجاء ذامیل

و نار فارس لم توقدو ما خمدت من الف عام و نھر القوم لم یسل

خرت لمولدہ الاوثان وانبعثت ثواقب الشھب ترمی الجن بالشعل

ترجمہ: "آپ کی ولادت کے وقت آفاق روشن ہو گئے اور صبح و شام ہواتف لگاتار بشارات دینے لگے۔ کسریٰ کا محل بنیادوں سے لرز گیا۔ اس کے اطراف ٹوٹ کر گر پڑے اور وہ ایک طرف جھک گیا۔ ایران کی آگ بجھ گئی۔ جو ایک ہزار سال لگاتار جل رہی تھی بجھی نہ تھی۔ اسی طرح قوم کا دریا بھی خشک ہو گیا۔ آپ کی ولادت کے وقت بت نیچے گر پڑے۔ ایسے شہاب ثاقب گرے جو جنات پر آگ کے شعلے پھینکتے تھے۔"

امام بوصیری نے لکھا ہے:

أَبَان مولده عن طيب عنصرهِ　　يا طيب مبتداء منه و مختتمِ

ترجمہ: "آپ کی پاکیٔ فطرت کی وجہ سے آپ کے زمانہ ولادت نے بہت سے امور کو ظاہر کیا۔ آپ کا حسنِ ابتداء اور حسنِ خاتمہ کتنا خوبصورت ہے۔"

يومٌ تفرّس فيه الفرس انهم　　قد أُنذِرُوْا بحلول اليؤس والنّقم

ترجمہ: "اسی مبارک دن کو اہلِ فارس نے فراست سے معلوم کر لیا کہ انہیں عنقریب اور سخت عذاب کے نزول سے ڈرایا جائے گا۔"

و باتَ ايوان كسرى وهو مُنْصَدِعٌ　　كشمل اصحاب كسرى غير مُلْتَئِمِ

ترجمہ: "اس روز کسریٰ کا محل یوں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا جیسے نوشیرواں کا لشکر بکھر گیا تھا۔"

والنّار خامِدَةُ الانفاس مِن اَسَفٍ　　عَلَيهِ والنهر ساهِى العين مُنْسَدِمِ

ترجمہ: "آگ کے وہ شعلے بجھ گئے جو ساوہ کے خشک ہونے پر آنسو بہاتے تھے اور نہر فرات کی آنکھ شرمندگی کی وجہ سے غلط بین ہو گئی۔"

و سَاءَ سَاوَة ان غاضت بُحيرتُها　　و رُدَّ وارِدُهَا بِالْغَيْظ حِيْن ظَمِى

ترجمہ: "ساوہ کے باسی غمزدہ ہو گئے کیونکہ اس کا پانی جذب ہو گیا۔ پیاسا اس کے پاس آیا تو وہ غضبناک ہو کر واپس گیا۔"

كان بالنّار ما بالماء من بَلَلٍ　　حُزنًا و بالماء ما بالنّار مِن ضرمِ

ترجمہ: "گویا کہ غم کی وجہ سے آگ میں پانی کی خاصیت پیدا ہو گئی۔ اور پانی میں آگ کے اوصاف پیدا ہو گئے۔"

والجن تهتِف والانوار ساطعة　　والحق يظهر من مَعنى و مِن كلِمِ

ترجمہ: "جنات آپ کی نبوت کی صدا لگا رہے ہیں۔ انوار پھیل رہے ہیں، صداقت لفظاً اور معنیً ظاہر ہو رہے ہیں۔"

عموا و صَمُّوا فاعلانُ البَشائرِ لَمْ　　يُسمع وَ بارِقَة الانذار لم تُشِمِ

ترجمہ: "منکرین ایسے اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں کہ انہیں نہ تو بشارت کا اعلان سنائی دیتا ہے نہ غضب الٰہی کی بجلی نظر آتی تھی۔"

من بعدها اخبر الاقوام كاهِنُهم　　بأنّ دِينَهم المُعوَجَّ لَم يُقِمِ

ترجمہ: "اس کے باوجود کہ اقوام کا کاہن انہیں بتا چکا تھا کہ اب کا ٹیڑھا دین درست نہیں ہو گا۔"

من بعد ما عاينوا فى الأفق من شهبٍ　　مُنقضَّةٍ وَ فق مَا فِي الارضِ من صَنَمِ

ترجمہ: "اس کے بعد کہ انہوں نے افق سے شہابوں کو گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی طرح زمین میں بت بھی اوندھے ہو گئے تھے۔"

حتّٰى غدا عن طريق الحقِّ مُنهزمٌ　　مِنَ الشياطين يَقفُو اِثرَ منهزمِ

ترجمہ: "حتیٰ کہ شیاطین پر آگ کے انگارے پڑے وہ آسمان کے دروازے چھوڑ کر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگے۔"

امام بوصیری نے اپنے قصیدے ہمزیہ میں لکھا ہے:

و محيّا كالشمس مِنك مضِيءٌ　　اَسْفَرت عَنهُ ليلةٌ غراءُ

ترجمہ: "آپ کا چہرۂ انور سورج کی طرح تاباں ہے جس نے روشن رات جگمگا اٹھی۔"

ليلةُ المولِدِ الّذى كانَ لِلدِّينِ　　مِنْ سرورٌ بِيَومِهٖ وازْدِهَاءُ

ترجمہ: "میلاد پاک کی رات وہ ہے جس کے دن میں دین کے لیے سرور اور رونق ہے۔"

و توالت بشرى الهواتفِ اَنْ قد　　وُلِد المُطْفَى وَ حَقّ الهَنَاءُ

ترجمہ: "ھواتف کی بشارات لگاتار آتی رہیں کہ مصطفی پاک ﷺ کی ولادت ہو چکی ہے۔ وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔"

و تداعَى اِيوانُ كِسوَى ولَو　　لَا آيَةٌ مِنْك ما تداعَى البِنَاءُ

ترجمہ: "ایوانِ کسریٰ کی بنیادیں لرز گئیں۔ اگر یہ آپ کی طرف سے معجزہ نہ ہوتا تو یہ بنیادیں نہ لرزتیں۔"

و غدا كلُّ بيتِ نارٍ و فيه　　كُربةٌ مِن خُمودها و بلاءُ

ترجمہ: "یہ آتش کدہ جس میں آگ جل رہی تھی۔ اس میں آگ کے بجھنے کی وجہ سے مصیبت اور بلا آ گئی۔"

و عيونٌ للفرس غارت فهل كانَ　　لِنيرانِهم بِهَا اِطْفَاءُ

ترجمہ: "اہلِ فارس کے چشمے خشک ہو گئے۔ کیا ان سے ان کی آگ بجھ سکتی ہے۔"

فَهَنِيئًا بِهٖ لآمِنَةَ الفَضْلُ　　الذى شرُفت بهٖ حَوَّاءُ

ترجمہ: "آپ کی وجہ سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو مبارک ہو۔ یہ مبارک اس فضل کی وجہ سے ہے جس سے آپ کی اجداد کو نوازا گیا۔"

مَنْ لِحَوّاءَ اَنَّهَا حَملت اَحْ　　مَدًا و انها بهٖ نُفَسَاءُ

ترجمہ: "ان جدات طاہرات کو مبارک جس کی پاکیزہ رحموں میں آپ جاتے رہے اور باہر تشریف لاتے رہے۔"

يَومَ نالَت بِوَضعِهِ ابْنَةُ وَهْبٍ من فخارٍ مَالم تنله النِّساءُ

ترجمہ: "جب حضرت آمنہ کے ہاں آپ کی ولادت ہوئی تو انہوں نے وہ فخر پایا جسے اور عورتیں نہ پاسکیں۔"

و أتت قومها بأفضَلِ مِما حَمَلَت قَبْلُ مَريمُ العَذرَاءُ

ترجمہ: "وہ اپنی قوم کے پاس اس من موہنے بچے سے افضل نور نظر لے کر آئیں جسے کنواری حضرت مریم علیہا السلام لے کر آئی تھیں۔"

شَمَّتَتْهُ الاملاكُ إذ وَضَعَتْهُ و شفتنا بِقولِها الشفاءُ

ترجمہ: "جب آپ ان کے ہاں پیدا ہوئے تو ملائکہ نے آپ کو یرحمک اللہ کہا حضرت شفاء رضی اللہ عنہا نے اپنے فرمان سے شفا پالی۔"

رافعًا رَأسَه و فی ذالِك الرَّفْعِ اِلٰی کُلِّ سُؤدَدٍ اِیْمَاءُ

ترجمہ: "آپ اپنے سر اقدس کو اوپر اٹھائے ہوئے تھے اس سر بلندی میں ہر سرداری کی طرف اشارہ تھا۔"

رَامِقًا طَرفه السَّمَاءَ وَ مَرْمَی عَیْنِ مِنْ شأنه العلُّو العلاءُ

ترجمہ: "آپ نے نظر مبارک آسمان کی طرف اٹھائی ہوئی تھی۔ آپ کی اس بلند نظر میں رفعت اور بلندی کی علامت تھی۔"

و تدلّت زُهْرُ النجوم اِلَیْهِ وَ اَضَائَت بِضَوْءِ هَا الارجاءُ

ترجمہ: "ستاروں کی روشنی آپ کے قریب ہوگئی۔ ان کی نورانیت میں سے زمین کی اطراف جگمگا اٹھیں۔"

وَ تراءَ ت قُصورُ قیصر بالشّامِ یراها مَن دَارُهُ البِطحاءُ

ترجمہ: "انہوں نے اس نور میں روم میں قیصر کے محلات دیکھ لیے۔ یہ منظر اس نے دیکھا جس کا گھر وادیٔ بطحا میں تھا۔"

❁❁❁

بارھواں باب

ابن اسحاق اور امام واقدی نے لکھا ہے "جب حضور اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ آئیں اور اسے دیکھیں۔" وہ آئے اور آپ کی زیارت کی۔ حضرت آمنہ نے ان کو وہ سارے واقعات بتائے جو وقتِ حمل رونما ہوئے تھے۔ جو کچھ ان سے کہا گیا تھا جو انہیں نام نامی کے بارے حکم دیا تھا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کو لیا خانہ کعبہ لے گئے رب تعالیٰ سے دعائیں مانگنے لگے۔ اس عطاء پر اس کا شکر ادا کرنے لگے۔ پھر آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے گئے۔ ان کی زبان پر یہ اشعار تھے:

الحمد لله الذی اعطانی — هذا الغلام الطیب الاردان

قد ساد فی المهد فی علی الغلمان — اعیذهٗ بالبیت ذی الارکانِ

حتی یکون بلغة الفتیان — حتی اراه بالغ التبیانِ

اعیذه من شرذی شنأنٍ — من حاسد مضطرب العیانِ

ذی همة لیس له عینانِ — حتی اراه رافعا للشانِ

انت الذی سمیت فی الفرقان — احمد مکتوب علی اللسانِ

ترجمہ: "سب ستائش اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے مجھے صاف آستینوں والا یہ مبارک بچہ عطا کیا۔ یہ اپنے پنگھوڑے میں ہی سارے بچوں کا سردار بن گیا ہے۔ میں اس کو ارکان والے بیت اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ حتیٰ کہ میں اسے توانا اور طاقتور دیکھوں۔ میں اسے رب تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ اس حاسد کے شر سے اس کی پناہ میں دیتا ہوں۔ جو آنکھیں گھماتا ہے۔ میں اسے اس ہمت والے سے رب تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں جو صاحب بصارت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ میں اسے رفیع الشان والا اور بلند منصب والا دیکھوں۔ آپ ہی کی ذات وہ ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے احمد مجتبیٰ ﷺ نام پاک زبان پر رواں ہے۔"

امام بیہقی نے ابوالحسن التنوخی سے روایت کیا ہے کہ جب آپ کی ولادت باسعادت کو سات دن گزر گئے تو آپ کے دادا جان آپ کی طرف سے بکرے ذبح کیے قریش کی دعوت کی۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو انہوں نے پوچھا "عبدالمطلب رضی اللہ عنہ! اپنے نورِ نظر کا نام کیا رکھا ہے؟" انہوں نے فرمایا: "میں نے اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا ہے۔" قریش: "آپ نے اپنے آباء واجداد کے ناموں سے اعراض کیوں کیا؟" انہوں نے فرمایا: "میں چاہتا ہوں کہ آسمان میں رب تعالیٰ اور زمین میں اس کی مخلوق ان کی تعریف کرے گا۔"

ابوعمر اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ کے جدامجد نے آپ کی طرف سے ایک مینڈھا ذبح کر کے آپ کا عقیقہ کیا اور آپ کا نام نامی "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" رکھا۔ آپ سے عرض کی گئی ابوالحارث! آپ نے ان من موہنے بچے کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیوں رکھا ہے اور اس کے آباء کے اسماء میں سے کوئی نام کیوں نہ رکھا؟ انہوں نے کہا: "میرا ارادہ ہے کہ رب تعالیٰ آسمان میں اور زمین میں لوگ اس کی تعریف کریں۔"

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ ایک خواب کی وجہ سے حضرت عبدالمطلب نے آپ کا نام "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" رکھا تھا۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ گویا کہ چاندی کی ایک زنجیر ان کی پشت سے نکلی ہے۔ اس کا ایک کنارہ آسمان پر دوسرا زمین میں ہے۔ پھر وہ ایک درخت کی طرح ہو گئی۔ اس کے ہر ہر پتے پر نور تھا۔ مشرق ومغرب والے اس کے اردگرد لٹکے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک کاہنہ سے یہ خواب بیان کیا تو اس نے یہ تعبیر بتائی کہ ان کی صلب سے ایک بچہ پیدا ہوگا۔ آسمان اور زمین والے جس کی تعریف کریں گے۔ اس لیے انہوں نے آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی وہ کچھ بتایا ہوگا جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ امام عارف باللہ ابراہیم بن احمد الرقی پر رحم کرے انہوں نے یہ اشعار کتنے عمدہ کہے ہیں:

لو ان کل الخلق لیلة المولد　　　الهادی علی الهامات منهم قاموا

ترجمہ: "اگر آپ کی ولادت کی رات ساری مخلوق سر کے بل کھڑی ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو۔"

شکر النعمة ربهم فیها حبو　　　فیها بعشر عشیرها ما قاموا

ترجمہ: "رب تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے کا شکر ادا کریں تو وہ اس کے دسویں حصہ کا دسویں حصہ بھی ادا نہیں کر سکیں گے۔"

هی نعمة ما غادرت من دینه　　　کفر ولا من دینه الاسلام

ترجمہ: "اس نعمت نے کسی کو نہیں چھوڑا خواہ اس کا دین کفر تھا یا اسلام۔"

عمتهم بحارها فالعالم　　　العلوی والسفلی فیها عاموا

ترجمہ: "اس کا سمندر عالم علوی اور عالم سفلی سب کو محیط ہو گیا۔"

فالحمد لله الذی من فضله عم البرية كلها الانعام

ترجمہ: "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے فضل سے سارے انسانوں پر انعام فرمایا۔"

نظر الرحيم الى الورٰى فرآهم اغوتهم الانصاب والازلام

ترجمہ: "اس رحیم ذات نے لوگوں کی طرف دیکھا۔ اس نے انہیں اس طرح دیکھا کہ بتوں اور تیروں نے انہیں برباد کر دیا تھا۔"

و تحيروا فى ظلمة الكفر الذى عبدت به الاوثان والاصنام

ترجمہ: "وہ کفر کی اس تاریکی میں سرگرداں تھے جس میں بتوں اور اصنام کی پوجا کی جاتی تھی۔"

تفشى الفواحش فى المحافل جهرةً لا ينكرون كانهم انعام

ترجمہ: "سرعام محافل میں گناہ کیے جاتے تھے وہ انہیں عجیب نہیں سمجھتے تھے گویا کہ وہ جانور تھے۔"

يبغى القوى على الضعيف يقهر الوالى اليتيم و تقطع الارحام

ترجمہ: "قوی کمزور پر ظلم کرتا تھا۔ سرپرست یتیم پر ظلم ڈھاتا تھا۔ قطع رحمی کی جاتی تھی۔"

فاغاثهم رب العباد بشرعة فيها الحدود على السداد تقام

ترجمہ: "رب تعالیٰ نے ایسی شریعت کے ساتھ اپنے بندوں کی مدد کی۔ جس میں درست کرنے کے لیے حدود قائم کی جاتی ہیں۔"

دين النبى محمد خير الورٰى من فصلت فى دينه الاحكام

ترجمہ: "حضور ﷺ کا دین جو سب سے بہترین ہیں جن کے دین میں احکام تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔"

موسٰى و عيسٰى بشرا بظهوره و دعا به من قبل ابراهام

ترجمہ: "حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے ان کے ظہور کی بشارت دی اور اس سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے دعا کی۔"

شكرا لمهديه الينا نعمة ليست تحيط بكنهها الاوهام

ترجمہ: "اس ذات والا کا شکریہ جس نے ہم پر ایسی نعمت کی ہے جس کی حقیقت کو ذہن نہیں پہنچ سکتے۔"

❁❁❁

تیرھواں باب

میلادِ پاک کے بارے علماء کے اقوال

حافظ ابوالخیر سخاوی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے: "میلاد پاک کا عمل تیسری صدی کے اسلاف صالحہ میں سے کسی سے بھی منقول نہیں۔ اس پر بعد میں عمل ہونے لگا۔ پھر سارے شہروں اور اطراف و اکناف میں لوگ ربیع الاول کے مہینے میں جمع ہوتے ہیں۔ وہ ایسے امور سرانجام دیتے ہیں جو بہت رونق پر دلالت کرتے تھے۔ وہ اس کی راتوں میں گوناگوں خیرات کرتے ہیں۔ وہ مسرت کا اظہار کرتے ہیں وہ نیک کاموں میں زیادہ رغبت کرتے ہیں۔ وہ میلاد پاک کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ ان پر عام فضل کا اظہار ہوتا ہے۔"

امام الحافظ ابوالخیر بن الجزری نے لکھا ہے "میلاد پاک کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سارے سال میں امان ملتی ہے اور مقاصد میں جلد کامیاب ہونے میں بشارت ملتی ہے۔"

میں کہتا ہوں "سب سے پہلے میلاد پاک اربل کے بادشاہ ابوسعید مظفر کوکوبری بن زین الدین نے شروع کیا تھا" ابن کثیر نے لکھا ہے "یہ بادشاہ میلاد شریف ربیع الاول میں مناتا تھا۔ بہت بڑی محفل کا انعقاد ہوتا تھا۔ یہ بادشاہ زیرک، بہادر، دانا اور مرد میدان تھا۔ شیخ ابن دحیۃ نے میلاد پاک پر ایک کتاب لکھی جس کا نام "التنویر فی مولد البشیر النذیر" رکھا۔ بادشاہ نے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیا۔

سبط ابن الجوزی نے مرآۃ الزمان میں اس شخص سے تفصیل رقم کی ہے جو اس بادشاہ کی محفل میں حاضر تھا کہ اس کی محفل میلاد میں بھونی ہوئی بکریوں کے پانچ ہزار سر تھے۔ دس ہزار مرغیوں کے تھے۔ فرنی کے ایک لاکھ سکورے اور حلوے کے تیس ہزار طشت دیکھے۔ بہت سے علماء اور صوفیاء محفل میلاد میں شرکت کرتے تھے۔ بادشاہ انہیں خلعتیں پہناتا، انعامات سے نوازتا۔ وہ ہر سال محفل میلاد پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ مہمانوں کے لیے مہمان خانہ ہوتا تھا۔ وہ ہر سال اس گھر میں سالانہ ایک لاکھ دینار صرف کرتا تھا۔ وہ ہر سال دو لاکھ دینار صرف کر کے فرنج سے قیدی آزاد کراتا تھا۔ وہ تیس ہزار دینار خرچ کر کے حرمین شریفین کے رستے درست کراتا تھا۔ یہ صدقات ان صدقات کے علاوہ تھے جنہیں مخفی کیا جاتا تھا۔"

اس بادشاہ کی زوجہ ربیعہ خاتون بنت ایوب جو ناصر صلاح الدین بادشاہ کی بہن تھی وہ بیان کرتی ہیں کہ اس بادشاہ کی قمیص موٹے کرباس کی ہوتی تھی۔ جس کی قیمت پانچ دراہم بھی نہیں ہوتی تھی۔ وہ کہتی ہیں "میں ان سے اس کے متعلق

ناراض ہوئی تو انہوں نے کہا "میں پانچ دراہم کا لباس پہنوں اور بقیہ صدقہ کر دو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں قیمتی لباس پہنوں اور فقراء اور مساکین کو نظر انداز کر دوں۔" بہت سے آئمہ نے اس بادشاہ کی تعریف کی ہے۔ ان میں سے ایک حضرت ابوشامہ بھی ہیں جو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "الباعث علی انکار البدع والحوادث" میں انہوں نے لکھا ہے کہ ایسا نیک عمل مستحب ہے۔ اس کو کرنے والے کی قدردانی کی جائے گی اور اس کی تعریف کی جائے گی۔" ابن الجوزی نے لکھا ہے "یہ عمل ابلیس کو ذلیل کرنے اور اہلِ ایمان کے نورِ یقین میں اضافہ کرنے کے لیے ہے۔" علامہ ابن ظفر نے لکھا ہے "الدرر المنتظم" میں ہے حضور ﷺ کے محب اور عاشق آپ کی ولادت کی خوشی میں بہت سی دعوتیں کرتے ہیں۔ قاہرہ میں شیخ ابوالحسن ابن قفل علیہ الرحمۃ بہت بڑی دعوت کا اہتمام کرتے تھے۔ اسی طرح شیخ ابی عبداللہ محمد بن نعمان بھی بہت بڑی دعوت کا اہتمام کرتے تھے۔ اس سے قبل جمال الدین عجمی ہمدانی بھی بہت بڑی دعوت کا اہتمام کرتے تھے۔ یوسف الحجار بھی اپنی وسعت کے مطابق اس محفل کا انعقاد کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں "میں نے یوسف بن علی کو سنا وہ اپنے گھر میں محفل میلاد کا انعقاد کرتے تے۔ وہ فرماتے ہیں "میں نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا۔ اس خواب کو بیس سال گزر چکے ہیں۔ میرا ایک دینی بھائی تھا۔ اس کا نام شیخ ابوبکر حجار تھا۔ میں نے دیکھا کہ گویا کہ میں اور شیخ ابوبکر حجار حضور ﷺ کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ابوبکر نے اپنی داڑھی پکڑ لی اور اسے دو حصوں میں بانٹ دیا۔ حضور ﷺ سے ایسا کلام کیا جسے میں نہ سمجھ سکا۔

حضور اکرم ﷺ نے انہیں جواب ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: "اگر یہ نہ ہوتا تو یہ آگ میں ہوتی۔" پھر آپ نے میری طرف رخ انور کیا۔ آپ نے فرمایا: "میں تمہیں ماروں گا۔ آپ کے ہاتھ میں عصا تھا" میں نے عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ! کس لیے؟" آپ نے فرمایا: "تاکہ تو میلاد پاک منانا اور سنتیں ترک نہ کرے۔" یوسف نے کہا: "بیس سال سے میں محفل میلاد کرا رہا ہوں۔" میں نے اس یوسف کو سنا "میں نے اپنے بھائی ابوبکر حجار سے سنا۔ انہوں نے کہا: "میں نے منصور نشار سے سنا۔" انہوں نے کہا: "میں نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے وہ قول عرض کیا جو فقہاء محافل میلاد کے بارے کرتے تھے۔" آپ نے فرمایا: "جو ہم سے خوش ہوتا ہے۔ ہم اس سے خوش ہوتے ہیں۔"

شیخ امام علامہ نصیر الدین ابن الطباخ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے: "جب کوئی خرچ کرنے والا اس رات میں خرچ کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو جمع کرتا ہے۔ انہیں وہ جو کچھ کھلاتا ہے جس کا کھانا حلال ہے۔ وہ سناتا ہے جس کا سننا حلال ہے اور لوگوں کو ایسے امور بتاتا ہے جو انہیں آخرت کا شوق دلاتے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ حضور ﷺ کی ولادت مبارک پر خوشی مناتے ہوئے کرتا ہے۔ یہ سب کچھ جائز ہے۔ اس سے ثواب ملے گا۔ بشرطیکہ اس کی نیت صاف ہو۔ وہ یہ دعوت فقراء کو چھوڑ کر اغنیاء کے ساتھ مختص نہ کرے۔ مگر وہ فقراء اور غرباء کے ساتھ ہمدردی کا ارادہ کرے تو اسے زیادہ ثواب ملے گا۔ اگر اجتماع اس طرح کا ہو جس طرح آج کل کے قراء اجتماع کرتے ہیں وہ حشیش کھاتے ہیں۔ بے ریش لڑکے وہاں جاتے

ہیں۔ ایسے قوال کو دور کر دیا جاتا ہے جس کی داڑھی ہوتی ہے۔ ایسے نغمات گائے جاتے ہیں جو دنیوی خواہشات کو ابھارتے ہیں، ایسے اجتماع سے علم رب تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں یہ گناہ کی محفل ہے۔"

شیخ امام جمال الدین بن عبدالرحمان الکتانی نے لکھا ہے "حضور ﷺ کا میلاد پاک منانا باعث عزت وتکریم ہے۔ آپ کی ولادت کا دن بڑا عظیم اور مقدس ہے۔ آپ کا وجود مسعود اس کی نجات کے لیے سبب کا مبداء ہے جو آپ کی اتباع کرتا ہے۔ جو آپ کی ولادت پر خوشی مناتا ہے اسے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ اس کی برکات اس شخص کے لیے مکمل ہو جاتی ہیں جو اس سے ہدایت پاتا ہے۔ یہ دن روز جمعہ کے مشابہ ہے جس میں جہنم کو بڑھکا نہیں جاتا۔ اس لیے مسرت کا مناسب اظہار کرنا، خرچ کرنا اور اس شخص کی دعوت پر جانا جو محفل میلاد کراتا ہے۔ مناسب ہے۔

امام ظہیر الدین تزمنتی نے لکھا ہے "یہ فعل زمانہ اول میں اسلاف کرام سے واقعہ نہیں ہوا۔ حالانکہ وہ حضور سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ آپ کی از حد تعظیم بجالاتے تھے۔ اس تعظیم اور محبت تک ہم سب مل کر بھی نہیں پہنچ سکتے۔ بلکہ اس کے ذرہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن یہ بدعت حسنہ ہے۔ بشرطیکہ میلاد کی محفل کرانے والا، پاکباز افراد کو جمع کرے۔ حضور کریم ﷺ پر درود پاک پڑھیں۔ فقراء اور مساکین کو کھانا کھلائیں۔ اس شرط کے ساتھ اسے ہر وقت اس کا ثواب ملے گا۔ لیکن عوام کو جمع کرنا، سماع اور رقص کرنا قوال پر کپڑے پھینک دینا۔ اس کی صورت اور آواز کی تعریف کرنا جائز نہیں۔ بلکہ اس عمل کی مذمت کرنا بہتر ہے۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ سلف صالحین اسے نہیں کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اس امت کے آخر کو وہی امر دوست کرے گا جو اس کے اول کو درست کرے گا۔"

شیخ نصیر الدین نے لکھا ہے "یہ سنت تو نہیں ہے لیکن اس نیت سے اس روز خرچ کرنا اور خوشی کا اظہار کرنا کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ایسا سماع منعقد کرانا جو بے ریش لڑکوں سے خالی ہو۔ جو ایسے نغمات سے خالی ہو جن میں عشقیہ اور دنیاوی خواہشات کو ابھارنے والے اشعار ہوں جیسے کہ قد، رخسار، آنکھوں اور آبرو کی تعریف کرنا۔ بلکہ ایسے اشعار پڑھنا جو آخرت کی رغبت دلائیں۔ دنیا سے زہد پیدا کریں تو یہ ایک عمدہ اجتماع ہے۔ اس کا انعقاد کرنے والے کو عمدہ ثواب ملے گا۔ لیکن اس میں لوگوں کا بلاضرورت مانگنا مکروہ ہے۔ لیکن پاکباز افراد کا ایسے اجتماع جو کھانا کھائیں۔ رب تعالیٰ کا ذکر کریں۔ حضور ﷺ پر درود پاک پڑھیں اس سے اس شخص کے ثواب واجر میں کئی گنا اضافہ ہو گا۔

حضرت ابوشامہ نے اپنی کتاب "الباعث علی انکار البدع والحوادث" میں لکھا ہے کہ امام شافعی نے لکھا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

1. ایسی بدعت جو کتاب وسنت، اثر اور اجماع کے خلاف ہو۔ یہ گمراہ بدعت ہے۔
2. ایسی بدعت جو بھلائی پیدا کرے جو کتاب وسنت اور اجماع کو مخالف نہ ہو۔ یہ بدعت مذمومہ نہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کے بارے فرمایا تھا "یہ بدعت کتنی عمدہ ہے۔" میں کہتا ہوں "یہ حقیقت ہے کیونکہ

حضور ﷺ نے رمضان المبارک میں قیام پر ابھارا آپ نے قیام کیا دوسری رات صحابہ نے آپ کی اقتداء کی پھر حضور ﷺ با جماعت اس کی ادائیگی ترک فرما دی۔ کیونکہ اس میں اس شعار کی حیاتِ نو ہے جس کا شارع نے حکم دیا ہے۔ اس پر ابھارا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔

بدعت حسنہ کے جواز پر اتفاق ہے۔ یہ مستحب ہے۔ اس میں اس شخص کو ثواب ملتا ہے جس کی نیت عمدہ ہوتی ہے۔ یہ ہر وہ بدعت ہوتی ہے۔ جو شریعت مطہرہ کے قواعد کے موافق ہوتی ہے۔ وہ کتاب وسنت میں سے کسی چیز کے مخالف نہیں ہوتی۔ نہ ہی اس کے کرنے سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب ہوتا ہے۔ مثلاً منبر بنانا، مدارس اور سرائے وغیرہ بنانا اسی طرح دیگر امورِ خیر جو زمانہ اول میں موجود نہ تھے۔ شریعت مطہرہ انہی کے موافق اترتی ہے۔ مثلاً نیکی کرنا نیکی اور بھلائی کے امور میں معاونت کرنا۔ اس طرح یہ بدعت کتنی عمدہ ہے جو اربل کے شہر میں منعقد ہوتی ہے۔ یہ محفل ہر سال ولادت باسعادت کے روز منائی جاتی ہے۔ صدقات دیے جاتے ہیں۔ بھلائی کی جاتی ہے زینت اور سرور کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں فقراء کے ساتھ احسان بھی ہے جو اس امر کا شعور دلاتا ہے کہ محفلِ میلاد کا انعقاد کرنے والے کے دل میں حضور ﷺ کی محبت، تعظیم اور شان ہے۔ وہ رب تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہے۔ جس نے حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا۔ موصل میں سب سے پہلے شیخ عمر بن محمد الملا نے محفل میلاد کا انعقاد کیا۔ یہ پاکباز شخص تھے۔ اربل کے بادشاہ نے انہی کی اتباع کی تھی۔

شیخ صدرالدین موھوب بن عمر شافعی نے لکھا ہے "یہ ایسی بدعت ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔ بدعت اس وقت مکروہ ہوتی ہے جب وہ سنت کے خلاف ہوتی ہے۔ اگر وہ سنت کے مخالف نہ ہو تو اس میں کراہت نہیں ہوتی۔ اس پر انسان کو ثواب ملتا ہے۔ جب وہ سرور اور فرحت کے اظہار کے لیے محفلِ پاک کا انعقاد کرتا ہے۔" انہوں نے دوسری جگہ لکھا ہے "یہ بدعت ہے لیکن اس بدعت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن وہ اس مقصد کے لیے لوگوں سے سوال نہ کرے۔ لیکن اسے اگر ظن غالب ہو کہ جس شخص سے وہ مانگ رہا ہے وہ خوش ہوگا تو پھر یہ مانگنا مباح ہے۔ اس میں کراہت نہیں ہے۔"

الحافظ نے لکھا ہے "عمل میلاد کی اصل بدعت ہے۔ قرون ثلاثہ کے کسی فرد سے یہ منقول نہیں ہے لیکن یہ محاسن اور ان کی ضد پر مشتمل ہے۔ جو یہ عمل محاسن کے لیے کرتا ہے۔ ان کی ضد سے بچتا ہے تو یہ بدعت حسنہ ہے، ورنہ نہیں۔" لیکن میرے نزدیک اس کی اصل ثابت ہے جو صحیحین میں ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کی: "اس روز رب تعالیٰ نے فرعون کو ہلاک کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی۔ ہم رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے، روزہ رکھتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "میں تم سے زیادہ موسیٰ کا حقدار ہوں۔" آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جس نے یہ عمل شکر ادا کرتے ہوئے کیا کہ اس دن میں رب تعالیٰ نے اس پر نعمت کی یا اس سے عذاب دور کیا تو وہ ہر سال

کے اس روز میں یہ عمل کرے گا۔ رب تعالیٰ کا شکر مختلف طریقوں سے ادا ہوتا ہے۔ شکر عبادات، سجود، قیام، روزہ، صدقہ اور تلاوت کر کے ادا کیا جا سکتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے بڑی نعمت اور کون سی ہے جو اس دن ملی جب میلاد پاک منایا جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان کوشش کرے کہ اسی روز محفل میلاد منعقد کرے جس روز آپ پیدا ہوئے تھے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہو سکے۔ جو یہ امر پیش نظر نہ رکھے اس کے لیے روا ہے کہ وہ اس ماہ مبارک کے جس دن چاہے۔ میلاد کرائے بلکہ علماء نے اس میں اتنی وسعت دی ہے کہ وہ سال کے جس دن میں چاہے محفل میلاد کرا لے۔ یہ روایت میلاد مبارک منانے کی اصل ہے۔ البتہ ان محافل میں ایسے امور سرانجام دینے چاہئیں۔ جن سے رب تعالیٰ کا شکر ادا ہو سکے۔ مثلاً تلاوت کرنا، کھانا کھلانا، صدقہ دینا۔ نعتیں پڑھنا۔ ایسے اشعار پڑھنا جو دلوں کو عمدہ کام کرنے پر ابھاریں۔ آخرت کی ترغیب دیں لیکن سماع وغیرہ کے لیے مناسب ہے کہ وہ مباح کے دائرہ میں ہو اس حیثیت سے اس دن مسرت کا اظہار ہو لیکن حرام یا مکروہ سماع اور اسی طرح خلاف اولیٰ کام بھی ممنوع ہیں۔"

حافظ ابن جزری نے لکھا ہے" ابولہب کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ اس سے پوچھا گیا" تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا:" آگ میں ہوں۔ لیکن ہر سوموار کے روز میرے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ میں ان انگلیوں سے اس قدر پانی چوس لیتا۔ اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اس وقت اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا جب اس نے مجھے یہ خبر دی تھی کہ محمد عربی ﷺ پیدا ہوئے ہیں۔ میں نے انہیں دودھ پلایا ہے۔" ابولہب کافر ہے۔ اس کی مذمت میں قرآن پاک نازل ہوا ہے۔ جب وہ حضور ﷺ کی ولادت پر خوش ہوا تو اسے آگ میں اس کی جزا دی گئی۔ حضور ﷺ کی امت کے اس فرد کا کیا حال ہوگا جو آپ کی ولادت پر خوش ہوا اور آپ کی محبت میں حسب استطاعت خرچ کیا۔ مجھے زندگی کی قسم! اس کی جزا یہ ہے کہ رب تعالیٰ اسے اپنے فضل سے جنت النعیم میں داخل کرے گا۔"

حافظ شمس الدین محمد بن ناصر دمشقی نے کیا خوب کہا ہے:

اذا کان ھذا کافرجاء ذمہ
و تبت یداہ فی الجحیم مخلدا

ترجمہ: "ابولہب جیسا کافر جس کا دائمی ٹھکانہ دوزخ ہے جس کی مذمت تبت یدا ابی لھب پوری سورت نازل ہوئی۔"

اتی انہ فی یوم الاثنین دائما
یخفف عنہ بالسرور باحمد

ترجمہ: "جب سوموار کا دن آتا ہے تو حضور کی ولادت کی خوشی میں اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔"

فما ظن الذی کان عمرہ
باحمد مسرور او مات موحدا

ترجمہ: "اس شخص کے بارے تمہارا کیا خیال ہے جس نے ساری زندگی حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی

منانے میں گزاری اور توحید کی حالت میں اسے موت آئی۔"

ہمارے شیخ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے "میرے نزدیک میلاد پاک کی اصل یہ ہے کہ لوگ ایک جگہ جمع ہوں قرآن پاک کی تلاوت کریں وہ روایات سنائیں جو آپ کی ولادت کے بارے مروی ہیں۔ ان معجزات کا تذکرہ کریں جو ولادت کے وقت ظہور پذیر ہوئے۔ پھر وہ تبرک کھائیں اور اس بدعت حسنہ پر اضافہ کیے بغیر لوٹ آئیں۔ اسی بدعت حسنہ پر انسانوں کو ثواب ملتا ہے کیونکہ اس میں حضور ﷺ کی تعظیم اور آپ کی ولادت پر خوشی اور مسرت کا اظہار ہے۔"

انہوں نے فرمایا: "میرے لیے اس کے علاوہ ایک اور صحیح روایت ظاہر ہوئی جس کا ذکر حافظ نے کیا ہے اس روایت کو امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے نبوت کے بعد اپنے لیے عقیقہ کیا حالانکہ یہ روایت موجود ہے کہ آپ کے جد امجد نے آپ کی ولادت کے ساتویں روز آپ کا عقیقہ کیا تھا۔ عقیقہ دو بار نہیں ہو سکتا۔ اس کو اس امر پر محمول کیا جائے گا یہ آپ نے رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے عقیقہ کیا تھا جس نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ نیز اس لیے کہ یہ آپ کی امت کے لیے شریعت بن جائے۔ جس طرح کہ آپ اپنی ذات والا پر درود شریف پڑھتے تھے۔ ہمارے لیے بھی مستحب ہے کہ ہم آپ کے میلاد پاک پر شکر کا اظہار کریں۔ کسی جگہ جمع ہوں کھانا کھلائیں۔" سنن ابن ماجہ میں ہے "صحیح یہ ہے کہ یہ مستحبہ اور حسنہ بدعت ہے جب کہ یہ شرعی طور پر منکرات سے خالی ہو۔" رب تعالیٰ اس شاعر پر رحم کرے جس نے یہ اشعار کہے ہیں:

لمولد خیر العالمین جلال ۔۔۔ لقد غشی الاکوان منه جمال

فیا مخلصا فی حق احمد هذه ۔۔۔ لیالٍ بدا فیهن منه هلال

فحق علینا ان نعظم قدره ۔۔۔ فتحسن احوال لنا و فعال

فنطعم محتاجا و نکسوعا ریا ۔۔۔ و نرفد من اضحی لدیه عیال

فتلك فعال المصطفی و خلاله ۔۔۔ و حسبك افعال له و خلال

لقد کان فعل الخیر قرة عینه ۔۔۔ فلیس له فیما سواه مجال

ترجمہ: "حضور ﷺ کے میلاد پاک کا جلال ہے۔ آپ کی وجہ سے کائنات جمال سے لبریز ہو گیا ہے۔ اے مخلص! ان راتوں میں حضور ﷺ کے لیے چاند طلوع ہوا۔ ہم پر یہ فرض ہے کہ آپ کی قدر کی تعظیم کریں تاکہ ہمارے افعال اور احوال بہتر ہو سکیں۔ ہم محتاج کو کھانا کھلائیں، عریاں کو لباس دیں اور صاحب اولاد کو عطیات دیں۔ یہ آپ کے افعال اور خلال ہیں تمہارے لیے آپ کے افعال اور خلال کافی ہیں۔ بھلائی کے فعل میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا اور کوئی میدان نہیں ہے۔"

دوسرے شاعر نے کہا ہے:

يا مولد المختار انت ربيعنا　　بك راحة الارواح والاجساد

يا مولدا فاق الموالد كلها　　شرفا و ساد بسيد الاسياد

لا زال نورك في البريه ساطعا　　يعتاد في ذا الشهر كالاعياد

في كل عام للقلوب مسرة　　بسماع ما نرويه في الميلاد

فلذالك يشتاق المحب و يشتهي　　شوقا اليه حضور ذا لميعاد

ترجمہ: "اے حضور اکرم ﷺ کے میلاد پاک! تو ہماری بہار ہے۔ تیرے ساتھ ارواح اور جسموں کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ اے میلاد پاک جو شرف میں سارے میلادوں سے فوقیت لے گیا ہے اور سرداروں کا سردار بن گیا ہے۔ کائنات میں تیرا نور پھیلتا جا رہا ہے اور اس ماہِ مبارک میں یہ عیدوں کی طرح ہو رہا ہے ہر سال دلوں کو مسرت نصیب ہوتی ہے۔ وہ ان روایات کو سنتے ہیں جو ہم میلاد پاک کے بارے روایت کرتے ہیں اس سے محب کو شوق آلیتا ہے۔ وہ اس دن حاضر ہونے کے لیے خواہش رکھتا ہے۔"

تاج الدین فاکہانی مالکی نے گمان کیا ہے کہ میلاد پاک مذمومہ بدعت ہے۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے۔ انہوں نے اس میں لکھا ہے "ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے ہمیں سید المرسلین ﷺ کی اتباع کرنے کی ہدایت دی۔ دین کے ستونوں کی طرف ہدایت دینے میں اس کے ہماری مدد کی۔ ہمارے لیے آسان کیا کہ ہم سلف صالحین کی اتباع کریں۔ حتیٰ کہ ہمارے دل علم شرعی کی انواع اور حق مبین کے دلائل سے بھر گئے۔ دین میں نئی چیزیں اور بدعات پیدا کرنے سے ہمارے دل پاک ہو گئے۔ میں اس ذاتِ والا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے یقین کے انوار کے ساتھ احسان فرمایا۔ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مضبوط گرہ تھامنے کی توفیق دی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہٗ لا شریک ہے محمد عربی ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں وہ اولین و آخرین کے سردار ہیں۔ صلى الله عليه و آله و اصحابه و ازواجه امهات المؤمنين صلاة دائمةً الى يوم الدين۔ اما بعد!

لوگوں کے ایک گروہ نے بار بار سوال کیا ہے کہ میں اس اجتماع کے بارے رائے دوں جو لوگ ربیع الاول کے مہینے میں کرتے ہیں۔ جیسے میلاد کہتے ہیں کہ کیا اس کی کوئی اصل ہے یا یہ بدعت ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس کا تفصیلی جواب لکھا جائے۔ میں رب تعالیٰ سے توفیق مانگتے ہوئے کہتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ اس میلاد کی کوئی اصل کتاب یا سنت میں ہو۔ امت کے علماء میں سے کسی سے اس کا عمل منقول نہیں ہے۔ جو دین کا نمونہ ہو۔ جو پہلے صالحین کے آثار

سے دلیل لیتے ہیں۔ بلکہ یہ بدعت ہے جسے اہلِ باطل نے پیدا کیا ہے کھانے والوں نے اپنے نفس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اسے پیدا کیا ہے۔ اس کی دلیل ایسی ہے جس کا اظہار احکام خمسہ پر ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ عمل واجب ہوگا یا مستحب یا مباح یا مکروہ یا حرام ہوگا۔ یہ نہ تو واجب ہے نہ ہی مستحب ہے کیونکہ مستحب کی حقیقت یہ ہے کہ شرع اس کا تقاضا کرے اور اسے ترک کرنے پر مذمت نہ کرے۔ اس امر کا نہ تو شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے نہ اسے صحابہ کرام نے کیا ہے نہ ہی تابعین نے کیا ہے۔ میرا یہی جواب رب تعالیٰ کے سامنے ہوگا اگر مجھ سے اس کے بارے پوچھا گیا۔ یہ عمل مباح بھی نہیں کیونکہ دین میں بدعت مسلمانوں کے اجماع سے مباح نہیں ہوسکتی۔ اب صرف مکروہ یا حرام ہی بچ گیا ہے اس صورت میں کلام دو فصلوں میں ہوگا۔ اور دونوں حالتوں میں فرق ہوگا۔

1. یہ عمل یا تو انسان اپنے، اپنے اہلِ خانہ، عیال اور دوستوں کے مال سے کرے گا۔ یہ اجتماع کھانے سے آگے نہ بڑھ سکے گا۔ وہ کوئی گناہ نہیں کریں گے۔ یہ مکروہ بدعت ہے۔ کیونکہ گذشتہ اہلِ اطاعت میں سے کسی نے یہ عمل نہیں کیا۔ جو اسلام کے فقہاء تھے عوام کے علماء تھے۔ اپنے زمانے کے سورج تھے وہ مقامات کی زینت تھے۔
2. یا اس میں جرم کا عمل دخل ہوگا کوئی اس میں اس لیے دے گا کہ اس کے نفس کو تکلیف ہوگی۔ دل کو اذیت ہوگی۔ علماء نے فرمایا ہے کہ حیاء سے مال لینا تلوار سے مال لینے کی طرح ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کے ساتھ ساتھ ایسی غناء بھی ہو جو باطل آلات، دف اور مستی ہو۔ مرد بے ریش لڑکوں اور گویا عورتوں کے ساتھ جمع ہوں عورتوں کے ساتھ ملنا، انہیں دیکھنا۔ ان کے ساتھ رقص کرنا لہو میں مستغرق ہو جانا اور روزِ حشر کو بھول جانا اسی طرح وہ خواتین بھی ہیں جو انفرادی طور پر جمع ہوں۔ جو مبارک دینے اور گانے میں دینی آوازیں بلند کریں۔ وہ تلاوت اور ذکر مشروع کے دائرہ سے نکل جائیں۔ وہ بھی رب تعالیٰ کے اس فرمان سے غافل ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ (الفجر: ۱۴)

ترجمہ: "بے شک آپ کا رب (سرکشیوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے۔"

اس کے حرام ہونے میں دو افراد کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ مروت والا شخص اسے عمدہ نہیں سمجھتا صرف لوگ ہی اسے عمدہ سمجھتے ہیں جن کے دل مر چکے ہیں وہ گناہوں سے کنارہ کشی اختیار نہیں کرتے وہ اسے عبادت شمار کرتے ہیں اسے منکر اور حرام نہیں سمجھتے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اسلام اسی طرح اجنبی بن جائے گا جس طرح وہ پہلے تھا۔ ہمارے شیخ قشیری نے کتنی عمدہ بات کی ہے۔

قد عرف المنكر واستنكر	لمعروف فی ایامنا الصعبہ
و صار اهل العلم فی وهدةٍ	و صار اهل الجهل فی رتبه
عاد عن الحق فما للذی	ساروا به فیما مضی نسبه

فقلت للابرار اهل التقی والدین لما اشتدت الکربة
لا تنکروا احوالکم قد اتت نوبکم فی زمن الغربة

ترجمہ: ''آج کل برائی کو اچھا سمجھا جانے لگا ہے۔اور اس مشکل وقت میں نیکی کو عجیب سمجھا جانے لگا ہے۔اہل علم گڑھے میں گر گئے ہیں۔وہ حق سے منحرف ہو گئے ہیں۔اس کے ساتھ کیا نسبت ہے جس کی وجہ سے وہ ماضی میں سردار بنے۔میں نے نیک اور پاکباز لوگوں کو اس وقت کہا جب مصیبت سخت ہو گئی کہ اپنے احوال کا انکار نہ کرو۔غربت کے زمانہ میں تمہاری باری آئی ہے۔''

امام ابوعمرو بن علاء نے کتنی عمدہ بات کی ہے کہ لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے جب تک وہ عجیب چیز پر تعجب کا اظہار کرتے رہیں گے۔''اس کے ساتھ ساتھ اسی مہینہ میں آپ کا وصال بھی ہوا تھا۔اس میں خوشی غم سے زیادہ تو نہیں ہے۔یہ ساری تفصیلات ہماری طرف سے ہیں۔ہمیں امید ہے کہ رب تعالیٰ اسے قبول کرے گا فاکہانی نے اپنی کتاب میں یہی کچھ لکھا ہے۔

الشیخ نے اپنے فتاویٰ میں ان کا خوب خوب جواب دیا ہے۔فاکہانی نے لکھا ہے''مجھے میلاد پاک کی اصل نہ کتاب میں ملی۔''اس کے بارے کہا جا سکتا ہے کہ علم کی نفی وجود کی نفی کو لازم نہیں ہے۔امام ابن حجر نے سنت سے میلاد پاک کی اصل ثابت کی ہے۔میں نے اس کی دوسری اصل بھی ثابت کی ہے''ان دونوں کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔فاکہانی نے لکھا ہے''یہ بدعت ہے۔جسے اہلِ باطل نے ایجاد کیا ہے۔''اس کے بارے کہا جا سکتا ہے۔''اسے عادل اور عالم بادشاہ نے شروع کیا ہے۔اس کا مقصد تقرب الی اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔علماء اور صلحاء اس کے پاس جمع ہوتے تھے۔کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔بلکہ ابن دحیہ نے اس کے لیے ایک کتاب لکھی یہ علماء اہلِ دین تھے وہ اسی پر راضی ہو گئے اسے برقرار رکھا اور اس کا انکار نہیں کیا۔''فاکہانی نے لکھا ہے''یہ مستحب بھی نہیں کیونکہ مستحب کی حقیقت وہ ہوتی ہے جسے شرع شریف طلب کرے۔''اس کا جواب یہ ہے کہ مستحب کبھی نص سے اور کبھی قیاس سے ہوتا ہے۔اگرچہ اس میں نص نہیں ہے لیکن اس میں قیاس سے استحباب ہے جس کا انحصار ان دو اصلوں پر ہے جن کا تذکرہ آرہا ہے۔فاکہانی نے لکھا ہے''یہ مباح بھی نہیں کیونکہ دین میں بدعت مباح نہیں ہو سکتی۔''یہ بات بھی درست نہیں ہے۔کیونکہ بدعت کی صرف دو اقسام حرام اور مکروہ نہیں بلکہ مباح، مندوب اور واجب بھی ہیں۔امام نووی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے''شرع میں بدعت وہ امر ہے جو حضور ﷺ کے عہد مبارک میں نہ ہو۔یہ حسنہ اور قبیحہ میں منقسم ہے۔شیخ عزالدین ابن سلام نے لکھا ہے۔''بدعت کی یہ اقسام ہیں:

1. واجب
2. حرام
3. مندوب
4. مکروہ
5. مباح

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم بدعت کو شرعی قواعد پر پیش کریں گے۔ اگر وہ واجب کے قواعد کے تحت آئے گی تو وہ واجب ہوگی۔ اگر وہ حرام کے قواعد کے تحت ہوگی تو وہ حرام ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ مندوب کے قواعد کے تحت ہوگی تو مندوبہ ہوگی۔ اسی طرح وہ مباح اور مکروہ ہوگی۔" انہوں نے ہر ہر بدعت کی مثالیں پیش کی ہیں۔ مثلاً مہمان خانے اور مدارس۔ اسی طرح ہر وہ بھلائی کا کام جو عصر اول میں نہ تھا۔ اسی طرح نماز تراویح، تصوف کے دقائق، مجادلہ، مسائل کے استدلال کے لیے محافل۔ بشرطیکہ ان سب سے قرب الٰہی کا قصد کیا گیا ہو۔"

امام بیہقی نے "مناقب الشافعی" میں امام شافعی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "بدعت کی دو قسمیں ہیں:

1. وہ بدعت جو کتاب، سنت، اثر یا اجماع کے مخالف ہو۔ یہ گمراہ بدعت ہے۔
2. جو بھلائی کی وجہ سے پیدا ہو۔

اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ مذمومہ نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک کے قیام کے بارے فرمایا تھا "یہ عمدہ بدعت ہے" یعنی یہ بدعت ہے پہلے نہ تھا۔ اس میں کسی گزشتہ امر کا رد بھی نہ ہو۔ بدعت کی اس قسم میں نہ تو کتاب، سنت، اثر اور اجماع کی مخالفت ہے۔ یہ مذموم نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو وہ احسان ہے جو پہلے زمانہ میں جاری نہ تھا۔ ایسا کھانا جو گناہ کے ارتکاب سے خالی ہو۔ احسان ہے۔ یہ مندوبہ بدعت ہے جس طرح کہ ابن عبدالسلام کے کلام سے عیاں ہے۔

فاکہانی کے دوسرے رد کا جواب یہ ہے کہ اس میں تحریم ان امور کی وجہ سے آئی ہے جو اس کے ساتھ ملا دیے گئے ہیں۔ یہ حرمت میلاد کے شعار کے اظہار کے لیے جمع ہونے میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ امور اگر نماز جمعہ میں ہوں گا تو وہ بھی قبیح و شنیع بن جائے گی۔ یہ نماز جمعہ کے لیے اجتماع کی حرمت کو لازم نہ ہوگی۔ یہ امر واضح ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض ایسے امور نماز تراویح میں بھی رونما ہوتے ہیں۔ ان امور کی وجہ سے نماز تراویح تو حرام نہیں ہو جائے گی۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ نماز تراویح کے لیے جمع ہونا قرب کا باعث ہے۔ اس کے ساتھ جو امور ملا دیے گئے ہیں وہ شنیع ہیں۔ ہم اس طرح کہتے ہیں کہ میلاد پاک کے لیے جمع ہونا مندوب ہے قرب الٰہی کا باعث ہے لیکن جو امور اس کے ساتھ ملا دیئے گئے ہیں وہ مذموم ہیں۔

فاکہانی نے لکھا ہے کہ اسی ماہ میں آپ کا وصال بھی ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ہم پر رب تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ آپ کی وفات سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت ہے۔ شریعت مطہرہ نے ہمیں ترغیب دی ہے کہ ہم نعمت پر شکر کا اظہار کریں۔ مصیبت کے وقت صبر شکر کریں۔ شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ولادت کے وقت عقیقہ کریں تاکہ شکر کا اظہار ہو سکے بچے کی ولادت پر فرحت کا اظہار ہو سکے۔ لیکن موت کے وقت اس نے

ہمیں ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ نوحہ گری اور جزع کے اظہار سے روکا ہے۔ قواعد شرعیہ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اس ماہ مبارک میں آپ کی ولادت کی خوشی کا اظہار کیا جائے آپ کی وفات پر غم کا اظہار نہ کیا جائے۔ ابن رجب نے اپنی کتاب "اللطائف" میں لکھا ہے کہ روافض نے عاشوراء کے روز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ماتم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انبیاء کرام کے مصائب کے ایام کو منانے کا حکم نہیں دیا۔ نہ ان کے وصال کے دن کو ماتم کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو مرتبہ میں ان سے کم ہوگا اس کی کیفیت کیا ہوگی؟

امام ابوعبداللہ بن حاج نے اپنی کتاب "المدخل" میں میلاد پاک پر بہت عمدہ گفتگو کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس میں جو شعار اور شکر کا اظہار ہے وہ قابل تعریف ہے اور ان محرمات اور منکرات کی مذمت ہے جو میلاد پاک کے ارد گرد گھڑ لیں گئیں ہیں۔" میں فصل در فصل ان کی گفتگو پیش کرتا ہوں۔ انہوں نے لکھا ہے۔

فصل فی المولد

اگرچہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ میلاد پاک بڑی بڑی عبادات میں سے ہے۔ وہ جو کچھ ربیع الاول میں کرتے ہیں اس سے شعائر کا اظہار ہوتا ہے لیکن اب اس مقدس محافل کو بدعتوں اور محرمات نے گھیر لیا ہے۔ ان میں سے ایک عورتوں کے گانے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ آلات موسیقی ہوتے ہیں۔ وہ انہیں سماع کے آلات بناتے ہیں وہ ذمیم قواعد پر انہیں بجاتے ہیں۔ وہ اکثر ان اوقات کو ضائع کر دیتے ہیں جنہیں رب تعالیٰ کے شرف اور عظمت عطا کی ہے۔ انہوں نے ان اوقات کو بدعتوں اور محرمات سے ملا دیا ہے۔ بلاشبہ اس رات کے علاوہ کسی دوسری رات میں سماع کے بارے وہ کچھ ہے جو ہے اس وقت اس کی حالت کیا ہوگی۔ جب اس کے ساتھ اس ماہ مبارک کی فضیلت بھی متصل کر دی گئی ہو۔ جو رب تعالیٰ نے اسے بخشی ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات میں جلوہ گر ہوئے۔ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمت عطا کر کے ہم پر احسان عظیم کیا ہے۔ لازم تو یہ تھا کہ اس ماہ مبارک میں عبادت اور بھلائی کے امور اضافہ کر دیا جائے رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے جس نے ہم پر یہ نعمت فرمائی ہے اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ماہ مبارک میں دیگر مہینوں کی بنسبت زیادہ عبادت نہیں کرتے تھے۔ یہ صرف اور صرف اپنی امت کے ساتھ نرمی اور رحمت کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ آپ اس عدشہ سے عمل ترک فرما دیتے تھے کہ وہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائے۔ یہ بھی آپ کی امت پر رحمت تھی۔ لیکن اس ماہ مبارک کی فضیلت اس سائل کے لیے عیاں کر دی جس نے آپ سے سوموار کے روز روزہ رکھنے کے بارے عرض کی۔ آپ نے فرمایا اس روز میری ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ اس دن کا شرف اس ماہ مبارک کے شرف کو متضمن ہے۔ جس میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم پوری طرح اس کا احترام کریں۔ ہم اس کو اسی طرح فضیلت دیں جس طرح رب تعالیٰ نے اسے دیگر مہینوں پر فضیلت دی۔ ان میں سے ایک فرمان یہ ہے "میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ میں یہ بطور فخر نہیں کہہ

رہا۔ آدم اور ان سے علاوہ سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔" زمان اور مکان کی فضیلت ان عبادات کی وجہ سے ہوتی ہے جو ان میں کی جاتی ہے۔ زمان و مکان کو بذات خود کوئی شرف نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا شرف ان خصوصیات کی وجہ سے ہوتا ہے جو ان کے ساتھ مختص کر دی جاتی ہیں۔ ذرا دیکھو کہ رب تعالیٰ نے اس ماہ مبارک اور پیر کے دن کو کس شرف کے ساتھ مشرف فرمایا ہے۔ اس دن روزہ رکھنا فضیلت کا باعث ہے کیونکہ اس دن آپ پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے لازم ہے کہ جب یہ ماہِ مبارک آئے تو اس کی تعظیم و تکریم کی جائے۔ اس کا پوری طرح احترام کیا جائے آپ کی اتباع کی جائے کیونکہ آپ مخصوص اوقات میں زیادہ عبادت فرماتے تھے۔ ذرا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان کو دیکھو۔ انہوں نے فرمایا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ لیکن رمضان المبارک میں آپ کی سخاوت پورے عروج پر ہوتی تھی۔" ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق ان اوقات کی تعظیم بجالائیں۔

اگر سائل یہ سوال کرے کہ آپ اوقات فاضلہ میں ایسے امور کا الزام کیوں کرتے ہو جن کا اہتمام دیگر اوقات میں نہیں کرتے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی یہ مشہور عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ اپنی امت کے لیے تخفیف پسند کرتے تھے۔ بخصوص ان امور میں جو آپ کے ساتھ مختص ہوتے تھے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ آپ نے مدینہ طیبہ کو اسی طرح حرم بنایا۔ جس طرح حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا لیکن اس کے باوجود آپ نے اس کے شکار کو قتل کرنے سے منع نہ فرمایا۔ درخت کاٹنے سے نہ روکا۔ یہ صرف آپ کی اپنی امت پر تخفیف تھی۔ آپ اس جہت سے امور کو دیکھتے تھے۔ اگرچہ وہ امر بذاتِ خود فضیلت والا ہوتا تھا۔ لیکن آپ امت کی تخفیف کے لیے اسے ترک فرما دیتے تھے۔ اس طرح اس ماہ مبارک کی تعظیم اس طرح کرنا چاہے کہ اس میں پاکیزہ اعمال میں اضافہ کرنا چاہیے۔ ان ماہِ مقدس کی تعظیم کے لیے ان سے اجتناب کرے۔ اگرچہ یہ امور دیگر مہینوں میں بھی مطلوب ہوتے ہیں۔ لیکن اس ماہِ مقدس کا احترام زیادتی کا اضافہ کرتا ہے جس طرح کہ رمضان المبارک اور دیگر حرمت والے مہینوں کا تقاضا ہے۔ لازم ہے کہ انسان بدعتوں سے بچے۔ بعض لوگ اس زمانہ میں ایسے امور بجالاتے ہیں جو اس حکم کے برعکس ہیں جب یہ ماہ مبارک آتا ہے تو وہ لہو لعب میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ وہ آلاتِ موسیقی بجاتے ہیں۔ بلکہ بعض تو گمان کرتے ہیں کہ وہ ادب بکھر رہے ہیں۔ وہ میلادِ پاک کا آغاز تلاوت مقدس سے کرتے ہیں پھر اس شخص کو دیکھتے ہیں جو زیادہ بول لیتا ہو۔ نفوس کو ابھارنے کے لیے زیادہ اشتغال انگیز طریقے جانتا ہو۔ لیکن یہ فساد کی وجوہات ہیں۔

بعض لوگ صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ خطرناک امر کا اضافہ کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ نغمہ گو نوجوان ہو اس کی شکل اچھی ہو۔ آواز خوبصورت ہو اچھا لباس پہنتا ہو اچھی ہیئت پر ہو۔ وہ غزل گاتا ہے وہ اپنی آواز اور حرکات میں نسوانیت پیدا کرتا ہے۔ اپنے ہمراہ لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرتا ہے۔ فریقین میں فتنہ بھڑک اٹھتا ہے اور ایسا فساد

رونما ہوتا ہے جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح میاں اور بیوی کے باہمی حالات خراب ہو جاتے ہیں۔ ان میں فراق ہو جاتا ہے۔ انہیں جلد نحوست آلیتی ہے۔ ان کا معاملہ جمعیت کے بعد منتشر ہو جاتا ہے جب سماع کے ساتھ محفل میلاد منائی جائے تو یہ ایسے مفاسد پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر محفل میلاد ایسے عمل سے خالی ہو۔ صرف کھانا بنایا جائے اس سے میلاد کی نیت کی جائے۔ بھائیوں کو اس پر بلایا جائے۔ اور یہ ہر اس امر سے خالی ہو جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے تو پھر یہ صرف نفس نیت کے اعتبار سے بدعت ہے۔ کیونکہ یہ دین میں زیادتی ہے۔ یہ اسلاف کرام کا عمل نہیں ہے۔ اسلاف کی اتباع کرنا اولیٰ ہے۔ ان میں سے کسی کے بارے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے میلاد کی نیت کی ہو۔ ہم بھی انہی کے تابع ہیں۔ ہمیں وہی کچھ کرنا چاہیے جو وہ کرتے تھے۔

ان کی تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے میلاد کی مذمت نہیں کی۔ بلکہ حرمات اور منکرات میں سے ان امور کی مذمت کی ہے جو محفلِ میلاد کی ارد گرد چھا جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام کی ابتدا میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ اس ماہِ مبارک میں زیادہ سے زیادہ بھلائی کے کام کیے جائیں نیکی، صدقات اور خیرات کثرت سے کیے جائیں۔ میلاد پاک کا یہ عمل وہ ہے جسے ہم نے عمدہ سمجھا ہے اس میں قرآن پاک کے پڑھنے کے علاوہ اور کھانا کھلانے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں، یہ بھلائی، نیکی اور قربت کا ذریعہ ہے۔

انہوں نے آخر میں جو بدعت کہا ہے تو پھر یہ یا تو سابقہ تفصیل کے متناقض ہوگا۔ یا اس مراد بدعت حسنہ ہوگی۔ یا اسے اس امر پر محمول کیا جائے گا۔ یہ ایسے امور بجالانا بھلائی ہے اور میلاد کی نیت کرنا بدعت ہے جیسے کہ انہوں نے کہا کہ یہ نفس نیت کے اعتبار سے بدعت ہے کیونکہ اسلاف کرام میں سے کسی نے میلاد کی نیت نہیں کی تھی۔ کلام کا ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے فقط میلاد کی نیت کرنا مکروہ سمجھا ہے۔ کھانا کھلانے اور بھائیوں کو دعوت دینے کو مکروہ نہیں سمجھا۔ اگر اسے ان کے کلام کے ابتدائی حصہ سے ملایا جائے جس میں انہوں نے بھلائی کے کاموں پر ابھارا ہے تاکہ اس نعمتِ کبریٰ کا شکر ادا ہو سکے جو رب تعالیٰ نے سید المرسلین ﷺ کو پیدا فرما کر ہم پر کی ہے۔ میلاد کی نیت کا معنیٰ یہی ہے۔ وہ اس طرح کی مذمت کیسے کر سکتے ہیں حالانکہ پہلے انہوں نے اسی کی ترغیب دی ہے۔

نیت کے بغیر بھلائی کے امور کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر تصور ہو بھی سکے تو پھر وہ عمل نہ تو عبادت ہوگا اور نہ ہی اس پر اجر و ثواب ملے گا۔ کیونکہ نیت کے بغیر کوئی عمل نہیں ہوتا۔ اس مبارک عمل میں نیت یہی ہے کہ انسان رب تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس مبارک مہینہ میں حضور ﷺ کو پیدا فرمایا۔ یہ میلاد پاک کی نیت ہے یہ ایک مستحسن نیت ہے۔

پھر ابن الحاج نے لکھا ہے ''بعض لوگ محفل میلاد صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ تعظیم کا اظہار ہو سکے لیکن درحقیقت لوگوں نے ان کے پیسے دینے ہوتے ہیں جو اس نے بعض مواقع پر انہیں دیے تھے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ پیسے

اسے واپس مل جائیں لیکن وہ تقاضا کرنے سے شرماتا ہے۔ وہ محفلِ میلاد کراتا ہے حتیٰ کہ اسے وہ رقم مل سکے جو دوسروں کے پاس ہے۔ اس میں مفاسد کی کئی وجوہات ہیں۔ وہ صفت نفاق سے متصف ہے۔ وہ اس امر کا اظہار کر رہا ہے جو اس کے باطن کے خلاف ہے۔ بظاہر وہ محفلِ میلاد کرا رہا ہے۔ اس سے دارِ آخرت کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ لیکن بباطن وہ روپے جمع کر رہا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ اس لیے محفل میلاد کرتے ہیں تاکہ وہ دراہم جمع کریں یا لوگ ان کی تعریف کریں۔ ان کی مدد کریں۔ اس میں ایسے مفاسد ہیں جو کسی پر مخفی نہیں ہیں۔ اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں مذمت میلاد پاک کے عمل کی وجہ سے نہیں بلکہ صحیح نیت نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

❁❁❁

رضاعت

پہلا باب

آپ ﷺ نے کتنی خواتین کا دودھ پیا

کہا جاتا ہے کہ آپ نے دس خواتین کا دودھ پیا۔

1. اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کا۔ انہوں نے سات ایام تک آپ کو اپنا شیر پلایا۔ علماء کی ایک جماعت نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں "صاحب المورد والغرر" بھی شامل ہیں۔
2. ثوبیہ۔ ابن مندہ نے لکھا ہے کہ اس کے اسلام میں اختلاف ہے۔ ابونعیم نے لکھا ہے کہ ابن مندہ کے علاوہ میں کسی کو نہیں جانتا جس نے اسلام کا تذکرہ کیا ہو۔ ابن جوزی نے لکھا ہے۔ "ہم نہیں جانتے کہ اس کے اسلام قبول کیا تھا۔" الحافظ نے لکھا ہے کہ میں ایسے طرق سے آگاہ نہیں ہو سکا جس میں ثوبیہ کے بیٹے کے اسلام کا تذکرہ ہو۔ ثوبیہ نے آپ کو کئی روز تک دودھ پلایا۔ حتیٰ کہ حضرت حلیمہ سعدیہ آگئیں۔ آپ سے پہلے ثوبیہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد ابوسلمہ بن عبدالاسد کو دودھ پلایا تھا۔

عبدالرزاق، اسماعیلی اور امام بخاری نے کتاب النکاح "و امھاتکم اللاتی ارضعنکم" میں حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ ثوبیہ ابولہب کی لونڈی تھی۔ ابولہب نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اس نے حضور ﷺ کو اپنا شیر پلایا۔ جب ابولہب مرگیا تو اس کے ایک اہلِ خانہ نے اسے بری حالت میں دیکھا۔ اس نے اسے پوچھا: "کیا حال ہے؟" ابولہب نے کہا: "تمہارے بعد میں کسی سکون اور آرام سے نہیں ملا۔ البتہ مجھے اس (انگلی) کے ذریعہ پانی پلایا جاتا ہے کیونکہ میں نے اس کے ذریعہ ثوبیہ کو آزاد کیا تھا۔

امام سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عباس نے ابولہب کو خواب میں دیکھا تھا۔ اس وقت ابولہب کی موت کو ایک سال گزر چکا تھا۔ ابولہب نے حضرت عباس سے کہا "پیر کے روز مجھ پر عذاب کی تخفیف ہوتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں" جب ثوبیہ نے ابولہب کو حضور اکرم ﷺ کی ولادت کی بشارت دی تو اس نے ثوبیہ کو اسی وقت آزاد کر دیا تھا۔ ابولہب کو یہ جزا دی گئی۔ "العزر" میں ہے "اس امر میں اختلاف ہے کہ ابولہب نے ثوبیہ کو کب آزاد کیا تھا۔ یہ مؤقف صحیح ہے۔ ایک مؤقف یہ

ہے کہ حضرت خدیجہ نے چاہا کہ وہ ثویبہ کو ابولہب سے خرید لیں اور اسے آزاد کر دیں۔لیکن ابولہب نہ مانا۔جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے۔ابولہب نے ثویبہ کو آزاد کر دیا۔لیکن یہ مؤقف درست نہیں ہے۔

الحافظ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ کبھی کافر کو بھی آخرت میں عمل صالح فائدہ دیتا ہے۔لیکن یہ نظریہ درست نہیں کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان:۲۳)

ترجمہ: "اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور ان کو گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے۔"

یہ روایت مرسل ہے حضرت عروہ نے اسے مرسل روایت کہا ہے۔انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے یہ روایت کس سے سنی ہے۔اگر فرض کر لیا جائے کہ متصل ہے تو پھر بھی اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ یہ خواب ہے۔جس سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا۔لیکن ایک احتمال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہو۔جس طرح کہ صحیح میں جناب ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کا تذکرہ ہے۔امام بیہقی نے لکھا ہے کہ کفار کے لیے خیر کے بطلان کے بارے جو کچھ وارد ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں آگ سے نجات نہیں ملے گی نہ ہی وہ جنت میں داخل ہوں گے۔لیکن یہ جائز ہے کہ ان کے اس عذاب میں تخفیف ہو جس کے مستحق وہ ان جرائم کی وجہ سے بنے تھے جو وہ کفر کے علاوہ کرتے تھے۔اس کی وجہ وہ نیک اعمال ہوں گے جو وہ کرتے تھے۔

البتہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "اس بات پر اجماع ہے کہ کفار کو ان کے اعمال کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔نہ ہی انہیں کوئی ثواب ملے گا۔نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔اگرچہ بعض بعض سے شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔الحافظ نے لکھا ہے کہ یہ اس احتمال کو رد نہیں کرتا جو امام بیہقی نے نقل کیا ہے کیونکہ یہ سب کچھ کفر کے گناہ کے بارے ہے۔لیکن جو عذاب کفر کے گناہ کے علاوہ ہے اس کی تخفیف میں کیا مانع ہے؟

امام قرطبی نے لکھا ہے "یہ تخفیف اس کے ساتھ خاص ہے یا اس کے ساتھ خاص ہے جس کے بارے نص وارد ہوئی ہے۔ابن منیر نے لکھا ہے "یہ دو قضیے ہیں۔جن میں سے ایک محال ہے۔وہ کافر کی اطاعت کا اعتبار اس کے کفر کے ہوتے ہوئے محال ہے۔کیونکہ اطاعت کے لیے شرط ہے کہ وہ صحیح قصد سے واقع ہو۔کافر میں یہ مفقود ہوتی ہے۔دوسرا قضیہ یہ ہے کہ اس کے بعض اعمال پر ثواب کا اثبات کیا جائے یہ رب تعالیٰ کی طرف سے مہربانی ہے۔عقل اسے محال نہیں سمجھتی جب یہ امر ثابت ہو گیا تو پھر ابولہب کا ثویبہ کو آزاد کرنا کسی معتبر قربت کی وجہ سے نہ تھا۔بلکہ یہ اس طرح کی عنایت ہے جس طرح رب تعالیٰ نے جناب ابوطالب پر مہربانی کی تھی۔

النقرة

ابن بطال نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ابولہب کو اس روز انگوٹھے کے گڑھے کے برابر پانی پلایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ جس طرح کہ انہوں نے جناب ابوطالب کی روایت میں لکھا ہے کہ ضحضاح من نار لا فی النار۔ کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ کا تحفظ کیا تھا۔ لیکن ابولہب کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کو اذیتیں دیتا تھا۔ اس کے ساتھ نرمی اور رفق بھی جناب ابوطالب سے کم ہوگی۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ گڑھا ہے جو انگوٹھے اور سبابہ انگلی کو ملانے سے بنتا ہے۔ اسے اتنا پانی پلایا جاتا ہے جس قدر اس گڑھے میں آتا ہے۔

حضور ﷺ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ثویبہ کا احترام کرتے تھے۔ حضور ﷺ مدینہ طیبہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کرتے تھے۔ اس کے لیے کپڑے بھیجتے تھے۔ یہ غزوۂ خیبر کے بعد مرگئی۔ آپ نے اس کے بیٹے مروح کے بارے پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ بھی مر چکا ہے۔ آپ نے اس کے رشتہ داروں کے متعلق پوچھا تو آپ کو بتایا گیا کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔

۳. حضرت حلیمہ کے علاوہ بنوسعد کی ایک عورت نے بھی یہ سعادت حاصل کی تھی۔ ابن سعد نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بنوسعد بن بکر میں دودھ پیتے تھے۔ ان کی رضاعی ماں نے بھی حضور ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ اس وقت آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہمراہ جلوہ افروز تھے۔

۴. خولہ بنت منذر نے بھی آپ کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس کا تذکرہ امام ابوالحسن ابراہیم ابن الامین نے کیا ہے کہ اس نے حضور ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ "العدوی" نے اس کا تذکرہ کیا ہے "العیون المورد" میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ لیکن یہ وہم ہے۔ اس نے آپ کے لخت جگر حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا۔ اس بات کا تذکرہ ابن سعد، ابوعمر وغیرہما نے کیا ہے۔ الحافظ نے "الاصابۃ" میں اسی طرح لکھا ہے۔ اس کا نسب چلانے کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کے فرزندِ ارجمند کے دایا ہیں۔ درست بھی یہی ہے۔ لیکن بعض پرانے نسخوں میں "ابن" کا لفظ مٹ گیا ہے۔ میں نے کسی ایسے شخص کو نہ دیکھا جو اس امر سے آگاہ کرتا۔ مدت بعد میں نے قاضی عزالدین بن قاضی بدرالدین کی مختصر سیرت کا مطالعہ کیا اس میں تحریر تھا کہ ابن امین نے جو یہ لکھا ہے کہ خولہ نے آپ کو دودھ پلایا تھا یہ ان کا وہم ہے۔ بعض ہم عصر علماء نے ان سے کسی گرفت کے بغیر یہ موقف روایت کیا ہے۔ میں اس امر پر خوش ہوگیا۔ میں نے رب تعالیٰ کی تعریف کی۔

۵. حضرت ام ایمن برکۃ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ سعادت حاصل کی تھی۔ علامہ قرطبی نے اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن مشہور موقف یہ ہے کہ آپ ان کی کفالت میں تھے۔ انہوں نے اپنا دودھ آپ کو نہیں پلایا تھا۔

٦، ٧، ٨ ابوعمر نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ بنوسلیم کی تین خواتین کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ کو اپنا دودھ پیش کیا۔ آپ نے ان کا دودھ نوش فرمالیا۔

٩ ام فروہ۔ مستغفری نے ان کا ذکر کیا ہے۔ پھر حضرت ابن اسحاق سے روایت لکھی ہے کہ انہوں نے حضرت ام فروہ حضور اکرم ﷺ نے جن کا دودھ پیا تھا سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم اپنے بستر پہ جانے لگو تو سورۃ قل یا ایھا الکافرون" پڑھ لیا کرو۔ یہ شرک سے برأت ہے۔" حضرت ابوموسیٰ مدینی نے لکھا ہے اس حدیث کے راوی میں اختلاف ہے۔ کسی نے فروہ، کسی نے ابوفروہ اور کسی نے ام فروہ لکھا ہے۔

الحافظ نے الاصابۃ میں لکھا ہے کہ یہ فحش خطاء ہے۔ اس کے راوی ابوفروہ ہیں۔ جب بعض راویوں نے دیکھا کہ عن ابی فروہ ظئر النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو انہوں نے اسے خطا سمجھا۔ انہوں نے ام فروہ صحیح سمجھا۔ اس گمان پر انہوں نے آگے روایت کر دیا اور خطا کی۔ ظئر کا لفظ دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اس کا اطلاق اس کے خاوند پر بھی ہوتا ہے۔

اصحاب السنن الثلاثہ نے عن ابن اسحاق عن فروہ بن نوفل عن ابیہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابوداؤد اور نسائی نے ابواسحاق سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ ابواسحاق میں اختلاف ہے۔ معتمد مؤقف یہی ہے۔

١٠ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا۔ بنت ابی ذویب۔ ابن کلبی نے لکھا ہے کہ ابوذویب کا نام الحارث بن عبداللہ تھا۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام کبشہ تھی۔

دوسرا باب

آپ ﷺ کے رضاعی بھائی

❶ آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ سعید بن منصور، ابن سعد، شیخان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی: "یارسول اللہ! آپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر سے نکاح کیوں نہیں فرما لیتے وہ قریش کی حسین خواتین میں سے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "وہ میرے رضاعی بھائی کی نورِ نظر ہیں۔" حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت حلیمہ اور بنو سعد کی ایک اور عورت کے اعتبار سے آپ کے رضاعی بھائی ہیں۔

❷ اسی طرح حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بھی آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ میری بہن حضرت سفیان کی نورِ نظر سے نکاح کیوں نہیں فرما لیتے۔ امام مسلم نے ان کا نام عزۃ بنت ابی سفیان لکھا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: "کیا آپ پسند کرتی ہیں؟" انہوں نے عرض کی: "ہاں! آپ انہیں بھی اس خیر میں شریک کر لیں۔" آپ نے فرمایا: "یہ میرے لیے جائز نہیں۔" انہوں نے عرض کی: "ہم آپ کے بارے گفتگو کرتے ہیں کہ آپ ابوسلمہ کی نورِ نظر سے نکاح فرمانا چاہتے ہیں۔" ایک روایت میں ان کا نام درہ بنت ابی سلمہ ہے۔ آپ نے پوچھا: "ابوسلمہ کی نورِ نظر!" انہوں نے عرض کی "ہاں" آپ نے فرمایا "اگر وہ آغوش میں زیرِ پرورش نہ ہوتی تو پھر بھی میرے لیے حلال نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ مجھے اور ابوسلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔

❸ اسی طرح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ یہ امام سہیلی کا موقف ہے۔ الزہر میں ان کی گرفت یوں کی گئی ہے کہ اہلِ تاریخ اور اہلِ صحیح نے اس امر کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دودھ پینے والے ابوسلمہ عبداللہ بن عبداللہ تھے۔ انہوں نے ابوجحش کا تذکرہ نہیں کیا۔ یہی درست موقف ہے۔ امام سہیلی نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ خطا ہے۔ حضرت ابوسلمہ کے بارے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ آپ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ثویبہ نے آپ کو اور انہیں دودھ پلایا تھا۔ جیسا کہ صحیح

بخاری میں ہے۔ امام سہیلی نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ جبکہ ان کی جگہ حضرت ابن جحش نے تذکرہ کر دیا۔

◆ حضرت عبداللہ بن حارث یہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے نورِ نظر تھے۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دودھ پیا تھا۔ ان کا نام ضمرہ تھا۔

◆ حفص بن حارث۔ الحافظ نے ان کا ذکر "الاصابۃ" میں کیا ہے۔

◆ امیۃ بنت حارث۔ ان کا ذکر ابوسعید نیسا پوری نے کیا ہے۔ الحافظ نے اسے برقرار رکھا ہے۔

◆ خذامۃ۔ اس سے مراد حضرت شیماء رضی اللہ عنہا ہیں یہ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ حضور ﷺ کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ جیسا آپ ان کے ہاں جلوہ گر تھے۔ ابن اسحاق نے یونس بن بکیر سے روایت کیا ہے کہ شیماء ہی حذافہ ہیں پھر شیماء نام ان پر غالب آ گیا۔ یہ اپنی والدجہ ماجدہ کے ہمراہ حضور ﷺ کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ ابن اسحاق نے ابووجزہ السعدی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت شیماء حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "اس کی کیا علامت ہے؟" انہوں نے فرمایا: "جب میں آپ کو اٹھائے ہوئے تھی تو آپ نے مجھے اپنے دندانِ مبارک سے کاٹا تھا۔" حضور اکرم ﷺ نے یہ علامت پہچان لی۔ اپنی چادر مبارک ان کے لیے پھیلا دی۔ فرمایا: "یہاں! یہاں! انہیں اپنی مبارک چدر پر بٹھایا۔ اور پھر اختیار دیا "اگر پسند کرو تو میرے پاس ٹھہر جاؤ۔ محبت اور عزت ملے گی۔ اگر پسند کرو تو میں تمہیں سامان دے دیتا ہوں اور اپنی والدہ کے پاس چلی جاؤ یہ بھی تمہیں اختیار ہے۔" انہوں نے عرض کی "آپ مجھے سامان عطا فرما دیں۔ میں اپنی والدہ کے پاس چلی جاتی ہوں۔" آپ نے انہیں سامان عنایت کیا۔ وہ اپنی قوم میں چلی گئیں۔ بنوسعد کا خیال ہے کہ آپ نے ان کو غلام عطا کیا تھا۔ جس کا نام مکحول تھا۔ ایک لونڈی بھی دی تھی۔ انہوں نے غلام کی اس لونڈی کی شادی کر دی تھی۔ ان کی نسل باقی رہی۔ ابوعمر نے اضافہ کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت شیماء کو پھولدار کپڑا اور تین غلام اور لونڈیاں دی تھیں۔ "الزھر" اور "الاصابۃ" میں ہے کہ حضرت شیماء رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو لوری دیتے ہوئے یوں کہتی تھیں:

یا ربنا ابق لنا محمد ۔۔۔ حتی اراہ یافعا و امردا

و اکبت اعادیہ والحسدا ۔۔۔ واعطہ عِزّا یدوم ابدا

ترجمہ: "مولا! محمد عربی ﷺ کو ہمارے لیے سلامت رکھ۔ حتیٰ کہ میں انہیں جوان اور بھرو دیکھوں۔ مولا! ان کے دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل فرما۔ انہیں ایسی عزت عطا فرما جو ہمیشہ باقی رہے۔"

ھذا اخ لی لم تلدہ امی ۔۔۔ و لیس من نسل ابی و اعمی

فدیۃ من مخول معم ۔۔۔ فانمہ اللھم فیمن تنمی

ترجمہ: "یہ میرے محترم بھائی ہیں جنہیں میری والدہ نے تو جنم نہیں دیا نہ ہی یہ میرے باپ اور چچا کی نسل سے ہیں لیکن میں ان پر اپنے چچا اور ماموں کو فدا کرتی ہوں۔ مولا! ان بچوں میں ان کی بھی نشو ونما فرما جن کو تو پروان چڑھائے۔"

وہ لوری دیتے وقت یہ اشعار بھی پڑھتی تھیں:

محمد خیر البشر ممن مضی و من غبر
من حج اواعتمر احسن من وجه القمر
من کل انثی و ذکر من کل مبثوب اعز
جنبنی اللہ الغیر فیہ اوضح لی الاثر

ترجمہ: "محمد عربی ﷺ سارے ان انسانوں سے بہترین ہیں جو گزر چکے ہیں یا آئندہ آئیں گے۔ جنہوں نے حج یا عمرہ کیا۔ وہ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ وہ ہر مذکر اور مونث سے اور ہر نوجوان اور روشن جبین سے خوبصورت ہیں۔ ان کی وجہ سے رب تعالیٰ مجھے حوادثات زمانہ سے بچائے اور میرے لیے علامت واضح فرمائے۔"

❁❁❁

تیسرا باب

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا اسلام

ابن کثیر نے لکھا ہے "ظاہر امر یہی ہے کہ حضرت حلیمہ نے بعثت کو نہیں پایا تھا۔" الحافظ نے شرح الدرر میں لکھا ہے "ابن کثیر کا یہ قول قابل قبول نہیں۔ ابو یعلی، الطبرانی اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مجھ سے حضرت حلیمہ سعدیہ نے روایت بیان کی ہے ان کے لخت جگر حضرت عبداللہ بعثت سے مدت بعد پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ کا سماع بھی ہجرت سے سات یا اس سے زائد سال بعد ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے والد ماجد کے ساتھ حبشہ سے آتے تو اس وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اس مدت میں یا اس کے بعد جعرانہ آئیں تھیں۔ ابن کثیر کی روایت میں بہت اختلاف ہے۔ اس روایت میں جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ علماء مختلف ہیں بعض نے عبداللہ بن جعفر عن حلیمہ اور بعض نے عن عبداللہ بن جعفر حدثتنی حلیمہ کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

لیکن یہ نظریہ مستند نہیں بلکہ معتبر اس شخص کا قول ہے جو کہتا ہے "عن عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جعفر حدثت عن حلیمہ" الحافظ نے لکھا ہے "ابن کثیر نے دیکھا ہے کہ یہ علت اس یقین کو روکتی ہے کہ حضرت عبداللہ نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو پایا ہو۔ لیکن حقیقت میں ایسی کوئی علت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شواہد جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو پایا کثیر ہیں اور ان کی اسناد جید ہیں۔

ابن سعد نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں صحیح راوی ہیں۔ انہوں نے حضرت محمد بن منکدر سے مرسل روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے "ایک عورت بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ وہ آپ کی رضاعی امی جان تھیں۔ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ "امی امی" کہہ کر اٹھے۔ اپنی چادر لی اور اسے بچھایا اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اس پر بیٹھ گئیں۔ میں کہتا ہوں کہ "حدثت عن حلیمہ" کی روایت کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ نے بعض داستان حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے سنی اور بعض اس شخص سے سنی جس نے ان سے سنی تھی یا جس نے ان سے روایت کی تھی۔ حافظ مغلطامی رحمہ اللہ نے ان کے ایمان کے بارے ایک جزء تحریر کیا ہے۔ یہ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ "امام بخاری نے ادب میں ابوداؤد اور الطبرانی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

"میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ اس وقت جعرانہ میں گوشت تقسیم فرمارہے تھے۔ میں اتنا بڑھا تھا کہ میں اونٹ کی ہڈی اٹھا سکتا تھا۔ ایک عورت آئی۔ وہ حضور ﷺ کے قریب ہوئی۔ آپ نے اپنی مبارک چادران کے لیے پھیلا دی۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ میں نے پوچھا "یہ خاتون کون ہیں؟" صحابہ کرام نے مجھے بتایا کہ یہ آپ کی رضاعی امی ہیں۔ امام ذہبی کا یہ قول کہ ممکن ہے وہ ثویبہ ہو مردود ہے۔ کیونکہ انہوں نے سات ہجری کو وفات پائی تھی۔" پھر حافظ مغلطای نے رضاعت کی حدیث نقل کی ہے۔ پھر کہا ہے "اگر کہا جائے کہ ان دونوں روایتوں سے استدلال کرنے کی وجہ کیا ہے؟" ہم اسے کہیں گے کہ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

اس شخص کے شبہ کو دور کرنے کے لیے جو یہ کہتا ہے کہ غزوۂ حنین میں حاضر ہونے والی آپ کی رضاعی بہن تھی کیونکہ یہ بعید ہے کہ آپ کی رضاعی والدہ کی عمر اس وقت اتنی زیادہ ہو کیونکہ یہ دونوں روایت دو صحابیات نے بیان کیں ہیں جو انہوں نے ان سے بالمشافہ سنیں تھیں۔ حالانکہ وہ اس وقت کم سن تھیں۔ یہ امر بھی اسی مؤقف کو تقویت دیتا ہے۔" میں کہتا ہوں کہ الحافظ نے بہت سے آثار لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ آنے والی آپ کی رضاعی امی ہی تھیں۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ یہ متعدد طرق اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ اس کی اصل اصیل ہے۔ ان طرق کا اتفاق اس شخص کا رد ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ آپ کی رضاعی بہن آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔

حافظ دمیاطی نے یہی گمان کیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے حضرت حلیمہ سعدیہ کو صحابیات میں شامل کیا ہے۔ ابوبکر بن احمد بن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ "ان خواتین کا تذکرہ جنہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔" پھر فرمایا: "باب الحار: حلیمہ بنت ابی ذؤیب۔ حافظ ابو محمد منذری نے مختصر سنن ابی داؤد میں لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کی رضاعی امی تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تھیں اور آپ سے روایت بھی کی تھی۔

حافظ ابن الجوزی نے الحدائق میں لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت آپ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا تھا۔ انہوں نے آپ سے قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا تو انہوں نے حضرت حلیمہ کو چالیس بکریاں اور کچھ اونٹ عطا کیے۔ پھر نبوت کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اسلام قبول کیا، بیعت کی اور ان کے خاوند حضرت حارث نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ القاضی ابوالفضل عیاض نے "الشفاء" میں لکھا ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ تو آپ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھائی۔ اور ان کی ضرورت پوری کر دی۔ جب آپ کا وصال ہوگیا تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئیں انہوں نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

میں کہتا ہوں "قاضی عیاض کا "الشفاء" میں یہ کلام ہے۔ ابن اسد نے عمر بن سعد سے مرسل روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ کی رضاعی امی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی۔ ان کی

ضرورت پوری کی۔ پھر وہ حضرت سیدنا صدیق اکبر کے پاس آئیں۔ تو انہوں نے اسی طرح کیا پھر وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں تو انہوں نے بھی اسی طرح کیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ "الام" کا اطلاق عرف اور لغت میں حقیقی ماں پر ہوتا ہے۔ ہم نے کسی کو نہیں سنا جو بہن کو ماں کہتا ہو۔ اسی طرح یہ روایت بھی اس گمان کو رد کرتی ہے جسے امام ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عمرو بن سائب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ایک دن حضور ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ کے رضاعی باپ حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ نے اپنی کچھ چادر ان کے لیے بچھا دی۔ پھر آپ کی رضاعی امی حاضر خدمت ہو گئیں۔ آپ نے چادر کا دوسرا حصہ ان کے لیے بچھا دیا۔ پھر آپ کا رضاعی بھائی حاضر ہوا تو آپ نے اسے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ ابو عمر نے حضرت عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "حضور ﷺ کی رضاعی امی جان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ اپنی ردائے مبارک ان کے لیے بچھا دی۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ تیسری وجہ: کہنے والے کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ یوں کہے "ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ آنے والی حضرت حلیمہ ہی تھیں تو پھر ان کے اسلام کی کیا دلیل ہے؟" شاید یہ دلیل ہو کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور بیعت کی۔ یا یہ دلیل ہو کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔

حافظ مغلطای نے لکھا ہے "میں نے ۸۳۸ھ میں ماہِ ربیع الآخر کی ۲۲ تاریخ اتوار کے روز خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کی۔ میں نے ان سے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں کہا۔ امام علامہ ابو الحسن علی بن جابر ہاشمی نے یہ اشعار ہمیں سنائے ہیں۔

اما حلیمه مرضع المختار	فبہ غدت تزھی علی الاخبار
فی جنة الفردوس دار مقامها	اکرم بها یا صاحبی من دار

ترجمہ: "حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو دودھ پلایا۔ اسی وجہ سے وہ بڑے بڑے پاکبازوں پر فخر کرنے لگیں ان کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔ اے میرے دوست! یہ کتنا معزز ٹھکانہ ہے۔"

الحافظ دمیاطی لکھتے ہیں "میں نے ان کے بارے یہ اشعار لکھے ہیں:

اضحت حلیمه تزدھی بمفاخر	مانا لها فی عصر اثنان
منها الکفاته والرضاع و صحبة	والغاية القصوی رضا الرحمان

ترجمہ: "حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ان مفاخر پر فخر کرنے لگیں جو ان کے زمانہ میں دو افراد بھی حاصل نہ کر سکے۔ وہ مفاخر حضور ﷺ کی کفالت، رضاعت اور صحابیت ہے۔ بلند مقصد رب تعالیٰ کی رضا ہے وہ انہیں حاصل ہو گئی۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند حارث رضی اللہ عنہ کو بہت سے علماء نے صحابہ میں شمار نہیں کیا۔ ابن اسحاق نے یونس

بن بکیر کی روایت میں لکھا ہے کہ انہوں نے کہا: "مجھے میرے والد اسحاق بن یسار نے بیان کیا ہے کہ بنوسعد کے کچھ افراد نے کہا" حضور ﷺ کے رضاعی باپ مکہ مکرمہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے قریش نے انہیں کہا: "حارث! کیا آپ اپنے اس بیٹے کو سن نہیں رہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔" حارث! وہ کیا کہتے ہیں؟ قریش: ان کا گمان ہے کہ لوگوں کو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا۔ رب تعالیٰ کا ایک ایسا دار ہے جس میں آگ ہے۔ وہ اس میں نافرمانوں کو سزا دے گا۔ ایک گھر ایسا ہے جس میں وہ اپنے اطاعت گزاروں کو عزتیں عطا کرے گا۔ اس نے سارا امر منتشر کر دیا ہے۔ ہماری جمعیت بکھیر دی ہے۔" حارث آپ کے پاس آئے۔ کہا: "نورِ نظر! آپ کو اور آپ کی قوم کو کیا ہے۔ وہ آپ سے بغض رکھتی ہے اور گمان کرتی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ لوگوں کو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا۔ پھر وہ جنت یا دوزخ کی طرف جائیں گے۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "میں یہ گمان کرتا ہوں۔ جب وہ دن آئے گا تو میں تمہارا ہاتھ تھام لوں گا۔ حتیٰ کہ میں تمہیں آج کے دن بات یاد کراؤں گا۔" اس کے بعد حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام لاتے وقت انہوں نے کہا تھا: "میرا نورِ نظر میرا بازو تھام لے گا اور مجھے وہ بات یاد کرائے گا جو اس نے کی تھی پھر وہ مجھے نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ مجھے جنت میں داخل کر دیں گے۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے "مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔"

❁❁❁

چوتھا باب

رضاعت کی داستان

ابن اسحاق، ابن راھویہ، ابویعلی، الطبرانی اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے، امام بیہقی، ابن عساکر نے حضرت ابن عباس سے، امام بیہقی نے امام زھری سے، ابویعلی اور ابونعیم نے شداد بن اوس سے مرفوع اور مختصر، امام احمد اور داری نے عتبہ بن عبداللہ سے، ابونعیم نے ابوبریدہ سے، ابن سعد، ابونعیم اور ابن عساکر نے یحییٰ بن یزید سعدی سے اور بن سعد نے زید بن اسلم رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''میں سبز مائل گدھی پر مکہ مکرمہ آئی۔ جس نے کارواں کو تھکا دیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اہلِ کارواں پر شاق گزرنے لگی۔ میرے ہمراہ میرا بچہ بھی تھا۔ ایک اونٹنی بھی ہمارے ساتھ تھی۔ بخدا! اس کی کھیری میں ایک قطرہ بھی دودھ نہ تھا۔ بخدا! ہم ساری رات سو بھی نہیں سکتے تھے۔ میرے بچے کے لیے نہ تو ہماری اونٹنی کے پاس دودھ تھا نہ ہی میرے پاس دودھ تھا۔ حتیٰ کہ ہم مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ علامہ عوفی نے ذکر کیا ہے جب حضرت حلیمہ سعدیہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبدالمطلب نے ایک ہاتف کو یوں کہتے ہوئے سنا:

ان ابن آمنة الامين محمدا	خير الانام و خيرة الاخيار
ما ان له غير الحليمة مرضع	نعم الامينة هی علی الابرار
مامونة من كل عيب فاحش	و نقية الاثواب والازرارِ
لا اسلمنه الی سواها انه	امر و حكم جأ من الجبار

ترجمہ: ''حضرت آمنہ کے فرزند امین محمد ﷺ سارے لوگوں سے اور پاکباز افراد سے بہترین ہیں۔ ان کے لیے حضرت حلیمہ سعدیہ کے علاوہ کوئی اور دودھ پلانے والی نہیں ہوسکتی۔ وہ پاکباز پر بہترین امینہ ہیں وہ ہر فحش عیب سے محفوظ ہیں۔ ان کے کپڑے اور ازار پاک ہوتے ہیں۔ آپ انہیں حضرت حلیمہ کے علاوہ کسی اور کے سپرد نہ کریں یہ جبار رب تعالیٰ کی طرف سے امر اور حکم ہے۔''

حضرت حلیمہ سعدیہ سے فرمایا ''بخدا! میں کسی عورت کو نہیں جانتی حضور ﷺ اسے پیش کیے گئے۔ جب اسے بتایا جاتا کہ آپ یتیم ہیں وہ آپ کا انکار کر دیتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بچے کے باپ سے انعامات کی توقع رکھتی تھیں۔ ہم کہتی

تھیں کہ ایک یتیم کا دادا اور ماں کیا دے سکتیں ہیں۔ ہم یہ ناپسند کرتی تھیں۔ میرے علاوہ ساری خواتین بچے لے چکی تھیں۔ جب مجھے آپ کے علاوہ کوئی اور بچہ نہ ملا تو میں نے اپنے خاوند سے کہا: ''بخدا! مجھے یہ سخت ناپسند ہے کہ میں اپنی ساتھیوں کے ساتھ بچے کے بغیر جاؤں۔ میں اسی دریتیم کے پاس جاتی ہوں۔ اور اسے لے آتی ہوں۔ میں گئی اور آپ کو لے آئی۔ حضرت آمنہ نے مجھے فرمایا: ''حلیمہ! مجھے لگا تار تین راتوں سے کہا جا رہا ہے تم اپنے نور نظر کے لیے بنوسعد پھر آلِ ذؤیب میں دایا تلاش کرو۔'' حضرت حلیمہ: ''ابو ذؤیب میرے خاوند ہیں۔'' حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حلیمہ کو وہ سارے امور بتا دیے جو انہوں نے حمل اور ولادت کے وقت دیکھے تھے۔

حضرت حلیمہ نے فرمایا: ''جب میں نے آپ کو اپنی آغوش میں رکھا۔ اپنا دودھ آپ کو پیش کیا تو آپ نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ پھر آپ کے رضاعی بھائی نے دودھ پیا حتیٰ کہ وہ بھی سیر ہو گیا۔ پھر دونوں سو گئے۔ میرا خاوند اونٹنی کی طرف گیا۔ اس کی کھیری دودھ سے بھر چکی تھی۔ اس نے دودھ نکالا۔ پھر پیا۔ میں نے بھی اس کا دودھ پیا۔ ہم نے خیریت سے وہ رات بسر کی۔ مجھے میرے خاوند نے کہا ''حلیمہ! میرا خیال ہے کہ ہم نے ایک مبارک بچہ حاصل کیا ہے کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ جب سے ہم نے یہ من موہنا بچہ لیا ہے ہم نے خیریت اور برکت کے ساتھ رات بسر کی ہے۔'' میں نے کہا ''مجھے بھی یہی امید ہے۔''

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضرت حلیمہ کے پاس سے گزری۔ انہوں نے کہا: ''کیا میں تمہیں اپنے اس فرزند کے بارے نہ بتاؤں۔ اس کے حمل میں یہ یہ امور رونما ہوئے۔ ان کی ولادت کے وقت یہ یہ امور رونما ہوئے۔'' پھر انہوں نے انہیں اسی طرح بتا دیا جس طرح انہوں نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے سنا تھا۔ یہودیوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''اس بچے کو قتل کر دو۔'' پھر انہوں نے پوچھا: ''کیا یہ بچہ یتیم ہے؟'' حضرت حلیمہ: ''نہیں! یہ اس کے باپ اور میں اس کی ماں ہوں۔'' یہودی: ''اگر یہ یتیم ہوتے تو ہم اسے قتل کر دیتے۔''

پھر ہم واپس آئے۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہوئی۔ آپ کو بھی اپنے ہمراہ سوار کیا۔ بخدا! میری گدھی سارے کارواں سے آگے نکل گئی۔ کوئی گدھا بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ میری ساتھی عورتیں کہنے لگیں ''ابو ذؤیب کی نورِ نظر! ہم پر رحم کر کیا یہ وہی گدھی ہے جسے لے کر تم ہمارے ہمراہ نکلی تھی۔'' میں نے کہا: ''ہاں! بخدا! یہ وہی ہے۔'' ان عورتوں نے کہا: ''بخدا! آج اس کی عجیب شان ہے۔'' امام زہری نے روایت کیا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو عکاظ کے میلے میں لے گئیں ایک کاہن نے آپ کو دیکھا۔ اس نے کہا: ''اے عکاظ بازار والو! اس بچے کو قتل کر دو۔ اسے سلطنت نصیب ہو گی۔'' حضرت حلیمہ گھبرا گئیں۔ رب تعالیٰ نے آپ کو ان سے نجات عطا کی۔

حضرت حلیمہ نے فرمایا: ''ہم بنوسعد کی زمین میں آ گئے۔ بخدا! ہماری زمین ساری روئے زمین سے زیادہ قحط سالی کا شکار تھی۔ ہماری بکریاں چرتی تھیں۔ جب وہ شام کے وقت واپس آتی تھیں تو وہ سیر شکم ہوتی تھیں۔ ان کی کھیریں

دودھ سے لبریز ہوتی تھیں۔ ہم ان کا دودھ نکالتے تھے اور پی لیتے تھے۔ کسی اور انسان کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ ہماری قوم اپنے چرواہوں سے کہتی تھی: "تمہارے لیے ہلاکت! اس جگہ بکریاں چراؤ جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔" وہ میری بکریوں کے ساتھ اپنی بکریاں چراتی ان کی بکریاں بھوکی آتیں ان کی کھیروں میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جب میری بکریاں واپس آتیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوئے ہوتے۔ کھیریاں دودھ سے لبریز ہوتیں۔ جب میں نے آپ کو اپنے گھر میں داخل کیا تو بنوسعد کے ہر ہر گھر سے مشک کی خوشبو آنے لگی۔ آپ کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی گئی۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو کوئی مرض لاحق ہو جاتا۔ وہ آپ کا ہاتھ پکڑتا وہ اسے اذیت کی جگہ پر رکھ دیتا۔ رب تعالیٰ اسے شفاء عطا فرماتا۔ ان کا کوئی اونٹ یا بکری بیمار ہو جاتی وہ پھر بھی اسی طرح کرتے تھے۔

ابونعیم نے اس شخص سے روایت کیا ہے جو حضرت حلیمہ کی بکریاں چراتا تھا کہ وہ حضرت حلیمہ کی بکریوں کو دیکھتا تھا وہ اپنے سر نہیں اٹھاتی تھیں مگر ان کے منہ میں سبزہ نظر آتا تھا۔ ان کی مینگنیوں میں بھی سبزہ نظر آتا تھا حالانکہ وہ بکریاں بیٹھ کر اس گھاس کے تنکے کھاتی تھیں جو انہیں نظر آتا تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ نے فرمایا "اسی طرح رب تعالیٰ ہمیں برکت دکھاتا رہا۔ ہم اسے دیکھتے رہے حتیٰ کہ آپ کی عمر مبارک دو سال ہوگئی۔ آپ اس انداز سے پروان چڑھتے تھے کہ کوئی بچہ اس طرح پروان نہ چڑھا۔" حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آپ کا دودھ چھڑایا گیا تو آپ نے سب سے پہلے یہ کلام کی: "الله اکبر کبیراً الحمد لله کثیرا و سبحان الله بکرة و اصیلا۔"

ابونعیم نے حضرت حلیمہ کے ایک چرواہے سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ دو سال تک رہے۔ آپ اپنی صحت کے اعتبار سے چار سال کے لگتے تھے۔ حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے گئیں تاکہ ان کی زیارت کر لیں۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ حضرت آمنہ آپ کو واپس لوٹا دیں کیونکہ انہوں نے آپ کی عظیم برکت دیکھ لی تھی۔ جب وہ سر ِوادی میں پہنچے تو وہ حبشہ کے ایک گروہ کو ملے۔ انہوں نے ان کے ساتھ رفاقت اختیار کر لی۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی طرف دیکھا۔ آپ کے شانوں کے مابین مہر نبوت دیکھی۔ آنکھوں میں سرخی دیکھی۔ انہوں نے پوچھا: "کیا ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے؟" حضرت حلیمہ سعدیہ نے فرمایا: "بخدا! نہیں یہ سرخی ان کی چشمانِ مقدس سے جدا نہیں ہوتی۔" انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! یہ نبی ہیں۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں۔ "ہم آپ کو لے کر آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس آ گئے۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھ لیا تو ہم نے عرض کی: "آپ اپنے نورِ نظر کو اس سال ہمارے پاس ہی رہنے دیں۔ ہمیں ان کے متعلق مکہ مکرمہ کی وباء کا خدشہ ہے۔ بخدا! ہم برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے ہاں کہہ دیا۔ اور آپ کو ہمارے ساتھ بھیج دیا۔" ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ حضور اکرم ﷺ کو واپس لا رہی تھیں تو وہ ذوالمجاز کے مقام سے گزریں۔ وہاں

ایک قیافہ شناس تھا۔ جس کے پاس بچے لائے جاتے تھے وہ انہیں دیکھتا تھا۔ جب اس نے حضور ﷺ کی طرف دیکھا آپ کی آنکھوں میں سرخی دیکھی۔ مہر نبوت دیکھی تو چیخ اٹھا" اے گروہ عرب! اس بچے کو قتل کر دو ورنہ یہ تمہارے اہلِ دین کو قتل کر دے گا۔ تمہارے بتوں کو توڑ دے گا۔ اس کا امر تم پر غالب ہو کر رہے گا۔" حضرت حلیمہ آپ کو لے کر چپکے سے نکل آئیں۔ ابن سعد نے یہ اضافہ کیا ہے "وہ الھذلی یوں چیخنے لگا: "ہائے ہذیل! ہائے ہذیل! اس کے معبودانِ باللہ! یہ بچہ تو آسمان سے صرف ایک حکم کا منتظر ہے۔ وہ لوگوں کو اکسانے لگا کہ وہ آپ کو شہید کر دیں۔ وہ اسی وقت دیوانہ ہو گیا اس کی عقل زائل ہو گئی۔ وہ حالتِ کفر میں مر گیا۔"

ہم دو یا تین ماہ ہی ٹھہرے ہوں گے۔ حضور ﷺ باہر تشریف لے جاتے تھے۔ آپ دیکھتے بچے کھیل رہے ہوتے تھے۔ مگر آپ ان سے اجتناب کرتے تھے۔ ابن سعد نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت حلیمہ حضور ﷺ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں ایک دن وہ آپ سے غافل ہو گئیں۔ آپ دوپہر کے وقت اپنی بہن حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکلے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کی تلاش میں نکلیں۔ انہوں نے آپ کو آپ کی رضاعی بہن کے ساتھ پایا۔ انہوں نے کہا: "اس گرمی میں انہیں لے کر آئی ہو؟" حضرت شیماء نے کہا "امی جان! مجھے اس بھائی کی گرمی نہیں لگتی۔ میں دیکھتی ہوں کہ بادل ان کے سر پر سایہ کناں رہتا ہے۔ جب یہ رکتے ہیں وہ بھی رک جاتا ہے۔ جب یہ چلتے ہیں وہ بھی چلنے لگتا ہے۔" حضرت حلیمہ: "میری نورِ نظر! کیا یہ سچ ہے؟" حضرت شیماء: "قسم بخدا! ہاں!"

ایک دن حضور کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: میں دن کے وقت اپنے بھائیوں کو کیوں نہیں دیکھتا؟" حضرت حلیمہ سعدیہ نے عرض کی: "وہ ہماری بکریاں چرانے جاتے ہیں۔ وہ رات تک باہر ہی رہتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "مجھے بھی ان کے ساتھ بھیج دیا کریں۔ آپ خوشی خوشی ان کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ ایک دن آپ ان کے ساتھ گئے۔ دوپہر کے وقت ان کا بھائی دوڑتا ہوا آتا۔ اس نے کہا "امی جان! میرے بھائی محمد عربی (ﷺ) کو جا لو۔ بخدا! تمہارے پہنچنے سے قبل وہ وصال فرما چکے ہوں گے۔" حضرت حلیمہ سعدیہ: "ان کا قصہ کیا ہے؟" رضاعی بھائی: "ہم ایک جگہ کھڑے تھے ایک شخص اچانک آیا۔ اس نے آپ کو ہمارے درمیان سے اٹھایا آپ کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا۔ اس نے آپ کا سینۂ اقدس چاک کیا۔" ابن اسحاق کی روایت میں ہے "وہ دو شخص تھے جنہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ انہوں نے آپ کے سینہ انور کو شق کیا۔ وہ آپ کو مار رہے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ نے کیا کہا۔"

میں اور آپ کا رضاعی باپ دوڑتے ہوئے آئے۔ آپ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کی نگاہ ناز آسمان کی طرف تھی۔ آپ کا رنگ متغیر تھا۔ میں آپ پر جھکی آپ کے بوسے لینے لگی۔ میں نے کہا: "میری جان آپ پر قربان! آپ کو کیا ہوا ہے؟" آپ نے فرمایا: "امی جان! خیر ہے میں ایک جگہ کھڑا تھا۔ تین افراد میرے پاس آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تھا۔ جو برف سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے

پکڑا اور پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ مجھے ہلکے پھلکے انداز میں لٹایا۔ میرا سینہ شق کیا۔ میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ مجھے کوئی درد یا تکلیف نہ تھی۔ پھر اس نے میرے پیٹ میں اپنا ہاتھ ڈالا۔ میرے پیٹ سے ایک ٹکڑا باہر نکالا۔ اسے برف سے دھویا اچھی طرح دھو کر اسے واپس اسی جگہ لوٹا دیا۔"

صحیح مسلم میں ہے "آپ کے پاس حضرت جبرائیل امین آئے۔ انہوں نے آپ کو پکڑا نیچے لٹایا۔ دل باہر نکالا۔ اسے شق کیا۔ اس میں سے سیاہ ٹکڑا باہر نکالا۔ عرض کی "یا حبیب اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ شیطان کا حصہ ہے۔" پھر انہوں نے سینہ اقدس اس چیز سے بھر دیا جو ان کے پاس تھی۔ پھر نور سے مہر نبوت لگائی۔ اب بھی میں اپنی رگوں اور جوڑوں میں مہر نبوت کی ٹھنڈک محسوس کر رہا ہوں۔ تیسرا شخص اٹھا۔ اس نے کہا: "ایک طرف ہو جاؤ۔ رب تعالیٰ نے تمہیں جو حکم دیا تھا تم نے اسے پورا کر دیا ہے۔ وہ میرے قریب ہوا۔ اپنا ہاتھ میرے سینے سے لے کر ناف تک پھیرا وہ شق اذنِ الٰہی سے درست ہو گیا۔"

حضرت عبداللہ بن عتبہ کی روایت میں ہے "دو سفید پرندے میری طرف آئے گویا کہ وہ گدھیں تھیں۔ ایک نے دوسرے سے کہا "کیا یہ وہی ہیں؟" اس نے کہا: "ہاں!" وہ جلدی سے میری طرف آئے۔ انہوں نے گدی کے بل مجھے نیچے لٹایا۔ میرا پیٹ مبارک چاک کیا۔ میرا دل باہر نکالا۔ دو سیاہ ٹکڑے اس میں سے باہر نکالے۔ ایک نے دوسرے ساتھی سے کہا: "میرے پاس برف کا پانی لے کر آؤ۔ انہوں نے میرا پیٹ دھو دیا۔ پھر اس نے کہا: "میرے پاس برد کا پانی لے کر آؤ۔ انہوں نے اس کے ساتھ میرے دل کو دھویا پھر اس نے کہا "میرے پاس سکینہ لے کر آؤ۔" اس نے اسے میرے دل میں انڈیل دیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اچھی طرح اٹھایا پہلے شخص نے کہا "ان کا ان کی امت کے دس افراد کے ساتھ وزن کرو۔" انہوں نے میرا وزن کیا میرا پلڑا جھک گیا۔ پھر اس نے کہا: "اب ان کا وزن سو افراد کے ساتھ کرو۔" اس نے میرا وزن کیا تو میرا پلڑا جھک گیا۔ پھر اس نے کہا: "اب ان کی امت کے ایک ہزار افراد کے ساتھ ان کا وزن کرو۔" اس نے ایک ہزار افراد کے ساتھ میرا وزن کیا۔ میں اپنے اوپر ایک ہزار کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ وہ کہیں میرے اوپر نہ گر پڑیں۔ میرا وزن ان سے بھی بڑھ گیا۔ اس نے کہا: "انہیں چھوڑ دو۔ اگر ان کی ساری امت کے ساتھ ان کا وزن کرو گے پھر بھی یہ وزن میں بڑھ جائیں گے۔ پھر انہوں نے مجھے سینہ کے ساتھ ملایا۔ میرے سر کا بوسہ لیا۔ میری آنکھوں کے مابین چوما۔ پھر کہا: "یا حبیب اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ خوفزدہ نہ ہوں۔ اگر آپ جان لیتے کہ آپ کے ساتھ کس بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے تو آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ نے فرمایا: "میں آپ کو لے کر بنو سعد کے گھروں کے پاس آئی۔ لوگوں نے مجھے کہا "انہیں کاہن کے پاس لے جاؤ۔ تاکہ وہ انہیں دیکھ کر ان کا علاج کرے۔" آپ نے فرمایا: "جو تمہیں خدشہ ہے اس میں سے مجھے کچھ بھی نہیں۔ میں اپنے آپ کو صحیح دیکھ رہا ہوں۔ میرا دل صحیح ہے۔" لوگوں نے کہا: "انہیں جنون نے آلیا ہے یا جنات مس

کر گئے ہیں۔ وہ مجھ پر غالب آگئے۔ میں آپ کو ایک کاہن کے پاس لے گئی۔ اسے آپ کی داستان سنائی۔ اس نے مجھے کہا: "مجھے چھوڑ دو۔ میں اس بچے سے اس کی داستان سنوں گا۔ وہ تم سے زیادہ اپنے امر سے آگاہ ہے۔ مبارک بچے! ذرا اپنی حکایت بیان کریں۔" آپ نے اسے داستان سنائی۔ کاہن اپنے قدموں پر کھڑا ہوا۔ اس نے بلند آواز سے کہا: "اے اہلِ عرب! اس شر کی وجہ سے جو قریب آگیا ہے۔ اس بچے کو قتل کر دو۔ مجھے بھی اس کے ساتھ ہی مار ڈالو۔ اگر تم نے اسے چھوڑ دیا۔ اور یہ جوان ہو گئے تو یہ تمہاری عقلوں کو نادان کہیں گے۔ تمہارے معبودوں کو جھٹلا دیں گے۔ وہ ایسے رب تعالیٰ کی طرف تمہیں بلائیں گے جسے تم نہیں جانتے۔ تم ان کے دین کا انکار کر دو گے۔" جب میں نے اس کی یہ گفتگو سنی۔ میں نے آپ کو اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ میں نے کہا: "تو زیادہ پاگل اور احمق ہے۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ تو اس طرح کرے گا تو میں انہیں لے کر تیرے پاس نہ آتی۔ اپنے لیے کسی قاتل کو تلاش کرو۔ ہم محمد عربی ﷺ کو قتل نہیں کریں گے۔" میں آپ کو اپنے گھر لے آئی۔ بنو سعد کے ہر گھر سے مشک کی خوشبو آنے لگی۔ لوگوں نے مجھے کہا "حلیمہ! انہیں ان کے دادا کے پاس لے جاؤ۔ اپنی امانت سے سبکدوش ہو جاؤ۔" میرے خاوند نے مجھے کہا "میرا خیال ہے کہ ہم انہیں ان کی والدہ ماجدہ کے پاس لے جائیں تاکہ وہ ان کا علاج کرائیں۔ بخدا! انہیں جو کچھ ہوا ہے وہ فلاں حاسد کی وجہ سے ہوا ہے کیونکہ انہوں نے آپ کی عظیم برکت دیکھی ہے۔ اے حلیمہ! جب ہم نے یہ مبارک بچہ لیا تھا ہمارے پاس چند کمزور بکریاں تھیں اب ان کی تعداد تین سو ہے۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ نے فرمایا: "میں نے یہ پختہ عزم کر لیا۔ میں نے ایک ندا سنی کوئی کہہ رہا تھا "ایک وادی بطحا! تجھے مبارک، آج تیری طرف نور، دین، رونق اور کمال لوٹا دیا جائے گا۔ اب تو امن میں ہو گئی ہے کہ تجھے رسوا کیا جائے یا تجھے ذلیل کیا جائے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ جب آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آئیں۔ آپ لوگوں میں گم ہو گئے۔ انہوں نے آپ کو تلاش کیا مگر آپ نہ ملے۔ وہ حضرت عبدالمطلب کے پاس آئیں۔ ان سے کہا: "میں آج رات محمد عربی ﷺ کو لے کر آ رہی تھی۔ جب میں مکہ مکرمہ کی بلند جگہ پر پہنچی تو وہ گم ہو گئے۔ بخدا! میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہیں۔" حضرت عبدالمطلب اٹھ کھڑے ہوئے۔ خانہ کعبہ کے پاس جا کر دعا مانگنے لگے کہ رب تعالیٰ انہیں لوٹا دے۔ امام بیہقی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے کہا:

یا رب ان محمدا لم یوجد فجمع قومی کلھم مبدد

ترجمہ: "مولائے کریم! محمد عربی ﷺ نہیں مل رہے۔ میری ساری قوم کا شیرازہ منتشر ہو گیا ہے۔"

ابن سعد اور ابن جوزی نے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

لاھم رد راکبی محمدا اردده لی ثم اتخذ عندی یدا

انت الذی جعلته لی عضدا لا یبعد الدھر بہ فیبعدا

انت الذی سمتیہ محمدا

ترجمہ: "مولا میرے شہ سوار محمد عربی ﷺ کو واپس لوٹا دے۔ انہیں مجھے واپس لوٹا دے اور مجھ پر احسان فرما۔ تو نے ہی انہیں میرے لیے سہارا بنایا ہے زمانہ انہیں مجھ سے دور نہ کر دے کہ وہ دور چلے جائیں تو ہی وہ ذات ہے جس نے ان کا نام نامی محمد ﷺ رکھا ہے۔"

آسمان نے غیبی ہاتف چلایا: "اے لوگو! نہ چیخو۔ محمد عربی ﷺ کا ایک رب ہے وہ انہیں رسوانہ کرے گا وہ انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت عبدالمطلب! ہمیں ان تک کون پہنچائے گا؟" ہاتف: "وہ وادی تہامہ میں دائیں طرف درخت کے پاس ہیں۔ حضرت عبدالمطلب سوار ہو کر اس طرف گئے۔ ورقہ بن نوفل بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ آپ اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ آپ کے دادا جان نے پوچھا: "بچے! آپ کون ہیں؟" آپ نے فرمایا: "میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔" انہوں نے کہا: "میں آپ کا دادا ہوں۔ میری جان آپ پر فدا۔" انہوں نے آپ کو اٹھایا۔ گلے لگایا۔ وہ رو رہے تھے۔ پھر انہیں لے کر مکہ مکرمہ آ گئے۔ آپ ان کے آگے زین پر تھے۔ قریش مطمئن ہو گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے 20 اونٹ ذبح کیے بکریاں اور گائیں ذبح کیں اور اہلِ مکہ کو کھانا کھلایا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ نے کہا: "آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا: "میرے نورِ نظر کی رضاعی امی! تم انہیں لے جانے پر بڑی حریص تھیں۔" ہم نے کہا: "ہمیں حوادثات زمانہ کا خوف ہے۔" حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا: "مجھے ان کے بارے سچ سچ بتاؤ۔" انہوں نے ہمیں نہ چھوڑا حتیٰ کہ ہم نے انہیں ساری داستان سنا دی۔ انہوں نے فرمایا: "کیا تمہیں میرے نورِ نظر کے بارے شیطان سے اندیشہ ہے۔ بخدا! ہرگز نہیں شیطان ان پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ بخدا! میرے نورِ نظر کی بڑی شان ہوگی۔ کیا میں تمہیں ان کی شانیں بتاؤں۔" ہم نے کہا: "ہاں!" انہوں نے فرمایا: "جب یہ میرے بطن اقدس میں تھے تو یہ اتنے خفیف تھے کہ اتنا خفیف حمل میں نے کبھی محسوس نہ کیا تھا۔ وقت حمل میں نے نیند میں نور دیکھا جس سے سرزمین شام میں بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے۔ پھر ان کی ولادت کا انداز بھی نرالہ تھا۔ کوئی بچہ بھی اس طرح پیدا نہیں ہوا ہوگا۔ یہ اپنے ہاتھوں کے بل زمین پر تشریف فرما ہوا۔ اس نے سر اقدس آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔

حضرت حلیمہ نے کہا: "میں نے یہ ساری باتیں حضرت عبدالمطلب کو بیان کر دیں۔" انہوں نے فرمایا: "حلیمہ! میرے اس بچے کی شان بہت بلند ہوگی۔ میری تمنا ہے کہ میں وہ زمانہ پا لوں۔" پھر حضرت عبدالمطلب نے بہت سا سامان دیا اور ہر بھلائی دے کر مجھے گھر لوٹا دیا۔

حضرت ابن المعلی الازدی نے "کتاب الترقیص" میں رقم کیا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ اشعار پڑھ کر حضور ﷺ کو لوری دیا کرتی تھیں۔

یا رب اذا اعطیتہ فابقہ   و اعلہ الی العلا و رقہ

وادحض اباطیل العدا بحقه

ترجمہ: "مولا! جب تونے یہ من موہنا بچہ عطا کیا ہے تو اسے باقی بھی رکھ۔ اسے رفعتوں پر فائز فرما اور ترقی عطا فرما ان کے بارے دشمن کی لغو باتوں کو بے اثر بنا۔

ابن سبع علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنا ایک پستان مبارک پیش کرتی تھیں۔ آپ اس سے دودھ نوش فرما لیتے تھے۔ جب دوسرا پستان مبارک پیش کرتیں تو آپ دودھ نوش فرمانے سے انکار کر دیتے تھے۔ بعض علماء نے شرح میں لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو علم تھا کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کا ایک اور نورِ نظر بھی دودھ پیتا ہے یہ آپ کا عدل تھا، عدل آپ کی فطرت میں شامل تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ عرفی نے لکھا ہے کہ اس دور میں عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلانا عار سمجھتی تھیں۔ دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ اہلِ عرب اپنے بچوں کو رضاعت کے لیے باہر اس لیے بھیجتے تا کہ ان کا بچہ نجیب اور فصیح بن سکے۔ بعض نے لکھا ہے کہ تا کہ ان کی خواتین اپنے خاوندوں کے لیے فارغ ہو سکیں۔ لیکن آپ کے بارے یہ احتمال نہیں ہے کیونکہ آپ کے والد ماجد تو اس وقت وفات پا چکے تھے جب آپ اپنی امی جان کے بطن صدف میں تھے۔

علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ آپ کی عمر مبارک پانچ سال ہوئی تو آپ اپنی امی جان کے پاس واپس آگئے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۴ سال تھی۔ علامہ الاموی نے ذکر کیا ہے کہ جب آپ واپس آئے تو عمر مبارک چھ سال تھی۔ حضرت حلیمہ ہر سال آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آتی تھیں تا کہ آپ کے دادا جان آپ کی زیارت کر لیں۔ لیکن رضاعت کی تکمیل کے بعد حضرت حلیمہ صرف دو بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

1. حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے شادی کرنے کے بعد وہ آپ کے پاس خشک سالی کی شکایت لے کر آئیں۔ آپ نے حضرت خدیجہ سے بات کی انہوں نے آپ کو بیس بکریاں اور کچھ بھیڑیں دیں۔
2. جبکہ دوسری بار آپ غزوۂ حنین کے روز حاضر ہوئیں۔

لقد بلغت بالهاشمي حليمة — مقامًا علا في ذروة العز و المجد

و زادت مواشيها واحصب ربعها — و قد عم هذا السعد كل بني سعد

ترجمہ: "حضرت رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر حضرت حلیمہ سعدیہ عزت و شرف کی رفعتوں پر فائز ہو گئیں۔ ان کے جانوروں میں اضافہ ہو گیا۔ ان کا علاقہ شاداب ہو گیا سارے بنو سعد میں یہ سعادت عام ہو گئی"۔

علامہ ابن جابر کے یہ اشعار کتنے تعجب خیز ہیں:

بخير الخلق يشرح كل صدر — و عند الله حاز اجل قدر

ترجمہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سارے سینے کھل جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ کے ہاں انہیں اعم اور عمدہ مقام

نصیب ہوتا ہے۔"

شق الصدر خص کشق صدر — کما خص الکلیم بشق بحر

ترجمہ: "آپ کو شق صدر کے ساتھ اس طرح مختص کیا گیا جس طرح آپ کے ساتھ شق بدر مختص تھا۔ جس طرح حضرت کلیم اللہ کے لیے سمندر کا شق ہونا مختص تھا۔"

وسعی الروح جاء لدفع شکت — کسعی عصا الکلیم لدفع سحر

ترجمہ: "شک دور کرنے کے لیے درخت اس طرح دوڑ کر آئے جس طرح جادو دور کرنے کے لیے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا عصا دوڑا تھا۔"

له شرفان من عم و خال — ففاق المرسلین بکل عصر

ترجمہ: "آپ کو چچاؤں اور ماموں کی طرف سے شرف نصیب ہوا۔ ہر زمانہ کے مرسلین سے آپ فائق ہو گئے۔"

بدا من خیر بیت فی قریش — و ارضع فی بنی سعد بن بکر

ترجمہ: "آپ قریش کے بہترین گھر میں پیدا ہوئے۔ قبیلہ بنو سعد میں آپ نے دودھ نوش کیا۔"

فضمّ الی فصاحته آل سعد — سماحة هاشم و جلال فهر

ترجمہ: "آپ میں آلِ سعد کی فصاحت، حضرت ہاشم کی سخاوت اور فہر کا جلال پیدا ہو گیا۔"

لقد سعدت حلیمة حیث حازت — رضاعته و نالت کل فخر

ترجمہ: "حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو دودھ پلا کر سعادت مند بن گئیں اور انہوں نے ہر فخر کو پالیا۔"

فدرّ علیه منها الثدی حالا — و لم یك قبل ذا یشفی بدر

ترجمہ: "ان کے پستان مبارک میں اس وقت دودھ اتر آیا۔ حتیٰ کہ پہلے وہاں دودھ نہ تھا۔"

و اعلم انه لاخیه حق — فغادر ثدیها الثانی بدغر

ترجمہ: "آپ کو علم عطا کیا گیا کہ آپ کے رضاعی بھائی کا بھی حق ہے۔ آپ نے دوسری طرف کے پستان کو مکمل چھوڑ دیا۔"

و شارفها جرت لبنا فاروت — و کانت لا تبض حهم بقطر

ترجمہ: "ان کی اونٹنی بھی دودھ اتار لائی۔ اس نے سیراب کر دیا حالانکہ پہلے وہ انہیں ایک قطرہ دودھ بھی نہیں دیتی تھی۔"

او سرعت الاتان بہٖ نهوضا — فاعجب کل من فی الرکب یسری

ترجمہ: "ان کی گدھی بھی تیز رفتاری کے ساتھ چلنے لگی کارواں میں ہر چلنے والا شخص متعجب ہو گیا۔"

و كانت من وراء القوم ضعفا ... فصارت عن امام القوم تجری

ترجمہ: "وہ کمزوری کی وجہ سے ساری قوم سے پیچھے تھی۔ وہ اپنی قوم کے آگے آگے چلنے لگی۔"

فقالوا ان لانبك لشأنا ... اخذت مباركًا فثقي بيسر

ترجمہ: "انہوں نے کہا تمہارا یہ فرزند بڑی شان کا مالک ہے۔ تم نے مبارک بچہ لیا ہے خوشحالی پر یقین کر لے۔"

و كان يشب فی شهر كعام ... اذا اعتبروا و فی يوم كشهر

ترجمہ: "آپ ایک ماہ میں اتنے بڑھ جاتے دوسرے بچے اتنا سال میں بڑھتے۔ جبکہ وہ شمار کرتے تھے۔"

و يصبح دون صبيتهم دهينا ... كحيلا طيبا من غير عطر

ترجمہ: "دیگر بچوں کے علاوہ آپ وقت صبح یوں اٹھتے کہ آپ کے تیل لگا ہوا ہوتا۔ سرمہ ڈالا گیا ہوتا تھا اور عطر کے بغیر ہی آپ سے خوشبو آ رہی ہوتی تھی۔"

و كانوا فی اشد الارض جدبا ... فعم القطر منها كل قطر

ترجمہ: "ان کی زمین ساری زمینوں سے زیادہ قحط سالی کا شکار تھی۔ ان پر ہر طرف سے عام بارش برسنے لگی۔"

و خلف بيوتهم جبرائيل وافی ... فشق الصدر منه بغير ضر

ترجمہ: "ان کے گھروں کے پیچھے حضرت جبرائیل نے آپ کو پایا اور کسی تکلیف کے بغیر آپ کا سینہ چاک کیا۔"

والقی معمز الشيطان منه ... فطهره فنال اتم طهر

ترجمہ: "انہوں نے آپ میں سے شیطان کا حصہ باہر نکال پھینکا اور آپ کو پاک صاف کر دیا۔ آپ نے مکمل ترین پاکیزگی پالی۔"

حشامنه الحشا علما و حلما ... و ايمانا علی ورع و صبر

ترجمہ: "انہوں نے آپ کے بطن اقدس کو علم اور حلم سے بھر دیا اسے ایمان، تقویٰ اور صبر سے لبریز کر دیا۔"

و اكرمه الا له بشق صدر ... ووضع الوزر عنه و رفع ذكر

ترجمہ: "رب تعالیٰ نے آپ کو شق صدر کے ساتھ مختص فرمایا آپ سے بوجھ دور کیا اور آپ کا ذکر بلند کیا۔"

فكان رضا بلا سخط و بذلا ... بلا بخل و خيرا دون شر

ترجمہ: "آپ غصے کے بغیر راضی تھے۔ بخل کے بغیر سخی اور شر کے بغیر بھلائی پر فائز تھے۔"

له خلق الملائكه وهو خلق ... من البشر الخصيص بكل بشر

ترجمہ: "آپ ملائکہ کے اوصاف سے متصف تھے۔ آپ کو مخصوص انسانوں سے مکمل خندہ پیشانی کے ساتھ تخلیق کیا گیا۔"

اله العرش ارسله بشيرا نذيرا داعيا لهدًى و يُسر

ترجمہ: "رب تعالیٰ نے آپ کو بشیر، نذیر ہدایت اور خوشحالی کی طرف داعی بنا کر بھیجا۔"

فابدلنا بهدی بعد جهل و عوضنا بسير بعد عشر

ترجمہ: "آپ نے ہماری جہالت کو ہدایت میں بدل دیا اور تنگ دستی کے بعد ہمیں خوشحالی عطا فرما دی۔"

عليه صلاة رب العرش تندی كما تندی الرياض بكل فجر

ترجمہ: "آپ پر رب تعالیٰ کا سلام اس طرح لگا تار آئے جس طرح وقتِ فجر باغ میں شبنم لگا تار آیا کرتی ہے۔"

يواصل عرفها آلا و صبا كان ثناهم نفحات زهر

ترجمہ: "صبح و شام ان کی خوشبو لگا تار آتی ہے گویا کہ پھول کی مہک ان کی پہچان ہے۔"

امام بوصیری نے کیا خوب فرمایا ہے:

و بدت فی رضاعه معجزات ليس فيها عن العيون خفاء

ترجمہ: "آپ کی رضاعت میں ایسے معجزات ظاہر ہوئے جن میں آنکھوں کے لیے کوئی خفا نہیں تھا۔"

اذا بته ليتمه مرضعات قلن ما فی اليتيم عنا غناءُ

ترجمہ: "آپ کی یتیمی کی وجہ سے دائیوں نے آپ کا انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ایک یتیم سے ہمیں کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔"

فاتته من آل سعد فتاة قد ابتها لفقرها الرضعاء

ترجمہ: "آلِ سعد کی ایک خاتون آپ کے پاس آئیں۔ ان کے فقر کی وجہ سے شیر خواروں نے ان کا انکار کر دیا تھا۔"

ارضعته لبانها و فسقتها و بنيها البانهن الشياء

ترجمہ: "بکریوں نے اپنے دودھ سے آپ کو اور ان کی اولاد کو سیراب کیا اور انہیں خوب سیر کیا۔"

اصبحت شولا عجافا و امست ما بها شائل ولا عجفاءُ

ترجمہ: "صبح کے وقت ان کی اونٹنی کمزور اور ناتواں تھی لیکن شام کے وقت اس میں کمزوری اور ناتوانی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔"

اخصب العيش عندها بعد محل اذغدا للنبی منها غذاءُ

ترجمہ: "قحط سالی کے بعد ان کی زندگی خوشگوار ہو گئی۔ جب حضور ﷺ نے وہاں سے غذا تناول فرمائی۔"

يالها منة لقد ضوعف الاجر عليها من جنسها والجزاءُ

ترجمہ: "اس پر تعجب! اس کے اجرا اور جزاء کو دوگنا کر دیا گیا۔ جو کہ اس کے جنس سے تھا۔"

و اذا سخر الا له اناسا لسعید فانهم سعداء

ترجمہ: "جب رب تعالیٰ لوگوں کو کسی سعید کے لیے مسخر کرتا ہے تو وہ سعادت مند ہوتے ہیں۔"

حیث انبتت سنابل والضعیف لدیه یستشرف الصنعاء

ترجمہ: "حتیٰ کہ ان کے ہاں خوشے اگے۔ اور قحط سالی کے زمانہ میں ان کی زندگی خوشگوار ہو گئی۔"

و اتت جده و قد فصلته و بها من فصاله البرحاء

ترجمہ: "ان کی کوشش برآئی اور انہوں نے دودھ چھڑا دیا اور جب آپ نے دودھ چھوڑ دیا تو انہیں تنگی نے آلیا۔"

اذ احاطت به ملائکة الله فظنت بانهم قرناء

ترجمہ: "جب رب تعالیٰ کے ملائکہ نے آپ کا گھیراؤ کر لیا انہوں نے گمان کیا کہ وہ آپ کے ساتھ شیطان ہیں۔"

و رای وجدها به و من الوجد لهیب تصلی به الاحشاء

ترجمہ: "انہوں نے ان کی محبت آپ کے ساتھ دیکھی۔ یہ محبت ایسا شعلہ ہے جو آنتوں کو جلا ڈالتا ہے۔"

فارقته کرها و کان لدیها ثاویا لا یمل منه الثواء

ترجمہ: "وہ نا چاہتے ہوئے آپ سے جدا ہو گئے۔ آپ کے پاس تو ایسا مقام تھا جس میں رہنے والے بالکل اکتاتے نہیں ہیں۔"

شق عن صدره و اخرج منه مضعه عند غسله سوداء

ترجمہ: "آپ کا سینہ شق کیا گیا۔ اور اسے دھوتے وقت سیاہ ٹکڑا نکال دیا گیا۔"

ختمته یمنی الامین قد ادوع ما لم یذع له انباء

ترجمہ: "حضرت جبرائیل امین نے اپنے دائیں ہاتھ سے مہر نبوت لگا دی اور ایسی اشیاء سے بطن اقدس بھر دیا جس سے کوئی آگاہ نہیں۔"

صان اسراره الختام فلا الفض ملم منه ولا الافضاء

ترجمہ: "اس مہر نے آپ کے اسرار کو محفوظ کر دیا۔ نہ یہ پھیل سکتے ہیں اور نہ نازل ہونے والا اسے توڑ سکتا ہے۔"

الف النسك والعبادة والخلوة طفلا و هكذا النجباء

ترجمہ: "آپ نے نسک، عبادت اور خلوت سے بچپن سے ہی سے محبت کی۔ کریم لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

اذا حلت الهدایة قلبا نشطت فی العبادة الاعضاء

ترجمہ: "جب ہدایت آپ کے دل میں اتر گئی تو اعضاء عبادت کرنے میں منہمک ہو گئے۔"

تنبیہات

1. بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وزن سے مراد اعتباری وزن ہے اور جھک جانے سے مراد فضیلت میں آپ کا فائق ہونا ہے۔ اور فرشتوں نے یہ عمل اس لیے کیا تھا تا کہ حضور اکرم ﷺ اس حقیقت سے آگاہ ہو جائیں اور اپنی امت کو بتائیں اور یہ بھی یہی عقیدہ رکھے۔ کیونکہ یہ امور اعتقادیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ میں نے اپنے شیخ، شیخ الاسلام برحان الدین بن یوسف علیہ الرحمۃ نے پوچھا انہوں نے مجھے یہ لکھا "یہ حدیث پاک تقاضا کرتی ہے کہ معانی (اوصاف) کو رب تعالیٰ نے ذوات بنایا ہے۔ فرشتے نے اپنے ساتھی سے کہا تھا "انہیں ایک پلڑے میں اور ان کی امت کے ایک ہزار افراد کو دوسرے پلڑے میں رکھو۔ اس طرح کیا گیا تو آپ بہت زیادہ فضیلت پا گئے گویا دیکھنے والا دیکھ رہا تھا کہ وہ آپ پر گر رہے تھے۔ جب فرشتے نے یہ رجحان دیکھا یہ معنوی اعتبار سے تھا۔ اگر آپ کی امت کے سارے اوصاف ایک پلڑے میں اور آپ کے اوصاف دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں تو آپ کا پلڑا جھک جائے گا۔ ان فرشتوں نے کہا تھا "اگر آپ کا وزن آپ کی ساری امت سے کیا جائے پھر بھی آپ کا پلڑا جھک جائے گا۔ کیونکہ آپ ساری مخلوق سے بہترین ہیں اور رب تعالیٰ نے جو فضائل آپ کو عطا فرمائے ہیں کسی اور کا ان فضائل میں آپ کے برابر ہونا محال ہے۔

2. امام سہیلی نے لکھا ہے۔ "اہلِ عرب کے نزدیک رضاعت کا اجر لینا قابل ستائش نہ تھا۔ حتیٰ کہ یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی "آزاد عورت اپنے پستانوں کی کمائی نہیں کھاتی" "الزھر" میں ہے کہ یہ ضرب المثل اس لیے رائج نہیں ہوگی۔ المفضل الضبی نے کتاب "الفاخر" میں لکھا ہے "آزاد عورت بھوکی مر سکتی ہے لیکن اپنے پستانوں کی کمائی نہیں کھاتی نہ ہی اپنا پردہ چاک کرتی ہے تا کہ اس چیز کا اظہار ہو جائے جس کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔" المید انی نے ابوعبید کی اتباع کرتے ہوئے کہا ہے "یعنی وہ دایا نہیں بنتی اگر چہ بھوک اسے اذیت بھی دے۔"

امام سہیلی نے لکھا ہے "لیکن بعض کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بنوسعد میں شرف وقدر والی خاتون تھیں۔ قوم کی معزز خواتین میں سے ایک تھیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے نبی ﷺ کی رضاعت کے لیے منتخب کیا تھا۔ جس طرح کہ اس نے آپ کے لیے معزز پیٹ اور مکرم اصلاب منتخب فرمایا۔ رضاعت نسب کی مانند ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت حلیمہ اور ان کی قوم کی دیگر خواتین نے رضاعت کا اجر صرف اس لیے طلب کیا کیونکہ قحط کی وجہ سے سخت حالت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

3. حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "میں نے ایسا حمل نہیں دیکھا جو مجھے آپ کے حمل سے زیادہ ہلکا لگے۔" اس سے یہ امر ذہن میں آتا ہے کہ شاید انہیں آپ ﷺ سے علاوہ بھی حمل ہوا ہو۔ ابن سعد نے صراحت سے یہ لکھا ہے کہ حضرت اسحاق بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا "میں اولاد سے حاملہ ہوئی لیکن کوئی

حمل آپ سے زیادہ ہلکا نہ تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ امام واقدی نے فرمایا ہے "یہ امر ہمارے ہاں معروف نہیں ہے۔ نہ ہی یہ اہلِ علم کے ہاں مشہور ہے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اولاد نہ ہوئی۔ امام واقدی نے امام زھری سے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "آپ میرے بطن اقدس میں تھے اور میں نے آپ کی ولادت کے وقت کوئی تکلیف محسوس نہ کی۔" دوسری روایت میں ہے "نہ ہی مجھے احساس ہوا اور نہ ہی اس طرح بوجھ محسوس ہوا جس طرح خواتین بوجھ محسوس کرتی ہیں۔"

الحافظ نے لکھا ہے: اسحاق بن عبداللہ، ابن ابی طلحہ کے بھائی تھے یہ روایت مرسل ہے۔ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عبداللہ سے ایک حمل ضائع ہو گیا ہو۔ انہوں نے اس سے اس کی طرف اشارہ کیا ہو۔ اس طرح مختلف روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔ بشرطیکہ ہم امام واقدی کا قول قبول کرلیں۔ سبط بن جوزی نے اپنے معمول کے مطابق لکھا ہے کہ علماء کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور حمل سے حاملہ نہیں ہوئی تھیں۔ حضرت آمنہ نے مبالغہ کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے یا اس لیے اتفاقاً واقع ہوا ہے۔

لیکن ابن جوزی کے کلام کا شگاف کسی پر مخفی نہیں ہے۔ جس طرح میں نے مختلف اقوال جمع کیے ہیں وہ زیادہ بہتر ہے۔

❁❁❁

آپ کے اسماء مبارکہ اور کنیت

علماء کرام نے اس موضوع پر الگ الگ تصانیف لکھی ہیں۔ان کے بارے مختلف اشعار لکھے ہیں۔ان میں سے ایک مفسر، امام ابوعبداللہ قرطبی ہیں۔اسی طرح امام علامہ زینی عبدالباسط بن امام بدرالدین بلقینی نے اپنے قصیدہ صحیحہ میں اسماء مصطفی ﷺ اور ان کی شرح اس طرح نظم کی ہے کہ کسی اور شاعر نے یوں نظم نہیں کی۔انہوں نے اس کا نام "الاصطفاء" اور "الوفاء فی شرح الاصطفاء" رکھا ہے۔لیکن انہوں نے اسماء گرامی کو حروف تہجی کے اعتبار سے نہیں لکھا۔بلکہ اتفاق سے جو اسم مبارک آگیا اس کو نظم کر دیا۔لیکن اس اعتبار سے سب سے عمدہ کام الشیخ نے الریاض الانیقہ فی شرح اسماء خیر الخلیقہ میں کیا ہے۔میں نے اس جگہ ان دونوں کتابوں کا خلاصہ لکھا ہے۔اس کے ساتھ جلاء الافہام اور زاد المعاد میں سے بہت سے اضافے کیے ہیں۔اسی طرح میں نے حافظ ابوالخیر السخاوی کی تصنیف لطیف "القول البدیع" اور امام القسطلانی کی مواہب سے استفادہ کیا ہے۔اس طرح اس میں چار ابواب شامل کیے ہیں۔

❀❀❀

پہلا باب

مقدمہ

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ کثیر اسماء اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ مسمّٰی عظیم اور بلند شان والا ہے۔ یہ خصوصی عنایت اور شان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی لیے تم دیکھو گے کہ عرب کے کلام میں مسمیات کے اسماء ارادہ اور جان بوجھ کر زیادہ رکھے گئے ہیں۔ امام نووی نے لکھا ہے "جن اسماء کا تذکرہ کیا جاتا ہے ان میں سے اکثر صفات ہیں مثلاً عاقب، حاشر۔ لیکن ان پر اسم کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے۔" "الاصطفاء" میں ہے "اگر یوں کہا جائے کہ ان اسماء پر صفات غالب ہیں جیسے کہ ماحی، مختار وغیرہ تو میں اس کا جواب یوں دوں گا کہ صفات پر اسماء کا اطلاق بہت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں ذوات کو پہچاننے اور ان میں سے امتیاز کرنے میں شریک رہیں اور غالباً اسی طرح ہوتا ہے۔

ابن عساکر نے لکھا ہے کہ اگر آپ کی صفات سے آپ کے اسماء مبارکہ مشتق ہوں تو ان کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی۔ ابن قیم نے لکھا ہے "کیونکہ جب آپ کے اسماء آپ کے اوصاف مدح ہوں تو آپ کا ہر وصف آپ کا اسم ہوگا۔ لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم اس آپ کے وصف میں امتیاز کریں جو آپ کے ساتھ مختص ہے یا غالب میں اس کا اطلاق آپ پر ہوتا ہے۔ یا آپ کا اسم اس سے مشتق ہو اور اس وصف میں فرق کریں جو مشترک ہو۔ اور اس سے آپ کے لیے ایسا اسم نہ ہو جو آپ کے ساتھ مختص ہو۔"

الشیخ نے لکھا ہے "ان اسماء میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اسم کے لفظ سے وارد نہیں بلکہ وہ مصدر یا فعل کے صیغے پر ہیں۔ قاضی اور ابن دحیہ وغیرہما نے اس کا اعتبار کیا ہے جمہور اصحاب الحدیث نے رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں اس امر کا خصوصی اعتبار کیا ہے۔" ابن قیم نے لکھا ہے "کیونکہ اسماء معانی کے قالب ہوتے ہیں۔ ان پر دلالت کرتے ہیں اس لیے حکمت کا تقاضا ہے کہ قوالب اور معانی کے مابین ربط اور نسبت ہو۔ یہ اس اجنبی کی طرح نہ ہوں۔ جس کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ حکیم کی حکمت ان کا انکار کرتی ہے۔ واقع اس کے خلاف گواہی دیتا ہے بلکہ حسن، قبح، ثقل، لطافت اور کثافت میں اسماء کی تاثیر مسمیات میں اور مسمیات کی تاثیر اسماء میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

و قل ان ابصرت عیناك ذالقب الا و معناه ان فكرت فی لقبه

اگر تم اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہو تو پھر غور کرو کہ حضور ﷺ کے اوصاف سے آپ کے اسماء کیسے مشتق کر لیے

گئے جو ان کے معانی کے مطابق ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کے اسماء مبارکہ کو آپ کی تعریف کو متضمن رکھا ہے۔ آپ کے ذکر کی تعریف میں اپنے شکر کی عظمت کو پیش نظر رکھا ہے۔"

بعض علماء نے فرمایا ہے "اسماء اسم کی جمع ہے اسی سے مراد وہ کلمہ ہے جسے اہلِ عرب مسمّٰی کے مقابلہ میں بنا لیتے ہیں۔ جب اسے بولا جاتا ہے تو اس سے اس مسمّٰی کا معنی سمجھا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے چار امور کی رعایت لازم ہے۔

① اسم ② مسمّٰی ③ مسمّی ④ تسمیہ

اسم وہ لفظ ہے جسے کسی ذات پر دلالت کرنے کے لیے بنایا جائے تاکہ اس کی پہچان ہو سکے یا وہ اپنے ماسواء سے مختص ہو سکے۔ مثلاً زید کا لفظ۔ مسمّٰی وہ ذات ہوتی ہے۔ جو اس اسم سے مقصود ہوتی ہے۔ جیسے کہ زید کی شخصیت مسمّی سے مراد اس لفظ کو وضع کرنے والا ہوتا ہے۔ تسمیہ سے مراد اس لفظ کو اس ذات سے مختص کرنا ہوتا ہے۔ وضع سے مراد اس لفظ کو اس معنی کے ساتھ مختص کرنا ہوتا ہے کہ جب اسے بولا جائے یا محسوس کیا جائے تو اس سے وہی معنی سمجھا جائے۔

تنبیہ

امام غزالی نے اس امر پر اتفاق نقل کیا ہے۔ الحافظ نے اسے رقم کیا ہے کہ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم ایسا اسم رکھیں جو آپ کے آباء نے نہ رکھا ہو نہ ہی اسے آپ نے بنفس نفیس رکھا ہو۔ واللہ اعلم

❁❁❁

دوسرا باب

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے "میرے پانچ اسماء ہیں"

حضرت جبیر بن مطعم، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عوف بن مالک، حضرت ابوموسیٰ، حضرت حذیفہ بن یمان حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہم سے یہ روایت مروی ہے۔ حضرت جبیر سے ان کے لخت جگر محمد اور نافع سے روایت کیا ہے محمد نے امام زہری سے اور ان سے ایک مخلوق نے جن میں سفیان بن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ، معمر بن راشد، مالک بن انس اور محمد بن میسرہ شامل ہیں نے روایت کیا ہے۔

حضرت سفیان کی روایت

امام احمد، امام مسلم اور امام ترمذی جامع اور شمائل میں روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: "میرے پانچ اسمائے مبارکہ ہیں۔ میں محمد عربی (فداہ روحی) ہوں۔ میں احمد ہوں۔ میں وہ الماحی ہوں جس کے ذریعہ رب تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔ میں الحاشر ہوں۔ لوگوں کو میرے قدموں پر اٹھایا جائے گا۔ میں العاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔"

اس روایت کے الفاظ جسے شیخان اور دارمی نے شعیب سے روایت کیا ہے۔ مذکورہ بالا روایت کی طرح ہیں۔ اسی طرح شیخان کی وہ روایت جو انہوں نے اور الطبرانی نے معمر سے نقل کی ہے۔ وہ اسی روایت کی طرح ہے لیکن وہیں "خمسۃ" کے لفظ کا تذکرہ نہیں۔ محمد بن جبیر کی روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میرے پانچ اسمائے گرامی ہیں میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں وہ ماحی ہوں میرے ذریعہ رب تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔ میں حاشر ہوں۔ رب تعالیٰ لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کرے گا۔ میں العاقب ہوں۔"

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ یحییٰ نے اسے مرسل بنایا ہے۔ انہوں نے اسے معن بن عیسیٰ وغیرہ سے متصل روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے اسے اوہام مالک میں ذکر کیا ہے۔

اسے امام بخاری نے متصل روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ الحافظ نے کہا ہے کہ معن بن عیسیٰ نے مالک سے متصل روایت کیا ہے۔ اکثر محدثین نے اسے مالک سے، زہری سے محمد بن جبیر سے مرسل روایت کیا ہے۔ یہ معنی میں اس روایت کے ساتھ متصل ہوگئی ہے جو مالک سے مروی ہے جسے اسماعیلی کے نزدیک جویریہ بن اسماء نے اور محمد بن مبارک نے عبداللہ بن نافع عن ابی عوانہ روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے اسے الغرائب میں مالک سے روایت کیا ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ مالک کے اکثر ساتھیوں نے اسے مرسل روایت کیا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ امام مالک کے علاوہ بھی اس کا متصل ہونا معروف ہے۔ یونس بن زید اور عقیل، معمر نے اسے متصل روایت کیا ہے۔ ان سے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح شعبہ سے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے عیینہ سے اور امام ترمذی نے بھی انہی سے روایت کیا ہے۔ ان سب نے امام زہری سے روایت کیا۔ محمد بن میسرہ کے الفاظ یہ ہیں "میرے پانچ اسمائے گرامی ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں الماحی ہوں، رب تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹائے گا۔ میں الحاشر ہوں میرے قدموں پر لوگ اٹھیں گے۔ میں العاقب یعنی الخاتم ہوں۔" (امام بیہقی)

نافع بن جبیر نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: "میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر ہوں. ماحیؔ خاتم اور عاقب ہوں۔" (امام احمد، بیہقی، ابونعیم)

الشیخ نے لکھا ہے کہ اس طرح اسمائے گرامی تعداد میں چھ ہیں۔ اس میں اس امر پر دلالت ہے کہ "خمیس" کا لفظ آپ نے نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے صرف "لی اسماء" فرمایا ہے۔ جبیر نے ان میں سے ان کا تذکرہ کیا جن کا ... کر ... کیا۔ یا ان سب کا تذکرہ کیا لیکن راوی نے بعض یاد رکھے۔ عبدالملک بن مروان نے نافع سے کہا "کیا تم ان اسماء گرامی کو شمار کر سکتے ہو جنہیں حضرت جبیر بن مطعم شمار کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: "ہاں! وہ چھ اسماء گرامی ہیں وہ درج ذیل ہیں: "محمد، احمد، خاتم، حاشر، عاقب، ماحی۔"

حاشر سے مراد یہ ہے کہ آپ قرب قیامت کے نزدیک مبعوث ہوئے۔ تمہیں رب تعالیٰ کے سخت عذاب سے ڈرانا۔ عاقب سے مراد یہ ہے کہ آپ آخری نبی ہیں۔ ماحی سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ آپ کے طفیل آپ کے پیروکاروں کی برائیاں مٹا دے گا۔" اس روایت کو یعقوب بن سفیان نے ثقہ آدمیوں سے روایت کیا ہے حاکم نے اسے صحیح لکھا ہے۔ جبکہ امام بیہقی اور ابونعیم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے یہ مرسل ہے لیکن اس کی سند حسن ہے۔ الشیخ نے لکھا ہے کہ روایت متصل ہے۔ نافع نے اسے اپنے والد گرامی سے نقل کیا ہے۔ لیکن عبدالملک کے سابقہ قول کی وجہ سے انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا جنہیں حضرت جبیر شمار کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت

۔ انہوں نے کہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "میں احمد ہوں، میں محمد ہوں. میں حاشر ہوں، لوگوں کو میرے قدموں پر اٹھایا جائے گا۔ میں ماحی ہوں۔ رب تعالیٰ میرے ذریعے کفر مٹا دے گا۔ روز حشر لواء حمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں مرسلین کا امام ہوں گا۔ میں ان کا شفیع ہوں گا۔"

دوسری اسناد میں یہ روایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، علی المرتضیٰ، اسامہ بن زید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے

مروی ہے۔ ابن عدی نے ان سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "رب تعالیٰ کے ہاں میرے دس اسماء ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں، رب تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹائے گا۔ میں عاقب ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ میں حاشر ہوں، مخلوق میرے ہمراہ میرے قدموں پر اٹھے گی۔ میں رسول الرحمۃ ہوں، میں رسول التوبۃ ہوں۔ میں رسول الملاحم ہوں۔ میں مقفی ہوں۔ میں سب انبیاء سے بعد میں آیا ہوں۔ میں قثم یعنی کامل ہوں۔" اس روایت میں ابوالبختری وھب بن وھب ہے جو متہم ہے۔

حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ایک دن حضور ﷺ کہیں تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ حتیٰ کہ ہم یہودیوں کے کنیسہ میں داخل ہو گئے۔ اس دن ان کی عید تھی۔ انہوں نے ہمارا داخل ہونا ناپسند کیا۔ آپ نے ان سے فرمایا: "اے گروہِ یہود! بخدا! میں حاشر ہوں، میں عاقب ہوں، میں مقفی ہوں، خواہ تم ایمان لاؤ یا جھٹلاؤ۔" پھر آپ واپس آ گئے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ (ابونعیم)

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ نے ہمارے لیے اپنے نام یاد فرمائے۔ ان میں نے بعض ہمیں یاد رہ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "میں محمد ہوں، میں احمد، مقفی، حاشر، نبی التوبۃ اور نبی الرحمۃ ہوں۔" (ابونعیم اور المحاملی)

امام احمد اور امام مسلم نے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت لکھی ہے "ان اسماء میں سے بعض ہمیں یاد رہ گئے۔ بعض کو ہم یاد نہ رکھ سکے۔ آپ نے فرمایا: "میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر ہوں، میں عاقب ہوں، میں عاقب اور مقفی ہوں۔ میں نبی الرحمۃ والتوبۃ والملحمۃ" امام مسلم کی روایت میں ہے "و نبی الملحمۃ"

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مدینہ طیبہ کے ایک رستہ میں میں نے حضور ﷺ سے ملاقات کی۔ آپ نے فرمایا: "میں محمد ہوں میں احمد ہوں، میں نبی الرحمۃ، نبی التوبۃ ہوں۔ میں مقفی ہوں، میں حاشر اور نبی الملاحم ہوں۔" (امام احمد، امام ترمذی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے مدینہ طیبہ کی ایک گلی میں حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "آپ نے فرمایا: "میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر ہوں، میں مقفی اور نبی الرحمۃ ہوں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں احمد ہوں، میں محمد، حاشر، مقفی اور خاتم ہوں۔"

حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میرے دس اسماء ہیں۔" حضرت طفیل نے فرمایا "مجھے صرف آٹھ نام یاد رہ گئے ہیں دو بھول گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "میں محمد، احمد، الفاتح، الخاتم، ابوالقاسم، الحاشر، العاقب، الماحی ہوں جس کے ذریعے رب تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔" سیف بن وھب نے کہا "میں نے یہ روایت ابوجعفر سے بیان کی۔ انہوں نے کہا: "سیف! کیا میں تمہیں وہ دو اسماء نہ بتاؤں۔" میں نے کہا "ضرور! انہوں نے کہا: "وہ طٰہٰ اور یٰس

ہیں۔" (ابن مردویہ، ابونعیم، الدیلمی)

ابن دحیہ نے لکھا ہے "یہ سند کسی چیز کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ یہ حدیث وضع کرنے والوں کے ارد گرد گھومتی ہے۔ ابویحییٰ ضعیف ہے۔ یہی سیف ہے الشیخ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ مگر اس طرح نہیں ہے۔ ابو یحییٰ تیمی دو ہیں ایک اسماعیل بن یحییٰ ہے۔ یہ احادیث وضع کرتا تھا۔ اس سے روایت نہ لینے پر اجماع ہے۔ اس سند میں یہ نہیں ہے۔ دوسرا ابو یحییٰ اسماعیل بن ابراہیم التیمی ہے۔ یہ ابن عساکر کی روایت ہے الحافظ نے تقریب میں اسے ضعیف کہا ہے۔

فصل

امام محدث، ابوعبداللہ احمد بن محمد العزفی اور ابوالعباس قرطبی شارح مسلم نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ آپ نے یہ اس وقت فرمایا تھا۔ "لِي خَمْسَةُ أَسْمَاءٍ" جب رب تعالیٰ نے آپ کو بقیہ اسماء سے آگاہ نہ فرمایا تھا۔ ابن عساکر نے اس کے دو احتمال لکھے ہیں:

1. شاید یہ حضور ﷺ کے الفاظ نہ ہوں۔ جیسا کہ ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ لیکن الحافظ نے لکھا ہے کہ حدیث پاک میں یہ الفاظ صراحۃً موجود ہیں "إِنَّ لِي خَمْسَةَ أَسْمَاءٍ"۔
2. یہ حضور اکرم ﷺ کے الفاظ ہی ہوں لیکن ان سے حصر مراد نہ ہو۔ آپ نے پانچ کو ذکر کے لیے مختص فرمایا ہو۔ یا اس لیے کہ سامع ان کے علاوہ دیگر اسماء کو جانتا تھا گویا کہ آپ نے فرمایا: "میرے پانچ نام فضیلت اور عظمت والے ہیں۔ یا آپ نے ان کی شہرت کی وجہ سے انہیں ترک کیا۔ گویا کہ آپ نے فرمایا: "میرے پانچ نام مشہور ہیں" اس کے علاوہ دیگر احتمالات بھی ہیں اس احتمال کا ابن دحیہ نے ذکر کیا ہے۔ الحافظ نے یہ اضافہ کیا ہے "یا اس سے مراد یہ ہے کہ میرے پانچ نام ہیں۔ جو میرے ساتھ مختص ہیں مجھ سے قبل یہ کسی کے نام نہ تھے"

القاضی نے لکھا ہے "ان اسماء گرامی کو اس لیے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ کتب قدیمہ میں موجود تھے۔ سابقہ امم کے علماء انہیں جانتے تھے۔" لیکن قاضی صاحب کی گرفت یہ کہہ کر لی گئی ہے کہ سابقہ کتب میں آپ کے اسماء اس سے کہیں زائد تھے۔" الشیخ نے لکھا ہے "لی خمسۃ اسماء" اس کے منافی نہیں کہ آپ کے اسماء اس سے زائد نہ ہوں کیونکہ اصول کے قواعد میں سے ہے کہ عدد میں تخصیص نہیں ہو سکتی۔ کتنی ہی احادیث میں ایک تعداد کا تذکرہ ہے۔ لیکن اس سے مراد حصر نہیں ہے۔ جیسے کہ یہ روایت ہے کہ سات افراد کو رب تعالیٰ روز حشر کو اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا۔ احادیث میں ان سے زائد کا بھی تذکرہ ہے۔ میں نے ان کی تعداد ستر شمار کی ہے۔"

❁❁❁

تیسرا باب

شرح اسماء النبی ﷺ

قاضی ابوبکر ابن عربی نے لکھا ہے کہ بعض صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں۔ حضور ﷺ کا صرف ایک نام مبارک ہے۔ میں کہتا ہوں "آپ کے پانچ سو ناموں سے تو میں آگاہ ہوں۔ اب میں ان کا خلاصہ ذکر کرنے لگا ہوں۔ میں بطور رموز قاضی کے لیے "یا" العزفی کے لیے ع، ابن دحیہ کے لیے "د" ابوالفتح ابن سید الناس کے لیے "ح" امام سیوطی کے لیے "ط" امام سخاوی کے لیے "خا" شیخ عبدالباسط بلقینی کے لیے "عا" استعمال کروں گا جبکہ بقیہ علماء کرام کے ناموں کی تصریح کر دوں گا۔

محمد ﷺ

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ (آل عمران: ۱۴۴)

ترجمہ: "اور نہیں محمد مگر رسول"۔

ابن قیم نے لکھا ہے۔ یہ علم اور صفت ہے۔ اس میں حضور ﷺ کے حق میں دونوں امر جمع ہیں۔ اگرچہ یہ آپ کے علاوہ جن لوگوں کا نام رکھا جاتا ہے وہ صرف علم ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے اسمائے گرامی کی یہی شان ہے۔ یہ ایسے اعلام ہیں۔ یہ ان معانی پر دلالت کرتے ہیں جن میں مدح کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ ان میں علمیت اور وصف میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن مخلوق کے ناموں کی کیفیت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ، الخالق، الباری، المصور، القہار۔ یہ اسمائے مبارکہ رب تعالیٰ کے نام ہیں اور یہ رب تعالیٰ کی صفات پر بھی دلالت کر رہے ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کے اسماء گرامی بھی ہیں اگر یہ صرف علم ہوتے تو ان کا ایسا معنی نہ ہوتا جو مدح پر دلالت کرتا۔

"محمد" دراصل اسم مفعل ہے یہ "الحمد" سے مشتق ہے۔ یہ محمود کے معنی میں ہے۔ یہ محمود کی ثناء، محبت، اجلال اور تعظیم کے معنی کو متضمن ہے۔ حمد کی حقیقت بھی یہی ہے۔ یہ معظم اور مبجل کی طرح عین کلمہ کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ بناء کثرت کے لیے وضع کی گئی ہے۔ اگر اس سے اسم فاعل مشتق کیا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہوگا جس سے حمد کا فعل کثرت سے صادر ہو۔ مثلاً معلم، منہم، مفرح وغیرہ۔ اگر اس سے اسم مفعول مشتق کیا جائے تو اس سے مراد وہ ذات ہوگی

جس پر یکے بعد دیگرے لگاتار کثرت سے اس فعل کا صدور ہوا۔ یا اس سے مراد وہ ذات ہوگی جو حمد کی مستحق ہو خواہ استحقاقاً ہو یا وقوعاً۔ "محمد" سے مراد وہ ذات ہے جس کے لیے تعریف کرنے والوں کی بہت زیادہ تعریف ہو۔ یہ تعریف یکے بعد دیگرے پیہم ہو۔ جیسے کہ الاعشی نے کہا ہے:

الیک ابیت اللعن کان و جیفھا　　　الی الماجد القرم الجواد المحمّد

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں لعنت سے بچائے اس کی ڈور ایسے شخص کی طرف ہے جو معزز ہے۔ بڑا سردار ہے۔ سخی ہے اور جس کی بار بار تعریف کی جاتی ہے۔"

یعنی اس کی بار بار تعریف کی جاتی ہے یا جس میں خصائل محمودہ مکمل ہیں۔ آپ نام مبارک آپ کے اسمائے گرامی میں سے مشہور اور جلیل ہے۔ اس لیے یہ کئی اعتبار سے مخصوص ہے۔

١. کسی کافر کا اسلام مکمل نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ اس اسم مبارک کو پڑھ لے۔ وہ "محمد رسول اللہ" کہے گا تو اس کا اسلام صحیح ہوگا۔ "احمد" کہنا کافی نہیں ہے۔ لیکن امام حلیمی نے جائز قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کے ساتھ "ابوالقاسم" کا اضافہ کرلے۔

٢. تشہد میں یہی نام استعمال کرنا ضروری ہے۔ تشہد میں احمد یا اور کوئی نام لانا درست نہیں ہے۔ اسی طرح خطبہ میں بھی اسی نام نامی کو لایا جا سکتا ہے۔

٣. اس کے چار حروف ہیں تاکہ رب تعالیٰ کے اسم کے ساتھ اس کی موافقت ہو سکے۔ اس اسم کریم کے بھی چار حروف ہیں۔

٤. رب تعالیٰ نے اپنے عرش پر اپنے نام کے ساتھ آپ کا اسم مبارک لکھا ہے۔ رب تعالیٰ نے یہ نام اپنے مبارک اسم محمود سے مشتق کیا ہے جیسے کہ حضرت حسان بن ثابت نے لکھا ہے۔

و ضم الالہ اسم النبی الی اسمہ　　　اذا قال فی الخمس المؤذن اشھد

و شق لہ من اسمہ لیجلہ　　　فذو العرش محمود و ھذا محمد

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کا نام پاک اپنے نام کے ساتھ ملایا۔ جب کہ مؤذن پانچ بار نماز میں اشھد کہتا ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کا نام اپنے اسم گرامی سے مشتق کیا تاکہ آپ کو عظمت عطا کرے۔ عرش والا محمود ہے یہ محمد ہیں۔"

امام بخاری نے اپنی تاریخ الصغیر میں علی بن زید رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ جناب ابوطالب کہتے ہیں:

فشق لہ من اسمہ لیجلّہ　　　فذو العرش محمود و ھذا محمد

٦. کسر اور بسط کے ساتھ ضرب دینے سے مرسلین کی تعداد نکل آتی ہے۔ مرسلین کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ اس میں

دو میم ہیں۔ دوسری میم مشدد ہے جو دو حروف ہیں۔ جب میم کو توڑا جائے تو یہ ہی میم بنتی ہے۔ ہر میم تکسیر میں تعداد میں ۹۰ ہوتی ہے۔ جبکہ میم کا عدد ۴۰ اور یاء کا ۱۰ ہے۔ یہ ۲۷۰ بن گئے۔ جبکہ دال کے اعداد ۳۵ ہیں کیونکہ "د" کے ۳۵ الف کا ایک عدد ہے۔ لام کے تیس اعداد ہیں۔ حاء کے آٹھ اعداد ہیں اس میں تکسیر نہیں ہے۔

- جنت میں حضرت آدم کی کنیت ابومحمد ہوگی۔ ساری اولاد کو چھوڑ کر کنیت آپ کے نام پر ہوگی۔
- ابن العماء نے "کشف الاسرار" میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان آپ کا ذکر کرتے تھے اس لیے ان کے لیے شیاطین کو مسخر کر دیا گیا۔
- حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آپ کے نام مبارک سے رواں ہوئی۔

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ میم سے مراد کفر کا اسلام سے مٹ جانا ہے۔ یا اس مراد اس شخص کی برائیوں کا مٹ جانا ہے۔ جو آپ کی اتباع کرے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر احسان فرمایا اور ان میں آپ کو مبعوث فرمادیا۔ ارشادِ پاک ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران: ۱۶۴)

ترجمہ: "یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر۔"

یا میم سے مراد آپ کے طفیل آپ کی امت کو ملک نصیب ہونا ہے۔ یا اس سے مراد مقام محمود ہے۔ "الحاء" سے مراد رب تعالیٰ کے حکم سے آپ کا حکم مخلوق میں رواں ہونا ہے یا اس سے مراد آپ کے ذریعے امت کو حیاتِ نو عطا کرنا ہے۔ دوسری میم سے مراد آپ کی امت کی مغفرت ہے۔ دال سے مراد داعی الی اللہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ۔ (الاحزاب: ۴۶)

ترجمہ: "دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے۔"

"محمد" کے لفظ کی اس خاص شکل کے بارے کہا گیا ہے کہ رب تعالیٰ نے مخلوق کو اسی شکل پر پیدا فرمایا ہے۔ میم صورت میں انسان کے سر کی طرح ہے۔ حاء دونوں ہاتھوں کی طرح ہے۔ الحاء کا باطن انسان کے بطن کی طرح اور اس کا ظاہر اس کے ظاہر کی طرح ہے۔ مخرج میم کی طرح ہے۔ دال انسان کی دونوں ٹانگوں کی طرح ہے۔ اس کے بارے کسی شاعر نے یوں کہا ہے:

له اسم صوّر الرحمان ربی	خلائقه علیه کما تراه
له رجل و فوق الرجل ظهر	و تحت الراس قد خلقت یداه

ترجمہ: "آپ کے اسم مبارک پر رب رحمان نے اپنی مخلوق کو تخلیق کیا ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ اس کی ٹانگیں ہے، ٹانگوں کے اوپر پشت ہے۔ اور سر کے نیچے اس کے ہاتھ تخلیق کیے گئے ہیں۔"

مگر یہ تکلف ہے۔ قاضی نے لکھا ہے کہ آپ کے نام محمد اور احمد ہونے میں عجیب وغریب علامات اور خصائص ہیں۔ آپ کے زمانہ سے قبل رب تعالیٰ نے اس امر کا تحفظ فرمایا کہ کوئی شخص محمد یا احمد نام نہ رکھے۔ وہ احمد نام مبارک جو سابقہ کتب میں تھا۔ جس کے ذریعہ انبیائے کرام نے بشارت دی تھی۔ رب تعالیٰ نے اپنی حکمت سے منع کر دیا تھا کہ آپ کے علاوہ کوئی اور یہ نام رکھے۔ نہ ہی کسی دعویٰ کرنے والے نے اس کا دعویٰ کیا تا کہ کسی کمزور شخص کے دل میں التباس یا شک پیدا نہ ہو۔ محمد نام کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اہلِ عرب یا دیگر لوگوں میں سے کسی نے بھی یہ نام نہ رکھا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی ولادت سے قبل یہ امر مشہور ہو گیا کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہوں گے۔ جس کا نام نامی "محمد" ہو گا۔ الطبرانی اور البیہقی نے محمد بن عدی بن ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد سے پوچھا گیا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام جاہلیت میں محمد کیوں رکھا۔ انہوں نے کہا "میں بنو تمیم کی ایک جماعت کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ ہم پانی کے کنوئیں پر فروکش ہوئے۔ ایک راہب نے ہمیں دیکھا۔ اس نے کہا: "عنقریب تم میں ایک نبی مبعوث ہو گا۔ ہم جلدی سے اس کی طرف گئے۔ اس سے پوچھا "ان کا نام کیا ہو گا؟" اس نے کہا: "محمد" جب ہم واپس آئے تو رب تعالیٰ نے ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک بیٹا عطا فرمایا اس نے اس کا نام محمد رکھا۔

وہ افراد زمانۂ جاہلیت میں جن کا نام محمد رکھا گیا ان کی تعداد بیس سے کم ہے۔ رب تعالیٰ نے یہ حفاظت کی کہ ان میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہ کیا۔ نہ کسی کے لیے نبوت کا دعویٰ کیا گیا۔ نہ ہی کسی پر ایسی علامات کا ظہور رہا۔ حتیٰ کہ یہ امر ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے متحقق ہو گیا۔

1. محمد بن احیحہ۔ عبدان بن عثمان الحافظ نے لکھا ہے "مجھے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے انہی کا نام محمد رکھا گیا۔"
2. محمد بن اسامہ بن مالک۔
3. محمد بن البرّ
4. محمد بن حارث بن حدیج
5. محمد بن حرماز
6. محمد بن حمران بن ابی حمران
7. محمد بن حزاعی بن علقمہ بن خزایہ
8. محمد بن خولی
9. محمد بن سفیان بن مجاشع۔ یہ مشہور شاعر فرزدق کے دادے کا دادا تھا۔ "العیون" میں ہے کہ یہ اس کا دادا تھا لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔
10. محمد بن عدی بن ربیعہ بن سواد
11. محمد بن عقبہ بن احیحہ۔ الحافظ نے کہا ہے "مجھے معلوم نہیں کہ کیا اس سے مراد محمد بن احیحہ ہے۔ اور اب اس کی نسبت دادا کی طرف کر دی گئی ہے یا یہ دو علیحدہ ہیں۔
12. محمد بن عمر بن مغفل
13. محمد بن الیحمد۔ یمن کے ماہرین نسب یہ سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے اسی کا نام محمد رکھا گیا۔

۱۴ محمد بن یزید بن عمرو بن ربیعہ۔ ۱۵ محمد الاسدی ۱۶ محمد الفقیمی۔

امام سہیلی نے تین افراد پر اکتفاء کیا ہے۔ قاضی نے سات افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں محمد بن مسلمہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن دحیہ نے محمد بن عتوارہ کا ذکر کیا ہے۔ دراصل یہ محمد بن البرہی ہے۔ اس کے جداعلیٰ کی طرف اسے منسوب کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے صرف محمد بن ربیعہ نے اسلام پایا اور اسے قبول کیا۔ ابن سعد، البغوی، بلاذری، ابن سکن، ابن شاہین وغیرہم نے انہیں صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ ابن الاثیر نے ان کے بارے توقف کیا ہے۔ لیکن اس توقف کی کوئی وجہ نہیں۔ محمد بن مسلمہ سے مراد محمد بن حارث ہیں۔ الحافظ نے ''الاصابۃ'' کی تیسری قسم میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ بلقینی نے اپنی شرح میں انہیں یوں نظم کیا ہے۔

ان الذین سموا باسم محمد من قبل خیر الخلق ضعف ثمان

ابن البر مجاشع بن ربیعہ محمد ابن سلم محمدی حزمان

لیثی هو السلمی و ابن اسامۃ سعدی و ابن سوادۃ همدان

و ابن الجلاح مع الاسیدی یافتی ثم الفقیمی هکذا الحمران

ترجمہ: ''حضور ﷺ کی ولادت با سعادت سے قبل سولہ افراد کا نام محمد رکھا گیا تھا۔ وہ درج ذیل ہے۔ ابن البر، مجاشع بن ربیعہ ابن مسلم، خزمان، لیثی یہ سلیمی ہے ابن اسامہ، سعدی، ابن سوادہ ہمدان اسے نوجوان ابن الجلاح الاسیدی کے ساتھ پھر فقیمی اسی طرح حمران۔''

ابن مسلم سے مراد ابن مسلمۃ ہے۔ ضرورت کے لیے اس میں ترخیم کی گئی ہے۔ قاضی نے انہیں ذکر کرنے میں ان کی اتباع کی ہے۔ لیکن الفتح اور الزھر میں ہے کہ یہ حضور ﷺ کی ولادت سے پندرہ سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ قاضی کی مراد یہ ہے کہ جو جاہلیت میں پیدا ہوا اور جس کا نام محمد رکھا گیا۔ ابن مسلمہ ان میں سے ہیں الشیخ عبدالباسط نے محمد بن حارث کا تذکرہ نہیں کیا۔ حزمان سے مراد محمد بن حزمان ہے۔ انہوں نے شرح شفاء از حلبی کی اتباع کی ہے۔ وہاں ''الاشارہ از المغلطای'' سے نقل کیا گیا ہے۔ میں نے الاشارہ کے کئی نسخوں میں اسے محمد بن حرماز پڑھا ہے۔ اسی طرح مغلطای نے الزھر میں الحافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے۔

آپ ﷺ کا نام ''محمد'' کیوں رکھا گیا۔ اس کے متعلق امام بیہقی اور ابو عمر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب سے کہا گیا ''آپ نے اس بچے کا نام محمد کیوں رکھا ہے اور اس کے آباء کے ناموں سے اعراض کیوں کیا ہے؟'' انہوں نے فرمایا: ''میں نے ارادہ کیا ہے کہ آسمان میں رب تعالیٰ اور زمین میں لوگ اس کی تعریف کریں گے۔'' اس خواب کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے جو آپ کے دادا جان نے دیکھی تھی۔ اس اسم گرامی کی برکات یہ ہیں کہ ابو نعیم نے الحلیۃ میں حضرت وھب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل میں ایک شخص تھا۔ جس نے رب تعالیٰ

کی نافرمانی ایک سو سال تک کی تھی۔ پھر وہ مر گیا۔ لوگوں نے اسے گندگی پر پھینک دیا۔ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی کی "اسے گندگی سے اٹھاؤ۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو۔" انہوں نے عرض کی: "مولا! بنو اسرائیل یہ گواہی دیتے ہیں کہ اس نے ایک سو سال تک تیری نافرمانی کی ہے۔" رب تعالیٰ نے ان پر وحی کی "حقیقت اسی طرح ہے مگر یہ جب بھی تورات کھولتا تھا۔ اسم محمد کو دیکھتا تھا۔ اسے چوم لیتا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر لگاتا تھا۔ میں نے اس کی قدردانی کی۔ اس کے گناہ معاف کر دیے اور ستر حوروں سے اس کا نکاح کر دیا ہے۔" روایت ہے کہ جنت میں حضرت آدم کی کنیت ابو محمد تھی۔ اس روایت کو ابن عدی، ابوالشیخ، ابن عساکر نے حضرت جابر بن عبداللہ سے اور امام بیہقی، ابن عساکر اور ابن عدی نے اس روایت کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ابن عساکر نے حضرت کعب سے، ابوالشیخ نے بکر بن عبداللہ المزنی سے اور ابن عساکر نے غالب بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ جنت میں سارے اہل جنت کو ان کے ناموں سے پکارا جائے گا سوائے حضرت آدم کے۔ انہیں ابو محمد کی کنیت سے یاد کیا جائے گا تاکہ حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر کا اظہار ہو سکے۔

مختلف اشیاء پر اسم گرامی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اس روایت کو ابویعلیٰ اور الطبرانی نے ذکر کیا ہے۔ جبکہ امام بزار نے اس روایت کو حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جب مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ میں جب بھی کسی آسمان پر سے گزرتا تو میں دیکھتا کہ میرا نام وہاں لکھا ہوتا وہاں 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' لکھا ہوتا۔" الشیخ نے لکھا ہے کہ یہ روایت حسن ہے کیونکہ اس کے طرق کثیر ہیں۔ میں نے اس کی تشریح "اتحاف اللبیب ببیان ماوضع فی معراج الحبیب" میں کر دی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جنت کے دروازے پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہے۔

الطبرانی نے حضرت عبادۃ بن صامت سے، عقیلی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا نگینہ آسمان سے آیا تھا۔ انہوں نے وہ انگوٹھی اپنی انگلی پر پہن لی۔ اس پر رقم تھا۔ "انا اللہ لا الہ الا انا محمد عبدی و رسولی" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہاں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔" ابن عساکر نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے کندھوں پر لکھا ہوا تھا: "محمد رسول اللہ خاتم النبیین"

البزار نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے، امام بیہقی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے الخرائطی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ سے روایت کیا ہے کہ جن کنز کا ذکر رب تعالیٰ نے کیا ہے وہ

ٹھوس سونے کی ایک تختی تھی۔ وہاں لکھا ہوا تھا "بسم اللہ الرحمان الرحیم" مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے۔ پھر وہ جھکتا ہے۔ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو آگ کا ذکر کرتا تھا۔ پھر ہنستا ہے مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو موت کو یاد کرتا ہے پھر غافل رہتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

ابن ظفر نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک پتھر پر عبرانی خط میں یہ لکھا ہوا پایا "باسمك اللهم! واضح عربی زبان میں لکھا تھا۔ حق تمہارے رب کی طرف سے آگیا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اسے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے لکھا تھا۔ ابن طغربل نے اپنی کتاب "النطق المفہوم" میں ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ اس نے جزیرہ میں ایک بہت بڑا درخت دیکھا۔ اس کے بڑے بڑے پتے تھے۔ ان سے عمدہ خوشبو آتی تھی۔ ان کے سبز رنگ میں قلم قدرت کے ساتھ سرخ اور سفید رنگ میں تین لائنوں میں لکھا ہوا تھا۔ پہلی لائن میں لا الہ الا اللہ لکھا ہوا تھا۔ دوسری میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ جبکہ تیسری سطر میں ان الدین عند اللہ الاسلام لکھا ہوا تھا۔

ابن مرزوق نے قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مرجان نے لکھا ہے "ہم بحر ہند میں محو سفر تھے۔ تیز آندھی آئی اس نے ہمیں ایک جزیرہ میں پھینک دیا۔ وہاں ہم نے ایک سرخ پھول دیکھا جس سے عمدہ خوشبو آرہی تھی۔ وہاں سفید رنگت میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ سفید پھولوں پر زرد رنگت میں یہ لکھا ہوا تھا "براة من الرحمٰن الرحیم الی جنات النعیم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔

ایک شخص سے روایت ہے کہ اس نے ایک مچھلی پکڑی جس کے ایک کان پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔" ایک جماعت سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک زرد خربوزہ دیکھا جس میں گول گول سفید خطوط تھے۔ اس کی ایک طرف اللہ اور دوسری طرف عزّ احمد واضح خط میں لکھا ہوا تھا۔" اسی طرح ۹۰۹ھ یا ۹۱۰ھ میں انگور کا ایک دانہ پایا گیا۔ اس میں خوبصورت خط کے ساتھ "محمد" لکھا ہوا تھا۔ اسی طرح عرش اور ملکوت کی ہر ہر چیز پر آپ کا اسم گرامی لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شاعر پر رحم کرے جس نے یہ شعر کہا ہے:

بدا مجده من قبل نشأة آدم   و اسماء ه فی العرش من قبل تکتب

ترجمہ: "حضرت آدم کی تخلیق سے قبل آپ کی بزرگی عیاں ہوئی۔ اس سے قبل عرش پر آپ کے اسماء گرامی مکتوب تھے۔"

تنبیہات

1. تسمیہ کی فضیلت میں ایک روایت بھی درست نہیں۔ ابن تیمیہ نے لکھا ہے "اس کے بارے ہر روایت موضوع ہے" ابن بکیر نے اس موضوع پر خصوصی تالیف رقم کی ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے "جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو وہ

مجھ سے محبت کرتے ہوئے اور میرے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے اس کا نام محمد رکھا تو وہ اور اس کا بچہ جنت میں جائیں گے۔" اس روایت کی سند میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری جگہ انہوں نے اسے حسن کہا ہے۔

میں کہتا ہوں "معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ اس کی سند میں ابوالحسن حامد بن حماد بن مبارک ابن بکیر کا شیخ ہے امام ذہبی نے میزان میں اور الحافظ نے "اللسان" میں ذکر کیا ہے کہ اس کی یہ روایت موضوع ہے۔ اس میں اس کا شیخ اسحاق بن سیار مجہول ہے۔ حضرت عبداللہ بن رافع نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "جب تم کسی بچے کا نام محمد رکھو تو نہ اسے مارو نہ اس کی حرمت کرو۔" اس روایت کو طیالسی نے حکم بن عطیہ سے روایت کیا ہے۔ البزار نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں کوئی حرج نہیں۔"

حضرت جابر بن عبداللہ سے مرفوعاً روایت ہے۔ "جس دسترخوان پر کھانا کھلایا جائے اس پر بیٹھا نہ جائے۔ اس میں میرا نام ہو تو اسے دن میں دو بار صاف کرو۔" اس روایت کو احمد بن کنانہ کی سند سے ابن عدی نے روایت کیا ہے۔ اور اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ امام ذہبی نے المیزان میں الحافظ نے اللسان میں لکھا ہے کہ یہ مکذوب کی حدیث ہے۔ الشیخ نے لکھا ہے "میں نے اس روایت کی ایک اور سند بھی پالی ہے جس میں احمد بن کنانہ نہیں ابوسعید النقاش نے اپنے معجم الشیوخ میں لکھا ہے کہ ہمیں ابوبکر محمد بن عبدالخالق نے، انہیں ابوصالح شعیب بن خصیب نے، انہیں عباس بن زید نے اور ان سے سفیان بن عیینہ سے بیان کیا ہے کہ محمد بن منکدر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جس کے ہاں تین بچے پیدا ہوں وہ ان میں سے کسی ایک کا نام محمد نہ رکھا اس نے جاہلانہ کام کیا۔" اس روایت میں مصعب اور لیث ضعیف ہیں۔ اس روایت کو حارث نے ابن ابی اسامۃ سے اسماعیل بن ابی اسماعیل سے روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے لکھا ہے "یہ ضعیف ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔" الاصابۃ میں ابن حشیب سے روایت ہے وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جس نے میری برکت کے حصول کے لیے میرا نام رکھا۔ اس پر میری برکت ہوگی اور روزِ حشر تک یہ برکت ہوتی رہے گی۔" ابن منذہ نے لکھا ہے کہ اگر یہ وہ حشیب ہیں جو سعید بن سوید سے روایت کرتے ہیں تو وہ تو قدیمی تابعی ہے وہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔

امام ابوالخیر سخاوی نے لکھا ہے کہ مرفوع روایت میں اس طرح نہیں ہے "جس کا ارادہ ہو کہ اس کی بیوی کا حمل مذکر ہو تو وہ اس کے پیٹ پر اپنا ہاتھ رکھے اور یوں کہے "اگر یہ حمل مذکر ہوا تو میں اس کا نام محمد رکھوں گا تو وہ حمل مذکر ہی ہوگا۔" ابوشعیب عبداللہ بن حسن نے اپنے جزء میں حضرت عطاء سے روایت کیا ہے "ماں کے پیٹ میں

جس بچے کا نام محمد رکھ دیا گیا ہو وہ مذکر ہی ہوگا۔" میں کہتا ہوں کہ بعض راویوں نے اسے مرفوع روایت بھی کیا ہے ابن جوزی نے الموضوعات میں عائشہ بنت سعد سے روایت کیا ہے۔ وہ اسے اپنے والد سے اسی طرح روایت کرتی ہیں۔ مگر اس سند میں عثمان بن عبدالرحمان ہے ابن معین نے جس کی تکذیب کی ہے۔ ابن حبان نے لکھا ہے "موضوعات روایات ثقہ راویوں سے روایت کی گئی ہیں۔" ابن نجار نے تاریخ بغداد میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جس کا حمل ہو، اس نے یہ نیت کی کہ وہ اس کا نام محمد رکھے گا۔ رب تعالیٰ اسے مذکر بنائے گا۔ خواہ وہ مؤنث ہی ہو۔" علامہ وھب نے لکھا ہے "میں نے سات بچوں کے بارے یہ نیت کی میں نے سب کے نام محمد رکھے ہیں۔

یہ وھب ابوالبختری ہیں جو متہم ہیں۔ الشیخ نے یہ روایت موضوعات میں لکھی ہے۔ عقبہ نے کہا ہے یہ وھب وضاع اور کذاب ہے۔

امام بخاری نے صحیح میں، تاریخ میں، امام نسائی اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "کیا تم تعجب نہیں کرتے۔" امام بخاری نے تاریخ میں لکھا ہے "اللہ کے بندو! ذرا دیکھو" دوسرے الفاظ میں یوں ہے "کیا تم دیکھتے نہیں کہ رب تعالیٰ نے قریش کے سب وشتم اور لعنت کو مجھ سے کیسے دور کر دیا ہے۔ وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں وہ مذمم پر لعنت کرتے ہیں۔ میں تو محمد ﷺ ہوں۔" شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے "امالیہ" میں لکھا ہے کہ یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کفار نام کو برا بھلا نہیں کہتے تھے بلکہ وہ مسمّٰی کو کہتے تے۔ مسمّٰی تو ایک ہی ہے" اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ میرے اس اسم کو کافی ہو گیا ہے۔ جو محمد ہے کہ اس کے ساتھ گالی دے کر مذاق نہ کیا جائے۔

الحافظ نے لکھا ہے "کفار قریش اپنی سخت ناپسندیدگی کی وجہ سے آپ کو اس نام سے یاد نہیں کرتے تھے جو تعریف پر دلالت کرتا تھا۔ بلکہ وہ اس کی ضد کی طرف پھر جاتے تھے۔ وہ جب آپ کو برائی کے ساتھ یاد کرتے تھے تو "مذمم" کہتے تھے۔ وہ کہتے تھے "فعل اللہ بمذمم" مذمم آپ کا نام نہیں۔ نہ ہی آپ اس نام سے معروف ہیں۔ اس طرح وہ اس ضمن میں کسی دوسرے شخص کی طرف پھر جاتے تھے۔

احمد

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (الصف:٦)

ترجمہ: "مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام احمد ہوگا۔"

کا نام احمد نہیں تھا۔ نہ ہی آپ کی حیاتِ طیبہ میں کسی کا نام ''احمد'' تھا آپ کے بعد صحیح مؤقف کے مطابق خلیل کے والد احمد کا نام احمد رکھا گیا۔ یہ سیبویہ کے استاذ تھے۔ المبرد نے لکھا ہے۔ جستجو کرنے والوں نے جستجو کی ہے۔ لیکن انہوں نے خلیل کے باپ سے پہلے کسی کا نام نہیں پایا۔ الحافظ ابوالفضل العراقی نے لکھا ہے کہ اس نظریہ پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ابونصر سعید بن احمد، خلیل کے والد سے پہلے کے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اکثر اہلِ علم کا نظریہ ہے کہ اس کا نام یحمد ہے صرف ابن معین نے اسے احمد لکھا ہے۔

ابن دحیہ نے لکھا ہے یہ علم ہے جو صفت سے منقول ہے۔ فعل سے منقول نہیں۔ یہ صفت افعل کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد فضیلت ہے۔ ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام اور زاد المعاد میں لکھا ہے کہ اس نام میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا یہ فاعل کے معنی میں ہے یا مفعول کے معنی میں۔ ایک گروہ نے لکھا ہے کہ یہ فاعل کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی کسی بھی تعریف کرنے والے سے ''زیادہ تعریف کرنے والا'' دوسرے گروہ نے لکھا ہے کہ یہ مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ ذات جو سارے انسانوں سے زیادہ تعریف کی مستحق ہو۔ اس طرح یہ معنی میں نام محمد کی طرح ہوگا۔ مگر ان میں اس اعتبار سے فرق کیا گیا ہے کہ محمود ہوتا ہے جس کی تعریف کے بعد تعریف کی جائے یہ اس کے لیے حامدین کی حمد کی کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ایسی عادات کی کثرت کو مستلزم ہے جن پر تعریف کی جائے۔ احمد وہ ہوگا جس کی کسی بھی شخص سے افضل تعریف کی جائے۔ نام محمد میں کثرت اور کمیت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جبکہ نامِ احمد میں صفت اور کیفیت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جو کسی بھی دوسرے شخص سے حمد کا زیادہ مستحق ہو۔ جس کی تعریف اکثر اور افضل حمد سے کی جائے۔ یہ دونوں اسم مفعول کے معنی میں ہیں۔ یہ آپ کی تعریف میں زیادہ بلیغ اور اکمل ہے۔ یہی مؤقف مختار اور راجح ہے۔ اگر اس سے فاعل کا معنی لیا جاتا تو پھر اس کی جگہ حماد استعمال کیا جاتا۔ یعنی بہت زیادہ تعریف کرنے والا۔ آپ اپنے رب کی تعریف سارے لوگوں سے زیادہ کرتے تھے۔ اگر آپ کا احمد نام اس اعتبار سے ہوتا کہ آپ اپنے رب کی تعریف سارے لوگوں سے زیادہ کرنے والے تھے تو پھر ''الحماد'' کہنا بہتر تھا۔ جس طرح کہ آپ کی امت کا یہ نام رکھا گیا۔ آپ کے یہ دونوں اسماء گرامی آپ کے ان خصال اور اوصاف کی وجہ سے مشتق کیے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے آپ اس امر کے مستحق ہوئے ہیں کہ آپ کا نام محمد اور احمد رکھا جائے۔''

ابن قیم نے لکھا ہے ''حضور ﷺ کا نام محمد اور احمد اس لیے رکھا گیا کیونکہ یہ وصف آپ میں پایا جاتا ہے وہ وصف حمد ہے۔ آپ رب تعالیٰ کے ہاں محمود ہیں۔ ملائکہ کے نزدیک محمود ہیں۔ انبیاء کرام کے نزدیک محمود ہیں سارے اہلِ زمین کے ہاں محمود ہیں۔ اگرچہ بعض نے آپ کا انکار کیا ہے پھر ہر عاقل کے نزدیک آپ میں کمال کی صفات پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ اس شخص کے عقل نے انکار اور سرکشی کرتے ہوئے انکار کیا ہے۔ اگر اسے علم ہو جاتا کہ آپ ان اوصاف سے متصف ہیں تو وہ ضرور آپ کی تعریف کرتا۔

القاضی، امام سہیلی اور ابن قیم نے لکھا ہے "حمد کا وصف آپ میں اتنا زیادہ پایا جاتا ہے کہ کسی اور میں اس قدر نہیں پایا جاتا۔ آپ کے اسماء گرامی احمد اور محمد ہیں۔ آپ کی امت حمادون ہے۔ جو ہر تنگی اور آسائش میں رب تعالیٰ کی تعریف کرتی ہے۔ آپ کی اور آپ کی امت کی نماز کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ خطبہ کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ کتاب حکیم کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ کھانے، پینے اور دعا کے بعد حمد کو مشروع کیا گیا ہے۔ اسی طرح سفر کے آنے کے بعد حمد کو مشروع کیا گیا ہے۔ روزِ حشر لواء الحمد آپ کے دست اقدس میں ہوگا۔ جب آپ اپنے رب تعالیٰ کے سامنے شفاعت کے لیے سجدہ ریز ہوں گے اور آپ کو شفاعت کا اذن ملے گا تو آپ اپنے رب تعالیٰ کی تعریف ایسے کلمات سے کریں گے جو اسی وقت آپ پر الہام کیے جائیں گے۔ آپ ہی صاحب مقام المحمود ہیں۔ جس پر اولین و آخرین رشک کریں گے۔ جب آپ اس مقام پر فائز ہوں گے تو اہلِ موقف میں سے سارے مسلمان، کافر اول و آخر آپ کی تعریف کریں گے۔

تنبیہ

قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ آپ کا نام احمد، محمد سے پہلے تھا۔ کیونکہ آپ کا احمد نام سابقہ کتب میں موجود ہے۔ جبکہ نام محمد کا تذکرہ صرف قرآن پاک میں آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے سارے لوگوں سے قبل اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کی۔ امام سہیلی نے لکھا" آپ کا اسم گرامی اس وقت محمد نہیں ہوسکتا جب تک احمد نہ ہو۔ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کی تعریف کی۔ تو اس نے آپ کو مشرف فرمایا نبوت کا تاج آپ کے سر پر سجا دیا۔ اسی لیے اسم احمد کو نام محمد پر مقدم کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ذکر کیا تو فرمایا: "اسمه احمد" حضرت موسیٰ نے تذکرہ کیا تو رب تعالیٰ نے فرمایا: "یہ احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے تو انہوں نے عرض کی: "مولا! مجھے امت احمد ﷺ میں سے کر دے۔" احمد نام کا تذکرہ محمد نام سے پہلے کیا گیا۔ کیونکہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کی تعریف سارے لوگوں سے پہلے کی جب آپ کو وجود اطہر ملا۔ مبعوث ہوئے تو بالفعل محمد بن گئے۔ اسی طرح آپ شفاعت میں رب تعالیٰ کی تعریف ایسے کلمات سے کریں گے جو اس وقت آپ پر الہام کیے جائیں گے۔ آپ اپنے رب تعالیٰ کی تعریف سارے تعریف کرنے والوں سے زیادہ کریں گے۔ پھر آپ کی شفاعت قبول ہوگی تو آپ اپنی شفاعت پر رب تعالیٰ کی تعریف کریں گے۔ ذرا دیکھو کہ ذکر اور وجود میں، دنیا اور آخرت میں ایک اسم دوسرے سے مقدم کیسے ہے۔ تمہارے لیے وہ حکمت الٰہی عیاں ہو جائے گی۔ جس کی وجہ سے رب تعالیٰ نے آپ کو ان دونوں اسموں کے ساتھ مختص فرمایا۔

قاضی اور امام سہیلی رحمہما اللہ نے صراحت سے لکھا ہے کہ نام احمد نام محمد سے پہلے کا ہے۔ الحافظ نے الفتح میں یہی نظریہ اپنایا ہے۔

لیکن ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام اور زاد المعاد میں اس کا رد کیا ہے اور یہ موقف رکھنے والے کو غلط کہا

ہے۔ پھر اس تورات سے نقل کیا ہے جسے اہلِ کتاب کے مؤمنین پڑھتے ہیں کہ وہاں حضرت اسماعیل کے تذکرہ میں ماذ ماذ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے ''ان کے ہاں بارہ عظیم سردار ہوں گے۔ ایک عظیم سردار کا نام ماذ ماذ ہوگا۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اہلِ کتاب کے مؤمنین علماء کے نزدیک ماذ ماذ حضور ﷺ کا نام مبارک ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے تورات کی ایک شرح میں پڑھا ہے۔ وہاں لکھا ہے کہ یہ دونوں صرف سید رسول محمد ﷺ کے نام کو متضمن ہیں۔'' ابن قیم نے مزید لکھا ہے کہ ایک اور شارح نے لکھا ہے کہ تورات میں آپ کا اسم گرامی اس سے بھی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ بہت سے ایسے آثار موجود ہیں جو ابن قیم کے مؤقف کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کو ''احمد'' اس لیے فرمایا ہے کیونکہ نام احمد نام محمد سے تورات میں متاخر ہے اور قرآن میں نام محمد سے مقدم ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ کے یہ دونوں اسماء مبارکہ آپ کے لیے صفت ہیں۔ ان میں وصفیت علمیت کے منافی نہیں کیونکہ ان کا معنیٰ مقصود ہے۔ آپ ہر امت کے نزدیک اس وصف سے معروف ہو گئے جو اس کے ہاں زیادہ مشہور تھا۔ علامہ راغب نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کو اس وصف کے ساتھ اس لیے مختص کیا ہے کیونکہ یہ بتلانا مقصود تھا کہ آپ ان سے اور ان سے پہلے انبیاء میں سے سب سے زیادہ رب تعالیٰ کی تعریف کرنے والے تھے۔ کیونکہ آپ میں اس قدر اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ جمیلہ پائے جاتے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی میں یہ جمع نہ ہوئے تھے۔

تنبیہ

''احمد'' نام رکھنے کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ حضرت انس سے جو مرفوع روایت نقل کی جاتی ہے کہ دو بندے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ انہیں جنت کی طرف جانے کا حکم ملے گا۔ وہ عرض کریں گے: ''مولا! ہم جنت کے مستحق کیسے بن گئے ہیں ہم نے تو ایسا کوئی عمل نہیں کیا جس کی بنا پر تو ہمیں جنت عطا کرتا۔'' رب تعالیٰ فرمائے گا: ''اے میرے بندو! جنت میں داخل ہو جاؤ۔ میں نے اپنے آپ کے ذمۂ کرم لیا ہوا ہے کہ ایسے شخص کو آگ میں نہیں ڈالا جائے گا جس کا نام احمد یا محمد ہوگا۔''

یہ روایت صحیح نہیں۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ اس کو ابن بکیر نے احمد بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کذاب ہے۔ اس کا شیخ صدقہ بن موسیٰ اور اس کا باپ معروف نہیں ہیں۔

فائدہ

عربی میں اسم احمد غیر منصرف ہے۔ اس پر نہ تنوین آتی ہے نہ کسرہ آتا ہے۔ اس کے اسباب علمیت اور وزن فعل ہیں۔ ایک شاعر نے اس کے بارے اپنے اس شعر کو اس طرح معمہ بنایا ہے۔

وراكعة في ظل غصن منوطة
بلؤلؤة نيطت بمنقار طائر

راکعتہ سے مراد "الدال" ہے وہ شاخ جو اس کے سایہ میں ہے وہ الف ہے۔ اللولو سے مراد المیم ہے منقار الطائر سے مراد "الحاء" ہے۔

الابرّ

یہ بررت فلاناً سے افعل کے وزن پر اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی محسن ہے۔ یہ اسم مبارک سازی بھلائیوں کو جامع ہے۔ یہ لفظ سچ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ "ایک انسان سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ رب تعالیٰ کے ہاں اسے بارًا (سچا) لکھ دیا جاتا ہے۔ ایک شخص لگاتار جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ رب تعالیٰ کے ہاں اسے جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔"

آپ اس بات کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ سارے لوگوں سے زیادہ پاکباز ہوں۔ کیونکہ آپ میں ایسے اخلاق حمیدہ جمع ہیں جو مخلوق میں سے کسی اور میں نہیں پائے جاتے۔ حضرت ابو علی حاتمی نے لکھا ہے کہ اہلِ ادب کا اتفاق ہے کہ ان سارے شاعروں میں سے جنہیں اہلِ عرب نے کہا ہے ابو ایاس دوَلی کا یہ قول سب سے زیادہ سچا ہے۔

وما حملت من ناقة فوق رحلها ابرو اوفی ذمة من محمد

ترجمہ: "کسی اونٹنی نے اپنے کجاوہ پر ایسے شخص کو نہیں اٹھایا جو محمد عربی ﷺ سے زیادہ پاکباز اور وعدہ وفا کرنے والا ہو۔"

رب تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے آپ کا یہ نام رکھا ہے۔ اللہ کے حق میں "البر" کا معنی یہ ہے کہ وہ محسن، وعدے کا سچا یا البرّ کا خالق ہے۔ آپ پہلے دو معانی کے اعتبار سے برّ ہیں۔

الابطحی

یہ نسبت الابطح کی طرف ہے۔ الابطح پانی کی گذرگاہ ہے۔ جس میں سنگریزے ہوتے ہیں۔ اس جگہ اس سے مراد ابطح ہے۔ یہ مکہ کی وادیوں میں سیلاب کی گذرگاہ ہے۔ یہ مکہ اور منیٰ کے مابین ہے اس کی ابتداء محصب سے ہوتی ہے۔ لغت میں اس سے مراد وہ جگہ ہے جو پہاڑوں سے نیچے ہو اور گزرگاہ سے بلند ہو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

و اکرم ضیا فی البیوت اذا انتمی و اکرم جدا ابطحیا یسودُ

ترجمہ: "جب آپ نے نشو ونما پائی تو آپ شہرت کے اعتبار سے گھروں میں سب سے معزز ہو گئے۔ آپ آباء کے اعتبار سے معزز ہیں آپ ابطحی ہیں۔ آپ سردار بن گئے ہیں۔"

آپ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ آپ کا تعلق قریش بطاح کے ساتھ ہے۔ کیونکہ جب قصی بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کے والی بنے تو انہوں نے مکہ مکرمہ کو اپنی قوم کے مابین چار حصوں میں منقسم کر دیا۔ جب بنو کعب اور بنو عامر زیادہ ہو

گئے۔ تو انہوں نے بنو محارب اور بنو حارث کو بطحاء سے ظواہر کی طرف نکال دیا۔ قریش بطاح سے مراد بنو کعب بن لوئی بنو عبد مناف، بنو عبد الدار، بنو مرہ بن کلاب، بنو مخزوم بن یقظہ، بنو تیم بن مرہ و بنو جمح، بنو عدی بن مالک اور بنو عامر بن لوئی ہیں۔ قریش ظواہر سے مراد بنو محارب، بنو حارث، بنو الادرم۔ حضرت عبد المطلب کو سید الابطح والابطح کہا جاتا تھا۔

الابلج

اس سے مراد خندہ پیشانی یا فرخندہ جبین ہے یا اس سے مراد کرم، سخاوت اور بھلائی یا اس کا واضح ہو جانا ہے۔ اس سے صباح ابلج اور انبلجت الشمس ہے۔

الابیض

یہ بیاض (سفیدی) سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے یہ سیاہی کی ضد ہے۔ اس سے مراد سخی اور فیاض ہے۔ ذوالرمۃ کا شعر ہے:

و ابیض مرتاح النجیزۃ للندی　　　له نائل بالمکرمات ینیض

ترجمہ: "اس شعر میں ابیض سخی کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ یا اس سے مراد مبارک اور بابرکت ہے۔"

جعدی کا قول ہے:

کم بت ارقب منك یوما ابیضا　　　فی شبه وجهك بالندی متهلل

اس شعر میں ابیضا مبارکاً کے معنیٰ میں ہے۔ یا اس سے مراد وہ شخص ہے جو البیاض سے متصف ہو۔ اس سے مراد عزت کی نظافت ہے۔ کہا جاتا ہے اجل ابیض، امراۃ بیضاء یعنی اس کی عزت گندگی سے پاک ہے۔ جناب ابوطالب کا شعر ہے:

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه　　　ثمال الیتامٰی عصمة للارامل

ترجمہ: "آپ کی عزت ہر گندگی سے پاک ہے۔ ان کے چہرہ انور کے طفیل بارش طلب کی جاتی ہے وہ یتیموں کے ملجاء و ماوی اور بیواؤں کی عصمت کے محافظ ہیں۔"

الاتقی

یہ تقی یتقی سے افعل تفضیل کا صیغہ ہے۔ یہ اتقی یتقی سے نہیں ہے۔ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "تم جانتے ہو میں تم میں سے سب سے زیادہ متقی، تم میں سے سب سے زیادہ پاکباز اور تم میں سے سب سے زیادہ سچا ہوں۔"

علامہ جوھری لکھتے ہیں کہ التَّقِیّ، المتقی، التقی اور تقوی ایک ہی چیز ہے لغت میں گفتگو کی قلت ہے۔ یہ

ابن فارس کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد خوف اور احتیاط ہے۔ اس کی اصل شرک سے پھر گناہوں سے بچنا ہے۔ پھر شبہات سے دور رہنا ہے۔ پھر فضول امور کو ترک کر دینا۔ اس کی حقیقت اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے حکم کی مخالفت سے بچنا ہے۔ ایک شخص نے حضرت ابوہریرہ سے پوچھا ''تقویٰ کیا ہے؟'' انہوں نے فرمایا: ''کیا کبھی ایسا رستہ اختیار کیا ہے جس کے دونوں طرف کانٹے ہوں۔'' اس شخص نے کہا: ''ہاں!'' حضرت ابوہریرہ: ''تم کیا کرتے ہو؟'' وہ شخص: ''جب میں کانٹا دیکھتا تو اس سے دور ہو جاتا ہوں۔ اس سے پھر جاتا ہوں یا تجاوز کرتا ہوں۔'' انہوں نے فرمایا: ''یہی تقویٰ ہے۔'' اس روایت کو ابن ابی الدنیا نے کتاب التقویٰ میں لکھا ہے ابن المعتز نے ان اشعار میں اس معنی کو واضح کیا ہے۔

خل الذنوب صغيرها و كبيرها ذاك التقى
واضع كماش فوق ارض الشوك يحذر ما يرى
لا تحقرن صغيرة ان الجبال من الحصا

ترجمہ: ''چھوٹے بڑے گناہوں کو چھوڑ و یہی تقویٰ ہے۔ اس شخص کی طرح ہو جاؤ جو کانٹوں والی زمین پر چلتا ہے اور جو دیکھتا ہے اس سے اجتناب کرتا ہے کسی چھوٹی چیز کو حقیر نہ سمجھ پہاڑ چھوٹے چھوٹے سنگریزوں سے بنے ہیں۔''

جب اس کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہو ''هو اهل تقوىٰ'' تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کا اہل ہے کہ اس کے عذاب سے بچا جائے اور اس کی سزا سے بچا جائے۔ حضرت علی المرتضیٰ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''یہ رب تعالیٰ کا خوف، قرآن پاک پر عمل پیرا ہونا، قلیل پر قناعت اور قیامت کے دن کے لیے تیاری کرنا ہے۔'' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بندہ متقین کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ ان امور کو چھوڑ دے جن میں کوئی حرج نہ ہو اس خوف سے کہ شاید ان میں حرج ہو۔''

تنبیہ

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ۔ (الاحزاب:۱)

ترجمہ: ''اے نبی (مکرم!) (حسبِ سابق) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے۔''

یہ تقویٰ پر دوام اختیار کرنے کا حکم ہے۔ جس طرح رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ۔ (الحدید:۲۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر۔''

یعنی ایمان پر ہمیشگی اختیار کرو۔ اتقی الناس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔

الاجود

یہ الجود سے افعل تفضیل کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد کرم ہے۔ علامہ نحاس نے لکھا ہے کہ جواد وہ ہوتا ہے جو اس کو بھی عطا کرتا ہے جو مستحق نہیں ہوتا۔ جو اسے دیتا ہے جو سوال نہیں کرتا۔ جو کثیر عطا کرے اور فقر کا اندیشہ نہ کرے۔ اسی سے مطر جواد یعنی کثیر بارش ہے۔ تیز رفتار گھوڑے کو فرس جواد کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ سخاوت کے مترادف ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ سخاوت کا درجہ اس سے کم ہے۔ حاجت کے وقت نرمی اختیار کرنے کو السخاء کہا جاتا ہے۔ رسالۃ قشیریۃ میں ہے کہ ایک قوم نے کہا ہے کہ جس نے بعض عطا کیا وہ سخی ہے۔ اور جس نے اکثر عطا کر دیا اور اپنے نفس کے لیے کچھ ہی رکھا وہ جواد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ سخاوت آسانی کے ساتھ خرچ کرنا ہے۔ یہی جود ہے۔ اس کی ضد تقتیر ہے۔ امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور ﷺ سارے لوگوں سے زیادہ فیاض تھے۔ لیکن رمضان المبارک میں آپ کی فیاضی بہت زیادہ ہوتی تھی۔'' ابویعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں الاجود کے بارے نہ بتاؤں۔ اللہ تعالیٰ اجود ہے۔ بنو آدم میں سے اجود میں ہوں۔'' اجود الناس پر گفتگو ہو چکی ہے۔

الاجل

یعنی وہ ذات جس کی جلالت اور عظمت رب تعالیٰ اور اس کے بندوں کے ہاں بہت زیادہ ہو۔

الاجیر

اسے ''ع'' نے بعض الہامی کتب سے نقل کیا ہے کیونکہ آپ اپنی امت کو آگ سے بچائیں گے۔ الشیخ نے لکھا ہے ''میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا جس نے اس کا ذکر کیا ہو مجھے خدشہ ہے کہ شاید اس احید سے غلط پڑھا گیا ہے۔ جس کا تذکرہ آ رہا ہے۔

احاد

تورات کے پانچویں سفر میں اسی طرح مذکور ہے۔ ان کے نزدیک اس کا معنی ''واحد'' ہے۔ یہ معنی کئی اعتبار سے صحیح ہے۔

❶ آپ اس اعتبار سے واحد ہیں کہ آپ آخری نبی ہیں ان کے ''خاتم'' ہیں۔

- ۲ آپ سیادت میں یکتا ہیں۔
- ۳ آپ کی شریعت دیگر شرائع سے اکمل ہیں اس اعتبار سے آپ یکتا ہیں۔
- ۴ آپ اپنے دین کے احکام اور بلند امور اور خصائص کے اعتبار سے یکتا ہیں۔ مثلاً شفاعت عامہ، حوضِ کوثر، مقامِ محمود وغیرہ۔

الشیخ نے لکھا ہے کہ عربی میں اِحاد ہے۔ یہ واحِدٍ واحِدٍ سے عدول ہے۔ یہ بعید نہیں کہ تورات میں آپ کا نام مبارک یہی ہو۔ جسے عربی میں معدول ہے۔ واحِدٍ واحِدٍ سے اسے معدول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ متعدد امور میں ہیں۔ اسے واحد سے احاد میں عدول کیا گیا۔ تاکہ یہ اختصار کے ساتھ اس امر پر دلالت کرے۔ جیسا کہ عدل کا فائدہ ہے کہ لفظ کو بار بار نہ لایا جائے۔ یہ اسم ربِ تعالیٰ کے اسماء میں سے۔ رب تعالیٰ نے ہی آپ کا یہ نام رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں واحد کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے لا شریک ہے۔

الاحد

وہ مخلوق میں سے صفات کمال کے اعتبار سے منفرد ہیں۔ حق کے قرب کے اعتبار سے منفرد ہیں۔ یہ صفات مشبہ میں سے ہے۔ اس کی اصل وَحَد ہے۔ واؤ کو ہمزہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ مگر یہ شاذ ہے کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ابتداء کو مفتوح کلمہ کو اس کی حالت پر رکھا جائے۔ یہ بھی رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اس کا معنی صفاتِ کامل میں منفرد ہوتا ہے۔ احد اور واحد کے مابین جو فرق ہے اسے عنقریب بیان کیا جائے گا۔ ذات کے اعتبار سے وہ واحد اور صفات کے اعتبار سے احد ہے۔ یا الواحد وصل کے لیے الاحد فصل کے لیے ہے۔ الواحد سے مراد یہ ہے وہ اپنے بندوں کو نعمتیں عطا کرتا ہے۔ الاحد سے مراد یہ ہے کہ وہ ان سے عذاب دور کرتا ہے۔

الاحسن

یہ الحُسن سے افعل کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد اعضاء کا متناسب ہونا ہے۔ اس سے مراد صفات کمال کا جامع ہونا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ (حم السجدہ: ۳۳)

ترجمہ: ''اور اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ تعالیٰ کی طرف اور نیک عمل کیے اور کہا میں تو (اپنے رب کے فرمانبردار) بندوں سے ہوں۔''

عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے یہ آیت طیبہ پڑھی

اور فرمایا: "اس سے مراد رب تعالیٰ کے حبیب ﷺ ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کے صفی ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کو روئے میں کے سارے لوگوں سے محبوب ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول کیں ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو اس چیز کی طرف بلایا ہے جس کے بارے رب تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی ہے۔ حضرت انس نے فرمایا ہے: "حضور ﷺ سارے لوگوں سے زیادہ حسین، سارے لوگوں سے زیادہ فیاض اور سارے لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔" اللہ تعالیٰ امام بوصیری رحمہ اللہ پر رحم کرے۔ انہوں نے کیا خوب فرمایا ہے:

فھو الذی تم معناہ و صورتہ ثم اصطفاہ حبیبا باری النسم

منزہ عن شریک فی محاسنہ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

ترجمہ: "آپ کی وہ ذات ہے جو معنوی اور صوری اعتبار سے مکمل ہوگئی پھر خالق کائنات نے آپ کو اپنا محبوب چن لیا۔ آپ اپنے اوصاف میں کسی شریک سے منزہ ہیں۔ آپ میں حسن جوہر غیر منقسم ہے۔"

شرف بن فارض نے کیا خوب فرمایا ہے:

و علی تفنن و اصفیہ بحسنہ یفنی الزمان و فیہ ما لم یوصف

ترجمہ: "آپ کے حسن کے گوناگوں اور متنوع اوصاف کرنے والوں کے لیے زمان فنا ہو جاتا ہے۔ اور آپ کے اوصاف اتنے ہیں کہ وہ شمار نہیں ہو سکتے۔"

علامہ نسفی نے لکھا ہے، یہ اسم بھی رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ رب تعالیٰ نے یہ آپ کا نام رکھا ہے۔ جیسے کہ ارشاد فرمایا:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَؕ ﴿۱۴﴾ (المومنون: ۱۴)

ترجمہ: "پس بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔"

الاحشم

یہ الحشمۃ سے افعل تفضیل کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد وقار اور سکون ہے۔ یعنی آپ سارے لوگوں سے زیادہ باوقار تھے۔

احید

قاضی نے لکھا ہے کہ یہ اسم گرامی تورات میں موجود ہے۔ کیونکہ اپنی امت کو آگ سے بچائیں گے۔ حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت ہے۔ آپ نے فرمایا: "قرآن مجید میں میرا نام محمد ہے۔ انجیل میں احمد ہے۔ تورات میں احید ہے۔ کیونکہ میں اپنی امت کو آگ سے بچاؤں گا۔"

یہ احتمال بھی ہے یہ "حاد عن الشیء" سے مشتق ہو۔ جس کا معنی کسی چیز سے روگرداں ہونا اور بھاگنا ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا کیونکہ آپ نے باطل کے رستہ سے عدول فرمایا اور اپنی امت کو راہِ حق پر چلایا۔ یہ عجمہ یا علمیت یا وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

الآخذ الحجزات

یہ الاخذ سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی حاصل کرنا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میری اور میری امت کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے آگ جلائی ہو۔ جس میں چوپائے اور کیڑے مکوڑے گرنے لگیں۔ میں تمہیں کمر سے پکڑتا ہوں مگر تم اس آگ میں گرنا چاہتے ہو۔" امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جو آگ جلائے جس میں کیڑے اور ٹڈیاں گرنے لگیں وہ انہیں آگ سے دور ہٹا رہا ہو۔ میں تمہیں کمر سے پکڑتا ہوں تم میرے ہاتھ سے نیچے گرنا چاہتے ہو۔"

الآخذ الصدقات

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۔ (التوبۃ: ۱۰۳)

ترجمہ: "اے حبیب!) وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کریں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں اس ذریعے سے۔"

یہ آیت طیبہ ان لوگوں کے بارے نازل ہوئی جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اس سے مراد نفلی صدقہ ہے جو ان کی توبہ کی تکمیل کے لیے تھا۔ لیکن دیگر لوگوں کے لیے یہ عام معنی میں اور فرض زکوٰۃ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس لیے زکوٰۃ نہ دینے والوں نے کہا: "ہم صرف اس کو زکوٰۃ دیں گے جس کی نماز ہمارے لیے سکون کا باعث بنی۔ حضور ﷺ اغنیاء سے زکوٰۃ لیتے تھے اور غرباء پر خرچ کرتے تھے۔

اخرابا

یہ انجیل میں آپ کا اسم گرامی تھا۔ اس کا معنی آخری نبی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت کعب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "حضور ﷺ سب سے پہلے جنت کے دروازہ کی دہلیز کو پکڑیں گے۔ ان کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔" پھر انہوں نے تورات کی یہ آیت پڑھی:

اخرابا قدا ما باالاولون الاخرون۔

الاخشی للہ

یہ نام الشیخ نے ابوداؤد کی اس حدیث پاک سے لیا ہے۔"بخدا! میں چاہتا ہوں کہ میں تم سب سے زیادہ رب تعالیٰ سے ڈرنے والا بن جاؤں۔" شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے لکھا ہے"اس میں اشغال ہے۔کیونکہ خوف اور خشیت وہ حالت ہے جو اس عذاب کی شدت کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے جس کا خائف پر واقع ہو جانا ممکن ہوتا ہے۔دلیل قاطع اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کو عذاب نہ ہوگا۔ارشادِ ربانی ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ۔ (التحریم:۸)

ترجمہ: "اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو۔"

آپ کے بارے خوف اور شدید خوف کا تصور کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ کے لیے نسیان جائز ہے۔جب سزا کی نفی کو موجبات سے نسیان حاصل ہوگیا تو آپ کے لیے خوف پیدا ہوگیا۔یوں نہ کہا جائے کہ شدتِ خوف اور عظیم خشیت کے بارے آپ کا آگاہ کرنا نوع کے اعتبار سے عظیم ہے۔تعداد کی کثرت کے اعتبار سے نہیں۔یعنی جب بھی آپ سے خوف کا صدور ہوا خواہ وہ تنہائی میں ہی ہوا ہو وہ دوسرے شخص کے خوف سے شدید تھا۔

خشیت کا معنی خوف ہی ہے۔دوسرا قول یہ ہے خشیت خوف سے بڑی اور زیادہ ہیبت والی ہوتی ہے۔حضرت سعید بن جبیر نے لکھا ہے کہ خشیت یہ ہے کہ تو اس سے اتنا ڈرے وہ تیرے اور معصیت کے مابین حائل ہو جائے۔آپ کا خوف رب تعالیٰ کے عرفان کے مطابق تھا۔

استاد ابوعلی دقاق نے لکھا ہے کہ رھبۃ کے کئی مراتب ہیں۔

1. پہلا درجہ خوف ہے۔یہ ایمان کی شرط کے ساتھ ہے۔
ارشادِ ربانی ہے:
خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران:۱۷۵)
ترجمہ: "مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو۔"

2. خشیت۔یہ علم کی شرط کے ساتھ ہے۔ارشادِ پاک ہے:
اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:۲۸)
ترجمہ: "اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں۔"

3. تیسرا درجہ ہیبت کا ہے۔یہ معرفت کی شرط کے ساتھ ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے جلال کی وجہ سے دل کا حرکت کرنا ہے۔اگر رب تعالیٰ کے اس فرمان میں لفظ"اللہ" کو مرفوع پڑھا جائے۔جیسا کہ ابوحیوۃ،عمر بن عبدالعزیز اور ابوحنیفہ نے پڑھا ہے۔یہ مشہور قرأۃ کے برعکس ہے۔تو یہ مجازاً ہوگا۔اس سے مراد وہ غایت ہے جو

تعظیم اور اجلال کی غایت ہوتی ہے۔کسی شاعر نے لکھا ہے:

ترجمہ: "میں تم سے ڈرتا ہوں۔ یہ ڈر تمہاری تعظیم کی وجہ سے ہے حالانکہ مجھ پر تمہیں قدرت نہیں ہے۔لیکن اس کا محبوب آنکھ کو بھر دیتا ہے۔"

آخر ماخ

اسے "ع" نے ذکر کیا ہے۔ یہ نام حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفے میں موجود تھا۔اس کا معنی ہے: صحیح اسلام والے۔

الادعج

اس سے مراد وہ ذات ہے جس کی آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ ہوں۔

الادوم

یہ مداومۃ سے افعل تفضیل کے وزن پر ہے۔اس سے مراد کسی چیز پر مداومت اختیار کرنا ہے۔اس کا اصل معنی پرسکون ہو جانا ہے۔ جیسے دام الماء اذا سکن۔ امام مسلم اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی پرسکون (ٹھہرے ہوئے) پانی میں پیشاب نہ کرے کہ پھر اس میں غسل کرے۔" کیونکہ آپ ہر وقت اپنے کی اطاعت میں مگن رہتے تھے۔اس لیے آپ کا یہ نام رکھا گیا۔شیخان نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا:" آپ کا عمل دائمی ہوتا ہے۔تم میں سے کون اتنی استطاعت رکھتا ہے جتنی استطاعت آپ رکھتے تھے۔ چاشت کی نماز پر آپ کی عدم مواظبت اس کے منافی نہیں ہے۔ جیسے کہ امام ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ اس قدر نماز چاشت پڑھتے تھے حتیٰ کہ ہم کہتے آپ اسے نہیں چھوڑیں گے۔ پھر آپ اسے ترک کر دیتے حتیٰ کہ ہم کہتے آپ اسے کبھی نہیں پڑھیں گے۔" کیونکہ آپ غالب احوال میں اپنے عمل پر مواظبت اختیار فرماتے تھے۔بعض اوقات کسی عمل کو کسی حکمت کی وجہ سے چھوڑ بھی دیتے تھے۔ جیسا کہ رمضان المبارک میں قیام کرنا۔ جب صحابہ کرام کو اس قیام کا علم ہوا تو وہ بھی قیام کرنے لگے۔آپ نے اس اندیشہ سے یہ قیام ترک فرما دیا کہ اسے کہیں آپ کی امت پر فرض نہ کر دیا جائے۔ان کے لیے حرج پیدا ہوا۔اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے نمازِ ظہر کی سنتوں کو قضاء کرنے پر مواظبت نہیں فرمائی۔ یہ سنتیں بعض اوقات رہ جاتی تھیں۔کیونکہ آپ عصر کے بعد وفدوں کی وجہ سے مشغول ہوتے تھے۔ آپ نے فجر کی سنتیں بھی قضاء کرنے پر مواظبت نہ کی۔ جبکہ وادی میں نمازِ صبح کے ساتھ یہ رہ گئی تھیں جبکہ فجر کی سنتیں انتہائی مؤکد ہیں۔ان کی قضاء کا وقت کراہت کا وقت نہیں مگر ظہر کی سنتوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

اذنِ خیر

آپ کا یہ نام اس عضو پر رکھا گیا ہے جو سماعت کا آلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ ۔ (التوبہ: ٦١)

ترجمہ: "اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔ فرمائیے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا۔"

حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ یہ بکواس نبتل بن حارث نے کیا تھا۔ یہ منافق تھا۔ یہ حضور ﷺ کے پاس آتا تھا۔ آپ کی باتیں سن کر منافقین تک پہنچاتا تھا۔ یا اس سے مراد جلاس بن سوید ہے۔ حسن اور مجاہد نے کہا ہے "هو اذن" سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمارے عذر ہم سے سن لیتے ہیں پھر خاموش ہو جاتے ہیں یعنی ہم ان کی اذیت یا مشکل میں پڑ جانے کی پرواہ نہیں کرتے۔ کیونکہ آپ کو جو معذرت بھی پیش کی جائے آپ اسے قبول کر لیتے ہیں۔ ہر چیز سن لینے والے کو "اذن" کہا جاتا ہے۔ اس کی سماعت کی کثرت کی وجہ سے محل سے ہی ان کا نام دیا جاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے اس جگہ اس کا مضاف محذوف ہے۔ یعنی "ذو اذن" یعنی سننے والا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ "اَذِنَ للشئی" سے مشتق ہے جس کا معنی غور سے سنتا ہے۔

حدیث پاک ہے "رب تعالیٰ اس طرح غور سے کوئی بات نہیں سنتا۔ جس طرح وہ اپنے نبی کریم ﷺ کا قرآن پاک پڑھنا غور سے سنتا ہے۔" رب تعالیٰ نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے یہ کلمہ استعمال کیا ہے۔ اگرچہ منافق اس کلمہ سے آپ کی مذمت کا ارادہ کرتے تھے۔ یہ ذال کے ضمہ کے ساتھ مشہور ہے۔ نافع نے اسے ذال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عطیہ نے لکھا ہے۔ اذن خیر سے مراد یہ ہے کہ آپ خیر اور حق کی بات سنتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں سنتے۔ یہ مضاف اور مضاف الیہ ہی ہیں۔ لیکن عاصم نے اس خیر کو مرفوع پڑھا ہے۔ انہوں نے "اذن" کو بھی تنوین دی ہے۔ یہ حسن کی تفسیر کے موافق ہے یعنی جو تمہاری معذرتوں کو قبول کر لے وہ تمہارے لیے بہتر ہوتا ہے" علامہ عزفی نے لکھا ہے کہ آپ کا اسم گرامی "اذن خیر" یہ ادراک کی اس فضیلت میں سے ہے جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔ کوئی خیر باقی نہیں رہتی۔ نہ ہی بات رہتی ہے مگر آپ ان میں سے عمدہ ترین کو سن لیتے ہیں۔

الارجح

اس کا معنی یہ ہے کہ علم اور فضل کے اعتبار سے دوسرے سے برتر۔ شق صدر کی روایت میں ہے کہ ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا: "ان کا وزن ان کی امت میں سے دس افراد کے ساتھ کرو۔" اس نے میرا وزن کیا تو میں وزن میں بڑھ گیا۔ پھر اس نے کہا: "ان کا وزن ان کی امت کے ایک سو افراد کے ساتھ کرو۔" اس نے ان کے ساتھ وزن کیا تو میں وزن میں بڑھ گیا۔ پھر اس نے کہا "اب ان کا وزن ان کی امت کے ایک ہزار افراد کے ساتھ کرو۔" اس نے وزن

کیا تو میں وزن میں بڑھ گیا۔ اس نے کہا: "انہیں چھوڑ دو۔ اگر تم ان کا وزن ان کی ساری امت کے ساتھ بھی کرو گے تو یہ وزن میں بڑھ جائیں گے۔" یعنی یہ فضیلت میں ان سے زیادہ ہوں گے۔" حضرت زہیر بن صرد نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

ان لم تدارکھم نعماء تنشرھا   یا ارجح الناس حلمًا حین یختبر

ترجمہ: "اگرچہ انہیں وہ نعمتیں لگاتار نہ ملیں جنہیں آپ پھیلاتے ہیں اے حلم کے اعتبار سے سارے لوگوں سے زیادہ! جب کہ کسی کا امتحان لیا جاتا ہے۔"

ارجح الناس عقلًا

حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے اکہتر کتابیں پڑھیں ہیں۔ میں نے ان سب میں یہی پایا ہے کہ رب تعالیٰ نے آغاز دنیا سے لے کر اختتام دنیا تک سارے انسانوں کو حضور ﷺ کے مقابلہ میں اتنی عقل عطا کی ہے جتنا کہ دنیا کی ساری ریتوں کے مقابلہ میں ریت کا ایک ذرہ ہو۔ حضور ﷺ سارے لوگوں سے زیادہ عقلمند اور دانا تھے۔"

الارحم

یہ رحمت سے مشتق ہے یعنی سارے لوگوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

ارحم الناس بالعیال

ان دونوں اسماء مبارکہ کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

الازج

جس شخص کی آبروئیں طویل پتلی اور مڑی ہوئی ہوں۔ بال کثیر ہوں۔

الازکی

یہ الزکاۃ سے افعل کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد طہارت ہے۔ ازکی العالمین سے مراد سارے جہانوں سے پاکیزہ مراد ہے۔

الازہر

یہ زہارۃ سے مشتق ہے جس کا معنی رونق ہے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا رنگ سفید (ازھر) تھا۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ اس کا معنی سفید روشن ہے۔ یہ اس روایت کے معنی میں ہے جسے ابن حبان نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا رنگ مبارک سفید تھا۔"

الاسدّ

اس کا معنی المستقیم ہے یہ السدد سے افعل کے وزن پر ہے۔اس سے مراد استقامت اور درست قول اور صحیح عمل کی توفیق ہے۔حضور اکرم ﷺ کو سارے لوگوں سے زیادہ ملک، انس، استقامت اور توفیق عطا کی گئی تھی۔آپ رائے کی پھٹن سے سلامت تھے۔کیونکہ آپ سے جو کچھ بھی صادر ہوتا تھا خواہ وہ ازسبیل اجتہاد ہوتا وہ وحی کی طرف سے ہوتا تھا۔لہٰذا آپ کے اجتہاد میں بھی غلطی کا امکان نہ تھا۔

اشجع الناس

یہ شجاعت سے مشتق ہے۔مصیبت کے وقت دل کی شدت کو شجاعت کہا جاتا ہے۔

الاشد حیاء من العذراء فی خدرھا

آپ حیاء کے اعتبار سے سب سے زیادہ تھے۔قبیح امر سے مذمت کے خوف سے نفس کے انقباض کو حیاء کہا جاتا ہے۔

الاشنب

دانتوں کے جمال کو اشنب کہا جاتا ہے۔اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

الاصدق

یہ افعل تفضیل کے وزن پر ہے۔اس کا معنی ثبوت اور قوت ہے۔جب انسان نیزہ بازی میں قوی اور ثابت ہو تو کہا جاتا ہے۔"رجل صدق" حق پر ثابت قدم رہنے میں کوئی شخص بھی آپ سے بڑھ کر نہ تھا۔آپ گفتگو میں بھی سب سے زیادہ سچے تھے۔حق پر سب سے زیادہ ثابت قدم تھے۔راہِ خدا میں سب سے زیادہ قوی تھے۔حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا: "آپ گفتگو کے اعتبار سے سارے لوگوں سے زیادہ سچے تھے۔ یہ اسم مبارک رب تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ (النساء: ۱۲۲)

ترجمہ: "کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں۔"

اصدق الناس لھجۃ

یعنی آپ زبان اقدس کے اعتبار سے سارے لوگوں سے زیادہ سچے ہیں۔

الاطیب

یعنی افضل، اشرف یا خوشبو کے اعتبار سے سب سے عمدہ۔

الاعز

یعنی غلبہ اور قوت کے اعتبار سے آپ افضل ہیں۔

الاعظم

یہ العظمۃ سے افعل کے وزن پر ہے۔ یعنی آپ خلق اور خلق کے اعتبار سے سب سے افضل ہیں۔ عظمت کمال ذات اور کمال صفات کی طرف راجع ہے۔ یہ حسن اور کمال کی غایت کو شامل ہے۔

الاعلیٰ

یہ العلو سے افعل کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد رفعت ہے۔ یعنی آپ رفعت کے اعتبار سے دوسروں سے بلند ہیں۔ ابوحفص نسفی نے لکھا ہے کہ یہ اسم مبارک اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ﴿۷﴾ (النجم:۷)

ترجمہ: ''اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا۔''

لیکن اس استدلال میں اختلاف ہے۔ الشیخ نے لکھا ہے کہ اس سے اس طرح استدلال کرنے کی وجہ میرے لیے عیاں نہیں ہوئی۔ اگر ہم استوی، ھو، دنا، فتدلّی اور کان میں ضمائر کو حضور ﷺ کے لیے مختص کریں۔ تفسیر میں یہ قول مرجوع ہے اعلیٰ کو اس کی صفت بنانا درست نہیں کیونکہ ضمیر کا وصف بیان نہیں ہو سکتا جیسے کہ نحو کا قاعدہ ہے۔ البتہ ایک کمزور رائے اس کے حق میں ہے۔ گویا کہ انہوں نے اسے استویٰ کی ضمیر سے حال بنایا ہے۔ وھو بالافق مبتدا ہے۔ حال اس کی خبر ہے۔ معنیٰ یہ ہوگا۔ وہ بلندی پر متمکن ہوا اس حال میں کہ وہ افق پر تھا۔ یہ بہت دور کی بات ہے۔

اعلم باللہ

آپ رب تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ جس طرح کہ امام احمد کی روایت کردہ حدیث پاک میں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میں تم سب سے زیادہ رب تعالیٰ سے ڈرنے والا اور رب تعالیٰ کی حدود کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ کی تعریف میں کہا ہے۔

اغر علیه للنبوة خاتم
من اللہ مشھود یلوح و یشھد

ترجمہ: ''آپ پر مہر نبوت تاباں تھی۔ رب تعالیٰ کی طرف اس کی گواہی دی گئی تھی اور اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔''

افصح العرب

جس طرح کہ یہ تذکرہ اس روایت میں ہے جسے اصحاب الغریب نے اس لفظ سے روایت کیا ہے۔ ابن کثیر اور الشیخ نے لکھا ہے کہ ہم اس کی سند سے آگاہ نہیں ہیں۔ انہوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے ''میں ان لوگوں میں سے فصیح ترین

ہوں جو الضاد سے گفتگو کرتے ہیں کیونکہ میرا تعلق قریش کے ساتھ ہے۔"

اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اہلِ عرب میں سے فصیح ترین ہیں۔ کیونکہ وہی الضاد سے گفتگو کرتے ہیں۔کسی دوسری زبان میں یہ حرف نہیں۔"افصح"، فصح الرجل سے افعل کے وزن پر ہے۔ یہ افصح اذا تکلم سے مشتق نہیں کیونکہ افعل تفضیل صرف ثلاثی سے بنتا ہے۔الصحاح میں ہے:"رجل فصیح و کلام فصیح یعنی بلیغ۔"

الفصاحۃ کا معنی واضح ہونا بھی ہے"افصح الصبح" صبح کا اجالا ظاہر ہوا۔" اسی سے ہے ہر واضح چیز کو مفصح کہا جاتا ہے۔اس کا معنی خالص ہونا بھی ہے جیسے"افصح اللبن" یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب دودھ سے جھاگ اتار لی جائے۔

اکثر الانبیاء تبعا

امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:"روزِ حشر انبیاء میں سے بعض نبی اس طرح آئیں گے کہ اس کے ہمراہ صرف ایک تصدیق کرنے والا ہوگا۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا:"مجھے امید ہے میرے پیروکار سارے انبیاء سے زیادہ ہوں گے۔" شاید اس وقت رب تعالیٰ نے آپ کو اپنی امت نہ دکھائی ہو۔آپ نے انہیں نہ دیکھا ہو۔رب تعالیٰ نے آپ کی امید کو پورا کر دیا۔

الاکرم

یعنی وہ ہستی جو زیادہ کرم کے ساتھ متصف ہو۔بعض علماء نے فرمایا ہے کہ کرم حریت کی طرح ہی ہے لیکن یہ چھوٹے اور بڑے محاسن میں استعمال ہوتا ہے۔جبکہ کرم بڑے بڑے محاسن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔اسی طرح رب تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: "تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو۔"

دارمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:"میں رب تعالیٰ کے ہاں اولین و آخرین سے معزز ہوں۔میں بطور فخر نہیں کہہ رہا۔" آپ کی آپ کے رب کے ہاں عزت و کرامت یہ ہے کہ اس نے آپ کی حیات طیبہ کی قسم اٹھائی۔آپ کی عبادت میں آپ پر شفقت کی اور کم عبادت کرنے کے لیے کہا کسی اور کے لیے اسی طرح نہ کیا بلکہ زیادہ عبادت پر ہی ابھارا۔آپ کے لیے قسم اٹھائی کہ آپ مرسلین میں سے ہیں۔آپ مجنون نہیں ہیں۔آپ خلق عظیم پر ہیں۔اس نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے نہ آپ سے ناراض ہوا ہے۔آپ کو مختون پیدا کیا تاکہ کوئی شخص آپ کی شرمگاہ نہ دیکھ سکے۔آپ کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتۂ اجل اجازت لے کر آپ کے پاس آیا۔آپ سے قبل وہ کسی سے اجازت لے کر نہیں آیا تھا۔یہ نام رب تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے رکھا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ (العلق:٣)

ترجمہ: ''آپ کا رب بڑا کریم ہے۔''

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جسے ہر کریم پر زیادہ کرم کرنے پر کمال حاصل ہو۔ یا وہ ذات جس نے اپنے بندوں پر اتنی نعمتیں کیں ہوں۔ جنہیں شمار نہ کیا جاسکتا ہو۔ وہ ان کے لیے حلیم ہو وہ ان کی ناشکری پر انہیں جلد سزا نہ دیتا ہو۔

اکرم الناس، اکرم ولد آدم

ہر دو اسماء گرامی کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

الاکلیل

اس کا معنی تاج ہے۔ گول تاج کو اکلیل کہا جاتا ہے۔ آپ انبیاء کرام کے تاج ہیں۔ پاکبازوں کے سردار ہیں۔ آپ کے شرف اور قدر کی وجہ سے آپ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ یا اس لیے کہ آپ کی رسالت نے سب کا احاطہ کر رکھا ہے۔ جس طرح تاج سارے سر کا احاطہ کرتا ہے۔

الامجد

یہ المجد سے افعل کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد شرف ہے۔

الامر والناھی

یہ الامر اور النھی سے اسم فاعل ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (الاعراف:١٥٧)

ترجمہ: ''وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے۔''

یہ آپ کے حق میں فرض عین اور کسی اور کے لیے فرض کفایہ ہے۔ امام بوصیری نے فرمایا ہے:

نبینا الآمر الناھی فلا احد
ابر فی قول لا منه ولاَ نعم

ترجمہ: ''ہمارے نبی کریم ﷺ حکم دینے والے اور منع کرنے والے ہیں۔ آپ کے قول لا یا نعم میں کوئی آپ سے زیادہ سچا نہیں ہے۔''

علامہ العزفی نے لکھا ہے کہ یہ وصف درحقیقت رب تعالیٰ کا ہے کیونکہ آپ رب تعالیٰ اور اس کے بندوں کے مابین وسیلہ ہیں۔ لہٰذا اسے آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ آپ کو ہی دیکھا جاسکتا ہے کہ آپ آمر اور ناھی ہیں۔ اور دلیل سے جانا جاسکتا ہے کہ آپ واسطہ ہیں۔ الامر کے کئی معانی ہیں۔ اس جگہ ''طلب ایجاد الشئ'' مراد ہے۔ النھی سے مراد ''طلب ترکہ'' ہے۔ الشیخ ابواسحاق الشیرازی کے نزدیک اصح روایت کے مطابق ان میں علو کا تقاضا کیا گیا ہے۔ اہلِ اصول میں

سے ایک گروہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ یعنی طالب مطلوب منہ سے عالی مرتبہ ہے۔ اسے استعلاء حاصل ہے۔ کیونکہ یہ طلب اصح روایت کے مطابق عظمت کے ساتھ ہوگی۔ امام رازی، آمدی اور ابن الحاجب کا یہی مؤقف ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا ہے تو پھر رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو آمر اور ناہی کا وصف عطا ہونا۔ آپ کے بلند منصب اور رفعت شان پر دلالت کرتا ہے نیز یہ کہ آپ سارے لوگوں میں سے بلند منصب ہیں۔ اس سے یہی لازم آتا ہے کہ آپ جو حکم دیں یا منع کریں۔ آپ کی اطاعت ہر حال میں لازم ہے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (الحشر:۷)

ترجمہ: "اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرمادیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ۔"

الامام

وہ ہستی جس کی بھلائی وغیرہ میں اقتداء کی جائے۔ اس کا اطلاق واحد اور جمع پر ہوتا۔

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ (البقرہ:۱۲۴)

ترجمہ: "بیشک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا۔"

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ (الفرقان:۷۴)

ترجمہ: "اور بنا نا ہمیں پرہیزگاروں کے لیے پیشوا۔"

حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

امام لهم يهديهم الحق جاهدا   معلم صدق ان يطيعوه يهتدوا

ترجمہ: "آپ ان کے امام ہیں انہیں کوشش کے ساتھ حق کی طرف راہنمائی کرتے ہیں آپ سچائی کے معلم ہیں اگر وہ آپ کی اطاعت کریں گے تو ہدایت پالیں گے۔"

آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ مخلوق آپ کی اقتداء کرتی ہے وہ آپ کے فرمان اور عمل کی طرف رجوع کرتی ہے۔

امام الخیر

ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرو تو عمدہ طریقہ سے سلام عرض کیا کرو۔ تم نہیں جانتے کہ شاید تمہارا سلام آپ کو پیش کیا جائے۔" لوگوں نے عرض کی: "آپ ہی ہمیں سکھا دیں۔" انہوں نے فرمایا: "یوں کہو" اللهم اجعل صلواتك و رحمتك و بركاتك على سيد المرسلين و امام المتقين و خاتم النبيين محمد عبدك الامين و رسولك امام الخير و قائد

الخیر و رسول الرحمۃ اللھم ابعثہ المقام المحمود الذی یغبطہ فیہ الاولون والآخرون۔

امام العالمین

العالم اسم جنس ہے۔ علم نہیں ہے۔ اس کی جمع عوالم اور عالمین آتی ہے۔ خواہ ہم کہیں کہ یہ ذوالعقول کے ساتھ مختص ہے۔ اور یہ ثقلین کے لیے مختص ہے۔ جیسا کہ زمخشری نے قول کیا ہے کیونکہ یہ العلم سے مشتق ہے۔ خواہ وہ کہیں یہ ہر چیز کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کا عالم کہا جاتا ہے۔ صحیح مؤقف یہی ہے۔ کیونکہ یہ العلامۃ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر موجود چیز وجود باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی جمع عالمون نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لفظ عام ہے جبکہ العالمون ذوالعقول کے ساتھ خاص ہے۔ جمع مفرد سے اخص نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے سیبویہ نے کہا ہے کہ الاعراب (دیہاتی) اس عرب کی جمع نہیں ہیں۔ جس پر ان کا اور اہلِ قریٰ (شہریوں) کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ عوالم کی تعداد میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسیب سے روایت ہے کہ عالم کی تعداد ایک ہزار ہے۔ چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی پر ہیں۔ مقاتل نے کہا ہے کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ چالیس خشکی میں اور چالیس سمندر میں عالم ہیں۔ حضرت کعب سے روایت ہے کہ عوالم کی تعداد صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

امام العاملین

عامل کی جمع عاملین ہے۔ اس سے مراد بندے ہیں۔

امام المتقین

یعنی وہ ذات جس کی وہ اقتداء کریں۔ اس کی ہدایت کی اتباع کریں۔ یہ متقی کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ ذات ہے جو شرک سے بچے۔ شک اور مخالفات سے اجتناب کرے۔ امام الخیر میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

امام النبیین، امام الناس

امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روزِ حشر میں انبیاء کرام کا امام اور خطیب ہوں گا۔ میں ان کی شفاعت کروں گا۔ میں یہ بطور فخر نہیں کہہ رہا۔" امام احمد کی روایت میں ہے "میں امام الناس ہوں۔" روزِ حشر کو اس کی تخصیص کی وضاحت "سید الناس" میں آئے گی۔

الامان

امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو امان تھے۔ ایک کو اٹھا لیا گیا جبکہ دوسری امان باقی ہے۔ ارشاد پاک ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (الانفال: ۳۳)

ترجمہ: ''اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہوں ان میں اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انہیں حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں۔''

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''رب تعالیٰ نے مجھ پر میری امت کے بارے دو امان نازل کیں۔ جب میرا وصال ہو جائے گا تو میں روزِ حشر تک تم میں استغفار کو چھوڑ جاؤں گا۔''

حضور ﷺ اپنی امت کے لیے امان ہیں۔ آپ اپنی قوم کے لیے امان ہیں ان پر رب تعالیٰ کا عذاب نازل نہیں ہوتا۔ آپ کے وجود مسعود کی وجہ سے عذاب ان سے دور ہو جاتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب تک آپ نے وصال نہیں فرمایا اس وقت آپ امان اعظم تھے۔ جب تک آپ کی سنت مطہرہ باقی ہے یہ امان باقی ہے۔ جب سنت مطہرہ ختم ہو جائے گی تو اس وقت مصائب اور فتنوں کا انتظار کرو۔''

الامنته

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سر اقدس آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا: ''ستارے آسمان کے لیے باعث امن ہیں۔ جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان پر وہ کچھ آجائے گا جس کا اس کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ میں اپنے صحابہ کرام کے لیے امن کا باعث ہوں۔ جب میرا وصال ہو جائے گا تو میرے صحابہ کرام کو اس امر کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ میرا صحابہ کرام میری امت کے لیے امن کا باعث ہیں۔ جب میرے صحابہ کا وصال ہو جائے گا۔ تو میری امت کو اس چیز کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا اس کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔''

الامنة

وہ شخص جسے ہر چیز پر امین بنایا گیا ہو۔ آپ کا یہ اسم مبارک اس لیے رکھا گیا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو اپنی وحی پر امین بنایا ہے یا اس کا معنی محافظ ہے۔ یعنی آپ نے اپنے صحابہ کرام کی بدعتوں، اختلافات اور فتنوں سے ان کی حفاظت کی۔ یہ آپ کے اس فرمان کے منافی نہیں ہے۔ ''جب رب تعالیٰ کسی امت پر رحم کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے نبی ﷺ کو اس سے پہلے اٹھا لیتا ہے۔'' کیونکہ احتمال ہے کہ رحمت سے مراد امن ہو کہ وہ مسخ، خسف اور عذاب کی دیگر انواع سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دیگر وہ فتنے ہیں جن کا دروازہ آپ کے وجود کی وجہ سے بند تھا۔ یا اس کا معنی الامن ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ۔ (الانفال: ۱۱)

ترجمہ: ''یاد کرو جب اللہ نے ڈھانپ دیا۔''

آپ کو یہ اسم گرامی اس لیئے عطا کیا گیا ہے کیونکہ آپ اہلِ ایمان کے لیے عذاب سے اور کافروں کے لیے خسف

اور عقاب سے امان ہیں۔

الأمّة

ساری بھلائیوں کی جامع جن کی اقتداء کی جائے یا خیر کے معلم۔ الأمۃ کا اصل جماعۃ ہے۔ آپ کا یہ نام اسی طرح رکھا گیا ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ نام رکھا گیا تھا۔ کیونکہ آپ میں ایسے اوصاف حمیدہ اور خصائل جمیلہ جمع ہیں جو بہت سے لوگوں میں بھی جمع نہیں ہیں۔

الم، المر، المص

"د" نے ان کا تذکرہ کیا ہے مشہور یہ ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے نام ہیں۔ اگر یوں کہا جائے تو صحیح ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے ان اسماء حسنیٰ میں سے ہیں۔ جو رب تعالیٰ نے آپ کے بھی نام رکھے ہیں۔

الالمعی

یہ "لمع النار" سے مشتق ہے۔ اس سے مراد آگ کی روشنی اور نور ہے۔ اس سے مراد دل اور زبان کا تیز ہونا اور انسان کا ذہین ہونا ہے۔ کیونکہ آپ بہت زیادہ دانا تھے۔ جب کسی معاملہ کا اول اور ابتداء ظاہر ہو جاتی تو آپ اس کے آخر کو جان جاتے تھے۔ جیسے کہ اوس بن حجر نے کہا ہے۔

"المعی وہ ہوتا ہے جو تمہارے بارے یوں گمان رکھتا ہے گویا کہ اس نے تمہیں دیکھا ہے اور تمہیں سنا ہے۔

الآمن

یہ صاحب کے وزن پر ہے۔ یہ خالص، تقی، شریف اور نقی کے معنی میں ہے۔ یہ امن سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد نفس کی طمانیت اور خوف کا ختم ہونا ہے۔ یہ امان اور امانۃ کی طرح ہے۔ آپ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ روزِ حشر رب تعالیٰ آپ کو امن عطا فرمائے گا۔ ارشاد پاک ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ۔ (التحریم:۸)

ترجمہ: "اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو۔"

اس میں حکمت یہ ہے تا کہ آپ اپنی امت کی شفاعت کے لیے فارغ ہو سکیں کیونکہ اس روز سارے انبیاء "نفسی نفسی" پکار رہے ہوں گے۔ اگر آپ امن سے نہ ہوتے تو اس روز آپ بھی نفسی نفسی پکارتے۔

آپ مخلوق کے شر سے بھی محفوظ تھے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کی لوگوں سے حفاظت فرمائی تھی۔ پہلے جب آپ باہر نکلتے تھے تو جناب ابوطالب آپ کے ہمراہ محافظ بھیجتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (المائدہ:۶۷)

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں کے (شر) سے۔"

اس کے بعد جب جناب ابو طالب آپ کے ساتھ کسی کو بھیجنے لگتے تو آپ فرماتے: "چچا جان! رب تعالیٰ نے مجھے تحفظ عطا فرمایا ہے۔ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" لیکن اس مؤقف میں اختلاف ہے۔ کیونکہ یہ آیت طیبہ غزوہ تبوک کے سال نازل ہوئی اور جناب ابو طالب ہجرت سے قبل وفات پا چکے تھے۔

آپ کا یہ فرمان اس امر کے منافی نہیں ہے۔ "خیبر میں کھائے ہوئے لقمہ کی اذیت بار بار لوٹ کر آتی ہے۔ اس نے میری رگ کاٹ کر رکھ دی ہے۔" کیونکہ وہ آیت طیبہ غزوہ تبوک کے سال نازل ہوئی۔ جبکہ زہر آلود بکری آپ کو غزوہ خیبر میں پیش کی گئی۔" نہ ہی وہ تکالیف اس فرمان میں ہیں جو آپ کو غزوہ احد میں پہنچیں تھیں۔ کیونکہ اس فرمان سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ آپ کو قتل سے محفوظ رکھے گا۔ اسے نفس سے کم پر محمول کیا جائے گا۔ اس کے نزول کے بعد آپ نے نگرانی کا جو حکم دیا تھا وہ شریعت مطہرہ میں جواز پیدا کرنے کے لیے تھا۔

الامین

اس کا تذکرہ ابن فارس نے کیا ہے۔ اس کا معنی قوی اور حافظ ہے جس کی امانت پر اعتماد کیا جائے۔ جب کہ دیانت میں ترغیب رکھی جائے۔ یہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾

(التکویر: ۱۹-۲۰-۲۱)

ترجمہ: "یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ (سب فرشتوں کا سردار) اور وہاں کا امین ہے۔"

یہ دو قولوں میں سے ایک ہے قاضی نے اسے اکثر مفسرین کی طرف منسوب کیا ہے کہ مذکور رسول سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ آپ کو آپ کے بچپن میں آپ کے وقار، سچ، ہدایت گندگیوں سے اجتناب کی وجہ سے امین کہا جاتا تھا۔

حضرت کعب بن مالک نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

امین محب فی العباد مسوّم   بخاتم رب قاهرٍ للخواتم

ترجمہ: "آپ امین ہیں۔ لوگوں میں محبوب ہیں۔ رب قاہر کی طرف سے آپ مہروں کی مہر ہیں۔ تعمیرِ کعبہ کے وقت قریش نے کہا تھا "ھذا امین ان شاء اللہ۔"

امام مسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے میں آسمان میں امین ہوں۔ میرے پاس آسمان سے خبر صبح و شام آتی ہے۔" آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ وحی الٰہی کے محافظ اور اطاعت الٰہی پر قوی تھے۔ یا اس کا معنی مامون ہے۔ یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ یہ آپ کا اسم

گرامی اس لیے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے اپنی وحی پر آپ کو امین بنایا ہے۔ آپ کو اپنے اور اپنی مخلوق کے مابین واسطہ بنایا ہے۔ آپ کو امانت کی پوشاک پہنائی ہے جو خیانت کی ضد ہے۔ آپ کو صداقت کا ایسا تاج پہنایا ہے جو قابل فخر موتیوں سے آراستہ ہے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (الاحزاب: ۷۲)

ترجمہ: "ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں اور زمین پر۔"

میں امانت سے مراد فرائض مفروضہ ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد دل کی نیت ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے بندوں کو اس پر امین بنایا ہے اور اپنی مخلوق میں سے کسی پر اس کا اظہار نہیں کیا۔ جس نے توحید کو مخفی رکھا۔ وہ اسی طرح ہے گویا کہ اس نے اس کو ظاہر کیا ہے۔ اس نے امانت ادا کر دی ورنہ نہیں۔ یا اس سے مراد عقل یا عدالت ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں۔

الاُمّی

ارشاد ربانی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ۔ (الاعراف: ۱۵۷)

ترجمہ: "جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے۔"

امی سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو اچھی طرح لکھ نہ سکے۔ جیسے کہ حدیث پاک میں ہے "ہم امی امت ہیں جو حساب و کتاب سے آشنا نہیں ہیں۔" "الام" کی طرف نسبت اسی طرح ہے جس طرح گویا کہ آپ اسی حالت پر ہی جس پر آپ کی والدہ نے آپ کو جنم دیا تھا۔ آپ کا امی ہونا آپ کے حق میں معجزہ ہے۔ اگرچہ دیگر افراد کے لیے اس طرح نہیں ہے۔ قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "کیونکہ آپ کا عظیم معجزہ قرآن مجید ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق علوم اور معارف کے ساتھ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو اور بھی فضل و کرم کے ساتھ نوازا گیا تھا۔ ایسی ہستی کے لیے ایسے علوم و معارف جو نہ پڑھی سکتی ہو نہ لکھ سکتی ہو۔ جو نہ مطالعہ کر سکتی ہو جسے نہ تلقین کی جا سکتی ہو۔ یقیناً تعجب کا مقام ہے۔ عبرت کی انتہاء اور بشر کے لیے معجزہ ہے۔ اس میں کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ قرأت، کتابت علوم و معارف کو نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مراد تک پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ جب ثمرہ اور مطلوب حاصل ہو گیا تو واسطہ سے استغنیٰ حاصل ہو گیا۔

تنبیہ

القاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "جس شخص نے آپ کا وصف امی یا یتیمی کا تذکرہ کیا۔ اس کا مقصد آپ کی تعظیم و توقیر تھا تو یہ عمدہ ہے۔ جس نے کسی بری نیت سے کہا۔ اسے قتل کر دیا جائے گا یا حسب حال اس کو ادب سکھایا جائے گا۔"

"الاُمّی" الاُمّی کو الاَمّی بھی پڑھا گیا ہے۔ ابن عطیہ نے اسے اسی طرح پڑھا ہے۔ یہ الاَم کی طرف منسوب ہے۔ جو قصد کے معنی میں ہے یعنی یہ نبی کریم ﷺ لوگوں کو مدعا ہیں۔ اتباع کی جگہ ہیں لوگ اپنے افعال اور شرع میں آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ آپ کا ایک اور نام ہوگا۔ ابن جنی نے لکھا ہے کہ احتمال ہے یہ الاُمّی کے معنی میں ہو۔ اس میں اس طرح تغییر کر دی ہو جس طرح نسب میں تبدیلی کر دی جاتی ہے۔ اس صورت میں یہ دوسری لغت ہوگی دوسرا اسم نہ ہوگا۔

انعم اللّٰہ

"انعم" نعمۃ کی جمع ہے۔ اس سے مراد احسان ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ رب تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں پر نعمت ہیں۔ آپ کو ان کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ آپ کے وجود مسعود کی وجہ سے مخلوق کو بہت سی نعمتیں ملیں مثلاً اسلام، کفر سے اجتناب اور خسف سے امن۔

انفس العرب

ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ (التوبۃ:۱۲۸)

ترجمہ: "بیشک تشریف لایا تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے۔"

حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے "انفسکم" پڑھا یعنی قدر و منزلت میں تم میں سے عظیم ترین۔ انفس نفاسۃ سے افعل کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد شرف، علو اور عزت ہے۔ اسی سے دُرِّ نفیس ہے۔ جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ اس آیت طیبہ میں مخاطب اہل عرب ہیں۔ جب آپ ان سے عظیم ہیں تو غیر عرب سے عظیم ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ اہل عرب دیگر لوگوں سے افضل ہیں۔ اہل عرب کو یہ فضیلت حضور ﷺ کی وجہ سے ملی۔ جیسے کہ شاعر نے کہا ہے:

وَكَمْ اَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنٍ ذُرَى شَرَفٍ كَمَا عَلَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَدْنَانُ

ترجمہ: "بہت سے باپ اپنے بیٹے کی وجہ سے شرف کی رفعتوں تک پہنچے جس طرح بنو عدنان کو حضور ﷺ کی وجہ سے رفعت ملی۔"

اوفی الناس ذماما

لوگوں میں سے حرمت و رعب کے لحاظ سے سب سے زیادہ۔ جس طرح کہ حضرت حسان کا شعر پہلے گزر چکا ہے۔

وَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَةٍ فَوْقَ رَحْلِهَا اَبَرَّ وَ اَوْفٰى ذِمَّةً مِّنْ مُّحَمَّدٍ

الانوار المجرد

تاباں، چمکدار، متجر د سے مراد ہر وہ چیز ہے جو آپ کے جسم اطہر سے جدا ہوا اور اسے دیکھا جا سکے۔

الاواہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے: "مولا! مجھے اپنا بہت زیادہ شکر گزار بنا دے، مجھے اپنا بہت زیادہ ذکر کرنے والا بنا دے۔ مجھے بہت زیادہ ڈرنے والا بنا دے۔ اپنا بہت زیادہ اطاعت گزار بنا دے۔ اپنے لیے بہت زیادہ عاجزی کرنے والا بنا دے۔ اپنے لیے خشوع و خضوع کرنے والا بنا دے۔"" الاواہ" کے معنی میں اختلاف ہے۔ اس کے بارے کئی اقوال ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ خشوع کرنے والے۔ دعا میں عاجزی کرنے والے، مومن، توبہ کرنے والے، یقین رکھنے والے، جھکنے والے، نگرانی کرنے والے، تسبیح کرنے والے، خطاء کے بغیر استغفار کرنے والے۔ حلیم و کریم رحیم، خوف رکھنے والے، ذکر کرنے والے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ یہ سارے اوصاف آپ میں پائے جاتے ہیں۔

الاوسط

اس کا معنی یا تو عادل یا ہر چیز سے بہترین ہے۔ رب تعالیٰ یہ شعر کہنے والے پر رحم کرے:

یا اوسط الناس طرا فی تفاخرھم　　و فی تفاضلھم یا اشرف العرب

ترجمہ: "اے وہ ذات پاک جو فخر اور فضیلت میں سارے لوگوں میں سے بہترین ہے۔ اے سارے عرب سے زیادہ شرف والے!"

اللہ تعالیٰ نے یہ وصف آپ کی امت کے بارے بیان کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ (البقرہ: ۱۴۳)

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے بنایا تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین امت۔"

یعنی عدول، بہترین، اہلِ دین، غلو اور تقصیر کے مابین۔

الاولی

اہلِ ایمان کے نفسوں کے لیے بھی زیادہ قریب اور مستحق اور دین و دنیا کے امور میں سے ہر چیز سے افضل۔ اس کی مزید تفصیل خصائص میں آئے گی۔

الاول

سابق، دوسرے سے مقدم یا وہ ذات جس کی پیروی کی جائے۔ یہ اس جگہ غیر منصرف ہے۔ کیونکہ اسے آپ کا

علم بنادیا گیا ہے۔ اس میں وزن فعل بھی ہے۔ بصریوں کے نزدیک یہ وہ وصف ہے جو لفظ میں مطلقاً جاری ہوتا ہے۔ یہ اسبق کی طرح ہے جو السبق سے اسم تفضیل ہے۔ جب یہ الف اور لام سے خالی ہو تو اس کا مفرد اور مذکر ہونا لازم آتا ہے۔ اگر اس کی اضافت کی نیت کی گئی ہو تو یہ مبنی برضمہ ہوتا ہے۔

الآخر

یہ الاول کی ضد ہے۔ یہ تاخر سے اسم فاعل ہے جو تقدم کی ضد ہے۔ امام بیہقی نے معراج کے قصہ میں حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''پھر آپ نے رب تعالیٰ کی مخلوق سے ملاقات کی۔ انہوں نے عرض کی ''السلام علیك یا اول! السلام علیك یا آخر! السلام علیك یا حاشر!'' حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: ''محمد عربی ﷺ! سلام کا جواب ارشاد فرمائیں۔''

امام بزار نے اسراء کی حدیث میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے آپ کو تخلیق کے اعتبار سے اول النبیین بنایا ہے۔ بعثت کے اعتبار سے سب سے آخر بنایا ہے۔''

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں روزِ حشر اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے میرے لیے زمین شق ہوگی۔ میں سب سے پہلا شافع اور سب سے پہلا مشفع ہوں۔''

مذکورہ بالا دونوں اسماء رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہیں۔ اس کے حق میں اول کا معنی یہ ہے کہ بدایۃ کے بغیر اشیاء کے وجود قبل ان کے لیے سابق۔ اور ان کے فناء کے بعد بلا نہایۃ ان کا آخر'' قاضی نے لکھا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ اس کے لیے نہ اول ہے نہ آخر۔''

اول الرسل خلقا، اول شافع، اول مشفع

وہ ذات جو شفاعت کرے گی۔ اس کی شفاعت قبول ہوگی۔ اس سے مراد یہ التجا ہے کہ وہ گناہ گاروں سے تجاوز کرے۔

اول المسلمین، اول من تنشق عنه الارض، اول المومنین

اسلام اور ایمان کے پیشوا۔

آیة الله

اسے الشیخ نے ذکر کیا ہے مجاہد سے روایت ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ۔ (حم السجدہ ۵۳)

ترجمہ: ''ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں۔''

اس سے مراد محمد عربی ﷺ ہیں کیونکہ آپ ظاہری علامت ہیں۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ "آتی" سے مشتق ہے۔ کیونکہ یہ ایک چیز کو دوسری چیز سے ممتاز کرتی ہے۔ یا یہ "اولی الیہ" سے مشتق ہے۔ کیونکہ مطلوب پر استدلال کرنے کے لیے اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ آپ کا اس لیے یہ نام رکھا گیا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو ہدایت کے راستے کا علم بنایا ہے۔ ایسا علم جو دائمی کامیابی پر دلالت کرتا ہے۔ جس کی پیروی کی جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ (آل عمران: ۴)

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ ان کے لیے سخت عذاب ہے"۔

اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات والا ہے۔

حرف الباء

البارع

یہ "برع الشیٔ" سے مشتق ہے۔ جب انسان اپنے ساتھیوں سے فضل، علم، حلم اور حکم میں فائق ہو جائے۔

البارقلیط

قاضی نے لکھا ہے کہ یہ انجیل میں آپ کا نام تھا۔ اس کا معنی روح القدس ہے۔ ثعلب نے لکھا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے جو حق اور باطل کے مابین فرق کر دے۔ اس کا معنی حامد یا حماد بھی ہے۔ شیخ تقی الدین شمنی نے لکھا ہے کہ اکثر اہل انجیل کے نزدیک اس کا معنی المخلص ہے۔

الباطن

وحی کی وجہ سے امور کی حقیقت سے آشنا۔ یہ رب تعالیٰ کا اسم ہے اس کا معنی نگاہوں سے اس طرح مخفی ہونا ہے۔ جو امور کے باطنی معانی کا اس طرح آشنا ہو کہ اسے اشتباہ لاحق نہ ہو سکے۔ ایک معنی یہ بھی کہا گیا ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے باطن اور علامات کے اعتبار سے ظاہر ہو۔ "ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جس کی حقیقت کو عقول اور حواس نہ پا سکیں۔ آپ کے حق میں اس کا معنی یہ ہے عقل کے ناقص ہونے کی وجہ سے مقام کی اس بلندی کا ادراک نہ ہو سکے جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ امام بوصیری نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اعيى الورى فهم معناه فليس يرى ... للقرب والبعد فيه غير منفحم

ترجمہ: "حضور ﷺ کے کمالات کو سمجھنے نے مخلوق کو عاجز کر دیا ہے۔ خواہ کوئی آپ کے قریب ہو یا بعید وہ

آپ کے کمالات بیان کرنے سے عاجز ہی ہے۔"

كالشمس تظهر للعينين من بعد صغيرة و تكل الطرف من امم

ترجمہ: "آپ کی مثال سورج کی سی ہے جو دور سے آنکھوں کو چھوٹا دکھائی دیتا ہے اور نزدیک سے آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔"

و كيف يدرك في الدنيا حقيقة قوم نيام تسلوا عنه بالحلم

ترجمہ: "وہ قوم دنیا میں آپ کی حقیقت کو کیسے پا سکتی ہے جو محو خواب ہے۔اور خوابوں کی دنیا میں ہے۔"

فمبلغ العلم فيه انه بشر و انه خير خلق الله كلهم

ترجمہ: "ہمارے علم کا منتہیٰ یہی ہے کہ آپ بشر ہیں اور آپ رب تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہترین ہیں۔"

البالغ، البيان

الباهر

الکسائی نے قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "محمد عربی ﷺ "بدر باہر" ہیں۔یعنی ان کا نور سارے انبیاء کے انوار پر غالب ہے۔کیونکہ اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور اس سے بہت زیادہ فیض حاصل کیا جاتا ہے۔یہ بدر باہر سے مشتق ہے۔یعنی چاند کا نور ستاروں کے انوار پر غالب ہے۔

یا اس لیے کہ آپ حسن و جمال میں ساری مخلوق پر غالب ہیں۔اس وقت یہ "بهرت فلانة النساء" سے مشتق ہوگا۔یا اس لیے کہ آپ نے حجت کو ظاہر کیا۔جس طرح شاعر نے اس شعر میں یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

لقد بهرت فلا تخفى على احد الا على اكمه لا يعرف القمرا

ترجمہ: "آپ نے حجت ظاہر کر دی جو کسی پر مخفی نہیں سوائے اس کے جو پیدائشی اندھا ہو اور چاند کو نہ پہچانتا ہو۔"

الباهي

حسن جمیل۔یہ بہاء سے اسم فاعل ہے۔

البحر

یہ بر کا عکس ہے۔اس کا اطلاق کثیر، وسیع اور گہرے پانی پر ہوتا ہے۔ہر بڑے دریا کو بحر کہا جاتا ہے۔تیز رفتار گھوڑے کو بحر کہا جاتا ہے۔کسائی نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: "محمد عربی ﷺ بحر بے کراں ہیں۔" یہ آپ کے فائدہ کی عمومیت کی وجہ سے ہے۔کیونکہ یہ آپ بذات خود پاک ہیں۔اپنے پیروکاروں کو پاک فرمانے والے ہیں نیز آپ کا کرم بڑا وسیع ہے۔حضرت انس سے روایت ہے کہ اسلام پر آپ جو کچھ بھی مانگا گیا آپ نے ضرور عطا

کر دیا۔ایک شخص نے آپ سے وہ بکریاں مانگیں جو دو پہاڑوں کے مابین ہیں۔آپ نے وہ سب اسے عطا فرما دیں۔ وہ اپنی قوم کے پاس گیا۔اس نے کہا "میری قوم اسلام قبول کر لے۔محمد عربی ﷺ اس قدر عطا کرتے ہیں کہ فقر کا اندیشہ نہیں رہتا۔"

البدء

ایسا سردار کہ جب سرداروں کو گنا جائے تو اس سے ابتدا ہو کیونکہ آپ سب سے زیادہ جلیل ہیں۔

البدیع

یہ ابدع سے صفت مشبہ ہے۔یعنی حسن و جمال میں بدیع۔مستقل اور منفرد۔یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔اس کا معنی آلہ اور مادہ کے بغیر کسی چیز کو بنانا ہے۔

البدر

پورا چاند۔چاند کے مکمل ہونے کی وجہ سے اسے بدر کہا جاتا ہے۔آپ کی تکمیل، کمال اور شرف کی رفعت کی وجہ سے آپ کو بدر کہا گیا ہے۔الکسائی نے قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "محمد عربی ﷺ بدر باہر، نجم زاہر اور بحر زاخر ہیں۔

البر

اس سے مراد اطاعت، یا احسان یا صدق ہے۔حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا: "تین افضل نیکیاں ہیں:

1. غضب میں صدق
2. تنگدستی میں سخاوت
3. قدرت ہوتے ہوئے درگزر کرنا

حضور ﷺ نے فرمایا: "نیکی حسن خلق میں سے ہے۔" کیونکہ آپ اس مقام پر فائز ہیں اس پر آپ کا یہ نام رکھا گیا۔یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔اس کا معنی ہے احسان میں مبالغہ کرنے والا! وعدے کا سچا۔

البرقلیطس

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ رومی زبان میں یہ حضور اکرم ﷺ کا نام ہے۔

البرهان

ابن ابی حاتم نے حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں برھان سے مراد محمد عربی ﷺ ہیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (النسآء:۱۷۴)

ترجمہ: "آچکی ہے تمہارے پاس ایک (روشن) دلیل تمہارے پروردگار کی طرف سے۔"

لغت میں برہان حجت کو کہتے ہیں۔ دوسرے قول کے مطابق ایسی دلیل جو اتنی واضح اور عیاں ہو کہ مکمل یقین عطا کر دے۔ دونوں معنوں کے اعتبار سے حضور ﷺ حجت ہیں کیونکہ آپ رب تعالیٰ کی اس کی مخلوق پہ حجت ہیں۔ اپنے دلائل اور معجزات کی وجہ سے روشن اور واضح حجت ہیں۔ یہ اسم گرامی رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ہے۔

البشر

انسان کو بشر کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی جلد ظاہر ہوتی ہے۔ جبکہ دیگر حیوانات کی جلد بالوں، صوف اور اون سے ڈھکی ہوتی ہے۔ آپ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ سارے انسانوں سے عظیم اور جلیل ہیں۔ جس طرح کہ عام اسم کے ساتھ خاص لوگوں کا نام رکھا جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ (الکہف:۱۱۰)

ترجمہ: "آپ فرمائیے میں بشر ہی ہوں تمہاری مثل۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگ بشریت میں برابر ہیں۔ انسانیت کے اعتبار سے ان میں مساوات ہے۔ وہ ان معارف جلیلہ کی وجہ سے فضیلت رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ مختص ہیں۔ اس لیے اس کے بعد فرمایا: "یوحٰی الیّ" یہ اس جہت پر تنبیہ ہے جس کی وجہ سے آپ کو لوگوں پر فضیلت ملی۔ یعنی میں وحی اور رسالت کی وجہ سے تم میں سے مخصوص اور ممتاز بن گیا ہوں۔"

بشریٰ عیسیٰ

یہ بشارت سے فعلیٰ کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد خوش کرنے والی خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ (الصف:۶)

ترجمہ: "مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا اس کا نام احمد ہوگا۔"

مستدرک میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں اپنے باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں پانچ انبیاء ہیں جن کے بارے بشارت دی گئی۔ حضرت محمد عربی، عیسیٰ، اسحاق، یعقوب، یحییٰ صلی اللہ علیہم وسلم۔

بماذ بماذ

اسے "ذ" سے تورات کے سفر اول سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ باء کے دو، میم کے چالیس الف کا ایک

الذال کے چار دوسری میم کے چالیس اور الف کا ایک عدد ہے۔ جبکہ ذال کے چار اعداد ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ تعداد بانوے بنتی ہے۔ یہ تعداد حضور ﷺ کے اسم گرامی کی تعداد کے برابر ہے۔ جبکہ قاضی نے شفاء میں "ماذ ماذ" ذکر کیا ہے۔ الشیخ نے لکھا ہے کہ شاید صحیح نام یہی ہو لیکن اس میں تحریف کر دی گئی ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ابن قیم نے اسے جلاء الافہام میں تورات سے اور اہل کتاب کے بعض شارحین سے نقل کیا ہے۔ پھر انہوں نے وہی کلام ذکر کیا ہے جو "ذ" نے ذکر کیا ہے۔ ماذ ماذ صحیح ہے۔

البليغ

فصیح۔ ایسا فصیح جو اپنی عبارت کے ساتھ اپنے ضمیر کی تہ تک پہنچ جائے۔

البهاء

عزت و شرف۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ اس امت کی عزت اور شرف ہیں۔

البهي

حسن عاقل۔

البينه

واضح دلیل۔ ارشاد فرمایا:

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَهُمُ الۡبَیِّنَةُ ۙ﴿۱﴾

(البینۃ:۱)

ترجمہ: "جن لوگوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا (وہ) اور مشرکین (کفر سے) الگ ہونے والے نہ تھے جب تک نہ آجائے ان کے پاس روشن دلیل۔"

اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ رسول البینہ کا بدل یا عطف بیان ہے۔

البيان

کشف، اظہار یا فصاحت۔ یا یہ مبیّن کے معنی میں ہے یعنی لوگوں کے لیے ایسے امور کا اظہار کرنے والے جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے یا انہیں روکا گیا ہے یا اس کا معنی "موضح" بھی ہے یعنی امت کے لیے دین کے مخفی امور کو واضح کرنے والے۔

حرف التاء

التالی

اپنے سے پہلے کی اتباع کرنے والے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:
ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ (النحل:۱۲۳)

ترجمہ: "پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب) آپ کی طرف پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا۔"

یا اس سے مراد تلاوت کرنا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا:
کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا ۔ (البقرہ:۱۵۱)

ترجمہ: "جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے پاس رسول تم میں سے پڑھ کرسناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں۔"

التذکرہ

جس سے لوگوں کو نصیحت ملے۔ غافل آگاہ ہو جائے۔ الراغب نے لکھا ہے کہ یہ العلامۃ اور دلیل سے اہم ہے کیونکہ یہ دونوں امور حسیہ کے ساتھ مختص ہیں جبکہ تذکرہ امور ذہنیہ کے ساتھ مختص ہے۔

جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:
وَ اِنَّہٗ لَتَذۡکِرَۃٌ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۸﴾ (الحاقۃ:۴۸)

ترجمہ: "یہ متقین کے لیے نصیحت ہے۔"

بعض نے کہا کہ تذکرہ سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات ہے۔

التقی

یہ تقویٰ سے فعیل کے وزن پر ہے قاضی نے لکھا ہے کہ ایک پرانا پتھر ملا ہے جس پر لکھا ہوا ہے۔ (محمد تقی مصلح سید امین)

التلقیط

"ع" نے اس کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے اہل روم کی کتب میں آپ کا یہ نام ہے۔

التنزیل

یہ منزل کے معنی میں ہے یعنی مرسل۔ یا جس پر قرآن اتارا گیا ہو۔ جیسا کہ ارشاد پاک ہے:
تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۳﴾ (الحاقۃ:۴۳)

ترجمہ: "بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا۔"

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یا حضور ﷺ یا قرآن مجید ہے۔ پہلے اعتبار سے یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ (البینۃ:۲)

ترجمہ: "ایک رسول اللہ کی طرف سے۔"

التہامی

یہ تہامہ کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کے اسماء میں سے ہے۔ تہامہ نجد سے بلاد حجاز تک نشیبی جگہ کا نام ہے۔ کیونکہ وہاں ہوا متغیر ہو جاتی ہے اس لیے اس کو تہامہ کہا جاتا ہے۔

حرف الثاء

ثانی اثنین

یہ قرآن پاک کی آیت سے ماخوذ ہے۔ یعنی دو میں سے دوسرے۔ اس سے مراد حضور ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔ اس آیت میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ اپنے رب کے ادب میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے تھے۔ تنگی اور خوشحالی میں آپ کا اعتماد اپنے رب پر تھا اس جگہ آپ نے اپنے رب کا نام پہلے ذکر کیا۔ تاکہ اس کی تعظیم ہو جائے اور آپ کو لذت نصیب ہو۔

الثمال

"ط" نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی ملجاء، ماویٰ، مددگار، معین اور کافی ہے جیسے کہ آپ کے دادا نے آپ کی تعریف میں کہا: "ثمال الیتامیٰ عصمة للارامل" آپ یتیموں کے مددگار اور بیواؤں کی عصمت کے محافظ ہیں۔ جب حضرت عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے اس وقت آپ معصوم بچپن میں تھے۔ انہوں نے آپ میں خیر کی علامات اور برکت کی نشانیاں دیکھ کر یوں کہا تھا۔ بعض اوقات ظاہر کو دیکھ کر باطن پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

و قل من ضمنت خیرا طویته   الا فی وجهه للخیر عنوان

ترجمہ: "کم ہی ایسا ہوا ہے کہ ان کی عادت میں جو مخفی ہو مگر ان کے چہرے پر خیر کا عنوان لکھ دیا جاتا ہے۔"

ثُمال کا معنی رب تعالیٰ کی ذات کی طرف منقطع ہونے والا یا رب تعالیٰ کی کفایت پر اعتماد کرنے والا۔

حرف الجیم

الجامع

الجبار

"یاد" نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب میں ہے "تقلد سیفك ایها الجبار فان ناموسك و شرائعك مقرونة بهيبة يمينك" رب تعالیٰ کے لیے اس کا معنی کسی چیز کی اصلاح کرنے والا۔ یا بلند شان والا یا متکبر ہے۔ آپ کے حق میں اس کا معنی یہ ہے کہ یا تو آپ نے اپنی امت کی ہدایت یا تعلیم کے ساتھ اصلاح کی یا دشمن پر غالب آتے یا سارے انسانوں سے مرتبہ میں بلندی پر فائز ہوئے۔ رب تعالیٰ نے آپ سے اس جبر کی نفی کی ہے جو تکبر کے معنی میں ہے جو آپ کے مناسب نہیں فرمایا:

مَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ (ق:۴۵)

ترجمہ: "آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں۔"

"الصحاح" میں ہے کہ جبر کا معنی یہ ہے کہ انسان فقر سے غنی ہو جائے یا اپنی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو درست کرے۔ ابن درید نے لکھا ہے کہ جبار کا معنی عظیم الخلق ہے جبار کا معنی لوگوں پر مسلط ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت طیبہ کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ یعنی مسلط انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ قتال کی آیت سے منسوخ ہے۔ الشیخ نے لکھا ہے کہ جبار اس وقت مسلط میں ہوگا۔ جب کہ آپ کو قتال کا حکم مل چکا ہو۔ زبور کے سیاق و سباق کے اعتبار سے بھی یہی معنی مناسب ہے۔ شرح میں ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرنے والے نہیں بلکہ داعی اور ہادی ہیں۔

الجَدّ

عظیم حصے والے جلیل القدر والے۔ الجد کا معنی ہے کوشش کرنے والا۔ یعنی آپ عبادت میں بہت زیادہ کوشش کرنے والے تھے۔

الجلیل

یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی عظیم ہے۔ جس کی صفات مکمل ہو جائیں۔ عظیم وہ ہوتا ہے۔ جس کی صفات جلیل ہوں، ذاتِ کبیر ہو۔ جلال اور جمال میں فرق یہ ہے کہ جلال صفت سلبیہ ہے جبکہ جمال صفت ثبوتیہ ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ذات جو جلال کی صفات سے متصف ہو۔ وہ کمال صفات کی طرف راجع ہو۔ جس طرح کبیر کمال ذات کی طرف راجع ہوتا ہے۔ عظیم ذات اور صفات دونوں کے کمال کا جامع ہوتا ہے۔

کرمانی نے کہا ہے کہ اگر کہا جائے کہ جلال، عظمت اور کبریاء میں کیا فرق ہے تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ مترادفات ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کبیر کی ضد صغیر، جلیل کی ضد دقیق، عظیم کی ضد حقیر ہے۔ ضد کے ساتھ ہی اشیاء واضح ہوتی ہیں۔ جب اس کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ایسے اوصاف سے متصف ہونا جو اس کے لائق ہیں ایک قول یہ ہے کبریاء کمالِ ذات کی طرف راجع ہے۔

الجھفم

یہ جعفر کے وزن پر ہے اس سے مراد وہ ذات ہے جس کا سر بڑا چہرہ گول کشادہ جبین اور سینہ وسیع ہو۔ یہ سارے اوصاف آپ میں پائے جاتے ہیں۔

الجوّاد

علامہ قشیری نے لکھا ہے کہ جواد کی حقیقت یہ ہے کہ انسان پر خرچ کرنا مشکل نہ ہو۔ یہ کرم کا پہلا مرتبہ ہے۔ سخاوت، پھر جود پھر ایثار ہے۔ جو بعض عطا کر دے بعض رکھ لے وہ سخی ہے جو اکثر خرچ کر دے اور کچھ رکھ لے وہ جواد ہے جو نقصان برداشت کرے دوسرے کو خود پر ترجیح دے وہ موثر ہے۔

الجواد

یہ الجود سے صفت مشبہ ہے۔ کریم اور سخی کو الجواد کہا جاتا ہے۔

حرف الحاء

الحاتم

”با“ نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ اسم گرامی سابقہ کتب میں موجود ہے۔ یہ حضرت کعب الاحبار علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ ثعلب کہتے ہیں ”اس کا معنی ہے کہ خلق کے اعتبار سے سارے انبیاء کرام سے حسین۔“

الحاشر

دوسرے باب کی احادیث میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے آپ نے فرمایا: ”انا الحاشر الذی یحشر الناس علی عقبی“ ایک روایت میں ”علی قدمی“ ہے۔ ”علی قدمی“ کے معنی میں اختلاف ہے یا تو اس کا معنی ہے ”میرا زمانہ میرا عہد“ کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے یا اس کا معنی ہے کہ میرے سامنے لوگوں کو اٹھایا جائے گا جیسے کہ ارشاد ہے:

وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ؕ (البقرہ: ۱۴۳)

ترجمہ: ”اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہوگا۔“

خطابی اور ابن دحیہ نے کہا ہے "اس کا معنی ہے اثری" یعنی آپ آگے آگے ہوں گے مخلوق آپ کے پیچھے پیچھے ہوگی۔ کیونکہ سب سے پہلے زمین آپ کے لیے شق ہوگی۔ پھر ہر نفس کو زندہ کیا جائے گا۔ جو آپ کے پیچھے ہوگا" خطابی نے لکھا ہے کہ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ روایت میں "علی عقبی" کے الفاظ ہیں۔ العزفی نے لکھا ہے "قدم کو اثر سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا تعلق اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک قول کے مطابق معنی یہ ہے علی اثری ای قرب قیامت جس طرح کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے اور قیامت کو اس طرح (اکٹھا) بھیجا گیا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ القدم سے مراد زمانہ ہو۔ یعنی میرے قدموں پر کھڑا ہونے کا وقت حشر کی علامات کو ظاہر کرے گا۔ یعنی آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ ہی کوئی شریعت ہوگی۔ حضرت نافع بن جبیر کی روایت میں ہے "میں حاشر ہوں جسے قیامت کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔" یا میری شہادت پر لوگوں کو اٹھایا جائے گا جو میں رب تعالیٰ کے لیے لوگوں پر دوں گا۔" اس کی تفسیر میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اس امر کا تقاضا یہ ہے کہ آپ محشور ہوں۔ حاشر سے اس کی تفسیر کیسے بیان ہو سکتی ہے۔ جبکہ یہ اسم فاعل ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ فعل کی فاعل کی نسبت اضافت ہے۔ اضافت تھوڑی سی مناسبت کے ساتھ بھی درست ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں نہ ہی آپ کی امت کے بعد کوئی امت ہے۔ تو حشر کو آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا کیونکہ یہ آپ کے بعد واقع ہوگا۔ "علی عقبی، علی قدمی" کو واحد اور تثنیہ دونوں طرح روایت کیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ نے حشر کے ساتھ اپنا وصف بھی بیان فرمایا ہے۔ فرمایا:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ۔ (یونس: ۴۵)

ترجمہ: "اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا"

وَّحَشَرْنٰهُمْ۔ (الکہف: ۴۷)

ترجمہ: "ہم جمع کریں گے انہیں"

اسی طرح آپ کا یہ اسم مبارک رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔"

حاط حاط

"ع" نے کہا ہے کہ زبور میں آپ کا یہ نام ہے۔

الحافظ

یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ رب تعالیٰ کے حق میں اس کا معنی یہ ہے "ساری موجودات کا عدم سے تحفظ۔ ضدات میں سے بعض کا بعض سے تحفظ" امام غزالی نے لکھا ہے کہ بندوں میں سے حافظ وہ ہوتا ہے جو اپنے اعضاء کی حفاظت کرتا ہے۔ اپنے دل اور دین کی غضب، شہوت کی صلابت، نفس کے دھوکہ اور شیطان کے فریب سے اس کی

حفاظت کرتا ہے۔ یہ حفظ سے اسم فاعل ہے۔ کیونکہ آپ امت اور وحی کے محافظ ہیں اس لیے آپ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ آپ سے نسیان کے وقوع کی وجہ سے آپ کے اس وصف میں اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مسجد میں ایک شخص کی قرأت سنی تو فرمایا: "رب تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے اس نے مجھے وہ آیت یاد کرا دی جو میں بھول چکا تھا۔" کیونکہ ایسا کبھی کبھار ہی ہوا ہے۔ جبکہ حکم اغلب پر لگایا جاتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

الحاکم

"د" نے آپ کا یہ اسم گرامی لکھا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ۔ (النساء:۱۰۵)

ترجمہ: "بیشک ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ تاکہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں۔"

الحامد

یہ حمد سے اسم فاعل ہے۔ حمد سے مراد رب تعالیٰ کی ایسی تعریف ہے جس کا وہ اہل ہے۔ "د" نے لکھا ہے کہ یہ اسم گرامی حضرت کعب نے ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے خواب میں کسی کو کہتے ہوئے سنا "آپ انسانوں میں سے بہترین ہستی اور سید العالمین سے حاملہ ہیں۔ جب ان کی ولادت ہو تو ان کا نام محمد رکھنا تورات میں ان کا نام حامد اور انجیل میں احمد ہے۔" آپ حامل لواء احمد بھی ہیں۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں حبیب اللہ ہوں میں بطور فخر نہیں کہہ رہا۔ روزِ حشر لواء حمد میرے پاس ہوگا میں یہ بطور فخر نہیں کہہ رہا۔"

شیخ سے لواءِ احمد کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا وہ حقیقی ہے یا معنوی؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ معنوی ہے۔ اس سے مراد حمد ہے کیونکہ لواء کی حقیقت جھنڈا ہے۔ یہ تو لشکر کا سپہ سالار پکڑتا ہے۔ حدیث پاک سے مراد یہ ہے کہ روزِ حشر آپ لوگوں کے سردار اور امام ہوں گے۔ اس وقت آپ رب تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے۔"

ابن اثیر نے روایت لکھی ہے کہ ہر دھوکہ باز کے لیے جھنڈا ہے۔ یعنی ایسی علامت ہے جس کی وجہ سے وہ لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے کیونکہ جھنڈے کو رئیس کی شہرت کی جگہ رکھا گیا ہے۔

الحامی

امت کی ہر ہلاکت اور بربادی سے حفاظت کرنے والے۔ یا بیت اللہ اور حرم پاک کی حفاظت کرنے والے اور مجرموں کے ہاتھوں سے اسے دور کرنے والے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ کے لیے روا تھا کہ

آپ اپنے نفس کی حفاظت کریں۔ اگرچہ اس کا وقوع آپ سے نہیں ہوا۔

الحائذ لامتہ من النار

یہ اسم فاعل ہے یعنی امت کو آتش جہنم سے بچانے والے۔

حبیب اللہ

یہ محبۃ سے فعیل کے وزن پر ہے۔ یہ مفعول یا فاعل کے معنی میں ہے۔ کئی احادیث میں اس کا ذکر ہے۔ قاضی نے لکھا ہے "اصل میں محبت اس چیز کی طرف میلان کا نام ہے جو محب کے موافق ہو لیکن یہ مفہوم اس شخص کے حق میں ہے جس سے میلان درست ہو۔ رفق سے فائدہ اٹھانا درست ہو۔ یہ مخلوق کا درجہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اغراض سے منزہ ہے۔ بندے کے ساتھ اس کی محبت یہ ہے کہ وہ بندے کو سعادت مند ہونے اور عصمت اور توفیق کی قدرت دے اس کے لیے قرب کے اسباب پیدا کرے۔ اس پر اپنی رحمت نچھاور کرے۔ اس کے دل سے حجابات اٹھا دے حتیٰ کہ وہ اسے اپنے دل کے ساتھ اسے دیکھ لے۔ بصیرت اور زبان کے ساتھ اس کی زیارت کرلے۔ وہ اس طرح ہو جائے جس طرح حدیث پاک میں ہے جب میں بندے سے پیار کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔"

"الاصطفاء" میں ہے کہ شرح المواقف میں ہے "رب تعالیٰ سے ہماری محبت ایک روحانی کیفیت ہے جو رب تعالیٰ کمال مطلق کے تصور سے مترتب ہوتی ہے۔ اور اس کا تقاضا ہے کہ حریم قدس کی طرف سستی اور کاہلی کے بغیر مکمل توجہ رکھی جائے۔ جبکہ رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے ہماری محبت وہ کیفیت ہے جو اس میں کمال کے تخیل پر مترتب ہوتی ہے۔ اس کا تعلق لذت کے ساتھ ہو یا شفقت یا مشاکلہ کے ساتھ ہو۔ جس طرح کہ عاشق کی اپنے معشوق کے ساتھ محبت۔ منعم علیہ کی منعم کے لیے محبت باپ کی بچے کے ساتھ محبت۔ پھر یہ ہمارے نزدیک رضا اور ترک اعتراض کے ساتھ ارادہ کی طرح ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ ارادہ کی طرح ہے۔ اسی پر یہ مترتب ہوتی ہے۔ جیسا کہ "الارشاد" میں ہے کہ حقیقت میں رب تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ارادہ ہے ارادہ متجدد کے متعلق ہوسکتا ہے لیکن رب تعالیٰ کا اول نہیں ہے۔

حبیب اور خلیل میں فرق یہ ہے کہ خلیل وہ ہوتا ہے جسے رب تعالیٰ پہلے آزماتا ہے۔ پھر اس سے محبت کرتا ہے جبکہ حبیب وہ ہوتا ہے جسے آزمائش کے بغیر ہی وہ محبت کرتا ہے۔

مقام محبت اور مقام خلت میں اختلاف کیا گیا ہے کہ ان میں سے افضل کون سا مقام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں برابر ہیں۔ خلیل وہی ہوتا ہے جو حبیب ہو اور حبیب وہی ہوتا ہے جو خلیل ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ محبت کا درجہ بلند

ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا رتبہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے بلند ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مقام خلت بلند ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: ''اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق کو اپنا خلیل بنا لیتا۔'' آپ نے انہیں خلیل نہ بنایا۔ حالانکہ آپ نے حضرت سیدہ خاتونِ جنت، ان کے نورانِ نظر اور حضرت اسامہ وغیرہم کے لیے محبت کا اظہار کیا۔''

اہل الاشارات نے محبت کی فضیلت میں بہت عمدہ کلام کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''خلیل وہ ہوتا ہے جو واسطہ کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (الانعام:۷۵)

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے دکھا دی ابراہیم کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔''

حبیب کے لیے فرمایا:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ (النجم:۹)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔''

خلیل وہ ہوتا ہے جس کی مغفرت طمع کی حد میں ہوتی ہے۔

وَالَّذِيٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (الشعراء:۸۲)

ترجمہ: ''اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لیے میری خطا روزِ جزا کو۔''

جبکہ حبیب کی مغفرت یقین کی حد میں ہوتی ہے۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح:۲)

ترجمہ: ''تاکہ دور فرما دے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت) سے پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت) بعد لگائے گئے۔''

خلیل آزمائش میں حسبی اللہ کہتا ہے۔ جبکہ حبیب کے لیے کہا جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ۔ (الانفال:۶۴)

ترجمہ: ''اے نبی (مکرم) کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ۔''

خلیل عرض کرتے ہیں:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ۔ (الشعراء:۸۵)

ترجمہ: ''اور بنا دے میرے لیے سچی ناموری۔''

حبیب سے کہا جاتا ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الانشراح:۴)

ترجمہ: ''ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔''

حبیب کو التجاء کے بغیر دیا جاتا ہے۔ خلیل عرض کرتے ہیں:

وَّاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ﴿۳۵﴾ (ابراہیم:۳۵)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح صاف کر دے۔''

حضرت قاضی صاحب نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا لب لباب اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ حضور ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔ یہ نہ کہا جائے کہ یہ اس وقت ہے کہ جب آپ کے لیے بھی مقام خلت ثابت ہو جائے کیونکہ آپ کے لیے مقام خلت ثابت ہے آپ کے لیے مقام محبت بھی ثابت ہے۔ نہ تو حضرت خلیل اللہ سے وصف محبت سلب کیا جائے گا خلت محبت سے اخص ہے۔ نہ ہی ہمارے نبی کریم ﷺ سے وصف خلت سلب کیا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رب تعالیٰ نے شب معراج آپ سے فرمایا: ''میں نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا ہے۔ اس امر پر اجماع ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ سارے انبیاء کرام سے افضل ہیں بلکہ رب تعالیٰ کی ساری مخلوق سے مطلق افضل ہیں۔''

حبیب الرحمان

آپ کا یہ اسم گرامی معراج کی حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جسے امام بزار وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حبنطی

''ع'' نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ اسم گرامی انجیل میں ہے جس کا معنی حق اور باطل میں فرق کرنے والا ہے۔

الحجازی

یہ حجاز کی طرف نسبت ہے۔ اس سے مراد مکہ مکرمہ، یمامہ اور ان کی بستیاں ہیں۔ اس علاقہ کو حجاز اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ تہامہ اور نجد کے مابین آڑ ہے۔

حجۃ اللہ علی الخلائق

''الفردوس'' میں سند کے بغیر مرقوم ہے ''میں رب تعالیٰ کی دلیل ہوں'' اس کا معنی ''برہان'' ہے۔

الحجۃ البالغۃ

حجت سے مراد وہ شی ہے جو صحیح قصد پر واضح دلالت کرے۔ بالغہ سے مراد ایسی کاملہ ہے جس میں نقصان نہ ہو۔

حرز الامیین

یعنی امیوں کے محافظ اور برائی کو ان سے روکنے والے۔ امام بخاری نے حضرت عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ملا۔ میں نے کہا: ''مجھے حضور اکرم ﷺ کے اوصاف بیان کریں۔'' انہوں نے فرمایا: ''ضرور! آپ کے بعض وہ اوصاف جو تورات میں ہیں وہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں۔'' ارشاد ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ (الاحزاب: ۴۵)

ترجمہ: ''اے نبی (مکرم) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور ہر وقت ڈرانے والا۔''

حرز سے مراد پناہ ہے، الامیین سے مراد اہلِ عرب ہیں یعنی آپ عذاب اور ذلت سے ان کی پناہ ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آپ اہلِ عرب اور غیر عرب سب کے لیے پناہ گاہ ہیں۔ پھر آپ کو امیین کے ساتھ مختص کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ کا تعلق اہلِ عرب کے ساتھ ہے۔ ان کی تخصیص کا قصد کیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ زیادہ توجہ اور ان کی شان کی وجہ سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ بنو اسرائیل کو اہلِ عرب کی شان اور رفعت سے آگاہ کرنا ہے جو اہلِ عرب کو آپ کی وجہ سے ملی نیز یہ کہ ان کا غیر ان کے تابع کی طرح ہے۔''

الحرمی

حرم مکی سے نسبت ہونے کی وجہ سے آپ کا یہ اسم گرامی رکھا گیا ہے۔

الحریص

یہ الحرص سے فعیل بمعنی مفعول ہے۔ مطلوب کے لیے ارادہ کی شدت کو حرص کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ۔ (التوبۃ: ۱۲۸)

ترجمہ: ''بہت ہی خواہش مند ہے تمہاری بھلائی کا۔''

الحریص علی الایمان، حزب اللہ

لوگوں کے گروہ کو حزب کہا جاتا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق ایسی جماعت کو حزب کہا جاتا ہے۔ جس میں سختی ہو۔ حزب اللہ سے مراد رب تعالیٰ کے متقی بندے اور اس کے دین کے مددگار ہیں۔

الحسیب

یہ احسبنی الشئی سے فعیل بمعنی مفعل ہے۔ اس سے عطاء حساباً ہے۔ یا اس سے حسب کے اعتبار سے شریف

اور کریم ہونا ہے۔ آباء، دین کے مفاخر اس میں شمار ہوتے ہیں۔ یا اس سے مراد فعل یا آباء میں کرم اور شرف ہے۔ حسب، کرم کی مانند ہے۔ یہ اس شخص میں بھی ہوسکتا ہے۔ جس کے آباء شرفاء میں سے نہ ہوں۔ لیکن شرف مجد کی طرح ہے۔ یہ صرف آباء کی شرافت کے ساتھ ہی پایا جاتا ہے۔ یہ محاسب یا مکافی کے معنی میں ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ امام غزالی لکھتے ہیں: ''صرف بطور مجاز ہی بندے کا اس وصف میں دخل ہوسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنے بچے کی نگرانی کے لیے کافی ہو یا اپنے شاگرد کی تعلیم کے لیے کافی ہو کہ اسے کسی دوسرے کی ضرورت نہ پڑے۔'' آپ کے حق میں یہ معنی صحیح ہے کیونکہ آپ اپنی امت کے لیے ان امور میں کافی ہیں۔ دین و دنیا میں جس کے وہ محتاج ہیں۔ وہ کسی دوسرے کے محتاج نہیں ہیں۔

الحفیظ

یہ حفظ سے فعیل کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد کسی چیز کے زائل ہو جانے سے اس کی حفاظت کرنا ہے۔ خواہ وہ امر ذہن میں ہو اور اس کے زائل ہونے کا سبب نسیان ہو یا خارج میں ہو تو اس کے زائل ہونے کا سبب تضیع ہو۔ یہ رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اس پر دونوں معنوں کا اطلاق صحیح ہے کیونکہ ساری اشیاء اس کے علم میں محفوظ ہیں۔ اس پر نسیان طاری نہیں ہوسکتا۔ وہ موجودات کی زائل ہو جانے سے حفاظت کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے جو تیرے راز کا تیرے اغیار سے تحفظ کرے اور تیرے ظاہر کی حفاظت اس طرح کرے کہ تو فجار کی رفاقت اختیار نہ کر سکے۔

رب تعالیٰ کا یہ فرمان:

وَمَآ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ﴿۸۶﴾ (ھود:۸۶)

ترجمہ: ''اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان۔''

کا معنی یہ ہے کہ میں تمہارے اعمال کی حفاظت کرنے والا نہیں اور ان پر تمہیں جزا دینے والا نہیں۔

فَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ﴿۸۰﴾ (النساء:۸۰)

ترجمہ: ''پھر تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر۔''

ہم نے آپ کو ان کے تحفظ کے لیے نہیں بھیجا۔ حتیٰ کہ وہ کفر اور گناہوں میں نہ گریں یا ان کے گناہ اور بدکاریوں کو جمع کریں اور ان پر ان کا محاسبہ کریں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت طیبہ قتال کی آیت سے منسوخ ہے۔ اس حکم کے بعد آپ پہلے معنی کے اعتبار سے حفیظ ہیں۔ کہ آپ اس سے انہیں دور کریں اور اس پر ان سے جہاد کریں۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے مفہوم یہ ہے کہ آپ روزِ حشر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ یہ الحافظ سے زیادہ بلیغ ہے۔

الحق

اس کا معنی ثابت ہے۔ اس کی اصل واقع کے ساتھ مطابقت یا محق یا حق کے مظہر کے ساتھ مطابقت ہے۔ رب تعالیٰ کے ارشادات ہیں:

جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ (یونس:۱۰۸)

ترجمہ: "بے شک آگیا ہے تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے۔"

حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ (الزخرف:۲۹)

ترجمہ: "یہاں تک کہ آگیا ان کے پاس حق اور کھول کر بیان کرنے والا رسول۔"

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ (الانعام:۵)

ترجمہ: "بے شک انہوں نے جھٹلایا حق کو جب وہ ان کے پاس آیا۔"

ایک قول یہ ہے کہ اس جگہ حق سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ دوسرے قول کے مطابق حق سے مراد قرآن پاک سے ارشاد پاک ہے:

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ۔ (آل عمران:۸۶)

ترجمہ: "اور وہ (پہلے خود) گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے۔"

حدیث شفاعت میں ہے "محمد حق" اس کا معنی ثابت ہے۔ یہ اسم رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کا معنی وہ موجود ہے جس کا امر اور الوہیت متحقق ہو۔ یا کسی چیز کو اس طرح بنانے والا ہے۔ جس طرح اس کی حکمت تقاضا کرے۔ آپ ﷺ کے حق میں اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کی صداقت اور نبوت متحقق ہے۔

امام فخرالدین رازی نے صدق اور حق کے مابین فرق کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ کسی چیز کا واقع کی طرف نسبت صدق ہے۔ جو کچھ واقع میں ہے اس کی کسی چیز کی طرف نسبت حق ہے۔

الحکم

اس کا معنی حاکم یا مانع ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اس سے مراد ایسا حاکم ہے۔ جس کے حکم کو کوئی لوٹانے والا نہ ہو۔ نہ ہی اس کے فیصلہ پر کوئی گرفت کرسکتا ہو۔ ارشادِ پاک ہے:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا۔ (الانعام:۱۱۴)

ترجمہ: "(آپ ان سے پوچھئے) کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور منصف۔"

الحکیم

"ع" نے لکھا ہے کیونکہ آپ نے جان لیا۔ عمل کیا اور اپنے رب تعالیٰ کا یقین کیا۔ شیخ نے لکھا ہے کہ یہ حکمت سے فعیل کے وزن پر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ (البقرۃ:۱۲۹)

ترجمہ: "سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں۔"

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ (الاسراء:۳۹)

ترجمہ: "یہ ہدایات جنہیں بذریعہ وحی آپ کی طرف آپ کے رب نے بھیجا ہے اور یہ دانائی کی باتوں میں سے ہیں۔"

وہ ذات جو علم اور تعلیم کے اعتبار سے حکمت سے متصف ہوتی ہے۔ وہ حکیم ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں حکمت سے کیا مراد ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ (البقرۃ:۲۶۹)

ترجمہ: "عطا فرماتا ہے دانائی جسے چاہتا ہے۔"

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن پاک کی معرفت اور فہم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد درست بات ہے۔ یا ایسا علم ہے جو عمل تک لے جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سنت یا خشیتِ الٰہی ہے۔ حدیث پاک ہے:

"حکمت کی بنیاد خوفِ الٰہی ہے۔" (ابن مردویہ)

امام مالک نے فرمایا ہے: "میرے دل میں آیا ہے کہ حکمت سے مراد دین الٰہی کی سوجھ بوجھ ہے۔ اس سے مراد ایسا امر ہے۔ جو رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی شخص کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تم ایک شخص کو دیکھو گے۔ جو دنیا کے معاملہ میں دانا ہوگا۔ دوسرے کو دیکھو گے کہ وہ دنیاوی معاملہ میں کمزور ہوگا لیکن اپنے دین حق کے معاملات سے آگاہ ہوگا۔ رب تعالیٰ نے اسے یہ نعمت عطا کر دی اُسے اس سے محروم کر دیا۔" آپ ان سارے معانی کے اعتبار سے حکیم ہیں۔ "الشرح" میں ہے کہ آپ امور کو محکم فرمانے والے میں یہ احکام سے فعیل مفعل کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی محکم کرنا ہے یا یہ حکم سے فاعل کے معنی میں ہے یہ اصلاح کے لیے روکنا ہے۔ یہ حکمت سے اعم ہے۔ ہر حکمت حکم ہے لیکن اس کے برعکس نہیں۔ کیونکہ حکم یہ ہے کہ ہم کسی چیز پر کسی چیز کے ساتھ ایجاب یا سلب کا فیصلہ کریں۔ یا اس سے مراد ذوالحکمۃ ہے۔ اس سے مراد افضل علوم کے ساتھ افضل اشیاء کی معرفت ہے۔ علم اور عقل کے ذریعے حق تک پہنچنا ہے۔ رب تعالیٰ کے بارے اس کا معنی یہ ہے اشیاء کو جاننا اور صحیح طرح انہیں پیدا کرنا۔ انسان کے حق میں اس کا معنی

یہ ہے۔ موجودات کی معرفت اور عمدہ کام کرنا۔

الحلیم

"ذ" نے فرمایا ہے کہ تورات میں آپ کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے۔ یہ حلم سے اسم فاعل مبالغہ کے لیے ہے۔
جناب ابوطالب نے آپ کی تعریف میں فرمایا:

حلیم رشید عادل غیر طائش   یوالی الھا لیس عنه بغافل

ترجمہ: "آپ حلیم، رشید اور نازیبا گفتگو نہ کرنے والے ہیں۔ آپ اس معبود سے محبت کرتے ہیں جو آپ سے غافل نہیں ہے۔"

الحِلْم سے مراد امور میں تثبت ہے اور عجلت کو ترک کرنا ہے۔ آپ کو اس فرمان جو آپ نے اشج عبدالقیس سے فرمایا تھا: "تم میں دو خصلتیں ہیں جنہیں رب تعالیٰ اور اس کا رسول محترم ﷺ پسند کرتے ہیں۔ وہ حلم اور تثبت ہیں۔" اس میں حلم یا اناۃ پر عطف تفسیر ہے۔ اس سے مراد خاص عقل ہے۔ قاضی نے لکھا ہے "اس سے مراد وہ حالت ہے جو اسباب اور حرکات کے وقت محکم اور ثابت رہتی ہے۔" دوسرے علماء نے فرمایا: "اس سے مراد غضب کے ہیجان کے وقت طبیعت اور نفس کا ضبط ہے۔" قاضی نے لکھا ہے "اس مراد آلام اور مصائب کے وقت نفس کو روک لینا ہے۔" اس کی مثال صبر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس کی جمع احلام ہے ارشادِ ربانی ہے:

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ۔ (الطور: ۳۲)

ترجمہ: "کیا حکم دیتی ہیں انہیں ان کی عقلیں۔"

عقل کو حِلم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ حِلم کا سبب ہوتی ہے۔ ابن عطیہ نے لکھا ہے کہ یہ عقل ہی ہے۔ جب اس کے ساتھ استحکام اور ثبات ملایا جائے۔ آپ سارے لوگوں سے زیادہ حلیم تھے۔ ہر حلیم سے کبھی لغزش ہو جاتی ہے۔ خطاء ہو جاتی ہے مگر آپ نے کثیر تکالیف کے باوجود صبر کا مظاہرہ ہی کیا۔ آپ نے حِلم کا ہی اظہار کیا۔ حِلم رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ رب تعالیٰ کے حق میں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جو سزا دینے میں جلدی نہ کرے۔ اس کے اور حقود کے مابین فرق یہ ہے کہ حقود وہ ہوتا ہے جو انتقام کو فرصت کے وقت تک کے لیے مؤخر کر دیتا ہے۔ مگر حلیم اسے توبہ کے انتظار میں مؤخر کرتا ہے۔ عنقریب وہ فرق آئے گا جو اس کے، صبر اور عفو کے مابین ہے۔

الحلاحل

اس سے مراد، سردار، بہادر یا زیادہ مروت والا ہے۔ گویا کہ یہ حلول اور استقرار سے مشتق ہے۔ کیونکہ اضطراب اور ثبات کی قلت سرداروں کی علامت نہیں ہوتی۔ ایک شاعر نے حضور ﷺ کی تعریف میں کہا

و عربة ارض ما يحل حلالها من الناس الا اللوذعي الحلاحل

ترجمہ: "سرزمین مکہ مکرمہ وہ جگہ ہے جہاں لوگوں میں سے صرف وہ اترا ہے جو بہت زیادہ دانا اور بہادر ہے۔"

شاعر نے آپ کے اس فرمان کی طرف اشارہ کیا ہے "رب تعالیٰ مکہ مکرمہ سے ہاتھی کو روک رہا تھا۔ لیکن اپنے رسول مکرم ﷺ اور اہلِ ایمان کو اس پر مسلط فرما دیا۔ یہ مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں ہوا تھا۔ میرے لیے بھی ان کی ایک گھڑی (ساعت) کے لیے حلال ہوا۔ یہ میرے بعد بھی کسی کے لیے حلال نہ ہوگا۔"

الحماد

یہ حمد سے مشتق ہے۔ یعنی بہت زیادہ حمد کرنے والا۔

حمّطایا

ابونعیم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سابقہ کتب میں حضور ﷺ کے یہ اسمائے گرامی تھے:

احمد، محمد، ماحی، مقفی، نبی الملاحم، حمطایا، فاوقلیط اور ماذ ماذ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ابوعمر زاہد نے کہا ہے کہ میں نے اس شخص سے پوچھا جس نے یہودیت سے اسلام قبول کیا تھا۔ اس نے کہا اس کا معنی یہ ہے جو حرم کا تحفظ کرے اور حرام سے روکے۔" ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ آپ نے بتوں، بدکاری اور گناہوں سے حرم پاک کی حفاظت کی۔"

الحمید

یہ فعیل کے معنی ہے جو حامد یا محمود کے معنی میں ہے یہ حمد سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد تعریف کرنا ہے۔ یعنی وہ ذات جس کے اخلاق محمود ہوں۔ افعال پسندیدہ ہوں۔ یا رب تعالیٰ کی ایسی تعریف کرنے والا کہ کوئی اور اس طرح تعریف نہ کرسکتا ہو یا کثیر المحامد۔ یہ رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جس نے ازل سے اپنی تعریف کی۔ پھر ابد تک اس کے بندوں نے اس کی تعریف کی۔ یا وہ ذات جو حمد کی مستحق ہے کیونکہ وہ ہر کمال کے ساتھ متصف ہے۔ اور یہ ہر قسم کی نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔

حم، عسق

اسے "د" نے ذکر کیا ہے۔ یہ آپ کے اسماء میں سے ہے۔ امام جعفر بن محمد سے روایت ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔

الحنان

اس سے مراد رحمۃ ہے۔

الحنیف

دین اسلام کی طرف مائل اور اس پر ثابت قدم۔ یا اس رستہ سے ہٹ کر حق اور استقامت کے رستہ پر چلنے والا۔ جس پر عام لوگ نہ چلیں۔ ارشادِ پاک ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ (النحل: ۱۲۳)

ترجمہ: "پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا۔"

حنیفا کا معنی طاہراً ہے۔ نہایہ میں روایت ہے۔ "خلقت عبادی حنفاء" میں نے لوگوں کو پاکیزہ پیدا کیا ہے۔ مگر وہ سارے مسلمان نہیں ہے کیونکہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ (التغابن: ۲)

ترجمہ: "پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مؤمن ہیں۔"

الحیی

کثیر حیاء والے۔ قبائح سے نفس کے انقباض کو حیاء کہا جاتا ہے امام دارمی نے حضرت سہل بن سعد سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ بڑے باحیاء تھے۔ آپ سے جس چیز کے بارے بھی سوال کیا جاتا۔ آپ ضرور عطا فرما دیتے۔"

الحیّ

زندہ، اپنی قبر انور میں نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے اس کی مزید تفصیل قبر انور میں آپ کی حیاتِ طیبہ کے بارے آئے گی۔

الحاتِم الحاتَم

"د" نے ان دونوں اسماء کا ذکر کیا ہے۔ "الحاتم" کا معنی ہے کہ آپ سارے انبیائے کرام سے خلق اور خلق میں عمدہ ہیں کیونکہ آپ انبیائے کرام کا جمال ہیں۔ آپ اس انگوٹھی کی مانند ہیں جس سے جمال حاصل کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جب نبوت سمٹی اور مکمل ہوئی تو وہ اس مہر کی طرح ہو گئی۔ جسے خط کے اختتام پر لگایا جاتا ہے۔ الخاتم کا معنی آخری نبی ہے۔ یہ ختمت الشئی سے اسم فاعل ہے۔ آپ خاتم النبیین ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (الاحزاب: ۴۰)

ترجمہ: ''نہیں محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔''

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ''میری اور مجھ سے قبل انبیاء کرام کی مثال وہ شخص ہے جس نے گھر بنایا۔ اس نے اسے حسین اور مکمل بنایا۔ صرف کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رکھی۔ وہ اس عمارت کے اردگرد چکر لگانے لگے وہ اس پر تعجب کرنے لگے۔ انہوں نے پوچھا: ''یہ اینٹ کیوں نہ لگا دی گئی۔ میں ہی وہ اینٹ ہوں۔ میں خاتم النبیین ہوں۔'' عنقریب مزید تفصیل آئے گی۔ آپ کے خاتم النبیین ہونے کی کئی حکمتیں ہیں:

1. آپ پر رحمت کا اختتام ہوا۔
2. آپ کی امت زمین پر زیادہ دیر نہ رہے۔ یہ بھی آپ کی تکریم ہے۔
3. ہم گزشتہ اقوام کے حالات سے آگاہ ہیں۔ رب تعالیٰ نے آپ کی امت کو آخری امت بنایا۔ تاکہ دوسرے ان کے احوال سے آگاہ نہ ہوں۔ یہ بھی آپ کی تکریم ہے۔
4. اگر آپ کے بعد نبی ہوتا تو وہ آپ کی شریعت کا ناسخ ہوتا۔ آپ کا شرف اس میں ہے کہ آپ کی شریعت ساری شریعتوں کی ناسخ ہو، منسوخ نہ ہو۔ اسی لیے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اپنی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے کیونکہ وہ منسوخ ہو چکی ہے۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ نہ کوئی نیا نبی بنے گا نہ ہی نیا نبی تخلیق ہوگا۔ اگرچہ حضرت عیسیٰ آپ کے بعد موجود ہیں۔

الخازن لمال اللہ

اسے ''ذ'' نے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بخدا! میں تمہیں نہ کچھ عطا کرتا ہوں نہ ہی کسی چیز سے روکتا ہوں مگر میں خازن ہوں۔ میں چیز کو اسی جگہ رکھتا ہوں جہاں مجھے حکم دیا جاتا ہے۔ (امام احمد) امام نووی نے لکھا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے ''میرے پاس جو کچھ ہے میں اس کا خازن ہوں۔ میں اسے اس طرح تقسیم کرتا ہوں جس طرح مجھے حکم دیا جاتا ہے۔ سارے امور رب تعالیٰ کی مشیت سے رونما ہوتے ہیں۔''

الخاشع

الخشوع لغت میں سکون کو کہتے ہیں۔ الازہری نے لکھا ہے ''التخشع کا معنی التذلل ہے۔'' ''المحکم'' میں ہے خشع الرجل سے مراد ہے آدمی کا زمین کی طرف نگاہ لے جانا۔ اہلِ تصوف نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ حق کے لیے جھکنا۔ بعض نے کہا کہ پوری ہمت کے ساتھ دل کا رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا۔'' حسن نے کہا ہے کہ خشوع سے مراد وہ دائمی خوف ہے جو ہمہ وقت دل پر طاری رہتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ھو تذلل القلوب لعلام الغیوب محمد

بن علی الترمذی نے لکھا ہے "وہ شخص خاشع ہوتا ہے جس نے اپنی شہوت کی آگ بجھا دی ہو۔ اس کے سینے کا دھواں پرسکون ہو۔ دل میں تعظیم کا نور چمک رہا ہو۔

اس کی شہوت مر گئی ہو۔ اس کا دل زندہ ہو گیا ہو اس کے اعضاء پر خشوع طاری ہو۔" علامہ قشیری نے لکھا ہے "علماء کا اتفاق ہے کہ خشوع کا محل دل ہے۔ یہ تواضع کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔"

الخاضع

الصحاح میں ہے کہ اس سے مراد جھکنا اور عاجزی کرنا ہے۔ الزھری نے لکھا ہے خضوع خشوع کے قریب ہے۔ لیکن خشوع بدن، آواز اور نگاہ میں ہوتا ہے جبکہ خضوع گردن میں ہوتا ہے۔

الخافض

یعنی خافض الجناح یہ خفض سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد نرمی کرنا اور پہلو جھکانا ہے۔ ارشادِ پاک ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾ (الشعراء: ٢١٥)

ترجمہ: "آپ نیچے کیا کیجیے اپنے پروں کو ان لوگوں کے لیے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہلِ ایمان سے۔"

یا وہ ذات جو اپنی سطوت سے جابروں اور وقت کے کسریٰ کو توڑ کر رکھ دے۔" یہ رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اس کا معنی مصائب اور تکالیف کو دور کرنے والا ہے۔ یا اس سے مراد وہ ذات ہے جو بدبختوں کو دور کر کے نیچا کرتا ہے اور متقیوں کو قریب کر کے بلند کرتا ہے۔

الخالص

میل کچیل سے پاک اور صاف۔

الخبیر

اسے "یاذ" نے رب تعالیٰ کے اس فرمان سے اخذ کیا ہے:

واسأل بہ خبیراً۔

قاضی ابوبکر بن العلا نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ سے علاوہ کسی اور سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے مسئول خبیر ہے۔ وہ حضور ﷺ کی ذات ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ نام رب تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے۔ رب تعالیٰ کے حق میں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہر چیز کی حقیقت سے آگاہ ہے۔ یا اس کا معنی مخبر ہے۔ حضور ﷺ دو اعتبار سے خبیر ہیں۔

1. کیونکہ آپ رب تعالیٰ کے مخفی علم اور عظیم معرفت کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔
2. آپ رب تعالیٰ کے اذن سے اپنی امت کو آگاہ کرنے والے ہیں خبیر، علم اور شہید میں فرق شہید کی تعریف میں

آئے گا۔

خطیب النبیین

حدیث شفاعت میں ہے "میں انبیائے کرام کا امام اور خطیب ہوں گا، یعنی ان کا پیش رو اور کلام کرنے والا ہوں گا۔ خطیب وہ ہوتا ہے جو عمدہ خطبہ دے سکتا ہو۔ یہ وہ منثور اور مسجع کلام ہوتی ہے۔ جو خطیب منبر پر کرتا ہے۔ یہ الخطب یا المخاطبۃ یا الاخطب سے مشتق ہے۔

خطیب الامم، خطیب علی اللہ تعالیٰ

"ط" نے ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔ الامم امۃ کی جمع ہے۔ وافد کی جمع وافدین ہے۔

الخلیل، خلیل الرحمان

انہیں "خاء" نے ذکر کیا ہے عنقریب خلت کے معنی میں اسی پر گفتگو ہوگی۔

خلیل اللہ

امام احمد وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا تمہارا یہ ساتھی (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔"

یہ فعیل کے وزن فاعل کے معنی میں ہے یہ الخلۃ سے مشتق ہے۔ اس سے مراد وہ محبت ہے جو دل میں اتر جاتی ہے۔ دل میں رچ بس جاتی ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے:

قد تخللت مسلك الروح منی و لذا سمی الخلیل خلیلا

فاذا مانطقت كنت حدیثی و اذا ما سكت كنت العلیلا

ترجمہ: "اب آپ میری روح کی جگہ پر رواں ہیں۔ اسی لیے خلیل کہا جاتا ہے۔ جب میں بولتا ہوں تو آپ ہی میرا موضوع باعث ہوتے ہیں۔ جب میں خاموش ہو جاتا ہوں تو میں بیمار ہو جاتا ہوں۔"

یہ اس محبت الٰہیہ کی نسبت سے درست ہے جو حضور ﷺ کے قلب انور میں تھی۔ رب تعالیٰ کے بارے اس لفظ کا اطلاق مقابلہ کے اعتبار سے ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ خلت کا اصل معنی الاصطفاء ہو۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ رب تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت اور عداوت رکھتے تھے۔ آپ کے لیے رب تعالیٰ کی خلت اس کی آپ کے لیے نصرت ہے۔ اس نے آپ کو خیر الخلق بنایا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ الخلۃ سے مشتق ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے آپ کو خلیل اس لیے کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ سب سے منقطع ہو کر اپنے رب کے ساتھ لو لگا چکے تھے۔ اور صرف اسی سے ہی اپنی حاجت بیان کرتے تھے۔ امام واحدی نے لکھا ہے "پہلا قول ہی درست ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خلیل محمد اور حضور ﷺ خلیل

اللہ ہیں۔ "اگر خلت کا معنی حاجت کیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کا خلیل نہیں ہو سکتا۔

الخلت محبت سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ بعض کوتاہ اندیشوں نے خیال کیا ہے کہ محبت کا درجہ خلت سے زیادہ ہے کیونکہ حضرت ابراہیم خلیل ہیں۔ حضور ﷺ حبیب اللہ ہیں۔ ان کی جہالت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ محبت عام ہے جبکہ خلت خاص ہے۔ یہ محبت کی انتہاء ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا ہے۔ لیکن آپ نے نفی فرمادی ہے کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور آپ کا خلیل ہو۔ حالانکہ آپ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، ان کے والد گرامی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے تھے۔ اسی طرح رب تعالیٰ توابین، متطہرین، صابرین سے محبت کرتا ہے جبکہ اس کی خلت دو خلیلوں کے ساتھ خاص ہے۔" ابن قیم نے طویل گفتگو کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ علم اور فہم کی قلت کی وجہ سے ہے۔ علامہ زرکشی نے بردہ شریف کی شرح میں لکھا ہے "بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ محبت خلت سے افضل ہے۔ وہ کہتے ہیں محمد عربی ﷺ حبیب اللہ ہیں جبکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ یہ نظریہ کمزور ہے کیونکہ خلت خاص ہے۔ یہ محبت اور محب کا اکٹھا ہو جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:" اللہ تعالیٰ توابین سے محبت کرتا ہے۔ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اسی طرح خلیل بنایا ہے جس طرح اس نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا تھا۔

الخلیفہ

وہ ذات جو کسی دوسرے کی جانشین بنے اس میں ھاء مبالغہ کے لیے ہے۔ اسی لیے آپ کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے زمین کو آباد کرنے، لوگوں کے امور سلجھانے، ان کے نفوس کی تکمیل اور اس میں امورِ الٰہیہ کے نفاذ کے لیے انہیں اپنا خلیفہ بنایا تھا خلیفہ کی ضرورت رب تعالیٰ کو نہیں بلکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ اس کے فیضان کو قبول کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ واسطہ کے بغیر رب تعالیٰ کا امر قبول نہیں کر سکتے۔

خلیفۃ اللہ

"ذ" نے اس کا ذکر کیا ہے احادیث معراج میں ہے "نعم الاخ و نعم الخلیفہ. نعم المجیی" حدیث پاک میں خلیفہ کے لفظ کا اطلاق رب تعالیٰ پر بھی کیا گیا ہے۔ "اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفہ فی االاھل" یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کا یہ نام رکھا ہے "ذ" نے لکھا ہے کہ اس کا معنی وکیل، باقی اور آخر کے معنی کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ خلافت کا عمل اس شخص کے جانے کے بعد شروع ہوتا ہے جس کا وہ خلیفہ ہوتا ہے۔ لیکن رب تعالیٰ کا وجود تو دائمی ہے وہ سب سے بعد بھی رہے گا۔ الشیخ نے لکھا ہے "آپ کے حق میں اس کا معنی یہ ہے کہ آپ تعالیٰ کے زمین میں خلیفہ ہیں اس کی مخلوق میں اس کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں یہ وکیل کے معنی کے

قریب ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ باقی کے معنی میں ہو یعنی جس کا دین اور شریعت باقی ہو۔ کیونکہ یہ دین حق سارے ادیان کے بعد آیا ہے یہ منسوخ نہیں ہوگا۔ یا یہ آخر کے معنی میں ہے کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔

الخیر

اس کا معنی فضل اور نفع ہے۔ یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ کی وجہ سے آپ کی امت کو بہت زیادہ خیر ملی۔ یا الفاضل کے معنی میں ہے کہا جاتا ہے اجل خیر۔ جیسے عدل یا خیّر جیسے کیّس یعنی فاضل یا اس سے مراد فضل و احسان [illegible] والا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

اُذُنُ خَیۡرٍ لَّکُمۡ۔ (التوبہ:٦١)

ترجمہ: "وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا۔"

امام خطابی نے بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ وہ خیر اور فضل میں فرق کرتے تھے۔ کیونکہ خیر کے دروازے متعدد ہیں کیونکہ افضلیت قاصر ہے۔ کہا جاتا ہے آزاد ہاشمی حبشی غلام سے افضل ہے۔" لیکن ممکن ہے حبشی غلام کثیر اطاعت اور لوگوں کے لیے نفع بخش ہونے میں اس سے بہتر ہو۔"

خیر الانبیاء

یعنی انبیاء سے افضل۔ اخیر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس میں تفضیل کا معنی پایا جاتا ہے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جیسے کہ اشر میں ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کا استعمال کثیر ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار یہ استعمال ہو سکتا ہیں جیسے بلال خیر الناس و ابن الاخیر۔

خیرۃ اللہ

اس کا معنی مخلوق میں سے پسندیدہ اور چیدہ ہیں یا لوگوں میں سے افضل اور کثیر خیر والے کے معنی میں ہے۔

خیر البریہ، خیر الناس، خیر العاملین، خیر خلق اللہ

"ذ" نے ان اسماء کا ذکر کیا ہے یہ اسماء مشہور روایات اور احادیث سے معروف ہیں۔ خصائص میں مزید تفصیل آئے گی۔

خیر ھذہ الامۃ

امام بخاری نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضرت ابن عباس نے مجھ سے پوچھا" کیا آپ نے شادی کر لی ہے؟" میں نے کہا: "نہیں!" انہوں نے فرمایا: "شادی کرو۔ اس امت کے بہترین (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی سب سے زیادہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔"

حرف دال

دار الحکمۃ

الشیخ نے اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اخذ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں حکمت کا گھر اور علی المرتضیٰ اس کا دروازہ ہیں۔" حاکم نے اس روایت کو صحیح اور ابن جوزی نے اس کے موضوع ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ الشیخ نے ان کی گرفت کی ہے۔ حافظ علائی اور ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ روایت نہ صحیح ہے نہ موضوع بلکہ حسن ہے۔ میں نے اپنی دوسری کتاب میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔

الداعی الی اللہ

امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ آرام فرما تھے۔ انہوں نے آپ کے لیے ایک ضرب المثل بیان کی کہ آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا۔ اس میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ اس نے ایک دعوت دینے والا بھیجا۔ جس نے داعی کے جواب میں لبیک کہا وہ گھر میں داخل ہو گیا اس نے دعوت کھائی جس نے داعی کو لبیک نہ کہا وہ نہ گھر میں داخل ہوا اور نہ ہی کھانا کھایا۔" پھر انہوں نے کہا: "گھر جنت ہے۔ داعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جس نے آپ کی نافرمانی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔"

آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ لوگوں کو اطاعت الٰہیہ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ انہیں اس پر ابھارتے تھے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ۔ (الاحزاب: ۴۶)

ترجمہ: "دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے۔"

یعنی آپ رب تعالیٰ کی توحید اور عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ باذنہ سے مراد یہ ہے کہ اس ذات کے آسان بنانے کے ساتھ آپ دعوت دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے الاذن کا لفظ عاریۃً لیا گیا ہے کیونکہ یہ اسی پر مترتب ہوتا ہے۔ کیونکہ اس امر میں داخل ہونا ایک رسول کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ جب الاذن پایا گیا تو یہ آپ کے لیے آسان ہو گیا۔ اس سے اس مشکل کا شعور ہوتا ہے۔ جو آپ کی تبلیغ اور اہلِ شرک کو توحید کی طرف بلانے کے لیے جس کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ انتہائی مشکل کام تھا۔ رب تعالیٰ نے اپنی مدد اور اعانت سے اسے آسان کر دیا۔ یا اس کا معنی رغبت رکھنے والا اور رب تعالیٰ سے بھلائی طلب کرنے والا ہے۔ یہ دعاء سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی رغبت اور گریہ زاری سے طلب کرنا اور مانگنا ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اپنا نام بھی یہی فرمایا ہے۔

وَاللّٰهُ یَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِؕ (یونس:۲۵)

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے امن وسلامتی کے گھر کی طرف۔"

الدامغ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "دامغ جیشات الاباطیل" آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے۔ کیونکہ آپ نے باطل کو حق کے ساتھ ضرب لگائی۔ وہ مٹ گیا۔ آپ نے حجۃ البالغہ کی تلوار کے ساتھ شرک کے لشکروں کی کمر توڑ دی۔

الدانی

یہ "الدنو" سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی قرب ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰىۙ (النجم:۸)

ترجمہ: "پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا۔"

الدعوة

اس سے مراد کلمۂ توحید ہے۔ یعنی اس کلمہ کی طرف دعوت دینے والے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا کیونکہ آپ نے سب سے لوگوں کی ہدایت کی طرف راہ نمائی کی۔ یا یہ الموعو بہ کے معنی میں ہے مصدر کا اطلاق اسم مفعول پر کیا گیا ہے۔

دعوة ابراهيم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔"

دعوة النبيين، دليل الخير

دلیل کا معنی ہادی ہے۔

دهتم

یہ جعفر کے وزن پر ہے جس کا حسنِ اطلاق کا مالک ہے۔

حرف ذال

الذاكر

یہ ذکر سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد رب تعالیٰ کی تقدیس وتسبیح بیان کرنا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

وَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ﴿۲۰۵﴾ (الاعراف:۲۰۵)

ترجمہ: ''اور یاد کرو اپنے رب کو صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی اور نہ ہو جاؤ (یاد الٰہی سے) غافل رہنے والوں میں سے اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے چلائے بغیر (یوں یاد کرو)۔''

امام رازی نے لکھا ہے ''اس کا معنی یہ ہے کہ لازم ہے کہ ہر وقت اور ہر لحہ ذکر حاصل ہو۔ ذکر قلبی کی مداومت لازم ہے۔ کیونکہ ولا تکن من الغافلین کا تقاضا ہے کہ انسان ایک لحظہ کے لیے رب تعالیٰ کے جلال اور کبریائی کو دل میں طلب کرنے سے غفلت نہ برتے۔ جتنی کہ انسانی قویٰ میں طاقت ہوتی ہے۔ انسانی طاقت میں جتنی وسعت ہے۔ بلاشبہ حضور اکرم ﷺ ساری مخلوق سے بڑھ کر اس امر سے پیار کرتے تھے۔ آپ سب سے بڑھ کر اس امر کے مستحق تھے کہ درجہ کمال اور مشاہدہ حق میں استغراق کا رتبہ، آپ کے ساتھ مختص ہو۔

الذخر

آخرت کے لیے کچھ ذخیرہ کرنا۔

الذکر

اس کا معنی قوی، شجاع، ثناء اور شرف ہے۔ ''ع ذ'' نے کہا ہے کیونکہ آپ نفس کے اعتبار سے معزز ہیں دوسروں کو عزتیں عطا کرنے والے ہیں۔ دوسروں کو شرف کے بارے بتانے والے ہیں آپ میں ذکر کی تینوں وجوہ جمع ہیں۔ آپ اس امت کا بھی شرف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكُمۡ ذِكۡرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوۡلًا۔ (الطلاق:۱۰)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف نازل کیا ذکر ایک رسول۔''

ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی ذاتِ والا ہے۔ دوسرے کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت جبرائیل امین ہیں۔ رسولاً ذکراً کا حال یا بدل ہے یا اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس صورت میں رسول ذکر کا بدل ہوگا۔ مضاف محذوف ہوگا یعنی ذکرا رسولا ای صاحب ذکر یا وہ اس محذوف کی صفت ہوگا۔ مجاہد نے کہا ہے کہ رب تعالیٰ اس فرمان میں:

اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴿۲۸﴾ (الرعد:۲۸)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔''

میں ذکر سے مراد حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام ہیں۔''

الذکار

الشیخ نے اس نام کو ''الاذاہ'' والی سابقہ روایت سے اخذ کیا ہے۔ ''واجعلنی لك ذکارًا'' مجھے بہت زیادہ ذکر کرنے والا بنادے۔ یعنی آپ اپنے رب کا کثیر ذکر کرتے تھے۔ سوئے ہوئے جاگتے ہوئے۔ حرکات وسکنات میں قیام و قعود میں ہر مشہور احوال میں رب تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے ابن ماجہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ ہر ہر آن اپنے رب تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

ذِکر اللہ، الذکر

الذَکر کا معنی جلیل اور عظیم ہے اس سے ہے کہ قرآن مجید جلیل القدر رہے اس لیے اسے عظیم سمجھا کرو۔

ذوالتاج

تاج والے اس سے مراد عمامۃ ہے۔ کیونکہ عمامے اہلِ عرب کے تاج تھے۔ آپ عمامہ شریف باندھا کرتے تھے۔

ذوالجہاد

صاحبِ جہاد۔ یہ الجَہد سے مشتق ہے اس کا معنی تھکاوٹ اور مشقت ہے۔ یا یہ الجُہد ہے اس کا معنی طاقت ہے۔ راہِ خدا کا مجاہد ذاتِ خداوندی کے لیے اور اعلائے کلمۂ حق کے لیے خود کو بہت زیادہ تھکاتا ہے۔ اس کا جنت راستہ بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد جہاد القلب ہے۔ اس سے مراد شیطان کو دور کرنا نفس کی خواہشات سے رکنا ہے۔ اسی طرح ہاتھ اور زبان کا جہاد ہے۔ اس سے مراد امر بالمعروف نہی عن المنکر ہے۔ استاذ ابو علی دقاق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ جس نے اپنے ظاہر کو مشاہدہ سے مزین کر دیا۔ رب تعالیٰ نے اس کے سر کو مشاہدہ سے مزین کر دیا'' علامہ قشیری نے لکھا ہے کہ مجاہدہ کا اصل نفس کو اس کی مرغوب اشیاء سے دور کرنا ہے اور سارے اوقات میں اس کی خواہشات کے خلاف ابھارنا ہے۔

ذوالحطیم

اس سے مراد وہ حجر ہے جسے تعمیر کعبہ کے وقت عمارت سے باہر نکال دیا گیا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق دو رکنوں اور دروازے کے مابین کی جگہ کو حطیم کہا جاتا ہے اس کو حطیم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ خانہ کعبہ کو تعمیر کر لیا گیا اور اسے چھوڑ دیا گیا۔ یا اس لیے کہ لوگ اس جگہ بھیڑ بناتے ہیں وہ ایک دوسرے پر اس جگہ اژدہام بناتے ہیں۔ یا لوگ زمانہ جاہلیت میں اس جگہ اپنے وہ کپڑے پھینک دیتے تھے۔ جن میں طواف کرتے تھے۔ وہ پڑے رہتے تھے حتیٰ کہ زمانہ انہیں بوسیدہ کر دیتا تھا۔ یا اس لیے کہ یہ گناہ کو ختم کر دیتا ہے۔ کتب سابقہ میں آپ کا یہ اسم گرامی موجود تھا۔ کیونکہ آپ نے بیت اللہ کو مشرکین کے ہاتھوں سے آزاد کرایا اور بتوں سے پاک کیا ملک العلام کی عبادت کے لیے اسے محفوظ مقام بنایا۔

ذوالحوض المورود

حشر کے ابواب میں اس پر بحث ہوگی۔

ذوالخلق العظیم

آپ کے اخلاق عالیہ کے ابواب میں اس پر بحث ہوگی۔

ذوالسیف

سابقہ کتب میں آپ کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے۔آپ کی کئی تلواریں تھیں۔جن کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

ذوالسکینہ

صاحب سکینہ۔یہ سکون سے فعیلہ کے وزن پر ہے۔اس سے مراد حرکت میں سکون و وقار ہے الصنعانی نے لکھا ہے کہ سکینہ سے مراد رحمت ہے۔ارشاد ربانی ہے:

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (التوبہ:۲۶)

ترجمہ: "اللہ نے اپنی تسکین ان پر اور مدد فرمائی ایک رسول اور مومنین پر۔"

ذوالصراط المستقیم

ذوطیبہ

مدینہ طیبہ والے! اس شہر کو مدینہ طیبہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں کے مکین امن سے رہتے ہیں یا شرک سے پاک ہوتے ہیں۔

ذوالعزة

ذوالعطایا

عطایا عطیہ کی جمع ہے۔اس سے مراد عطا وعنایت ہے۔

ذوالفتوح

فتوح فتح کی جمع ہے۔اس سے مراد دشمن پر نصرت ہے۔رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿١﴾ (الفتح:۱)

ترجمہ: "یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی۔"

اس سے مراد فتح مکہ یا صلح حدیبیہ ہے۔فتح بعد میں ہوئی لیکن اسے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا گیا کیونکہ اس کا

وقوع محقق تھا۔ یہ واقع کے قائم مقام رکھا گیا۔

ذوالفضل

احسان والے۔

ذوالمدينه

مدینہ طیبہ والے۔

ذوالمعجزات

معجزات والے۔ عنقریب معجزات کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

ذوالقضيب

باریک تلوار والے! آپ کی یہ صفت انجیل میں تحریر ہے وہاں ہے کہ آپ کے پاس لوہے کی باریک تلوار ہوگی۔ جس کے ساتھ آپ جہاد کریں گے۔

ذوالقوة

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ (التکویر:۱۹-۲۰)

ترجمہ: "یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔"

قاضی نے جمہور علماء سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں ایک قول کے مطابق اس سے مراد حضرت جبرائیل امین علیہ السلام ہیں۔ یہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے رب تعالیٰ نے آپ کا بھی نام رکھ دیا۔

ذوالمقام المحمود

اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

ذوالميسم

بڑے حسین، بڑے جمیل، خوبصورت۔

ذوالهراوه

عصا والے۔ سطیح کی روایت میں ہے۔ "پھر صاحب عصا آئیں گے۔" ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ اس کی مراد حضور ﷺ کی ذات والا تھی کیونکہ آپ کے دست اقدس میں اکثر عصا ہوتا تھا۔ یا آپ کے آگے ڈنڈے کے ساتھ چلا جاتا

تھا۔ اسے آپ کے لیے گاڑھ دیا جاتا تھا۔ آپ اس کی طرف رخ انور کر کے نماز ادا فرماتے تھے۔ صاحب الھراوۃ کے تحت اس کا تتمہ ذکر کیا جائے گا۔

ذوالوسیلة

وسیلہ جنت میں سب سے بڑا مقام ہے۔ جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے۔ وسیلہ کا ذکر رب تعالیٰ کا قرب اور اس کے ہاں مقام ہے۔ الخصائص اور آپ کی شفاعت کے باب میں مزید گفتگو ہوگی۔"

"ذو" صرف مُظْہَر کی طرف ہی مضاف ہوتا ہے۔ لیکن مبرد کا مؤقف اس کے برعکس ہے۔ وہ ضمیر متکلم کی طرف اس کی اضافت کو جائز سمجھتے ہیں۔ وہ ذِیْ کہتے ہیں یعنی میرا دوست۔ اسی طرح وہ "فِیَّ" بھی کہتے ہیں۔ امام سہیلی نے لکھا ہے "ذو کے ساتھ اضافت صاحب کے ساتھ اضافت سے عمدہ ہے۔ کیونکہ تابع کی اضافت اس کے ساتھ کی جاتی ہے۔ جیسے ذومال۔ جبکہ صاحب کی اضافت متبوع کے ساتھ کی جاتی ہے۔ مثلاً ابو ہریرہ صاحب رسول اللہ ﷺ لیکن اس طرح نہیں کہا جائے گا۔ "النبی صاحب ابی ہریرۃ" مگر صرف ایک صورت میں۔ جب حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر سورۃ الانبیاء میں کیا گیا تو رب تعالیٰ نے ذوالنون فرمایا۔ ذا کے ساتھ تذکرہ کیا جو شرف پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح لفظ نون کی طرف مضاف کیا جو "حوت" سے معزز لفظ ہے۔ اگرچہ ان کا معنی ایک ہے لیکن "نون" کو رب تعالیٰ نے سورتوں کی ابتداء میں ذکر کیا ہے۔ شرف و تعظیم میں مبالغہ کرتے ہوئے اس سے قسم کا اعتبار کیا ہے۔ لیکن سورت "ن" ان کا ذکر مقصود نہیں اس لیے رب تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰی وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ (القلم: ۴۸)

ترجمہ: "نہ ہو جائیے مچھلی والے کی مانند۔ جب اسے پکارا وہ غم اور اندوہ سے بھرا ہوا تھا۔"

حرفِ الراء

الراجی

یہ الرجاء سے اسم فاعل ہے جو خوف کی ضد ہے۔ یہ دل کا تعلق اس محبوب شئی کے ساتھ ہے جو عنقریب حاصل ہوگی۔ ایک قول یہ ہے کہ کریم کی سخاوت پر یقین کا نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حسنِ وعدہ کی وجہ سے دل کا سرور ہے۔ بعض نے اس میں اور تمنی میں فرق کیا ہے اس طرح کہ تمنی والا سستی کا اظہار کرتا ہے وہ جدوجہد کے رستہ پر نہیں چلتا اور رجاء اس کے برعکس ہے۔ ایک فرق یہ ہے کہ رجاء ممکن کے ساتھ مختص ہے جبکہ تمنی ممکن اور محال کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ تمنی کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے حصول سے محبت کرنا خواہ انتظار اور نگہبانی کے ساتھ ہو یا ان کے بغیر ہو۔ لیت اس کے ساتھ مختص ہے۔ جیسے لیت الشباب یعود۔ ترجی اس چیز کا انتظار ہوتا ہے جس کے حصول کا یقین تو نہ ہو لیکن

https://archive.org/details/@awais_sultan

امکان ہو۔ یہ محبوب اشیاء میں لعل کے ساتھ مختص ہے۔ لعل العدو یموت۔

الراضع

اس کا تذکرہ میں تردد ہے۔

الراضی

"د" نے اس اسم گرامی کو رب تعالیٰ کے اس فرمان سے اخذ کیا ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ (الضحیٰ:۵)

ترجمہ: "عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ اب راضی ہو جائیں گے۔"

اس سے مراد وہ قانع ہے جو ہر اس چیز پر قناعت کرتا ہے جو اسے دی جاتی ہے۔ یہ رضا سے اسم فاعل ہے۔ بندے کی رب تعالیٰ سے رضا یہ ہے کہ اس کی قضاء کے جاری ہوتے وقت اسے ناپسند نہ کرے۔ رب کی اپنے بندے سے رضا یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو دیکھے کہ وہ اس کے اوامر پر عمل پیرا ہے۔ اس کے نواہی سے اجتناب کر رہا ہے۔

امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول تلاوت کیا۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الابراہیم:۳۶)

ترجمہ: "اے میرے پروردگار! ان بتوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا جس نے میری نافرمانی کی (اس کا معاملہ تیرے پر ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے۔"

حضرت عیسیٰ کی یہ عرض پڑھی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ (المائدہ:۱۱۸)

ترجمہ: "اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے۔"

آپ نے اپنے دستِ اقدس بلند فرمائے اور عرض کی: "مولا! میری امت۔ مولا! میری امت! پھر آپ رونے لگے۔ رب تعالیٰ حضرت جبرائیل امین سے فرمایا: "اے جبرائیل! محمد عربی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور عرض کرو: "ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے خوش کر دیں گے۔ آپ کو غمزدہ نہیں کریں گے۔"

الراغب

یہ رغب الیہ سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی کسی چیز کا ارادہ کرنا اور اس پر حریص ہو جانا ہے رغبت کی اصل "الاتساع" ہے اسی سے ہے۔ حوض رغیب۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿٨﴾ (الانشراح: ٨)

ترجمہ: "اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔"

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے "باقی سب کو چھوڑ کر صرف رب تعالیٰ کی طرف اپنی رغبت رکھیں۔ آگ سے ڈرتے ہوئے اور جنت کی طرف رغبت کرتے ہوئے اس کی جناب میں آہ وزاری کریں۔"

الرافع

وہ ذات بالا جس کی وجہ سے آپ کی امت کو رفعت نصیب ہوئی۔ وہ آپ کی ملت کی اتباع سے مشرف ہوئے۔ یہ اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ذاتِ والا جو اہلِ ایمان کی سعادت مند کر کے بلند کرتی ہے۔ اور کافروں کو دور کر کے انہیں پست کرتی ہے۔

راکب البراق

معراج کے باب میں اس پر بحث ہوگی۔

راکب البعیر

سابقہ کتب میں آپ کو اس نام سے یاد کیا گیا تھا۔

راکب الجمل

"د" نے لکھا ہے حضرت ذوالکفل شعیا علیہ السلام کی کتاب میں ہے۔ انہوں نے فرمایا: مجھے کہا گیا: "ذرا اٹھو دیکھو اور بتاؤ کیا دیکھا ہے۔" میں نے کہا: "میں نے دو سوار دیکھے ہیں جو آرہے ہیں۔ ایک گدھے پر سوار ہے جبکہ دوسرا اونٹ پر سوار ہے۔ ان میں سے ایک یہ کہتا ہوا اترا کہ بابل اور اس کے بت برباد ہو گئے۔" ان سے فرمایا گیا کہ گدھے کے سوار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اونٹ کے سوار حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ بابل کی سلطنت آپ کی نبوت اور تلوار کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام کے ہاتھوں ختم ہوئی۔ الشیخ نے کہا ہے: "اسی لیے جب نجاشی تک آپ کا گرامی نامہ پہنچا، اور وہ آپ پر ایمان لے آیا تو اس نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ جس طرح حضرت موسیٰ نے آپ کے بارے بشارت راکب الحمار سے دی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ نے آپ کے بارے بشارت راکب الجمل سے دی ہے۔" ابن عسا کر نے کہا کہ اگر کہا جائے کہ آپ کو اونٹ کی سواری کے ساتھ کیوں مختص کیا گیا ہے حالانکہ آپ نے گھوڑے اور گدھے پر بھی سواری کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اہلِ عرب میں سے ہوں گے۔ کیونکہ اونٹ اہلِ عرب کی سواری ہے۔ انہی کے ساتھ مختص ہے۔ دیگر اقوام کی طرف منسوب نہیں ہے۔"

راکب الناقة، راکب النجیب

آپ کا یہ اسم گرامی سابقہ کتب میں موجود ہے۔

الرَّجِل

سبوطۃ اور جعودہ کے مابین قدرے گھنگھریالے بالوں والے۔ یعنی آپ کی زلف معنبر نہ بالکل سیدھی تھیں نہ ہی گھنگھریالی تھیں بلکہ ان کے مابین تھیں۔

الرجیح

فضل میں دوسرے سے زیادہ۔ یہ فعیل بمعنی فاعل ہے الرجحان سے مشتق ہے۔ اس کا معنی زیادہ ہے۔ رجح المیزان اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کا ایک پلڑا جھک جائے۔

الرحب الکف

کثیر اور وسیع عطا والے۔ آپ اس وصف سے متصف تھے۔

رحمة الامة، رحمة للعالمین

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء: ۱۰۷)

ترجمہ: "اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے۔"

آپ ساری مخلوق کے لیے رحمت ہیں مومن کے لیے ہدایت کے ساتھ، منافق کے لیے قتل سے امان کے ساتھ اور کافر کے لیے تاخیر عذاب کے ساتھ رحمت ہیں۔ ابو بکر بن طاہر علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو رحمت کی زینت کے ساتھ مزین فرمایا ہے۔ آپ رحمت ہیں آپ کی ساری عادات مبارکہ، شمائل حمیدہ مخلوق پر رحمت ہیں۔ آپ کی زندگی رحمت ہے۔ آپ کا وصال رحمت ہے۔ جیسے کہ آپ نے فرمایا: "میری حیاتِ طیبہ تمہارے لیے رحمت ہے۔ میرا وصال تمہارے لیے رحمت ہے۔" آپ نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ کسی امت کے ساتھ رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے نبی کا اس سے قبل وصال ہو جاتا ہے وہ ان کے پیش رو اور ان کے لیے ایسے امور کا انتظام فرماتا ہے جن کے وہ محتاج ہوتے ہیں۔

رحمة مهداة

حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں بطور ہدیہ دی گئی رحمت ہوں۔" الطبرانی نے روایت کیا ہے "بعثت رحمة مهداة"۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے مجھے اپنے بندوں

کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ وہ اس کا کوئی عوض نہیں مانگتا۔ کیونکہ جب رحمت ہدیہ ہو تو وہ اس کا عوض نہیں چاہتا۔"

الرؤف الرحیم

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (التوبۃ:۱۲۸)

ترجمہ: "بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت ہی خواہش مند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔"

الاستاذ ابوبکر بن فورک نے کہا ہے "رب تعالیٰ نے آپ کو یہ دونوں اسم اپنے اسماء حسنیٰ سے عطا فرمائے ہیں رحمت کی شدت کو رافت کہا جاتا ہے۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے "اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ مصائب اور شدائد کو دور کرنے کے لیے ہے۔ پسندیدہ امر کو طلب کرنا رحمت ہے۔ اسی لیے رحمت کو رافت سے مقدم رکھا گیا ہے۔ عرب کے کلام میں مہربانی اور شفقت اور رافت کو رحمت کہا جاتا ہے۔ یہ آپ کے حق میں صحیح ہے آپ ساری مخلوق سے زیادہ رحم کرنے والے سب سے زیادہ مہربانی اور شفقت فرمانے والے ہیں۔ رب تعالیٰ کے حق میں یہ معنی محال ہے۔ اس لیے اس کے لازم کے ساتھ اس کی تاویل کی گئی ہے۔ اس سے مراد اس کے اہل کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرنا ہے۔ بندے کو وہ ثواب دینا ہے جس کا وہ مستحق نہیں ہوتا۔ اس سے وہ سزا دور کرنا ہوتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ رحمۃ اور رافت میں فرق یہ ہے کہ رافت وہ احسان ہے محسن کے ساتھ شفقت جس کا مبدأ ہوتا ہے۔ رحمۃ وہ احسان ہے محسن کا فاقہ جس کا مبدأ ہوتا ہے۔

الرسول، رسول اللہ، رسول الرحمۃ

ان سب کا معنی واضح ہے۔

رسول الملاحم

ملاحم ملحمۃ کی جمع ہے۔ جنگ کے میدان کو ملحمہ کہا جاتا ہے۔ یہ لحمۃ الثوب سے مشتق ہے یا یہ اللحم سے مشتق ہے کیونکہ میدان جنگ میں لوگوں کا بہت زیادہ گوشت پڑا ہوتا ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ کو جہاد اور تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔

الرشید

یہ الرشد سے فعیل کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد امور میں استقامت ہے یہ راشد کے معنی میں ہے۔ یعنی مستقیم

یا مرشد کے معنی میں ہے یعنی ہادی۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۲﴾ (الشوریٰ: ۵۲)

ترجمہ: "بلاشبہ آپ رہنمائی فرماتے ہیں صراطِ مستقیم کی طرف آپ کے چچا جناب ابوطالب نے آپ کی تعریف میں کہا تھا"

حلیم الرشید عادل غیر طائش یوالی الهالیس عنه غافل

ترجمہ: "آپ حلیم و رشید ہیں اور آپ نے کبھی بھی نازیبا گفتگو نہیں کی۔ آپ ایسے معبود برحق کی عبادت کرتے ہیں جو آپ سے غافل نہیں ہیں۔"

یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جس کی تدابیر مشورہ اور راہ نمائی کے بغیر سیدھی مقاصد کی طرف جائیں یا وہ ذات جو مخلوق کی راہ نمائی ان کی مصالح کی طرف کرے۔

الرضا

الرضوان

رضا والا، یا وہ رب تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رضا ہے۔

رضوان اللہ

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رضا۔ ارشادِ ربانی ہے:

یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ۔ (المائدہ: ۱۶)

ترجمہ: "دکھاتا ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں جو پیروی کرتے اس کی خوشنودی۔"

یعنی جس نے اس کے رسول مکرم ﷺ کی اتباع کی۔

الرفیق

یہ رفق سے مشتق ہے فعیل مفعل کے معنی میں ہے اس کا معنی لطف۔ آپ بندوں پر بہت زیادہ مہربان تھے۔

الرفیع الذکر

ارشاد پاک ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ (الانشراح: ۴)

ترجمہ: "ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔"

ابن حبان نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس حضرت جبرائیل

امین آئے۔ انہوں نے کہا: "آپ کا رب فرما رہا ہے کیا آپ کو علم ہے کہ میں نے آپ کا ذکر کیسے بلند کیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔" انہوں نے کہا: "رب تعالیٰ فرماتا ہے: "جب میرا ذکر ہوگا میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر ہوگا۔"

اس کا معنی العلی ہے۔ یا اس کا معنی دوسرے سے بلند درجہ ہے۔ یا رفیع مرفوع کے معنی میں ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس امت کو ایمان کے ساتھ کفر اور نافرمانی کی پستی سے نکال کر بلند فرمانے والے ہیں۔ رفیع رافع کے معنی میں ہے۔ الرفیع اسماء حسنیٰ میں سے بھی ہے۔

رفیع الدرجات

اسے "ط" نے ذکر کیا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہے:

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ۔ (الانعام: ۱۶۵)

ترجمہ: "اور بلند کیا ہے تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں۔"

مجاہد نے لکھا ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ یعنی آپ کو ایسے خصائص عطا کر کے بلند درجہ فرمایا جو آپ سے قبل کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے تھے۔

الرقیب

جو اشیاء کی نگرانی کرے، ان کی حفاظت کرے۔ یہ فعیل مفعول کے معنی میں ہے یہ المراقبہ سے ہے۔ جس کا معنی حفاظت کرنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ المراقبہ سے مراد بندے کا اپنے رب تعالیٰ کے بارے عرفان ہے یہ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اس کا معنی ہے کہ وہ ذات عالم کی مخفی اشیاء سے آگاہ ہے۔

رکن المتواضعین

حضرت شعیا علیہ السلام کی کتاب میں آپ کا یہ نام تھا۔

الرھاب

یہ الرھب سے مبالغہ ہے۔ اس کا معنی خوف ہے۔ یہ الترھب سے مشتق نہیں کیونکہ مبالغہ صیغہ عموماً ثلاثی مجرد سے بنایا جاتا ہے نیز یہ آپ نے رھبانیت سے منع فرمایا۔ اس سے آپ کو متصف نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث پاک ہے:

"واجعلنی لك شكارا الك رھّابا۔" (ابن ماجہ)

الروح

اصل میں روح اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے جسم قائم ہو۔ آپ کو، قرآن مجید، جبرائیل امین رحمت اور وحی کو روح کہا گیا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ہر چیز مخلوق کو ہدایت کے ساتھ حیات نو عطا فرماتی ہے۔ وہ گمراہی سے مر چکے ہوتے

ہیں۔ ان سے عذاب دور کرتی ہے جس طرح جسم روح کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے رب تعالیٰ کے اس فرمان:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ۔ (النباء: ۳۸)

ترجمہ: "جس دن کھڑے ہوں گے روح۔"

روح کے بارے کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ یا جبرائیل امین ہیں۔ اس کے بارے بھی بہت سے قول ہیں۔

روح الحق، روح القدس

یہ دونوں اسماء الانجیل میں ہیں روح القدس سے مراد ایسی پاکیزہ روح ہے۔ جو میل کچیل سے پاک ہو۔ یہ موصوف کی صفت کی طرف اضافت کے باب سے ہوگا۔ حق سے مراد یا تو رب تعالیٰ کی ذات ہے۔ روح کی اس کی طرف اضافت مشرف کے لیے ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کہا جاتا ہے یا اس سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات ہے۔ اس صورت میں اضافت بیان کے لیے ہوگی۔ یعنی روح ہی حق ہے۔

حرف الزا

الزاجر

یہ زجر سے اسم فاعل ہے اس کا معنی روکنا اور منع کرنا ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ رب تعالیٰ کی نافرمانیوں سے منع کرتے تھے۔ ان کی وجہ سے جھڑکتے تھے۔ ارشاد پاک ہے:

وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (الاعراف: ۱۵۷)

ترجمہ: "اور روکتا ہے انہیں برائی سے۔"

الزاهر

چمکدار، رنگت والے، روشن چہرے والے۔ قصص الکسائی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "محمد عربی ﷺ روشن ستارہ ہیں۔"

الزاهد

آپ کا یہ اسم گرامی سابقہ کتب میں مرقوم ہے۔ زہد رغبت کی ضد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حرام ترک کرنا ہے۔ کیونکہ حلال مباح ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حرام میں زہد واجب ہے۔ حلال میں افضل ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "دنیا میں زہد نہ تو حلال کو حرام کرنا ہے نہ ہی مال کا ضیاع ہے۔ لیکن دنیا میں زہد یہ ہے کہ تجھے اس پر جو کچھ تمہارے ہاتھ میں اس سے بڑھ کر اعتماد نہ ہو جو

پھر رب تعالیٰ کے پاس ہے، اور جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو تمہیں اس میں اتنی ہی رغبت ہو جتنی کہ اگر وہ باقی ہوتی۔

الزاھی

واضح حسین یا جس کا امر ظاہر ہو۔ ہدایت کی علامات کے ساتھ جس کی عمدہ دلیل سے کوئی امر واضح ہو جائے۔ ایسے امر سے پاک جو منصب نبوت کے لائق نہ ہو۔

زعیم الانبیاء

زعیم کفیل کے معنی میں ہے۔ یا آپ روز حشر اپنی امت کی کامیابی کے ضامن ہیں۔ ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوامامۃ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "میں اس شخص کے لیے جنت کی زمین میں ایک محل کا ضامن ہوں جس نے ریاء کو ترک کر دیا حالانکہ وہ حق پر ہو۔"

الزکی

طاہر، مبارک یہ الزکاۃ سے مشتق ہے جس کا معنی نمو اور طہارت ہے۔ سطیح نے آپ کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا تھا "نبی زکی یاتی الوحی من قبل العلی"

"د" اسے رب تعالیٰ کے اس قول سے اخذ کیا ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ ۔ (البقرہ:۱۵۱)

ترجمہ: "جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں۔"

لیکن یہ اخذ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ زکّی سے وصف مزکّی آتا ہے زکی نہیں آتا۔ آپ کے حق میں یہ اسم مبارک کتنا عمدہ ہے۔ اس کا معنی ظاہر ہے۔

زلف

آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ فضل و شرف میں سارے انبیاء سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ یا آپ کو رب تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہے۔

الزمزمی

"د" یہ زمزم کی طرف منسوب ہے۔ یہ وہ چشمہ ہے جو رب تعالیٰ نے آپ کے جد امجد حضرت اسماعیل کے لیے رواں فرمایا تھا۔ آپ اس امر کے مستحق ہے کہ آپ کو اس کی طرف منسوب کیا جائے۔

الزين

خَلق اور خُلق کے اعتبار سے حسن کامل۔اس کی ضد شین ہے۔

زين من وافى القيامة

اس نام کو قاضی نے ذکر کیا ہے۔معجزات میں گوہ کے بارے روایت میں اس کی مزید تفصیل آئے گی۔جب اس نے کہا تھا:"السلام عليك يا زين من وافى القيامة۔"

حرف السین

سابق العرب

حضرت انس سے مرفوع روایت ہے۔آپ نے فرمایا:"سبقت لے جانے والے چار ہیں۔میں عرب سے سبقت لے جَانے والا ہو۔حضرت صہیب اہلِ روم سے سبقت لے جانے والے ہیں۔حضرت سلمان اہلِ ایران سے سبقت لے جانے والے ہیں۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ اہلِ حبشہ سے سبقت لے جانے والے ہیں۔" سابق،سبق سے اسم فاعل ہے۔اس کا معنی تقدم ہے۔کبھی کبھی فضیلت کے اظہار کے لیے بھی یہ لفظ عاریۃً لیا جاتا ہے جیسے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ (الواقعہ:۱۰)

ترجمہ: "آگے رہنے والے آگے آگے ہوں گے۔"

اس کا معنی ایسا مخلص ہے جو اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت میں جلدی کرے۔اپنے رب تعالیٰ کی رضا کی جستجو میں میدان چھان مارے ایک قول کے مطابق لوگوں کی تین اقسام ہیں۔

۱. ایسا شخص جو ابتدا سے ہی بھلائی میں جلدی کرتا ہے۔اس پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے۔وہ سابق ہوتا ہے۔
۲. ایسا شخص جس کی عمر گناہ اور غفلت میں گزرتی ہے پھر وہ توبہ کرتا ہے وہ اصحاب الیمین میں سے ہوتا ہے۔
۳. ایسا شخص جو ابتداء سے ہی شر کے بارے جلدی کرتا ہے۔پھر اسی پر براجمان رہتا ہے حتیٰ کہ وہ مر جاتا ہے۔وہ اصحاب الشمال میں سے ہوتا ہے۔یا آپ کو اس لیے سابق کہا گیا ہے کیونکہ ساری مخلوق سے پہلے آپ کے لیے ہی جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔

السابق بالخيرات

الساجد

جھکنے والے،اطاعت گزار"ط" نے اس نام کو رب تعالیٰ کے اس فرمان سے اخذ کیا ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ۔ (الدھر:۲۶)

ترجمہ: "اور رات (کی تنہائیوں میں) بھی اس کو سجدہ کیا کرو۔"

وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ (الحجر:۹۸)

ترجمہ: "اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں سے۔"

رب تعالیٰ کی عبادت اور ان کے ساتھ اپنے خضوع میں مداومت اختیار کریں۔

سبیل اللہ

"د" نے رب تعالیٰ کے اس فرمان سے اسے اخذ کیا ہے۔

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانفال:۴۷)

ترجمہ: "اور روکتے تھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے۔"

اس سبیل اللہ کے بارے دو قول ہیں سدی نے کہا ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں۔اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔سبیل اللہ سے مراد یہ ہے کہ آپ ایسا راستہ ہیں جو رب تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔واضح شاہراہ کو سبیل کہا جاتا ہے۔کیونکہ آپ رب تعالیٰ کی رضا تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (سورہ محمد:۳۴)

ترجمہ: "جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکتے رہے۔"

یعنی وہ حضور ﷺ کی صفت کو چھپاتے ہیں۔

السَبِط

سیدھے بالوں والے۔اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

السخی

کریم۔سخاء سے صفت مشبہ ہے۔اس سے مراد "کرم" ہے۔

السدید

السدید، السداد سے فعیل بمعنی اسم فاعل ہے۔اس سے مراد استقامت ہے۔یا مُفعَل کے معنی میں ہے۔یعنی امت کے دنیاوی امور کی اصلاح کرکے اس کے شگاف کو بھرنے والے۔آخرت میں ان کی شفاعت کرنے والے۔

السراج المنیر

ارشادِ ربانی ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾ (الاحزاب:۴۵-۴۶)

ترجمہ: "اے نبی (مکرم) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور ہر وقت ڈرانے والا۔"

سراج کا معنی حجۃ، یا ھادی یا چراغ یا سورج ہے۔ آپ کو سراج اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ آپ نے دنیا کو اپنے نور سے منور کر دیا۔ اپنے ظہور سے کفر اور اس کی ظلمت کو مٹا دیا۔ سورج سے آپ کو تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کیونکہ وہ بہت زیادہ روشن ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آپ کو سراج اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ سارے ادیان میں آپ کا دین اس طرح جگمگا اٹھا جس قدر تاریک رات میں سورج جگمگا اٹھتا ہے ایک عارف باللہ نے کہا ہے "رب تعالیٰ نے آپ کے نورِ نبوت سے بصیرت کے انوار کی مدد کی جس طرح اس نے نگاہوں کے انوار کی مدد سورج کے ساتھ کی۔ آپ کو سراج کے نور سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ اس سے مراد شمس ہے یا اس لیے کہ آپ اس زمانہ میں مبعوث ہوئے جسے کفر اور جہالت کی وجہ سے رات سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ آپ نے یقین اور ہدایت کے نور سے اس تاریکی کو ختم کر دیا۔

قاضی ابوبکر ابن عربی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "ہمارے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ آپ کو سراج اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ ایک چراغ سے بہت سے چراغ جلائے جا سکتے ہیں۔ پہلے چراغ کی روشنی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اسی طرح اطاعات کے چراغ حضور ﷺ کے چراغ سے روشن کیے جاتے ہیں۔ آپ کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ آپ کو سورج کے ساتھ تشبیہ دینے کی کوئی وجوہات ہیں۔

① سورج اس وقت تک طلوع نہیں ہوتا جب تک اس سے پہلے فجر اول اور فجر ثانی سورج کے طلوع کی بشارت لے کر آتی ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کو مبعوث نہ کیا گیا حتیٰ کہ انبیاء، مرسلین اور سابقہ کتب نے آپ کو بشارت دے دی ہے۔

② سورج جلاتا ہے روشن کرتا ہے۔ اسی طرح آپ کی بعثت میں ایسا نور ہے جو آپ کے اولیاء کرام کے دلوں میں چمکتا ہے۔ آپ کی تلوار میں ایسی آگ ہے جو آپ کے دشمنوں کے دلوں کو جلا دیتی ہے۔

③ سورج میں ہدایت اور راہ نمائی ہوتی ہے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے گمراہی سے راہ نمائی عطا کی۔

④ سورج انوارِ فلکیہ کا سردار ہے۔ آپ سید الانبیاء ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کا وصف المنیر ذکر کیا ہے۔ لیکن سورج کا یہ وصف ذکر نہیں کیا کیونکہ اسے آپ کے نور سے تخلیق کیا گیا ہے۔ نیز اس لیے کہ سورج کا اقتدار صرف دنیا پر ہے جبکہ آپ کی سلطنت کا جھنڈا دنیا اور آخرت دونوں میں لہرا رہا ہے۔

الصراط المستقیم

اس کی تفصیل حرف الصاد میں آئے گی۔

سرخلیطس

"ع" نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ سریانی زبان میں آپ کا نام ہے اس کا معنی برقلیطس ہے۔

السریع

سابق۔ اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت میں جلدی کرنے والے یا الشدید۔ جیسے کہ ارشادِ پاک ہے:

اِنَّ رَبَّكَ سَرِيۡعُ الۡعِقَابِ‌ۖ (الانعام: ۱۶۵)

ترجمہ: "بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے۔"

اس جگہ سریع شدید کے معنی میں ہے ورنہ عذاب کی جلدی حلم کے وصف کے منافی ہے۔ کیونکہ وہ ہوتا جو اپنی نافرمانی کرنے والے کو جلد سزا نہیں دیتا۔

ایک قول کے مطابق سریع العقاب کا معنی یہ ہے کہ جب عذاب کا وقت آجاتا ہے تو پھر اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

سعد اللہ

"خا" نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

سعد الخلائق

سعید

یہ سعد سے فعیل بمعنی فاعل ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کے لیے سعادت لازم کر دی ہے۔ آپ کی امت کے لیے ساری امم پر سیادت لازم ہے۔

السلام

عیب سے سلامت۔ شک سے پاک۔ اس کی اصل السلامۃ ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ کے وجود مسعود کے صدقے آپ کی امت یا دیگر اقوام بھی عذاب سے بچ گئیں۔ یا اس لیے کہ آپ عیب اور نقص سے پاک ہیں۔ آپ ہر کجی اور شک سے بری ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جس کی ذات ہر عیب سے پاک ہو۔ اس کی صفات نقص سے منزہ ہوں۔ ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کو ہلاکتوں سے بچانے والا۔ ایک قول یہ ہے اہلِ ایمان پر جنت میں سلام بھیجنے والا۔ اس میں اس کا رجوع قدیم ازلی کلام کی

ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے جس کی مخلوق اس کے ظلم سے محفوظ ہو۔ یا جو اہلِ ایمان کو عذاب سے محفوظ رکھے۔ یا برگزیدہ لوگوں پر سلام بھیجنے والا۔ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ؕ (النمل:۵۹)

ترجمہ: "سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا۔"

آپ کے حق میں اسم گرامی پہلے اور چوتھے معنی کے اعتبار سے صحیح ہے۔ پانچویں معنی کے اعتبار سے بھی درست ہے۔ کیونکہ آپ اہلِ ایمان کو ہدایت عطا کر کے عذاب سے بچانے والے ہیں۔ تیسرا اور چھٹا معنی آپ کے حق کے اعتبار سے درست نہیں۔

السلطان

بادشاہ، دلیل، برھان۔ برھان کے معنی میں اس کا استعمال مشہور ہے۔ یہ قرآن کی لغت ہے۔ حجت کے معنی میں یہ مؤنث ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے قضت بِهٖ علیك السلطان' قاموس میں ہے کہ سلطان دلیل کو کہتے ہیں۔ بادشاہ کی طاقت یا والی کی طاقت کو کہتے ہیں۔ یہ سلیط کی جمع ہو تو یہ مؤنث ہوتا ہے۔ اس کا معنی تیل ہے۔ اس سے بادشاہ روشنی حاصل کرتا ہے یا یہ دلیل کے معنی میں ہے۔ جب اس سے آدمی کا معنی مراد لیا جائے تو یہ مذکر ہوتا ہے۔ آپ کو سلطان اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ آپ آخرت میں بندوں پر رب تعالیٰ کی حجت ہوں گے۔ آپ دنیا میں اس کی برھان ہیں۔ آپ اقتدار والے ہیں۔ آپ قوت والے ہیں۔ اس وقت یہ السلاطۃ سے مشتق ہوگا۔ یہ قہر اور غلبہ سے اقتدار حاصل کرنا ہے۔ اسی طرح فصیح کو بھی سلیط کہا جاتا ہے کیونکہ اسے کلام کی فنون پر اقتدار ہوتا ہے۔ اسی طرح شور کرنے والی عورت کو سلیطہ کہا جاتا ہے کیونکہ اسے گفتگو پر قوت حاصل ہوتی ہے۔ آدمیوں کے ساتھ اس کی لڑائی سخت ہوتی ہے۔ قاموس میں ہے کہ سلیط کا لفظ مذکر کے لیے بطور مدح اور مؤنث کے لیے بطور مذمت آتا ہے۔ عبدالباسط نے اس کے بارے لکھا ہے۔

یا امام الانام ایة وصف ان یکن للذکور فهو مدیح
و اذا ما به الاناث نعتنا فهو فی نعتهن ذم قبیح

ترجمہ: "اے لوگوں کے امام! وہ کون سا وصف ہے جو مذکر کے لیے ہو تو قابل ستائش ہے اور اگر ہم اسے مونث بطور وصف ذکر کریں تو وہ ان کے وصف میں قبیح مذمت بن جاتا ہے۔"

السمیع

یہ السمع سے فعیل بمعنی فاعل ہے۔ یہ ظاہری حواس میں سے ایک ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ① (الاسراء:۱)

ایک قول کے مطابق یہ ضمیر حضور ﷺ کی طرف راجع ہے۔ جب شب معراج کو آپ رب تعالیٰ کا کلام سننے سے مشرف ہوئے تو آپ کا یہ نام رکھ دیا گیا۔ یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے بھی ہے اس کا معنی یہ ہے جو راز بھی وہ سن لیتا ہے وہ اسے مخفی رکھتا ہے۔ رب تعالیٰ کی سماعت مسموعات کے متعلق ہے۔

السمّی

بلند مرتبہ۔ یہ السمو سے مشتق ہے۔ آسمان کو اس کی رفعت کی وجہ سے السماء کہا جاتا ہے۔

السنا

پھیلنے والی روشنی اور چمکنے والا نور۔ اگر یہ الف ممدودہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد شرف اور علو ہے۔ کیونکہ آپ نے اس امت کو شرف وفخر عطا کیا یا آپ صاحب شرف ہیں۔ اس لیے آپ کا یہ اسم گرامی رکھا گیا۔

السند

کبیر، جلیل جس پر اعتماد کیا جائے جس کا قصد کیا جائے جو ملجا وماوی ہو۔

السیّد

ایسا رئیس جس کی اتباع کی جائے جس کی بات مانی جائے یا جس کی طرف پناہ حاصل کی جائے ضروریات پوری کرنے کے لیے لوگ جس کے محتاج ہوں۔ یا جو اپنے رب کی اطاعت بجالائے یا فقیہ اور عالم ہو۔ یا جو علم، تقویٰ اور عبادت میں سردار ہوں۔ یا جو ہر چیز میں لوگوں سے فائق ہو۔ اس کے بارے اور بھی اقوال ہیں۔

حضور ﷺ مذکورہ بالا سارے معانی کے اعتبار سے سردار ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ النحاس نے لکھا ہے کہ یہ لفظ رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے الف لام کے بغیر استعمال کیا جاتا ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے "الف لام کے ساتھ اس کا استعمال جائز ہے اس کے بغیر اس شخص کے لیے استعمال کر سکتے ہیں جو علم اور تقویٰ میں مشہور ہو۔ دوسرے شخص کے لیے یہ مکروہ ہے۔"

حاکم وغیرہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جب ایک شخص فاسق کو "یا سید" کہتا ہے تو وہ اپنے رب تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے۔"

تنبیہ

امام احمد نے مطرف بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا: "اے قریش کے سید! آپ نے فرمایا: "السید تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا جواب سید الناس میں آئے گا۔"

سید الثقلین

ثقلین سے مراد انسان اور جن ہیں کیونکہ یہ دونوں اجناس زمین کے لیے ثقل یا اس پر بوجھ ہیں۔ یا اس لیے کہ ان کو تمیز کرنے کی فضیلت عطا کی گئی ہے۔

سید الکونین، سید ولد آدم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "انا سید ولد آدم یوم القیامۃ"

سید الناس

حدیث شفاعت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "روزِ حشر میں لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تم جانتے ہو کس طرح؟ رب تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک میدان میں جمع کرے گا۔" یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں ہے کہ لوگ مختلف انبیائے کرام کے پاس جائیں گے۔ وہ سارے "نفسی نفسی" کہیں گے سب سے آخر میں لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

آپ نے یوم القیامۃ کے ساتھ اس لیے مقید کیا ہے کیونکہ اس میں آپ کی سیادت ہر ایک کے لیے ظاہر ہوگی۔ اس وقت کوئی جھگڑا کرنے والا یا سرکشی کرنے والا نہ ہوگا۔ لیکن دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس میں کفار کے بادشاہ اور سردار آپ میں جھگڑا کرتے ہیں۔ حاکم نے روایت کیا ہے: "انا سید الناس ولا فخر" یعنی اس فخر سے اکمل اور اعظم اور کوئی فخر نہیں جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ یہ فضیلت جو میں نے حاصل کی ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ میں نے اسے اپنی جانب سے حاصل نہیں کیا۔ میں اپنی طاقت سے اس تک نہیں پہنچا لہٰذا میرے لیے مناسب نہیں کہ میں اس پر فخر کروں۔" امام نووی نے لکھا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کے قریب ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ (المؤمن:١٦)

ترجمہ: "کسی کی بادشاہی سے کی۔"

آج اور اس کے بعد کی ملکیت رب تعالیٰ کے لیے ہی ہے کیونکہ دنیا میں بعض لوگ ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یا مجازاً ان کی طرف ملکیت کی نسبت کر دی جاتی ہے۔ یہ ساری ملکیت آخرت میں ختم ہو جائے گی۔ صرف رب تعالیٰ کی ملکیت باقی رہ جائے گی۔ یہ اس شخص کو جھڑکتے ہوئے کہا گیا ہے جو دنیا میں اپنی ملکیت کا گمان کرتا ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے: "حضور ﷺ نے دو وجوہات کی بناء پر اس طرح کہا ہے:

١. رب تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾ (الضحیٰ:١١)

ترجمہ: "اور اپنے رب (کریم) کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کریں۔"

◆ اس کا تعلق اس تفصیل کے ساتھ ہے۔ جس کی تبلیغ کرنا ضروری ہے تاکہ آپ کی امت کو آپ کا کچھ عرفان حاصل ہو سکے اور وہ آپ کے بارے ایسا عقیدہ رکھیں۔ آپ نے جو یہ فرمایا ہے: "مجھے حضرت موسیٰ (یا حضرت یونس) پر فضیلت نہ دو۔" تو یہ اس علم ہو جانے سے پہلے کا فرمان ہے کہ سید الناس ہیں یا آپ نے ادب اور تواضع کرتے ہوئے یوں فرمایا: یا ایسی تفضیل سے منع فرمایا جو کسی نبی کی تنقیص شان کا سبب بنے۔ یا جھگڑے کی طرف لے جائے یا اس سے مراد نفس نبوت میں تفضیل ہے خصائص میں تفضیل نہیں۔" امام نووی نے لکھا ہے: "انبیائے کرام کے مابین فضیلت کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ (البقرہ: ۲۵۳)

ترجمہ: "یہ سب رسول ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض پر بعض کو۔"

السیف

حاکم نے روایت کیا ہے کہ حضرت کعب بن زہیر نے حضور ﷺ کے لیے قصیدہ پڑھا جس کی ابتدا بانت سعاد سے ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اس شعر پر پہنچے۔

ان الرسول لسیف یستضاء به ‏ ‏ ‏ ‏ مهند من سیوف الهند مسلول

ترجمہ: "حضور ﷺ ایسی تلوار ہیں جس سے اجالا حاصل کیا جاتا ہے۔ آپ ہند کی بنی ہوئی سونتی ہوئی تلوار ہیں۔"

تو آپ نے فرمایا:

من سیوف اللہ۔

السیف

کاٹنے والی تلوار۔ اس میں استعارہ مرشحہ ہے۔ کیونکہ آپ حقیقی تلوار کے لیے موزوں ہیں۔ جس کے ساتھ آپ کو بلیغ تشبیہ دی گئی ہے۔ دونوں کو جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ دونوں کے ساتھ رب تعالیٰ نے ہر جھگڑا کرنے والے اور لڑنے والے کا نشان مٹا دیا۔ اپنے دین حق کو غالب کیا باطل کو رسوا کیا۔

سیف الاسلام

دیلمی نے عرفجہ بن شریح سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اسلام کی تلوار اور ابوبکر صدیق ردت کی تلوار ہیں۔"

سیف اللہ

اس پر گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔

حرف الشین

الشارع

عالم ربانی، عامل معلم یا دین حق کو اچھی طرح واضح کرنے والے۔ یہ شرع سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی ظاہر اور واضح کرنا ہے۔ علماء کی زبانوں سے اس کا آپ پر اطلاق مشہور ہو چکا ہے۔ کیونکہ آپ نے دین اور احکام مشروع فرمائے۔ اسی طرح شریعت کا اجراء فرمایا رب تعالیٰ نے اس لفظ کے ساتھ اپنا وصف بھی بیان فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ۔ (الشوریٰ: ۱۳)

ترجمہ: "اس نے مقرر فرمایا تمہارے لیے وہ دین۔"

یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

شافع

شفاعت کرنے والے۔

المشفع

جو شفاعت کرے اور اس کی شفاعت قبول کی جائے۔ شفاعت سے مراد گناہ گاروں سے تجاوز کرنے کی التجا ہے۔

الشفیع

یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ پہلا اور تیسرا اسم گرامی اس حدیث مبارک میں ہیں جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے جو "الاول" کی بحث میں گزر چکی ہے۔ دوسرا نام نامی "اکثر الانبیاء، تابعا" کی بحث میں گزر چکا ہے۔

الشافی

ہر مرض اور دکھ سے شفاء عطا کرنے والے۔ امت سے ہر مصیبت دور کرنے والے۔

الشاکر

یہ الشکر سے اسم فاعل ہے۔ یہ اس محسن کی تعریف کرنا ہے جو احسان کرے یا اس سے مراد نعمت کا تصور اور اس کا اظہار ہے یا یہ الکشر سے مقلوب ہے۔ جس کا معنی ظاہر کرنا ہے۔ یا یہ عین شکری سے مشتق ہے یعنی بھری ہوئی آنکھ۔ شکر سے مراد منعم کے ذکر سے بھر جانا ہے۔ امام قشیری نے لکھا ہے کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اس نعمت کے بارے گفتگو

کرے۔ اپنے رب کی نعمت کا اقرار کرے۔ یا اس شکر سے اپنے عجز کا اعتراف ہے۔ شکر کی تین اقسام ہیں:

1. زبان سے شکر۔ اس سے مراد نعمت کا اعتراف ہے۔
2. ارکان سے شکر۔ اس سے مراد موافقت اور خدمت سے متصف ہونا ہے۔
3. دل کے ساتھ شکر۔ یہ مشاہدہ کی بساط پر بیٹھنا ہے۔ اس کے ساتھ حدود اور حرمت کی حفاظت کرنا۔

القاضی نے لکھا ہے کہ مخلوق کی طرف سے شکر یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی نعمتوں کا عرفان ہو۔ اور خالق کی طرف سے شکر یہ ہے کہ وہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دے۔ شکر کی جزا کو مجازاً شکر کہا گیا ہے۔ ان کے مابین مشاکلتہ کا علاقہ پایا جاتا ہے۔ جس طرح کہ رب تعالیٰ نے برائی کی سزا کو برائی کہا ہے۔

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ: ۴۰)

ترجمہ: ''برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔''

یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

الشکار

یہ شکور سے بلیغ ہے جو شاکر سے بلیغ ہے جیسے کہ الغفور کی بحث میں یہ علم ہو گا۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ اپنی دعا میں عرض کرتے تھے: ''رب اجعلنی لك شكّارا۔''

الشکور

بہت زیادہ شکر ادا کرنے والے۔ یہ فعول کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے یا اس سے مراد وہ ذات ہے جو قلیل عمل پر کثیر ثواب عطا کرے۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے تاکہ آپ پر کسی کا احسان نہ رہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کا معنی ہے ایسی ذات جو قلیل عمل پر بہت بڑا اجر عطا کرے۔ امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے قدم سوجھ جاتے تھے۔ آپ سے عرض کی گئی ''یا رسول اللہ! آپ اتنی تکلیف برداشت کرتے ہیں حالانکہ رب تعالیٰ نے آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دیے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''کیا میں رب تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شاکر سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ شاکر وہ ہوتا ہے جو عطاء پر شکریہ ادا کرتا ہے۔ شکور وہ ہوتا ہے جو مصیبت پر شکر ادا کرتا ہے۔ ''الشاکر وہ ہوتا ہے جو موجود پر شکر ادا کرتا ہے جبکہ الشکور وہ ہوتا ہے جو مفقود پر شکر ادا کرتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایک فتویٰ کے بارے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: ''آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟'' حضرت شقیق نے کہا: اگر ہمیں عطا کر دیا جائے تو ہم شکر ادا کرتے ہیں اگر ہمیں

روک دیا جائے تو ہم صبر کرتے ہیں۔"

حضرت امام جعفر صادق نے جواب دیا: مدینہ طیبہ کے کتے اسی طرح کرتے ہیں حضرت شقیق: آپ کا کیا فتویٰ ہے۔ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا: اگر ہمیں عطا کیا جائے تو ہم ترجیح دیتے ہیں اگر ہمیں روک دیا جائے تو ہم شکر ادا کرتے ہیں۔"

الشاهد

عالم یا حاضر مطلع۔ یہ شہود سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا ۔ (الاحزاب:۴۶)

ترجمہ: "ہم نے اس کو بھیجا (سب سچائیوں) کا گواہ بنا کر۔"

یعنی ان لوگوں پر شاہد بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا ہے آپ کا ان کے بارے فرمان عند اللہ اسی طرح مقبول ہے جیسے عادل گواہ کا قول قبول کیا جاتا ہے۔

الششن

بڑے بڑے ہاتھوں اور قدموں والے۔ اہلِ عرب ایسے شخص کی تعریف کرتے تھے۔ القاضی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پوروں میں چھوٹے پن کے بغیر سختی ہو۔ مردوں میں یہ وصف قابل تعریف ہے۔ کیونکہ اس طرح گرفت مضبوط ہوتی ہے۔

الشديد

یہ اشداء کا واحد ہے۔ شدید صفت مشبہ ہے۔ جس کی شدت واضح ہو۔ اس سے مراد قوت ہے جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ ۔ (الفتح:۲۹)

ترجمہ: "(جانِ عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں، آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں سخت ہیں۔"

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ (التحریم:۹)

ترجمہ: "اور ان پر سختی کرو۔"

حضرت حسن نے لکھا ہے کہ ان پر ان کی شدت کا عالم یہ تھا کہ وہ احتیاط کرتے تھے کہ ان کے جسم اور کپڑے بھی چھونے نہ پائیں۔

الشدقم

بلیغ۔جس کے منہ کے کنارے بڑے ہوں۔اس کی میم زائد ہے۔امام مسلم نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کشادہ دہن تھے۔

الشریف

یہ الشرف سے صفت مشبہ ہے۔اس سے مراد بلند رتبہ ہے یا دوسرے سے افضل مراد ہے۔فعیل فاعل یا مفعول کے معنی میں ہے۔

الشفاء

بیماری سے شفاء۔اور اس سے سلامتی۔آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا کیونکہ آپ کے طفیل بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (یونس:۵۷)

ترجمہ: "آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے اور (آ گئی ہے) شفا روگوں کی جو سینوں میں ہے۔"

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی ذاتِ والا ہے۔

الشمس

دن کے ستارے کو شمس کہا جاتا ہے۔آپ کا یہ نام نامی اس لیے رکھا گیا یا تو آپ کی شریعت کے غلبہ کی وجہ۔یا اس کے علو اور رفعت کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا۔کیونکہ سورج کا رتبہ سارے ستاروں سے بلند ہے۔متاخرین اہل ہیئت کے محققین کے نزدیک چھٹے آسمان پر ہے۔یا اس لیے کہ اس سے کثیر نفع حاصل ہوتا ہے۔جیسے حضور ﷺ سے بہت زیادہ نفع اور فائدہ حاصل ہوتا ہے۔سورج کھیتی پکاتا ہے۔دانہ مضبوط کرتا ہے۔جسم تر کرتا ہے۔یا اس عظیم منصب اور جلیل قدر کی وجہ سے آپ کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو آپ کو عطا کیا گیا ہے۔آپ کے اوصاف کے کمال کی وجہ سے آپ کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔آپ کے جلال کی وجہ سے آنکھ بھر کر آپ کی طرف دیکھا نہیں جا سکتا۔سورج کے بڑے جسم کی بھی یہی کیفیت ہے۔حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ یہ سورج زمین سے ایک سو ساٹھ یا پچاس، یا بیس گنا بڑا ہے۔نگاہ اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔بلکہ یہ اسے تھکا دیتی ہے۔اسے اندھا کر دیتی ہے۔یا اس لیے کہ انبیائے کرام کا مبارک نور آپ کے نور سے ہی ہے۔جیسے کہ امام بوصیری نے کہا ہے:

و کل آی آتی الرسل الکرام بہا فانما اتصلت من نورہٖ بہم

ترجمہ: ''وہ سارے معجزات جو دیگر رسل عظام علیہم السلام لے کر آئے۔ یہ معجزات انہیں آپ کے نور پاک کی وجہ سے ہی نصیب ہوئے تھے۔''

جس طرح سارے ستارے سورج کے نور سے اکتسابِ فیض کرتے ہیں۔ دیگر ستاروں کے انوار سورج کے نور کے سامنے چھپ جاتے ہیں گویا کہ وہ اس سے اکتساب کرتے ہیں ورنہ سورج ایک شفاف جوہر ہے جس کا کوئی رنگ نہیں بذاتِ خود روشن ہے۔ یا دیگر ستارے مراد ہیں جن کا ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے ہم صرف چاند کو دیکھ سکتے ہیں۔ وہ بذاتِ خود مکمل ہے۔

الشهاب

سردار یا روشن ستارہ۔ آپ کا یہ اسم مبارک اسی طرح رکھا گیا ہے جس طرح آپ کا نام النجم رکھا گیا ہے۔ یا اس سے آپ کو شہاب اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کے ذریعے رب تعالیٰ نے اپنے دین کی ہر سرکش اور باغی سے حفاظت کی۔ جس طرح کہ آسمانِ دنیا ہر سرکش شیطان سے حفاظت شہب کے ساتھ کی۔ حضرت کعب بن مالک آپ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ان الرسول شهاب ثم يتبعه　　　نور مضيئ فضل على الشهب

ترجمہ: ''بلاشبہ حضور ﷺ شہاب ہیں پھر ایک تاباں نور آپ کے پیچھے ہوتا ہے آپ کو شہب پر فضیلت حاصل ہے۔''

الشهم

سید۔ سردار جس کا حکم نافذ ہو۔

الشهيد

علیم یا پاکباز عادل۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ (البقرہ: ۱۴۳)

ترجمہ: ''اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو۔''

امام بخاری نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضور ﷺ باہر تشریف لائے۔ اہلِ احد کے لیے اس طرح دعا فرمائی جس طرح آپ میت کے لیے دعا فرماتے تھے۔ پھر منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمہارا پیش رو ہوں۔ میں تمہارا گواہ ہوں۔'' یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کا معنی ہے کہ وہ ذات جس سے کچھ بھی مخفی نہ ہو۔'' ابن الاثیر نے لکھا ہے یہ مبالغہ کا صیغہ ہے جو فعیل بمعنی فاعل ہے جب مطلق علم کا اعتبار کیا جائے تو وہ علیم ہے۔ جب امور باطنیہ کی طرف نسبت کی جائے تو وہ خبیر ہے جب امور ظاہریہ کی طرف نسبت کی جائے تو وہ شہید ہے یہ شہید خبیر اور علیم ہے لیکن اس کے برعکس نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے علم کے مطابق روزِ حشر گواہی دیں

گے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "روزِ حشر حضرت نوح کو بلایا جائے گا۔ ان سے پوچھا جائے گا: "کیا آپ نے پیغام حق پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے "ہاں" ان کی قوم کو بلایا جائے گا۔ اس سے پوچھا جائے گا "کیا انہوں نے تمہیں پیغام حق پہنچا دیا تھا" وہ کہیں گے "ہمارے پاس تو کوئی نذیر نہیں آیا۔ ہمارے پاس کوئی بھی نہیں آیا۔" حضرت نوح سے کہا جائے گا کہ آپ کی گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے "محمد عربی ﷺ اور آپ کی امت۔" ارشادِ ربانی ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ (البقرۃ: ۱۴۳)

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے بنایا تمہیں (اے مسلمانوں) بہترین امت۔"

حرف الصاد

الصابر

یہ الصبر سے اسم فاعل ہے۔ نفس کو تنگی اور گھبراہٹ کے وقت جزع و فزع سے روک لینا ہے۔ "الاحیاء" میں ہے۔ یہ دین کے باعث کا ثبات ہے تا کہ وہ خواہشات نفسانیہ کے باعث (ابھارنے والے) کا مقابلہ کر سکے۔" امام قشیری نے لکھا ہے "صبر یا تو بندے کے تصرف یہ ہے یا کسی دوسرے کے تصرف پر۔ پہلا صبر اس چیز پر ہے جس کا رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا جس چیز سے روکا ہے۔ دوسرا صبر اس چیز پر ہے جو رب تعالیٰ کے حکم سے بندے تک پہنچے اور اس میں مشقت ہو۔" حضرت جنید بغدادی نے لکھا ہے "منہ بسورے بغیر تلخی کا گھونٹ پی لینا صبر ہے۔" حضرت ابن عطاء نے لکھا ہے "حسن ادب کے ساتھ مصائب کے ساتھ ٹھہرنا ہے۔" جریدی نے کہا ہے کہ انسان نعمت اور امتحان کی حالت ترک کر دے لیکن رب تعالیٰ سے شکوہ کرنا اس کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر فرمایا ہے۔

وَجَدْنٰهُ صَابِرًا۔ (ص: ۴۴)

ترجمہ: "ہم نے انہیں پایا صبر کرنے والا۔"

حالانکہ انہوں نے شکوہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ (الانبیاء: ۸۳)

ترجمہ: "مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے۔"

آزمائش کے بوجھ کے ساتھ ساتھ مصیبت پر پرسکون ہونا صبر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے: "صبر کے تین درجات ہیں:

1. شکوہ ترک کر دینا۔ یہ تائبین کا درجہ ہے۔

◆ ۲ تقدیر پر رضا یہ زاہدین کا درجہ ہے۔
◆ ۳ جو کچھ رب تعالیٰ کرتا ہے اس سے محبت۔ یہ صدیقین کا درجہ ہے۔"

حضرت خواص علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے "یہ کتاب وسنت کے احکام پر ثبات ہے" بعض علماء نے فرمایا ہے کہ صبر یا بدنی ہوگا یا نفسی۔ اگر صبر پیٹ کی شہوت سے ہو تو یہ عفت ہے۔ اگر مصیبت سے ہو تو یہ صبر ہے۔ اس کی ضد جزع وفزع ہے۔ اگر غنا کو برداشت کرنے میں ہو تو یہ ضبط نفس ہے۔ اس کا ضد اترانا ہے۔ اگر یہ جنگ میں ہو تو یہ شجاعت ہے۔ اس کی ضد بزدلی ہے۔ اگر یہ غصہ پی جانے میں ہو تو یہ حلم ہے اس کی ضد سفاحت ہے۔ اگر یہ گفتگو مخفی رکھنے میں ہو تو یہ راز چھپانا ہے۔ اور اگر زندگی کی فضولیات سے ہو تو یہ زہد ہے۔ ارشاد پاک ہے:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ۔ (الطور:۴۸)

ترجمہ: "اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم سے۔"

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (النحل:۱۲۷)

ترجمہ: "اور آپ صبر فرمائیے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر اللہ کی توفیق۔"

حضور ﷺ ان سارے معانی کے اعتبار سے سارے لوگوں سے زیادہ صابر تھے۔ ابن سعد نے حضرت اسماعیل بن عیاش سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ لوگوں کی اذیتوں پر سب لوگوں سے زیادہ صبر کرنے والے تھے۔

الصاحب

"ع، ح، د، خا" یہ الصحبۃ سے اسم فاعل ہے۔ معاشرہ اور ملازمہ کو صحبۃ کہا جاتا ہے۔ ارشادِ پاک ہے:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ (النجم:۲)

ترجمہ: "تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا نہ بہکا۔"

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (التکویر:۲۲)

ترجمہ: "اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں۔"

"د" نے کہا ہے "یہ عالم، حافظ اور لطیف کے معنی میں ہے۔" "ع" نے کہا ہے "آپ کو صاحب اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ حسن معاملہ، مروّت، وقار، عزت اور نیکی کے ساتھ پیش آتے تھے۔" "د" نے کہا ہے کہ کبھی کبھی صاحب کا اطلاق رب تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے "اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل" "ع" نے کہا ہے کہ صحبت کی تین اقسام ہیں:

◆ ۱ تم سے بالاتر کی رفاقت۔ یہ حقیقت میں خدمت ہوتی ہے۔ اس کے آداب میں سے ہے کہ انسان عزت کو چھوڑ دے اور جو کچھ اس سے صادر ہو اسے برداشت کرے۔

- اپنے سے کم تر کی رفاقت۔ یہ تقاضا کرتی ہے کہ متبوع پر شفقت کی جائے تابع کی عزت کی جائے۔ اس کے آداب میں سے ہے کہ تم اس کے عیب کو کسی سرزنش کے بغیر بتا دو۔
- برابر کی رفاقت۔ یہ دوستوں اور ساتھیوں کی رفاقت ہے۔ اس کا انحصار ایثار پر ہے۔ اس کے آداب میں سے ہے کہ ان کے عیوب سے پہلوتہی کی جائے جو کچھ اِن سے صادر ہو اسے اچھی طرح برداشت کیا جائے۔"

صاحب الآيات

صاحب المعجزات

صاحب الازواج الطاهرات

صاحب البرهان

صاحب البيان

صاحب التاج

یہ اسم گرامی انجیل میں مرقوم ہے۔ جیسے پہلے گزر چکا ہے۔ یا تاج سے مراد عمامہ اس وقت صرف اہلِ عرب عمامہ باندھتے تھے۔ یہ عمامے اہلِ عرب کے تاج ہیں۔

صاحب الخير

صاحب الدرجة العاليه الرفيعه

صاحب الرداء

صاحب السجود لرب المعبود

صاحب السرايا

صاحب الشرع

صاحب العطاء

صاحب العلامات الباهرات

صاحب العلو والدرجات

صاحب الفضيلة

صاحب الفرج

صاحب القوم

صاحب المغنم

صاحب الحجۃ

صاحب الحوض المورود

صاحب الکوثر

دار قطنی نے جید سند کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جو نہر کوثر کے چلنے کی آواز سننا چاہتا ہو۔ اسے اپنی دو انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں رکھنی چاہئیں۔

صاحب الحطیم

صاحب الخاتم

یا اس سے مراد مہر نبوت ہے۔ یا اس سے مراد وہ مبارک انگوٹھی ہے جسے آپ پہنتے تھے۔

صاحب زمزم

صاحب سلطان

"یا" نے لکھا ہے کہ سابقہ کتب میں آپ کا یہ اسم گرامی موجود تھا۔ ابن ظفر نے حضرت شعیا علیہ السلام کی کتاب سے نقل کیا ہے "ان کی سلطنت کی نشانی ان کے کندھے پر ہوگی۔" عبرانی زبان میں ہے "ان کے شانے پر مہر نبوت ہوگی۔ اس جگہ سلطان سے مراد نبوت ہے۔ لفظ سلطان پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

صاحب السیف

سابقہ کتب میں آپ کا یہ اسم گرامی بھی موجود ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ جہاد کریں گے۔ سابقہ کتب میں ہے کہ آپ کی تلوار آپ کے کندھے پر ہوگی۔ آپ راہِ خدا میں جہاد کریں گے۔ امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "مجھے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ کی عبادت ہونے لگے جس کا کوئی شریک نہیں۔" امام علامہ جمال الدین بن نباتہ نے تلوار اور قلم کے مابین فخر کا مقابلہ لکھا ہے۔ انہوں نے وہاں تلوار کے خصائص لکھے ہیں اسے قلم پر فوقیت دی ہے نیز یہ کہ آپ کے دست اقدس نے تلوار تو اٹھائی ہے قلم نہیں۔

صاحب شفاعۃ العظمی

صاحب اللواء

اس سے مراد لواء حمد ہے۔ آپ کبھی کبھی وہ جھنڈا اٹھایا کرتے تھے جو جنگ کے لیے باندھا جاتا تھا۔ اس طرح یہ جہاد سے کنایہ ہوگا۔

صاحب المحشر

محشر سے مراد حشر کی جگہ ہے۔ اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ روز حشر آپ ہی کلام فرمائیں گے۔ اس میں شفاعت، لواء، مقام محمود اور کوثر آپ کو ہی نصیب ہوگی۔ آپ کے لیے ایسے خصائص کا اظہار ہوگا۔ جو کسی اور میں نہیں پائے جائیں گے۔

صاحب المدرعة

انجیل میں آپ کا اسم گرامی ''راکب الجمل'' مذکور ہے مدرعۃ سے مراد لوہے کا گزرہے اس اسم کا معنی جہاد اور جنگ کی طرف راجع ہے۔

صاحب المعشر

مزدلفہ سارے کا سارا معشر ہے۔ اس کو مشعر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں شعائر یعنی دین کی علامات ہیں۔

صاحب المعراج

صاحب المقام المحمود

صاحب المنبر

صاحب النعلین

صاحب الھراوۃ

انجیل میں آپ کا یہ اسم گرامی مکتوب ہے۔ ہراوہ سے مراد عصا ہے۔ شاید اس سے مراد وہ عصا مبارک ہے جو حوضِ کوثر کی روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میں اپنے عصا مبارک کے ساتھ لوگوں کو دائیں طرف ہٹاؤں گا۔'' امام نووی نے لکھا ہے کہ اس اسم گرامی کی یہ وجہ بیان کرنا ضعیف ہے۔ کیونکہ اس سے مراد ایسی نشانی سے آپ کی پہچان کروانی مقصود ہے۔ جسے دیکھ کر لوگوں کو آپ کی صداقت کا یقین آجائے۔ نیز سابقہ کتب میں آپ کی اسی اسم کے ساتھ بشارت دی گئی ہے۔ لہٰذا اس سے عصا کی تفسیر کرنا درست نہیں جو آخرت میں ہوگا۔ صحیح یہ ہے کہ آپ اپنے دستِ اقدس میں اکثر عصا مبارک پکڑتے تھے۔ آپ چلتے تھے تو عصا آپ کے آگے ہوتا تھا۔ اسے آپ کے لیے گاڑھا جاتا تھا۔ آپ اس کی طرف رخ انور کر کے نماز پڑھتے تھے۔'' امام احمد نے زہد میں ابوالمثنی الاملوکی سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ انبیائے کرام عصا لے کر کیوں چلتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: ''وہ اپنے رب تعالیٰ کے لیے عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے تھے۔

صاحب لا الہ الا اللہ

تورات میں آپ کی یہ صفت مذکور ہے۔ ''رب تعالیٰ آپ کا وصال نہیں فرمائے گا حتیٰ کہ آپ کی وجہ سے ٹیڑھی

ملت سیدھی ہو جائے گی۔ وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگیں گے۔"

الصادع

یہ صَدَع سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی بآواز بلند دلیل دینا ہے یہ مدیع سے ہے اس کا معنی فجر ہے سے یا یہ الصَدْع سے مشتق ہے۔ جس کا معنی فاصلہ یا فرق ہے "ط" نے اسے رب تعالیٰ کے اس فرمان سے اخذ کیا ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ (الحجر:۹۴)

ترجمہ: "سو آپ اعلان کر دیجیے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا"۔

الصادق

یہ صدق سے اسم فاعل ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "ہمیں حضور ﷺ نے فرمایا جو صادق و مصدوق ہیں کہ حضرت جبرائیل نے آپ کو بتایا۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ صادق و مصدوق آپ کے واضح اسماء میں یہ اعلام کے قائم مقام ہو گئے ہیں۔ زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ ابو جہل حضور ﷺ سے ملا اس نے کہا: "ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے۔ بلکہ اس پیغام کو جھٹلاتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ (الانعام:۳۳)

ترجمہ: "تو وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔"

یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ (النساء:۸۷)

ترجمہ: "کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے میں۔"

صاعد المعراج

یہ الصعود سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی اوپر چڑھنا ہے۔

الصالح

شب معراج کو انبیائے کرام علیہم السلام نے آپ کا اس طرح استقبال کیا تھا "مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح" "الصالح" ایسا کلمہ ہے جو خیر کے سارے معانی کو جامع ہے۔ زجاج نے لکھا ہے کہ صالح وہ ہوتا ہے جو رب تعالیٰ کی فرائض اور بندوں کے حقوق پورے کرتا ہے۔ "المطالع میں ہے "صالح وہ ہوتا ہے جو وہ سارے حقوق پورے کرتا ہے جو اس پر لازم ہوتے ہیں۔"

الصبور

یہ الصبر سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یہ فعول کے وزن پر فاعل کے معانی میں ہے۔ اس ذات کو صبور کہا جاتا ہے جسے جلد بازی، گرفت کرنے پر نہ ابھارے۔ آپ اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر کرتے تھے۔ ان کے لیے بہت زیادہ حلم کا مظاہرہ فرماتے۔ جب غزوۂ احد کے روز جب عتبہ بن ابی وقاص نے آپ کے چہرہ انور پر تیر مارا۔ آپ کے دندانِ مبارک ٹوٹ گئے۔ اور نچلا لب مبارک زخمی ہوگیا۔ عبداللہ بن شہاب نے آپ کا چہرہ انور زخمی کر دیا۔ عبداللہ بن قمہ نے آپ کے چہرہ انور پر مارا حتیٰ کہ خود کی دو کڑیاں چہرہ انور میں چلی گئیں۔ اس روز آپ سے عرض کی گئی کہ آپ ان کے لیے بددعا کریں۔ آپ نے یہ دعا مانگی: ''مولا! میری قوم کو ہدایت عطا فرما۔ وہ کچھ نہیں جانتے۔'' آپ رب تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ (الاحقاف: ۳۵)

ترجمہ: ''(پس اے محبوب) آپ صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔''

اولوالعزم رسل عظام سے مراد حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

الصبور رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ذات جسے جلد بازی گناہ گاروں کا مؤاخذہ کرنے پر نہ ابھارے۔ نہ ہی وہ سرکشی کی سزا دینے میں جلدی کرے۔ صبر اور حلم کے مابین فرق یہ ہے کہ حلم امر کے آخر میں سزا کا شعور نہیں دلاتا۔ جبکہ صبر یہ شعور دلاتا ہے۔

الصبیح

خوبصورت۔ یہ صباحۃ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد حسن و جمال ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ سارے لوگوں سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔

الصدوق

جس ہستی سے صدق کا صدور بار بار ہو۔ اس سے مراد اخلاص ہے۔ اس کا پہلا مرتبہ ظاہر اور باطن میں ایک جیسا ہونا ہے۔ واسطی نے لکھا ہے ''قصد کے ساتھ توحید کی درستگی صدق ہے۔''

الصدق

اسے الشیخ علیہ الرحمۃ نے رب تعالیٰ کے اس فرمان سے اخذ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۚ (الزمر: ۳۲)

ترجمہ: ''پس اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور تکذیب کرتا ہے اس سچ کی

جب وہ اس کے پاس آیا۔"

الصديق

یہ الصدق سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی یقین رکھنے والا یا وہ ذات ہے جس کا قول اس کے عمل کی تصدیق کرے۔

الصراط المستقيم

ابوالعالیۃ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات والا ہے۔ اس روایت کو عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ ایسا راستہ ہیں جو رب تعالیٰ تک جاتا ہے۔ صراط سے مراد واضح راستہ اور مستقیم سے مراد ایسا سیدھا ہے جس میں ٹیڑھا پن نہ ہو۔ صراط الذين انعمت عليهم۔

الصفوه

عمدہ۔ خلاصہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کی: "انت نبی الله و صفوته"

الصفوح

تورات میں آپ کی یہ صفت موجود ہے "آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے بلکہ معاف اور درگزر فرمائیں گے۔"
شمائل میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے "حضور ﷺ بری بات نہ کرتے تھے آپ فحش گو نہ تھے۔ آپ نہ بازاروں میں شور فرماتے تھے۔ نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے۔ بلکہ درگزر اور معاف کر دیتے تھے۔" صفوح الصفح سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی گناہ گاروں سے درگزر کرنا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ (الحجر:۸۵)

ترجمہ: "(اے حبیب) پس آپ درگزر فرمایا کیجئے ان سے عمدگی کے ساتھ۔"

ایک قول یہ ہے کہ یہ عفو سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ بعض اوقات انسان معاف کر دیتا ہے درگزر نہیں کرتا۔ "عا" نے لکھا ہے "میرے نزدیک عفو، صفح سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ یہ مواخذہ سے اعراض کرنا ہے جبکہ عفو گناہ کو محو کر دیتا ہے۔ محو کا لازم اعراض ہے۔ لیکن اس کے برعکس نہیں۔

الصفي

وہ ذات جسے عظیم ہستی اپنے آپ کے لیے چن لے یہ فعیل فعول کے معنی میں ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو چن لیا تھا۔"

الصندید

سید، جس کی ساری اطاعت کریں۔ بہادر شجاع، حلیم، جواد، شریف۔

الصیّن

یہ الصانہ سے صفت مشبہ ہے۔ اس سے مراد امور کی حفاظت کرنا ہے۔ کیونکہ آپ اپنے نفس کی میل کچیل سے حفاظت کرتے تھے۔ اپنے قلب انور کی شک اور ہوس سے حفاظت کرتے تھے۔

حرف الضاد

الضابط

ضبط الشی سے مشتق ہے یعنی کسی چیز کی حفاظت کرنا۔ یہ حفیظ یا حافظ کے معنی کی طرف راجع ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ اس کلام الٰہیہ کی حفاظت فرماتے تھے جو آپ پر وحی کیا جاتا تھا۔ یعنی اس کی حفاظت فرماتے تھے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔

الضارب الحسام

الضارع

رب تعالیٰ کی بارگاہ میں خشوع وخضوع کرنے والے۔ کہ ضرع سے اسم فاعل ہے۔ آپ کا یہ ام گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت زیادہ عاجزی، انکساری اور خشوع وخضوع کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً۔ (الاعراف:۲۰۵)

ترجمہ: "اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے"

الضحاك

وہ ہستی جو میدان جنگ میں دشمن کا خون بہائے۔

الضحوك

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تورات میں آپ کا اسم گرامی الضحوک ہے" آپ بہت زیادہ جہاد فرمائیں گے۔ اونٹ پر سوار ہوں گے۔ چادر اوڑھیں گے۔ آپ روٹی کے ٹکڑے پر اکتفاء کریں گے۔ آپ کی تلوار آپ کے مبارک کندھے پر ہوگی۔"

ابن فارس نے لکھا ہے کہ آپ کو الضحوک اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کا نفس عمدہ تھا آپ اپنے پاس آنے

والے کو مسکرا کر ملتے تھے۔ اہلِ عرب کے جفا جو اور اعرابی آپ کے پاس آتے تھے۔ وہ آپ کو سخت اور تند خو نہیں پاتے تھے۔ بلکہ گفتگو میں آپ نرم ہوتے تھے۔ آپ کا لہجہ انتہائی شائستہ ہوتا تھا۔

الضمین

یہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔ دراصل اس کا معنی الکفالۃ ہے۔ لیکن اس جگہ یہ حفاظت اور نگرانی کے معنی میں ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ اپنی امت کی حفاظت اور نگہبانی کرتے ہوئے اس کی شفاعت فرمائیں گے۔ امام بخاری نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جو مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو دو جبڑوں کے مابین ہے اور اس چیز کی ضمانت دے جو دو ٹانگوں کے مابین ہے میں رب تعالیٰ کی طرف سے اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

الضیغم

سید، سردار، جس کی اطاعت کی جائے، جری، بہادر۔

الضیاء

بہت زیادہ اور عظیم نور۔ آپ کو اور قرآن پاک کو ضیاء اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ ان دونوں سے اہلِ دانش اور عقلمند اس طرح ہدایت حاصل کرتے ہیں جس طرح تاریک ظلمتوں میں نور سے راہ نمائی لی جاتی ہے۔ حضرت عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حکمۃ بعد حکمۃ و ضیاء قد ھدینا بنورھا من عمانا

ترجمہ: "آپ حکمت کے بعد حکمت اور ایسا اجالا ہیں جس کے نور کے ذریعے ہمارے اندھے پن سے ہماری راہ نمائی لی گئی۔"

حرف الطاء

طاب طاب

"ع" نے لکھا ہے آپ کا یہ اسم گرامی تورات میں موجود ہے۔ اس کا معنی عمدہ ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ جس قوم میں بھی آپ کا ذکر کیا جائے اس میں آپ کا ذکر خوشگوار لگے۔

الطاھر

میل کچیل اور گندگی سے پاک صاف، مطہر، منزہ۔ یہ طہارۃ سے اسم فاعل ہے۔ بعض علماء نے اسے دو قسموں میں

منقسم کیا ہے۔

① حسی ② معنوی

حسی یہ ہے کہ انسان ظاہری میل کچیل سے پاک وصاف ہو۔ معنوی یہ ہے کہ انسان باطنی گندگی سے صاف ہوں جیسے گندے اخلاق۔ انسان اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو۔ علامہ نیشاپوری نے لکھا ہے کہ طہارت کی دس قسمیں ہیں:

① دل کی طہارت۔ یہ دل کو رب تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے پھیر لینا ہے۔

② سِرّ کی طہارت۔ یہ مشاہدہ کا دیدار کرنا ہے۔

③ طہارۃ الصدر۔ اس سے مراد رجاء اور قناعت ہے۔

④ طہارۃ الروح۔ اس سے مراد حیاء اور ہیبت ہے۔

⑤ طہارۃ البطن۔ اس سے مراد حلال کھانا اور عفت ہے۔

⑥ طہارت البدن۔ اس سے مراد شہوات کو ترک کرنا ہے۔

⑦ طہارۃ الیدین۔ اس سے مراد تقویٰ اور جدو جہد ہے۔

⑧ طہارۃ المعصیۃ۔ اس سے مراد حسرت اور ندامت ہے۔

⑨ طہارۃ اللسان۔ اس سے مراد ذکر اور استغفار ہے۔

⑩ طہارۃ التقصیر۔ اس سے مراد برے خاتمہ کا خوف ہے۔ ہم رب تعالیٰ سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ طہارت کی ساری اقسام کے جامع ہیں۔ رب تعالیٰ نے آپ کے ظاہر اور باطن سرا ور علانیہ کو پاک صاف فرمایا ہے۔

الطبیب

اسے "خا، عا" نے ذکر کیا ہے۔ یہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔ اس سے مراد جسم اور نفس کا اس طرح علاج کرنا ہے کہ مرض ختم ہو جائے۔ یعنی وہ ذات اقدس جو علیلوں کو شفاء یاب کرتی ہے۔ جس کی برکت سے دکھ دور ہو جاتے تھے۔

الطراز المعلم

یعنی مشہور علم جس کے ذریعے ہدایت حاصل کی جاتی ہے الطِراز کپڑے کا نام ہے یہ فارسی کا لفظ ہے جسے معرب بنایا گیا ہے۔ اس امت کے شرف کی وجہ سے آپ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ مُعلَم۔ مفعول کا صیغہ ہے۔ جس پر علامت لگا دی گئی ہو۔ وہ علامت جس سے ایک چیز دوسری سے ممتاز ہو جائے۔

طٰس

طسم

ان دونوں ناموں کو "ذ" اور نسفی نے ذکر کیا ہے۔ایک جماعت نے انہیں رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ذکر کیا ہے۔ایسے اسماء کی دو قسمیں ہیں:

1. وہ جو اسم مفرد ہو جیسے صاد، قاف۔اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔
2. ایسا نام جو کئی ناموں کا مجموعہ ہو۔وہ اسم مفرد کے وزن پر ہو جیسے حم، طس، یس۔یہ ہابیل اور قابیل کے وزن پر ہیں ان میں اعراب اور حکایت جائز ہے۔اسی طرح طسم ہے۔یہ جائز ہے کہ اس کے نون کو فتح دے کر میم کو اس کے ساتھ ملا دیا جائے۔اس طرح یہ ایک مرکب اسم بن جائے گا جیسے "دارابجرد" یہ دارا اور بجرد سے مرکب ہے۔ دارا بادشاہ کا نام ہے۔بجرد شہر کا نام ہے۔

طٰہٰ

بہت سے علماء نے اس کو آپ کا اسم شمار کیا ہے۔ابن مردویہ نے ضعیف سند سے حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔یعنی اے وہ ذات والا جو عیوب اور گناہوں سے پاک ہے۔اے وہ ذات جو ہر بھلائی کی طرف راہ نمائی کرنے والی ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔میں نے اپنی کتاب "القول الجامع الوجیز لخادم القرآن العزیز" میں ایسے اسماء پر بہت بحث کی ہے جو قرآن پاک کی سورتوں کی ابتداء میں ہیں۔

الطھور

خود پاک، دوسروں کو پاک کرنے والے! آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ گناہوں سے پاک ہیں۔ عیوب سے منزہ ہیں۔اپنی امت کو بھی گناہوں سے پاک صاف فرمانے والے ہیں۔

الطیب

یہ سید کے وزن پر ہے۔پاک، صاف۔آپ سے پاکیزہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔دل کے اعتبار سے آپ اتنے پاک ہیں کہ آپ کا علقہ نکال دیا گیا ہے۔جسم اطہر کے اعتبار سے آپ سراپا اطاعت ہیں۔امام ترمذی نے شمائل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: "میں نے کوئی ایسا مشک یا عطر نہیں سونگھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ عمدہ خوشبو رکھتا ہو۔" الطیب کے لفظ کا اطلاق رب تعالیٰ کی ذات والا پر بھی ہوتا ہے۔"رب تعالیٰ پاک (طیب) ہے وہ پاکیزہ چیزیں ہی قبول کرتا ہے۔" (مسلم)

حرف الظاء

الظاهر

عیاں، واضح یا قاہر۔رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ ۙ (التوبۃ:۳۳)

ترجمہ: ''وہی (قادرِ مطلق ہے) جس نے بھیجا اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت دے کر اور دین حق دے کر تاکہ غالب کردے اسے تمام دینوں پر۔''

علو اور غلبہ کو ظہور کہا جاتا ہے۔یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں بھی ہے۔اس کا معنی ہے وہ ذات جو ظاہری علامات اور قدرت کاملہ کی وجہ سے عیاں ہو۔

الظفور

خا،عا،نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔فعول بمعنی فاعل ہے یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔اس کا معنی کامیابی ہے۔

حرف العین

العابد

یہ عَبَدَ سے اسم فاعل ہے۔رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰی یَاۡتِیَكَ الۡیَقِیۡنُ ﴿۹۹﴾ (الحجر:۹۹)

ترجمہ: ''اور عبادت کیجئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس یقین۔''

العادل

مستقیم، سیدھا۔جس کے فیصلے میں کوئی ظلم اور ستم نہ ہو۔عدل، ظلم کی ضد ہے۔جناب ابو طالب نے کہا ہے:

حلیم رشید عادل غیر طائش　　　　یوالی الها لیس عنه غافل

العارف

صبر کرنے والے یا عالم۔علامہ قشیری نے لکھا ہے کہ علماء کی زبان پر معرفت سے مراد علم ہے۔ہر عارف باللہ عالم ہوتا ہے۔اسی طرح ہر اس کے برعکس ہے۔صوفیاء کرام کے نزدیک اس شخص کی صفت ہے جو حق تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے۔وہ اپنے گندے اخلاق سے بچتا ہے۔نفس کی غلاظت سے منقطع ہو جاتا ہے۔وہ مخلوق کے لیے اجنبی بن جاتا ہے۔وہ نفس کی آفات سے بری ہو جاتا ہے اس وقت اسے عارف اور اس کی اس حالت کو معرفت کہا جاتا ہے۔بیعت حاصل ہونا

اس کی علامات میں سے ہے جس کی معرفت زیادہ ہوتی ہے۔اس کی ہیبت بڑھ جاتی ہے۔ ہیبت معرفت کی شرط ہے۔
رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ (آل عمران:۲۸)

ترجمہ: "اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنی ذات سے (یعنی غضب سے)۔"

اسی طرح خوف ایمان کی شرط ہے۔ارشاد فرمایا:

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ (آل عمران:۱۷۵)

ترجمہ: "مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو۔"

خشیت علم کی شرط ہے۔ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (فاطر:۲۸)

ترجمہ: "اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں۔"

معرفت سکینہ کا سبب بنتی ہے علم سکون کا سبب بنتا ہے۔امام شبلی نے فرمایا ہے: "عارف کا رب تعالیٰ کے علاوہ کسی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔محب شکوہ نہیں کرتا۔رجاء رکھنے والے کو قرار نہیں اور رب تعالیٰ سے فرار نہیں۔"

حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا ہے "میدان معرفت میں انبیائے کرام کی ارواح نے دوڑ لگائی حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک وصال کے گلشن کی طرف سب سے آگے نکل گئی۔"

اگر یہ پوچھا جائے کہ عارف باللہ افضل ہے یا احکام الٰہیہ کا عالم افضل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے لکھا ہے کہ عارف باللہ افضل ہے۔ کیونکہ علم اپنے معلوم کے مطابق افضل ہوتا ہے۔معرفت رب تعالیٰ کی صفات کا علم ہوتا ہے۔ان کا علم ہر معلوم کے علم سے افضل ہے کیونکہ ان کا تعلق معلومات میں سے افضل کے ساتھ ہے۔ یہاں تک رب تعالیٰ کے اس فرمان کا تعلق ہے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (فاطر:۲۸)

اس جگہ علماء سے مراد وہ علماء ہیں جو حق تعالیٰ کی صفات کا عرفان رکھتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت ابن عباس نے روایت کیا ہے۔ان کے علاوہ دیگر علماء پر اسے محمول کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ان پر خشیت کا غلبہ نہیں ہوتا۔رب تعالیٰ کا فرمان سچ ہے اسے صرف اس پر محمول کیا جائے گا جو رب تعالیٰ کا عرفان رکھتا ہو۔اور اس سے ڈرتا ہو۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عمل متعدی عمل قاصر سے بہتر ہے۔ایمان افضل اعمال میں سے ہے یہ عمل قاصر ہے جبکہ حضور ﷺ نمازوں کے بعد تسبیحات کہتے تھے۔ اسے اموال صدقہ کرنے سے افضل قرار دیا ہے۔حالانکہ صدقات کا نفع فقراء کو ہوتا ہے۔

العاضد

معین، مددگار۔ اس کا اصل معنی بازو سے پکڑنا ہے پھر اسے مددگار کے لیے عاریۃً استعمال کیا جانے لگا۔

العافی

گناہوں سے تجاوز کرنے والے لغزشوں اور خطاؤں کو مٹا دینے والے۔

العالم، العلیم

"د" نے ان دونوں کو ذکر کیا ہے۔ "یا" نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے عالم عَلِم سے مشتق ہے اور اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی ہے دنیاوی اور اخروی حقائق کا ادراک کرنے والا۔ دوسرا مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یہ دونوں اسماء حسنیٰ میں سے بھی ہیں۔ رب تعالیٰ کے حق میں "عالم" کا معنی یہ ہے دنیاوی اور اخروی امور کے حقائق کو جاننے والا۔ علیم سے مراد وہ ذات ہے جسے کمال علم، اس کا ثبات اور ایسا علم کامل حاصل ہو جو کسی اور کو حاصل نہ ہو۔ اس نے اپنے نبی کریم ﷺ کا یہ نام اس لیے رکھا وہ علیم کے علم کو جانتے ہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کے ملکوت سے آگاہ ہیں۔ غیبی امور ان کے سامنے عیاں ہیں آپ کو اولین و آخرین کے علوم عطا کیے گئے ہیں۔ آپ تورات، انجیل اور الہامی کتب سے آگاہ ہیں۔ حکماء کی حکمتوں کو جانتے ہیں گزشتہ اقوام کے حالات سے آگاہ ہیں۔ آپ عربی زبان سے پوری طرح آگاہ ہیں آپ اس کے غریب الفاظ جانتے ہیں۔ فصاحت کی اقسام سے واقف ہیں۔ آپ اس کے ایام، امثال، احکام اور اشعار کے معانی سے آگاہ ہیں اسی طرح آپ علوم کے فنون سے بھی آگاہ ہیں تفصیلات آرہی ہیں۔

العامل

اسے ع، ح، ط نے ذکر کیا ہے۔ شاید یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ (الانعام: ۱۳۵)

ترجمہ: "آپ فرمائیے اے میری قوم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرنے والا ہوں۔"

امام ترمذی نے حضرت علقمہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی: "کیا حضور ﷺ دنوں میں سے کسی دن کے لیے کچھ مخصوص کرتے تھے۔" انہوں نے فرمایا: "آپ کا عمل دائمی ہوتا تھا۔ تم میں سے کس میں اتنی طاقت ہے جیسی طاقت آپ میں تھی۔"

العائل

فقیر۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ (الضحیٰ: ۸)

ترجمہ: ”آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔“

یعنی آپ کو فقیر پایا تو آپ کو مالِ غنیمت دے کر غنی کر دیا۔ یا آپ کے دل کو غنی کر دیا۔ میں کہتا ہوں:
”اس غنی کے بعد آپ کا اسم عائل (فقیر) کہنے میں اختلاف ہے۔“

العبد

حضور ﷺ کے والد گرامی عبداللہ کے زمرہ میں ”عبد“ پر گفتگو ہو چکی ہے مزید تفصیل آگے آئے گی۔

عبد اللہ

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ۔ (الجن:۱۹)

ترجمہ: ”اور بے شک جب کھڑا ہوتا ہے اللہ کا بندہ۔“

ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”رب تعالیٰ کے نزدیک ناموں میں سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمان ہیں۔“ امام حسین بن محمد الدمغانی نے اپنی کتاب ”شوق العروس وانس النفوس“ میں حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اہلِ عرش کے نزدیک حضور ﷺ کا اسم گرامی عبدالحمید، ملائکہ کے نزدیک عبدالمجید، انبیاء کرام کے نزدیک عبدالوہاب، شیاطین کے ہاں عبدالقہار جنات کے ہاں عبدالرحیم، پہاڑوں میں عبدالخالق، خشکی میں عبدالقادر، سمندر میں عبدالمہیمن مچھلیوں کے نزدیک عبدالقدوس، حشرات کے ہاں عبدالغیاث، وحشی جانوروں کے ہاں عبدالرزاق درندوں کے ہاں عبدالسلام، جانوروں کے نزدیک عبدالمومن، پرندوں کے ہاں عبدالغفار ہے۔ مگر یہ روایت بہت زیادہ غریب ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ابن جوزی نے اسے ”التبصرۃ“ میں بھی نقل کیا ہے۔

العدّۃ

ذخیرہ۔ مصائب اور تکالیف دور کرنے کے لیے تیار۔ مشکلات اور الجھنیں دور کرنے کے لیے سامان۔ آپ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ روزِ حشر اپنی امت کے لیے محفوظ ذخیرہ ہیں۔ اس کی نجات اور سلامتی کے کفیل ہیں۔

العدل

گواہی دینے میں کافی یا مستقیم۔ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کا معنی ہے عدل میں مبالغہ کرنے والا۔ عدل، ظلم کی ضد ہے یا اس کا معنی استقامت ہے۔ یعنی وہ ذات جو چاہتی ہے کرتی ہے۔ اس کے بندوں میں اس کا حکم جاری ہے۔

العربی

شب معراج کے متعلقہ روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کا اس طرح استقبال کیا "مرحبا بالنبی العربی" اس روایت کو حسن بن عرفہ نے لکھا ہے۔ آپ عربی کی طرف منسوب ہیں اہلِ عرب کی کئی اقسام ہیں۔

1. عاربہ۔ یہ خالص عربی ہیں۔ یہ ارم اور سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے نو قبائل ہیں جو درج ذیل ہیں۔ عاد، ثمود، اُمیم، عبید، جشم، جدیس، عملیق جرہم اور وبار۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسماعیل کو عربی سکھائی گئی۔ عبدالملک بن حبیب نے لکھا ہے کہ وہ پہلی زبان جسے حضرت آدم جنت سے لے کر اترے وہ عربی تھی پھر اس میں تحریف ہوگئی۔ تو یہ سریانی بن گئی۔ یہ سورنہ جزیرہ کی طرف منسوب ہے اسی جگہ حضرت نوح اور ان کی قوم کا بسیرا تھا۔ یہ عربی زبان کے مشابہ تھی۔ مگر اس میں تحریف کر دی گئی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں موجود سارے انسانوں کی یہی زبان تھی، سوائے ایک شخص کے۔ جسے جرہم کہا جاتا تھا۔ اس کی زبان پہلی عربی تھی جب وہ کشتی سے باہر نکلے تو ارم بن نوح نے اس کی ایک بیٹی سے نکاح کر لیا۔ پھر اس کی اولاد عوص بن عاد، عبید، جاثر، ثمود اور جدیس کی یہی زبان بن گئی۔ عاد کو جرہم کے نام سے پکارا جانے لگا۔ کیونکہ وہ اس کا نانا تھا۔ سریانی زبان ارفخشد بن سام کی اولاد میں رہی حتیٰ کہ یہ اس کی اولاد میں سے قحطان تک پہنچ گئی۔ اس کا بسیرا یمن میں تھا۔ بنو اسماعیل اسی جگہ فروکش ہوئے۔ ان سے قحطان کی اولاد سے عربی سیکھ لی۔ الشیخ نے لکھا ہے کہ صحاح کے اس قول کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ "یعرب بن قحطان نے سب سے پہلے عربی میں گفتگو کی۔ یعنی سریانی زبان والوں میں سے۔

2. بنو قحطان۔ یہ عرب کی دوسری قسم ہے۔ انہیں متعربہ کہا جاتا ہے یہ خالص عربی نہیں ہیں۔

3. المستعربہ یہ بھی خالص عربی نہیں ہیں۔ ابن دحیہ نے کہا ہے "یہ بنو اسماعیل اور معد بن عدنان کی اولاد میں سے ہیں۔ نحاس نے لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل کی عربی کے مطابق ہی قرآن پاک نازل ہوا۔ لیکن حمیر اور جرہم کی عربی اس عربی کے علاوہ ہے۔ وہ فصیح نہیں ہے۔ زبیر کا کتاب النسب میں اسی طرف میلان ہے۔ انہوں نے اسی کی دلیل دی ہے کسی دوسرے پر اعتماد نہیں کیا۔ اسی طرح ابوبکر بن اشتہ نے کتاب المصاحف میں لکھا ہے۔

العروۃ الوثقٰی

مضبوط گرہ۔ دین میں محکم یا ایسا سبب جو رب تعالیٰ کی رضا تک پہنچا دے۔ الشیخ نے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق فرمایا ہے:

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (البقرۃ:۲۵۶)

ترجمہ: "تو اس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ۔"

میں عروۃ الوثقیٰ سے مراد حضور ﷺ ہیں یا آپ سے مراد اسلام ہے۔

العزیز

قوی یا غالب۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ۔ (المنفقون:۸)

ترجمہ: "حالانکہ ساری عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے ہے۔"

یعنی امتناع اور جلالت قدر۔ لیکن رب تعالیٰ کے اس فرمان:

اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۔ (یونس:۶۵)

ترجمہ: "یقیناً عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ساری۔"

میں عزت کاملہ مراد ہے۔ جس میں الٰہیہ، تخلیق، احیاء، اماتۃ اور دائمی بقا شامل ہے یہ سب کچھ رب تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ یہ نام مبارک رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ رب تعالیٰ کے حق میں اس کا معنی ہے ممتنع، یا غالب یا وہ ذات جس کی مثال نہ ہو۔ یا دوسرے کو عزت عطا کرنے والا آپ کے حق میں یہ سارے معانی صحیح ہیں۔

العصمۃ

یعنی وہ ذات پاک اولیاء جس کی کرامت کی رسی کو تھامیں۔ گناہگار جس کی شفاعت میں پناہ حاصل کریں۔

عصمۃ عاصم کے معنی میں ہے جس طرح عدل عادل کے معنی میں ہے۔

ابن سعد، الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ آپ کے چچا نے آپ کے معصوم بچپن میں آپ کے وسیلہ سے بارش طلب کی۔ جب اہل مکہ کو لگاتار قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ جناب ابوطالب کوہِ ابی قبیس پر چڑھ گئے آپ کے روئے تاباں کے طفیل بارش کی دعا کی۔ انہیں بارش عطا کر دی گئی۔ انہوں نے آپ کی تعریف میں کہا:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

ترجمہ: "یہ بھی ممکن ہے کہ یہ معصوم کے معنی میں ہو جس طرح لقمہ ملقوم کے معنی میں ہے۔ اصل میں اس سے مراد وہ چیز ہے جو کنگن کی طرح پہنی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے جیسا کہ المواقف میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ اور اس طرح سارے انبیاء کرام میں رب تعالیٰ نے گناہ پیدا ہی نہیں کیا۔"

عصمۃ اللہ تعالیٰ

"الفردوس" میں سند کے بغیر روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: انا عصمۃ اللہ انا حجۃ اللہ۔

العطوف

از حد شفیق۔ یہ العطف سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ دراصل اس کا معنی جھکنا ہے۔ عطف الغصن اس وقت کہا جاتا ہے جب شاخ جھک جاتی ہے انسان کے دو پہلوؤں کو عطف کہا جاتا ہے۔ پھر اسے نرمی اور شفقت کے لیے عاریۃً استعمال کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ یہ علی سے متعدی ہو۔ جب یہ عن سے متعدی ہو تو یہ اس کی ضد ہے۔ آپ کی شفقت اور رافت کی وجہ سے آپ کو عطوف کہا جاتا ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عطوف علیھم لا یثنّی جناحہ الی کنف یحنو علیھم و یمھد

ترجمہ: ''ان پر آپ کی شفقت آپ کے رحمت کے پروں کو ٹیڑھا نہیں کر سکتے۔ آپ ان پر شفقت کرتے تھے اور ان کے معاملہ کو آسان کرتے تھے۔''

العظیم

جلیل، کبیر۔ عظمۃ الشیٔ اس چیز کے بارے کہا جاتا ہے۔ جو بذاتِ خود کامل ہو غیر سے مستغنی ہو عظیم اور جلیل میں فرق پہلے گزر چکا ہے۔ تورات کے سفر اول میں ہے ''عنقریب وہ عظیم کو عظیم امت کے لیے پیدا کرے گا۔ آپ عظیم ہیں خلق عظیم پر فائز ہیں۔ آپ کے حق میں اس کا معنی ہے جلیل الشان۔ یا وہ ذات ہر چیز جس سے کم مرتبہ ہو۔ یا جو عظمت کے بلند مراتب پر فائز ہو جن کی حقیقت تک ذہن اور عقل نہ پہنچ سکیں۔ یا وہ ذات جس کی عظمت کی ابتدا نہ ہو جس کی کبریائی کی انتہا نہ ہو۔

العفو

اسے ''یا'' اور ''د'' نے ذکر کیا ہے یہ العافی کی مثل ہے۔ لیکن یہ اس سے زیادہ بلیغ ہے کہا جاتا ہے فھو عاف و عفو پہلا لفظ عفو کی اصل پر جبکہ دوسرا لفظ۔ درگزر کے بار بار اور کثرت کے وقوع پر دلالت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی گناہوں میں کوئی ایک قسم بھی معاف نہ کر سکا تو اسے عفو نہیں بلکہ کافی کہا جائے گا۔ عفو، حلم اور احتمال میں فرق یہ ہے کہ عفو مواخذہ کو ترک کر دینے کو کہتے ہیں حلم سے مراد وہ حالت ہے جو ان اسباب کو ثبات دے دے جو مواخذہ کے لیے تحریک پیدا کریں۔ احتمال سے مراد نفس کو الآم اور تکلیف دہ امور سے روک لینا ہے۔ یہ صبر کی طرح ہے۔ اس کے اور صفح کے مابین جو فرق ہے وہ گزر چکا ہے۔ عنقریب اس کے اور غفور کے مابین جو فرق ہے۔ اسے عنقریب بیان کیا جائے گا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کی تعریف میں فرمایا ہے۔

عفو عن الزلّات یقبل عذرھم و ان احسنوا فاللہ بالخیر اجود

ترجمہ: ''آپ کی ان کی لغزشوں سے درگزر فرماتے ہیں۔ ان کی معذرت کو قبول کرتے ہیں۔ اگر وہ احسان

کریں تو رب تعالیٰ بھلائی کرنے پر بہت سخی ہے۔"

کیونکہ آپ سارے لوگوں سے زیادہ عفو اور درگزر کرتے تھے۔

العفیف

اس کا ذکر "د" نے کیا ہے یعنی وہ ذات اپنے نفس کو ناپسندیدہ امور سے بچا لے نفس کو شبہات میں گرنے سے روک لے۔ یہ عفۃ سے اسم فاعل ہے۔ یہ نفس کی وہ حالت ہے جس میں وہ غلبہ شہوت سے رک جاتا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرمایا ہے:

لنا حرمة لا تستطاع یقودها　　　　نبی اتی بالحق عف مصدق

ترجمہ: "ہمارے ایک حرمت ایسی ہے جسے حاصل نہیں کیا جاسکتا یعنی وہ پاک اور عفیف اور مصدق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو حق کے ساتھ تشریف لائے ہے۔"

ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ آپ کو سابقہ کتب میں اسی نام سے موسوم کیا گیا ہے آپ سارے لوگوں سے زیادہ پاکباز تھے۔ عنقریب اس صفت کا مزید تذکرہ ہوگا۔

العلامة

"طہ" اور "ع" نے اس اسم کا ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی شاہد یا ایسی علامت ہے جس سے راہ نمائی حاصل کی جائے سیدھے رستہ کی طرف استدلال کیا جائے آپ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ صراطِ مستقیم کے راہ نما ہیں۔

العَکَم

ایسی علامت جس سے راہ نمائی حاصل کی جائے یا علم مشہور یا سید مذکور۔

علم الایمان، علَم الیقین

العلی

"ع" اور "د" نے اس کا ذکر کیا ہے اس کا معنی کبیر یا سارے مراتب سے بلند رتبہ ہے۔ جس کی قدر سارے شکوک وشبہات سے بالاتر ہو۔ یہ رب تعالیٰ کہ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے اس سے مراد وہ ذات ہے جس کی ذات ادراک سے بالاتر ہو۔ جس کی صفات تصور میں نہ آسکتیں ہوں۔ یا جس کے جلال میں عقلیں متحیر ہوں۔ جس کے جمال کا وصف بیان کرنے سے زبانیں تھک جائیں۔

العماد

ایسا سردار جس پر اعتماد رکھا جائے اور سارے مصائب میں اسی کی پناہ حاصل کی جائے۔

العین

العین کئی معنوں میں مشترک ہے۔ ان میں بعض یہ ہیں۔

1. حاسۂ بصر۔ کیونکہ آپ نے اپنی امت کو ہدایت کے رستے دکھائے۔ انہیں ہلاکت کے رستوں سے بچایا۔ جس طرح کہ حاسہ بصر سے دیکھا جاتا ہے کہ کسی چیز کے نقصانات کیا ہیں اور فوائد کیا ہیں یا اس لیے کہ یہ امت شرف میں ساری امم سے بڑھ کر ہے جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ (آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: "ہو تم بہترین امت جو ظاہر کی گئی لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لیے۔"

جس طرح کہ سر آنکھ کی وجہ سے سارے جسم سے شرف رکھتا ہے۔ اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ سارے انبیاء کرام سے افضل ہیں۔ آپ کی امت آپ کے دین کے کمال کی وجہ سے افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نبی کریم ﷺ کی وہ اتباع کر رہی ہے وہ ساری مخلوق سے اکمل ہے۔

اسی طرح سونے اور ہر چیز کے بہترین حصہ کو عین کہا جاتا ہے کیونکہ آپ سارے انبیاء سے افضل ہیں۔ اس لیے آپ کو اس نام سے موسوم کیا گیا۔ اس سے ہے کہ فلاں شخص اپنی قوم کا عین (ان میں سے بہترین) ہے عین کا معنی سید بھی ہے۔ کیونکہ آپ لوگوں کے سردار ہیں۔ اس لیے یہ آپ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ اس کا ایک معنی قوم کا سردار بھی ہے کیونکہ آپ ساری مخلوق سے جلیل اور عظیم ہیں۔ اس لیے آپ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ اس کا ایک معنی قوم کا سردار بھی ہے۔ کیونکہ آپ ساری مخلوق سے جلیل اور عظیم ہیں۔ اس لیے آپ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ اس کا ایک معنی انسان بھی ہے یہ تسمیۃ الخاص باسم العام (خاص ذات کا عام نام رکھنے) کے باب سے ہے کیونکہ آپ سارے انسانوں سے افضل ہیں۔ جاری پانی کو بھی عین کہا جاتا ہے کیونکہ آپ خود پاکیزہ اور دوسروں کو پاک فرمانے والے ہیں۔ لوگوں کی جماعت کو بھی عین کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کی مہابت اور جلالت کی وجہ سے دیکھنے والا آپ کو جماعت میں گمان کرتا ہے۔ وہ آپ کے رعب اور دبدبہ سے خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ امام بوصیری نے فرمایا ہے۔

كأنه وهو فردٌ في جلالته ... في عسكر حين تلقاه وفي حشم

ترجمہ: "گویا کہ آپ اپنی جلالت میں فرد یکتا ہیں۔ لشکر میں بھی جب وہ آپ سے ملے اور رشتہ داروں میں سے بھی۔"

عین کا معنی سورج بھی ہے۔ آپ کے علو، رفعت اور کثیر فوائد کی وجہ سے آپ کو سراج بھی کہا گیا ہے۔ اس کا ایک معنی پانی کا چشمہ بھی ہے۔ کیونکہ آپ حکمت کا منبع اور رحمت کی معدن ہیں اس لیے آپ کو عین کہا جاتا ہے۔

حرف الغین

الغالب

قاھر۔ یہ الغلبۃ سے اسم فاعل ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اس کے حق میں اس کا معنی ہے۔ اپنی مخلوق میں اپنی مشیت کو پورا کرنے والا۔ خواہ وہ پسند کرے یا ناپسند کرے۔

الغطمطم

وسیع اخلاق والے۔ صاحب حسن خلق، حلیم۔

الغفور

آپ کا یہ وصف تورات میں موجود ہے۔ "بلکہ آپ درگزر فرمائیں گے۔ معاف کر دیں گے۔"

یہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ یہ غفار کے معنی میں ہے یعنی اپنے بندوں میں سے جس کے گناہوں کی چاہے پردہ پوشی فرما دے۔ اور ان پر عتاب کر کے ان کا اظہار نہ کرے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "الغفور میں مبالغہ کی وہ نوع پائی جاتی ہے جو الغفار میں نہیں ہے۔ الغفار مغفرت کے تکرار اور اس کی کثرت پر دلالت کرتا ہے جبکہ الغفور اس کے وجود اور کمال پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کامل مغفرت والا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مغفرت کے بلند درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ نحویوں میں سے ابوبکر بن طلحہ نے کہا ہے "مبالغہ کے صیغے متفاوت ہیں۔ فعول وہ ہوتا ہے جس سے فعل کا صدور کثرت سے ہو۔ "فعال" اس کے لیے ہے جو کچھ بنائے مثلاً "صناعۃ" "مفعال جو اس کے لیے آلہ کی طرح ہو۔ فعیل جو اس کے لیے طبیعت کی طرح بن جائے۔ فعل جو اس کے لیے عادت کی طرح ہو جائے۔ الغفور، العفو سے اخص مطلق ہے۔ کیونکہ غفور گناہ معاف کر کے اس کی پردہ پوشی کر دیتا ہے۔ کیونکہ الغفر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ستر (ڈھانپ دینا) مکمل طور پر معاف کرنا اس کے لوازمات میں سے ہے۔ کیونکہ اس کا نہ ہونا مؤاخذہ شمار کیا جاتا ہے۔ العفو سے مراد بھی گناہ معاف کرنا ہے لیکن کبھی اس میں پردہ پوشی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ العفو سے مشتق ہے۔ جس کا معنی مٹا دینا ہے یہ گناہ کی پردہ پوشی کیے بغیر گناہ کی وجہ سے مؤاخذہ ترک کرنا ہے۔ ہر عفو غفور ہے لیکن اس کے برعکس نہیں۔ ممکن ہے ان کے مابین عموم من وجہ کی نسبت ہو۔ کیونکہ اس شخص میں ان دونوں صفات کا اظہار ہوتا ہے۔ جس کے گناہ کی پردہ پوشی کی جائے۔ اسے مٹا دیا جائے اور اس کا مؤاخذہ نہ کیا جائے۔ غفور عفو کہا جاتا ہے۔ یہ ایک دوسرے سے منفرد ہو گئے۔ جو پردہ پوشی کیے بغیر مٹا دے۔ وہ عفو ہے۔ یا جو پردہ پوشی کرے لیکن گناہ نہ مٹائے بلکہ مخفی طور پر اس کا مؤاخذہ کرے وہ الغفور ہے۔

الغنی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ﴿۸﴾ (الضحیٰ:۸)

ترجمہ: "اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔"

"غنی" کی تین اقسام ہیں:

- حاجات کو پورا کرنا۔ یہ صرف رب تعالیٰ کا وصف ہے۔
- اس کی قلت۔ حضور ﷺ نے اپنے اس فرمان سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے "الغِنی غِنی النفس"
- کثرتِ مال۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی معنی ہے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ (النسآء:٦)

ترجمہ: "اور جو غنی تو اُسے چاہیے کہ پرہیز کرے۔"

یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ذات جو کسی کی محتاج نہ ہو۔ سب اس کے محتاج ہوں۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "مخلوق میں غنی کا معنی یہ ہے جس کی ضرورت اور حاجت صرف رب تعالیٰ کی طرف ہو۔" حضور ﷺ کی یہی کیفیت تھی۔

الغوث

ایسا مددگار جس سے مشکلات اور مصائب میں مدد طلب کی جائے۔ شدائد اور الجھنوں میں جس سے اعانت طلب کی جائے۔

الغیاث

کثیر بارش۔ آپ کا یہ اسم مبارک اس لیے ہے کیونکہ آپ جود و سخا میں تیز ہوا سے بھی زیادہ فیاض تھے۔ آپ نے ابرِ کرم کی دعا مانگی جو فوراً قبول ہوئی۔ اسی وقت لوگوں پر شدید بارش ہوئی۔ اسی کے بارے جناب ابوطالب نے فرمایا ہے:

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامٰی عصمة اللارامِلِ

حرف الفاء

الفاتح

حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ عنقریب معراج کی حدیث پاک میں آئے گا۔ و جعلنی فاتحا و خاتما۔ "اس نے مجھے فاتح اور خاتم بناتا ہے۔" عبدالرزاق نے حضرت ابوقلابہ سے روایت کیا ہے کہ

حضور ﷺ نے فرمایا: "مجھے خاتم اور فاتح بنا کر بھیجا گیا ہے مجھے جوامع الکلم اور اس کے فواتح عطا کیے گئے ہیں۔"

"یا" اور "د" نے فرمایا ہے رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾ (الاعراف:۸۹)

ترجمہ: "اے ہمارے رب! فیصلہ فرما ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔"

ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٦﴾ (سبا:۲۶)

ترجمہ: "پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (وانصاف) کے ساتھ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔"

اس کا معنی ہے اپنے بندوں کے مابین فیصلہ کرنے والا۔ فتح قضاء کے معنی میں ہے یا الفاتح سے مراد ہے۔ رزق اور رحمت کے دروازے کھولنے والا۔ بندوں کے امور میں سے بعض امور کے دروازے بند کرنے والا۔ یا لوگوں کے قلوب اور بصائر کو حق کے لیے کھولنے والا۔ یا ان کا مددگار۔ حضور اکرم ﷺ اس لیے فاتح ہیں کیونکہ آپ لوگوں کے مابین حکم الٰہی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی ترغیب دیتے تھے۔ انہیں ظلم وستم سے منع کرتے تھے۔ یا آپ لوگوں کی بصیرت کے لیے ہدایت کے دروازے کھولتے تھے۔ بھلائی پر ان کی راہ نمائی کرتے تھے۔ ان کے مددگار تھے۔ یا آپ رب تعالیٰ سے مخاطب ہونے کا دروازہ کھولیں گے یا اس لیے کہ آپ نے اس امت کی ہدایت کی ابتدا کی۔ ان کے لیے علم کا وہ دروازہ کھولا جو بند تھا۔ جیسے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "وہ دروازے کھولنے والے جو سختی سے بند تھے۔"

"ط" نے لکھا ہے کہ آپ کا اس اعتبار سے بھی فاتح ہونا صحیح ہے کہ رسل عظام میں سے سب سے پہلے آپ کی تخلیق ہوئی۔ یا آپ شفاعت کا دروازہ کھولیں گے۔ یہ آپ کے اسم اول اور آخر کی مانند ہے۔ آپ میں یہ سارے معانی جمع ہیں۔

الفارق

"ع" نے کہا ہے کہ آپ کا یہ اسم گرامی زبور شریف میں ہے۔ اس کا معنی ہے حق اور باطل میں فرق کرنے والا۔ یہ الفرق سے اسم فاعل ہے۔

الفارقلیط

حرف باء میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت لکھی جا چکی ہے کہ آپ کا یہ اسم گرامی سابقہ کتب میں ہے۔ امام ثعلب نے لکھا ہے کہ اس کا پہلا حرف الفاء ہے۔ اس کا معنی ہے حق اور باطل میں فرق کرنے والا۔ محمد بن حمزہ الکرمانی نے

لکھا ہے یہ بھی مذموم نہیں ہے۔ ابو عبیدہ بکری نے لکھا ہے کہ الباء کے ساتھ البارقلیط ہے۔ اس کا معنی روح الحق ہے۔

الفاضل

کامل حسن والے، عالم۔ کیونکہ فضل میں علم کے معانی پائے جاتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۔ (سبا: ۱۰)

ترجمہ: "بے شک ہم نے بخشی داؤد کو اپنی جناب سے بڑی فضیلت۔"

یہاں فضل سے مراد علم ہے یا کثیر فضیلت والے۔ یہ فضل میں بلند درجہ ہے۔

الفائق

ہر چیز سے بہترین۔ الصحاح میں ہے فاق الرجل اقرانہ یعنی وہ اپنے ساتھوں سے سبقت لے لیا کیونکہ آپ مخلوق میں سے بہترین ہیں اس لیے آپ کو اس نام مبارک سے موسوم کیا گیا۔ یا آپ نسب کے اعتبار سے ساری مخلوق سے افضل ہیں یا فضل اور ادب کے اعتبار سے زیادہ ہیں۔

الفتاح

یہ فاتح کے معنی میں ہے لیکن یہ اس سے بلیغ ہے یا اس کا معنی ناصر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ (الانفال: ۱۹)

ترجمہ: "اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو آ گیا تمہارے پاس فیصلہ۔"

یعنی نصرت۔ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ذات جو گناہوں کی وجہ سے نعمتوں کے دروازے بند نہ کرے۔ اور بھلا دینے کی وجہ سے رحمت بھیجنے کو ترک نہ کرے۔ یا جو نفوس پر اپنے توفیق کے دروازے کھولے۔ قلوب پر اپنی تحقیق کے دروازے کھولے جو اپنی عنایت سے ہر بند دروازہ کھول دے۔ اپنی ہدایت سے مشکل کو عیاں کر دے۔

الفجر

یہ دراصل مصدر ہے اس سے مراد صبح ہے۔ القاضی نے ابن عطاء سے نقل کیا ہے "الفجر" سے مراد محمد عربی ﷺ ہیں کیونکہ آپ کی وجہ ایمان پھوٹ نکلا ہے۔

الفخر

عظیم، کبیر۔

الفخم

عظیم، جلیل۔

الفدغم

حسین، جمیل، عظیم، جلیل۔

الفرد

جو ہستی اپنی صفاتِ حمیدہ اور خلقتِ جمیلہ میں منفرد ہو۔ یہ الواحد سے اخص ہے یہ الوتر سے اخص ہے۔ اس سے مراد وہ ذات ہے جس کے ساتھ کوئی اور خلط ملط نہ ہو سکے۔

الفرط

صحیح البخاری میں ہے "میں تمہاری پیش رو ہوں۔ میں تمہارا گواہ ہوں۔" الفرط اس شخص کو کہتے ہیں جو پانی کے چشمے کی طرف پہلے چلا جاتا ہے حوض درست کرتا ہے ان کے لیے پانی کا انتظام کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے لیے اس شخص کو بطور مثال ذکر کیا ہے جو اپنے ساتھیوں سے آگے جاتے ان کے لیے وہ انتظامات کرے جس کے وہ محتاج ہوں۔ حضرت ابو عبیدہ نے یہی شرح لکھی ہے جبکہ امام مسلم کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

انا الفرط علی الحوض۔

ایک اور قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہارا امام ہوں تم میرے پیچھے ہوں۔ آپ اپنی امت کی شفاعت کے لیے امت کے آگے آگے ہوں گے۔

الفصیح

یہ فصاحت سے فعیل کے وزن پر ہے۔ لغت میں البیان کو کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں کلام کا تالیف کے ضعف، کلمات کے تنافر اور تعقید سے خالص ہونا ہے۔ یہ معنی کے اعتبار سے ہے۔ لفظ کے اعتبار سے اس کلام کا فصحاء کی زبان پر ہونا اور ان کی عربی کے مطابق ہونا ہے۔

الفضل

الاحسان۔ آپ کا یہ اسم اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں۔ اس امت بلکہ ساری مخلوق پر اس کا احسان ہیں یا یہ الفاضل یعنی الشریف الکامل کے معنی میں ہے۔

فضل اللہ

الماوردی نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان میں:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾ (النساء: ٨٣)

ترجمہ: ''اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ (کا) تم پر اور اس کی رحمت تو ضرور تم اتباع کرنے لگتے شیطان (کی) سوائے چند آدمیوں کے۔''

میں ایک کے قول کے مطابق فضل اللہ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔

الفطن

حاذق۔ ذہین یہ الفطنہ سے ماخوذ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فہم فیض کے رستے سے ہوتا ہے یا اکتساب کے بغیر ہوتا ہے۔

الفلاح

''ع'' نے لکھا ہے۔ آپ کا یہ اسم مبارک زبور میں ہے اس کا معنی ہے جس کے ذریعے رب تعالیٰ باطل کو مٹا دے۔ گویا کہ یہ غیر عربی لفظ ہے۔ کیونکہ لغت میں الفلاح کامیابی اور کامرانی کو کہتے ہیں۔ امام نووی نے مسلم شریف کی شرح میں لکھا ہے ''اہلِ عرب کے کلام میں بھلائی کو جمع کرنے والا کوئی لفظ فلاح سے بڑھ کر نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہو۔ آپ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ میں بھلائی کی ایسی خصلتیں جمع ہیں جو کسی اور میں جمع نہیں یا اس لیے کہ آپ حقیقی کامیابی کا سبب ہیں۔''

الفِهَم

''عا'' نے لکھا ہے تیزی سے سمجھنے کو الفہم کہا جاتا ہے اس سے مراد دل سے کسی چیز کا علم اور عرفان ہے۔ یہ لغت میں اس کی تعریف ہے۔ اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے ''یہ ایسی خوبی ہے جو اس ذہن کو تیار کرتی ہے جو نفس کے لیے قوت ہے۔ وہ اسے آراء کے حصول کے لیے تیار کرتی ہے تاکہ وہ اس امر کا تصور کرے یا دوسرے کی طرف سے اس پر وارد ہو۔ جیسے کہ فکر ابتداء میں ذہن کی حرکت کو کہا جاتا ہے تاکہ وہ اس سے مطالب کی طرف جائے۔ الحدس اس کی حرکت کی وہ خوبی ہے جس کی وجہ سے یہ نفس کی طرف سے حد اوسط تک پہنچ جاتا ہے۔ اس قوت کی استعداد کی شدت کو الذکاء کہا جاتا ہے یا الفہم سے دقائق معانی کا ادراک کرنے والا مراد ہے۔ یا حروف تہجی کے چہروں سے مشکلات کے پردے ہٹانے والا مرد ہے۔

فاتح الکنوز۔

فئة المسلمين

اس نام کو ہمارے شیخ نے ذکر کیا ہے۔ گویا کہ انہوں نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث پاک سے اخذ کیا ہے وہ ایک سریہ میں تھے۔ انہوں نے فرمایا: ''لوگ میدان جنگ سے بھاگ نکلے میں بھی بھاگنے والوں میں

شامل تھا۔ جب ہم کھلے میدان میں پہنچے تو ہم نے کہا "ہم نے کیا کیا ہے۔ ہم لشکر جرار سے بھاگ آئے ہیں ہم غضب کے مستحق بن گئے ہیں۔" ہم نے کہا: "کاش! ہم خود کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کریں۔ اگر ہمارے لیے توبہ ہوئی تو ہم وہیں ٹھہرے رہیں گے اگر اس کے علاوہ کچھ اور رہوا ہو تو ہم چلے جائیں گے۔" ہم نماز فجر سے قبل آپ کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ آپ باہر تشریف لائے۔ تو میں اٹھ کر آپ کی طرف گیا آپ کے ہاتھ چومنے کی سعادت حاصل کی۔ ہم نے عرض کی: "یا رسول اللہ! ہم راہِ فرار اختیار کرنے والے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "بلکہ تم پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو۔" ہم نے عرض کی: "ہم نے لشکر جرار سے راہِ فرار اختیار کیا ہے۔" آپ نے فرمایا: "میں مسلمانوں کا گروہ ہوں۔" اس روایت کو ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے ذکر کیا ہے۔

علامہ خطابی نے لکھا ہے "اس کے ذریعہ آپ نے ان کے عذر کو آسان بنایا۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان کی یہی تاویل ہے۔"

اَوۡ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ۔ (الانفال:١٦)

ترجمہ: "یا پلٹ کر آنے والا ہو اپنی جماعت کی طرف۔"

حرف القاء

القاری

کریم۔ جواد۔ یہ القری سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد مہمان نوازی ہے۔ امام مسلم اور امام بخاری نے وحی کی ابتداء والی روایت میں نقل کیا ہے "ہرگز نہیں۔ بخدا! رب تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ محتاج کو عطا کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔" اس کا مفہوم یہ ہے جیسا کہ علماء کرام نے فرمایا ہے "آپ کو کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ میں ان خصائل حمیدہ کو جمع کر دیا ہے۔ جو آپ کے مکارم اخلاق اور حسن شمائل پر دلالت کرتے ہیں۔

القاسم

امور کو تقسیم کرنے والے، عطا کرنے والے۔ یہ القسم سے اسم فاعل ہے اس کا معنی عطاء ہے۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ رب تعالیٰ عطا کرنے والا ہے۔"

القاضی

فیصلہ کرنے والے! یہ قضاء سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد کسی امر کا فیصلہ کرنا ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے۔ کیونکہ یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ دعویٰ اور گواہیوں کے بغیر فیصلہ کر سکتے تھے۔ یہ ابن دحیہ کا موقف ہے انہوں

نے اس روایت سے استدلال کیا ہے۔ جیسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ آپ کے لیے روا ہے کہ آپ اپنے نفس نفیس اور اپنی اولاد کے لیے فیصلہ کریں۔ جو گواہی دے اس کی گواہی قبول کریں۔ جیسے کہ حضرت خزیمہ کے قصہ سے عیاں ہے۔ آپ کی غصے کی حالت میں فیصلہ کرنے میں فتویٰ دینے کو مکروہ نہیں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ آپ کے بارے غضب سے کوئی اندیشہ نہیں جس طرح کہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے میں یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کیونکہ آپ شیطان سے محفوظ ہیں۔

القانت

اطاعت گزار۔ یہ قنوت سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد خشوع وخضوع کے ساتھ اطاعت کو لازم پکڑنا ہے۔ یا اس کا معنی خاشع ہے یا نماز میں طویل قیام کرنے والا ہے۔

القائد

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے یعنی وہ ذات والا جو لوگوں کی راہ نمائی کرے انہیں ہدایت کے رستے پر لے جائے۔ ہلاکت کی راہ سے پھیرے۔ امام ترمذی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "جب وہ گھبرا جائیں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا۔"

قائد الغر المحجلين

اسے "یا" اور "عا" نے ذکر کیا ہے۔ الغر، اغر کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ گھوڑا ہے جس کی پیشانی روشن ہو۔ محجل سے مراد وہ گھوڑا ہے جس کی ٹانگوں میں سفیدی ہو۔ اس سے مراد آپ کی امت ہے۔ آپ جنت کی طرف اس کے قائد ہوں گے۔ امام مسلم اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "روزِ حشر میری امت کو ان کے وضوء کے آثار کی وجہ سے غرمحجلین کہا جائے گا۔ خصائص میں مزید تشریح آئے گا۔

قائد الخير

"ط" نے اسے اس حدیث پاک سے اخذ کیا ہے جسے ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے جس میں "امام" کا تذکرہ ہے۔ اس کا معنی ہے کہ آپ خیر لے کر آتے ہیں۔ اسے اپنی امت تک پہنچا دیتے ہیں یا امت کو خیر کی طرف لے جاتے ہیں۔ امت کی خیر کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔

القائل

اس کا معنی حاکم ہے کیونکہ وہ اپنے فیصلہ کا نفاذ کرتا ہے یا اس سے مراد حجت ہے۔

القائم

اسے "خا" نے ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی القیم یعنی نگران ہے۔

القتال

ابن فارس نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ تورات میں ہے "احمد مجتبیٰ ﷺ بہت زیادہ جہاد اور قتال کرنے والے ہوں گے۔" آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا ہے کیونکہ آپ نے بہت زیادہ جہاد کیا۔

القتول

اسے "خا" نے ذکر کیا ہے۔

قثم

امام ابو اسحاق الحربی نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ایک فرشتہ میرے پاس آیا۔ اس نے عرض کی "آپ قثم ہیں۔ آپ کا اخلاق عمدہ ہے آپ کا نفس مطمئنہ ہے۔ ابن دحیہ نے اس کے مادہ اشتقاق کے بارے لکھا ہے کہ القثم سے مشتق ہے۔ جس کا معنی عطا کرنا ہے۔ حضور ﷺ کے جود و کرم کی وجہ سے آپ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ یا یہ اس القثم سے مشتق ہے جس کا معنی جمع کرنا ہے آپ کا یہ نام اس لیے ہے کیونکہ آپ بھلائی کی ساری خصلتوں اور فضائل کو جمع کرنے والے ہیں۔

قثوم

اسے "خا" نے ذکر کیا ہے۔

قدم صدق

صحیح میں حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان:

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ (یونس: ۲)

ترجمہ: "بیشک اُن کے لیے مرتبہ بلند ہے اُن کے رب کے ہاں۔"

میں قدم صدق سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت علی المرتضیٰ سے اس آیت روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ ان کے شفیع ہوں گے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے "یا" نے اسے حضرت حسن اور حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے۔

امام قشیری نے لکھا ہے اس سے مراد ان کے لیے وہ رحمت ہے جو حضور ﷺ کو ودیعت کر دی گئی ہے۔ "قدم" ایک عضو ہے جو مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد خیر اور فضل میں آگے بڑھنا ہے۔ اس سے مراد بلند رتبہ ہونا ہے۔ صدق کی طرف اس کی اضافت فضل و شرف کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ مسابقت کو قدم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ ہی آگے بڑھا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی بھلائی کی طرف جایا جاتا ہے جس طرح کہ نعمت کو

یہ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ہاتھ سے ہی دی جاتی ہے۔

قدمایا

آپ کا یہ اسم گرامی تورات میں موجود ہے۔ اس کا معنی اول سابق ہے۔

القرشی

اسے ''د'' نے ذکر کیا ہے یہ قریش کی طرف نسبت ہے۔

القریب

رب تعالیٰ کے قریب۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ (النجم:۸،۹)

ترجمہ: ''پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہو یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔''

آپ اپنے رب کے قریب ہوئے حتیٰ کہ آپ اس ذات والا کے اتنے قریب ہوئے جس طرح ایک ذات دوسری ذات کے اتنا قریب ہوتی ہے جس طرح کہ دو قوسین ایک دوسرے کے قریب ہوں۔ یا اس سے بھی زیادہ قربت نصیب ہوئی۔ رب تعالیٰ کی ذات مکان اور جگہ سے منزہ ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی عاجزی کی وجہ سے لوگوں کے قریب ہیں قرب کی دو قسمیں ہیں:

1. بندے کا اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہونا۔ انسان یہ قرب اطاعت شعار بن کر اور ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہ کر حاصل کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر ایمان لا کر اور اس کی تصدیق کر کے پھر اس کے احسان اور تحقیق کے ساتھ اس کا قرب حاصل کرتا ہے۔
2. حق تعالیٰ کی مخلوق کے قریب ہونا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں کو دین میں عرفان اور آخرت میں مشاہدہ اور معاینہ سے مشرف فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حنیف علیہ الرحمۃ سے قرب کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ''تیرا اس ذات والا کے قریب ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ تو عبادات پر مداومت کرے اور اس کا تیرے قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ تجھے ہمیشہ توفیق دیتا رہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ (البقرہ:۱۸۶)

ترجمہ: ''اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیب) میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل نزدیک ہوں''

بعض علم کے ساتھ ان کے قریب ہوں۔ ان کے حالات میں سے کچھ بھی اُس پر مخفی نہیں ہے۔

القسم

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے۔

القطب

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے۔ قوم کے سردار۔ اس کے امور کے مرکز ضروریات کے مدار۔

القمر

اسے "خا" اور "عا" نے ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد معروف ستارہ ہے جب پورا ہونے لگتا ہے اور اس کی عمر تین راتیں ہو جاتی ہے تو اسے قمر کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا نور دیگر ستاروں کے نور پر غلبہ پالیتا ہے۔ اس سے پہلے اسے ہلال کہا جاتا ہے۔ آپ کو قمر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ آپ نے ہدایت کے نور سے کفر کی تاریکی کو ختم کیا۔ قصص الکسائی میں ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بحر ذاخر اور قمر باہر ہیں۔"

القوی

یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ (سورۃ التکویر: ۲۰)

ترجمہ: "جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔"

ایک قول کے مطابق اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد حضرت جبرائیل امین ہیں یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ انوار التنزیل میں ہے "قوت کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے۔ اس کا کم سے کم درجہ امکان اور بلند ترین درجہ قدرت تامہ ہے۔ رب تعالیٰ قادر ہے۔ اسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔

القیّم

"یا" نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں قیم ہوں" قیم جامع کامل کو کہا جاتا ہے شاید یہ قثم ہو۔ لیکن کتب الانبیاء میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: "مولا! ہمارے لیے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما وہ فترت کے بعد سنت کو قائم کریں گے۔" قیم بعض اوقات اس معنی میں ہوتا ہے۔ آمدی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت جریبہ بن الاشیم بارگاہِ رسالت مآب میں آئے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور یہ اشعار کہے:

بدلت دینا غیر دین قدیتم — کنت من الذنب کانی فی الظلم

یا قیم الدین اقمنا نستقم — فان اصادف مأثما فلن آثم

ترجمہ: ''میں نے اس دین کے علاوہ ایک اور دین اختیار کر لیا ہے جس کی مذمت کی جاتی تھی۔ میں گناہ کی وجہ سے گویا کہ تاریکیوں میں غرق تھا۔ اے دین کو قائم کرنے والے! ہمیں سیدھا کریں ہم سیدھے ہو جائیں گے۔ اگر میں کسی گناہ سے اچانک بھی مل گیا تو میں اس کا ارتکاب نہیں کروں گا۔''

القیم رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ حدیث پاک میں ہے: "انت قیم السموٰت والارض و من فیھن" ''ذ'' نے لکھا ہے کہ یہ القائم کے معنی میں ہے ''عا'' نے لکھا ہے یہ القائم سے زیادہ بلیغ ہے اس کے اور قیوم اور قیام کے مابین فرق یہ ہے یہ دونوں اسماء رب تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں کیونکہ یہ زیادہ بلیغ ہیں۔ یہ صرف مدح میں ہی استعمال ہوتے ہیں لیکن القیم کا معاملہ ان کے برعکس ہے۔

حرف الکاف

الکاف

اسے ابن عسا کرنے ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ذات والا جسے سارے انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہو لیکن یہ معنی درست نہیں ہے۔ کیونکہ ''کافۃ'' سے کسی فعل کا تصرف نہیں ہو سکتا۔ الا یہ کہ اسم فاعل بنے۔ اس کا معنی یہ ہے وہ ذات جو لوگوں کو گناہوں سے روکے۔

الکافۃ

جامع، محیط۔ اس میں ہاء مبالغہ کے لیے ہے۔ دراصل یہ الکف سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی روکنا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عاقبہ کی طرح مصدر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔ (سبا:۲۸)

ترجمہ: ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف۔''

علامہ زمخشری نے لکھا ہے ''آپ کی رسالت عام ہے جو سارے لوگوں کو محیط ہے جب یہ سب کو عام ہے تو یہ انہیں روکتی ہے کہ کوئی ایک بھی اس سے باہر نکلے۔ اس کی مزید تفصیل خصائص میں آئے گی۔''

الکافی

اسے ''عا'' نے ذکر کیا ہے۔ یہ الکفایہ سے اسم فاعل ہے اس سے مراد ضرورت پورا کرنا ہے کسی کی مراد کو پورا کرنا ہے آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ آپ روز حشر شفاعت کر کے اپنی امت کی ضرورت پوری کریں گے۔ ان کی وہ مراد پوری کریں گے جن کی انہیں امید ہوگی یعنی گروہوں کے خلاف مدد۔ یا اس لیے کہ رب تعالیٰ آپ کے دشمنوں کے لیے کافی ہو گیا۔ جیسے کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ (الحجر:۹۵)

ترجمہ: "ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لیے۔"

اس صورت میں الکافی سے مراد المکفی ہوگا۔ یہ جائز ہے فاعل مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسے ماء دافق، عیشۃ راضیۃ میں دافق اور راضیہ مدفوق اور مرضیہ کے معنی میں ہیں۔

الکامل

خلق اور خُلق میں مکمل۔

الکثیر الصمت

کم گفتگو والے۔ ایسی گفتگو نہ کرنے والے جس میں فائدہ نہ ہو۔

الکریم

جواد، معطی۔ شرف اور خیر کی ساری انواع کو جمع کرنے والے۔ یا جس ذات نے اپنے نفس کو مخالفات کی میل سے پاک کر دیا ہو۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ (التکویر:۱۹)

ترجمہ: "یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے۔"

میں رسول کریم سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبرائیل امین ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کا یہ فرمان:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ (التکویر:۲۲)

ترجمہ: "اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں۔"

یہ اس امر کا تقاضا نہیں کرتے کہ حضور ﷺ مرتبہ میں حضرت جبرائیل امین سے کم ہوں۔ کیونکہ حضور ﷺ اور حضرت جبرائیل امین کے مراتب میں اتنا فرق ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔

یہ کریم رب تعالیٰ کے اسماء میں سے بھی ہے۔ اس کا معنی فضل کرنے والا، درگزر کرنے والا یا بلند رتبہ یا خیر کثیر ہے۔ یہ سارے معانی آپ کے حق میں صحیح ہیں۔

الکفیل

سردار۔ اپنی قوم کے امور کے کفیل۔ ان کی اصلاح کرنے والے۔ یہ الکفالۃ سے فعیل کے وزن پر ہے اس سے مراد ضمانت ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ فوز و فلاح کے ساتھ اپنی امت کے کفیل ہیں۔ کیونکہ آپ

نے ان کے لیے شفاعت بجا کر رکھی ہے یا یہ مفعول کے معنی میں ہے جیسے جریح، کحیل آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کی نصرت اور فتح یابی کی کفالت کی یا یہ الکفل کے معنی میں ہے۔ یہ رحمت اور نعمت کے حق میں ہے آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ مخلوق کے لیے رحمت اور نعمت ہیں۔

کندیدہ

"د" نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ نام "زبور" میں ہے۔

الکنز

مال یا نفیس چیز کو کنز کہا جاتا ہے۔ آپ کی نفاست کی وجہ سے آپ کو کنز کہا جاتا ہے۔ یا اس لیے کہ آپ کی وجہ سے ہمیں دنیاوی اور اخروی سعادت حاصل ہوئی۔

کھیعص

اسے "د" نے آپ کے اسماء مبارکہ میں ذکر کیا ہے بعض نے اسے رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ذکر کیا ہے۔

الکوکب

"عا" نے اسے ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد قوم کا شہ سوار یا سردار ہے۔ یا اس سے مراد معروف ستارہ ہے۔ آپ کی شریعت کے واضح ہونے اور ملت کی رفعت کی وجہ سے آپ یہ نام رکھا گیا ہے۔

حرف اللام

اللبیب

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے یہ لبب سے صفت مشبہ ہے اس سے مراد دانا، ذہین، فطین ہے۔

اللسان

اس کا معنی زبان ہے بعض اوقات اس کا اطلاق رسالت یا قوم کے ترجمان پر بھی ہوتا ہے۔ اس جگہ اس سے مراد یہی ہے۔ آپ کی فصاحت اور بلاغت کی وجہ سے آپ کا یہ اسم گرامی رکھا گیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان:

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ (الشعراء: ۸۴)

ترجمہ: "اور بنا دے میرے لیے سچی ناموری آئندہ آنے والوں میں۔"

میں لسان سے مراد حضور ﷺ کی ذات والا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے رب تعالیٰ سے التجا کی

کہ وہ ان کی نسل میں ایسی ذات پیدا فرمادے جو حق کو قائم کرے۔ حق کی طرف راہ نمائی کرے ان کی یہ دعا قبول کر لی گئی۔

اللیسن

فصیح، بلیغ، خوش گفتار۔

اللوذعی

ذکی، فصیح۔ تیز ذہن والے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اللیث

شدید، قوی، سردار، بہادر یا بلیغ۔

حرف المیم

المؤتمن

وہ ذات والا جو اپنی امانت کو پورا کرے۔ یہ الائتمان سے اسم مفعول ہے اس کا معنی حفاظت کرنا ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا ہے۔ کیونکہ آپ نے وحی میں امانت سے کام لیا وحی کی حفاظت کی۔ یا اس امت کی گواہی دیں گے۔

المؤمّل

جس سے بھلائی کی امید وابستہ ہو۔

المؤمم

مقصود۔ ہر امید رکھنے والا جس کی پناہ کی امید رکھے۔

المؤید

منصور۔ یہ اید سے اسم مفعول ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿٦٢﴾ (الانفال: ٦٢)

ترجمہ: "وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں (کی جماعت) سے۔"

المؤیِّد

ناصر، قوی، شدید۔

الماء المعين

سطح زمین پر رواں صاف اور پاکیزہ پانی۔

المامون

یہ الائتمان سے اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی وہ ذات جن کی امانت اور دیانت پر اعتماد کیا جائے۔آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا کیونکہ آپ سے کسی شر کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

المؤمن

ایمان سے متصف۔رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ۔ (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ: ''پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے جو خود ایمان لایا ہے۔''

ایمان الامن سے مشتق ہے کیونکہ مؤمن دنیا میں عقاب اور آخرت میں عذاب سے محفوظ ہوتا ہے۔

الماجد

بہت زیادہ سخاوت کرنے والے۔یا حسن خلق والے یا معزز۔یہ المجد سے مشتق ہے۔وسیع شریف اور کثیر فوائد کو مسجد کہا جاتا ہے۔حضرت ایاس بن سلمہ بن الاکوع نے کہا ہے:

سمح الخليقة ماجد و كلامه حق فيه رحمة و نكال

آپ عمدہ اخلاق کے مالک اور معزز ہیں۔آپ کا کلام حق ہے۔آپ میں رحمت بھی ہے اور سزا بھی۔رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے الماجد اور المجید بھی ہیں۔یعنی وہ ذات بابرکات جو اپنی ذات کے اعتبار سے معزز، افعال کے اعتبار سے قابل ستائش اور عطاء کے اعتبار سے جزیل ہو یہ جلیل، وھاب اور کریم کو جامع ہے۔

الماحی

دوسرے باب میں حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا:''میں ماحی ہوں۔رب تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹا دے گا۔''

قاضی نے لکھا ہے یعنی وہ کفر کو مکہ مکرمہ اور عرب کے شہروں اور اس جگہ تک مٹا دے گا۔جہاں تک آپ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ آپ کی امت کی سلطنت پہنچے گی۔محو سے مراد ظہور اور غلبہ ہے۔رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (التوبۃ:۳۳)

امام حاکم، بیہقی نے متصل سند سے ایک اور طریق سے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں ماحی ہوں۔" آپ اپنے پیروکاروں کی برائیوں کو مٹا دیتے ہیں۔

ماذماذ

آپ کا یہ اسم گرامی سابقہ کتب میں موجود ہے اس کا معنی ہے طیب طیب۔ پاکیزہ پاکیزہ۔

المانح

عطا کرنے والے۔ یہ منح سے اسم فاعل ہے۔ بڑی بڑی عطا کرنے والے۔

المانع

جو اہلِ طاعت کو دشمنوں سے بچاتے ہیں۔ ان کی مدد اور اعانت کرتے ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اس کا معنی ہے وہ ذات جو ادیان اور ابدان میں ہلاکت اور نقصان کے اسباب کو مٹا دے۔ ایسے اسباب مہیا کرے جو ان کی حفاظت کریں۔ یا وہ اس شخص کو محروم کر دے جو عطاء کا مستحق نہ ہو۔ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے "مولا! جسے تو عطا کر دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ جسے تو روک دے اسے عطا کرنے والا کوئی نہیں۔" رب تعالیٰ کا روک لینا حکمت ہے اس کی عطا جود و رحمت ہے۔

المبارك

عظیم برکت والے۔ برکت سے مراد اضافہ اور نمو ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ برکت ایسا لفظ ہے جو خیر کی ساری انواع کو جامع ہے۔ اس سے رب تعالیٰ کا یہ ارشادِ پاک ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ۔ (الدخان: ۳)

ترجمہ: "ہم نے اُتارا ہے اُسے ایک بابرکت رات میں۔"

یعنی وہ رات جو خیر کی ساری انواع کو جامع ہے حضرت حسان ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کی تعریف میں کہا:

صلی الالہ و من یحف بعرشہ   والطیبون علی المبارك احمد

ترجمہ: "اللہ رب العزت اور وہ ملائکہ جنہوں نے اس کے عرش کو گھیر رکھا ہے اور پاکیزہ لوگ حضرت مبارک احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں۔"

حضرت عباس بن مرداس نے آپ کی تعریف میں کہا ہے:

فآمنت باللہ الذی انا عبدہ   و خالفت من امسی یرید المھالِکا

ووجھت وجھی نحو مکہ قاصدا   و بایعت بین الاخشبین المبارکا

نبی اتانا بعد عیسی بناطق   من الحق فیه الفضل منه کذالك

ترجمہ: "میں اس رب تعالیٰ پر ایمان لایا ہوں جس کا میں بندہ ہوں۔ میں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ جو ہلاکتوں کا ارادہ کرتا ہے۔ میں مکہ مکرمہ کی طرف قصد کرتے ہوئے ارادہ کرتا ہوں۔ میں نے الخشبین کے مابین مبارک ذات کی بیعت کی ہے۔ آپ ایسے پاکباز نبی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے۔ آپ ایسی کتاب لے کر آئے ہیں جو حق بیان کرتی ہے۔ اسی طرح آپ سے فضل و کرم بھی حاصل ہوتا ہے۔"

"ع" نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ میں برکت اور اجر رکھ دیا ہے۔ آپ کے صحابہ کرام میں فضائل اعمال رکھ دیے ہیں اور آپ کی امت کو دیگر امم پر فضیلت دی ہے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں:

وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ۪ (مریم:۳۱)

ترجمہ: "اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں۔"

کی تفسیر میں ہے۔ "لوگوں کو بہت زیادہ نفع دینے والے۔"

المبرّأ

ہر بری عادت سے دور۔ اس کی مزید تفصیل آپ کے پسینے کی پاکیزگی میں آئے گی۔

المبتهل

آہ وزاری کرنے والے۔ یہ الابتہال سے اسم فاعل ہے۔ جس کا معنی ہے آہ وزاری کرنا۔

ارشادِ ربانی ہے:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ۫ ثُمَّ نَبْتَهِلْ۔ (آل عمران:۶۱)

ترجمہ: "تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی پھر بڑی عاجزی سے اللہ کے حضور التجا کریں۔"

یعنی پھر ہم جھوٹوں پر لعنت بھیجیں۔

المبشر

یہ بشارت سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد خوش کن خبر سنانے والا رب تعالیٰ کے اس ہے۔ ارشاد میں:

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ (آل عمران:۲۱)

ترجمہ: ''تو خوشخبری دو انہیں دردناک عذاب کی۔''

میں یہ انذر کے معنی میں ہے بشارت کو انداز کے معنی میں بطور استہزاء اور مذاق استعمال کیا گیا ہے۔

المبعوث بالحق

حق کے ساتھ بھیجے جانے والے۔ یہ البعث سے اسم مفعول ہے اس کا معنی الارسال ہے۔ آپ کو ساری مخلوق کے لیے بھیجا گیا ہے۔ خصائص میں مزید تذکرہ آئے گا۔

المبلّغ

رسالت و نبوت کا پیغام اس طرح پہنچانے والے کا حق ادا ہو جائے۔ یہ بلّغ الرسالۃ سے اسم فاعل ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ (المائدہ:٦٧)

ترجمہ: ''اے رسول! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے۔''

المبیح

وہ ذات بابرکات جس نے اپنی امت کے لیے وہ امور مباح کر دیے جو سابقہ امم میں حرام کر دیے گئے تھے۔ الخصائص میں مزید وضاحت آئے گی۔

المبیّن

یہ التبیین سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی اظہار کرنا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۔ (النحل:۴۴)

ترجمہ: ''تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لیے اس ذکر کو جو نازل کیا گیا۔''

المتبتل

اس اسم گرامی کو ''ط'' اور ''عا'' نے ذکر کیا ہے اس کا معنی مخلص اور رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا۔

جہاں تک آپ کے اس فرمان کا تعلق ہے ''لا رھبانیۃ ولا تبتل فی الاسلام'' تو اس سے مراد نکاح نہ کرنا ہے۔

المتبسم

یہ تبسم سے اسم فاعل ہے۔آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا کیونکہ آپ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ مزید وضاحت، آپ کے ضحک اور تبسم کے باب میں بیان کی جائے گی۔

المتبّع

اس کا تذکرہ "ط" اور "عا" نے کیا ہے یہ اتباع سے اسم مفعول ہے۔ اس سے مراد وہ ذات والا ہے جس کی اتباع دوسرے لوگ کریں۔ یہ لوگ اقوال یا افعال میں جس کی اقتدا کریں۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ۔ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: "پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر اور اس کے کلام پر اور تم پیروی کرو۔"

رب تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اقوال اور افعال میں آپ کی اتباع کریں۔آپ کے اقوال میں آپ کی اتباع اس لیے واجب ہے کیونکہ آپ اپنی خواہش سے بولتے بھی نہیں تھے۔آپ کے افعال کی اتباع اس لیے واجب ہے کیونکہ آپ کی عصمت کی وجہ سے آپ سے حرام امر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی آپ سے کسی مکروہ فعل کا صدور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بعض اہلِ کمال سے مکروہ فعل صادر نہیں ہوتا۔آپ سے کیسے صادر ہو سکتا ہے۔ ایک قول ہے کہ آپ سے بھی مکروہ فعل کے صدور کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ فعل ہمارے حق میں مکروہ ہے یا خلاف اولیٰ ہے جیسے وضو کرتے وقت ایک ایک بار اعضاء دھونا۔ یہ جواز کے بیان کے لیے ہے۔ امام نووی نے علماء کرام سے لکھا ہے کہ اس طرح آپ کا وضو کرنا آپ کے حق میں اعضاء کو تین بار دھونے سے افضل ہے۔

المتربص

یہ اسم مبارک امام شمس الدین البرماوی نے رجال العمدۃ میں رب تعالیٰ کے اس فرمان سے اخذ کیا ہے۔

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ (الطور:۳۱)

ترجمہ: "انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔"

یعنی تم اس چیز کا انتظار کرو جس کی تم میرے لیے تمنا کرتے ہو۔ میں اس نصرت اور فتح مندی کا منتظر ہوں جس کا میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے۔

المترحم

یہ ترحم سے اسم فاعل ہے۔

المتضرع فی الدعاء

رب تعالیٰ کے لیے خشوع کرنے والے۔

المتقن

یہ الاتقان سے اسم فاعل ہے۔اس سے مراد امور کو محکم کرنا ہے۔ یا اس سے مراد ذہین اور فطین ہے۔

المتقی

یہ اتّقی سے اسم فاعل ہے۔

المتلوّ

یہ التلو سے اسم فاعل ہے۔اس سے مراد اتباع ہے کیونکہ آپ کی اتباع اور اقتداء کی جاتی ہے۔

المتلو علیه

یہ تلاوۃ سے ہے کیونکہ حضرت جبرائیل امین آپ پر قرآن پڑھتے تھے۔

المتمکن

بیت اللہ کو جب پہلی بار گرایا گیا تو اس میں سے ایک پتھر نکلا جس پر لکھا ہوا تھا:

"عبدی المنتخب المتمکن المنیب المختار" المتمکن کا معنی ہے زمین میں قیام کرنے والی ایسی ذات لوگ جس کی اتباع اور اطاعت کریں۔جس کا دین غالب اور مشہور ہو جائے۔تمکن اہلِ حقائق کی صفت ہے۔تکوین ارباب احوال کی صفت ہے۔جب تک بندہ رستہ میں ہوتا ہے وہ صاحب تکوین ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی کرتا جاتا ہے جب وہ منزل آشنا ہو جاتا ہے تو وہ تمکن بن جاتا ہے۔استاذ ابوعلی الدقاق نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب تکوین تھے۔وہ کلام مقدس سن کر لوٹ آئے۔حال نے ان پر اثر کیا۔ان کے بارے رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ: "اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب تمکین ہیں آپ وصال کے بعد واپس لوٹے۔آپ نے جو مشاہدہ کیا اس نے آپ پر اثر نہ کیا۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (النجم:۱۷)

ترجمہ: "نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔"

المتمم لمکارم الاخلاق

امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے تاکہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔''

المتمم

مکمل خُلق اور خلق والے۔

المتہجد

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ۔ (بنی اسرائیل:۷۹)

ترجمہ: ''اور ان کے بعض حصہ میں اُٹھو اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوتِ قرآن کے ساتھ)۔''

المتوسط

''خا'' نے لکھا ہے رب تعالیٰ اور اپنی امت کے مابین شفاعت کرنے والے۔

المتوکل

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ۔ (الفرقان:۵۸)

ترجمہ: ''اے مصطفیٰ! آپ بھروسہ کیجئے ہمیشہ زندہ رہنے والے پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔''

تورات میں آپ کا یہ اسم مبارک مذکور ہے جس طرح کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے: ''رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو منزہ فرمایا ہے اس آیت میں اس نے اپنے نبی کریم کی شان کو بڑھایا ہے۔''

کیونکہ توکل میں لوگوں کے مختلف احوال ہیں۔ ''بعض اپنے نفس پر، بعض اپنے اہل پر، بعض اپنے جاہ و منصب پر، بعض اپنی سلطنت پر، بعض اپنی صفت پر، بعض اپنے غلہ پر اور بعض لوگوں پر توکل کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ایسی چیز پر توکل رکھتا ہے جو ختم ہو جائے گی۔ رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو ان سب اشیاء سے منزہ فرما دیا۔ اور آپ کو اپنی ذات پر توکل کرنے کا حکم دیا۔'' توکل یہ ہے کہ جسم کو عبودیت میں، دل کے تعلق کو ربوبیت کے ساتھ اور طمانیت کو رب تعالیٰ کے ساتھ مشغول رکھا جائے اگر وہ عطا کرے تو اس کا شکر ادا کیا جائے۔ اگر روک لے تو صبر کرے۔''

ایک قول یہ ہے کہ توکل یہ ہے کہ بندہ رب تعالیٰ پر اعتماد کرے۔ اس کی قضا پر یقین رکھے۔ لیکن ضروری کوشش کرنا

ضروری ہے۔ یہ سنت مطہرہ سے ثابت ہے۔ الاستاذ ابوالقاسم القشیری نے لکھا ہے "توکل کا مقام دل ہے۔ اگر یہ یقین ہو کہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے تو کوشش کرنا اس کے منافی نہیں ہے۔ اگر مشکل پیش آئے تو یہ رب تعالیٰ کی تدبیر کی وجہ سے ہے۔ اگر آسانی پیش آئے تو یہ رب تعالیٰ کے آسان بنانے کی وجہ سے ہے۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ نے حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ سے ان کی ابتدائی معاملہ کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا: "میں نے ایک جگہ ایک پرندہ دیکھا جس کے پر ٹوٹے ہوئے تھے۔ اس کے پاس ایک ایسا پرندہ آیا جس کے پر صحیح تھے اس کی چونچ میں ٹڈی تھی۔ اس نے وہ اس پرندے کو کھلا دی۔ میں نے روزگار چھوڑ دیا۔ میں عبادت میں مشغول ہوگیا۔" حضرت ابراہیم نے فرمایا: "آپ نے وہ صحیح پرندہ بننا پسند کیوں نہ کیا جو اس بیمار پرندے کو کھلاتا تھا تاکہ آپ اس سے افضل ہوتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "اوپر والا ہاتھ نیچے والا ہاتھ سے بہتر ہے۔"

المتین

اسے "حا اور "عا" نے ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی قوی اور شدید ہے۔ اس سے "حبل متین" ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اس کا معنی ہے۔ قوی، سلطان جو قدرت اور امکان کے بلند درجات پر فائز ہو۔

المثبَّت

یہ ثبات سے اسم مفعول ہے۔ اس کا معنی تمکن اور استقرار ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ۔ (بنی اسرائیل: ۷۴)

ترجمہ: "اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا۔"

آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کے دل کو اپنے دین پر محکم فرمایا ہے۔

المثبِّت

یہ اسم فاعل ہے۔ اسے "عا" اور "خا" نے ذکر کیا ہے اس کا معنی ہے اس کو ثابت قدم فرمانے والے جو آپ کے دین کی اتباع کریں۔

المجادل

امور کو محکم فرمانے والے۔ یہ الجدال سے اسم فاعل ہے۔ یہ دلیل کے غلبہ کے لیے منازعہ اور مغالبہ کے اعتبار سے گفتگو میں معارضہ کرنا ہے۔ جدال کی اصل احکام ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ (النحل: ۱۲۵)

ترجمہ: "اور ان بحث (و مناظرہ کیجئے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو۔"

المجاھد

یہ جہاد سے اسم فاعل ہے۔ ارشادِ پاک ہے:

یَآیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ۔ (التوبۃ: ۷۳)

ترجمہ: "اے نبی کریم! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ۔"

یعنی آپ کفار کے ساتھ تلوار کے ساتھ اور منافقین کے ساتھ حجت قائم کرنے، یا حدود قائم کرنے یا ان کے راز افشاء کرنے کے ساتھ جہاد کریں۔

المجتبٰی

یہ اجتباء سے اسم مفعول ہے۔ اس کا معنی ہے چن لینا۔

المجتھد

اطاعت میں جدو جہد کرنے والے۔ امر مقصود کے لیے اپنی ساری توانائی خرچ کرنا جہاد ہے۔

المجیب

یہ اَجَاب سے اسم فاعل ہے۔

المجیر

یہ اَجَار سے اسم فاعل ہے۔ جو پناہ طلب کرے اسے پناہ دینے والے جو مدد طلب کرے اس کی مدد کرنے والے۔

المجید

رفیع قدر والے، زیادہ برکت والے، کریم، شریف۔ یہ فعیل بمعنی فاعل ہے ہر مجد سے مشتق ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی میں سے ہے اس کا معنی کریم، جمیل بہت زیادہ فضل و کرم کرنے والا۔ یا وہ ذات جس کے جمال کے اوصاف میں کوئی شریک نہ ہو۔ نہ رفعت شان میں جس کے مرتبہ پر کوئی فائز ہو سکے۔

المحجۃ

یہ الحج سے مفعلۃ کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی قصد کرنا ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے۔ کیونکہ لوگ آپ کا قصد کرتے ہیں۔

المحرِّض

قتال، یا جہاد یا عبادت پر ابھارنے والے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یَآیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ (الانفال: ۶۵)

ترجمہ: "اے نبی! برانگیختہ کیجئے مومنوں کو جہاد پر۔"

المحرّم لظلم

المحفوظ

یہ الحفظ سے اسم مفعول ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے رکھا گیا۔ کیونکہ آپ شیطان سے محفوظ ہیں۔ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ پھر فرمایا: "شیطان نے میرے ساتھ تعرض کیا۔ اس نے مجھ پر حملہ کیا تاکہ میری نماز منقطع کر دے۔ رب تعالیٰ نے مجھے اس پر تسلط عطا فرما دیا۔" اس میں دلیل ہے آپ شیطان سے محفوظ ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ پہلے شیطان نے آپ سے تعرض کیوں کیا۔ کیا جس رستہ سے آپ گزرتے تھے وہاں سے شیطان بھاگ نہیں جاتا تھا۔ جیسے کہ حضرت عمر فاروق کے لیے ہوتا تھا۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "شیطان آپ کو کسی رستہ میں چلتے ہوئے نہیں دیکھتا مگر وہ دوسرے رستے پر چلنے لگتا ہے۔"

اس کا جواب یہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شیطان سے محفوظ تھے۔ آپ اس کے مکروفریب اور غرور سے محفوظ تھے۔ اس کے وسوسہ اور شر سے محفوظ تھے۔ آپ کے ساتھ اس کا جمع ہونا اور اس کا بھاگ جانا آپ کے حق میں برابر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس بلند مرتبہ پر فائز نہ تھے۔ ان کے حق میں شیطان کا بھاگ جانا ہی بہتر تھا۔ اسی میں ہی ان کی حفاظت کا زیادہ یقین تھا۔ اس کے شر کے دور ہونے کا زیادہ امکان تھا۔ یہ بھی روا ہے جو شیطان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہو وہ کوئی دوسرا ہو۔ ان کے ساتھ والا شیطان نہ ہو۔ ان کے ساتھ والا شیطان نہ بھاگتا ہو۔ بلکہ وہ جدا نہ ہوتا ہو۔ وہ ان کے ہمراہ اسی طرح ہو جس طرح دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے۔

المحکّم

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے حاکم سے مراد قاضی ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ۔ (النساء:٦٥)

ترجمہ: "پس اے مصطفی تیرے رب کی قسم یہ لوگ یوں نہیں ہو سکتے۔"

المحرِّم

حرام کو بیان کرنے والے۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جس سے رب تعالیٰ نے فرمایا منع ہو۔ اس میں رخصت نہ دی۔

المحلل

حلال کو مشروع فرمانے والے۔ وہ چیز مراد ہے جسے کھانے کا شرعاً اذن دیا گیا ہو۔

المحمود

اسے "یا، ع اور د" نے ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد وہ ذات ہے جس میں اتنی زیادہ عمدہ صفات پائی جائیں کہ وہ تعریف کا مستحق ہو۔ حضرت حسان بن ثابت نے آپ کی تعریف میں فرمایا ہے:

فاصبح محمودًا الی اللہ راجعا   یبکیّہ جفن المرسلات و یحمد

ترجمہ: "آپ محمود اور رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے بن گئے یہ بادل بھی آپ پر رو رہا ہے اور آپ کی تعریف کر رہا ہے۔"

یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ کی تعریف میں کہا ہے:

و شق لہ من اسمہ لیجلہ   فذو العرش محمود و ھذا محمد

ترجمہ: "رب تعالیٰ نے آپ کی عظمت کی وجہ سے آپ کا نام اپنے اسم سے مشتق کیا عرش کا مالک محمود ہے یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

المحید

یہ حاد الشئ سے مشتق ہے۔ ایک کا دوسری سے پھر جانا اس کا معنی ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ باطل سے پھر گئے اور آپ نے حق کی اتباع کر لی۔ یا یہ احاد سے مشتق ہے۔ کیونکہ آپ امت کو لے کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو گئے۔ دین حنیف کے رستہ پر چلے۔

المخبت

اسے "خا" نے ذکر کیا ہے "الاواہ" میں اس کا ذکر گزر چکا ہے خشوع اور خضوع کو اخنات کہا جاتا ہے۔

المخبر

اسے "ذ" نے ذکر کیا ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ آپ پر وحی ہوا اس کی تبلیغ کرنے والے۔

المختار

یہ الاختیار سے اسم مفعول ہے۔ اس کا معنی چن لینا ہے۔ حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے کہ سفر اول میں ہے "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم میرے چیدہ بندے ہوں گے۔ وہ نہ تند خو اور نہ فحش گو ہوں گے۔ نہ بازاروں میں شور وغل کریں گے نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیں گے۔"

المختص

یہ الاختصاص سے اسم مفعول ہے۔ اس سے مراد کسی چیز کو مختص کر لینا ہے آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ

رب تعالیٰ نے آپ کو اپنے لیے چن لیا تھا۔ آپ کو اپنی مخلوق پر ترجیح دی تھی۔ یا اس سے مراد اسم فاعل ہو۔ آپ کا یہ نام اس لیے ہو کیونکہ آپ نے اپنے آپ کو اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کے لیے مختص کر لیا ہو اس کی محبت اور قرب میں اضافہ کو ترجیح دی ہو۔

المختص بالقرآن

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے اس کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری پر ترجیح دینے والا۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں کو رب تعالیٰ نے اس طرح چن لیا ہے فلاں نے اپنے نفس کے لیے یہ چن لیا ہے۔ یہ دونوں اوصاف آپ میں پائے جاتے ہیں۔ القرآن دراصل مصدر رہے جیسے کفران۔ ساری الہامی کتب میں سے اس کتاب عزیز کو القرآن اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ساری کتب کے لب لباب کا جامع ہے۔ بلکہ یہ سارے علوم کا جامع ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ (یونس:۱۰۱)

ترجمہ: "اور یہ قرآن ہر چیز کی تفصیل ہے۔"

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ (النحل:۸۹)

ترجمہ: "اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا۔"

یہ اسم مبارک اس کتاب زندہ کے لیے مختص ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔ یہ اس کے علم کی طرح ہو گیا ہے جیسے کہ تورات حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

المختص بآی لا تنقطع

"الآی" آیۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنی علامت ہے۔ اس سے مراد معجزہ ہے۔ ان معجزات میں سے قرآن پاک بھی ایک معجزہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی آیات نہ فنا ہوں گی نہ منقطع ہر روز حشر تک باقی رہیں گی۔ ان کی تجدید ہوتی رہے گی۔ ان معجزات میں سے ایک قرآن پاک بھی ہے۔ لیکن دیگر انبیائے کرام کے معجزات ان کے وصال کے بعد ختم ہو گئے۔

المختّم

یہ تختم سے اسم مفعول ہے۔ اس سے مراد انگوٹھی پہننا ہے۔ یا وہ ذات جس پر مہر نبوت لگی ہو۔

المخصوص بالعزّ

المخصوص بالمجد

المخضم

سردار، شریف، عظیم، معزز

المخلص

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے وہ ذات بابرکات جو رب تعالیٰ میں سچی ہو۔ جس نے اطاعت الٰہیہ میں ریاء کو ترک کر دیا ہو۔ یہ اخلاص سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد صدق اور ترک دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ (الزمر:۱۴)

ترجمہ: "فرمائیے اللہ کی ہی عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے دین کو۔"

الاستاذ ابو القاسم القشیری نے فرمایا ہے کہ اخلاص اطاعت میں بالقصد حق کو منفرد کر لینا ہے یا مخلوق کے مشاہدہ سے فعل کو نکھارنا ہے۔ اس میں اور صدق میں فرق یہ ہے کہ صدق سے مرد فعل کو نفس کے مشاہدہ سے پاک کرنا ہے۔ جبکہ اخلاص یہ ہے کہ فعل کو مخلوق کے ملاحظہ سے پاک کیا جائے۔ مخلص وہ ہوتا ہے جس میں ریا نہ ہو اور صادق وہ ہوتا ہے جس میں خود پسندی نہ ہو۔

المدثر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ (المدثر:۱)

ترجمہ: "اے چادر لپیٹنے والے۔"

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فترۃ الوحی کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا "اسی اثناء میں کہ میں چل رہا تھا۔ میں نے آسمان کی طرف سے آواز سنی۔ میں نے اپنی نگاہ اٹھائی۔ اچانک میں نے وہ فرشتہ دیکھا جو میرے پاس غار حراء میں آیا تھا۔ وہ آسمان اور زمین کے مابین ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس سے مرعوب ہو گیا۔ میں واپس لوٹ آیا۔ میں نے کہا: "مجھے چادر اوڑھ دو مجھے چادر اوڑھ دو۔" اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔

یہ اس حالت سے مشتق اسم ہے جو نزولِ وحی کے وقت آپ پر طاری تھی۔ چادر لپیٹنے والے کو مدثر کہا جاتا ہے۔

المدنی

یہ مدینہ طیبہ کی طرف نسبت ہے۔

مدينة العلم

امام ترمذی نے روایت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "میں علم کا شہر ہوں حضرت علی اس کا دروازہ ہیں۔" صحیح مؤقف یہ ہے کہ یہ حدیث طیبہ حسن ہے۔ جیسے حافظ علائی اور ابن حجر نے لکھا ہے۔

المذکّر

مبلغ، واعظ۔ یہ تذکرہ سے اسم فاعل ہے۔ موعظہ اور تبلیغ کا تذکرہ کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ﴿۲۱﴾ (الغاشیہ:۲۱)

ترجمہ: "آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔"

المذکور

اسے "خا" نے ذکر کیا ہے یعنی آپ کا ذکر خیر سابقہ کتب میں موجود ہے۔

المرء

کامل مروت والی ذات۔ ہمزہ کے بغیر اس کا معنی الانسانیۃ ہے۔ علامہ جوہری نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت الاحنف سے مروت کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "اخلاق حسنہ کو اختیار کرو قبیح امر سے رک جاؤ" ایک قول یہ ہے کہ تو اپنے نفس کو میل کچیل سے محفوظ رکھے لوگوں کے سامنے اسے عیب دار نہ کرے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے: "مروت یہ ہے کہ تو لالچ نہ کرے نہ رسوا ہو جائے سوا نہ کرے کہ بوجھ سمجھا جانے لگے۔ بخل نہ کرے کہ تجھے گالیاں دی جانے لگیں جاہل نہ بنے کہ تجھ سے جھگڑا کیا جانے لگے۔ ایک قول یہ ہے کہ تو پوشیدگی میں ایسا فعل نہ کرے جسے اعلانیہ کرتے ہوئے تجھے حیا آتی ہو۔" ایک قول یہ ہے کہ یہ ہر محاسن کو جامع اسم ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مروت کی دو قسمیں ہیں:

1. ھو مروءۃ ظاھرۃ۔ یہ ریاست ہے۔ مروءۃ باطنہ یہ عفاف ہے۔

امام احمد اور امام ابوداؤد نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو لوگ شر کو نہیں جانتے مگر ان میں کسی ایک سے لغزش ہو جاتی ہے ان سے درگزر کیا کرو سوائے حدود کے۔"

ماوردی نے لکھا ہے کہ ان کی لغزشوں کے بارے دو وجوہات ہیں:

1. وہ صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔
2. وہ پہلی لغزش ہوتی ہے جو کسی اطاعت گزار سے سرزد ہوتی ہے۔ کیونکہ آپ اس میں بلند درجہ پر فائز تھے اس لیے آپ کا یہ اسم گرامی ہے۔ زہیر بن صرد نے کہا ہے:

وامنن علی رسول اللہ فی کرم فانك المرء نرجوہ و ندّخر

ترجمہ: "یارسول اللہ! کرم کرتے ہوئے مجھ پر احسان فرمائیں۔ آپ ایسے انسان کامل ہیں جن سے ہم امید رکھتے ہیں اور مشکل میں آپ کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔"

المرتجی

اسے "ط" نے ذکر کیا ہے۔ یہ الرجاء سے اسم مفعول ہے۔ اس سے مراد "امید" ہے کیونکہ لوگ آپ سے ہی امید رکھتے ہیں کہ ان کی مصیبتیں دور ہو جائیں گی۔ اور اس کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ سب سے بڑی مشکل روزِ حشر فیصلہ کی گھڑی میں ہے۔ یا یہ اسم فاعل ہے۔ یعنی آپ رب تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ آپ کی امت کے حق میں آپ کی شفاعت کو قبول کرلے گا۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ہر نبی کے لیے ایک ایسی دعا ہوتی ہے جسے رد نہیں کیا جاتا ہر نبی نے اپنی اپنی دعا مانگ لی ہے۔ لیکن میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لیے منتخب کر رکھا ہے۔ ان شاء اللہ میری امت یہ دعا ضرور پائے گی۔ ان میں سے ہر وہ شخص اسے پا لے گا جو اس حالت میں مرا کہ وہ رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہوگا۔

المرتضی

جس سے جس کا مولا راضی ہو جائے اس سے پیار کرے اور اسے منتخب کرلے۔

المرتّل

یہ رتل سے اسم فاعل ہے اس سے مراد وہ ذات ہے جو قرآن پاک کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھے حتیٰ کہ اس کے حروف اور حرکات ظاہر ہو جائیں۔ ارشاد پاک ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؇ (المزمل:۴)

ترجمہ: "اور (حسبِ معمول) ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے قرآن کریم کو۔"

امام ترمذی نے حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور کریم ﷺ ایک سورت پڑھتے۔ اس میں ترتیل کرتے تھے حتیٰ کہ وہ لمبی سورت سے بھی لمبی ہو جاتی تھی۔"

المرحوم

یہ رحم سے اسم مفعول ہے۔

مرحمة

ابو نعیم نے "الحلیہ" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "مجھے مرحمہ اور ملحمۃ بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ مجھے تاجر اور کاشتکار بنا کر مبعوث نہیں کیا گیا۔" یعنی مجھے اہلِ ایمان کے لیے رحمت اور کافرین کے لیے شدت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ (الفتح:۲۹)

ترجمہ: "کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحمدل ہیں۔"

المرسل

اسے "ع" اور "د" نے ذکر کیا ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿٤٣﴾ (الرعد: ۴۳)

ترجمہ: "اور وہ لوگ بطور گواہ کافی ہیں جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ کفار کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں۔ فرمائیے (میری رسالت پر) اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان۔"

یہ الرسالۃ سے مفعل کے وزن پر ہے۔ اس کے اور رسول کے مابین فرق یہ ہے کہ اول ارسال میں تتابع (لگاتار) کا تقاضا نہیں کرتا جبکہ یہ صرف ایک دفعہ ہوتا ہے لیکن "الرسول" اس کا تقاضا کرتا ہے۔

المرشد

الھادی۔ یہ ارشد سے اسم فاعل ہے۔ یعنی راہ ہدایت کی طرف راہ نمائی کرنے والے۔

مرغمۃ

اسے "د" نے ذکر کیا ہے۔ الصحاح میں ہے "مجھے کافروں کو رسوا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔" حتیٰ کہ وہ مٹی کے ساتھ مل جائیں پھر یہ لفظ ذلت اور عجز کے لیے استعمال ہونے لگا۔

المرغّب

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے۔ یہ رَغّب سے اسم فاعل ہے۔ کیونکہ آپ مخلوق کو اطاعت الٰہیہ پر ابھارتے ہیں۔ جو بھلائی اس کے پاس ہے اس کی طرف ترغیب دلاتے ہیں۔ زید بن علی نے:

وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿٨﴾ (الانشراح: ۸)

ترجمہ: "اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔"

میں فَرَغِّبْ پڑھا ہے یعنی لوگوں کو اس کی مغفرت طلب کرنے کی طرف اور اس کے اجر سے محبت کرنے کی طرف ترغیب دیں۔

المزکی

اسے "ط" نے ذکر کیا ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَيُزَكِّيهِمْ۔ (آل عمران: ۱۶۴)

ترجمہ: "اور پاک صاف کر دے انہیں۔"

یعنی آپ انہیں شرک اور بتوں کی میل کچیل سے دور کرتے ہیں۔

المزمل

یہ اصل میں المتزمل ہے۔تا کو یاء میں تبدیل کر کے ادغام کیا گیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ۔ (المزمل:۱،۲)

ترجمہ: "اے چادر لپیٹنے والے رات کو قیام کیجئے۔"

المزمزم

وہ ذات جس کے قلب انور کو آبِ زمزم سے دھویا گیا ہو۔شق صدر کے باب میں مزید تفصیل آئے گی۔

مزيل الغمة

یہ ازالہ سے اسم فاعل ہے۔اس کا معنی دور کرنا ہے۔الغمۃ الغم سے مشتق ہے اس کا معنی مصیبت اور شدت ہے۔اس کا اصل معنی ڈھانپ دینا ہے غمام (بادل) اس سے ہے کیونکہ سورج کی روشنی کو ڈھانپ دیتا ہے۔آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ نے شک کی ظلمت کو نور یقین کے ساتھ روشنی دی۔شرک کے پردہ کو دین متین سے دور کیا۔ متقین کے دلوں سے غفلت کے پردے ہٹائے۔

المسبّح

اسے "ط" اور "عا" نے ذکر کیا ہے۔یہ التسبیح سے اسم فاعل ہے۔اس کا معنی ہے۔حق تعالیٰ کی مخلوق کے اوصاف سے تنزیہ بیان کرنا ہے۔اس کی اصل پانی میں تیزی سے تیرنا ہے۔"عا" نے لکھا ہے کہ اس میں اور تقدیس اور تنزیہ میں فرق یہ ہے کہ تقدیس سے مراد ہے کہ رب تعالیٰ کو ہر اس وصف سے دور سمجھنا جو ربوبیت کے لائق نہ ہو۔تنزیہ یہ ہے کہ اسے بشریت کے اوصاف سے دور سمجھنا اور تسبیح یہ ہے کہ اسے ساری مخلوق کے اوصاف سے بعید سمجھنا۔

المستجيب

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے یہ استجاب سے اسم فاعل ہے۔یہ اجاب کے معنی میں ہے۔اس کی سین طلب کے لیے نہیں بلکہ استفعل ،افعل کے معنی میں ہے۔کعب الغنوی نے کہا ہے:

وداعٍ دعا يا من يجيب الى الندا ۔۔۔ فلم يستجبه عند ذالك مجيب

رب تعالیٰ کے اس فرمان میں "تستجيبون" کو "تجيبون" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ۔ (الاسراء:۵۲)

یہ بھی ممکن ہے کہ المجیب المستجاب کے معنی میں ہو۔فعیل بمعنی مفعول ہو آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ ہم

پر لازم ہے کہ ہم آپ کی اطاعت کریں۔ آپ کی صدا پر لبیک کہیں جب بھی آپ ہمیں بلائیں خواہ ہم نماز میں ہوں۔ آپ کو جواب دینے سے ہماری نماز باطل نہیں ہوگی۔

المستعیذ

اسے "ط" نے ذکر کیا ہے یہ "العوذ" سے اسم فاعل ہے اس سے مراد رب تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرنا ہے۔ اس سے پناہ طلب کرنا اور اس کی طرف جھکنا ہے اور اس سے استعانت طلب کرنا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ (النحل: ۹۸)

ترجمہ: "سو جب تم تلاوت کرنے لگو قرآن (کی) تو پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے اس شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے۔"

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ (الاعراف: ۲۰۰)

ترجمہ: "اور اگر پہنچے آپ کو شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگیے اللہ سے۔"

آپ کا قرأت کے وقت اور ہر وقت شیطان کے وسوسہ سے، اس کی جھاڑ پھونک سے، جو اس نے تخلیق کیا ہے اس کے شر سے آپ کا پناہ مانگنا مشہور ہے۔ جن کا تذکرہ صحیح احادیث میں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ استعاذہ آپ پر واجب تھا۔ پھر ہم آپ کی اتباع کرتے ہیں۔

المستغفر من غیر ما ثم

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ (النصر: ۳)

ترجمہ: "تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے۔"

ابن السنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم شمار کیا کرتے تھے حضور ﷺ ایک محفل میں ایک سو بار یہ کلمات پڑھتے تھے: "رب اغفرلی و تب علی انك انت التواب الرحیم"

المستغنی

اسے "خا" نے ذکر کیا ہے۔ "غنی" کے باب میں تفصیل گزر چکی ہے۔

المستقیم

یہ الاستقامۃ سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد وہ ذات ہے جس میں ٹیڑھا پن نہ ہو جو اس میں کمی کر دے۔ یا اس کا معنی ہے صراط مستقیم پر چلنے والا۔ صراط مستقیم سے مراد حق کا رستہ ہے حسن اور ابو عالیہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ صراط مستقیم سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ۔ (ھود:۱۱۲)

ترجمہ: "پس آپ ثابت قدم رہیے جیسے حکم دیا گیا آپ کو۔"

آپ اس طرح استقامت اختیار فرمائیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ حق کے رستہ پر استقامت اختیار فرمائیں۔ اس سے انحراف نہ فرمائیں بلکہ اس پر مداومت اختیار فرمائیں۔ استاذ ابوالقاسم القشیری نے لکھا ہے "استقامت وہ درجہ ہے جس میں امور مکمل ہوتے ہیں۔ اس درجہ پر فائز ہونے سے ساری خیرات حاصل ہوتی ہیں۔ اس کا پہلا درجہ تقویم ہے۔ یعنی نفس کو ادب سکھانا۔ پھر استقامت ہے اس سے مراد اسرار کے قریب ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ الاستقامۃ سے مراد رسم و رواج اور عادات سے نکلنا ہے اور قدم صدق پر رب تعالیٰ کے سامنے قیام کرنا ہے۔

المسدّد

اسے "ط" نے ذکر کیا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے جو رب تعالیٰ نے حضرت شعیا علیہ السلام سے فرمایا تھا۔ جسے ابن ابی حاتم نے حضرت وھب سے روایت کیا ہے۔ "میں انہیں ہر بھلائی کے رستہ پر چلاؤں گا۔"

المُسرٰی بہٖ

یہ الاسراء سے اسم مفعول ہے۔ اس کا تذکرہ معراج کی تفصیل میں آئے گا۔

المسعود

اسے "د" اور "عا" نے ذکر کیا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ نے اسے غنی کر دیا اور اس کی شقاوت کو ختم کر دیا۔ "د" نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ فاعل کے معنی میں ہو جیسے محبوب مُحَبّ کے معنی میں ہے۔

المسلّم

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے۔ سارے مقاصد میں رب تعالیٰ پر توکل کرنے والے۔

المسیح

اس کا معنی مبارک ہے۔ یا وہ ذات جو مریض کو مس کرے تو وہ شفایاب ہو جائیں۔ یہ فعیل فاعل کے معنی میں ہے۔ یا اس سے مراد وہ ذات ہے جس کے پاؤں کا نچلا درمیانی حصہ زمین پر نہ لگے۔ اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "مسیح" کہا جاتا ہے۔ آپ کو مسیح کیوں کہا جاتا ہے اس کے بارے علماء کرام نے دس اقوال ذکر کیے ہیں:

۱۔ آپ جس مریض کو بھی چھوتے تھے وہ شفاء یاب ہو جاتا تھا۔

۲۔ آپ کے چہرہ انور کی خوبصورتی کی وجہ سے آپ کو "المسیح" کہا جاتا ہے۔ المسیح لغت میں حسین کو کہا جاتا ہے۔ آپ سارے لوگوں سے زیادہ حسین تھے۔ آپ کے حسن و جمال کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

3. بہت زیادہ وظیفہ زوجیت کرنے کی وجہ سے۔
4. اس کا ایک معنی صدیق ہے۔
5. چاندی کے ٹکڑے کو المسیح کہا جاتا ہے۔ آپ کی رنگت سفید تھی لیکن اس میں سرخی کی آمیزش تھی۔
6. المسیح کا ایک معنی تلوار بھی ہے۔ آپ کے حق میں یہ معنی عیاں ہے کیونکہ آپ سیف اللہ ہیں۔
7. اس کا ایک معنی ہے بہت زیادہ سفر کرنے والا۔ حضور ﷺ نے ساتوں آسمانوں کا سفر کیا۔
8. رب تعالیٰ نے آپ کو معصوم عن الخطا بنایا ہے۔
9. حضرت جبرائیل امین نے آپ کو برکت کے ساتھ مس کیا تھا۔
10. آپ اس طرح پیدا ہوئے گویا کہ آپ کو تیل لگایا گیا تھا۔ آپ مسرور و مختون تھے۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ جب آپ صبح بیدار ہوئے تھے تو آپ کو تیل لگا ہوتا تھا آپ کی کنگھی کی ہوئی تھی۔ جبکہ دوسرے بچوں کے بال بکھرے ہوئے ہوتے تھے۔ ابو عبید نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک المسیح کی اصل المشیح ہے۔

المشاور

یہ المشاورۃ سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد آراء دینا ہے تاکہ علم ہو سکے کہ مشاورت کرنے والوں کے پاس کیا ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ: ”اور صلاح مشورہ کیجئے ان سے اس کام میں۔“

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو حضور ﷺ سے زیادہ اپنے صحابہ کرام سے مشاورت کرتا ہو۔“

المشذب

طویل، معتدل قامت والے۔

المشرد

یہ التشرید سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی دشمن کو سزا دینا ہے۔ اسے ذال کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رب تعالیٰ کے اس فرمان میں پڑھا ہے۔

فَشَرِّذْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ۔ (الانفال:۵۷)

ترجمہ: ”منتشر کر دو انہیں جو ان کے پیچھے ہیں۔“

یعنی انہیں اچھی طرح قتل کریں جو آپ سے جنگ کریں۔ انہیں ان لوگوں کے لیے عبرت بنا دیں جو بعد میں آپ کے ساتھ جنگ کریں۔ تا کہ ان سے عبرت حاصل کرتے ہوئے کوئی آپ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

المشقع

اسے "یاء" نے ذکر کیا ہے۔ لغت میں اس کا معنی حمد بیان کرنے والا ہے۔ ابن ظفر نے لکھا کہ آپ کا یہ اسم مبارک حضرت شعیا علیہ السلام کی کتاب میں ہے وہاں ہے "وہ میرے بندے ہوں گے۔ میرا نفس ان سے خوش ہوگا۔ ان پر وحی کا نزول ہوگا۔ وہ اقوام پر میرا عدل ظاہر کریں گے۔ وہ انہیں وصیتیں کریں گے۔ وہ ہنسیں گے نہیں نہ ہی بازار میں ان کی آواز سنائی دے گی۔ وہ نابینا آنکھوں کو، بہرے دلوں کو اور پردہ میں لپٹے دلوں کو کھول دیں گے۔ میں جو کچھ انہیں عطا کروں گا وہ کسی اور کو عطا نہیں کروں گا۔ وہ نئے انداز سے رب تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے وہ زمین کے دور سے علاقوں سے آئیں گے۔ وہ کائنات اور اس کے رہائشیوں کو پاک وصاف کریں گے۔ وہ رب تعالیٰ کی تکبیر و تہلیل کریں گے۔ وہ نہ کمزور ہوں گے نہ ہی مغلوب ہوں گے۔ نہ خواہشات کی طرف جھکیں گے۔ نہ ہی ان صالحین کو رسوا کریں گے جو کمزور گروہ کی مانند ہوں گے۔ بلکہ وہ صدیقین کو قوی کریں گے وہ رکن المتواضعین ہوں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا نور ہوں گے جو کبھی نہ بجھے گا۔ ان کی سلطنت کی مہر ان کے کندھے پر ہوگی۔"

میں نے ابن ظفر کی کتاب خیر البشر کو دیکھا ہے مگر یہ عبارت نظر نہیں آئی۔

المشهود

اسے "د" نے ذکر کیا ہے جس کے اوامر اور نواہی کی گواہی دی جائے۔ رب تعالیٰ کے فرمان "شاہد ومشہود" کی تفسیر میں امام قرطبی نے لکھا ہے کہ شاہد سے مراد انبیاء کرام اور مشہود سے مراد حضور ﷺ کی ذات والا ہے۔ اس کی تفصیل اس ارشاد پاک میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ (آل عمران: ۸۱)

ترجمہ: "اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے اس کی جو میں دوں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہو تو ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی۔ اس کے بعد فرمایا گیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا تم نے اس پر بھاری ذمہ؟ سب نے عرض کی: ہم نے اقرار کر لیا اللہ نے

فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔"

المشیح

وسیع سینے والے یا جس ہستی کا سینہ اور پیٹ برابر ہوں۔

المشیر

یہ اشار سے اسم فاعل ہے اس کا معنی ہے خلوص کا اظہار کرنا۔ صحیح رستہ بیان کرنا۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ ہر اپنی نصیحت میں مخلص ہوتے تھے۔

المصافح

یہ المصافحہ سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد ہاتھ سے پکڑنا ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے۔ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے۔ اس پر اجماع ہے اس کے ساتھ ساتھ خندہ پیشانی اور مغفرت کی دعا کرنا مستحب ہے۔

المصارع

اسے "خا" "عا" نے ذکر کیا ہے وہ ذات جو اپنی قوت سے لوگوں کو پچھاڑ دے۔ امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ابوالاسد کلدہ الجمحی کو پچھاڑا تھا ابوالاسد کی قوت کا عالم یہ تھا وہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا تھا۔ دس افراد اسے اس کے قدموں سے کھینچتے تھے۔ نیچے چمڑا پھٹ جاتا تھا لیکن یہ ہلتا تک نہ تھا۔

المصباح

چراغ۔ ستاروں کے ناموں میں سے ایک نام۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ سے آفاق روشن ہو گئے تھے۔

مصحح الحسنات

کیونکہ نیکیوں کے لیے شرط ہے کہ آپ پر ایمان لایا جائے۔

المصدّق

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے یہ صدّق سے اسم فاعل ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ نے حضرت جبرائیل امین کی اس امر میں تصدیق کی جو انہوں نے رب تعالیٰ کے بارے آپ کو بتایا تھا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ۔ (الزمر: ۳۳)

ترجمہ: "اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی۔"

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ کیونکہ آپ صدق کے ساتھ تشریف لائے اس پر

ایمان لائے۔ آپ کی امت کے لیے جمع کی ضمیر استعمال کر کے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿٣٣﴾ (الزمر: ۳۳)

ترجمہ: "یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔"

ایک قول یہ ہے کہ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے۔ الفریق یا الفوج محذوف ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنے سے پہلے نازل شدہ کتابوں کی تصدیق کی۔ ارشاد فرمایا:

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ۔ (آل عمران: ۸۱)

ترجمہ: "پھر تشریف لائے وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس کی جو تمہارے پاس ہیں۔"

المصدَّق

یہ اسم مفعول ہے۔ یعنی آپ جو پیغام حق لے کر آئے آپ کی امت نے اس کی تصدیق کر دی۔

المصدوق

المصطفٰی

آپ کے سارے اسماء میں سے یہ اسم مبارک سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کی اصل "مصتفو" ہے۔ جو الصفوۃ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی خلوص ہے۔ پہلے بہت سی احادیث گزر چکی ہیں جن میں تذکرہ ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو اپنی مخلوق میں سے چن لیا ہے۔

المصلح

یہ اصلح سے اسم فاعل ہے اس کا معنی فساد دور کرنا اور راہِ ہدایت کو واضح کرنا ہے آپ نے شرک اور سرکشی کو ختم کر کے دین کی اصلاح کی۔ مخلوق کی ہدایت کے ساتھ اصلاح کی۔

المصلّٰی

جس ہستی پر درود پاک پڑھا جائے۔

المصون

المِضخم

سید، شریف، عظیم، جلیل۔

المضری

آپ کے جدامجد مضر کی طرف نسبت ہے۔

المضئی

یہ اضاء سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی روشن ہونا ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اسی طرح ہے جس طرح آپ کا اسم گرامی الضیاء ہے پہلے نور اور ضیاء کے مابین جو فرق ہے۔ وہ گزر چکا ہے حضرت کعب نے آپ کی تعریف میں کہا ہے "نور یضیئی لہ فضل علی الشھب"

المطاع

جس کے سامنے سر اطاعت خم کر کے اس کی اتباع کی جائے یہ الطاعۃ سے اسم مفعول ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ (محمد: ۳۳)

ترجمہ: "اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی۔"

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ (التکویر: ۲۱)

ترجمہ: "سب فرشتوں کا سردار اور وہاں کا امین (ہے)۔"

اس کے بارے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی ذاتِ والا ہے۔

المطھّر

اسے "د" اور "ط" نے ذکر کیا ہے اگر اسے ہاء کے کسرہ سے پڑھا جائے تو اس کا معنی ہے شرک کی میل سے پاک کرنے والے۔ اگر ہاء کے فتح سے پڑھا جائے تو اس سے مراد وہ ذات ہوگی جو ظاہری اور باطنی طور پر پاک و صاف ہو۔

المطیع

ابن ماجہ کی روایت پہلے گزر چکی ہے کہ الاواہ سے مراد رب تعالیٰ کے سامنے جھکنے والا ہے۔ یہ الطوع سے اسم فاعل ہے۔

المعروف

"عا" نے اسے ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد نیکی، احسان اور بھلائی ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کے لیے نیکی اور احسان کرنے والے۔

المعزز

عزت والے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (الفتح: ۹)

ترجمہ: "تاکہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو۔"

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ۔ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: "پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امی) پر اور تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی۔"

رب تعالیٰ نے آپ کی عزت و توقیر کو واجب قرار دیا ہے۔ اس کا معنی ہے آپ کی عزت وتکریم کرو۔ یا آپ کی عزت وتکریم میں اضافہ کرو۔ یا آپ کی مدد کرو۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے آپ کے پاس آواز پست کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (الحجرات:۲)

ترجمہ: "نہ بلند کیا کرو اپنی آواز کو نبی (کریم) کی آواز سے۔"

المعصوم

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط (المائدہ:٦٧)

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں کے شر سے۔"

المعطی

عطا کرنے والا، فضل وکرم کرنے والے۔ یہ عطا سے اسم فاعل ہے یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

المعظّم

یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے جلیل الشان، بڑی سلطنت والے یا وہ ذات جس سے ہر چیز مرتبہ میں کم ہو۔ یا جو عظمت کے اس مرتبہ پر فائز ہو کہ عقل اور ذہن جس کی حقیقت کو نہ سمجھ سکیں۔

المعقب

اسے "د" اور "ط" نے ذکر کیا ہے۔ یہ عاقب ! کے معنی میں ہے کیونکہ آپ سارے انبیائے کرام کے بعد میں تشریف لائے۔ "عا" نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ ذات جو دوسری ذات کی جانشین بنے۔ یہ عاقب کے معنی میں ہے "نجم معقب" اسی سے ہے۔ جب ایک ستارہ دوسرے کے بعد طلوع ہو۔ یا أعقب سے مشتق ہے جس کا معنی ہے جس ذات کی نسل باقی رہے۔ کیونکہ آپ کی نسل روز حشر تک باقی رہے گی۔ اس سے مراد حضرت سیدۃ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی اولاد پاک ہے۔ یہ آپ کی خصائص میں سے ہے کہ آپ کی نور ان نظر کی اولاد پاک آپ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

المعلّم

بھلائی کی طرف راہ نمائی کرنے والے۔ دارمی نے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا "مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے"

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ کی تعریف میں فرمایا:

معلّم صدق ان یطیعوہ یھتدوا۔

ترجمہ: "آپ صدق کے معلم ہیں اگر وہ آپ کی اطاعت کریں گے تو ہدایت پا جائیں گے۔"

المعلّم

یہ اسم مفعول ہے جیسے المعظّم۔ یہ نفس کو تنبیہ ہے تا کہ وہ معانی کا تصور کرے۔ یہ اس کی توفیق ہے یا کہ وہ حروف تہجی میں غور وفکر کرے۔ عَلَّم اور اَعْلَم ایک ہی معنی میں ہے ارشاد پاک ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ (النساء:۱۱۳)

ترجمہ: "سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے۔"

یعنی آپ کی راہ نمائی کی۔ آپ کو ہدایت عطا کی۔ ایسے امور کی طرف آپ کی راہ نمائی کی جسے آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔ امور کے حوادث، دل کے مخفی امور، غیوب کے اسرار، دین کے امور، احکام اور اسلام کی شریعت سے آپ کو آگاہ کر دیا۔

معلم امة

المعلن

اسے "د" نے ذکر کیا ہے۔ اپنی دعوت کا اعلانیہ اظہار کرنے والے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "حق کا حق کے ساتھ اعلان کرنے والے"

المعلّٰی

جسے دوسرے سے بلند رتبہ عطا کیا گیا ہو۔ یہ تعلیہ سے اسم مفعول ہے جس کا معنی رفعت ہے۔

المعمّم

یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی عمامہ والے۔ آپ کا یہ اسم مبارک سابقہ کتب میں موجود ہے۔

المعین

مددگار یا بہت زیادہ اعانت کرنے والے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا: "آپ بھلائی کے امور پر مدد فرماتے ہیں۔"

المغرم

یہ الغرام سے مشتق ہے یعنی رب تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے۔

المغنم

یہ غنیمۃ کی طرح ہے یعنی ہر چیز سے بہترین۔

المغنی

احسان اور فضل و کرم کرنے والے۔ یہ اغناء سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد وہ احسان اور فضل ہے جس سے ضرورت پوری ہو سکے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا نَقَمُوٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (التوبۃ: ۷۴)

ترجمہ: "اور نہیں خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے۔"

اس آیت طیبہ میں حضور ﷺ کی بہت زیادہ تعظیم اور تکریم بیان کی گئی ہے۔ آپ کی رفیع مقام اور بلند منصب کی طرف اشارہ ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے بندوں تک نعمتیں پہنچانے میں آپ کا ذکر اپنے ساتھ کیا ہے آپ کو انہیں غنی کرنے والا بنایا ہے کیونکہ آپ کے دست اقدس سے بہت سی فتوحات ہوئیں اور صحابہ کرام کو مال غنیمت ملا۔

المفتاح

وہ چیز جس سے بند دروازہ کھل جائے۔

المفخم

سینوں میں جن کی تعظیم و توقیر ہو۔ آنکھوں میں جن کی ہیبت ہو۔ اس سے مراد آپ کے جسم اطہر کے اعضاء مبارکہ ہیں۔

المفضال

یہ الافضال سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد جود و کرم ہے۔

المفضّل

انہیں "د" اور "ط" نے ذکر کیا ہے یہ المکرم یا المقدس کے وزن پر ہے۔ یعنی سارے عالمین پر اپنا فضل و کرم کرنے والے۔ یا دوسروں سے افضل۔ یہ تفضیل سے اسم مفعول ہے۔ اس سے مراد عزت و تکریم ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو ساری مخلوق سے فضیلت بخشی ہے اور بلند مراتب کو آپ کے ساتھ مختص کیا ہے۔

المفلج

وہ ذات جس کے دانتوں کے مابین خلا ہو۔

المفلح

"عا" نے ذکر کیا ہے۔ یہ الفلاح سے اسم فاعل ہے جس کا معنی فوز و بقا ہے۔

المقتصد

یہ الاقتصاد سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد عدل یا سیدھا رستہ ہے۔

المستقیم

المقتضی

سب انبیاء کرام کے بعد تشریف لانے والے۔ اسے ابن خطیب نے ذکر کیا ہے۔

المقدس

اسے "یا" "ع" اور "ذ" نے ذکر کیا ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کا یہ اسم گرامی سابقہ کتب میں ذکر فرمایا۔ اس کا معنی ہے گناہوں سے پاک، عیوب سے مبرأ یا مذمومہ اوصاف سے پاک و صاف۔ تقدیس کا اصل معنی ہے تطہیر یا بُعد۔ یہ اسمائے حسنیٰ میں سے القدوس ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ذات جو ایسے نقائص اور عیوب سے پاک ہو جو اس کے لائق نہ ہوں۔

المقدِّس

اپنے پیروکاروں کو شرک کی غلاظتوں سے پاک اور صاف کرنے والے۔

المقدم

یہ مؤخر کی ضد ہے۔ یہ قدم سے اسم مفعول ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو خلق، خُلق، رتبہ اور شرف کے اعتبار سے دیگر انبیائے کرام سے مقدم فرمایا ہے۔ امام بوصیری نے کیا خوب فرمایا ہے:

و قدّمتك جميع الانبياء بها　　　والرسل تقديم مخدوم على خَدَمِ

ترجمہ: "سارے انبیاء اور رسل عظام نے اس کے ساتھ آپ کو اس طرح مقدم کیا جس طرح مخدوم خادم سے مقدم ہوتا ہے۔

المقرئ

جو ذات دوسرے کو قرآن پاک پڑھ کر سنائے۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابی بن

کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "مجھے رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ قرآن پاک پڑھ کر سناؤں۔" یعنی، آپ کو اس کی تعلیم دوں۔ جیسے استاد اپنے شاگرد کے لیے پڑھتا ہے تاکہ اسے فائدہ ملے نہ کہ وہ خود استفادہ کرے۔ اس روایت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بھی فضیلت ہے۔

المقسِط

یہ اقسَطَ سے اسم فاعل ہے یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کا معنی عادل ہے جس کا فیصلہ مظلوم کو ظالم سے انصاف لے کر دے۔

المقصوص

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ۔ (یوسف:۳)

ترجمہ: "ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ایک بہترین قصے اس قرآن کے ذریعے۔"

المقفّی

اس کا معنی ہے وہ ذات والا جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو یہ عاقب کی طرح ہے۔

المقوّم

یہ تقویم سے اسم مفعول ہے۔ اس کا معنی الاستقامۃ ہے یا المقیم کے معنی میں ہے۔

مقیل العثرات

مقیم السنۃ

یہ تورات اور زبور میں آپ کا اسم مبارک ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رب تعالیٰ ان کا وصال نہیں فرمائے گا۔ حتیٰ کہ ان کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا فرما دے گا۔ وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگیں گے۔" دوسری روایت میں ہے کہ وہ ان کا وصال نہیں فرمائے گا حتیٰ کہ ان کے ذریعے ٹیڑھے رستہ کو سیدھا کر دے گا۔" زبور میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: "مولا! ہم میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما جو فترت کے بعد ہمارے لیے سنت قائم فرمائیں۔

المکتفی باللہ

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے یعنی وہ ذات جس نے اپنے سارے امور رب تعالیٰ کے سپرد کر دیے ہوں اور ہر حال میں اپنے رب تعالیٰ پر توکل کیا ہو۔

المكرّم

اسے "ذ" نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ آپ سارے لوگوں سے زیادہ معزز تھے۔

المكفى

المكلّم

یہ اسم مفعول ہے اور مخاطب کے معنی میں ہے۔ معراج شریف کی روایت میں ہے کہ آپ نے حق تبارک وتعالیٰ کا خطاب سنا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ آپ کو شرف ہم کلامی نصیب ہوا۔ پھر آپ کو اس اسم مبارک کو الکلام سے مشتق کیوں نہ کیا گیا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم کہا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ معنی کا اعتبار کبھی مادۂ اشتقاق کی تصحیح کے لیے ہوتا ہے جیسے اسم فاعل اس معنی کا رد کیا گیا ہے کہ جس سے کسی وصف کا ظہور ہو اسی سے اس کا اسم مشتق کرنا واجب ہے۔ کبھی کبھی یہ ترجیح کے لیے ہوتا ہے جیسے کلیم، قارورہ۔ اس وقت یہ لازم نہیں آتا کہ جو اس وصف سے متصف ہو اس کو اسی سے مشتق کیا جائے جیسے کہ قاضی عضد الدین نے تحقیق کی ہے۔

المكى

مکہ مکرمہ کی طرف نسبت ہے جو رب تعالیٰ کے سارے شہروں سے افضل ہے۔

المكين

بعض علماء نے اسے رب تعالیٰ نے اسے فرمان سے اخذ کیا ہے۔

ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ﴿۲۰﴾ (التکویر: ۲۰)

ترجمہ: "جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔"

یہ المکانۃ سے فعیل کے وزن پر ہے۔ وہ ہستی خالق کے ہاں جس کا عظیم مقام ہو۔

الملاحمى

الملاذ

پناہ گاہ جناب ابو طالب نے آپ کی تعریف میں فرمایا ہے:

يلوذ به الهلاك من آل هاشم ۔۔۔ فهم عنده فى نعمة و فواضل

ترجمہ: "بنو ہاشم کے ہلاک ہونے والے افراد بھی آپ کے دامن میں پناہ گزیں ہوتے ہیں وہ آپ کے دربار میں نعمتوں اور عنایتوں میں ہوتے ہیں۔"

الملبّی

اسم کا معنی المطیع یا المخلص یا المجیب یا المحب ہے۔ یہ لبّی یلبّی سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی ہے رب تعالیٰ کی اطاعت میں لگاتار مصروف رہنا۔

الملجاء

پناہ گاہ۔

الملحمة

یہ لحمة الثوب سے مشتق ہے کیونکہ لوگ جنگ میں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح گتھم گتھا ہوتے ہیں جس طرح کپڑے کا تانا بانا کے ساتھ ملا ہوتا ہے یا یہ اللحم سے مشتق ہے کیونکہ میدانِ جنگ میں مقتولوں کا بہت سا گوشت پڑا ہوتا ہے۔ آپ کا یہ نام اس لیے ہے کیونکہ آپ تلوار اور جہاد کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔

ملقّی القرآن

آپ نے حضرت جبرائیل امین کی زبان اقدس سے قرآن پاک لیا اور اسے اپنی امت کو عطا کر دیا۔ یعنی انہیں اس کی تبلیغ کر دی۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝ (النمل:٦)

ترجمہ: ''بے شک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم بڑے دانا سب کچھ جاننے والے کی جانب سے۔''

الملیك

یہ المُلك سے فعیل کے وزن ہے جو لوگوں پر حکومت کرے اور ان کے امور کے انتظامات کرے۔ یا جو عزت وغلبہ اور سلطنت کا والی ہو۔ رب تعالیٰ کے حق میں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جو اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے کائنات اور اس کے موجودات سے مستغنی ہو۔ اور مخلوقات میں سے کوئی چیز اس سے مستغنی نہ ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ذات ہے جو اشیاء کو عدم سے وجود بخشنے پر قادر ہو۔

الملیء

''عا'' رب تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز سے مستغنی یا جس کا فیصلہ اور حکم عمدہ ہو۔

الممنوح

اسے ''عا'' نے ذکر کیا ہے اس سے مراد وہ ذات ہے جسے رب تعالیٰ نے دنیوی اور اخروی بھلائیاں عطا کیں ہوں یا جو اپنی اُمت کو یہ بھلائیاں عطا فرما دے عطیات سے نوازے کیونکہ رب تعالیٰ نے اسے یہ سب کچھ عطا کیا ہو۔

الممنوع

"عا" نے اسے ذکر کیا ہے۔ یعنی وہ ذات جس کے پاس اتنی قوت اور طاقت ہو جو اسے شیطان سے روک دے۔ وہ طاقت اسے دشمن سے بچادے۔ یا وہ ذات جسے رب تعالیٰ دشمنوں سے بچائے اور ہر برائی اور ہلاکت سے اس کی حفاظت کرے۔

المنادی

رب تعالیٰ یا اس کی توحید کی طرف دعوت دینے والے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ۔ (آل عمران: ۱۹۳)

ترجمہ: "اے ہمارے رب! بے شک سنا ہم نے منادی کرنے والے کو کہ بلند آواز سے بلاتا تھا ایمان کی طرف۔"

ابن جریج رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

المناذی

شب معراج حضرت جبرائیل امین نے آپ کو حریم ناز کی طرف جانے کی دعوت دی۔

المنتجب/المنتخب

ان دونوں اسماء کا معنی مختار ہے۔

المنتصر/المنجد

مددگار، ناصر، یا بلند شان والے۔ یہ أنجد سے اسم فاعل ہے اس کا معنی بلند ہونا یا مدد کرنا ہے۔

المنحمنا

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ انجیل میں آپ کا اسم گرامی ہے۔ سریانی میں اس کا معنی "محمد" ہے۔

المنذر

رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ۔ (الرعد: ۷)

ترجمہ: "آپ تو (کج روی کے انجام بد سے) ڈرانے والے ہیں۔"

یہ حصر خاص ہے یعنی آپ کفار کو ہدایت دینے پر قادر نہیں یہ حصر عام نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اوصاف بھی ہیں جیسے بشارت۔ یہ انذار سے صفت ہے۔ جس کا معنی ہے ڈر کے پیغام پہنچانا۔

المنزل علیہ/المنصف

عادل۔ حضور ﷺ سارے لوگوں سے زیادہ انصاف کرنے والے تھے۔

المنصور

جس کی نصرت کی جائے یہ نصر سے اسم مفعول ہے۔اس کا معنی تائید ہے۔

المنقذ

یہ الانقاذ سے اسم فاعل ہے۔اس سے مراد مصائب کے بھنور کے نجات عطا کرنا ہے۔آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے کیونکہ آپ ہمیں روز حشر شفاعت فرما کر مشکلات کے بھنور سے نکالیں گے۔حضرت حسان نے فرمایا:

یدل علی الرحمان من یقتدی بہ و ینقذ من ھول الخزایا و یرشد

ترجمہ: ''جو حق پہ کی اقتداء کرتا ہے آپ رحمان تک اس کی راہ نمائی کرتے ہیں۔آپ غموں کے خوف میں وعدہ پورا کرتے ہیں اور راہ نمائی کرتے ہیں۔''

رب تعالیٰ کے اس فرمان اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ﴿۱۹﴾ (الزمر ۱۹) ''تو کیا آپ چھڑا سکتے ہیں اسے جو آگ میں ہے؟'' اس سے مراد یہ ہے جو عذاب کا مستحق ہو جائے اسے بچانے پہ آپ قادر نہیں۔اگر آپ اسے ایمان کی طرف بلانے کی پوری سعی فرمائیں۔

منۃ اللہ

ارشاد پاک ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (آل عمران ۱۶۴)

ترجمہ: ''یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے۔''

اس آیت طیبہ میں صرف اہل ایمان کا ذکر کیا ہے کیونکہ آپ کی بعثت سے صرف انہوں نے ہی فائدہ اٹھایا ہے ان پر احسان جتلانے کی یہی وجہ ہے۔

المنیب

''الاواہ'' میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔یہ الانابۃ سے اسم فاعل ہے اس سے مراد اطاعت کی طرف توجہ کرنا ہے۔ اس کے اور تائب اور اواب کے مابین فرق یہ ہے کہ تائب وہ ہوتا ہے جو عذاب الٰہی کے خوف سے مخالفات سے منہ موڑ لیتا ہے۔المنیب وہ ہوتا ہے جو رب تعالیٰ سے حیاء کرتے ہوئے ان سے منہ موڑتا ہے اور اواب وہ ہوتا ہے جو اوصاف محمودہ کی تعظیم کرتے ہوئے ان سے منہ موڑتا ہے۔ایک قول یہ ہے کہ الانابۃ اولیاء اور مقربین کا وصف ہے۔رب

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿٣٣﴾ (ق ٣٣)

ترجمہ: "اور آیا ایسا دل لیے ہوئے جو یاد الٰہی کی طرف متوجہ تھا۔"

توبہ اہل ایمان کا وصف ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَتُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ۔ (النور ٣١)

ترجمہ: "اور رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب ایمان والو!"

المنير

یہ اَنَارَ سے اسم فاعل ہے۔ جس کا معنی روشن کرنا ہے۔ یعنی اپنے حیات بخش پیغام سے اہلِ ایمان کے دلوں کو روشن کرنے والا۔

المھاب

وہ ذات جس کی سلطنت اور جرأت سے لوگ خوف کھائیں۔ یہ الھیبۃ سے اسم مفعول ہے۔ الاحیاء میں ہے کہ ہیبت سے مراد وہ خوف ہے اجلال اور تعظیم جس کا مصدر ہو۔ یہ خوف سے اخص ہے کیونکہ ہر خوف میں تعظیم نہیں ہوتی۔ جیسے بچھو وغیرہ سے خوف لیکن سلطان معظم کا خوف ہیبت ہے۔ یہ آپ کا اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ دشمن ایک ماہ کی مسافت سے آپ سے خوفزدہ ہو جاتا تھا۔ اس کی مزید تفصیل خصائص میں آئے گی۔

المھاجر

"ع" اور "ح" نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔

المھداۃ

یہ اھدی الشئ سے مشتق ہے۔ آپ نے فرمایا: انما انا رحمۃ مھداۃ۔

المھدِی

یہ اھدٰی سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد مرشد اور بھلائی کے رستہ کی طرف راہ نمائی کرنے والا ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ (الفتح: ٢)

ترجمہ: "اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر۔"

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ کی تعریف میں فرمایا ہے:

جزعاً علی المهدیّ اصبح ثاویا   یا خیر من وطی الحصا لا تبعد

ترجمہ: "اے آنکھو! اس رسول مکرم ﷺ پر روتے ہوئے افسوس کر رہی ہو جو قبر انور میں تشریف لے گئے ہیں۔ اے عظیم ترین ذات والا! آپ سلامت رہیں۔"

المهذب

پاکیزہ اخلاق والے، میل کچیل سے پاک۔ یہ التھذیب سے اسم مفعول ہے۔ اس معنی خلوص بھی ہے۔

المهیمن

اسے "یا" نے ذکر کیا ہے۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے:

حتّٰی احتوٰی بیتك المهیمن من   خندف علیاء تحتها النطق

ترجمہ: "حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے در اقدس کو ان رفعتوں پر آشیاں بند کر دیا کہ قوتِ گویائی اس سے عاجز ہے۔"

"ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ "المهیمن" اصل میں "یا ایها المهیمن" ہے۔ اس آیت طیبہ میں بھی آپ کا یہ اسم پاک مذکور ہے۔

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ۔ (المائدہ: ۴۸)

ترجمہ: "اور اے حبیب (ﷺ)! اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے آسمانی کتاب ہے۔ یہ قرآن محافظ ہے اس پر۔"

ابن جریر نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس جگہ "مهیمنا علیه" سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔
ابن جریر نے لکھا ہے: "اس وقت اس کلام کی تاویل اس طرح کرنا پڑے گی و انزلنا الکتاب مصدقا الکتب قبله الیك مهیمناً علیه" "مصدِّقا" الکتاب سے حال ہوگا اور مھیمنا اس کاف سے حال ہوگا جو الیک میں ہے یہ حضور ﷺ سے کنایہ ہے۔ اس تاویل میں آیت میں غیر مرتب بست وکشاد ہے۔ پہلا حال "مصدقا" الیک میں "ک" کی طرف راجع ہے "مھیمنا" دوسرا حال کتاب مفعول ثانی کی طرف راجع ہے۔

ابن جریر کی یہ گرفت کی گئی ہے کیونکہ اس کا عطف اس مصدق پر ہے جو الکتاب سے حال ہے نہ کہ کاف پر اس کا عطف ہے۔ ورنہ یوں کہا جاتا "مصدقا لما بین یدیك" اسے اس امر پر محمول کرنا کہ خطاب سے غیب کی طرف التفات کے قبیلہ سے ہے۔ یہ نظم قرآن سے بعید ہے۔ یہ ابوحیان کا موقف ہے لیکن ابن عطیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ مصدّقاً اور مھیمناً دونوں کاف سے حال ہوں۔ یہ صرف مجاہد کی قرأت کے ساتھ مختص نہیں بلکہ جمہور کی قرأت پر ہے۔
مھیمن اکثر علماء کے نزدیک یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ ھیمن یھیمن سے مشتق ہے۔ جس کا معنی نگرانی کرنا

ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اس کا معنی شاہد، حافظ یا رقیب، یا قائم یا مؤمن یا الامین ہے۔ حضور ﷺ پہلے، چوتھے اور پانچویں معنی کے اعتبار سے مھیمن ہیں۔

المورود حوضه

یہ ورود سے اسم مفعول ہے۔ یعنی وہ ذات والا جس کے حوض پر روز حشر لوگ آئیں گے۔

الموصل

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی تورات میں موجود ہے۔ اس کا معنی مرحوم ہے۔

المؤتی جوامع الکلم

اس اسم گرامی کا تذکرہ خصائص میں آئے گا۔

الموحی الیه

اسے "خا" نے ذکر کیا ہے۔ عنقریب اس کا تذکرہ بعثت کے ابواب میں ہوگا۔

المولی

اسے "یا" نے ذکر کیا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب ۶)

ترجمہ: "نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔"

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "کوئی مؤمن نہیں مگر میں دنیا اور آخرت میں اس کے سب سے زیادہ قریب ہوں۔ جو مال چھوڑے گا وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے جس نے قرض یا ضائع شدہ مال چھوڑا وہ میرے پاس آجائے میں اس کا مولا ہوں۔"

ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ مولیٰ کے لفظ کا اطلاق سولہ معانی پر ہوتا ہے۔ اقرب، مالک، سید، معتق، منعم، ناصر محب، تابع، ماموں، چچازاد، حلیف، عقیل، صہر، عبد منعم علیہ، معتق جو بھی کسی امر کا والی بنے یا اسے قائم کرنے والا بنے وہ مولا ہے۔ ان معانی کی اکثریت احادیث طیبہ میں ہے یہ معنی جو آپ کے مناسب ہوگا۔ اسے آپ کی طرف منسوب کر دیا جائے گا۔ آپ کے مقام کے لائق یہ معانی ہیں۔ سید، منعم، ناصر، محب۔ یہ اسم مبارک رب تعالیٰ کے اسماء میں سے بھی ہے۔ اس وقت یہ مالک کے معنی میں ہوگا۔

موذموذ

اسے "ع" نے بیان کیا ہے۔ آپ کا یہ اسم مبارک صحف ابراہیمی میں تھا۔

الموعظة

وہ چیز جس کے ساتھ وعظ و نصیحت کی جائے یہ الوعظ سے مشتق ہے۔ خلیل کے نزدیک اس کا معنی ہے بھلائی کے ساتھ اس چیز کی یاد کرانا جس کے دل میں رقت پیدا ہو جائے آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کی بعثت سے بندوں کو قیامت یاد کرائی ہے کیونکہ آپ کی بعثت روز حشر کی علامت ہے۔

المؤقر

حلیم۔ باوقار۔ آپ کی مجلس پاک بہت باوقار ہوتی تھی۔ اس کے اطراف سے کوئی چیز بھی نہیں نکلتی تھی۔

الموقن

یہ الیقین سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کو ذہن میں بٹھا کر، اسے سمجھ کر اور اس سے شک روک کے اس پہ یقین کرنا ہے۔ امام راغب نے لکھا ہے "یہ معرفت اور درایت سے اعلیٰ مقام ہے کیونکہ یہ علم کی صفات سے ہے۔" رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ (التکاثر ۵)

ترجمہ: "یقینی طور سے۔"

اس معاملہ معرفت اور درایت کے خلاف ہے۔ معرفۃ الیقین اور درایۃ الیقین نہیں کہا جاتا۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ دل سے رب تعالیٰ کی توحید، اس کے علم اور صفات، ان پر ایمان اور جو پیغام آپ پر وحی کیا جاتا تھا اس کے بارے یقین رکھتے تھے۔ آپ کو ان امور کی پوری معرفت تھی۔ کسی چیز میں کوئی شک و شبہ نہ تھا اور آپ ہر اس چیز سے معصوم تھے جو اس معرفت کے متضاد یا منافی تھی۔ جیسے کہ قاضی نے تصریح کی ہے کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

میذ میذ

اسے عین نے ذکر کیا ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی تورات میں مذکور ہے۔

المیزان

رب تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے کہا گیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ (الشوریٰ ۱۷)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ وہ جس نے کتاب کو نازل کیا حق کے ساتھ اور نازل کیا میزان کو۔"

میں میزان سے مراد حضور ﷺ کی ذات والا ہے۔ یہ موقف امام محمود بن حمزہ الکرمانی نے لکھا ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس کا عطف اس الکتاب پر کرنا کیسے صحیح ہے جو انزل کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رب تعالیٰ

کے اس فرمان کی طرح ہے۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ (الطلاق ۱۰)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر۔"

المیسّر

"ع" "ط" نے اس کا ذکر کیا ہے یعنی دین کو آسان کرنے والے۔ یہ یُسر سے اسم فاعل ہے جو عُسر (تنگی) کی ضد ہے۔ اس کا معنی سہولت ہے۔ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث پاک میں روایت کیا ہے جس میں آپ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: "مجھے رب تعالیٰ آسانی پیدا کرنے والا بنا کر مبعوث کیا ہے" ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو امور میں سے اختیار دیا گیا تو آپ نے آسان امر کو اختیار فرمایا۔"

میمّم

اس کا معنی مقصود ہے۔ یہ التیمم سے اسم مفعول ہے۔ جس کا معنی قصد کرنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ روز حشر مخلوق آپ کی پناہ کا قصد کرے گی۔ وہ سلامتی پانے کے لیے آپ کے منصب کا ارادہ کرے گی۔

حرف النون

النابذ

یہ النبذ سے اسم فاعل ہے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ (الانفال ۵۸)

ترجمہ: "تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر۔"

یعنی آپ ان کی طرف یہ عہد اس انداز سے پھینکیں کہ ان کے لیے واضح ہو جائے کہ یہ عہد ان کی طرف پھینکا گیا ہے انہیں علم ہو جائے کہ آپ کے اور ان کے مابین سارے تعلقات ختم ہیں۔ جنگ میں اس طرح ان کے ساتھ مقابلہ نہ کریں کہ انہیں عہد کے باقی ہونے کا وہم ہو کیونکہ یہ خیانت کی طرح ہے۔

الناجز

اسے "خا" نے ذکر کیا ہے۔ وعدہ وفا کرنے والے یہ نجز الوعد سے اسم فاعل ہے۔ اس وصف میں آپ بہت بلند مقام رکھتے تھے۔

الناس

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ (النساء: ۵۴)

ترجمہ: "کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے۔"

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ آیت طیبہ میں "الناس" سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ یہ خاص کا عام اسم کے ساتھ نام رکھنے کے باب سے ہے۔ کیونکہ آپ کی شان بڑی جلیل اور عظیم ہے۔ یا آپ میں اس قدر خصال حمیدہ ہیں جو دیگر سارے لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

الناسخ

یہ النسخ سے اسم فاعل ہے لغت میں نسخ سے مراد ہے اس چیز کے ساتھ کسی چیز کو ختم کرنا جو اس کے بعد آئے اور اصطلاح میں اس سے مراد خطاب کے ساتھ حکم شرعی اٹھالینا ہے۔

آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ نے اپنی شریعت مطہرہ سے ساری شریعتوں کو منسوخ فرمایا اسی لیے آپ اصول میں مختار تھے۔ ہم سے پہلے کی شریعتیں مطلقاً ہماری شریعت نہیں ہیں اگرچہ آپ نے اس کے نسخ کا ارادہ نہ بھی فرمایا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر آپ نے ہماری شریعت میں اس کے نسخ کا ارادہ نہ فرمایا ہو تو وہ ہماری شریعت ہوگا میں نے اپنے شیخ، شیخ الاسلام ابوزکریا المناوی سے سنا ہے وہ اس شخص کے نظریہ کے بارے کہتے تھے "اس شخص کا نظریہ صحیح ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی شریعت نے مطلقاً ساری شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کرنا چاہیے جس کا موقف یہ ہے کہ جب نسخ کا ارادہ نہ ہو تو ہم سے پہلے کی شریعت ہماری شریعت ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ بشرطیکہ آپ ہمارے لیے اسے مشروع فرمائیں۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ ہم پہلی شریعتوں کے مطابق عبادت کریں گے۔

رب تعالیٰ نے اس وصف کے ساتھ اپنی بھی توصیف فرمائی ہے۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ (البقرہ ۱۰۶)

ترجمہ: "جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا (کم از کم) اس جیسی۔"

الناسك

عابد، یہ النسک سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی عبادت ہے۔

الناشر

لپیٹنے کے بعد کسی چیز کو پھیلانا، یہ النشر سے اسم فاعل ہے اس کا معنی پھیلانا ہے۔ اسی سے صحیفہ حدیث اور بادل کو پھیلانا ہے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ نے اسلام کو پھیلایا۔ اسلام کے احکام کا اظہار کیا یا یہ الحاشر کے معنی میں ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

الناصب

اسے ''د'' اور ''ط'' نے ذکر کیا ہے شاید اس کا معنی اسلام کے احکام واضح کرنے والے ہوں یہ النصب سے مشتق ہے۔ اس سے مراد وہ علامات ہیں رستہ میں جن سے راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے یا اس سے مراد دین اسلام کو قائم کرنے والے ہیں۔ شاید یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہو۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ (الم نشرح ۷)

یعنی دعا میں آہ وزاری کریں۔ ناصب سے مراد بلند ہے۔ بلند سینے والے شخص کو رجل ناصب کہا جاتا ہے۔ جنگ کے شعلے بڑھکانے والے کو ناصب الحرب کہا جاتا ہے۔ اسی طرح دعا میں آہ وزاری کرنے والے کو ناصب کہا جاتا ہے۔ حضرت حسن سے روایت ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب آپ جہاد سے فارغ ہوں تو عبادت میں کوشش کیا کریں۔ رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ پہ سابقہ نعمتیں شمار کیں۔ شرح صدر سے آپ کی مصیبتیں اور مشقتیں دور کرنے کا وعدہ فرمایا اسی طرح وزن ہٹانے اور تنگی کو آسانی سے بدلنے کا وعدہ فرمایا آپ کو شکر پر ابھارا آپ کو عبادت میں کوشش کرنے کی ترغیب دی۔

الناصح

یہ انبیائے کرام کے اس قول سے ماخوذ ہے جو انہوں نے شب معراج حضور ﷺ کا استقبال کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''اس نبی امی ﷺ کو خوش آمدید جنہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور اپنی امت کے لیے خلوص کا اظہار کیا'' امام خطابی نے لکھا ہے کہ النصیحہ ایسا کلمہ ہے جس سے اس ساری بھلائیوں کو تعبیر کیا جا سکتا ہے منصوح علیہ کے لیے جن کا ارادہ کیا جائے۔ جنہیں ایک کلمہ سے تعبیر کرنا ناممکن ہو۔ نعمت میں اس کا معنی اخلاص ہے۔ ان کے علاوہ دیگر علماء نے فرمایا ہے کہ نصح سے مراد اس شئ پر فعل صادر کرنا ہے جس کی اصلاح اور سلامتی مقصود ہو یہ النصاح سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد وہ کپڑا ہے جس سے کپڑا سیا جاتا ہے۔

النہایہ میں ہے ''النصح کا اصل خلوص ہے، کہا جاتا ہے نصحت العسل'' جس شہد کو موم سے پاک کیا جاتا ہے گویا کہ ناصح منصوح لہ کی اصلاح کے لیے جو کوشش کرتا ہے اسے شہد کو موم سے صاف کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

نبی الرحمة

رحمت کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

النبی الصالح

شب معراج میں انبیائے کرام اور ملائکہ نے آپ کا اس طرح استقبال کیا: "مرحبا بالنبی الصالح" صالح کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔

نبی الاحمر، نبی الاسود

جن وانس یا عرب وعجم کے نبی ﷺ

نبی التوبة

توبہ کا معنی لوٹنا اور رجوع کرنا ہے۔ حضرت سہل نے لکھا ہے کہ اس کا معنی ہے "ٹال مٹول ترک کرنا" امام الحرمین نے لکھا ہے "توبہ کا لفظ جب بندے کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی ہے کہ لغزشوں پر نادم ہو کر ان سے رجوع کرنا۔ جب اس کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے "بندوں پر نعمتیں اور بخششیں کرنا۔"

نبی الحرمین

حرمین سے مراد مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ ہے۔

نبی زمزم

بیت اللہ کے فضائل کے ابواب میں زمزم پر بحث ہو چکی ہے۔

نبی الرحمة

رحمت پر گفتگو ہو چکی ہے۔

نبی الملحمة

الملحمة پر گفتگو ہو چکی ہے۔ یہ آپ کے اس فرمان کی طرح ہے "مجھے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔"

نبی الملاحم

ملاحم الملحمة کی جمع ہے۔

النباء

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے اس سے مراد عظیم شان والے اور عمدہ جسم اطہر والے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② (النبا:۱-۲)

ترجمہ: "وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔"

اس سے مراد یا قرآن حکیم یا نبی کریم ﷺ ہیں۔

النجم

اسے "خا" نے ذکر کیا ہے یہ آپ کا اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ ایمان کی راہ پر چلنے والا آپ کے ساتھ راہ نمائی حاصل کرتا ہے۔ جس طرح ستاروں سے راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے آباء کرام سے روایت کیا ہے کہ

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ① (النجم:۱)

ترجمہ: "میں نجم۔"

سے مراد حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے هَوٰى سے مراد آپ کا شب معراج واپس آنا ہے۔

النجم الثاقب

منور کرنے والا۔ وہ چیز جو جس پر پڑے اسے اپنے نور اور اجالے سے جگمگا دے۔ السلمی نے رب تعالیٰ کے فرمان النَّجْمُ الثَّاقِبُ ③ (الطارق:۳) میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات والا ہے۔

النجیب

اس کا معنی کریم، حبیب یا چیدہ اور برگزیدہ ہے۔

النجید

ماہر راہ نما یا جری بہادر جس سے دوسرا عاجز آجائے۔ یہ فعیل فاعل کے معنی میں ہے۔

نجی اللہ

علامہ راغب نے لکھا ہے کہ النجی مناجی کے معنی میں ہے۔ یہ واحد اور جمع میں استعمال ہوتا ہے۔ جسے رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۞ (مریم:۵۲)

ترجمہ: "ہم نے انہیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کے لیے۔"

خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ (یوسف:۸۰)

ترجمہ: "الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔"

الندب

اس کا معنی نجیب اور ظریف ہے۔ اس کی جمع ندوب اور ندباء ہے۔

النذیر

یہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔ اس سے مراد امور کے انجام سے ڈرانا ہے۔ نذیر اور رسول میں عموم من وجہ کی نسبت ہے۔ کیونکہ یہ دونوں دوسرے کے متعلق ایسی خبر دینے میں جمع ہیں جس سے ڈرا جائے لیکن رسول اس میں منفرد ہے کہ وہ کبھی کبھی ایسی خبر بھی دیتا ہے جس میں خوف نہیں ہوتا۔ نذیر اس منذر سے منفرد ہے جو اپنے بارے ایسی خبر دے جس سے خوف آئے۔ آپ کا یہ اسم گرامی اس لیے ہے کیونکہ آپ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے۔ انہیں برے حساب سے خوفزدہ کرتے تھے۔ آپ کی شریعت مطہرہ کے احکام کی تبلیغ کرنے والے ہر مبلغ کو نذیر کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ﴿٢٩﴾ (الاحقاف: ۲۹)

ترجمہ: "پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔"

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ﴿٤٥﴾ (الاحزاب: ۴۵)

ترجمہ: "اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔"

یعنی اہلِ اطاعت کو بشارت دینے والے اور نافرمانوں کو ڈرانے والے۔

النسیب

عمدہ نسب والے۔ یہ النسبۃ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے والدین میں سے کسی ایک کی طرف سے اشتراک۔ آپ کے نسب پر تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے۔

النصیح

یہ النصح سے فعیل بمعنی فاعل ہے۔

النعمة

اس سے مراد عمدہ حالت ہے۔ نعمت کا لفظ جنس کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قلیل یا کثیر کو نعمت کہا جاتا ہے۔ دوسرے تک احسان پہنچانے کو انعام کہا جاتا ہے۔ بشرطیکہ جس تک یہ انعام پہنچ رہا ہے وہ گفتگو کرنے والوں میں سے

ہو۔ اس لیے نہیں کہا جاتا کہ فلاں نے گھوڑے پر انعام کیا۔

نعمة الله

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان:

الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا۔ (ابراہیم: ۲۸)

ترجمہ: ''اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے۔''

میں نعمت کو بدلنے والے کفار قریش ہیں اور نعمت سے مراد حضور ﷺ کی ذات والا ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ کے فرمان:

یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا۔ (النحل: ۸۳)

ترجمہ: ''وہ پہچانتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کے باوجود وہ انکار کرتے ہیں اس کا۔''

میں نعمت سے مراد حضور ﷺ کی ذات والا ہے۔ یعنی وہ جانتے ہیں کہ آپ نبی و مرسل ہیں۔

النقیّ

میل کچیل سے پاک، گندگی سے منزہ و مطہر۔

النقیب

اسے ایک گروہ نے ذکر کیا ہے۔ جب بنونجار کے نقیب حضرت ابوامامۃ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو بنونجار نے عرض کی: ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمارے لیے ان کی جگہ نقیب مقرر فرمائیں۔'' آپ نے فرمایا: ''تم میرے ننھال ہو۔ میں ہی تمہارا نقیب ہوں۔'' نقیب کے بارے مختلف اقوال ہیں:

① قوم کی گواہی دینے والا۔ ② امین۔ ③ ضامن۔

قوم کا نقیب وہ ہوتا ہے جو اپنی قوم کے مخفی حالات کی جستجو میں لگا رہتا ہے۔

النور

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ۔ (المائدہ: ۱۵)

ترجمہ: ''بے شک تشریف لایا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور۔''

ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس جگہ نور سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ۔ (النور: ۳۵)

ترجمہ: "اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو۔"

میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نور سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات ہے۔ ابن جریر اور منذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت کعب سے اس آیت طیبہ کے بارے پوچھا۔ حضرت کعب نے فرمایا: "مثل نوره كمشكاة" سے مراد طاق ہے۔ رب تعالیٰ نے اس سے حضور ﷺ کے قلب انور کی مثال بیان کی ہے "فيها مصباح" سے مراد آپ کا قلب انور ہے۔ "في زجاجة" سے مراد آپ کا سینہ اقدس ہے۔ "كانها كوكب دری" میں حضور ﷺ کے سینہ اقدس کو روشن ستارے سے تشبیہ دی گئی ہے "يكاد زيتها يضيئى" سے مراد ہے قریب ہے کہ حضور ﷺ لوگوں کے لیے عیاں ہوں۔ خواہ آپ گفتگو نہ بھی فرمائیں۔ جس طرح کہ قریب ہے تیل آگ کے بغیر ہی روشنی دے۔

الطبرانی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "المشكاة" حضور ﷺ کا پیٹ مبارک ہے۔ الزجاجة آپ کا قلب انور ہے۔ مصباح سے مراد وہ نور ہے جو آپ کے قلب انور میں ہے "توقد من شجرة مباركة" میں شجرہ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ "زيتونة لا شرقيه ولا غربيه" سے مراد ہے کہ وہ نہ یہودی ہیں نہ ہی نصرانی" پھر انہوں نے یہ آیت طیبہ پڑھی:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ (آل عمران: ۶۷)

ترجمہ: "نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔"

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے آپ کی تعریف میں کہا ہے:

لو لم تكن فيه آيات مبيّنة   لكان منظره ينبيك بالخبر

ترجمہ: "اگر آپ میں واضح علامات نہ بھی ہوتیں پھر بھی آپ کا دلکش سراپا ہی تمہیں آپ کی صداقت کی خبر دے دیتا۔"

قاضی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ آپ کے معاملہ کے واضح ہونے، آپ کی نبوت کے عیاں ہونے اور اہل ایمان اور اہل عرفان کے دلوں کو روشن کرنے کی وجہ سے آپ کو "نور" کہا جاتا ہے۔

یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اس کا معنی ہے "ذو النور" یعنی نور کا خالق، آسمانوں اور زمین کے انوار اور اہل ایمان کے دلوں کو ہدایت کے نور سے منور کرنے والے۔ دراصل نور اس کیفیت کا نام ہے۔ جو بالنفس قائم ہو۔ اس ذات کے مقابلہ میں ہو جو بذات خود روشن ہو۔ علامہ جوہری نے اسے الضیاء کہا ہے۔ لیکن یہ اس سے شدید ہوتا ہے۔

انہوں نے کہا ہے: "یہ وہ منتشر روشنی ہے جو نگاہوں کی مدد کرتی ہے۔" اس کی دو اقسام ہیں:

1. جس کا ادراک بصیرت کی آنکھ سے ہو۔ اس سے مراد پھیلنے والا نور الٰہی ہے جیسے عقل کا نور قرآن پاک اور حضور ﷺ۔
2. جس کا ادراک بصارت کی آنکھ سے ہو۔ اس سے مراد وہ نور ہے جو اجسام سے نکلتا ہے۔ جیسے چاند، سورج وغیرہ۔ اس سے پہلے وہ فرق بیان ہو چکا ہے جو نور اور ضوء میں ہے۔ اس کے اور شعاع اور بریق کے مابین فرق یہ ہے۔ جیسے کہ شرح المواقف میں ہے کہ یہ دونوں وہ اشیاء ہیں جو نور طلب کرنے والے اجسام پر چمکتی ہیں گویا کہ یہ ان سے نکل رہے ہیں۔ ممکن ہے یہ ان کے رنگ کو مغلوب کر دیں لیکن ضوء اور نور کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ضوء سے مراد وہ کیفیت ہے جو جسم کے ساتھ بذاتہٖ قائم ہو۔ دوسرے سے مراد وہ کیفیت ہے۔ جو جسم کے ساتھ لغیرہٖ قائم ہو۔ اگر یہ چمک اور دمک جسم کے لیے ذاتی ہو۔ جیسے کہ سورج کو حاصل ہے تو اسے شعاع کہتے ہیں یا جسم کے لیے غیر ذاتی ہو۔ دوسرے سے حاصل کردہ ہو جیسے آئینہ سے نکلنے والی روشنی جب اسے سورج کے سامنے کیا جائے اسے بریق کہتے ہیں۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے۔ شعاع ضوء کی طرف جسم کے لیے ذاتی ہوتی ہے۔ جبکہ بریق نور کی طرح ہوتی ہے۔ جو ذاتی نہیں ہوتی۔ بلکہ دوسری چیز سے حاصل کردہ ہوتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ضیاء نور سے شدید ہے تو رب تعالیٰ نے اس فرمان میں نور کے ساتھ تشبیہ کیوں دی ہے۔ ضیاء کے ساتھ تشبیہ کیوں نہیں دی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ضیاء کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تو عقلاء میں سے کوئی بھی گمراہ نہ ہوتا۔ رب تعالیٰ کے علم میں ہے کہ ان میں سے بعض سعادت مند اور بعض شقی ہوں گے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ سورج کی ضیاء میں کوئی گم کردہ راہ نہیں ہوتا۔ لیکن رات کو چلنے والا چاند کی روشنی کے باوجود گمراہ ہو جاتا ہے۔ اسی سے وہ حکمت بھی سمجھی جاسکتی ہے جو آپ کا اسم گرامی ضوء کو چھوڑ کر نور رکھنے میں ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کی مثال مصباح کے نور سے بیان کی ہے۔ سورج کے نور سے بیان نہیں کی حالانکہ اس کا نور زیادہ مکمل اور اتم ہوتا ہے۔ وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہوتا۔ لیکن مصباح کے نور کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ مقصود یہ ہے جیسے کہ امام رازی نے لکھا ہے کہ نور کی قلب انور میں، قلب کی سینۂ اقدس میں اور سینۂ اقدس کی جسم اطہر میں مثال بیان کرنا مقصود ہے۔ وہ چراغ کی طرح ہیں اس سے مراد چراغ کی بتی کی روشنی ہے۔ یہ بتی شیشے میں ہے شیشہ طاق میں ہے جہاں کوئی سوراخ نہیں ہے یہ مثال اسی طرح ہی مکمل ہوسکتی تھی جس طرح اس کا تذکرہ ہوا ہے۔ کیونکہ معرفت کے نور کے کئی آلات ہیں جن کا جمع ہونا ضروری ہے۔ جیسے فہم، عقل اور بیداری۔ اسی طرح چراغ کے نور کے لیے بھی تیل، شیشہ اور بتی کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ سورج کا نور عالم سفلی کی طرف توجہ کر کے چمکتا ہے جبکہ معرفت کا نور عالم علوی کی طرف توجہ کر کے چمکتا ہے جیسے کہ چراغ کا نور۔ سورج کا نور دن کے وقت چمکتا ہے۔ جبکہ نور معرفت رات کے وقت چراغ کے نور کی طرح چمکتا ہے جبکہ اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ سورج

کا نور ساری مخلوق کو ملتا ہے لیکن معرفت کا نور چراغ کے نور کی طرح بعض افراد کو ملتا ہے۔

نور الامم

امم کا ھادی۔

نور اللہ الذی لا یطفاء

اسے "غا" نے ذکر کیا ہے۔

نون

ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس آیت طیبہ میں نون سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ (القلم:۱)

ترجمہ: "ن، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔"

کہ نون سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

حرف الھاء

الھادی

اسے "یا" نے ذکر کیا ہے یہ ھدیٰ سے اسم فاعل ہے۔ اگر یہ جرف جر سے متعدی ہو تو اس سے مراد راہ نمائی کرنا ہے۔ اگر یہ بذاتِ خود متعدی ہو تو اس کا معنی وصول ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (الشوریٰ:۵۲)

ترجمہ: "بلاشبہ آپ راہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف۔"

یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے بھی ہے اس کا معنی ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کے لیے معرفت کے رستہ کو منور کرے۔ حتیٰ کہ وہ اس کی ربوبیت کا اقرار کرلیں۔ یا اپنی مخلوق میں سے ہر ایک کی اس چیز کی طرف راہ نمائی کرے جو اس کی معیشت کے لیے ضروری ہو۔ الھدایۃ کا اطلاق کبھی ہدایت کی تخلیق پر بھی ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں اس کی نفی ہے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ (القصص:۵۶)

ترجمہ: "بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں۔"

کبھی اس کا اطلاق نرمی اور رفق کے ساتھ راہ نمائی کرنے پر بھی ہوتا ہے اس صورت میں یہ اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کا وصف ہوگا۔ کبھی کبھی اس کا اطلاق داعی پر بھی ہوتا ہے جیسے:

وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ (الرعد:۷)

ترجمہ: "ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہیں۔"

الهاشمی

آپ کے جدامجد ہاشم کی طرف منسوب کیا گیا۔ نسب پاک میں ان پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

الهجود

بہت زیادہ نماز تہجد پڑھنے والے یعنی رب تعالیٰ کی اطاعت میں رات کو قیام کرنے والے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ (بنی اسرائیل:۷۹)

ترجمہ: "اور رات کے بعض حصہ میں اٹھو اور نماز تہجد ادا کرو۔ تلاوت قرآن کے ساتھ یہ نماز زائد ہے آپ کے لیے۔"

اس کی مزید تفصیل خصائص میں بیان کی جائے گی۔

الهُدٰى

ارشاد، دلالت، راہ نمائی۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝ (النجم:۲۳)

ترجمہ: "حالانکہ آ گئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت۔"

یہ مصدر ہے۔ مبالغہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ حضور ﷺ کا اسم گرامی رکھا گیا ہے۔ امام احمد علیہ الرحمۃ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعالمین اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت بنا کر بھیجا۔"

هدية الله

الهمام

عظیم بادشاہ۔

الهمة

سید، سردار، سخی، بہادر۔

الھیّن

سکینت و وقار۔ ابن الاعرابی نے لکھا ہے کہ اہلِ عرب الھین اللین مخفف سے تعریف کرتے اور مثقل سے مذمت کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شاید جب یہ مثقل ہو تو یہ نرمی اور رفق کی کثرت پر دلالت کرتے ہیں نتیجتاً یہ دونوں امر اس جگہ ہوتے ہیں جہاں جہاں سختی اور شدت کا تقاضا ہوتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ (التوبہ: ۷۳)

ترجمہ: "اور سختی کیجئے ان پر۔"

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ (الفتح: ۲۹)

ترجمہ: "کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحمدل ہیں۔"

لیکن جب یہ مخفف ہوں تو یہ اس کا تقاضا نہیں کرتے۔ یہ اصل وصف کے حصول کا تقاضا کرتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ انہیں اپنے اپنے مقام پر استعمال کیا جائے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾ (الحجر: ۸۸)

ترجمہ: "اور نیچے کیجئے اپنے پروں کو مومنوں کے لیے۔"

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ (الفتح: ۲۹)

ترجمہ: "بڑے رحمدل ہیں آپس میں۔"

یا اس لیے کہ الھَون کا مخفف سہولت کے معنی میں ہے اور اس کا مثقل ذلت اور رسوائی کا معنی میں ہے۔

حرف الواو

الواجد

اسے "عا" نے ذکر کیا ہے اس کا معنی عالم یا غنی ہے یہ الجدۃ سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی استغناء ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اس کا معنی ہے وہ غنی یا عالم جو کسی کا محتاج نہ ہو لیکن دوسرے اس کے فیض و کرم کے منتظر ہوں۔

الواسط

اسے "ذ" نے ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی ہے جو نسب کے اعتبار سے عمدہ ہو۔ فلاں اپنی قوم میں سے وسیط ہے یعنی وہ نسب کے اعتبار سے بلند ہے۔ واسط اس جوہر کو کہا جاتا ہے جو ہار کے وسط میں ہوتا ہے۔

الواعد

یہ الوعد سے اسم فاعل ہے۔ جب اسے مطلق بولا جائے تو یہ خیر کے لیے ہوتا ہے۔ جبکہ وعید شر کے لیے استعمال ہوتا ہے بشرطیکہ ڈرانے یا خوشخبری دینے پر کوئی قرینہ پایا جائے۔

الواسع

کثیر جود و کرم کرنے والے۔ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے اس کا معنی ہے ہر چیز کو محیط۔ یا جس کا رزق ساری مخلوق سے زیادہ ہو یا جس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہو۔ یا عطاء کرنے والا یا عالم یا غنی۔

والواضع

زائل کرنے والے، قطع کرنے والے۔ یہ الوضع سے اسم فاعل ہے یہ الحط سے اعم ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ۔ (الاعراف: ۱۵۷)

ترجمہ: "اور اُتارتا ہے ان سے اُن کا بوجھ۔"

الامر سے مراد وہ بوجھ ہے جو اٹھانے والے کو حرکت کرنے سے روک دے۔ یہ بنو اسرائیل کی تکالیف اور مشکلات کی مثال ہے۔ جیسے توبہ کے لیے خود کو قتل کرنا، خطا کرنے والے عضو کو کاٹ دینا وغیرہ۔

الواعظ

"د" نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَآ أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ (سبا: ۴۶)

ترجمہ: "صرف میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہے۔"

الوعظ سے مراد ڈرانا ہے۔ خلیل نے کہا ہے اس سے مراد خیر کی یاد کرانا ہے جس سے دل پگھل جائیں جوہری نے کہا ہے اس سے مراد نصیحت کرنا اور آخرت یاد کرنا ہے۔

الوافی

یہ الوفیٰ سے مشتق ہے۔ آپ کے خَلق اور خُلق کے کمال کی وجہ سے اور کسی دوسرے کے مقابلہ زیادہ عقل و دانائی کی وجہ سے آپ کا یہ اسم مبارک ہے:

وَافٍ وَ ماضٍ شهاب يستضاءُ بِهٖ   بدر انار على كل الانجيل

ترجمہ: "آپ عقل میں بالا ہیں۔ آپ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔ آپ سے نورانیت حاصل ہو سکتی ہے۔ آپ ایسے مکمل چاند ہیں جو ہر انجیل پر تاباں ہوئے۔"

الوالی

اس کا معنی مالک، یا بادشاہ یا حاکم ہے۔ یہ الوفاء سے مبالغہ کا صیغہ فعیل کے وزن پر ہے۔ آپ سب لوگوں سے زیادہ وعدہ کی پاسداری کرنے والے تھے۔ یہ ولایت سے اسم فاعل ہے۔ جس کا معنی امارت ہے۔ یا وہ معزز جو بلند مرتبہ امور کے قریب ہو۔ اس وقت یہ الولاء سے مشتق ہوگا جو قریب کے معنی میں ہوگا۔ یہ اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

الوجیہ

رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت واحترام والے۔

الورع

متقی۔ یہ الورع سے اسم فاعل ہے۔ ابن یونس نے کہا ہے کہ الورع سے مراد ہر شبہ سے نکل جانا اور ہر طرف سے نفس کا محاسبہ کرنا ہے۔

الوسیم

حسین، خوبصورت چہرے والے۔

الوسیلہ

جس سے قدر اور شرف والی ذات کا قرب نصیب ہو۔ آپ مخلوق کا رب تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔

الوصیّ

خلیفہ۔ کسی کے بعد امر کو قائم کرنے والے۔ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تبلیغ و رسالت کا امر قائم کیا۔ جنہوں نے آپ کی بشارت دی تھی۔ آپ کی رسالت کی خبر دی تھی اور آپ کی اتباع پر ابھارا تھا۔

الوفیّ

اس کا تذکرہ "د" نے کیا ہے۔ مکمل خَلق و خُلق والے۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے جو الوفاء سے مشتق ہے۔ آپ سارے لوگوں سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والے تھے۔ الابر میں قاضی علیہ الرحمۃ کا قول گزر چکا ہے۔ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا تھا "کیا وہ وعدہ خلافی کرتے ہیں؟" اس نے کہا: "نہیں" یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے بھی ہے۔

ولیّ الفضل

فضل واحسان کرنے والے۔

الولیّ

ناصر، سرپرست، امت کی مصلحتوں کے نگران رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ (المائدہ:۵۵)

ترجمہ: "صرف تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (پاک)۔"

رب سے پیار کرنے والا، یا ولایت سے متصف۔ اس سے مراد حقائق سے پردہ اٹھانا ہے۔ دنیا کے علائق سے قطع تعلق ہو جانا ہے۔ مخلوق کے باطن میں تصرف کرنا ہے۔ علامہ قشیری نے ولی کے دو معانی ہیں:

- فعیل مفعول کے معنی میں۔ اس سے مراد وہ ذات ہے جسے رب تعالیٰ اپنے امور کا والی بنا دے۔ اسے ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے نفس کے سپرد نہ کرے۔
- فعیل بمعنی فاعل۔ اس سے مراد وہ ذات ہے جو رب تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کا ولی بنتا ہے۔ وہ لگا تار نیک عمل کرتا ہے اور اس سے گناہ صادر نہیں ہوتا۔ یہ رب تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ (الشوریٰ:۲۸)

ترجمہ: "اور وہی کارساز حقیقی (اور) سب تعریفوں کے لائق ہے۔"

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ (البقرہ:۲۵۷)

ترجمہ: "اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا۔"

الوھاب

یہ الھبہ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی غرض کے بغیر مال خرچ کرنا ہے۔ مزید تفصیل بعد میں آئے گی۔ یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اس سے مراد وہ ذات ہے جو استحقاق کے مطابق عطا کرتی ہے جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہو اسے خرچ کرنے میں ناراض نہ ہوتی ہو۔

حرف الیاء

الیتیم

یہ الیتیم سے اسم فاعل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بچے کے والد کا اس کی بلوغت سے قبل فوت ہو جانا۔ حیوانات کی ماں مرنے کی وجہ سے انہیں یتیم کہا جاتا ہے۔ ہر منفرد کو بھی یتیم کہا جاتا ہے۔ اسی سے درِ یتیم ہے۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾ (الضحیٰ:۶)

ترجمہ: "کہ اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر اپنی آغوش رحمت میں جگہ دی۔"
میں ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے، ہم نے آپ کو قریش میں دریتیم اور منفرد نہیں پایا۔

یٰس

ایک جماعت نے آپ کا یہ اسم گرامی ذکر کیا ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت ابوطفیل سے اور امام بیہقی نے محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ سے یہ معنی روایت کیا ہے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے اگر یہ آپ کا اسم ہوتا تو یہ "یا یسین" ہوتا۔ جیسے کہ اس نے فرمایا:

یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ۔ (یوسف: ۴۶)

ترجمہ: "اے یوسف! اے صدیق!"

ابن دحیہ نے لکھا ہے "یہ ضروری نہیں۔ کلبی نے اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے اسے حرف یاء کو مجذوف کر کے پڑھا ہے۔

اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی نام رکھے ہیں جن کا تذکرہ الخصائص میں آئے گا۔

❁❁❁

چوتھا باب

آپ کی کنیت

علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ کنیت کی اصل یہ ہے کہ یہ کنایہ سے ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز سے گفتگو کی جائے مگر اس کا غیر سمجھا جائے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فلاں کی کنیت ابوالحسن ہے۔ میں نے اس کی کنیت ابوزید رکھی۔ یہ مخفف اور مثقل دونوں طرح استعمال ہوتی ہے۔ مگر مخفف استعمال اکثر ہے۔ کنیت کسی شخص کے احترام اور تعظیم کے لیے استعمال کی جاتی ہے تاکہ خطاب میں اس کے نام کی صراحت نہ ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے:

اکنیہ حین انادیہ لاکرمہ ولا القبہُ السَّوأَۃَ اللقبُ

ترجمہ: "میں جب اسے پکارتا ہوں تو اسے کنیت سے پکارتا ہوں تاکہ اس کا اکرام کروں اسے لقب سے نہیں پکارتا۔ لقب ایک معیوب امر ہے۔"

کنیت صرف انسان کے ساتھ مختص ہے۔ کسی اور مخلوق کی کنیت نہیں ہوتی۔ اصل یہی ہے۔

اسی کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ عرب کے پہلے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا اس میں قابلیت کے جوہر تھے۔ جب وہ کچھ پروان چڑھا اور اس قابل ہوا کہ وہ کچھ آداب سیکھے تو بادشاہ نے پسند کیا کہ آبادی سے دور اس کے لیے ایک محل تعمیر کرے۔ وہ بچہ اس میں ٹھہرے اس میں ملوکانہ آداب سیکھے۔ وہ ایسے افراد سے نہ ملے جو اس کے اخلاق بگاڑ دے۔ بادشاہ نے جنگل میں ایک محل تعمیر کیا۔ بچے کو اس میں منتقل کیا۔ اس کے لیے ایسے افراد منتخب کیے جو اس کو علم اور ملوکیت کے آداب سکھائیں۔ بادشاہ نے ان کی دنیاوی ضروریات کو پورا کیا۔ پھر اس بچے کے چچازاد اور امراء کے بچوں کو اس کے پاس چھوڑا۔ تاکہ وہ اس کے ساتھ پیار کریں۔ اس کے آداب سیکھیں۔ ان کی موافقت کی وجہ سے اسے بھی ادب نصیب ہو جائے۔ بادشاہ ہر سال اپنے بچے کے پاس جاتا تھا اس کے ہمراہ وہ لوگ بھی ہوتے تھے جن کے بچے اس بچے کے ہمراہ تھے تاکہ وہ اپنی اولاد سے ملیں۔ جب وہ ان تک پہنچے تو بادشاہ کے بیٹے نے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جو بادشاہ کے ہمراہ آئے تھے۔ بادشاہ نے کہا: "یہ ابوفلاں ہے، یہ ابوفلاں ہے۔" اس سے مراد ان بچوں کے باپ تھے جو اس بچے کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ انہیں ان کے باپوں کے ساتھ نسبت سے ہی جانتا تھا۔ اس سے

عرب میں کنیت رکھنے کا رواج پڑ گیا۔
حضور ﷺ کی کئی کنیتیں تھیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

ابو القاسم

یہ کنیت سب سے مشہور ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اسی اثناء میں کہ حضور ﷺ بقیع میں چل رہے تھے۔ کسی نے آپ کو اس طرح آواز دی "ابو القاسم" آپ نے سرِ اقدس اس کی طرف کیا تو اس نے کہا: "میں نے آپ کو نہیں بلایا۔ میں نے تو فلاں کو بلایا ہے۔" آپ نے فرمایا: "میرا نام تو رکھ لیا کرو لیکن میری کنیت نہ رکھا کرو۔ مجھے قاسم بنایا گیا ہے میں تمہارے مابین تقسیم کرتا ہوں۔" اسی حدیث پاک سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ کی کنیت ابو القاسم تھی۔

علامہ العزفی اور ابوالحسن سلام بن عبداللہ باہلی نے اپنی کتاب "الذخائر والاعلاق فی آداب النفوس و مکارم الاخلاق" میں لکھا ہے کہ آپ کی یہ کنیت اس لیے ہے کیونکہ آپ روزِ حشر اہلِ جنت میں جنت تقسیم کریں گے۔ الشیخ نے لکھا ہے کہ جمہور اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ آپ اپنے لختِ جگر حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے نام نامی پر اپنی کنیت رکھی۔ آپ کی اولاد اطہار میں سے یہی سب سے پہلے پیدا ہوئے اور سب سے پہلے انہی کا وصال ہوا۔

ابو ابراھیم

امام بیہقی نے الدلائل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ان کے بارے آپ کے نفس میں کچھ تردد تھا حتیٰ کہ حضرت جبرائیل امین آپ کے پاس آئے اور یوں سلام عرض کیا:

"السلام علیك یا ابا ابراھیم"

ابو الارامل

اس کا ذکر ابن دحیہ نے کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "صاحب الذخائر والاعلاق" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

ابو المؤمنین

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (الاحزاب:٦)

ترجمہ: "نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد "وھو اب لھم" پڑھا ہے۔ یعنی آپ شفقت، رافت اور محبت میں امت کے لیے باپ کی طرح ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الحمد للہ! آج مورخہ 18-08-2011 بروز جمعرات بمطابق 17 رمضان المبارک کو سبل الہدیٰ کی پہلی جلد کے ترجمہ سے فراغت نصیب ہوئی۔ رب تعالیٰ اسے اپنی درگاہِ والا میں قبول فرمائیں۔ آمین!

ذوالفقار علی ساقی

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

❁❁❁

جلد دوم

تصنیف: حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: پروفیسر ذوالفقار علی ساقی

دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آپ کے جسدِ اطہر کے اوصاف

حافظ ابوالخطاب ابن دحیہ نے آپ کے اعضائے مبارکہ کے اوصاف پر ایک علیحدہ کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام "الآیات البینات فیما فی اعضاء رسول اللہ من المعجزات" ہے میں عنقریب اس کا خلاصہ بہت سے اضافوں کے ساتھ لکھوں گا۔ مقصد صرف آپ کے جسم مطہر کے اوصاف تحریر کرنا ہے۔ میں زیادہ فائدہ کے لیے بعض معجزات کا بھی تذکرہ کروں گا۔

❁❁❁

پہلا باب

آپ کا حسن و جمال

ربّ تعالیٰ نے نفوس کو مختلف درجات پر پیدا فرمایا ہے بعض حسن و جمال کی انتہا پر بعض متوسط اور بعض نچلے درجہ میں ہیں۔ پھر ہر مرتبہ کے کئی درجات ہیں۔ انبیاء کرام حسن و جمال کے بلند ترین درجہ پر ہوتے ہیں ان کے اجسام مطہرات پر کوئی عیب نہیں ہوتا۔ ان کے اجسام بہت حسین ہوتے ہیں۔ پھر حسن و جمال میں ان کے بھی درجات ہیں ہمارے نبی کریم سید الانبیاء ﷺ مزاج کے اعتبار سے سارے انبیاء سے عمدہ، جسم کے اعتبار سے اکمل روح کے اعتبار سے پاکیزہ ہیں۔ ہم آپ کے بعض اوصاف اور اخلاق کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جس سے تمہارے لیے یہ امر آسان ہو جائے گا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو حضور اکرم ﷺ سے زیادہ حسین ہو۔''

صحابہ کرام میں سے ایک شخص نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کی آپ کی ایسی ذات تھی جس کا جسم منور بہت خوبصورت تھا۔'' حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''حضور ﷺ سارے لوگوں سے زیادہ حسین تھے۔ آپ دور سے سب سے خوبصورت اور قریب سے سب سے حسین و جمیل تھے۔'' (امام بیہقی)

حضرت جابر بن سمرہ نے روایات کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے ایک چاندنی والی رات میں آپ کی زیارت کی آپ نے سرخ حلہ زیب تن کر رکھا تھا۔ میں کبھی آپ کو اور کبھی چاند کو دیکھتا رہا۔ آپ میری آنکھوں کو چاند سے زیادہ خوبصورت لگے۔ (ترمذی، نسائی)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کے بال کانوں کی لو تک ہوں اور وہ سرخ حلہ میں حضور ﷺ سے زیادہ خوبصورت لگتا ہو۔ (مسلم، ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور اکرم ﷺ حلیہ کے اعتبار سے سارے انسانوں سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔''

حضرت طارق بن عبید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم عازم سفر ہوئے ہمارے ہمراہ ہودج میں ایک عورت بھی تھی۔ حتیٰ کہ ہم مدینہ طیبہ کے قریب اترے۔ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اس عورت نے کہا: ''میں نے کسی کا چہرہ نہیں دیکھا

جو چودھویں کے چاند سے ملتا جلتا ہو۔ مگر آپ کا چہرہ سب سے زیادہ ماہِ کامل سے ملتا تھا۔"

ابو اسحاق الہمدانی نے اس عورت سے کہا جس نے حضور ﷺ کے ہمراہ حج کرنے کی سعادت حاصل کی تھی "میرے لیے حضور ﷺ کے حسن و جمال کی تشبیہ بیان کرو۔" اس نے کہا "آپ ماہ تمام کی طرح تھے۔ میں نے آپ سے پہلے یا آپ کے بعد آپ کی مثل نہیں دیکھا۔"

ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر نے حضرت ربیع بنت مسعود سے کہا: "میرے لیے حضور ﷺ کا سراپا بیان کریں۔" انہوں نے فرمایا: "میرے بیٹے! اگر تم آپ کو دیکھ لیتے تو کہتے گویا کہ سورج طلوع ہے۔"

طیبی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ گویا کہ تم دیکھتے کہ سورج نکل آیا ہے۔ آپ کے نفس پاک سے ہی سورج کو نکالا گیا ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے کسی کو حضور ﷺ سے بڑھ کر حسین نہیں دیکھا۔ گویا کہ سورج آپ کے چہرۂ انور میں رواں تھا۔" علامہ طیبی نے لکھا ہے سورج کے فلک میں چمکنے کو آپ چہرہ انور میں حسن کے رواں ہونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اس سے شاعر کا یہ قول بھی ہے:

يزيدك وجهه حسنا　　اذا ما زدته نظرا

ان کا چہرہ حسن میں تمہارے لیے اور اضافہ کر دے گا۔ جب تم ان کی زیارت کے لیے نظر کا اضافہ کرو گے اس میں تشبیہ کا عکس بھی ہے اور یہ مبالغہ کے لیے بھی ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہاں خبر استقرار مقدار ہو اور یہ تناسی التشبیہ کے باب سے ہو۔ آپ کے چہرہ انور کو اس کا مقر اور جگہ بنایا گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے یہ تناہی تشبیہ ہو۔ آپ کے چہرہ انور کو تشبیہ کے لیے جگہ اور مقر بنایا گیا ہو۔ کسی شاعر نے کتنا خوب لکھا ہے۔

لم لا يضئى بك الوجود وليله　　فيه صباح من جمالك مسفر

فبشمس حسنك كل يوم مشرق　　و ببدر وجهك كل ليل مقمر

ترجمہ: "آپ کی وجہ سے کائنات اور اس کی رات روشن کیوں نہ ہو۔ اس میں آپ کے جمال کی روشن صبح ہے۔ آپ کے حسن کے سورج کی وجہ سے ہر دن روشن ہے۔ آپ کے چہرہ کے چاند کی وجہ سے ہر رات چاندنی والی ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ جب بھی سورج کے سامنے کھڑے ہوئے مگر آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آ گیا۔ آپ کسی چراغ کے ساتھ کھڑے نہ ہوئے مگر آپ کا نور چراغ کی روشنی پر غالب آ گیا۔

تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے ہر حسین چیز دیکھی ہے لیکن میں نے حضور ﷺ سے بڑھ کر حسین و جمیل چیز نہیں دیکھی۔" حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: حضور ﷺ کا چہرہ بہت خوبصورت تھا۔ آپ بہت زیادہ بلند قامت نہ تھے۔"

تنبیہ

ابن منیر، زرکشی وغیرہما نے آپ کے اس فرمان کے بارے جو آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہیں حسن کا حصہ (نصف) عطا کیا گیا، کہا ہے: "بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں دوسرے نصف میں دوسرے لوگ شریک ہیں لیکن حقیقت اس طرح نہیں ہے بلکہ آپ کی مراد یہ ہے کہ جو حسن و جمال ہمارے نبی کریم ﷺ کو دیا گیا تھا اس کا نصف حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا کیا گیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں اس حسن کا نصف عطا کیا گیا جو ہمارے نبی کریم ﷺ کو بخشا گیا تھا۔ آپ حسن کی انتہا پر تھے حضرت یوسف کو اس کا نصف دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق وہ روایت بھی کرتی ہے جسے امام ترمذی نے حضرت قتادہ سے اور دارقطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی مبعوث کیا اس کا چہرہ اور آواز خوبصورت تھی۔ تمہارے نبی کریم ﷺ چہرہ اور آواز کے اعتبار سے سب سے زیادہ حسین ہیں۔"

نفطویہ نے رب تعالیٰ کے اس فرمان:

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ (النور: ۳۵)

ترجمہ: "قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے۔ اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔"

کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ضرب المثل رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے بیان کی ہے، یعنی آپ کی نگاہ ناز ہی آپ کی نبوت پر دلالت کرتی تھی۔ اگرچہ آپ قرآن پاک کی تلاوت نہ بھی کریں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا ہے:

لو لم تكن فيه آيات مبينة   كانت بداهة نبيك بالخبر

ترجمہ: "اگر آپ کے پاس واضح معجزات نہ بھی ہوتے پھر بھی آپ کا سراپا تمہیں آپ کے بارے سچی خبر بتا دیتا۔"

امام قرطبی نے لکھا ہے "بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہمارے لیے آپ کے سارے حسن کو آشکارا نہیں کیا گیا اگر آپ کا سارا حسن آشکارا کر دیا جاتا تو ہماری آنکھوں میں آپ کی زیارت کرنے کی تاب نہ ہوتی۔ امام بوصیری نے کیا خوب فرمایا ہے:

فهو الذی تم معناه و صورته   ثم اصطفاه حبيبا بارئ النسم

ترجمہ: "آپ وہ ذات بابرکات ہیں جس کی صورت اور سیرت مکمل ہو گئی تو خالق کائنات نے آپ کو اپنا حبیب منتخب کر لیا۔"

منزه عن شريك في محاسنه — فجوهر الحسن فيه غير منقسم

ترجمہ: "آپ اس امر سے بالاتر ہیں کہ آپ کے اوصاف میں کوئی اور شریک ہوسکے آپ کا جوہر حسن تقسیم نہیں ہوسکتا۔"

اعيا الورٰى فهم معناه فليس يرىٰ — للقرب والبعد فيه غير منفخم

ترجمہ: "آپ کے کمالات کے سمجھنے سے قوم کو عاجز کر دیا گیا ہے۔ خواہ کوئی آپ کے قریب ہے یا بعید وہ آپ کے کمالات بیان کرنے سے عاجز ہی ہے۔"

كالشمس تظهر للعينين من بعد — صغيرةً و تكل الطرف من امم

ترجمہ: "آپ کی مثال سورج کی سی ہے جو دور سے آنکھوں کو چھوٹا دکھائی دیتا ہے اور وہ نزدیک سے آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔"

مشرف بن فارض رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

و على تفنن واصفيه بحسنه — يفنى الزمان و فيه ما لم يوصف

ترجمہ: "آپ کے سراپا کو بیان کرنے والے گوناگوں افراد کا زمانہ ختم ہوگیا ہے مگر آپ کا ایک وصف بھی بیان نہیں ہوسکا۔"

سیدی علی بن ابن وفا نے آپ نے حسن و جمال میں کتنے خوبصورت اشعار کہے ہیں:

كم فيه للابصار حسن مدهش — كم فيه للارواح راح مسكر

ترجمہ: "آپ میں کتنا ہی حسن ہے جو دیکھنے والے کو مدہوش کر دیتا ہے۔ آپ کے حسن میں ارواح کے لیے کتنی ہی لذت اندوز راحت ہے۔"

سبحان من انشأ من سبحاته — بشرا باسرار الغيوب يبشر

ترجمہ: "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی قدرت سے ایک کامل بشر پیدا کیا جو غیب کے اسرار کی بشارت دیتے ہیں۔"

قاسوا جهلا بالغزال تغزلا — هيهات يشبهه الغزال الاحور

ترجمہ: "لوگ جہالت کی وجہ آپ کی تعریف میں آپ کو ہرن کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کو سیاہ آنکھ والے ہرن سے تشبیہ دی جائے۔"

هذا و حقّك ماله من مشبهٍ — وَارٰى المشبه بالغزالة يكفر

ترجمہ: "تمہارے حق کی قسم آپ کو ہرن کے ساتھ تشبیہ دینا درست نہیں میرا خیال ہے کہ آپ کو ہرن کے ساتھ تشبیہ دینے والا کفرانِ نعمت کرتا ہے۔"

يأتى عظيم الذنب فى تشبيهه لولا رب جماله يستغفر

ترجمہ: "وہ آپ کو اس طرح تشبیہ دینے میں عظیم گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ آپ کے حسن و جمال کے خالق کے حضور توبہ یوں نہیں کرتا۔"

فخر الملاح بحسنهم و جمالهم و بحسنه كل المحاسن تفخر

ترجمہ: "حسین لوگ اپنے حسن و جمال پر فخر کرتے ہیں، جبکہ ہر ہر محاسن آپ کے حسن پر فخر کرتا ہے۔"

فجماله مجلى لكل جميلة وله منار كل وجه نير

ترجمہ: "آپ کا جمال ہر خوبصورتی کی جلوہ گاہ ہے۔ ہر ہر اعتبار سے آپ کے لیے ایک روشن مینار ہے۔"

جنات عدن فى جنى و جناته و دليله ان المراشف كوثر

ترجمہ: "آپ کے رخساروں کے سونا میں عدن کے باغات ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کا حوضِ کوثر ہے۔"

هيهات الهو عن هواه بغيره والغير فى حشر الاجانب يحشر

ترجمہ: "اگر میں آپ کو چھوڑ کر کسی اور سے محبت کروں تو یہ افسوس ہے، غیر کو تو روزِ حشر اجنبیوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔"

كتب الغرام على فى اسفاره كتبا تؤوّل بالهوٰى و تفسر

ترجمہ: "عشق نے اپنے بارے میں میرے لیے ایسی کتب تحریر کیں ہیں، محبت کے ساتھ جن کی تفسیر اور تاویل کی جاتی ہے۔"

فدع الدعىّ وما ادعاه من الهوٰى فدعيه بالهجر فيه يهجر

ترجمہ: "محبت میں دعویٰ کرنے والے کو اور اس کے دعویٰ کو ترک کر دو۔ اس دعویٰ میں وہ بہکی باتیں کرتا ہے۔"

و عليك بالعلم العليم فانه لخطيبه فى كل خطب منبر

ترجمہ: "تم علیم ذات کی علامتوں کو لازم پکڑو۔ ان کے اوصاف بیان کرنے والے کو ہر حالت میں منبر نصیب ہوتا ہے۔"

❁❁❁

دوسرا باب

آپ کی رنگت مبارک

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ روشن رنگت والے تھے۔ آپ نہ تو گندم گوں تھے اور نہ رنگت شدید سفید تھی۔ امام مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ کی رنگت میں سرخی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی رنگت اس طرح سفید تھی گویا کہ آپ کو چاندی سے بنایا گیا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی رنگت سفید تھی جس میں سرخی کی آمیزش تھی۔

(امام احمد، ترمذی، بیہقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی رنگت سفید تھی جس میں سرخی کی آمیزش تھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی رنگت تاباں تھی۔ مگر وہ شدید سفید نہ تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی رنگت سفید تھی جس میں سرخی کی آمیزش تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ رنگت کے اعتبار سے سارے لوگوں سے زیادہ حسین تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی رنگت سفید تھی جس میں سرخی کی آمیزش تھی۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی رنگت سفید تھی جس میں سرخی کی آمیزش تھی۔ ابوالطفیل نے کہا ہے: "حضور ﷺ کی رنگت سفید تھی چہرہ انور خوبصورت تھا۔" (بخاری، مسلم، احمد)

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی رنگت سفید تھی، آپ کا چہرۂ انور حسین تھا۔ آپ کا قد میانہ تھا۔

حضرت علی نے فرمایا ہے کہ آپ کی رنگت تاباں تھی۔ (بیہقی)

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی رنگت سارے انسانوں سے حسین تھی۔ (ابن جوزی)

حضرت ام معبد سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی رنگت بہت خوبصورت تھی۔ (بیہقی)

حضرت ہند بن ابی ہالہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ تاباں جسم والے اور صاف رنگت والے تھے۔ (ترمذی، بیہقی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کو کالی چادر پیش کی گئی آپ نے اسے زیب بدن فرمایا۔ آپ نے فرمایا: "عائشہ! یہ تمہیں کیسی لگتی ہے؟" میں نے عرض کی: "یارسول اللہ! یہ تو آپ پر بہت خوبصورت لگ رہی

ہے۔ اس کی سیاہی آپ کی سفیدی میں اور آپ کی سفیدی اس کی سیاہ رنگت میں گھل مل گئی ہے۔" (ابن عساکر)

تنبیہات

1. امام احمد، یعقوب بن سنان، بزار، حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ کی رنگت مبارک گندم گوں تھی۔" امام احمد نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔ آپ کی سفید رنگت گندم گوں رنگت کی طرف میلان رکھتی تھی۔ امام احمد نے حسن سند کے ساتھ لکھا ہے سفیدی گندم گو رنگت کی طرف میلان رکھتی تھی۔

ابن ابی شیبہ نے اپنے شیخ حضرت ہوذہ سے، امام احمد نے اپنے شیخ محمد بن جعفر سے اور ابونعیم نے روح سے روایت کیا ہے کہ حضرت یزید الفارسی نے فرمایا: "میں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے اس خواب کا تذکرہ حضرت ابن عباس سے کیا تو انہوں نے فرمایا: "آپ کا حلیہ بیان کرو۔" میں نے حلیہ مبارک بیان کیا جس میں تھا کہ آپ کی رنگت گندم گوں تھی۔ جو سفیدی طرف مائل تھی۔" حضرت ابن عباس نے فرمایا: "اگر تم آپ کو عالم بیداری میں دیکھتے تو اس سے زیادہ حلیہ بیان نہ کر سکتے۔" الحافظ نے لکھا ہے "ان روایات سے عیاں ہوتا ہے کہ گندم گوں رنگت سے مراد وہ سرخی ہے جس میں سفیدی کی آمیزش ہے۔ مثبت سفیدی سے مراد وہ سفیدی ہے جس میں سرخی کی آمیزش ہو۔ منفی سے مراد وہ سفیدی ہے جس میں سرخی کی آمیزش نہ ہو۔ اس رنگت کو اہلِ عرب ناپسند کرتے تھے۔ اسے شدید سفید رنگت کہتے تھے۔"

ابن ابی خیثمہ نے لکھا ہے کہ وہ رنگت جس میں کوئی شک وشبہ نہیں وہ سفید روشن ہے۔ وہ اعضاء مبارکہ جو دھوپ یا ہوا میں تھے۔ ان میں سرخ یا گندم گوں رنگت کی آمیزش تھی۔ آپ کے کپڑوں کے نیچے رہنے والے اعضاء کی رنگت بہت سفید تھی۔

بعض علماء نے ان کی یہ کہہ کر گرفت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ کا کوئی امر مخفی نہ تھا۔ حتیٰ کہ وہ آپ کا ایسا وصف بیان کرتے جو آپ کا نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ ہمہ وقت آپ کے قریب رہتے تھے۔ آپ ہر وقت دھوپ میں نہیں رہتے تھے۔ اگر کبھی کبھار حاضر خدمت ہونے والا آپ کا یہ وصف بیان کرتا اور وہ اس وقت حاضر ہوتا۔ جب دھوپ نے آپ کی رنگت متغیر کر دی ہو تو یہ ممکن ہے بہتر یہ ہے ان روایات میں گندم گوں رنگت کو اس سرخی پر محمول کیا جائے جس میں سفیدی کی آمیزش ہو۔

میں کہتا ہوں کہ بعض علماء کے قول کہ حضرت انس پر آپ کی رنگت مخفی نہ تھی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ آپ کی رنگت سفید تھی۔ گندم گوں نہ تھی۔ جیسا کہ پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ روایات میں سے یہ صحیح ترین روایت ہے۔ دیگر راویوں نے اسی روایت کی اتباع کی ہے۔

الحافظ ابوالفضل عراقی نے لکھا ہے کہ حضرت حمید نے حضرت انس سے "اسمر اللون" روایت کیا ہے جبکہ ان سے دیگر راویوں نے "ازھر اللون" کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔ پھر ہم نے حضرت انس کے علاوہ ان راویوں کو دیکھا جنہوں نے آپ کا حلیہ بیان کیا ہے ان سب نے آپ کا وصف سفید رنگت سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے گندم گوں رنگت سے حلیہ بیان نہیں کیا۔ ان کی تعداد پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے۔

ابوالحسن ابن الضحاک نے کتاب الشمائل میں انہیں شمار کیا ہے ان میں حضرات ابوبکر الصدیق، عمر الفاروق، علی المرتضیٰ، ابوجحیفہ، ابن عمر، ابن عباس، ہند بن ابی ہالہ، حسن بن علی، ابوطفیل، مخرش کعبی، ابن مسعود، براء بن عازب سعد بن ابی وقاص، عائشہ صدیقہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ انہوں نے دس حضرات کی احادیث اور ان کی اسناد ذکر کی ہیں۔ پھر فرمایا: "جو روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو جمہور کی موافقت کرتی ہے وہی اولیٰ اور اصح ہے۔ اسی کی طرف لوٹنا چاہیے اور اسی پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

جو ابویزید فارسی کی روایت ہے کہ آپ کی رنگت گندم گوں تھی جو سفیدی کی طرف مائل تھی۔ تو یہ روایت کی خطا ہے۔ دوسری روایت صحیح ہے۔

◆ عبداللہ بن امام نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "آپ کی رنگت شدید سفید تھی۔" حضرت ابوہریرہ سے امام بزار اور یعقوب بن سفیان نے روایت کیا ہے کہ آپ کی رنگت شدید سفید تھی۔ یہ روایت حضرت انس کی روایت کے مخالف ہے۔ امام مسلم کی روایت ہے کہ آپ کی رنگت سفید تھی جس میں سرخی کی آمیزش تھی۔ ان دونوں روایات میں سے یہ روایت اصح ہے۔ ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ ان سے مراد وہ اعضائے مبارکہ ہیں جن پر دھوپ نہیں پڑتی تھی۔

◆ ابوزید المروزی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ آپ کا رنگ سفید نہ تھا بلکہ شدید سفید تھا۔ اس روایت کی شرح میں داؤدی نے اعتراض کیا ہے قاضی نے لکھا ہے کہ یہ وہم ہے اور کہا ہے "شاید اس شخص کی روایت صحیح ہے جس نے کہا ہے کہ آپ کی رنگت نہ سفید تھی نہ گندم گوں تھی۔"

الحافظ نے لکھا ہے "یہ جید نہیں ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی رنگت نہ تو بہت زیادہ سفید تھی۔ نہ ہی زیادہ گندم گوں تھی۔ بلکہ آپ کی سفید رنگت میں سرخ رنگت کی آمیزش تھی جو اس طرح کی رنگت والا ہوتا تھا۔ اسے "اسمر" کہا جاتا ہے اسی لیے حضرت انس کی روایت میں ہے "کان اسمر" آپ کی رنگت گندم گوں تھی۔ الحافظ نے لکھا ہے "ان سب روایات سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ مروزی کی روایت امھق لیس بالابیض مقلوب ہے۔ کیونکہ اس کی توجیہ ممکن ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے امھق سے مراد ایسا اخضر رنگ ہو جس میں نہ سفیدی ہو نہ ہی گندم گوں رنگت اور سرخ رنگت غالب ہو۔ رؤبۃ سے روایت ہے کہ امھق پانی کی سبز رنگت کو کہا جاتا ہے۔ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو یہ توجیہ اس وقت ہو گی۔ جبکہ

کئی طرق سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ کی رنگت سفید تھی۔

قاضی نے احمد بن ابی سلیمان صاحب سحنون نے لکھا ہے کہ جس شخص نے کہا: "حضور ﷺ کی رنگت سیاہ تھی اسے قتل کر دیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آپ کے اوصاف میں سے کسی صفت کو جھٹلانا کفر ہے جو قتل کو واجب قرار دیتا ہے۔" لیکن حقیقت اس طرح نہیں بلکہ ساتھ ساتھ ایسے قرینہ کا ہونا ضروری ہے جس سے یہ شعور ملتا ہو کہ اس نے آپ کا عیب بیان کرنے کی جسارت کی ہے۔

❁❁❁

تیسرا باب

آپ کا سر اقدس اور زلف معنبر کے اوصاف

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا سر مبارک بڑا تھا۔ اس روایت کو امام بخاری، ابوالحسن بن الضحاک نے حضرت جبیر بن مطعم سے، ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ہند بن ابی ہالہ سے اور امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کا سر اقدس بڑا تھا۔ آپ کے بال مبارک نہ سیدھے تھے نہ ہی گھنگھریالے تھے۔ جب مانگ نکالی جاتی تھی تو مانگ نکل آتی تھی، آپ کے گیسوئے پاک کانوں کی لوئے بڑھے ہوئے نہ تھے۔ آپ کے بال مبارک بہت گھنے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "نہ تو آپ کے بال گھنگھریالے تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے تھے بلکہ ان کے درمیان تھے۔" (امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سر اقدس پر بہت زیادہ بال تھے۔ آپ کے بال نہ سیدھے تھے نہ ہی گھنگھریالے تھے بلکہ ان کے درمیان تھے۔ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے آپ کے حلیہ میں فرمایا ہے: "آپ کے بال کم نہ تھے جو آپ کو عیب دار بناتے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ ان امور میں اہل کتاب کی موافقت کرتے تھے جن میں آپ کو کسی چیز کا حکم نہ دیا گیا ہوتا۔ اہل کتاب اپنے بال لٹکاتے تھے۔ مشرکین اپنے بالوں کی مانگ نکالتے تھے۔ پہلے حضور ﷺ نے اپنے بال لٹکائے پھر بعد میں مانگ نکالنے لگے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ کے بال مبارک دو اقسام کے مابین تھے۔ نہ تو بالکل سیدھے اور نہ ہی گھنگھریالے تھے۔ بلکہ ان کے مابین تھے۔ وہ آپ کے کندھوں اور کانوں کے مابین تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کے بال مبارک آپ کے کانوں کے نصف تک تھے۔

حضرت علی بن حجر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے بال نہ سیدھے تھے نہ ہی گھنگھریالے تھے بلکہ ان کے مابین تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں حضور ﷺ کی کنگھی کیا کرتی تھی۔ میں آپ

کے سر کے اوپر سے بالکل آنکھوں کے درمیان سے مانگ نکالا کرتی تھی۔ ابن سحاق، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں آپ کے سر کے اوپر (مغز والی جگہ) سے مانگ نکالتی تھی آگے کے بال آپ کی پیشانی پر گرا دیتی تھی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے بال آپ کے کندھوں تک تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے بال کانوں سے نیچے اور شانوں سے اوپر تھے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ کی چار مینڈھیاں تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "حضور ﷺ جب کنگھی فرمایا کرتے تھے تو آپ کے بال گویا کہ ریت میں بل کی طرح ہوتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بال آپ کے کانوں اور شانوں کے مابین تھے۔

عبدالمجید بن جعفر نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے کہ جنگ یرموک میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گم ہوگئی۔ انہوں نے اسے تلاش کیا حتیٰ کہ اسے پالیا۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ نے عمرہ کیا سر مبارک کا حلق کرایا۔ لوگ آپ کے بال مبارک لینے کے لیے جلدی سے آئے۔ میں نے جلدی سے آپ کی پیشانی کا بال حاصل کیا۔ میں نے انہیں اس ٹوپی میں رکھ لیا۔ میں جس معرکہ میں شرکت کرتا ہوں اور یہ ٹوپی میرے پاس ہوتی ہے، مجھے فتح نصیب ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ نے جمرہ العقبہ کو رمی جمار کیا، پھر قربانی کی۔ پھر نائی نے آپ کے سر اقدس کے دایاں طرف کے بال کاٹے۔ آپ نے وہ بال حضرت ابوطلحہ کو عطا فرما دیے۔ پھر اس نائی نے سر اقدس کے بائیں طرف کے بال کاٹے تو آپ نے انہیں فرمایا: "یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔"

امام مسلم کی روایت میں ہے "میں نے آپ کی زیارت کی۔ نائی آپ کے بال کاٹ رہا تھا۔ صحابہ کرام آپ کے ارد گرد سرگرداں تھے۔ وہ یہی ارادہ رکھتے تھے کہ ہر بال کسی نہ کسی شخص کے ہاتھ پر ہی گرے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "آپ کے بال بہت زیادہ تھے۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آپ کے بال بہت حسین تھے۔" حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ نے فرمایا: "آپ کے بال بہت حسین تھے۔" حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ نے فرمایا: "حضور ﷺ کی داڑھی اور سر اقدس کے بال شدید سیاہ تھے۔"

اسرائیل نے عثمان بن مواہب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھے میرے اہلِ خانہ نے ام المومنین حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ میرے پاس پانی کا چھوٹا سا پیالہ تھا۔ وہ چاندی کی ایک ڈبیہ لے کر آئیں جن میں حضور ﷺ کے بال تھے۔ جب کسی شخص کو نظر لگ جاتی یا کوئی بیمار ہو جاتا۔ تو وہ کوئی چیز دے کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجتا۔ میں نے اس ڈبیہ میں دیکھا تو میں نے سرخ بال دیکھے۔

تنبیہات

1. سابقہ احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے بال مبارک کانوں کی لو سے نیچے اور کندھوں سے اوپر ہوتے تھے۔ یہ جمہور اہلِ لغت کا قول ہے۔ اصحاب المحکم، النہایۃ اور المشارق وغیرہم نے اسی طرح لکھا ہے مگر اس میں جوہری کا اختلاف ہے۔ انہوں نے "لَمَم" کے مادہ میں لکھا ہے کہ اللّمۃ سے مراد وہ بال ہیں جو کانوں کی لو سے متجاوز ہوں۔ جب وہ بال کندھوں تک پہنچ جائیں تو انہیں "الجُمّۃ" کہا جاتا ہے۔ انہوں "وَفر" کے مادہ میں مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ کانوں کی لو تک بڑھے ہوئے بالوں کو وفرہ کہا جاتا ہے پھر جمۃ اور پھر اللمۃ ہے۔ اس سے مراد وہ بال ہیں جو شانوں تک بڑھے ہوئے ہوں۔

حافظ ابوالفضل عراقی نے لکھا ہے "یہی قول درست ہے اور دیگر اہلِ لغت کے قول کے موافق ہے۔ ان دونوں روایتوں (فوق الجمۃ ددن الوفرہ اور اس کے برعکس) کو صرف اسی احتمال پر جمع کیا جاسکتا ہے جس پر امام ترمذی کی روایت کی تاویل کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ کبھی کبھی "دون" کی مراد اس جگہ کی نسبت کے اعتبار سے ہوتی ہے جہاں تک بال پہنچے ہوں۔ امام ترمذی کی روایت اسی تاویل پر محمول ہوگی کہ آپ کے بال جمہ کے اوپر تھے۔ یعنی اس جگہ سے بلند تھے۔ اسی طرح آپ کے بال لمہ ہوں گے۔ جو وفرہ اور جمہ کے مابین ہوتے ہیں۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت کا مفہوم یہ ہوگا "کان شعرہ فوق الوفرہ" یعنی کثرت میں وہ وفرہ سے زیادہ جمہ سے کم تھے۔ اس طرح ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔ ہر راوی نے وہی کچھ روایت کیا ہے جو وہ فوق اور دون سے سمجھا ہے۔

قاضی نے لکھا ہے کہ ان روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ آپ کے جو بال کانوں تک تھے وہ کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے تھے۔ جو کندھوں تک تھے وہ آپ کے مبارک شانوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اختلاف اوقات کے اختلاف کی وجہ سے آپ بال نہ کاٹتے تھے تو وہ مبارک شانوں تک پہنچ جاتے۔ جب کاٹتے تھے تو وہ کانوں کے نصف تک ہوتے تھے۔ اس طرح بال کبھی لمبے اور چھوٹے ہوتے تھے۔

2. "زاد المعاد" میں ابن القیم نے لکھا ہے کہ آپ نے صرف چار بار حلق کرایا ہے۔ اس کی مزید تفصیل بعد میں آئے گی۔

3. ابن عساکر نے دو غیر ثابت سندوں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے بال بالکل سیدھے تھے۔ لیکن صحیح سند سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کے بال نہ گھنگھریالے اور نہ ہی سیدھے تھے۔ ان کے مابین تھے۔

4. ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ "حضور اکرم ﷺ کے سر مبارک اور بالوں کی چار مینڈھیاں تھیں۔ تاکہ آپ کا دایاں کان مبارک دو مینڈھیوں کے درمیان سے نکلے۔ تاکہ یہ اس کان کو گھیر لیں۔ جبکہ دایاں کان

مبارک دو مینڈھیوں سے نکلے جو اسے گھیر لیں۔ ان مینڈھیوں سے یہ کان مبارک اس طرح نکلیں گویا کہ وہ چمکتے ہوئے ستارے ہوں۔

آپ کے سر اقدس میں سفید بال کنپٹیوں میں تھے۔ اور داڑھی مبارک میں سفید بال ٹھوڑی کے اوپر تھے۔ یہ سفید بال گویا کہ چاندی کے دھاگے تھے۔ جو سیاہ بالوں کے سامنے چمکتے تھے۔ جب ان بالوں کو زردی سے رنگ دیا جاتا تھا تو وہ یوں چمکتے تھے گویا کہ سامنے کے سیاہ بالوں میں سونے کے دھاگے چمک رہے ہوں۔

❁❁❁

چوتھا باب

جبین اطہر، ابرو مبارک

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین اطہر کشادہ تھی۔ (بیہقی، ابن عساکر)

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین مبارک کشادہ تھی۔ آپ کے ابرو مبارک باریک اور لمبی تھیں جو باہم متصل نہ تھیں۔ ان کے مابین ایک رگ تھی جو غصے کے وقت پھول جاتی تھی۔

ایک صحابی نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابرو پتلی تھیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کشادہ اور روشن تھی۔ (ابن عساکر)

الحافظ ابو احمد بن ابی خیثمہ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روشن جبین تھے۔ جب آپ کی جبین اطہر بالوں سے نکلتی یا رات کے وقت چمکتی یا آپ کا چہرہ لوگوں کے سامنے ہوتا تو آپ کی پیشانی یوں نظر آتی گویا کہ وہ روشن سورج ہو۔ جیسے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:

متی تبدو فی اللیل البهیم جبینه　　　　یلح مثل مصباح الدجی المتوقد

فمن کان او من قد یکون کاحمد　　　　نظاما لحق او نکالًا لملحدِ

ترجمہ: "جب تاریک رات میں آپ کی جبین اطہر ظاہر ہوتی ہے۔ تو وہ تاریکیوں میں روشن چراغ کی طرح ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند کون تھا اور کون ہوگا۔ آپ حق کے لیے موتیوں کی لڑی اور ملحد کے لیے ہلاکت ہیں۔"

تنبیہات

1. حضرت ام معبد کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابروئیں باریک اور پتلی تھیں جو باہم متصل نہ تھیں۔ ابن قتیبہ اور ابن عساکر نے لکھا ہے کہ درست وہی ہے جسے حضرت ہند نے بیان کیا ہے۔ ابن الاثیر اور القطب نے اسی کو درست قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی طرف وحی کی "میرے معاملہ میں کوشش کرو سستی کا مظاہرہ نہ کرو۔" حتیٰ کہ فرمایا اس نبی

ﷺ کی تصدیق کرو جو کشادہ جبین ہوں گے اور ان کے ابرو ئیں آپس میں ملی ہوں گی۔"

ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ کی آبروئیں باہم متصل تھیں۔" ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ وہ پہلے باہم متصل نہ تھیں۔ یا یہ فرق دیکھنے والے کے بُعد یا قرب کی وجہ سے ہے۔ یعنی وہ نہ باہم متصل ہوں نہ ہی جدا ہوں بلکہ دونوں کے مابین تھوڑا سا فاصلہ ہو۔ جو صرف اسے ہی نظر آتا ہو جو باریک بینی سے دیکھتا ہو۔ جیسے کہ آپ کی ناک مبارک کے بارے بیان کیا جاتا ہے کہ جو غور و فکر کے بغیر دیکھتا تھا اسے یہ اونچی معلوم ہوتی تھی۔ حالانکہ ناک مبارک بہت اونچی نہ تھی۔

❀❀❀

پانچواں باب

مبارک آنکھیں

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی آنکھوں میں سیاہ حصہ بہت زیادہ سیاہ اور سفید حصہ بہت زیادہ سفید تھا۔ آپ کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ پلکیں طویل تھیں۔ (امام احمد اور امام مسلم)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آپ کی آنکھیں بڑی بڑی اور پلکیں لمبی تھیں اور آنکھوں میں سرخی تھی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ اشکل العینین تھے۔ راوی نے حضرت سماک بن حرب سے پوچھا: "اشکل العینین کیا ہوتا ہے" انہوں نے فرمایا: "آنکھوں کے گوشوں کا طویل ہونا۔"

امام مسلم وغیرہ نے لکھا ہے کہ "اشہل العینین" ہے۔ اس کا معنیٰ ہے سرخ و سیاہ آنکھوں والے حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ کی پلکیں مڑی ہوئی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی مبارک آنکھیں سرخ و سیاہ تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی چشمانِ مقدس کی سیاہی کو سفیدی نے گھیرا ہوا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی آنکھیں سرمگیں تھیں۔ آپ کی پلکیں لمبی تھیں۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: "اگر تم حضور اکرم ﷺ کی چشمانِ مقدس کو دیکھو گے تو کہو گے کہ ان میں سرمہ لگا ہوا ہے حالانکہ ان میں سرمہ لگا ہوا نہیں ہوتا تھا۔"

حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کی "میرے معاملہ میں کوشش کرو، سستی نہ کرو۔" حتیٰ کہ فرمایا: "اس نبی عربی ﷺ کی تصدیق کرو جن کی آنکھیں خوبصورت اور بڑی ہوں گی۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی چشمانِ مقدس سیاہ تھیں اور پلکیں لمبی تھیں۔ ان سے ہی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ ان میں سرخی تھی، پلکیں لمبی تھیں۔ داڑھی مبارک گھنی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی چشمانِ مقدس سیاہ تھیں۔

ابن عدی، امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ رات کی تاریکی میں اسی طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح دن کے اجالے میں دیکھتے تھے۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "کیا

تم دیکھتے ہو کہ میرا قبلہ یہاں ہے۔ بخدا! مجھ پر تمہارا رکوع اور سجود مخفی نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھ لیتا ہوں۔"

الحافظ ابوبکر نے لکھا ہے اور ابن الضحاک نے انہی کی پیروی کی ہے کہ حضور ﷺ کے چہرہ انور کے نور سے چیزیں تاباں ہو جاتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں مجھ سے قبل رکوع اور سجود نہ کیا کرو۔ میں تمہیں اپنے آگے سے اور اپنے پیچھے سے دیکھ لیتا ہوں۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں اپنے پیچھے سے اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح میں اپنے آگے سے دیکھتا ہوں۔"

حضرت مجاہد نے کہا ہے کہ حضور ﷺ اپنے پیچھے صفوں میں اسی طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح اس شخص کو دیکھتے جو آپ کے آگے ہوتا تھا۔

قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کہکشاں کے گیارہ ستارے دیکھ لیتے تھے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کہکشاں کے بارہ ستارے دیکھ لیتے تھے۔ امام قرطبی نے "اسماء النبی" میں پہلے قول پر یقین کیا ہے۔ انہوں نے ان اشعار میں اسی فضیلت کو نظم کیا ہے۔

وھو الذی یری النجوم الخافیہ	مبیناتٍ فی السماء العالیہ
احدی اعشر قد عدّ فی الثریا	لناظر سواہ ماتھیا

آپ کی ذات تو وہ ہے جو بلند و بالا آسمان میں چھپے ستاروں کو واضح طور پر دیکھ لیتی تھی آپ نے کہکشاں میں گیارہ ستارے شمار فرمائے۔ آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔

انہوں نے "القول المکرم" میں لکھا ہے "اس کے بارے میں کوئی اصل میں آگاہ نہیں ہوا۔ جس کی طرف اسے منسوب کیا جائے لوگ کہتے ہیں کہ ثریا میں صرف نو ستارے ہیں۔

تنبیہات

1. قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ آپ کا یہ معجزہ (تاریکی میں اور پیچھے سے دیکھ لینا) شب معراج کے بعد رونما ہوا تھا۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ کوہِ طور کی رات کے بعد تاریک رات میں سیاہ چیونٹی کو دس فرسخ کی مسافت سے دیکھ لیتے تھے۔

2. یہ رؤیت، ادراک کی رؤیت ہے۔ اہلِ حق کے لیے رؤیت کا انحصار اس آلہ کے وجود پر نہیں جسے آنکھ کہا جاتا ہے۔ نہ شعاع اور بالمقابل ہونا ضروری ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی نسبت سے ہے۔ جہاں تک مخلوق کا تعلق ہے تو

آپ میں بھی رؤیت کا وصف پایا جاتا ہے۔ آنکھوں میں بصارت پیدا کرنے والا اس بات پر قادر ہے کہ وہ بصارت کا وصف کسی اور چیز میں پیدا فرما دے۔

الحرانی نے لکھا ہے "آپ کا یہ معجزہ رب تعالیٰ نے اس طرح بنایا ہے کہ یہ دلالت کر رہا ہے کہ آپ حقیقت میں باطن سے آگاہ ہیں یہ آپ کے علوم و معارف کی وسعت ہے۔ آپ کا یہ علم آپ کے رب کریم کی طرف سے عطا کردہ ہے۔ آپ کے اپنے نفس کی طرف سے نہیں ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو اس چیز سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔ جو آپ کے سامنے ہے۔ یہ بھی رب تعالیٰ کے امر سے ہے اور اس چیز سے بھی آگاہ فرمایا جو مؤخر ہے یہ بھی رب تعالیٰ کے امر سے ہے یعنی آپ کو ما کان وما یکون کا علم عطا فرمایا۔ آپ کے دل انور کے مدرکات کی حد یہ ہے تو پھر رب تعالیٰ نے آپ کی آنکھ کے مدرکات کو بھی یہی وسعتیں عطا فرما دی ہوں۔ آپ محسوسات کو بھی اپنے پیچھے سے اس طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح سامنے سے دیکھ لیتے تھے۔

عجیب وغریب بات وہ ہے جسے بختیار محب بن محمود نے اپنے رسالہ "الناصریہ" میں لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے شانوں پر دو آنکھیں تھیں جو سوئی کے ناکے کی طرح باریک تھیں۔ آپ ان سے دیکھ لیتے تھے۔ کپڑے ان کے لیے حجاب نہیں بنتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اشیاء کی تصاویر آپ کے سامنے کی دیوار پر بن جاتی تھیں۔ جس طرح کہ شیشہ میں اشیاء کی تصاویر بن جاتی ہیں اسی دیوار پر آپ لوگوں کے افعال مشاہدہ فرما لیتے تھے۔

الحافظ نے لکھا ہے "اگر شارع حکیم سے یہ بات صحیح سند سے روایت ہے تو درست ہے ورنہ یہ رائے کا مقام نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اسے آلہ کے بغیر آپ کے ادراک پر محمول کر کے آپ کے معجزہ کا اثبات کیا جائے۔"

ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اس معجزہ کی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس طرح بغیر ضرورت کے شارع کے لفظ کی تعطیل لازم آئے گی۔

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ اس امر کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں حضور ﷺ کی زیادہ عزت و کرامت ہے۔

❁❁❁

چھٹا باب

آپ کی قوت سماعت

آپ ﷺ اپنے حواس کی سلامتی کے ساتھ وہ آواز فرما لیتے تھے جسے حاضرین نہیں سن سکتے تھے۔ ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے کان مبارک مکمل تھے۔

امام ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اور ابونعیم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "کیا تم وہ سنتے ہو جو کچھ میں سن رہا ہوں۔" صحابہ کرام نے عرض کی: "یا رسول اللہ! ہمیں تو کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے۔ میں آسمان کے چرچرانے کی آواز سن رہا ہوں۔ اسے چرچرانے پر ملامت کیوں کی جائے۔ اس میں بالشت بھر جگہ نہیں۔ مگر اس پر کوئی فرشتہ سجدہ کر رہا ہے یا قیام کر رہا ہے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ اپنی خچر پر سوار تھے۔ وہ خچر رستہ سے ہٹ گئی۔ قریب تھا کہ وہ آپ کو نیچے پھینک دیتی۔ وہاں چھ، پانچ یا چار قبریں تھیں۔ آپ نے فرمایا: "ان قبروں والوں کو کون جانتا ہے۔" ایک شخص نے عرض کی: "میں" آپ نے پوچھا: "یہ کب مرے؟" اس نے عرض کی: "یہ زمانہ جاہلیت میں شرک کی حالت میں مرے۔" آپ نے تعجب کیا اور فرمایا: "یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے۔ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا تم یہ مخفی نہ رکھو گے تو میں رب تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں وہ عذاب قبر سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ بنو نجار کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ اس قوم کی آواز سنی جسے عذاب دیا جا رہا تھا۔ خچر واپس لوٹنے لگی۔ آپ نے پوچھا: "اس شخص کو کب دفن کیا گیا۔" صحابہ کرام نے عرض کی: "اسے زمانہ جاہلیت میں دفن کیا گیا۔" آپ نے اسے عجیب سمجھا......

یہ امر بھی ثابت ہے کہ آپ پر کبھی کبھی وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی تھی۔ آپ اسے سن لیتے تھے اور اسے یاد فرما لیتے تھے لیکن اسے اور کوئی صحابی نہ سن سکتا تھا۔

تنبیہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایک جگہ میں ایک سننے والا اس آواز کو کیسے سن سکتا ہے۔ جس کو دوسرا شخص نہ سن رہا ہو۔ حالانکہ اس کی طرح اس کی سماعت صحیح ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معنیٰ ادراک رب تعالیٰ جس کے لیے چاہے پیدا کر دے جس کے لیے چاہے روک دے۔ یہ طبیعی امر نہیں ہے۔ نہ ہی مروجہ امر ہے۔

ساتواں باب

آپ کی ناک مبارک اور رخسار

امام ترمذی نے حضرت ہند بن ابی ہالہ سے اور ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ کی ناک مبارک اونچی تھی۔" حضرت ہند نے یہ اضافہ کیا ہے۔ "اس پر نور کا غلبہ رہتا تھا۔ جو غور سے نہ دیکھتا اسے یوں لگتا کہ آپ کی ناک کے بانسوں کا ابھار ہے۔ لیکن ان میں ابھار نہ تھا۔"

ایک صحابی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی ناک مبارک پتلی (اور نازک) تھی۔ حضرت ہند بن ہالہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے رخسار مبارک نرم تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ کے رخسار مبارک نرم تھے۔" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی رخسار مبارک نرم اور ناک مبارک اونچی تھی۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ " آپ کے رخسار مبارک سفید تھے۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "حضور ﷺ کے رخسار مبارک سفید تھے۔"

❁❁❁

آٹھواں باب

آپ کا منہ مبارک، دندانِ مبارک اور لعابِ دہن (تھوک مبارک)

حضرت ہند بن ہالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ "حضور ﷺ کا منہ مبارک وسیع تھا۔ آپ کے دانت بھنچے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ جدا جدا تھے ان سے نور نکلتا تھا۔"

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "حضور اکرم ﷺ کا منہ مبارک وسیع تھا۔" (امام احمد، بخاری، مسلم)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے دندانِ مبارک بہت زیادہ چمکتے تھے۔ (ابن عساکر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کا منہ مبارک بہت خوبصورت تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: "میں نے سارے عطر سونگھے ہیں۔ میں نے کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو حضور ﷺ کی خوشبو سے عمدہ ہو۔"

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں پانی کا ایک ڈول پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے پانی نوش فرمایا۔ پھر اس ڈول میں کلی کر دی۔ یا اس کنوئیں میں کلی کر دی تو اس میں مشک وعنبر جیسی خوشبو آنے لگی۔ (امام احمد، ابن ماجہ)

امام ابن ضحاک نے یہ روایت ان الفاظ میں لکھی ہے "آپ کی خدمت میں پانی کا ایک ڈول پیش کیا گیا، آپ نے اس سے وضو فرمایا۔ آپ نے اس کنوئیں یا ڈول میں کلی کی تو وہاں مشک یا مشک سے بھی عمدہ خوشبو آنے لگی۔ اس سے خوشبو باہر نکلنے لگی۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "جب آپ مسکراتے تھے تو دیواریں آپ کے نور سے جگمگا اٹھتیں۔ میں نے آپ سے قبل یا آپ کے بعد آپ جیسا حسین نہیں دیکھا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہمارے گھر میں ایک کنواں تھا جس میں آپ نے اپنا مبارک تھوک پھینکا، مدینہ طیبہ کا کوئی کنواں اس سے زیادہ میٹھا نہ تھا۔" (ابونعیم)

حضرت عمیرہ بنت مسعود الانصاریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "میں اور میری بہنیں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں (یہ پانچ بہنیں تھیں) ہم نے آپ کی زیارت کی تو آپ خشک گوشت تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے ان کے لیے ایک ٹکڑا

چبایا پھر وہ ٹکڑا مجھے پکڑا دیا۔ میں نے انہیں اپنی بہنوں میں تقسیم کر دیا۔ اس میں سے ہر ایک نے اس میں ایک ایک حصہ چبایا۔ ان کے منہ سے مشک کی سی خوشبو آنے لگی۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک فحش گو عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ اس وقت خشک گوشت تناول فرما رہے تھے۔ اس نے عرض کی: "کیا آپ مجھے عطا نہیں فرمائیں گے؟" آپ نے اسے اپنے سامنے سے عطا فرمایا۔ اس نے کہا: "نہیں! مجھے وہ عطا فرمائیں جو آپ کے منہ میں ہے۔" آپ نے اپنے منہ مبارک سے نکالا۔ اسے عنایت فرمایا۔ اس نے اسے اپنے منہ میں ڈال لیا اور کھا گئی۔ اس کے بعد اس کی ساری بے حیائی اور فحش گوئی ختم ہوگئی۔

حضرت محمد بن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد محترم ان کی والدہ ماجدہ سے جدا ہو گئے۔ جب وہ ابھی اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے۔ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ نے قسم اٹھائی کہ وہ انہیں دودھ نہیں پلائیں گی۔ حضور ﷺ نے انہیں یاد فرمایا اور ان کے منہ میں مبارک تھوک پھینکا۔ فرمایا: "اسے میرے پاس لے کر آیا کرو۔ رب تعالیٰ اس کا رازق ہے۔" میں نے پہلے، دوسرے اور تیسرے روز اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔"

رب تعالیٰ اس شاعر پر رحم کرے جس نے یہ اشعار کہے ہیں:

بحر من الشهد فی فیه مرا شفه　　　　یاقوت من صدف فیه جواهر

ترجمہ: "آپ شہد کا سمندر ہیں آپ کے منہ مبارک سے اس کے چشمے رواں ہیں۔ آپ صدف کے یاقوت ہیں جس میں آپ کے جواہرات ہیں۔"

جنی النحل فی فیه و فیه حیاتنا　　　　و لکنه من لی بلثم لثامه

رحیق الثنایا والمثانی تنفست　　　　إذا قال عن فتح بطیب خِتامه

ترجمہ: "گویا کہ آپ کے منہ مبارک میں شیریں کھجور ہے۔ اس میں ہماری زندگی ہے۔ کون ہے جو میرے لیے آپ کے نقاب کا بوسہ لے آپ جب اپنے منہ مبارک سے کوئی الفاظ نکالتے ہیں تو آپ کے دندانِ مبارک سے خوشبو نکلتی ہے۔"

حضرت ابوجعفر محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ انہیں شدید پیاس لگی۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے پانی مانگا مگر پانی نہ ملا۔ آپ نے انہیں اپنی زبان اقدس عطا فرما دی۔ انہوں نے اسے چوسا حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گئے۔" ابن عساکر نے یہ روایت منقطع لکھی ہے۔ اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ "حضور ﷺ کے دانت مبارک جدا جدا تھے۔" جب آپ گفتگو فرماتے تھے تو آپ کے دندانِ مبارک سے نور نکلتا تھا۔ اس روایت کو امام ترمذی، امام دارمی نے، ابوزرعہ رازی نے دلائل میں اور ابن ضحاک نے ذکر کیا ہے۔

اس کی سند جید ہے۔

حضرت سہل بن سعید سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا: ''میں کل جھنڈا اس شخص کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں رب تعالیٰ فتح فرمائے گا۔ وہ رب تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ سے پیار کرتا ہے اور رب تعالیٰ اور اس کے رسولِ محترم ﷺ اس سے پیار کرتے ہیں۔'' صبح کے وقت ہر شخص کی یہ تمنا تھی کہ کاش جھنڈا اسے ملے۔ وقت صبح آپ نے فرمایا: ''علی کہاں ہیں؟'' صحابہ کرام نے عرض کی: ''ان کی آنکھوں میں درد ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''ان کی طرف پیغام بھیجو۔'' انہیں آپ کے پاس لایا گیا۔ حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں پر لعابِ دہن لگایا۔ وہ اسی وقت شفایاب ہو گئے گویا کہ انہیں کوئی تکلیف نہ تھی۔

حضرت ابوقرصافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میری امی جان، خالہ جان اور میں نے آپ کی بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ میری امی اور خالہ نے کہا: ''نورِ نظر! ہم نے اس ذات جیسا نہ کوئی حسین دیکھا ہے نہ اتنے صاف کپڑے کسی کے دیکھے ہیں۔ نہ کسی کی اتنی نرم کلام سنی ہے۔ ہم نے ایک نور دیکھا جو آپ کے منہ سے نکل رہا تھا۔''

❁❁❁

نواں باب

آپ کی داڑھی مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔ امام ترمذی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہی روایت نقل کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے "آپ کی داڑھی مبارک بڑی گھنی تھی۔"
(بیہقی، ابن عساکر، ابن جوزی)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی داڑھی مبارک سیاہ تھی۔ (بیہقی، ابن عساکر)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سراقدس اور داڑھی مبارک کے بال سیاہ تھے۔ (ابن عساکر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کی داڑھی مبارک یہاں سے یہاں تک بھرپور تھی۔ (ابن عساکر)

الحافظ ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ نے روایت کیا ہے۔ آپ کے لب نعلیں کے نیچے جگہ ابھری ہوئی تھی۔ اس کے اردگرد جگہ بلند تھی۔ گویا کہ وہ جگہ سفید موتی تھی۔ اس کے نیچے بال مبارک لٹکے ہوئے تھے۔ یہ بال آپ کی داڑھی پر تھے گویا کہ یہ بال داڑھی ہی کے تھے۔

حضرت ابوضمضم سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں "الرجیع" میں اترا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہاں ایک صحابی رسول ہیں جن کا نام اسعد بن خالد ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی زیارت کی ہے۔" میں ان کے پاس آیا۔ میں نے کہا: "کیا آپ نے حضور ﷺ کی زیارت کی ہے؟" انہوں نے فرمایا: "ہاں! میں نے آپ کی زیارت کی ہے۔ آپ کا قد میانہ تھا۔ آپ کی داڑھی مبارک خوبصورت تھی۔" (الدینوری، ابن عساکر)

ان سے ہی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سراقدس اور داڑھی مبارک کے بال کثیر تھے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سراقدس کے اگلے حصہ کے کچھ بال اور داڑھی مبارک کے کچھ بال سیاہ اور سفید ملے جلے تھے۔ جب آپ تیل لگاتے تو یہ بال نظر نہیں آتے تھے۔ جب آپ تیل نہ لگاتے تھے تو یہ بال نظر آتے تھے۔ (امام مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور اکرم ﷺ کے سر اقدس اور داڑھی مبارک میں بیس سے زائد بال سفید نہ تھے۔'' (امام بخاری، امام مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سر اقدس اور داڑھی مبارک میں سترہ یا اٹھارہ بال سفید تھے۔ (ابن سعد نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے) ابن الضحاک نے سفید بالوں کی تعداد چودہ لکھی ہے۔ حمید نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی داڑھی مبارک میں سفید بال بیس نہ تھے۔ حمید نے کہا ہے کہ ان کی تعداد سترہ تھی۔ حضرت قتادہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے خضاب استعمال نہیں فرمایا تھا۔ آپ کی ٹھوڑی، کنپٹیوں اور سر میں تھوڑے سے بال سفید تھے۔ (امام مسلم)

ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے ربیعہ سے کہا: ''کیا آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رفاقت اختیار کی ہے؟'' انہوں نے فرمایا: ''ہاں! میں نے انہیں سنا وہ فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ کی ٹھوڑی مبارک میں بیس بال سفید تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے اگلے حصہ میں تقریباً بیس بال سفید تھے۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی میں نے آپ کے نچلے ہونٹ کے نیچے ٹھوڑی کے اوپر سفیدی دیکھی۔''

حضرت عبداللہ بن بسر المازنی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور ﷺ کی ٹھوڑی مبارک پر چند بال سفید تھے۔'' (امام بخاری)

حضرت ابو ایاس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت انس سے حضور ﷺ کے بڑھاپے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''رب تعالیٰ نے آپ کو سفیدی سے عیب دار نہیں کیا۔''

ابن عساکر نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ شاید حضرت انس نے آپ کی داڑھی کی سفیدی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حالانکہ ان سے بھی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آپ کے کچھ بال سفید تھے۔ انہوں نے آپ کی ٹھوڑی مبارک کی طرف اشارہ کیا۔

ابن سعد اور ابونعیم نے حضرت ابن سیرین علیہ الرحمۃ سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور ﷺ کے تھوڑے سے بال ہی سفید ہوئے تھے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما حناء اور کتم کا خضاب لگاتے تھے۔

ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس نے فرمایا: ''حضور ﷺ نے اپنی مبارک داڑھی کو زرد رنگ سے رنگا۔ اس میں بیس سے زائد بال سفید نہ تھے۔'' حضرت قتادہ نے فرمایا: ''میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا حضور

ﷺ نے خضاب استعمال کیا؟ انہوں نے فرمایا: ''نہیں! آپ کی کنپٹیوں کے چند بال ہی سفید تھے۔'' امام بخاری نے ان سے یہ روایت لکھی ہے۔ حضور ﷺ نے خضاب استعمال نہیں کیا۔ آپ کی ٹھوڑی مبارک اور کنپٹیوں کے چند بال ہی سفید تھے۔

حضرت محمد بن سیرین سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے حضرت انس سے پوچھا: ''کیا حضور ﷺ نے خضاب استعمال کیا تھا؟'' انہوں نے فرمایا: ''آپ کو خضاب کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔'' امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس نے فرمایا: ''اگر میں آپ کے سراقدس میں سفید بال گننا چاہتا تو انہیں گن سکتا تھا۔''

ابن سعد نے یونس بن طلق بن حبیب رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ نائی نے آپ کی مونچھیں چھوٹی کیں۔ اس نے آپ کی داڑھی مبارک میں سفیدی دیکھی تو اسکی طرف ہاتھ بڑھایا۔ حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ روک دیا اور فرمایا: جس کے بال اسلام میں سفید ہوں تو وہ روزِ حشر اس کے لیے نور ہوں گے۔''

تنبیہات

1. الحافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے ''ان روایات کے مجموعہ سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ آپ کی ٹھوڑی مبارک کے اوپر زیادہ بال سفید تھے۔ سراقدس اور داڑھی کے دوسرے حصوں میں سفید بال کم تھے۔ حضرت قتادہ سے حضرت انس نے فرمایا تھا: ''آپ کی کنپٹیوں میں ہی کچھ سفید بال تھے۔'' ان کی مراد یہ ہے کہ بالوں کو خضاب لگانے کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔ محمد بن سیرین علیہ الرحمۃ کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔

2. آپ کے سراقدس اور داڑھی مبارک میں کتنے بال سفید تھے ان میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن بسر کی حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ آپ کے دس سے زائد سفید بال نہ تھے۔ کیونکہ انہوں نے قلت کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ ابن سعد کی روایت ہے ''آپ کی داڑھی مبارک میں بیس بال سفید نہ تھے۔ حضرت حمید نے اپنی ٹھوڑی کے اوپر اشارہ کر کے بتایا: ''سترہ بال''

حضرت ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے سراقدس اور ٹھوڑی کے اوپر سترہ یا اٹھارہ سفید بال تھے۔

ابن ابی خیثمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ حمید نے ان کی تعداد سترہ بتائی ہے۔ امام حاکم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں اگر آپ کی داڑھی اور سراقدس کے سفید بال شمار کرتا تو میں انہیں گیارہ سے زیادہ نہ شمار کر سکتا۔''

علامہ بلقینی نے ان تمام روایات کو جمع کیا ہے کہ ساری روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سفید بالوں کی تعداد بیس سے زائد نہ تھی۔ دوسری روایت یہ وضاحت ہے کہ سفید بال مبارک بیس سے کم تھے وہ سترہ تھے۔ بات اسی طرح

ہے جس طرح ہم نے ذکر کر دی ہے۔ دس بال آپ کی ٹھوڑی کے اوپر تھے۔ باقی دیگر داڑھی میں تھے۔ کیونکہ تیسری روایت میں انہوں نے کہا ہے "حضور ﷺ کی داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ داڑھی ٹھوڑی وغیرہ سب کو شامل ہوتی ہے۔ عبداللہ بن بسر کی روایت کے مطابق دس بال ٹھوڑی کے اوپر اور دیگر روایات کے تقاضا کے مطابق دیگر بال ساری داڑھی میں سفید تھے۔ حمید نے اشارہ کیا ہے کہ آپ کی ٹھوڑی کے اوپر سترہ بال سفید تھے۔ یہ نفس حدیث سے ثابت نہیں۔ حدیث پاک اسی امر پر دلالت کر رہی ہے جسے ہم نے ذکر کر دیا ہے جہاں تک چوتھی روایت کا تعلق ہے تو یہ اس کے منافی نہیں کہ ٹھوڑی کے اوپر دس بال سفید ہوں بقیہ سفید بال بقیہ داڑھی میں ہوں۔"

❁❁❁

دسواں باب

آپ کا چہرہ انور

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ان سے پوچھا گیا "کیا حضور ﷺ کا چہرہ انور تلوار کی مانند تھا۔" انہوں نے فرمایا: "نہیں بلکہ چاند کی طرح تھا۔" (بخاری، ترمذی)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا "کیا حضور ﷺ کا چہرہ انور تلوار کی طرح تھا؟" انہوں نے فرمایا: "نہیں! بلکہ سورج اور چاند کی طرح گول تھا۔" (مسلم) حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا چہرۂ انور سارے لوگوں سے حسین اور خُلق سارے لوگوں سے عمدہ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ کا چہرۂ انور، بہت بھاری بھرکم اور اس پر بہت زیادہ گوشت نہ تھا۔ آپ کا چہرہ گول تھا۔ حضرت ہند بن ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ بلند مرتبت اور رفیع منصب تھے۔ آپ کا چہرہ انور چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کا چہرہ انور گولائی میں تھا۔ (مسلم و بیہقی)

حضرت ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ چہرہ انور بالکل گول نہ تھا، بلکہ ہموار تھا۔ اہلِ عرب ایسے چہرے کو بہت پسند کرتے تھے۔ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: "میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جس کا ظاہر تاباں اور چہرۂ انور روشن تھا۔" حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ کا چہرہ انور سارے لوگوں سے حسین اور رنگت سارے لوگوں سے روشن تھی۔" (ابن جوزی)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا چہرۂ انور چاند کے ہالے کی طرح تھا۔ (ابونعیم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ سے بڑھ کر کسی کو حسین نہیں دیکھا۔ گویا کہ سورج آپ کے چہرۂ انور سے طلوع ہوتا تھا۔" (ابن جوزی)

ایک عورت نے حضور ﷺ کے ہمراہ حج کیا۔ ابو اسحاق ہمدانی نے اس سے کہا: "میرے لیے آپ کے سراپا کی تشبیہ بیان کرو۔" اس نے کہا: "آپ چودھویں کے چاند کی طرح تھے۔ میں نے آپ سے پہلے یا آپ کے بعد آپ کی مثل کسی کو نہیں دیکھا۔" (امام بیہقی)

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں کپڑے سی رہی تھی۔ میرے ہاتھ سے سوئی گر پڑی۔ میں نے اسے تلاش کیا، مگر وہ نہ ملی۔ حضور ﷺ اندر تشریف لے آئے۔ حضور ﷺ کے چہرۂ انور سے

نکلنے والی شعاع کے اجالے میں میں نے سوئی تلاش کرلی۔ (ابن عساکر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ آپ جب سورج کی دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے تو آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آجاتا تھا۔ آپ جب چراغ کے اجالے میں کھڑے ہوتے تھے۔ چراغ کی روشنی پر آپ کا نور غالب آجاتا تھا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور ﷺ جب مسرور ہوتے تو آپ کا چہرہ انور یوں منور ہوجاتا گویا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ ہم آپ کے چہرہ انور سے آپ کی مسرت کا اندازہ لگا لیتے تھے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ حضور ﷺ مسرور تشریف لائے آپ کے چہرہ انور کے خدوخال روشن تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مسرور ہوتے تو آپ کا چہرۂ انور آئینہ کی طرح ہوجاتا۔ گویا کہ دیواروں کا وجود آپ کے چہرۂ انور میں نظر آتا تھا۔

تنبیہات

❶ الحافظ نے "گویا کہ آپ کا چہرہ چاند کا ٹکڑا ہے" میں کہا ہے کہ شاید آپ اس وقت چہرۂ انور کو کپڑے میں لپیٹے ہوئے ہوں۔ وہ جگہ جہاں سے مسرت کا اظہار ہو رہا ہو وہ آپ کی جبین اطہر ہو۔ اس میں مسرت کا اظہار ہو رہا ہو۔ گویا کہ یہ تشبیہ بعض چہرۂ انور کی تھی۔ لہٰذا اسے چاند کے حصہ سے تشبیہ دینا درست ہے۔ انہوں نے الغازی میں حضرت کعب کی توبہ کی قصہ میں لکھا ہے "اس راز کے بارے سوال کیا جاتا ہے جو چاند کے ٹکڑے کے ساتھ تشبیہ دینے میں ہے، حالانکہ بہت سے بلیغ شعراء نے بغیر قید کے پورے چاند کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ صحابہ کرام آپ کو طلوع ہوتے آفتاب کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے۔ حضرت کعب جنہوں نے اس طرح فرمایا ہے۔ ان کا تعلق شعراء صحابہ کرام کے ساتھ ہے۔ اس ضمن میں ان کی کیفیت مشہور ہے۔ جو یہ سب بیان کیا گیا ہے کہ یہ تشبیہ اس سیاہی سے بچنے کے لیے دی جاتی ہے، جو چاند میں ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ تشبیہ سے مراد وہ نور اور ضیاء ہے جو چاند میں ہے وہ سارے چاند میں ہے صرف ایک قطعہ میں محدود نہیں ہے۔ شاید "قطعۃ قمر" سے مراد پورا چاند ہو۔ الطبرانی نے حضرت کعب بن مالک سے کئی اسناد سے روایت کیا ہے "گویا کہ آپ چاند کا ہالہ ہیں۔"

امام نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے غزوۂ بدر کے روز نماز پڑھی اور رب تعالیٰ سے فتح کی دعا کی۔ انہوں نے فرمایا: "پھر آپ ہماری طرف توجہ فرما ہوئے تو گویا کہ آپ کے چہرۂ انور کا ایک حصہ چاند تھا۔" آپ نے فرمایا: "یہ فلاں فلاں کا مستقل ہے" الطبرانی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ نے اس چہرۂ انور سے ہماری طرف توجہ فرمائی جو گویا کہ چاند کا ٹکڑا تھا۔ یہ اس وقت آپ کی صفت پر محمول ہوگا جب آپ توجہ فرما ہوتے ہوں گے۔"

- یہ تشبیہات جو آپ کے اوصاف میں وارد ہیں۔ یہ اہلِ عرب اور شعراء کی عادت کے مطابق ہیں ورنہ ان اشیاء میں سے کوئی چیز بھی آپ کی صفات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ رب تعالیٰ اس شاعر پر رحم کرے جس نے یہ شعر لکھا ہے:

کا البدر والکاف ان انصفت زائدۃ　　فلا تظننها کافًا لِتشبیه

ترجمہ: "کالبدر" میں اگر تم انصاف سے کام لو تو یہ کاف زائد ہے۔ اسے یہ گمان نہ کرو کہ یہ کاف تشبیہ کے لیے ہے۔"

دوسرے شاعر نے کہا ہے:

یقولون یحکی البدر فی الحسن وجههٗ　　و بدر الدجی عن ذالك الحسنِ منحطٌّ

کما شبهوا غض النقا بقوامهٖ　　لقد بالغوا بالمدح للغصن واشتطُّوا

ترجمہ: "شعراء کہتے ہیں کہ اس کا چہرہ حسن میں ماہِ تمام کی نقل اتارتا ہے۔ لیکن ماہِ تمام اس حسن سے کم درجہ ہے جس طرح کہ انہوں نے نقا کی شاخ کو ممدوح کے قد کے ساتھ تشبیہ دی ہے انہوں نے شاخ کی تعریف میں تو مبالغہ کیا ہے۔ انہوں نے اس فیصلہ میں زیادتی کی ہے۔"

- حضرت ابن دحیہ نے لکھا ہے "حضور ﷺ کا چہرہ انور گول تھا" حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس طرح فرما کر اس شخص کے شک کو دور کیا ہے جو سننے والے کو اس وقت ہو سکتا تھا جب آپ کو تلوار سے تشبیہ دی جاتی کہ شاید چہرہ انور لمبا تھا۔ انہوں نے اس گولائی کی طرف اشارہ کیا ہے جو چاند میں ہے کیونکہ اس سے ہر وہ شخص پیار کرتا ہے جو اسے دیکھتا ہے اس میں گرمی کی تکلیف کے بغیر نور ہوتا ہے۔ اس کی طرف دیکھنا ممکن ہوتا ہے لیکن سورج کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ آنکھیں اس کی وجہ سے چندھیا جاتی ہیں اور یہ دیکھنے سے روک دیتا ہے۔ الحافظ نے فتح میں لکھا ہے "شاید اس شخص نے چمک اور دمک میں تلوار جیسا چہرہ کہنے کا ارادہ کیا ہو۔ لیکن حضرت براء نے فرمایا: "نہیں! چہرۂ انور چاند کی مانند تھا جو چمک و دمک میں تلوار سے زیادہ ہے۔ کیونکہ چاند میں گولائی ہے اس میں تابانی ہے بلکہ اس کے ساتھ تشبیہ دینا زیادہ بلیغ اور مشہور ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "چہرہ انور گول تھا۔ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ آپ کا چہرہ انور دونوں اوصاف کا جامع تھا۔ کیونکہ تلوار کی طرح کہنے سے یہ احتمال تھا کہ شاید سائل نے اس سے مراد طوالت اور چمک کی ہے لیکن انہوں نے اس شخص کا بلیغ رد کیا۔ یہ امر بھی مشہور ہے کہ صرف سورج سے تشبیہ دینے سے مراد عموماً چمک دمک لی جاتی ہے۔ لیکن چاند سے تشبیہ دینے سے مراد ملاحت لی جاتی ہے۔ لیکن راوی نے یہ کہہ کر آپ کے دونوں اوصاف کی تشبیہ مراد لی ہے۔ "چہرہ انور گول تھا" اس نے آپ کے چہرۂ انور کے حسن اور گولائی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

گیارھواں باب

آپ کی گردن مبارک اور کندھوں کے درمیان کا حصہ

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن لمبی تھی۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن چاندی کی گڑیا کی گردن کی طرح تھی۔" (ترمذی)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک گردن چاندی کی صراحی کی طرح تھی۔ امام احمد اور شیخان نے حضرت براء بن عازب سے، امام احمد اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے اور امام ترمذی نے حضرت ہند رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ ان سب نے کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے مابین کافی فاصلہ تھا۔" امام ترمذی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ بڑے بڑے تھے اور آپ کے شانوں کے مابین کافی فاصلہ تھا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: "جب بھی لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگتے آپ انہیں عطا فرما دیتے...... انہوں نے آپ کا کپڑا کھینچ لیا حتیٰ کہ آپ کا شانہ مبارک ظاہر ہو گیا۔ میں نے آپ کے کندھے کی طرف دیکھا گویا کہ وہ سفیدی میں چاند کا ٹکڑا تھا۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے مبارک کندھوں پر چادر رکھتے تھے تو گویا کہ وہ چاندی کے ٹکڑے تھے۔ الحافظ ابو بکر بن ابی خثیمہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک سارے لوگوں سے خوبصورت تھی۔ آپ کی گردن کا وہ حصہ جو کپڑوں سے باہر ہوتا تھا وہ چاندی کی صراحی کی طرح تھا۔ جس میں سونے کی آمیزش ہو۔ وہ چاندی کی سفیدی اور سونے کی سرخی کے ساتھ چمکتا تھا۔ جو حصہ کپڑوں میں رہتا تھا وہ گویا کہ وہ چودھویں کا چاند تھا۔

❁❁❁

بارھواں باب

کمر انور اور ختم النبوۃ

محرش بن عبداللہ الکعبی نے فرمایا ہے "حضور ﷺ نے جعرانہ سے رات کے وقت عمرہ کیا میں نے آپ کی کمر انور کو دیکھا گویا کہ وہ چاندی کا ٹکڑا تھی۔"

مہر نبوت کے بارے مختلف اقوال:

1. مہر نبوت۔ وہ قبہ میں لگے ہوئے بٹن کی طرح تھی (یا حجلہ کے انڈے کی طرح تھی) امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت سائب بن یزید سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا: "میں حضور ﷺ کی کمر انور کے پیچھے کھڑا تھا۔ میں نے مہر نبوت کو دیکھا وہ قبہ میں لگے ہوئے بٹن کی طرح تھی۔"
2. وہ بند مٹھی کی طرح تھی۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن سرجس سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے آپ کے شانوں کے مابین بائیں کندھے کی ہڈی کے بالائی حصہ پر مہر نبوت دیکھی وہ مٹھی کی طرح تھی جس پر تل بنے ہوئے تھے۔"
3. وہ کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔ امام مسلم اور امام بیہقی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور اکرم ﷺ کے دو شانوں کے مابین مہر نبوت دیکھی جو کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔ وہ آپ کے جسدِ اطہر کے ساتھ مشابہت رکھتی تھی۔" ابن ضحاک نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور اکرم ﷺ کے مبارک شانوں کے مابین مہر نبوت دیکھی وہ کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔"
4. وہ جمع شدہ بال تھے۔ امام احمد، امام ترمذی، حاکم، ابو یعلی اور الطبرانی نے ابو یزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: "میرے قریب ہو جاؤ اور میری کمر پر ہاتھ پھیرو۔" میں آپ کے قریب ہوا اور آپ کی کمر انور پر ہاتھ پھیرا۔ میں نے مہر نبوت پر اپنی انگلیاں رکھیں' ان سے پوچھا گیا 'مہر نبوت کیا تھی؟' انہوں نے فرمایا: "وہ آپ کے کندھے کے پاس جمع شدہ بال تھے۔"
5. وہ ابھرتے ہوئے گوشت کی گرہ کی طرح تھی۔ امام احمد، ابن سعد اور امام بیہقی نے حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں اپنے والد محترم کے ہمراہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کے شانوں کے مابین ابھرے ہوئے گوشت کی گرہ کی طرح کی مہر نبوت دیکھی۔

6. وہ ابھرے ہوئے گوشت کی طرح تھی۔ امام ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ کے شانوں کے مابین مہر نبوت ابھرے ہوئے گوشت کی طرح تھی۔"

7. وہ بندوق کی گولی کی طرح تھی۔ ابن حبان نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی کمر انور پر مہر نبوت بندوق کی گولی کی طرح تھی۔ یہ گوشت کی ہی تھی اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ الحافظ ابوالحسن الہیثمی نے "موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان" میں لکھا ہے کہ بعض راویوں نے مہر نبوت کو اس عہد کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے جو خطوط پر لگائی جاتی ہے۔

8. وہ سیب کے ایک دانے کی طرح تھی۔ امام ترمذی نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ آپ کے کندھے کی ہڈی کے نیچے مہر نبوت سیب کے دانے کی طرح تھی۔

9. وہ سینگی (پچھنے لگانے والا آلہ) کے نشان کی مانند تھی۔ امام احمد اور امام بیہقی نے ہرقل کے قاصد تنوخی سے روایت کیا ہے۔ اچانک میں نے کندھے کی ہڈی کی جگہ مہر دیکھی جو سینگی کے نشان کی طرح تھی۔

10. وہ سیاہ تل کی مانند تھی جو زردی کی طرف مائل تھا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مہر نبوت سیاہ تل کی طرح تھی جو زردی کی طرف مائل تھا۔ اس کے ارد گرد لگاتار بال اگے ہوئے تھے۔ گویا کہ وہ گھوڑے کی گردن کے بال ہوں۔" آٹھویں تنبیہ میں آئے گا کہ یہ ثابت نہیں ہے۔

11. سبز تل کی طرح تھی جو گوشت کے اندر ہو۔ اس روایت کو ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ آٹھویں تنبیہ میں آئے گا کہ یہ بھی ثابت نہیں ہے۔

12. یہ بکری کے بچے کے گھٹنے کی طرح تھی۔ الطبرانی اور ابونعیم نے "المعرفۃ" حضرت عباد بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مہر نبوت حضور اکرم ﷺ کے بائیں کندھے کی ایک طرف میں تھی۔ وہ بکری کے بچے کے گھٹنے کی طرح تھی۔ آپ ناپسند کرتے تھے کہ مہر نبوت کو دیکھا جائے۔" اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

13. وہ کبوتری کے انڈے کی طرح تھی جس کے اندرونی حصہ میں "الله وحده لا شريك له" اور بیرونی حصہ میں "توجّه حيث شئت فانك منصور" لکھا ہوا تھا۔" اس روایت کو امام ترمذی اور ابونعیم نے لکھا ہے۔ الموردمیں ہے یہ حدیث باطل ہے۔ اس کی مزید تفصیل آٹھویں تنبیہ میں آئے گی۔

14. وہ تاباں نور کی طرح تھی۔ اسے ابن عائذ نے روایت کیا ہے۔

15. وہ تین اکٹھے بال تھے۔ اسے ابوعبداللہ محمد القضاعی نے روایت کیا ہے۔

16. وہ کبوتری کے بالوں کی طرح تھی۔ اسے ابن ابی عاصم نے اپنی سیرت میں لکھا ہے۔
17. وہ چھوٹا سا سیاہ نشان تھا جو گہرے بھورے رنگ کی طرف مائل تھا۔
18. وہ اس چیز کی طرح تھی جس سے مہر لگائی جاتی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرو بن اخطب ابوزید الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے حضور ﷺ کی کمر انور پر مہر نبوت دیکھی'' پھر انہوں نے اپنے ناخن سے اشارہ کیا گویا کہ وہ مہر لگا رہے ہوں۔
19. یہ آپ کے کندھوں کے مابین چاند کے دائرہ کی طرح تھی۔ جس میں دو سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ پہلی سطر میں لا الہ الا اللہ جبکہ دوسری میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اسے ابودحداح احمد بن اسماعیل دمشقی نے اپنی سیرت کی پہلی جلد میں لکھا ہے ''المورد اور الغرر'' میں ہے یہ روایت باطل ہے۔
20. وہ شتر مرغ کے انڈے کی طرح تھی۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے آپ کے کندھوں کے مابین مہر نبوت دیکھی وہ شتر مرغ کے انڈے کی طرح تھی۔ وہ آپ کے جسم کے مشابہ تھی۔ الحافظ ابوالحسن الہیثمی نے ''موارد الظمآن'' میں لکھا ہے کہ صحیح حدیث میں اسی طرح مروی ہے۔ البتہ وہاں تحریر ہے کہ مہر نبوت کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔ درست بھی یہی ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ امام مسلم کی روایت میں ہے کہ مہر نبوت بکرے کے بچے کے گھٹنے کی طرح تھی۔ ابن حبان کی روایت بعض راویوں کی وجہ سے درست نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے ''اتحاف المہرۃ'' میں دیکھا ہے وہاں شہاب الدین بوصیری نے لکھا ہوا ہے کہ وہ اونٹ کے گھٹنے کی مانند تھی۔ انہوں نے صحابی کا نام مٹا دیا ہے اسے مسند ابویعلی کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ بعض راویوں کا وہم ہے۔ کیونکہ اصل الفاظ بکری کے بچے کے گھٹنے کی مانند تھے جسے اونٹ کے گھٹنے کی طرح سے تبدیل کر دیا ہے۔ پھر میں نے ابن عساکر کی تاریخ دیکھی۔ انہوں نے یہ روایت ابویعلی کی سند سے رقم کی ہے۔ صحابی کا نام عباد بن عمرو لکھا ہے۔ الحافظ کے الاصابۃ میں لکھا ہے اس کی سند میں ایسا شخص ہے جو معروف نہیں ہے۔ یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ وہ بکری کے بچے کے گھٹنے کی طرح تھی۔

21. وہ ابھرتے ہوئے سرخ گوشت کی طرح تھی۔ ابن ضحاک نے حضرت جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''مہر نبوت سرخ ابھرے ہوئے گوشت کی طرح تھی جو کبوتری کے انڈے کی مثل تھی۔''

تنبیہات

1. آپ کے جسدِ اطہر میں مہر نبوت کہاں تھی اس جگہ میں اختلاف ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ وہ آپ بائیں کندھے کی

بالائی ہڈی کے پاس تھی۔ حضرت سلمان سے شاذ روایت میں ہے کہ وہ آپ کے بائیں کندھے کی ہڈی کے پاس تھی۔ اس روایت کو امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں حضرت سلمان سے روایت کیا ہے۔ لیکن میں نے یہ روایت دونوں نسخوں میں نہیں دیکھی۔ نہ ہی ختم نبوت کی بعثت میں اور نہ ہی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے۔" گویا کہ یہ کسی اور جگہ ہے۔

◆ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہ ساری روایات معنی میں قریب قریب ہیں۔ یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر راوی نے مہر نبوت کو اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جو اسے مناسب لگی۔ مثلاً حجلہ کے انڈے (قبہ کے بٹن کی طرح) کسی نے کہا ہے کسی نے کبوتری کے انڈے کی طرح کہا ہے۔ کسی نے سیب کے دانے کی طرح کسی نے ابھرے ہوئے گوشت کی طرح کہا ہے۔ کسی نے سینگی کے نشان کی طرح کسی نے بکری کے بچے کے گھٹنے کی طرح کہا ہے ان سارے الفاظ کا مدعا ایک ہی ہے یعنی گوشت کا حصہ۔ جس نے اسے بال کہا ہے تو اس کی وجہ ہے کہ مہر نبوت کے اردگرد بال اگے ہوئے تھے۔ امام قرطبی نے "المفهم" میں کہا ہے کہ یہ ساری روایات ثابت کرتی ہیں کہ مہر نبوت سرخ رنگ کی ابھری ہوئی چیز تھی۔ جو آپ کے بائیں کندھے کے پاس تھی۔ جب وہ کم ہوتی تو وہ کبوتری کے انڈے کی طرح اور بڑھتی تو وہ ہاتھ کی مٹھی کی طرح ہو جاتی تھی۔ قاضی علیہ الرحمۃ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ البتہ انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے "لیکن وہ روایت جس میں ہے کہ یہ بند مٹھی کی طرح تھی ظاہر میں اس کی مخالفت ہے۔ کثیر روایات کے مطابق اس کی تاویل کی جائے گی۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ بند مٹھی کی ہیئت میں تھی لیکن اس سے کم تھی۔ یہ کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔"

◆ امام سہیلی نے لکھا ہے" آپ کے بائیں کندھے کی ہڈی کے پاس مہر نبوت ہونے میں یہ حکمت ہے کہ آپ شیطان کے وسوسہ سے معصوم ہیں۔ شیطان اسی جگہ سے ابن آدم میں وسوسہ سازی کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابو عمر نے قوی سند سے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے رب تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ بنو آدم میں شیطان کی جگہ دکھا دے۔" اسے ایک شفاف جسم دکھایا گیا جس کا اندر باہر سے نظر آتا تھا۔ اسے شیطان کو ایک مینڈک کی شکل میں دکھایا گیا جو اس کے کندھے پر دل کے بالکل بالمقابل تھا۔ مچھر کی سونڈھ کی طرح اس کی سونڈھ تھی۔ وہ اس کے کندھے کے بائیں طرف سے دخل اندازی کر رہا تھا۔ جب اس نے رب تعالیٰ کا ذکر کیا تو وہ بھاگ گیا۔"

امام سہیلی نے لکھا ہے" اعتبار کی جہت سے مہر نبوت لگانے میں حکمت یہ ہے کہ جب آپ کا قلب انور ایمان سے بھر دیا گیا تو اس پر مہر لگا دی گئی۔ جس طرح اس برتن پر مہر لگا دی جاتی ہے، جو مشک یا جواہرات سے بھرا ہو۔ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے سارے اجزاء جمع فرمائے۔ آپ کی تکمیل فرما کر اس پر

مہر نبوت لگا دی۔ اس مہر کی وجہ سے نہ تو آپ اور نہ ہی آپ کا دشمن اس تک پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ چیز محفوظ ہوتی ہے جس پر مہر لگا دی جائے۔ رب تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی ہمارے لیے اسی طرح تدبیر فرمائی ہے جب ہم کسی چیز کو مہر سمیت حاصل کرتے ہیں تو شک ختم ہو جاتا ہے۔ لوگوں کے مابین جھگڑا اٹھ جاتا ہے اسی طرح رب تعالیٰ نے آپ کے دل میں مہر لگا دی۔ جس سے آپ کا دل مطمئن ہو گیا اس میں اس نے نور ڈالا۔ دل کی قوت میں اضافہ ہوا۔ وہ کندھوں کے مابین سے انڈے کی طرح ظاہر ہو گیا۔

◈ الحافظ نے لکھا ہے کہ ان احادیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مہر نبوت آپ کی ولادت کے وقت نہ تھی۔ یہ اس وقت لگائی گئی جب حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آپ کا شق صدر ہوا۔ اس شخص کی گرفت کی گئی ہے جو یہ کہتا ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت مہر نبوت تھی۔ اس قول کو ابوالفتح نے لکھا ہے۔ دوسرا مؤقف یہ ہے کہ ولادت کے وقت یہ مہر موجود تھی۔ ابن عائذ کا یہی مؤقف ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ پہلا قول صحیح ہے میں کہتا ہوں کہ "الغرر" میں بھی اسی مؤقف کو درست مانا گیا ہے۔ ان روایات کا بھی یہی تقاضا ہے۔ جن کو شق صدر کے باب میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا اور اس حدیث پاک کا تقاضا ہے جسے اس باب کے آغاز میں ذکر کیا گیا مہر نبوت تین بار لگائی گئی۔

◈ بنو سعد کے ہاں۔ ◈ بعثت کے وقت۔ ◈ شب معراج کو۔

آپ کی دس سال کی عمر میں جو شق صدر ہوا اس میں مجھے مہر نبوت کا تذکرہ نظر نہیں آیا۔

◈ الحافظ برھان الدین الحلبی سے پوچھا گیا کہ کیا ختم نبوت حضور ﷺ کی خصوصیت تھی۔ یا ہر نبی پر خاتم نبوت لگی ہوتی تھی۔ انہوں نے کہا: "مجھے تو اس ضمن میں کچھ علم نہیں۔ لیکن جو بات ظاہر ہے وہ یہی ہے کہ یہ بھی اعتبار سے آپ کے لیے خاص ہے۔ (ا) یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ جبکہ آپ کے علاوہ کوئی اور نبی اس طرح نہ تھا۔ کیونکہ باب نبوت آپ پر بند ہو گیا ہے۔ آپ کے بعد یہ کبھی بھی نہیں کھولا جائے گا۔ حاکم نے حضرت وھب بن منبہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے "رب تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر اس کے دائیں ہاتھ پر نبوت کی علامت ہوتی تھی۔ جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ کی نبوت کی علامت آپ کے کندھوں کے مابین تھی۔"

◈ قاضی نے کہا ہے کہ مہر ملائکہ کے اس شق کا اثر تھا جو انہوں نے آپ کے کندھوں کے مابین کیا تھا۔ لیکن امام نووی نے ان کی گرفت کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ مؤقف درست نہیں۔ آپ کے سینہ اور پیٹ کو شق کیا گیا تھا۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ اس شق کا اثر ایک واضح خط کی شکل میں تھا۔ جو آپ کے سینۂ اقدس سے لے کر آپ کے بطن اقدس کے نیچے نرم حصہ تک تھا۔ جیسے کہ صحیح میں ہے۔ شق اس طرح ثابت نہیں کہ وہ آپ کی کمر انور تک پہنچ گیا ہو اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ شق آپ کے شانوں کے مابین سے لے کر آپ کے

بطن اقدس ہوگا۔ قاضی کا یہ نظریہ درست نہیں ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ میں قاضی علیہ الرحمۃ کے مؤقف کی روایت سے آگاہ ہوا ہوں۔ وہ عتبہ بن عبدالسلمی کی روایت ہے۔ اس میں ہے کہ جب دو فرشتوں نے آپ کا شق صدر کیا تو ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا: ''اسے سی دو۔'' اس نے اسے سی دیا اور اس پر مہر نبوت لگا دی۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ ختم نبوت آپ کے کندھوں کے مابین تھی تو یہ اسی مہر کا اثر تھا۔ امام نووی اور ان کے ہم نوا دیگر علماء نے سمجھا ہے ''بین کتفیہ'' شق کے متعلق ہے۔ بلکہ وہ تو ختم کے متعلق ہے۔ ابو یعلی اور ابو نعیم نے حضرت شداد بن اوس سے جو روایت نقل کی ہے۔ وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ فرشتے نے جب آپ کا قلب انور نکالا۔ اسے دھویا۔ پھر اسے اسی جگہ لوٹا دیا۔ اس کے ہاتھ میں نور کی مہر تھی۔ اس نے اسی سے اس پر مہر لگا دی۔ یہی نور نبوت ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ظَھَرَ سے مراد من وراظھر ہو۔ یعنی آپ کے بائیں کندھے کے پاس کیونکہ دل اسی جہت میں ہوتا ہے۔

ابوداؤد طیالسی، ابن ابی اسامہ نے دلائل میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل نے جب بعثت کے وقت آپ کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ''حضرت جبرائیل امین نے مجھے گدی کے بل لٹایا۔ پھر میرا دل چاک کیا اسے باہر نکالا۔ اسے سونے کے طشت میں آبِ زمزم سے دھویا۔ پھر اسے اس کی جگہ رکھ دیا۔ پھر اسے اسی جگہ جوڑ دیا۔ اس نے مجھے لٹایا۔ میری کمر پر مہر لگائی۔ حتیٰ کہ میں نے دل میں اس مہر کی ٹھنڈک محسوس کی۔ اس نے کہا ''اقراء'' یہ قاضی علیہ الرحمۃ کی وہ روایت ہے جس سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ یہ باطل نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تیسری تنبیہ میں امام سہیلی کا کلام گزر چکا ہے، جو امام قاضی علیہ الرحمہ کے کلام کی وضاحت کرتا ہے۔

۷ حضرت شداد بن اوس کی روایت میں ہے کہ آپ کا اس وقت شق صدر ہوا جب آپ بنو سعد کے ہاں جلوہ افروز تھے۔ اس میں ہے۔ ''فرشتہ آیا۔ اس کے ہاتھ میں مہر نبوت تھی۔ جس سے شعاعیں نکل رہی تھیں۔ اس نے آپ کے سینہ اقدس کے وسط میں اور کندھوں کے مابین مہر لگا دی۔'' اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ آپ کے دو مقامات پر مہر نبوت لگی ہوئی تھی۔

۸ الحافظ نے لکھا ہے کہ جو یہ کہا گیا ہے کہ مہر نبوت سینگی کے اثر کی طرح تھی یا سیاہ تل یا سبز تل تھا جس پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ او سر فانك منصور" لکھا ہوا تھا۔ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ القطب نے المورد میں اور محب بن شہاب نے الغرر میں لکھا ہے کہ یہ روایت باطل ہے۔ ابوخطاب ابن دحیہ نے حکیم ترمذی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ وہ مہر نبوت جو حضور ﷺ کے مبارک شانوں کے مابین تھی وہ گویا کہ کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔ جس کے باطن میں "اللہ واحد" اور ظاہر میں توجہ حیث شئت

فانك منصور لکھا ہوا تھا۔ ابن منصور نے لکھا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

٩ ایک قول یہ ہے کہ یہ مہر نبوت جو آپ کے کندھوں کے مابین تھی یہ آپ کے وصال کے وقت اٹھالی گئی تھی۔ اسی سے آپ کے وصال کی پہچان ہوئی۔ ابونعیم اور امام بیہقی نے امام واقدی کے شیوخ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے "صحابہ کرام کو حضور ﷺ کے وصال میں شک ہوا۔ بعض نے کہا: "آپ کا وصال ہو گیا ہے۔" بعض نے کہا: "آپ کا وصال نہیں ہوا ہے۔" حضرت اسماء بنت عمیس نے اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے شانوں کے مابین رکھا اور کہا" آپ کا وصال ہو گیا ہے" آپ کے کندھوں سے ختم نبوت اٹھالی گئی ہے۔ اسی سے آپ کے وصال کی پہچان ہوئی۔ ابن سعد نے واقدی سے اور انہوں نے ام معاویہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ واقدی متروک ہے بلکہ جماعت نے انہیں کذاب کہا ہے۔

"الزھرہ" میں ہے کہ حاکم نے اپنی تاریخ میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت تحریر کی ہے کہ انہوں نے اس وقت حضور ﷺ کو چھوا جب آپ کا وصال ہوا تو انہوں نے پایا کہ مہر نبوت کو اٹھا لیا گیا تھا۔ مجھے حاکم کی تاریخ کا نصف حصہ ملا۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا اس میں مجھے یہ روایت نظر نہ آئی۔ گویا کہ وہ مجھے نظر نہ آئی تا کہ میں اس کی سند دیکھتا۔ میں اسے صحیح گمان نہیں کرتا۔ الاصطفاء میں ہے اگر کہا جائے کہ حضور ﷺ کی رسالت اور نبوت حضور ﷺ کے وصال کے بعد حقیقت میں باقی ہیں جیسے مؤمن کا ایمان وصال کے بعد باقی رہتا ہے۔ کیونکہ روح ہی نبوت، رسالت اور ایمان سے متصف ہوتی ہے روح باقی رہتی ہے وہ جسم کی موت سے متغیر نہیں ہوتی۔ تو پھر مہر نبوت کو کیوں اٹھا لیا گیا جو کہ نبوت و رسالت کی علامت تھی۔ میں کہتا ہوں" کیونکہ اسے ایک حکمت کے تحت لگایا گیا تھا۔ وہ شیطان سے تحفظ اور حفاظت تھی۔ وصال سے اس سے تحفظ مل گیا۔ لہٰذا اسے جسم اطہر میں باقی رکھنے کا فائدہ نہ رہا۔ امام نسفی نے ذکر کیا ہے کہ انبیائے کرام کے وصال کے بعد نبوت و رسالت کے وصف ان میں حقیقۃً باقی رہتا ہے۔ ابوالحسن الاشعری اور ان کے عام ساتھیوں کا یہی مؤقف ہے۔ لیکن اس طرح نہیں جس طرح نسفی نے لکھا ہے کیونکہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں عنقریب اس کی تحقیق آئے گی۔

١٠ حافظ ابراہیم حربی نے اپنی غریب میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے بٹھایا۔ مہر نبوت میرے منہ سے لگ رہی تھی۔ اس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔"

❁❁❁

تیرھواں باب

سینۂ اقدس، پیٹ مبارک

حضرت ہند بن ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا سینۂ اقدس وسیع تھا۔ آپ کا پیٹ مبارک برابر تھا۔ سینہ قدرے آگے کو نکلا ہوا تھا۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "نہ آپ کو پیٹ کا موٹاپا تھکاتا تھا نہ ہی اس کا کمزور ہونا آپ میں عیب پیدا کرتا تھا۔"

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے جب بھی حضور اکرم ﷺ کو دیکھا مجھے تو وہ کاغذ یاد آئے جو ایک دوسرے پر لپیٹے ہوئے ہوں۔"

حافظ ابو بکر احمد بن ابی خثیمہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے پیٹ مبارک کی تین سلوٹیں تھیں۔ ایک ازار بند کے نیچے ہوتی تھی جبکہ دو ظاہر ہوتی تھیں۔ بعض علما نے فرمایا ہے کہ دو سلوٹیں ازار بند کے نیچے ہوتی تھی۔ ایک ظاہر ہوتی تھی۔ یہ سلوٹیں لپٹے ہوئے سفید کپڑے کی طرح تھیں۔ بہت ہی نرم تھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا پیٹ مبارک اور سینۂ اقدس برابر تھا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے وہ اعضاء مبارکہ جن پر کپڑا نہ ہوتا تھا وہ بھی روشن تھے۔ سینہ کی ہڈی اور ناف کے مابین بالوں کا خط ملا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ سینہ اقدس اور پیٹ مبارک بالوں سے صاف تھا۔ دونوں بازو، دونوں کندھوں اور سینہ کے اوپر والے حصہ میں بال اگے ہوئے تھے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے پہلو روشن تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے پہلو سفید تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سینہ اقدس سے لے کر ناف تک بالوں کی لائن تھی۔ یہ بال ایک خط کی مانند تھے۔ آپ کے بقیہ سینے اور پیٹ پر بال نہ تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سینہ اقدس کے اوپر سے لے کر ناف تک بالوں کا ایک خط بنا ہوا تھا۔ گویا کہ وہ مشک اذفر کی ایک سطر تھی۔ آپ کے جسم اطہر اور سینۂ اقدس پر ان کے علاوہ اور بال نہ تھے۔

❁❁❁

چودھواں باب

شق صدر

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ (الشرح:۱)

ترجمہ: ''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔''

الکشاف میں ہے کہ یہ علی وجہ انکار انشراح صدر کی نفی پر استفہام ہے۔ اس سے انشراح صدر کے اثبات اور ایجاب میں مبالغہ مقصود ہے۔ گویا کہ آپ سے کہا گیا: ''ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کھول دیا ہے۔'' اسی لیے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا ''وَوَضَعْنَا'' پر عطف کیا ہے۔

علامہ الطیبی نے لکھا ہے یعنی عدم انشراح کا انکار کیا ہے جب اس کا انکار ہوا تو انشراح ثابت ہو گیا۔ کیونکہ ہمزہ انکار کے لیے ہے۔ انکار نفی کے لیے ہے۔ جب نفی نفی پر داخل ہو تو اثبات لازم آتا ہے۔ اس ہمزہ کو تقریر بنانا درست نہیں ہے۔ علامہ راغب نے لکھا ہے کہ ''الشرح'' کا اصل معنی ہے گوشت پھیلانا اسی سے شرح صدر ہے۔ اس سے مراد رب تعالیٰ کی طرف سے سینہ اقدس کا نور الٰہی کی وجہ سے اس کی طرف سے سکینہ اور سکون کی وجہ سے پھیل جانا ہے۔'' انہوں نے لکھا ہے ''صدر سے مراد سینہ ہے۔ اس کی جمع صدور ہے'' بعض حکماء نے لکھا ہے کہ جہاں رب تعالیٰ نے دل کا کہا ہے تو وہاں عقل اور علم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ۔ (ق:۳۷)

ترجمہ: ''بیشک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل (بینا) رکھتا ہو۔''

جہاں اس نے سینہ کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد شہوت اور خواہش کے سارے اعضاء ہیں۔ جیسے:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿٢٥﴾ (طٰہٰ:۲۵)

ترجمہ: ''اے میرے پروردگار! کشادہ فرما دے میرے لیے میرا سینہ۔''

یہاں سارے قویٰ کی اصلاح مراد ہے۔ اسی طرح فرمایا:

وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾ (التوبہ:۱۴)

ترجمہ: ''اور صحت مند کر دے گا اس جماعت کے سینوں کو جو اہلِ ایمان ہے۔''

مکی نے لکھا ہے کہ صدر سے مراد دل ہے کیونکہ فہم اور علم اسی میں ہوتا ہے اسے دل کے قرب اور اس کے ساتھ ملے ہونے کی وجہ سے صدر کہا جاتا ہے۔ حکیم ترمذی نے لکھا ہے کہ اس جگہ صدر کا ذکر کیا دل کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ سینہ میں وسوسہ کی جگہ ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ نے اس وسوسہ کو ختم کر دیا۔ اسے خیر کے دواعی میں بدل دیا اسی سے مراد شرح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دل عقل اور معرفت کی جگہ ہے۔ شیطان اسی کا قصد کرتا ہے۔ شیطان سینے کی طرف آتا ہے جو دل کا قلعہ ہوتا ہے۔ جب اس میں راہ پاتا ہے تو اس پر حملہ آور ہو جاتا ہے انسان تنگ دل ہو جاتا ہے۔ وہ اطاعت میں لذت نہیں پاتا نہ ہی اسلام کی حلاوت پاتا ہے جب وہ ابتداء سے ہی اپنے دشمن کو دھتکار دے تو اسے امن حاصل ہو جاتا ہے تنگی دور ہو جاتی ہے۔ انشراح صدر ہو جاتا ہے۔ عبودیت کی ادائیگی کے لیے قیام آسان ہو جاتا ہے۔ الاستاذ ابو علی دقاق نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ مرید تھے۔ انہوں نے عرض کی: "رب اشرح لی صدری" ہمارے نبی کریم ﷺ مراد تھے آپ سے فرمایا گیا "الم نشرح لك صدرك"۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ "الم نشرح لک صدرک" نہیں فرمایا گیا یعنی اس میں لَکَ ذکر کیا گیا۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔

1. رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ یہ شرح صدر صرف آپ کے لیے ہے جس طرح آپ صرف میرے لیے اطاعت کرتے ہیں۔
2. اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ رسالت کے منافع آپ ﷺ کی طرف ہی لوٹتے تھے۔ گویا کہ کہا گیا کہ ہم نے آپ کا سینہ آپ کے لیے کھولا ہے۔ اپنے لیے نہیں کھولا۔ "نشرح" میں "ن" عظمت کے لیے ہے۔ کیونکہ منعم کی عظمت نعمت کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ جن و انسان کے جھگڑے کی وجہ سے آپ تنگ دل ہوتے تھے۔ آپ کو رب تعالیٰ نے اتنی وسعت عطا کی تھی۔ جس سے آپ یہ سب کچھ برداشت کر لیتے تھے۔

اس آیت طیبہ کے بارے مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ امام بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے اسے اتنا وسیع کیا حتیٰ کہ اس میں حق کے ساتھ مناجات اور خلق کو دعوت سما گئیں۔ آپ غائب ہوتے ہوئے بھی حاضر ہوتے تھے۔ یا ہم نے اس میں حکمتیں ودیعت کر کے اور جہالت کی تنگی کو دور کر کے اسے وسیع کیا۔ یا آپ کے لیے وحی کے حصول کو آسان بنایا ہے حالانکہ یہ پہلے آپ پر بہت گراں تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جس میں بچپن میں یا اس روز جس دن آپ سے میثاق لیا گیا۔ حضرت جبرائیل آپ کے پاس آئے۔ آپ کا دلِ انور نکالا۔ اسے دھویا اسے علم اور ایمان سے بھرا شاید یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ الشیخ نے لکھا ہے "اگر اس سے مراد وہ میثاق ہے جو عالم ذر میں لیا گیا تھا تو پھر اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور اگر اس سے مراد وہ دن ہے جس دن آپ مبعوث ہوئے۔" اس جگہ شیخ

کی عبارت محذوف ہے میں کہتا ہوں گویا کہ انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کی اصل ہے۔

ان اقوال اور شق صدر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ شرح صدر سے مراد اس کا شق کرنا ہے۔ اس سے تکلیف دہ چیز نکالنا ہے۔ اسی کی طرف ابن جریر اور ابن کثیر نے اشارہ کیا ہے۔

شق صدر چار بار ہوا

1. امام بیہقی نے حضرت ابراہیم بن طہمان سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضرت سعد سے رب تعالیٰ کے اس فرمان الم نشرح لك صدرك کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے قتادہ نے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے تو انہوں نے فرمایا: "آپ کے سینہ اقدس سے لے کر آپ کے پیٹ کے نچلے حصہ تک شق صدر ہوا۔ آپ کا قلب انور باہر نکالا گیا....."

امام احمد اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل امین آئے۔ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو پکڑا زمین پر لٹایا قلب انور شق کیا دل باہر نکالا اسے شق کیا اس سے لوتھڑا باہر نکالا۔ کہا: "یہ آپ کے جسم اطہر میں سے شیطان کا حصہ تھا۔ پھر قلب انور کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا۔ پھر اسے سی دیا اور اسے اپنی جگہ لوٹا دیا۔ بچے دوڑ کر آپ کی رضاعی امی کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے۔" جب وہ آپ کے پاس آئے تو آپ کا رنگ متغیر تھا۔ حضرت انس نے فرمایا: "میں سوئی کے اثرات آپ کے سینہ اقدس پر دیکھ سکتا تھا۔"

امام احمد، امام دارمی، امام حاکم، طبرانی اور بیہقی نے حضرت عتبہ بن عبد سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری رضاعی امی بنو سعد میں سے تھیں۔ میں اور ان کا نورِ نظر بکریاں چرانے گئے۔ ہم اپنے ساتھ کھانا لے کر نہیں گئے تھے۔"

میں نے کہا: "میرے بھائی! جاؤ اور ہمارے لیے امی جان سے کھانا لے کر آؤ۔" میرا رضاعی بھائی چلا گیا۔ میں بکریوں کے پاس ٹھہر گیا۔ میرے پاس دو پرندے آئے۔ گویا کہ وہ گدھ تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا "کیا یہ وہی ہیں" دوسرے نے کہا "ہاں! وہ جلدی سے میرے پاس آئے۔ مجھے گدی کے بل لٹایا۔ میرا پیٹ چاک کیا۔ میرا دل نکالا۔ اسے چیرا۔ اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "میرے پاس برف کا پانی لے کر آؤ۔" انہوں نے اس سے میرا پیٹ دھویا۔ پھر اس نے کہا: "میرے پاس برف کا پانی لے کر آؤ۔" انہوں نے اس کے ساتھ میرا دل دھویا۔ اس نے کہا: "میرے پاس سکینہ لے کر آؤ۔" اس نے اسے میرے دل میں انڈیل دیا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "اسے سی دو۔" اس نے اسے سی دیا اور اس پر مہر نبوت لگا دی۔"

دوسری بار

اس وقت آپ کی عمر مبارک دس سال تھی۔ عبداللہ بن امام احمد نے زوائد مسند میں ثقہ راویوں سے ابن حبان، حاکم، ابونعیم، ابن عساکر اور ضیاء نے "المختارۃ" میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ! آپ کی نبوت کا ابتدائی معاملہ کیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "میں صحرا میں تھا۔ میں چل رہا تھا۔ میری عمر دس برس تھی۔ میں نے اچانک اپنے سر کے اوپر دو آدمی دیکھے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ "کیا یہ وہی ہیں؟" اس نے کہا: "ہاں! انہوں نے مجھے پکڑ لیا۔ میں نے ان جیسے آدمی کبھی نہ دیکھے تھے۔ نہ ہی اتنی پاکیزہ ارواح اور اتنے صاف کپڑے دیکھے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے مجھے بازوؤں سے پکڑا۔ میں اس کے پکڑنے کا لمس بھی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا "انہیں لٹا دو" انہوں نے مجھے بالکل سیدھا لٹا دیا۔ یا انہوں نے مجھے گدی کے بل لٹا دیا۔ پھر میرا پیٹ چاک کیا۔ دوسرے الفاظ میں ہے کہ ایک نے دوسرے سے کہا "اس کا سینہ شق کرو۔" ان میں سے ایک میرے سینے کی طرف جھکا اور جو کچھ نظر آیا اسے چیر دیا لیکن نہ خون نکلا نہ مجھے درد ہوا۔ ان میں سے ایک سونے کے ٹرے میں پانی لاتا رہا دوسرا میرا پیٹ دھوتا رہا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "ان کا سینہ شق کر دو۔" انہوں نے سینہ شق کیا لیکن مجھے درد نہ ہوا۔ پھر اس نے میرا دل چاک کیا۔ اس سے کینہ اور حسد نکال دیا۔ اس سے گوشت کا لوتھڑا نکالا اور اسے پھینک دیا۔ اس نے دوسرے سے کہا: "اس میں رحمت اور رافت ڈال دو۔" اس نے چاندی نما کوئی چیز دل میں ڈال دی۔ پھر اس نے سفوف نکالا۔ اور اسے سینہ پر پھینک دیا پھر مجھے کہا: "اٹھو، سلامت رہو" جب میں واپس آیا تو میرے دل میں چھوٹے کے لیے رحمت اور بڑے کے لیے رأفت تھی۔

تیسری بار

بعثت کے وقت، ابوداؤد الطیالسی، حارث بن اسامہ، امام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ایک مہینہ اعتکاف بیٹھنے کی نذر مانی۔ اتفاق سے وہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ایک دن آپ باہر نکلے۔ آپ نے سماعت فرمایا: "السلام علیک!" آپ نے فرمایا: "میں سمجھا کہ شاید کوئی جن ہے" میں جلدی سے آیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس داخل ہوا۔ انہوں نے عرض کی: "آپ کو کیا ہوا ہے؟" میں نے انہیں سارا واقعہ بتایا۔ انہوں نے فرمایا: "آپ کو بشارت ہو سلام بھلائی ہوتا ہے۔ پھر میں دوسری بار نکلا میں نے حضرت جبرائیل کو دیکھا۔ ان کا ایک پر مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی سمت تھا۔ میں خوفزدہ ہو گیا۔ میں جلدی سے گھر آنے لگا۔ میں نے انہیں اپنے دروازہ کے پاس پایا۔ انہوں نے مجھ سے کلام کیا حتیٰ کہ میں ان سے مانوس ہو گیا۔ پھر انہوں نے میرے ساتھ وعدہ کیا۔ میں وعدہ کے مطابق آیا۔ مگر وہ کچھ دیر سے آئے۔ میں واپس آنا ہی

چاہتا تھا کہ میں نے انہیں اور حضرت میکائیل کو دیکھ لیا۔ انہوں نے افق کو گھیر رکھا تھا۔ حضرت جبرائیل نیچے اترے اور حضرت میکائیل آسمان اور زمین کے مابین تھے۔ حضرت جبرائیل نے مجھے پکڑا مجھے گدی کے بل زمین پر لٹایا۔ میرا دل انور شق کیا پھر اس سے وہ کچھ نکالا جو کچھ رب تعالیٰ نے چاہا۔ پھر اسے سونے کے طشت میں آبِ زمزم سے دھویا۔ پھر اسی جگہ لوٹا دیا۔ پھر اسے سی دیا۔ مجھے الٹا کیا جس طرح برتن کو الٹا کیا جاتا ہے۔ میری کمر پر مہر نبوت لگائی۔ حتیٰ کہ میں نے مہر نبوت کو محسوس کیا۔

چوتھی بار:

امام مسلم اور برقانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "وہ میرے پاس آئے میں اپنے اہلِ خانہ میں تھا۔ مجھے زمزم کے پاس لایا گیا۔ میرا سینہ چاک کیا گیا۔ پھر سونے کا طشت لایا گیا جو حکمت و ایمان سے لبریز تھا۔ انہوں نے اسے میرے سینے میں انڈیل دیا۔ حضرت انس نے فرمایا: "حضور ﷺ ہمیں اپنا سینہ اقدس دکھایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: "پھر فرشتہ مجھے آسمان دنیا کی طرف لے گیا......"

امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں شبِ معراج کے بارے بتایا۔ انہوں نے فرمایا: "اسی اثناء میں کہ میں حطیم (حجر) میں تھا۔ میں وہاں لیٹا ہوا تھا۔ ایک آنے والا میرے پاس آیا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا: "ان تینوں میں سے درمیانے" وہ میرے پاس آیا اس نے یہاں سے یہاں تک سینہ چاک کیا۔ میرا دل باہر نکالا۔ میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے میرا قلب انور دھویا۔ پھر وہ طشت اس میں انڈیل دیا پھر اسے سی دیا۔ پھر میرے پاس ایک جانور لایا گیا جو خچر سے کم اور گدھے سے بڑا تھا۔"

وہ احادیث مبارکہ جن میں شق صدر کا تذکرہ زمانہ کی تعیین کے بغیر ہے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کو کیسے علم ہوا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں حتیٰ کہ آپ کو یقین ہو گیا۔" آپ نے فرمایا: "ابوذر! میرے پاس دو فرشتے آئے میں وادیٔ بطحاء میں تھا۔ ان میں سے ایک زمین پر آیا دوسرا آسمان اور زمین کے مابین تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "کیا یہ وہی ہیں؟" اس نے کہا: "ہاں! یہ وہی ہیں۔ اس نے کہا: "ان کا ایک آدمی کے ساتھ وزن کرو۔" میرا وزن ایک شخص کے ساتھ کیا گیا۔ میرا پلڑا جھک گیا۔ پھر اس نے کہا: "ان کا وزن دس آدمیوں کے ساتھ کرو۔" اس نے میرا وزن دس آدمیوں کے ساتھ کیا۔ میرا پلڑا جھک گیا۔" پھر اس نے کہا: "ان کا وزن سو افراد کے ساتھ کرو۔" اس نے سو افراد کے ساتھ میرا وزن کیا۔ میرا پلڑا جھک گیا۔ اس نے کہا "اب ان کا وزن ایک ہزار افراد کے ساتھ کرو۔" اس نے

میرا وزن ایک ہزار افراد کے ساتھ کیا۔ وہ ترازو کے پلڑے سے میرے اوپر گرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "اگر ان کا وزن ان کی پوری امت سے کرو گے پھر بھی ان کا پلڑا جھک جائے گا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا "ان کا پیٹ چاک کرو۔" اس نے میرا پیٹ چاک کیا۔ پھر اس نے کہا: "ان کا قلب انور دھو دو۔" اس نے میرا دل شق کیا۔ اس میں سے مغمز الشیطان نکالا۔ گوشت کا لوتھڑا نکالا۔ انہیں پھینک دیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا "ان کے پیٹ کو اس طرح دھو دو جس طرح برتن دھویا جاتا ہے ان کا دل اس طرح دھو دو جس طرح ازار دھویا جاتا ہے۔ پھر اس نے سکینہ کو منگوایا جو سفید برھرۃ کی طرح تھا۔ اس نے اسے میرے دل میں انڈیل دیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا "ان کا پیٹ سی دو۔" اس نے میرا پیٹ سی دیا۔ میرے کندھوں کے مابین مہر نبوت لگا دی۔ پھر وہ مجھ سے دور چلے گئے گویا کہ میں یہ سارا واقعہ اپنی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

امام بیہقی نے حضرت یحییٰ بن جعدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو فرشتے میرے پاس آئے۔ وہ سارس کی شکل میں تھے۔ ان کے پاس ثلج، برد اور ٹھنڈا پانی تھا۔ ان میں سے ایک نے میرا سینہ شق کیا۔ دوسرے نے اپنی چونچ سے اس میں یہ اشیاء انڈیلیں اور قلب انور دھو دیا۔ ابونعیم نے حضرت یونس بن میسرہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس فرشتہ آیا۔ اس کے پاس سونے کا طشت تھا۔ اس نے میرا پیٹ چاک کیا۔ انہوں نے میری آنتیں نکالیں۔ پھر انہیں دھویا پھر ان پر سفوف چھڑکا اس نے کہا: "یہ ایک محکمہ دل ہے۔ یہ اسے یاد رکھتا ہے۔ جو اس میں رکھا جاتا ہے۔ اس میں دو دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ دو سننے والے کان ہیں آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ مقفی اور حاشر ہیں۔

آپ کا قلب سلیم ہے۔ آپ کی زبان مبارک سچی ہے آپ کا نفس مطمئنہ ہے۔ آپ کے اخلاق عمدہ ہیں۔ آپ قثم ہیں۔"

دارمی، ابن عساکر نے ابن غنم سے روایت کیا ہے۔ ان کی صحابیت میں اختلاف ہے۔ انہوں نے کہا: "حضرت جبرائیل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ آپ کا قلب انور شق کیا۔ پھر حضرت جبرائیل نے کہا: "آپ کا قلب انور محکم ہے۔ اس میں دو سننے والے کان دو دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ مقفی اور حاشر ہیں۔ آپ کے اخلاق عمدہ ہیں آپ کی زبان سچی ہے۔ آپ کا نفس مطمئنہ ہے۔

تنبیہات

1. الحافظ ابوالفضل عراقی نے کہا ہے کہ ابن حزم اور عیاض نے شب معراج کو شق صدر کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ شریک کی تخلیط ہے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ یہ روایت صحیحین میں شریک کی سند کے علاوہ بھی منقول ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے "شب معراج کو شق صدر کے انکار کے بارے توجہ نہیں کی جائے گی۔

کیونکہ اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں۔" الحافظ نے لکھا ہے: "بعض علماء نے شب معراج کو شق صدر کا انکار کیا ہے۔اس کے بارے روایات متواتر ہیں۔

- ۲ امام قرطبی اور تورپشتی نے شرح المصابیح میں اور الطیبی نے شرح مشکاۃ میں الحافظ اور الشیخ وغیرہما نے لکھا ہے کہ شق صدر کے بارے جتنی روایات ہیں۔ جن میں قلب انور کے نکالنے کا تذکرہ ہے۔ انہیں کسی تعرض کے بغیر ہی تسلیم کرنا ضروری ہے۔ انہیں حقیقت سے پھیرنا درست نہیں کیونکہ رب تعالیٰ میں یہ قدرت ہے۔ اس میں سے کچھ بھی محال نہیں۔ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام آپ کے سینہ میں سوئی کے نشانات دیکھا کرتے تھے۔
- ۳ علامہ ابن منیر نے کہا ہے کہ آپ کا شق صدر ہوا اور آپ نے اس پر صبر کیا۔ یہ عمل اس عمل کی جنس سے ہے۔ جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آزمایا گیا بلکہ اس سے جلیل تر اور مشکل تر ہے۔ کیونکہ وہ معاریض تھیں یہ حقیقت ہے۔ شق صدر بھی بار بار ہوا۔ آپ یتیم تھے معصوم بچپن میں تھے۔ اپنے اہلِ خانہ سے دور تھے۔
- ۴ شیخ الاسلام ابوالحسن السبکی سے سوال کیا گیا کہ وہ سیاہ لوتھڑا کیا تھا جو آپ کے قلب انور سے شق صدر کے وقت نکالا گیا۔ نیز فرشتے کے اس قول کا مفہوم کیا ہے "یہ آپ میں سے شیطان کا حصہ تھا۔" انہوں نے جواب دیا ہے "یہ لوتھڑا بشر کے قلوب میں رب تعالیٰ پیدا فرماتا ہے۔ اسی میں ہی ابلیس وسوسہ سازی کرتا ہے۔ اسے آپ سے ختم کر دیا گیا۔ اب آپ میں ایسی جگہ نہ تھی۔ جس میں شیطان کچھ وسوسہ کر سکتا۔ حدیث پاک کا یہی مفہوم ہے۔ ورنہ آپ کے جسم اطہر میں شیطان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ فرشتے نے جو کچھ پھینکا تھا وہ ایسا امر تھا جو بشری جبلات میں شامل تھا۔" امام سبکی سے پوچھا گیا "رب تعالیٰ نے آپ کی مبارک ذات میں یہ لوتھڑا پیدا کیوں کیا تھا؟" کیا ممکن نہ تھا کہ رب تعالیٰ آپ کو اس کے بغیر ہی تخلیق فرما دیتا؟ انہوں نے فرمایا: "یہ انسانی اجزاء میں سے تھا۔ اس کی تخلیق انسانی تخلیق کی تکمیل کے لیے تھی۔ اس کی تخلیق ضروری تھی۔ کرامت ربانیہ کی وجہ سے اسے اتار کر پھینک دیا گیا۔" بعض علماء نے لکھا ہے اور اگر رب تعالیٰ آپ کو اس کے بغیر تخلیق فرماتا تو لوگوں کو اس کی حقیقت سے آگاہی نہ ہو سکتی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین کے ہاتھوں اسے عیاں کیا تاکہ آپ کے باطن کا کمال متحقق ہو سکے جیسے کہ آپ کے ظاہر کا کمال عیاں تھا۔
- ۵ شیخ ابو محمد بن ابی جمرہ نے کہا ہے کہ رب تعالیٰ آپ کے دل انور کو شق کیے بغیر ہی ایمان اور حکمت سے بھر سکتا تھا۔ پھر بھی آپ کا شق صدر کیا اس میں یہ حکمت ہے تاکہ آپ کی قوتِ یقین میں اضافہ ہو جائے۔ آپ کے شق صدر کو ملاحظہ کیا مگر اس کا اثر نہ لیا اس کے ساتھ ساتھ آپ سارے عادیہ خوفوں سے امن میں تھے۔ آپ حال اور مقال کے اعتبار سے سارے لوگوں سے شجاع تھے۔ رب تعالیٰ نے آپ کا وصف بیان کیا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾ (النجم: ١٧)

ترجمہ: "نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفی) اور نہ (حدادب سے) آگے بڑھی۔"

◆ اس میں اختلاف ہے کہ کیا شق صدر اور اس کا دھویا جانا آپ کے ساتھ مختص ہے یا دیگر انبیاء بھی اس میں شامل ہیں۔ شیخ نے عدم مشارکت کا قول کیا ہے۔ عنقریب خصائص میں آئے گا کہ صحیح یہ ہے کہ دیگر انبیاء بھی اس میں شامل ہیں۔

◆ بار بار شق صدر کے وقوع میں کیا حکمت ہے؟ الحافظ نے پہلی، تیسری اور چوتھی بار شق صدر کا تذکرہ کیا۔ پھر کہا: "ان تینوں بار میں حکمت ہے۔ جب پہلی بار شق صدر ہوا تو یہ آپ کا معصوم بچپن تھا۔ تاکہ آپ شیطان سے محفوظ ہو کر اعلیٰ احوال میں نشو ونما پاسکیں۔ پھر بعثت کے وقت شق صدر ہوا تاکہ آپ کے قلب انور میں جو کچھ القاء کیا جائے آپ قوی دل کے ساتھ اکمل احوال مین اسے حاصل کرسکیں۔ پھر معراج کے وقت شق صدر ہوا تاکہ آپ کا قلب انور مناجات کے لیے تیار ہو سکے۔

میں کہتا ہوں کہ وہ دوسری بار شق صدر کی حکمت بیان کرنے سے خاموش رہے حالانکہ اپنی کتاب التوحید میں یقین کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ دس سال کی عمر مکلف کی عمر کے قریب ہوتی ہے۔ آپ کا سینہ چاک کیا گیا۔ اسے پاک وصاف کیا گیا تاکہ کسی ایسی چیز کے ساتھ التباس لازم نہ آئے جس کی وجہ سے لوگوں پر عیب لگایا جاتا ہے۔" الحافظ نے لکھا ہے "شاید اس بار دھونے میں یہ حکمت ہو تاکہ دوسری بار دھونے سے اسباغ میں مبالغہ ہو جائے۔"

ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ کا قلب انور دھویا گیا حالانکہ وہ پہلے ہی مقدس تھا وہ اس قابل تھا کہ جو خیر اس میں ڈالی جاتی وہ اسے قبول کرتا۔ پہلی بار آپ کا سینۂ اقدس دھویا گیا آپ معصوم بچپن میں تھے۔ اس سے لوتھڑا باہر نکالا گیا۔ یہ آپ کی تعظیم کے لیے تھا اور معراج میں جو کچھ القاء کیا جاتا تھا۔ اس کے لیے تیار کرنا تھا۔ اس میں وہی حکمت کارفرما ہے جو اس شخص کے لیے وضو کرنے میں ہے جو پہلے باوضو ہو۔ یہ آپ کی تعظیم کے لیے تھا۔ رب تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور مناجات کرنے کے لیے تیار کرنا مقصود تھا۔ دوسری اور تیسری اور چوتھی بار دھونے میں یہی حکمت تھی۔ کیونکہ کفایت تو حاصل ہو چکی تھی۔ بقیہ تین بار آپ کی تعظیم کے لیے شق صدر کیا گیا۔ اسی طرح آپ کے باطن کو دھویا گیا۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ (الحج: ۳۲)

ترجمہ: "حقیقت یہ ہے اور جو ادب واحترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔"

آپ کے سینہ اقدس کا دھونا اسی قبیل سے تھا۔ آپ کی امت کے لیے یہ بالفعل اشارۃ تھا کہ وہ شعائر اللہ کی تعظیم کریں جس طرح کہ انہیں بالقول حکم دیا گیا تھا۔

https://archive.org/details/@awais_sultan

برھان نعمانی نے اپنی کتاب السراج میں لکھا ہے "حرم شریف میں داخل ہونے کے لیے غسل کرنا سنت ہے۔ حریمِ ناز میں داخل ہونے کے بارے تمہارا کیا خیال ہے؟ حرم شریف کا تعلق عالم الملک کے ساتھ ہے۔ یہ ظاہری کائنات ہے۔ اس کے لیے آپ کے جسم اطہر کے ظاہر کو دھویا گیا۔ حریم ناز کا تعلق عالم ملکوت کے ساتھ ہے۔ وہ باطنی کائنات ہے۔ آپ کے جسم اطہر کا باطن دھویا گیا۔ آپ کو معراج کرائی گئی۔ تاکہ آپ پر نماز فرض ہو۔ آپ آسمانوں کے ملائکہ کو امامت کرائیں۔ پاکیزگی نماز کی شرائط میں سے ہے۔ لہٰذا آپ کے ظاہر اور باطن کو پاک کیا گیا۔ اگر تم کہو کہ رب تعالیٰ نے آپ کو نور بنا کر تخلیق کیا۔ جو انبیاء میں سے منتقل ہوتا رہا۔ نور کی پاکیزگی اتنی ہوتی ہے جو اسے حسی تطہیر سے مستغنی کر دیتی ہے۔ نیز پہلی دفعہ شق صدر آپ کے لیے باطن کی تطہیر کے لیے کافی نہیں تھا۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ نبوت کے بعد بھی آپ میں ایسی چیز تھی جو اس کی محتاج تھی، حالانکہ آپ بشریت کی میل کچیل سے پاک تھے۔ اس کا جواب یہ ہے، پہلی بار دھونا عین الیقین، دوسری بار دھونا علم الیقین اور تیسری بار دھونا حق الیقین کے لیے تھا۔

◆ ۸ کیا اس سے آپ کو تکلیف ہوئی یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ آپ کو تکلیف نہیں ہوئی۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ آپ کو بہت اذیت ہوئی اسی لیے آپ کا رنگ متغیر ہو گیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ رنگت متغیر ہو جانا حکایۃً ہے۔ یہ اس وقت ہوا تھا جب آپ بنوسعد میں تھے۔ بعد میں شق صدر کا اثر کسی سے منقول نہیں۔ دوسری بار شق صدر کے بارے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

◆ ۹ کیا شق صدر کسی آلہ سے تھا یا نہیں۔ اس کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ جس نے اس کی جستجو کی ہو۔ شق کے ظاہر کا تقاضا یہی ہے کہ یہ آلہ کے ساتھ ہو۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے۔ "اسے سی دو۔ دوسرے نے اسے سی دیا۔" عتبہ بن عبد کی روایت میں ہے "اسے سی دو" اس نے اسے سی دیا" حضرت انس کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے سینہ انور میں سوئی کے اثرات دیکھا کرتے تھے۔"

◆ ۱۰ حضرت ابوذر کی روایت میں ہے "پھر سکینہ کو لایا گیا جو گویا کہ برھرھۃ تھا۔ اسے میرے سینہ میں انڈیل دیا گیا۔ ابن انباری نے لکھا ہے برھرھۃ سکینہ ہی ہے جس کا سر ٹیڑھا تھا جسے عام لوگ درانتی کہتے ہیں۔ علامہ خطابی نے لکھا ہے "میں ایک روایت سے آگاہ ہوا ہوں جس میں ہے۔" آپ نے فرمایا: "سکینہ لائی گئی گویا کہ وہ سفید درہم تھی" اس کے بعد میرے لیے عیاں ہوا کہ برھرھہ سے مراد سکینہ وہ چیز ہے جو سفید ہوتی ہے۔ جس کا لوہا صاف ہوتا ہے۔ اسے سفیدی اور صفائی میں خوبصورت عورتوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ابن دحیہ نے لکھا ہے یہ لفظ سکینہ ہے۔ یہ سکون سے فعیلہ کے وزن پر ہے۔ قرآن پاک میں یہ سکون اور طمانیت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

◆ ۱۱ طشت کا ذکر کیا کیونکہ غسل کے آلات میں سے مشہور یہی ہے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ طشت کے تذکرہ اور اس

کے حروف کی حکمت کے لیے ذرا رب تعالیٰ کا یہ فرمان دیکھو:

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ (النمل:۱)

ترجمہ: "طا، سین۔ یہ آیتیں ہیں قرآن (حکیم) اور روشن کتاب کی۔"

﴿۱۲﴾ سونے کو اس لیے مختص کیا گیا ہے کیونکہ یہ اس معنی کے زیادہ مناسب ہے جس کا آپ کے ساتھ ارادہ کیا گیا تھا۔ اگر تم لفظ الذھب کو دیکھو۔ یہ الذھاب کے مطابق ہے۔ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ ناپاکی کو آپ سے دور لے جائے۔ آپ کو خوب پاک وصاف کر دے۔ اگر تم سونے کے معنی اور اس کے اوصاف کو دیکھو گے تو تم دیکھو گے یہ ساری دھاتوں سے زیادہ صاف ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے "انقی من الذھب" حضرت بریرہ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے فرمایا تھا۔ "میں ان کے بارے اس طرح جانتی ہوں جس طرح سنار اسرخ سونے کے بارے جانتا ہے۔" حضرت حذیفہ نے کہا تھا "اس کا دل سونا ہے۔" جریر بن حازم نے کہا تھا "وہ تو سونے کا آدمی ہے۔" اس سے مراد عیوب سے پاک صاف ہونا ہے۔ اسی طرح سونے کے اوصاف کی بھی اس جگہ مطابقت ہے۔ اس میں رسوب اور ثقل پایا جاتا ہے اسے پارہ میں ڈالا جائے جو ساری اشیاء سے ثقیل ہوتا ہے تو وہ بھی تہ میں بیٹھ جاتا ہے۔

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ (المزمل:۵)

ترجمہ: "بیشک ہم جلدی القاء کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام۔"

روایت ہے کہ جب آپ پر وحی کا نزول ہوتا آپ اونٹنی پر ہوتے تو اس پر یہ گراں گزرتا۔ حتیٰ کہ اس کے پاؤں زمین میں دھنس جاتے صفت معقولہ صفت محسوسہ کے مطابق ہوگئی۔ اسی طرح سونے کا وصف ہے کہ اسے آگ نہیں کھاتی۔ قرآن پاک کی بھی صفت ہے۔ روزِ حشر آگ اس دل کو نہیں کھائے گی جس میں قرآن پاک ہوگا۔ نہ ہی اس بدن کو کھائے گی جس نے اس پر عمل کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا: "اگر قرآن پاک کو چمڑے میں ڈال کر آگ میں پھینکا جائے تو وہ نہیں جلے گا" اسی طرح سونے کے اوصاف قرآن اور وحی کے اوصاف سے ملتے جلتے ہیں زمین اسے بوسیدہ نہیں کرتی۔ ہوا اسے ضائع نہیں کرتی۔ اسی قرآن کو زیادہ پڑھنے سے بھی دل اکتاتا نہیں اس میں تبدیلی کرنا بھی ممکن نہیں۔ اسی طرح سونے کے اوصاف میں ہے کہ یہ نفیس ہوتا ہے لوگوں کے ہاں گراں قدر ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن اور حق عزیز ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ (فصلت:۴۱)

ترجمہ: "اور بے شک یہ بڑی عزت (وحرمت) والی کتاب ہے۔"

اگر تم اس کے اوصاف اور لفظ کی طرف دیکھو گے۔ اس کے ظاہر اور اس کی ذات میں غور و فکر کرو گے تو تمہارے لیے سب کچھ عیاں ہو گا۔ یہ دنیا کی زیب و زینت ہے۔ قرآن و وحی کے ساتھ حضور ﷺ اور آپ کی امت کے لیے بادشاہوں کے خزانے کھول دیے گئے۔ ان کا سونا اور چاندی ان کے نصیب میں آ گئے پھر رب تعالیٰ نے اس شخص کے لیے جنت میں سونے کے محلات کا وعدہ کیا ہے جو قرآن پاک اور وحی کی اتباع کرے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دو باغ ہوں گے جن میں برتن اور ہر چیز سونے کی ہوگی'' قرآن مجید میں ہے:

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ۔ (الزخرف:۷۱)

ترجمہ: ''گردش میں ہوں گے ان پر سونے کے تھال اور جام۔''

گویا کہ وہ ذھب (سونا) اس ذھب کے بارے بتاتا ہے قرآن پاک کی اتباع کرنے والا جس کی طرف جائے گا۔ اس کے اوصاف حق اور قرآن پاک کے اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس کا لفظ ناپاکی ختم ہو جانے پر دلالت کرتا ہے۔ یہ حکمتیں بالغہ اس شخص کے لیے ہیں جو غور و فکر کرتا ہے۔ اس کے لیے صحیح اعتبار ہے۔ جو تدبر کرتا ہے۔ بعض علماء نے یہ اضافہ کیا ہے کہ سونا لطف اور سامان میں سے ہے۔ شاعر کہتا ہے:

صفراء لا تنزل الاحزان ساحتها لو مسها حجر مسته سراء

ترجمہ: ''یہ زرد دھات جس کے صحن میں کبھی بھی غم نہیں اترتے۔ اسے اگر پتھر چھولے تو اسے بھی خوشحالی لے آئے گی۔''

◆ امام نووی نے لکھا ہے ''اس خبر میں ایسی کوئی چیز نہیں جس سے سونا اور چاندی کے استعمال کا جواز وہم میں آ سکے۔ کیونکہ یہ ملائکہ کا فعل اور ان کا استعمال ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان کا حکم ہمارا حکم ہو۔ یہ واقعہ حضور ﷺ کے سونا اور چاندی کے برتنوں کو حرام کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ کیونکہ سونے اور چاندی کے برتن مدینہ طیبہ میں حرام ہوئے تھے۔

◆ آپ کے سینۂ انور کے دھونے کے لیے آبِ زمزم استعمال کیا گیا۔ کیونکہ یہ سارے پانیوں سے افضل ہے۔ امام بلقینی نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔ ابن ابی جمرۃ نے لکھا۔ ہے کہ آپ کا سینۂ اقدس جنت کے پانی سے نہیں دھویا گیا کیونکہ آبِ زمزم کی اصل جنت سے ہی ہے۔ پھر یہ زمین پر قرار پذیر ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ارادہ کیا گیا ہے کہ آپ کی برکت زمین پر رہے۔'' دیگر علماء کرام نے فرمایا ہے: ''آبِ زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی کی اصل ہے ان کی تربیت اسی پر ہوئی۔ ان کا دل اور جسم اسی سے پروان چڑھے۔ وہ اس کے اور مبارک شہر کے سردار بن گئے۔ اس لیے مناسب تھا کہ ان کے صادق و مصدوق نورِ نظر کے لیے بھی اسی طرح ہو۔ کیونکہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ پانی اس کے بعد آپ کے ساتھ ہی مختص رہے گا۔ فتح مکہ کے روز آپ کی

شیبہ اور ان کی نسل کے لیے مختص کر دیا۔

⑮ آپ کے سینہ اقدس کو ثلج اور برد کے پانی سے دھویا گیا اس کے ساتھ زمین کے گرد و غبار کی آمیزش نہیں ہوئی۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وقت آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے پاک ہوگا۔ آپ کی شریعت بیضاء اور سنت مطہرہ کو عروج نصیب ہوگا۔ اس سے آپ کے انشراح صدر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ آپ کے دشمن کے خلاف آپ کی نصرت کی جائے گی اس سے آپ کے قلب انور کو ٹھنڈک نصیب ہوگی۔ آپ کی طمانیت کے لیے آپ کی امت کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ ان کے گناہوں سے درگزر کیا جائے گا۔

ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ آپ کا قلب انور ثلج سے اس لیے دھویا گیا تھا تاکہ اس سے اس ثلج کے بارے علم ہو سکے۔ جو ثلج یقین آپ کے دل میں تھی۔ آپ تکبیر اور قرأت کے مابین عرض کرتے تھے "مولا! برد اور ثلج سے میری لغزشیں دھو دے۔" رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ آپ کے دل کو اس چیز کے ساتھ دھو دے۔ جسے اس طشت میں جنت سے لایا گیا۔ جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ تاکہ آپ کا قلب انور جنت کی خوشبو سونگھ لے۔ اس کی حلاوت پالے تاکہ آپ دنیا میں زہد اختیار کریں اور خلق کو جنت کی طرف دعوت دینے میں حریص ہوں۔ آپ کے دشمن آپ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے چاہا کہ وہ آپ کے تنگ سینہ ہونے کی نفی فرما دے۔ آپ کے قلب انور کو دھویا تاکہ اسے وسعت نصیب ہو سکے اور اس کی تنگی دور ہو سکے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ (الحجر: ۹۷)

ترجمہ: "اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کہا کرتے ہیں۔"

کئی بار آپ کا قلب انور دھویا گیا۔ آپ کی کیفیت یہ ہوگئی کہ جب آپ کو مارا گیا یا آپ کا سر اقدس زخمی کیا گیا۔ یا آپ کے دندان مبارک توڑے گئے تو آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! میری قوم کو معاف کر دے، بلاشبہ وہ نہیں جانتے۔"

⑯ ایک روایت میں ہے کہ پیٹ دھویا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ کچھ ہے جو پیٹ کے اندر ہوتا ہے، یعنی دل۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ایک روایت میں دل کا ذکر ہے۔ پیٹ کا ذکر نہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ہر روایت کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے۔ انہیں اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ نے ایک بار پیٹ کے دھونے کے بارے فرمایا۔ اور دل کا ذکر نہ کیا دوسری بار قلب انور کا ذکر کیا پیٹ کا ذکر نہ کیا اس سے اس جگہ کو صاف کرنے میں مبالغہ بھی حاصل ہوگیا۔

⑰ امام سہیلی نے لکھا ہے۔ "اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایمان اور حکمت سونے کے طشت میں کیسے آسکتے ہیں۔ کیونکہ یہ عرض ہے اور اعراض کی توصیف صرف اسی جگہ کی جا سکتی ہے جہاں وہ قائم ہوتی ہیں۔ عرض میں انتقال ناممکن ہے۔ کیونکہ انتقال اجسام کی صفت سے ہے اعراض کی صفت نہیں ہے۔" ہم اس اعتراض کا جواب یہ

دیتے ہیں کہ اس حکمت اور ایمان کے طشت کی تعبیر اسی طرح کی جائے گی جس طرح دودھ کی تعبیر علم سے کی گئی۔ جس میں سے بعض آپ نے نوش فرمایا اور بعض حضرت عمر فاروق کو عطا کر دیا آپ کے قلب انور میں جو کچھ انڈیلا گیا اس کی تاویل حکمت اور ایمان سے کی گئی۔ اس سنہری طشت جس میں ثلج اور برد تھا۔ پہلی مرتبہ آپ نے اس کی تاویل وہی کی۔ جو آپ نے اس کی صورت ملاحظہ کی۔ اس وقت آپ کم سن تھے۔ جب طشت میں ثلج دیکھا تو اسے ثلج ہی سمجھا۔ جب دوسری بار شق صدر ہوا تو اس وقت آپ مبعوث ہو چکے تھے۔ اس وقت طشت کو ثلج سے لبریز دیکھا اس وقت اس کی تاویل حکمت اور ایمان سے کی۔ یہ مختلف جگہوں پر آپ کے یہ الفاظ آپ کے مقامات کی غمازی کر رہے ہیں۔

امام نووی اور الحافظ نے لکھا ہے کہ طشت میں ایسی چیز کا ہونا، جس سے کمال ایمان اور کمال حکمت میں اضافہ ہو۔ ممکن ہے کہ یہ لبریز ہونا حقیقت میں ہو۔ معانی کو اجسام دینا جائز ہے، جیسے روایت ہے کہ روزِ حشر سورۃ البقرہ سائبان کی طرح آئے گی۔ موت مینڈھے کی شکل میں آئے گی۔ اسی طرح اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

امام بیضاوی نے شرح المصابیح میں لکھا ہے کہ شاید یہ تمثیل کے باب سے ہو۔ معانی کی تمثیل بہت زیادہ رونما ہوتی ہے جیسے کہ آپ کے لیے جنت اور آگ کی تمثیل کو دیوار میں عیاں کیا گیا۔ اس کا مقصد محسوس کے ساتھ کشف معنوی ہوتا ہے۔" امام نووی نے "جعل فیه شی..." کے قول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے آپ کا ایمان سارے لوگوں سے قوی ترین تھا۔"

۱۸ سینہ اور پیٹ کو بھر دیا گیا۔ ایک روایت میں پیٹ جبکہ دوسری روایت میں دل کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں کو اکٹھا بھرا گیا تھا۔ ایک روایت میں پیٹ کے بارے بتایا دوسری میں قلب انور کے بارے بتایا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے دل کا ارادہ کیا تو از روئے وسعت کا پیٹ مبارک کا ذکر کر دیا ہو۔ کیونکہ اہلِ عرب بعض اوقات چیز کے قرب کی وجہ سے بھی کسی چیز کو نام دے دیتے تھے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ (الانعام: ۱۲۵)

ترجمہ: "اور جس (خوش نصیب کے) لیے ارادہ فرماتا ہے کہ ہدایت دے اسے تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے۔"

اس آیت میں سینہ سے مراد دل ہے۔ اسے سینہ کا نام دے دیا ہے کیونکہ دل سینے میں ہوتا ہے۔

۱۹ حکمت سے کیا مراد ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ علم ہے جو رب تعالیٰ کی معرفت پر مشتمل ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ بصیرت کے نفاذ، نفس کی تہذیب حق کی تحقیق اور اس پر عمل پیرا ہونا بھی ہو۔ اس کی ضد سے رک جانا بھی اس لیے شامل ہے۔ جو ان سب کو محیط ہو وہ حکیم ہوتا ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے "بہت سے اقوال سے

ہمارے لیے یہی عیاں ہوا ہے" حکمت کا اطلاق قرآن پر بھی ہوتا ہے۔ وہ سارا حکمت کے تذکرہ پر ہی مشتمل ہے۔ اسی طرح وہ نبوت مصطفی ﷺ پر مشتمل ہے۔ کبھی اس کا اطلاق فقط علم، کبھی فقط معرفت پر ہوتا ہے۔" الحافظ نے لکھا ہے کہ اس زمرہ میں صحیح بات یہ ہے کہ اس بات سے مراد یہ ہے کہ چیز کو اس کی جگہ پر رکھا جائے۔ رب تعالیٰ کی کتب عظیم کو سمجھنا بھی اس میں شامل ہے۔ دوسری تفسیر پر کبھی کبھی حکمت ایمان کے بغیر پائی جاتی ہے۔ کبھی نہیں پائی جاتی۔ لیکن پہلے معنی کے اعتبار سے یہ لازم وملزوم ہیں کیونکہ ایمان حکمت پر دلالت کرتا ہے۔

۲۰۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آپ کا جو وزن کیا گیا تھا اس سے مراد اعتباری وزن ہے۔ اس سے مراد فضل میں رجحان ہے۔ حقیقت بھی اسی طرح ہے۔ دو فرشتوں کے فعل کا فائدہ یہ ہے تا کہ حضور ﷺ جان لیں۔ اپنی امت کو بتائیں وہ یہی اعتقاد رکھے۔ کیونکہ یہ امور اعتقادیہ میں سے ہے۔

میں نے شیخ برھان الدین ابی شریف علیہ الرحمۃ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ ابھی تک میں سابقہ کلام سے آگاہ نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا: "اس حدیث پاک کا تقاضا ہے کہ رب تعالیٰ نے معانی کو ذوات بنا دیا ہے۔ اس وقت فرشتے نے اپنے ساتھی سے کہا: "انہیں ایک پلڑے میں رکھو۔ دوسرے میں ان کی امت کے ایک ہزار افراد کو رکھو۔" اس نے اسی طرح کیا تو آپ کا پلڑا جھک گیا، وہ اتنا جھک گیا کہ آپ کو خیال ہوا کہ ان میں سے بعض آپ کے اوپر گریں گے۔ جب دو فرشتوں نے آپ کے پلڑے کا اس طرح جھک جانا دیکھا یہ معنیٰ ہی تھا۔ اگر آپ کی امت کے سارے فضائل جمع کیے جائیں۔ انہیں ایک پلڑے میں ڈالا جائے پھر بھی آپ کا پلڑا جھک جائے گا۔ فرشتوں نے بھی کہا تھا" اگر ان کی امت کا وزن بھی آپ کے ساتھ کیا جائے پھر بھی آپ کا پلڑا جھک جائے گا۔ کیونکہ آپ کی خوبیاں اور جو خوبیاں رب تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں یہ محال ہے کہ کوئی ان میں آپ کے برابر ہو جائے۔

❁❁❁

پندرھواں باب

آپ کے ہاتھ اور مبارک بغلیں

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پوروں میں سختی تھی۔ آپ کی انگلیاں طویل تھیں۔ آپ کے جوڑ مضبوط تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں چوڑی تھیں۔ (ابویعلی، ابن عساکر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ہتھیلیاں چوڑی تھیں۔ (بخاری)

حافظ ابوبکر بن ابی خیثمہ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے بازو اور کلائیاں لمبی تھیں۔ آپ کے ہاتھوں کی ہڈیاں مضبوط تھیں۔ آپ کے جوڑ بہت بہت خوبصورت تھے۔ آپ کی ہڈیاں لمبی تھیں، آپ کی انگلیاں گویا کہ چاندی کی شاخیں تھیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی کلائیاں لمبی تھیں۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ سے روایت ہے کہ آپ کی کلائیوں پر بال تھے۔ آپ کے بازو طویل تھے۔ آپ کی ہتھیلیاں وسیع تھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی کلائیاں چوڑی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے کسی حریر و دیباج کو نہیں چھوا، جو حضور اکرم ﷺ کی مبارک ہتھیلیوں سے نرم ہو۔'' (امام احمد، شیخان)

حضرت مستور بن شداد سے روایت ہے انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں آپ کی بارگاہ میں آیا۔ میں نے آپ کا دست اقدس پکڑنے کی سعادت حاصل کی۔ وہ ریشم سے زیادہ نرم اور ثلج سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔'' (الطبرانی)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں حضور ﷺ سے مصافحہ کرتا تھا۔ یا آپ کی جلد سے اپنی جلد مس کرتا تھا۔ پھر میں اپنے ہاتھ کو دیکھتا تو اس سے مشک سے عمدہ خوشبو آرہی ہوتی۔'' حضرت یزید بن اسود سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور ﷺ نے مجھے اپنا ہاتھ پکڑایا وہ برف سے ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبو آور تھا۔'' (شیخان)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور ﷺ نے میرے رخسار کو ہاتھ لگایا میں نے آپ کے ہاتھ کو ٹھنڈا اور اتنا خوشبو دار پایا گویا کہ وہ ابھی عطار کی شیشی سے نکلا ہو۔'' (مسلم)

مثنی بن صالح نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے حضور ﷺ سے مصافحہ کیا۔ بخدا! میں نے کوئی ہتھیلی آپ کی ہتھیلی سے نرم نہیں دیکھی۔" حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں مکہ مکرمہ میں بیمار پڑ گیا۔ حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ تاکہ میری عیادت فرمائیں آپ نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ میرے چہرے، سینہ اور پیٹ کو مس فرمایا۔ مجھے آپ کے ہاتھوں کی ٹھنڈک آج تک جگر میں محسوس ہو رہی ہے۔" (امام احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ کو دیکھا، آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔" (بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب سجدہ کرتے تھے تو آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی۔ (ابن سعد)

بنو حریش کے ایک شخص نے بیان کیا ہے انہوں نے کہا: "حضور ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ مجھ پر آپ کی بغلوں کا پسینہ گرا، جس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔" (البزار)

حافظ محب الدین الطبری نے لکھا ہے کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے کہ "آپ کی بغلوں کی رنگت متغیر نہ تھی بلکہ جسم کے دیگر حصوں کی طرح سفید تھی۔ لیکن دیگر لوگوں کی کیفیت اس کے برعکس ہوتی ہے۔" امام قرطبی نے بھی اسی طرح لکھا ہے انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ کی بغلوں میں بال نہیں تھے۔ مزید تفصیل خصائص میں آئے گی۔

تنبیہات

1. حضرت انس وغیرہ نے یہ وصف بیان کیا ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں نرم تھیں۔ جبکہ یہ وصف حضرت ہند کے بیان کردہ وصف کے مخالف ہے۔ انہوں نے انہیں سخت کہا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ ان دو اوصاف کو جمع کرنا یوں ممکن ہے کہ نرمی سے مراد جلد اطہر کی نرمی ہے اور سختی سے مراد ہڈیوں کی سختی ہے۔ آپ کے جسم اطہر کو نرمی اور قوت عطا کی گئی تھی۔" ابن بطال نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی مبارک ہتھیلیاں پُر از گوشت تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ نرم تھیں۔ اصمعی نے الشثن کا معنی ہتھیلیوں کی سختی بیان کی ہے اس سے خلیل کا بیان کردہ معنی زیادہ بہتر ہے۔ اگر اصمعی کا معنی قبول کر بھی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ جب جہاد فرماتے یا کسی سخت کام میں مصروف ہوتے تھے۔ تو ہتھیلیاں اس کا کام کی مناسبت سے سخت ہو جاتی تھیں۔ جب آپ اس کام کو ترک فرما دیتے تھے تو پھر وہ اپنی اصلی جبلت یعنی نرمی کی طرف لوٹ آتی تھیں۔
قاضی نے لکھا ہے کہ ابو عبید نے الشثن کی وضاحت سختی اور چھوٹے پن سے کی ہے۔ اس پر ان کی گرفت اس

طرح کی گئی ہے کہ یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی انگلیاں لمبی تھیں۔
الحافظ نے لکھا ہے کہ حضرت نعمان کے قول سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں نرم تھیں۔ کیونکہ انہوں نے کہا: "آپ کی ہتھیلیاں چوڑی تھیں، تحقیق یہ ہے کہ الشثن کا معنی ہے لمبی اور موٹی۔ جن میں سختی نہ ہو۔"

◆ حکیم ترمذی، امام قرطبی اور دمیری نے شرح المنہاج میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی سبابہ انگلی وسطی انگلی سے طویل تھی۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے "یہ یقینی طور پر باطل ہے۔ اسے کسی بھی ثقہ مسلمان نے روایت نہیں کیا۔ حالانکہ آپ اکثر اپنی انگلیوں سے اشارہ فرماتے رہتے تھے۔ کسی نے بھی اس طرح روایت نہیں کیا۔

مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔" شعبہ نے اپنی مسبّحہ اور وسطی انگلیاں اس طرح ملائیں۔" امام ترمذی نے حضرت مستورد بن شداد سے روایت کیا ہے اور اس روایت کو حسن لکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "مجھے قیامت کے ساتھ ہی بھیجا گیا لیکن اس سے سبقت لے گیا جس طرح یہ انگلی اس انگلی سے سبقت لے گئی ہے۔ آپ نے یہ سبابہ اور وسطی انگلیوں کے بارے فرمایا۔ الحافظ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے "جو کچھ حکیم ترمذی نے لکھا ہے وہ ایک واضح خطا ہے۔ لیکن مسند امام احمد اور سنن ابی داؤد میں ہے حضرت میمونہ بنت کردم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے مکہ مکرمہ میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ میں اپنے والد گرامی کے ساتھ تھی...... میرے والد گرامی آپ کے قریب ہوئے۔ آپ کے قدم پکڑ لیے۔ حضور ﷺ ان کے لیے قرار پذیر ہو گئے۔ میں بھولی نہیں کہ آپ کے قدم کی سبابہ انگلی دیگر انگلیوں سے لمبی تھی۔"

علامہ فتح الدین ابن شہید نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ کیفیت آپ کے قدم مبارک کی سبابہ انگلی میں تھی۔ انہوں نے اپنی منظوم سیرت میں لکھا ہے:

وصف زینب بنت کردم فیما راته عینها في القدم
سبابة النبی کانت اطول اصابع النبی فاحفظ و اسأل

ترجمہ: "حضرت زینب بنت کردم نے آپ کے قدم مبارک کا وہ وصف بیان کیا جو انہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا کہ آپ کے قدم مبارک کی سبابہ انگلی دیگر انگلیوں سے طویل تھی۔ یہ بات خوب یاد رکھ اور مزید پوچھ۔"

✿✿✿

سولہواں باب

آپ کی مبارک پنڈلیاں، مبارک رانیں اور قدمین شریفین

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی پنڈلیاں پتلی تھیں۔ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں حضور ﷺ کے قریب ہوا۔ آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ میں نے آپ کی پنڈلی دیکھی جو کھجور کی گوند کی طرح سفید تھی۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "آپ کی ران سے کپڑا اٹھ گیا۔ آپ غزوۂ خیبر میں سوار تھے۔ میں نے آپ کی ران مبارک کی سفیدی دیکھ لی۔" (ابن ابی خیثمہ)

انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ کی مبارک ایڑھی پر گوشت کم تھا۔" (مسلم)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ باہر تشریف لائے۔ گویا کہ میں آپ کی پنڈلیوں کو دیکھ رہا ہوں۔" (بخاری)

حضرت ہند بن ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک کشادہ تھے۔ دونوں پاؤں بھرے ہوئے تھے۔ تمام اعضاء ہموار تھے۔ دونوں پاؤں کا درمیانی حصہ اٹھا ہوا تھا۔ آپ کے پاؤں ہموار تھے۔ جن پر پانی نہیں ٹھہرتا تھا۔" (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے قدمین شریفین سارے انسانوں سے خوبصورت تھے۔ (ابن عساکر)

حضرت میمونہ بنت کردم نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے قدم مبارک کی سبابہ انگلی کی زیارت کی۔ جو دیگر انگلیوں سے لمبی تھی۔ (امام احمد)

رب تعالیٰ اس شاعر پر رحم کرے جس نے یہ اشعار کہے ہیں:

یا رب بالقدم التی اوطاتھا — من قاب قوسین المحل الاعظم

و بحرمۃ القدم التی جلعت لہ — کتف البریۃ فی الرسالۃ سلّما

ثبت علی متن الصراط تکرما — قدمی و کن لی منقذا و مسلّمًا

واجعلهما ذخری و من کاناله امن العذاب ولا یخاف جهنما

ترجمہ: ”مولا! اس مبارک قدم کے صدقے جسے تو قاب قوسین او ادنیٰ کے بلند ترین رتبہ تک لے گیا۔ اور اس قدم کی حرمت کے طفیل جس کے لیے رسالت میں لوگوں کے کندھوں کو سیڑھی بنایا گیا۔ میرے قدموں کو پل صراط پر محکم فرما۔ اور میرا محافظ اور سلامتی عطا کرنے والا بن جا۔ انہیں میرے لیے ذخیرہ بنا۔ اس کے لیے بھی جسے عذاب سے امن ہو اور اسے جہنم کا اندیشہ نہ ہو۔“

تنبیہات

1. بہت سے مداحین نے ذکر کیا ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ جب سخت چٹان پر چلتے تھے تو آپ کے قدمین شریفین اس میں دھنس جاتے تھے۔ اس روایت کا کتب احادیث میں بالکل تذکرہ نہیں ہے۔ امام برہان الدین ناجی نے اس کا انکار کیا ہے اور اس کے مروی نہ ہونے کا یقین کیا ہے۔ شیخ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں۔ نہ اس کی سند ہے نہ ہی کتب احادیث میں اس کا تذکرہ ہے تمہارے لیے الشیخ کا بتادینا ہی کافی ہے۔ میں نے بہت سی کتابیں پڑھیں۔ مجھے احادیث اور تواریخ کی کتب میں ایسی روایت نظر نہیں آئی۔ حضور ﷺ کی طرف اسے منسوب کرنا کیسے درست ہے۔

2. حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پاؤں مبارک کی حنصر انگلی اوپر اٹھی ہوئی تھی۔ اس روایت کو امام بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ اس کی سند میں سلمہ بن حفص سعدی ہے۔ ابن حبان نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ نہ ہی اس کی روایت لینا درست ہے۔ اس کی یہ روایت باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ حضور ﷺ کی تخلیق بڑے اعتدال پر ہوئی تھی۔

✿✿✿

سترھواں باب

آپ کے اعضاء کی ضخامت

امام ترمذی نے حضرت ہند بن ہالہ، امام بیہقی، ابن جوزی اور ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابن ضحاک نے حضرت جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی مبارک ہڈیوں کے سرے بڑے بڑے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی مبارک ہڈیوں کے سرے بڑے بڑے تھے۔

(ترمذی، بیہقی)

✿✿✿

اٹھارھواں باب

آپ کی قامت، تخلیق کا اعتدال اور جلد کی رقت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نہ ہی طویل القامت اور نہ کوتاہ قد تھے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کا قد میانہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا قد میانہ تھا۔ جو طوالت کے زیادہ قریب تھا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی تخلیق اعتدال پر ہوئی تھی۔ اعضاء کا اعتدال عیاں تھا۔ آپ کی قامت طویل قامت سے چھوٹی اور کوتاہ قامت سے بڑی تھی۔ (ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ قامت میں سارے لوگوں سے حسین، چہرہ کے اعتبار سے سارے لوگوں سے جمیل رنگت کے اعتبار سے سارے لوگوں سے خوبصورت خوشبو کے اعتبار سے سارے لوگوں سے عمدہ اور ہتھیلیوں کے اعتبار سے سارے لوگوں سے زیادہ نرم تھے۔ (ابن ضحاک، ابن عساکر)

ان سے ہی روایت ہے کہ حضور ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا۔ نہ آپ دراز قد اور نہ ہی کوتاہ قد تھے۔ (متفق علیہ)

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نہ اتنے طویل تھے کہ آنکھوں کو برا لگے نہ اتنے پست قد تھے کہ آنکھیں حقیر سمجھیں آپ دو شاخوں کے مابین ایک شاخ کی مانند تھے جو سب سے سرسبز و شاداب اور قد آور ہو۔ (بیہقی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ایک سفر میں حضور ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ میں نے کبھی کسی ایسی چیز کو مس نہیں کیا جو آپ کی جلد سے نرم تر ہو۔" (البزار، الطبرانی)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نہ تو بہت زیادہ دراز قد اور نہ ہی زیادہ پست تو تھے۔ بلکہ آپ کا قد مبارک میانہ تھا۔ (ابن عساکر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جس شخص کے ساتھ بھی چلتے آپ اس سے طویل نظر آتے۔

حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی قامت مبارکہ درمیانی تھی۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ انور سارے لوگوں سے حسین تھا۔ آپ کی تخلیق سارے لوگوں سے عمدہ ہوئی تھی۔ آپ کی مبارک قامت نہ طویل تھی نہ ہی پست تھی۔ (بخاری و مسلم)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا قد مبارک نہ تو بہت زیادہ طویل اور نہ ہی بہت زیادہ پست تھا۔ جب آپ تنہا چلتے تھے تو آپ کا قد مبارک میانہ لگتا تھا۔ جب بھی کوئی ایسا شخص آپ کے ساتھ چلتا جس کا قد طویل ہوتا تو آپ کو قامت مبارکہ اس سے طویل ہو جاتی جب بھی دراز قد آدمی آپ کے ساتھ چلتے تو حضور ﷺ کا قد مبارک ان سے طویل ہو جاتا۔ جب وہ آپ سے جدا ہوتے تو آپ کا قد میانہ ہو جاتا۔ (ابن ابی خیثمہ، بیہقی، ابن عساکر)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا قد مبارک نہ طویل تھا نہ ہی پست تھا۔ بلکہ میانہ تھا۔ آپ کسی قوم میں ہوتے تھے تو آپ کی قامت سب سے بلند نظر آتی تھی۔ ان سے ہی روایت ہے کہ آپ کی مبارک جلد نرم تھی۔ ابن سبع نے لکھا ہے جب آپ ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ کے مبارک کندھے سارے اہلِ محفل سے بلند ہوتے تھے۔

❁❁❁

انیسواں باب

آپ کا مبارک پسینہ اور خوشبو مبارک

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بہت زیادہ پسینہ آتا تھا۔ (ابن ضحاک)

انہوں نے فرمایا: ''میں نے کبھی بھی کوئی خوشبو یا پسینہ نہیں سونگھا جو آپ کی خوشبو یا پسینہ سے زیادہ عمدہ ہو۔'' امام احمد، شیخان اور امام ترمذی نے یہ اضافہ کیا ہے ''میں نے کوئی مشک اور عطر نہیں سونگھا جو حضور ﷺ کی خوشبو سے عمدہ ہو۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''حضور ﷺ کے جسم اطہر سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ میرے والدین آپ پر نثار! میں نے آپ سے قبل اور آپ کے بعد آپ جیسا نہیں دیکھا۔'' (ابن عساکر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تھے۔ آپ ان کے ہاں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہ آپ کے لیے چمڑے کی چٹائی بچھاتی تھیں۔ آپ اس پر آرام فرما ہوتے تھے۔ آپ کو بہت زیادہ پسینہ آتا تھا۔ وہ آپ کا پسینہ جمع کرتی تھیں۔ اسے اس شیشی میں ملا دیتی تھیں۔ جس میں عطر ہوتا تھا۔ حضور ﷺ بیدار ہوئے۔ فرمایا: ''ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟'' انہوں نے عرض کی: ''یہ آپ کا مبارک پسینہ ہے ہم اسے اپنی خوشبو میں ملائیں گے وہ سب خوشبوؤں سے عمدہ خوشبو بن جائے گی۔'' (مسلم)

حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''آپ کے چہرۂ انور پر پسینہ کے قطرات موتیوں کی طرح چمکتے تھے۔ جن سے مشک اذفر سے عمدہ خوشبو آتی تھی۔ آپ کا دستِ اقدس گویا کہ عطار کا ہاتھ تھا۔ خواہ آپ خوشبو لگاتے یا نہ لگاتے۔ اگر کوئی آپ سے مصافحہ کر لیتا تو وہ سارا دن اپنے ہاتھوں سے خوشبو سونگھتا رہتا۔ اگر آپ کسی بچے کے سر پر دست اقدس رکھتے وہ اپنے سر کی خوشبو کی وجہ سے دیگر بچوں سے ممتاز ہو جاتا تھا۔

(ابو بکر ابن ابی خیثمہ، ابونعیم)

حضرت انس نے فرمایا: ''حضور ﷺ کی رنگت مبارکہ سفید تھی۔ آپ کا پسینہ موتیوں کی طرح ہوتا تھا۔''

حضرت عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ نے ان سے کہا: ''ہم اچھی سے اچھی خوشبو لگانے کی کوشش کرتی ہیں۔ لیکن آپ سے ہمیشہ عمدہ خوشبو آتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟'' انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مجھے پھنسیاں نکل آئیں۔ میں آپ کے پاس آیا اور یہ عرض کی آپ نے فرمایا: ''کپڑے اتار دو۔'' میں نے شرم گاہ کے علاوہ

بقیہ پڑے ہوئے تارے اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنے دست اقدس پر اپنا لعاب دہن رکھا۔ پھر میری کمر اور پیٹ پر مل دیا۔ اسی دن سے مجھ سے یہ خوشبو آتی ہے۔ (الطبرانی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں نے اپنی نورِ نظر کی شادی کرنی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میری مدد فرمائیں۔" آپ نے فرمایا: "میرے پاس تو اس وقت کچھ بھی نہیں۔ لیکن میرے پاس ایسی شیشی لے کر آؤ جس کا منہ کھلا ہو اور کسی درخت کی ٹہنی لے کر آؤ۔ اس نے دونوں چیزیں حاضر خدمت کر دیں۔ حضور ﷺ اس شیشی میں اپنا پسینہ ڈالنے لگے حتیٰ کہ اسے بھر دیا۔ آپ نے فرمایا: "یہ لے جاؤ۔ اپنی نورِ نظر سے کہنا کہ اسی تنکے کو شیشی میں ڈال کر خوشبو استعمال کرے۔ وہ عورت جب خوشبو لگاتی تھی اہلِ مدینہ طیبہ اس کی خوشبو سونگھتے تھے۔" (الطبرانی، ابو یعلی، ابن عدی)

حضرت وائل بن حجر نے فرمایا: "میں حضور ﷺ سے مصافحہ کرتا تھا یا آپ کی جلد میری جلد سے مس کرتی تھی بعد میں مَیں اپنے اس ہاتھ کو پہچان لیتا تھا۔ اس سے مشک سے عمدہ خوشبو آتی تھی۔" (الطبرانی)

حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ نے مجھے اپنا دستِ اقدس پکڑایا۔ وہ ثلج سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔" (امام بیہقی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے ساری خوشبوئیں سونگھی ہیں۔ میں نے کوئی خوشبو حضور ﷺ کی خوشبو سے عمدہ نہیں سونگھی۔ میں نے ہر نرم چیز کو مس کیا۔ لیکن میں نے حضور ﷺ کی ہتھیلی مبارک سے نرم تر کوئی چیز نہ چھوئی۔" (ابن عساکر)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ نے میرے رخسار کو مس کیا میں نے آپ کے دست اقدس کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی۔ گویا کہ آپ نے ابھی ابھی اپنا دست اقدس عطار کی شیشی سے نکالا ہو۔" (مسلم)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "آپ کے چہرۂ انور پر پسینہ موتیوں کی طرح نظر آتا تھا۔ آپ کے پسینے کی خوشبو مشک اذفر کی خوشبو سے عمدہ تھی۔" (ابن سعد، ابن عساکر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "حضور ﷺ کی رنگت مبارکہ سفید تھی۔ آپ کا پسینہ موتیوں کی طرح تھا۔"

قریش کے ایک شخص نے کہا: "جب آپ نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو سنگسار کیا تو میں اپنے والد کے ہمراہ تھا۔ جب انہیں پتھر لگنے لگے تو میں مرعوب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ آپ کی بغل مبارک سے پسینہ نکلا جو گویا کہ مشک اذفر کی خوشبو لیے تھا۔" (دارمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور ﷺ تشریف لاتے تھے تو ہم آپ کو آپ کی خوشبو سے پہچان لیتے تھے۔"

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: "میرے قریب ہو جاؤ۔" میں آپ کے قریب ہو گیا۔ میں نے کسی مشک و عنبر کو نہیں سونگھا جو حضور اکرم ﷺ کی خوشبو سے عمدہ ہو۔" (البزار)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ کی کئی خصوصیات تھیں۔ آپ جس رستہ سے گزرتے تھے۔ آپ کے پیچھے جانے والا آپ کی خوشبو سے سمجھ جاتا تھا کہ آپ اس رستہ سے گزرے ہیں۔"
(بخاری فی تاریخ، دارمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ کے راستوں میں سے کسی راستہ پر چلتے تھے تو اس رستہ سے آپ کی خوشبو آتی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ اس راستہ سے حضور ﷺ گزرے ہیں۔ رب تعالیٰ اس شاعر پر رحم کرے جس نے یہ شعر کہا ہے:

ولو ان رَكْبًا يَمَّمُوكَ لقادهم　　　نسيمك حتى يستدل به الرَّكْبُ

ترجمہ: "اگر کوئی کارواں آپ کا قصد کرے تو آپ کی خوشبو ہی اس کی راہ نمائی کر دے گی حتیٰ کہ کارواں اس سے رستہ پالے گا۔"

دوسرے شاعر نے کہا ہے:

يروح على تلك الطريق الّتى غدا　　　عليها فلا ينهى علاه نهاتهٗ
تنفسه فى الوقت انفاس عطرهٖ　　　فمن طيبهٖ طابت له طرقاتهٗ
تروح له الارواح حيث تنسمت　　　لها سحرًا من حُبهٖ نسماته

ترجمہ: "آپ ان رستوں سے واپس آجاتے ہیں جن سے روانہ ہوتے ہیں۔ آپ کی انتہا آپ کی مزید رفعت کو روک نہیں سکتی۔ آپ سانس لیتے ہیں تو مشام جاں معطر ہو جاتی ہے۔ آپ کی خوشبو سے سارے رستے خوشبودار ہو گئے ہیں۔ جب آپ کی نسیمِ سحر کے دلآویز جھونکے آتے ہیں تو ارواح کو راحت نصیب ہوتی ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کو بہت زیادہ پسینہ آتا تھا۔ (مسلم)

ابن عساکر اور ابو نعیم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں بیٹھی سوت کات رہی تھی۔ حضور ﷺ اپنا جوتا درست فرما رہے تھے۔ آپ کی جبین اطہر سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ جسے دیکھ کر میں ششدر ہو گئی۔" آپ نے فرمایا: "ششدر کیوں ہو گئی ہو؟" میں نے عرض کی: "آپ کی جبین اطہر سے پسینے کے قطرات بہہ رہے ہیں۔ آپ کے پسینہ سے نور نکلنے لگا ہے۔ اگر آپ کو ابو کبیر الہذلی دیکھ لیتا تو اسے علم ہو جاتا کہ اس کے ان اشعار

کے آپ زیادہ مستحق ہیں۔

مبرأ عن کل غبرّ حیضة و فساد مرضعة وداءٍ معفل

و اذا نظرت الی اسرة وجهه برقت بروق العارض المتهلل

ترجمہ: ''وہ حیض کی گرد سے پاک، دودھ پلانے والی کے فساد سے منزہ اور مہلک مرض سے دور ہے۔ جب تم اس کے چہرہ کی پاکیزگی کو دیکھو گے تمہیں صاف بادل کی چمکتی ہوئی بجلیاں نظر آئیں گی۔''

❁❁❁

بیسواں باب

آپ کی چال مبارک، نیز یہ کہ آپ کا سایہ نہ تھا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں حضور ﷺ کے ہمراہ ایک جنازہ میں تھا۔ میں جب چلتا تو آپ مجھ سے آگے نکل جاتے۔ میرے پہلو میں ایک شخص تھا اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: "آپ کے لیے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے زمین سمٹ جاتی ہے۔" (امام احمد، ابن سعد)

حضرت یزید بن مرثد سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ چلتے تھے تو تیزی سے چلتے تھے حتیٰ کہ اگر آدمی آپ کے پیچھے بھاگتا پھر بھی وہ آپ کو پا نہ سکتا تھا۔ (ابن سعد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے کسی کو چال میں حضور ﷺ سے زیادہ تیز نہیں دیکھا۔ زمین آپ کے لیے سمیٹ دی جاتی تھی۔ ہم اپنے آپ کو تھکا دیتے تھے۔ آپ کو پرواہ بھی نہ ہوتی تھی۔"

(امام احمد، ترمذی، بیہقی، ابن عساکر)

حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورج کی دھوپ یا چاند کی چاندنی میں آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔

حکیم ترمذی نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر اسے روند نہ سکے اور آپ کے لیے رسوائی کا باعث نہ بنے۔

ابن سبع نے لکھا ہے کہ آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ آپ نور تھے۔ جب آپ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تھے۔ آپ کا سایہ نہ ہوتا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے۔ آپ کی دعا میں آپ کی یہ التجا بھی اس امر کی گواہی دیتی ہے۔ "واجعلنی نورًا"

❁❁❁

اکیسواں باب

آپ کی آواز مبارک

ابن سعد نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا اس کی آواز اور چہرہ خوبصورت تھا۔ حتیٰ کہ تمہارے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ کی آواز اور چہرہ انور بھی خوبصورت تھا۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا وہ حسین چہرے والا، کریم حسب والا اور عمدہ آواز والا تھا۔ پھر تمہارے نبی کریم ﷺ بھی خوبصورت چہرہ والے کریم حسب والے اور عمدہ آواز والے تھے۔"

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی آواز مبارک بہت عمدہ تھی۔" (ابن الضحاک)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا: حتیٰ کہ وہ خطبہ پردہ نشیں خواتین نے اپنے پردوں میں سنا۔"

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا: "بیٹھ جاؤ۔" حضرت عبداللہ بن رواحہ نے بنوغنم میں یہ آواز مبارک سنی وہ اسی جگہ بیٹھ گئے۔ (ابونعیم، بیہقی)

حضرت عبدالرحمن بن معاذ التیمی نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ نے ہمیں منیٰ میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ ہمارے کانوں کو کھول دیا گیا۔" دوسرے الفاظ میں ہے: "رب تعالیٰ نے ہمارے کان کھول دیے حتیٰ کہ ہم اپنے اپنے خیموں میں سن رہے تھے کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔" (ابن سعد، ابونعیم)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم نصف رات کے وقت حضور ﷺ کی قرأت سن لیتے تھے حالانکہ میں اپنے عریش میں ہوتی تھی۔"

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نمازِ عشاء میں سورۃ "والتین" پڑھی۔ میں نے ایسی آواز نہ سنی جو آپ کی آواز سے حسین ہو۔ (متفق علیہ)

ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "آپ کی آواز گونج دار تھی۔"

❁❁❁

بائیسواں باب

آپ کی فصاحت

لغۃً بیان کو فصاحت کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ کلام کمزور تالیف، الفاظ کی بے ربطگی اور پیچیدگی سے پاک ہو۔ یہ معنی کے اعتبار سے تعریف ہے۔ لفظ کے اعتبار سے اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ کلام جو فصحاء کی زبان پر ہو ان کی عربیت کے ساتھ معتمد علیہ ہو اور اس کا استعمال اکثر ہو۔"

اس کے اور بلاغت کے مابین فرق یہ ہے کہ فصاحت کے ساتھ مفرد، کلام اور متکلم کی توصیف بیان کی جا سکتی ہے۔ جبکہ بلاغت کے ساتھ آخری دو کی توصیف ہو سکتی ہے۔ مفرد کی فصاحت سے مراد یہ ہے کہ وہ حرف کی بے ربطگی، غرابت اور قیاس کی مخالفت سے پاک ہو۔ فصاحت کلام یہ ہے کہ وہ تالیف کے ضعف، کلمات کی پیچیدگی اور بے ربطگی سے پاک ہو۔ اس کی بلاغت سے مراد یہ ہے کہ یہ اپنی فصاحت کے ساتھ ساتھ حال کے مقتضیٰ کے مطابق ہو۔ فصاحۃ المتکلم سے مراد ایسا ملکہ ہے جس سے وہ مقصود کو تعبیر کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اس کی بلاغت سے مراد یہ ہے کہ ایسا ملکہ جس کی بنا پر وہ بلیغ کلام کی تالیف کی وجوہ پر قدرت رکھتا ہو۔ بلاغت مطلق اخص ہے۔ ہر بلیغ فصیح ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس نہیں۔ بلیغ وہ ہوتا ہے جو اپنی عبارت کے ساتھ اپنے ضمیر کے مخفی امر تک پہنچ جائے۔

امام علامہ ابوسلیمان احمد خطابی نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ اکرم ﷺ کو وحی کے ابلاغ کا منصب رفیع عطا فرمایا۔ اپنے دین کے امور بیان کرنے کا رتبہ عطا کیا۔ تو آپ کے لیے وہ زبان منتخب کی جو ساری زبانوں سے شیریں تھی۔ جو ساری زبانوں سے فصیح اور واضح تھی۔ پھر آپ کی مدد ان جوامع الکلم سے کی۔ جنہیں آپ کی نبوت کے لیے معاون اور رسالت کی نشانی بنایا۔ تاکہ آپ کے قلیل الفاظ سے کثیر علم نکلے جسے سامعین کے لیے یاد کرنا آسان ہو اور اسے اٹھانا انہیں بوجھل نہ بنا دے۔ جس نے آپ کے کلام میں سے جوامع کی جستجو کی ہے اس پر یہ امر مخفی نہیں رہتا۔"

امام ابن الاثیر نے النہایہ کی ابتداء میں لکھا ہے "رب تعالیٰ اپنی توفیق سے ہماری اور تمہاری مدد کرے تم جانتے ہو کہ حضور ﷺ زبان کے اعتبار سے سارے اہلِ عرب سے فصیح تھے۔ بیان کے اعتبار سے واضح تھے۔ گفتگو کے اعتبار سے شیریں تھے۔ الفاظ کے اعتبار سے سب سے مناسب، لہجہ کے اعتبار سے واضح حجت کے اعتبار سے سب سے درست تھے۔ آپ خطاب کے مواقع کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دینے

والے تھے۔ یہ سب کچھ تائید الٰہی، الفاظ سماعی، عنایت ربانی اور رعایت روحانی کی وجہ سے تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ بنونہد سے گفتگو کر رہے تھے وہ گفتگو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سن رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اہلِ عرب کے وفود کے ساتھ ایسی گفتگو کرتے ہیں جس کا اکثر حصہ ہم نہیں سمجھ سکتے۔" آپ نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور ادب سکھانے میں کمال کر دیا اور میں نے بنوسعد میں پرورش پائی۔"

اہلِ عرب کے خاندان، قبائل، شعوب کے اختلاف کے باوجود انہیں ایسے کلام سے مخاطب فرماتے تھے۔ جسے وہ سمجھ جاتے تھے۔ جسے وہ جان جاتے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کو ان عقول کے مطابق مخاطب کروں۔" گویا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو وہ علوم عطا فرمائے جو آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ متفرق امور آپ میں جمع فرما دیے۔ صحابہ کرام اور اہلِ عرب کے وفود جو آپ کے پاس آتے تھے۔ ان کی کلام کا اکثر حصہ جانتے تھے۔ جس سے آپ انہیں مخاطب ہوتے تھے۔ جسے وہ نہ جانتے تھے وہ آپ سے پوچھ لیتے تھے آپ ان کے لیے اس کی وضاحت کر دیتے تھے۔

قاضی ابوالفضل عیاض علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "جہاں تک زبان کی فصاحت اور گفتگو کی بلاغت کا تعلق ہے تو اس میں آپ بلند رتبہ اور اعلیٰ منصب پر فائز تھے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔ آپ جبلت کی سہولت، طبعی انقیاد، قلیل الفاظ اور کثیر معانی کے ساتھ، غریب الفاظ کے عدم اختلاط کے ساتھ، ایسی گفتگو کے ساتھ جو ضعف تالیف سے پاک تھی۔ صحیح معانی کے ساتھ اور تکلف کی قلت کے ساتھ معروف تھے۔ آپ کو جوامع الکلم عطا کیا گیا تھا۔ آپ کو حکمت آموز باتوں اور عرب کی زبانوں کے علم کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ ہر قوم کو اس کی زبان میں مخاطب کرتے تھے۔ اس کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ ان کی بلاغت کے طریقے سے انہیں جوابات دیتے تھے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام اکثر آپ کی گفتگو کی تشریح کے طالب ہوتے تھے۔ جس نے آپ کی احادیث طیبہ میں غور کیا۔ سیرت پاک کو سمجھا اس کے لیے یہ بات ثابت ہوگئی۔

آپ کی زبان کی فصاحت وہ انتہاء ہے جسے پایا نہیں جا سکتا۔ ایسا مقام ہے جس کی انتہا نہیں۔ ایسے کیوں نہ ہو۔ رب تعالیٰ نے آپ کی زبان اقدس کو اپنی تلواروں میں سے ایک تلوار بنایا ہے۔ جس سے آپ رب تعالیٰ کی مراد کو بیان کرتے تھے۔ اور اس کے بندوں کو اس کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اس کے امر کے بارے آپ حکمت سے گفتگو کرتے تھے۔ اس کے ذکر کی حقیقت سے اس کی مراد کو واضح کرتے تھے۔ جب آپ بولتے تھے تو آپ ساری مخلوق سے فصیح ہوتے تھے۔ جب وعظ فرماتے تھے تو ساری مخلوق سے زیادہ مخلص ہوتے تھے۔ آپ نہ تو بے ہودہ گوئی کرتے تھے نہ ہی ہرزہ سرائی کرتے تھے۔ آپ کا سارا کلام علم کے اعتبار سے ثمر آور تھا۔ شرع اور حکم کے مطابق ہوتا تھا۔ کوئی بشر ایسا کلام نہیں کر سکتا جو آپ کی گفتگو سے زیادہ محکم ہو۔ جو آپ کے کلام سے زیادہ شیریں ہو۔ آپ اس امر کے سزاوار تھے کہ اپنی زبان اقدس

سے رب تعالیٰ کی مراد میاں کرتے۔ رب تعالیٰ کے بندوں پر اس کی حجت قائم کرتے۔ اس کے فروض، اوامر، نواہی اور زواجر کو عیاں کرتے۔ آپ بیان کے اعتبار سے ساری مخلوق سے محکم تھے۔ زبان کے اعتبار سے فصیح تھے۔ بیان کے اعتبار سے واضح تھے۔ مختصر یہ کہ آپ کی فصاحت کسی شاہد کی محتاج نہیں نہ ہی کوئی دوست یا دشمن اس کا انکار کرتا ہے۔

قاضی صاحب نے لکھا ہے "آپ کے مشہور کلام مبارک، معروف فصاحت اور جوامع الکلم کے بارے لوگوں نے کئی دیوان لکھے ہیں۔ ان کے الفاظ اور معانی میں کتب تالیف کیں ہیں ان میں بعض ایسے ہیں کہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ان کا سامنا بھی نہیں ہوسکتا۔ جیسے کہ آپ کا ارشاد ہے:

المسلمون تتکافأ دماؤهم و یسعی بذمتهم ادناهم وهم ید علی من سواهم۔ (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: "تمام مسلمانوں کا خون برابر ہے۔ اگر کوئی کم درجہ والا مسلمان کسی قوم کو امان دے گا یا عہد کرے گا تو سب مسلمانوں پر اس کی پابندی لازمی ہوگی تمام مسلمان دشمن کے مقابلہ میں یکجان ہوں گے۔"

المسلمون کاسنان المشط۔ (ابن لآل فی مکارم الاخلاق)

ترجمہ: "مسلمان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔"

المرء مع من احب۔ (امام بخاری، امام مسلم عن انس رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: "انسان کو اس کی معیت حاصل ہوگی جس سے وہ محبت کرتا ہے۔"

لاخیر فی صحبة من لا یری لك مثل ما تری له۔ (ابن عدی عن انس رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: "اس شخص کی رفاقت میں کوئی فائدہ نہیں جو اس طرح تمہارے لیے تمنا نہ کرے جس طرح تم اس کے لیے تمنا کرتے ہو۔"

الناس معادن کمعادن الذهب والفضة خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا۔ (امام بخاری، امام مسلم)

ترجمہ: "لوگوں کے مزاج اس طرح مختلف ہوتے ہیں۔ جس طرح سونے اور چاندی کی معدنیات ہوتی ہیں جاہلیت میں ان میں سے بہترین اسلام میں بہترین ہیں جب کہ وہ سمجھ رکھیں۔"

ما هلك امرؤ عرف قدر نفسه۔ (ابن السمعانی فی تاریخه عن علی رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: "وہ شخص ہلاکت کے گڑھے میں نہیں گرتا جو اپنی قدر پہچان لیتا ہے۔"

المستشار مؤتمن وهو بالخیار ان شاء تکلم و ان شاء سکت۔ (عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: "جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے اسے اختیار ہوتا ہے اگر وہ چاہے تو گفتگو کرے چاہے

تو خاموش ہو جائے۔"

رحم الله عبدا قال خيرا فغنم او سكت عن شر فسلم۔ (الدیلمی عن انس ﷺ)

ترجمہ: "رب تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو بھلائی کی بات کرتا ہے جس سے فائدہ ملتا ہے یا شر سے خاموش رہتا ہے اور محفوظ رہتا ہے۔"

اسلم تسلم يوتك الله اجرك مرتين۔ (امام بخاری وامام مسلم)

ترجمہ: "اسلام لے آسلامتی پا جائے گا۔ رب تعالیٰ تجھے دوگنا اجر عطا کرے گا۔"

ان احبكم الیّ و اقربكم منی مجلسًا يوم القيامة الموطّؤُونَ اكنافًا الذين يالفون ويؤلفون۔

ترجمہ: "تم میں سے از روئے محبت میرے سب سے قریب اور از روئے مجلس روزِ حشر تم میں سے میرے سب سے نزدیک وہ ہوگا جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے۔ جن کے پہلو نرم ہوتے ہیں۔ وہ محبت کرتے ہیں، ان سے محبت کی جاتی ہے۔"

لعله يتكلم بما لا يعنيه ويبخل بما لا يغنيه۔ (بیہقی، ترمذی)

ترجمہ: "شاید وہ لا یعنی گفتگو کرتا ہے اور ایسی چیز میں بخل کرتا ہے جو اسے مستغنی نہیں کرتی۔"

ذوالوجهين لا يكون عند الله وجيهًا۔

ترجمہ: "دو چہروں والا رب تعالیٰ کے ہاں معزز نہیں ہو سکتا۔"

آپ نے زیادہ بحث مباحثہ، کثرت سوال، مال کے ضیاع، ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا۔

اتق الله حيثما كنت واتبع السئية الحسنة تمحها وخالق الناس بخلق حسن۔ (امام احمد)

ترجمہ: "جہاں کہیں بھی رہو رب تعالیٰ سے ڈرو۔ برائی کے بعد نیکی کرو وہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی اور لوگوں سے حسنِ اخلاق سے پیش آؤ۔"

خير الامور اوسطها۔ (ابن السمعانی)

ترجمہ: "امور میں بہترین میانہ روی ہے۔"

احبب حبيبك هونا ما عسى ان يكون بغيضك يومًا ما۔ (امام ترمذی)

ترجمہ: "اپنے دوست سے پیار کرو تو وقار کے ساتھ ہو سکتا ہے وہ کسی دن تمہارا دشمن بن جائے۔"

الظلم ظلمات يوم القيامة۔ (بخاری)

ترجمہ: "ظلم روزِ حشر کی تاریکیوں میں سے ہے۔"

"مولا! میں تجھ سے اسی رحمت کا سوال کرتا ہوں جس کے ذریعے تو میرے دل کو ہدایت دے دے میرے امور جمع کر دے۔ میرے بکھرے شیرازے کو جمع کر دے۔ جس کے ساتھ میرے باطن کی اصلاح کر دے۔ اس کے ذریعے میرے ظاہر کو بلند کر دے۔ اس کے ذریعے تو میرے اعمال کو پاکیزہ کر دے۔ اس کے ذریعے مجھے رشد الہام کلام فرما دے اس کے ذریعے میری محبوب چیز واپس کر دے۔ اس کے ذریعے مجھے ہر برائی سے بچا لے۔ مولا! میں تجھ سے قضاء میں کامیابی شہداء کے مراتب، سعادتمندوں کی سی زندگی اور دشمن پر نصرت کا سوال کرتا ہوں۔" (امام ترمذی)

اسی طرح آپ کی حسین گفتگو، تقاریر، خطبے دعوتیں اور معاہدوں کو بہت سے لوگوں نے بہت سے لوگوں سے روایت کیا ہے۔ جس سے یہ اختلاف مٹ جاتا ہے کہ آپ فصاحت و بلاغت کے اس مقام پر فائز تھے۔ دوسرے کے بارے جس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ آپ لوگوں سے اتنی سبقت لے گئے تھے۔ جس کا قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے وہ کلمات جمع کیے ہیں جو آپ کے پہلے کسی نے نہیں کہے تھے۔ نہ کسی کو یہ قدرت ملی کہ اس کے قالب میں انہیں ڈالا جاتا جیسے کہ آپ نے غزوہ حنین کے روز فرمایا تھا:

حمي الوطيس۔

ترجمہ: "اب جنگ کی بھٹی گرم ہوئی ہے۔"

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

مات حتف انفه۔

ترجمہ: "وہ جہاد میں شرکت کیے بغیر مرا۔"

انہوں نے فرمایا: "بخدا! یہ ایسے کلمات ہیں جنہیں میں نے اہلِ عرب میں سے کسی سے پہلے نہیں سنے تھے۔

لا يلدغ المؤمن من جحر مرتين۔

ترجمہ: "مؤمن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جا سکتا۔" (بخاری)

السعيد من وعظ بغيره والشقي من شقي في بطن امه۔ (مسلم عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: "سعیدمند وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے نصیحت پکڑتا ہے۔ بد بخت وہ ہوتا ہے جو ماں کے پیٹ سے بد بخت ہو۔"

الشعالبی نے یہ اضافہ کیا ہے۔

كل صيد في جوف الفرا۔

ترجمہ: "سارے شکار جنگلی گدھے کے پیٹ میں ہیں۔"

لا ینتطح فیھا عنزان۔

ترجمہ: "اس میں دو کمزور شخص بھی نہیں لڑتے۔"

ھدنة علی دخن۔

ترجمہ: "ظاہر صلح باطن لڑائی۔"

جماعة علی قذی۔

ان المنبت لا ارضا قطع ولا ظھرا ابقی۔

نصرت بالرعب۔

ترجمہ: "رعب کے ساتھ میری نصرت کی گئی ہے۔"

اوتیت جوامع الکلم۔

ترجمہ: "مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں۔"

انما مما انبت الربیع یقتل حبطا او یلم۔

الایمان قید الفتك۔

یا خیل الله ارکبی۔

اشتدی ازمة تنفرجی۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں "ان کے علاوہ اور بھی بہت سے جوامع الکلم ہیں جو پڑھنے والے کو تعجب میں ڈالتے ہیں۔ وہ ان کی حکمتوں میں غور وفکر کرتے ہیں۔"

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں نبی کریم ﷺ ہوں۔ اس میں ذرہ بھر جھوٹ نہیں۔ میں حضرت عبدالمطلب کا فرزند ارجمند ہوں۔ میں سارے عرب سے فصیح عربی بولنے والا ہوں۔ میں قریش میں پیدا ہوا ہوں۔ بنوسعد میں پروان چڑھا ہوں۔ زبان میں میرے ساتھ مقابلہ کیسے ہوسکتا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کی: "یارسول اللہ! ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جو آپ سے زیادہ فصیح ہو۔" آپ نے فرمایا: "مجھے اس سے کیا چیز روک سکتی ہے۔ قرآن میری زبان عربی مبین میں نازل ہوا۔ میں قریش میں سے ہوں۔ میں نے بنوسعد میں پرورش پائی ہے۔" اس طرح آپ کے لیے دیہات کے لوگوں کی قادر الکلامی اور فصاحت اور شہریوں کے الفاظ کی فصاحت اور ان کے کلام کی رونق آپ میں جمع ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "آپ ہم سب سے زیادہ فصیح کیوں ہیں؟ حالانکہ آپ ہمارے سامنے کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔" آپ نے فرمایا: 'لغت اسماعیل علیہ السلام مٹ چکی تھی۔ حضرت جبرائیل امین اسے لے کر آئے۔ میں نے اسے یاد کرلیا۔" (ابونعیم، بیہقی)

برہ بنت عامر ثقفیہ جو اپنی قوم کی عورتوں کی سردار تھی۔ اس نے اپنے بھائیوں سے کہا: "اے بنو عامر! کیا تم میں سے کسی نے محمد عربی ﷺ کی زیارت کی ہے؟" انہوں نے کہا: "ہم سب نے موسم کے ایام میں ان کی زیارت کی ہے" اس نے پوچھا: "کیا تم میں سے کسی نے انہیں گفتگو کرتے دیکھا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہاں" اس نے کہا: "ان کی فصاحت کیسی ہے؟" انہوں نے کہا: "ہماری بہن! جھوٹ عرب کے قبیح ترین عیوب میں سے ہے۔ لیکن آپ کی فصاحت کا یہ عالم ہے کہ نہ تو ماضی میں کوئی پیدا ہوا ہے نہ ہی مستقبل میں کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو آپ سے زیادہ فصیح ہو۔ آپ محوِ گفتگو ہوتے ہیں تو آپ سے خوش گفتار کوئی نہیں ہوتا۔ آپ کا کلام دانا کو عاجز کر دیتا ہے۔ آپ کا خطاب خطیب کو خاموش کرا دیتا ہے۔" اس روایت کو احمد بن عبداللہ محمد البکری نے اپنی کتاب "انس الواحش وروی العاطش" میں ذکر کیا ہے۔

محمد بن عبدالرحمان زھری نے اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سے عرض کی گئی کہ کیا انسان اپنی بیوی سے ٹال مٹول کر سکتا ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں۔ جبکہ وہ غریب ہو۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ! میں عرب میں گھوما ہوں۔ میں نے ان کی فصاحت سنی ہے۔ میں نے آپ سے فصیح کسی کو نہیں سنا۔" آپ نے فرمایا میرے رب تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا ہے اور میں بنو سعد میں پروان چڑھا ہوں۔"

(ابن عساکر)

حضرت زکریا بن یحییٰ بن یزید سعدی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں سارے عرب سے فصیح ہوں۔ میں قریش میں پیدا ہوا ہوں۔ بنو سعد میں پروان چڑھا ہوں۔ میری زبان دانی کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے۔" (ابن سعد)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ سارے لوگوں سے زیادہ فصیح تھے۔ آپ ایسی کلام میں گفتگو کرتے تھے جسے صحابہ کرام نہ جانتے تھے حتیٰ کہ آپ انہیں خود آگاہ فرما دیتے۔"

آپ عرب کے سارے طرزِ تکلم سے آگاہ تھے

آپ نہ صرف قریش، انصار اور اہلِ حجاز سے ہی محوِ گفتگو ہوتے تھے۔ بلکہ عرب کے دیگر لوگوں کے ساتھ آپ کلام فرماتے تھے۔ ذرا آپ کی وہ دعا دیکھو جو آپ نے بنو فہد کے لیے فرمائی تھی۔ وہ وفد کی صورت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت طہفہ بن رحم کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے قحط سالی کی شکایت تھی۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم تہامہ کی نشیبی زمین میس کے کجاؤوں میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہم جھاؤ کا پھل چنیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بادل میں پانی کم ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہوا اسے ادھر ادھر لے جا رہی ہے۔ وہ اسے دور کی سرزمین سے لے جا رہی ہے۔ جسے روندھنا بہت سخت ہے۔ تیل کی شیشی خشک ہو چکی ہے۔ نباتات سوکھ چکی ہیں۔ املوج گر پڑا ہے۔ شاخیں خشک ہو گئی ہیں قربانی کے جانور ہلاک ہو گئے ہیں۔ کھجوریں خشک ہو گئیں ہیں۔ یارسول اللہ! شرک اور ظلم سے توبہ کر کے ہم آپ کی

بارگاہ میں پہنچے ہیں۔ ہم نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا ہے۔ شریعت اسلام کو مانا ہے۔ جب تک سمندر کی موجیں بلند ہوتی رہیں گی۔ جب تک بعار اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ہم گمشدہ جانوروں کی طرح تھے۔ جن میں دودھ نہ ہو۔ جنہیں پانی سے سیراب نہ کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی: "مولا! ان کے خالص دودھ اور مکھن میں برکت فرما۔ اس دودھ میں برکت فرما جس میں پانی ملایا گیا ہو۔ مولا! ان کے چرواہوں کو گھاس اور نباتات میں بھیج دیے۔ جہاں پھل پک چکا ہو۔ ان کو کثیر پانی عطا فرما۔" ان کے اموال اور اولاد میں برکت فرما۔ جس نے نماز پڑھی وہ مسلمان ہے۔ جس نے زکوٰۃ دی وہ محسن ہے۔ جس نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی وہ مخلص ہے۔ اے بنو نہد! تمہارے ساتھ مشرکین کے عہد میں بادشاہ کے وظائف ہیں۔ تم زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں رکو گے۔ زندگی میں حق سے نہیں پھرو گے نماز میں سستی نہیں کرو گے۔"

پھر آپ نے بنو نہد کے لیے ایک مکتوب گرامی ان کے ہمراہ بھیجا۔ جو یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"من محمد رسول اللہ الی بنی نہد بن زید! اس شخص پر سلامتی جو رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم پر ایمان لایا اے بنو نہد! زکوٰۃ میں عمدہ مال تمہارے لیے ہے۔ ہم درمیانہ مال لیں گے۔ ایسے گھوڑوں پر جنہیں بطور سواری استعمال کیا جائے یا جس پر سواری کرنا مشکل ہو ان میں زکوٰۃ نہیں۔ تمہاری چراگاہوں میں کوئی داخل نہ ہوگا۔ نہ تمہارے طلح کو کاٹا جائے گا۔ نہ تمہارے شیر آور جانوروں کو روکا جائے گا۔ جب تک تم غیظ و غضب نہیں چھپاؤ گے۔ تم عہد شکنی نہ کرو۔ جس نے اس امر سے انحراف نہ کیا جو اس مکتوب گرامی میں ہے اس کے لیے رب تعالیٰ کے دربار سے جزاء اور ثواب ہے۔ جس نے انکار کیا اس کے لیے سزا ہے۔" (ابونعیم، دیلمی، ابونعیم)

جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ ہمدان کا وفد حاضر خدمت ہوا۔ ان میں سے مالک بن نمط نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ ہمدان کے سردار ہیں۔ یہ ان کے شہروں اور دیہاتوں میں سے عمدہ لوگ ہیں۔ وہ آپ کے پاس تیز رفتار اونٹنی پر سوار ہو کر آئے ہیں وہ اسلام کے عہود اور مواثیق سے متصل ہونا چاہتے ہیں۔ انہیں رب تعالیٰ کے بارے کسی ملامت گر کی ملامت کچھ نہیں کہتی۔ انہیں خارف اور یام کے قبائل کے لوگوں کی پرواہ نہیں۔ کوئی چغل خور اس عہد کو توڑ نہیں سکتا نہ ہی کوئی مصیبت اسے ختم کر سکتی ہے۔ جب تک میں سے ہیں۔ لعلع قائم ہے۔ جب تک وحشی گائیں چٹیل میدانوں میں چلتی رہیں۔"

حضور ﷺ نے ان کے لیے یہ مکتوب گرامی لکھا:

"محمد رسول اللہ کی طرف سے یہ مکتوب گرامی خارف، اہل جناب الھضب اور حقاف رمل کے لوگوں کے لیے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مالک بن نمط اور ان کے قبیلہ کے مسلمان شامل ہیں۔ ان کے

لیے بلند مقامات، نشیبی مقامات اور سخت مقامات اس وقت تک ہیں جب تک وہ نماز قائم کرتے رہیں گے۔ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں گے۔ ان کے لیے ان میں ان کے جانوروں کے لیے چارہ ہے۔ وہ ان مقامات پر جانور چرائیں گے۔ ان کے اونٹوں اور کھجوروں میں ہمارے لیے وہی کچھ ہے جو وہ عہد اور میثاق کے مطابق ادا کریں گے۔ صدقہ میں بوڑھا اونٹ، بوڑھی اور نئے اونٹوں کی اولاد، گھر میں رہنے والے بچے، رنگے ہوئے چمڑے ان کے لیے ہیں۔ انہیں نوجوان گائے، بکری اور اونٹ زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔"

آپ نے قطن بن حارثہ یا حارثہ بن قطن کی طرف یہ مکتوب گرامی لکھا: "یہ خط مبارک محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کلب کے قبائل، ان کے حلیف قبائل، ان کے قطن بن حارثہ کے ہمراہ وہ قبائل جن پر اسلام نے مہربانی کی ہے۔ وہ وقت پر نماز ادا کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے۔ وہ مسلمان گواہوں کی موجودگی میں عہد بنائیں گے۔" آپ نے بہت سے گواہوں کے نام لیے جن میں حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی بھی تھے۔ ان جانوروں میں جو خود چراتے ہیں، جن کے ہمراہ بچے ہوں یا جو دوسروں کے بچوں پر پیار کرتے ہوں۔ ہر پچاس میں ایک ایسی اونٹنی دینا ہوگی۔ جو کمزور نہ ہو۔ جبکہ بوجھ اٹھانے والے اونٹ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ بکریوں میں چالیس بکریوں میں ایک بکری بطور زکوٰۃ لی جائے گی۔ اسی طرح جاری چشمے سے سیراب ہونے والی زمین عشر ہوگا اس فریضہ میں کمی وبیشی نہیں ہوگی۔

آپ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ مکتوب گرامی لکھا "عظیم رؤساء اور وزراء خوبصورت چہروں اور حسین رنگوں والوں کی طرف! وہ فرض نماز ادا کریں۔ زکوٰۃ دیں چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ کے طور پر دیں جو نہ بوڑھی ہو نہ ہی بچہ ہو۔ گوشت سے بھرپور ہو۔ وہ درمیانی بکری بطور زکوٰۃ دیں۔ رکاز میں خمس ہے۔ جو کنوارا زنا کرے اسے ایک سو کوڑے مارو ایک سال جلاوطن کر دو۔ جو شادی شدہ زنا کرے اسے پتھر مارو۔ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سستی اور کاہلی نہ دکھاؤ۔ رب تعالیٰ کے فرائض میں کوئی پوشیدگی اور خفاء نہیں۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ ان کے امیر حضرت وائل بن حجر ہیں جن کو حضور ﷺ نے امیر مقرر فرمایا ہے۔

قاضی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "صدقہ کے بارے یہ الفاظ اس روایت میں کہاں ہیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے۔ ان میں مالوف فصیح الفاظ ہیں۔ سلاست کی مانوس ترکیب ہے۔ یہ غریب الفاظ کی بندش اور گفتگو میں مشکل اسالیب کو استعمال میں لانا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کا کلام اجنبی اور غیر مانوس تھا۔ ان کی بلاغت اسی طریقہ پر تھی جو اجنبی اور غیر مانوس ہو۔ آپ نے بھی ان الفاظ کا استعمال زیادہ کیا جو مالوف اور مانوس نہ تھے۔ تاکہ ان کے لیے وہ پیغام واضح ہو سکے جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ آپ لوگوں سے ان زبان میں گفتگو کریں جنہیں وہ جانتے ہوں۔ تاکہ وہ آپ کی بات سمجھ سکیں۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ اہلِ عرب کے زبانوں کے اختلاف کے باوجود ہر شخص کے ساتھ اس کی زبان میں گفتگو

کرتے تھے۔ اس کی تراکیب اور کلمات کا اسلوب اختیار کرتے تھے۔ جبکہ اور کوئی شخص اپنی زبان سے متجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسری زبان اس کے لیے اس طرح ہوتی تھی جس طرح عربی عجمی کو سن لے۔ یہ صرف اور صرف آپ پر قوتِ الٰہیہ اور عنایات ربانیہ کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ آپ کو ساری مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا تھا آپ ہر سیاہ و سرخ کے نبی ہیں۔ آپ کے علاوہ ہر شخص اس شخص کی زبان سمجھنے سے قاصر ہوتا جو اس کی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں گفتگو کر رہا ہوتا۔ کیونکہ آپ عرب کی زبانوں میں سے ہر ہر زبان میں گفتگو کر لیتے تھے۔ آپ ان ساری زبانوں میں فصیح اور بلیغ ہوتے تھے۔ آپ اس فضیلت کے مستحق بھی تھے۔ کیونکہ آپ کو ساری بشری صفات بدرجہ اتم عطا کی گئی تھیں۔ آپ کو کثیر امور میں لوگوں پر فضیلت دی گئی تھی۔ حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: "رب تعالیٰ نے تمہیں مستغنی کر دیا ہے تو لوگوں سے سوال نہ کرو۔ اوپر والا ہاتھ تو نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔" انہوں نے کہا: "آپ نے ہمارے ساتھ ہماری زبان میں گفتگو کی آپ نے حضرت کعب بن عاصم الاشعری سے فرمایا: "لیس من امبر امصیام فی امسفر" یعنی سفر میں روزہ رکھنا نیکی میں سے نہیں۔

یہ صحیح زبان ہے۔ اشعری اور یمن کے اکثر لوگ اسے استعمال کرتے ہیں۔ آپ نے بیان میں رغبت کرتے ہوئے۔ حسن تعلیم اور انہیں ان کی ہی زبان میں سمجھاتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کیے۔ جب ایک عامری شخص نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

سل عنك۔

ترجمہ: "مجھ سے جو چاہو سوال کرلو۔"

یہ بنو عامر کی زبان ہے۔

❁❁❁

تئیسواں باب

وہ افراد جن کے اجسام میں آپ کے جسد اطہر کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے

وہ بلند اقبال ہستیاں اور افراد جن کے اجسام آپ کے جسد اطہر سے ملتے جلتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام

اس امر کا تذکرہ "استجلاب ارتقاء الغرف لجب اقرباء الرسول و ذوی الشرف" کے مصنف نے کیا ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

روایت ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام آپ کے مشابہ تھے۔

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔" امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اور کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہ تھا۔ روایت ہے کہ ان کا چہرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے مشابہت رکھتا تھا۔

الحافظ نے لکھا ہے "یعنی وہ اہلِ بیت میں سے زیادہ آپ کے مشابہ تھے۔ حضرت ابن سیرین کی روایت حضرت امام زہری کی روایت کے معارض ہے ان کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے۔ وہ حضرت امام زہری نے بیان کیا ہے وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی حیات ظاہری تک محدود ہوگا۔ اس زندگی میں وہ اپنے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ جبکہ حضرت ابن سیرین کی روایت میں جو تذکرہ ہے وہ حضرت امام حسن کے وصال کے بعد مراد ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ حضرت امام حسین حضرت امام حسن کے علاوہ دیگر لوگوں میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ یا یہ مطلب ہوگا کہ وہ بعض اعضاء میں مشابہت رکھتے ہوں۔ امام ترمذی نے ہانی بن ہانی کی سند سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سر اقدس سے لے کر سینہ اقدس تک اور حضرت امام حسین سینہ اقدس سے لے کر قدمین شریفین تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ حضرت انس کی روایت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایت

کوتقویت دیتی ہے۔

- حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی اپنے والد محترم ﷺ کے مشابہ تھیں۔
- ان کے برادر محترم حضرت ابراہیم بن محمد عربی ﷺ بھی آپ ﷺ کے مشابہ تھے۔
- خرائطی نے "اعتدال القلوب" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے وظیفۂ زوجیت ادا کیا۔ وہ آپ سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے حاملہ ہوئیں۔ حضرت جبرائیل امین نے آپ کو بشارت دی کہ وہ ساری مخلوق میں سے سب سے زیادہ آپ کے مشابہ ہوں گے۔"
- حضور ﷺ کے چچازاد ذوالجناحین حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم خَلق اور خُلق میں میرے مشابہ ہو۔"
- ان کے دونوں فرزند حضرت عون اور حضرت عبداللہ۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کے بھائی حضرت عون سے فرمایا: "وہ خَلق اور خُلق میں آپ کے مشابہ ہیں۔"
- حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس کے فرزند حضرت قثم رضی اللہ عنہ۔ (اس کا ذکر ابن السکن نے کیا ہے)
- ابوسفیان بن نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ۔ (الجز، الاستیعاب)
- حضرت عقیل بن ابی طالب کے فرزند حضرت محمد اور حضرت مسلم۔ (ابن حبان)
- سائب بن یزید رحمۃ اللہ۔ حضرت امام شافعی کے جد اعلیٰ۔ (زبیر بن بکار) امام حاکم نے حضرت امام شافعی کے مناقب میں لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ایک روز حضور ﷺ خیمہ میں تھے۔ حضرت سائب بن عبید اللہ حاضر خدمت ہوئے۔ ان کے ہمراہ ان کے لختِ جگر بھی تھے۔ آپ نے فرمایا: "یہ انسان کی سعادت مندی ہے کہ وہ اپنے باپ کے مشابہ ہو۔" یہ فرزند حضرت شافع بن سائب تھے۔"
- حضرت عبداللہ بن عامر کریز عبشمی رضی اللہ عنہ۔
- کابس بن ربیعہ بن عدی رضی اللہ عنہ۔
- علی بن نجار۔ قاسم بن محمد بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔ قاسم بن محمد۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ خلق میں حضور ﷺ کے مشابہ تھے۔
- ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن رضی اللہ عنہم۔ یحییٰ بن قاسم بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم۔
- عبیداللہ بن ابی طلحہ الخولانی۔ مسلم بن معتب۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ لیکن الحافظ نے لکھا ہے کہ اس کے بارے روایت موضوع ہے۔ وہ آپ سے مشابہت نہیں رکھتے تھے۔
- حضرت ثابت بنانی اور حضرت قتادہ بن دعامۃ۔ صاحب اتجلاب ارتقاء الغرق نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

محمد بن عبداللہ المھدی ۔ جن کا ظہور آخری زمانہ میں ہوگا۔ الحافظ نے ان سب کا ذکر الفتح میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے مناقب میں کیا ہے۔ لیکن ان کا امام مہدی کو ایسے افراد میں شمار کرنا لغزش ہے۔ امام ابوداؤد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت امام مہدی کے حلیہ میں لکھا ہے "ان کا نام وہی ہوگا جو تمہارے نبی کا نام ہے۔ وہ خُلق میں تو آپ کے مشابہ ہوں گے لیکن خَلق میں مشابہ نہیں ہوں گے۔"

حضرت ابوالعباس احمد شہاب الدین اپنی اس نظم میں ان سارے قدسی صفات افراد کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

بالمصطفٰی شُبّه بعض الناس فاحفظهم ولا تكن بالناسی

ترجمہ: "بعض ہستیاں حضور ﷺ کے مشابہ ہیں۔ ان کو یاد کرلو اور فراموش کرنے والوں میں سے نہ بنو۔"

فاطمة الزهراء و ابناها الحسن ثم حين كلاهما حسن

ترجمہ: "حضرت فاطمۃ الزہراء اور ان کے دونوں فرزندانِ ارجمندان رضی اللہ عنہم۔ یہ دونوں شہزادے بہت خوبصورت تھے۔"

و ابن رسول الله ابراهيم و نوفل بن حارث العظيم

ترجمہ: "حضور اکرم ﷺ کے لخت جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اور حضرت نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ جو عظیم شخص تھے۔"

و ابن ابنه بالجميل ذكره ابو محمد امير البصرة

ترجمہ: "ان کے پوتے حضرت ابومحمد جو بصرہ کے امیر تھے اور ان کا ذکر بہت جمیل ہے۔"

و جعفر و ابناه عبدالله و عونا و اذّكر لا تكن باللاهی

ترجمہ: "حضرت جعفر طیار، ان کے فرزند حضرت عبداللہ اور حضرت عون رضی اللہ عنہم تو یاد کر تو غافل لوگوں میں سے نہ ہوجا۔"

ابنا عقيل و هما محمد و مسلم و سائب الممجّد

ترجمہ: "حضرت عقیل کے دونوں فرزند یہ حضرت محمد اور حضرت مسلم ہیں اور سائب مجد۔"

ابن يزيد وهو جد الشافعی امامنا الاعظم نجل شافع

ترجمہ: "وہی ابن یزید ہیں جو حضرت امام اعظم کے جدامجد ہیں جو شریف النسل اور سفارش کرنے والے ہیں۔"

والجر عبدالله و ذا ابن عامر ابن كريز العبشمی الفاخر

ترجمہ: "اسی طرح حبر عبداللہ یہ ابن عامر ہیں۔ ابن کریز العبشمی فاخر ہیں۔"

كالبس والده ربيعه ابن عدی نسبته رفعيه

ترجمہ: "اسی طرح کابس ان کے والد ربیعہ ابن عدی جن کی نسبت بلند ہے۔"

اليشكرى وعد بعد اليشكرى   يحيى هو ابن قاسم بن جعفر

ترجمہ: "یشکری اور ان کے بعد یحییٰ کو شمار کیا گیا ہے۔ یہ ابن قاسم بن جعفر ہیں۔"

ابن محمد مولانا علی   ابن حسین بن علی الولی

ترجمہ: "ہمارے سردار ابن محمد علی بن حسین بن علی ولی رضی اللہ عنہم ہیں۔"

وولد العباس وهو قثم   و ابن معتب المسمّٰى مسلم

ترجمہ: "حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت قثم، حضرت ابن معتب جنہیں مسلم کہا جاتا ہے۔"

القاسم الثبت ابن عبدالله   بن محمد عظيم الجاه

ترجمہ: "حضرت قاسم الثبت بن عبداللہ بن محمد جو عظیم مرتبہ والے ہیں۔"

مجده عقيل الكريم   كذا ابن عبد ابراهيم

ترجمہ: "اسی طرح ان کے جد امجد عقیل الکریم اسی طرح ابراہیم بن عبداللہ آپ کے مشابہ ہیں۔"

وجده فالحسن بن حسن   ابن علی یاله من محسن

ترجمہ: "ان کے جد امجد حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ کاش ان کے لیے کوئی محسن ہوتا۔"

والسيد المهدى الذى ليظهر   قبيل عيسى و به يبشر

ترجمہ: "سید امام مہدی جن کا ظہور عنقریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوگا۔ وہ آپ کی بشارت دیں گے۔"

و ابن ابى طلحه عبدالله   و ذالك خولانى بلا اشتباه

ترجمہ: "ابن ابی طلحہ حضرت عبداللہ۔ یہ بلا شبہ خولانی ہیں۔"

ابن عوانة الشريف المغربى   احمد لقب الشبيه بالنبى

ترجمہ: "ابن عوانہ شریف مغربی جن کا لقب احمد تھا یہ بھی حضور ﷺ کے مشابہ تھے۔"

و قد جاء فى تاسع قرن قد سفى   وجهه على البدور قد اضاء

ترجمہ: "یہ نویں صدی میں جلوہ افروز ہوئے۔ ان کا چہرہ چودھویں کے چاند سے زیادہ روشن تھا۔"

و قد رئيت لطيف الذات   ممدّحا باحسن الصفات

ترجمہ: "میں نے ان کی زیارت کی ہے ان کی ذات لطیف تھی اور یہ عمدہ اوصاف سے آراستہ تھے۔"

و ذكروا عثمان فى التشبيه   بالمصطفى و ليس بالوجيه

ترجمہ: "بعض سیرت نگاروں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے مشابہ تھے لیکن وہ

آپ کے مشابہ نہ تھے۔"

و اثر فیه اتی موضوع لمحتلق فی شبهه مصنوع

ترجمہ: "اس کے متعلق اثر موضوع ہے۔ یہ جھوٹ ہے اور ان کی مشابہت میں مصنوعی بات ہے۔"

وهو جمیل الذکر علی الدرجة و بأبنتیه المصطفی قد زوّجه

ترجمہ: "وہ عمدہ ذکر والے اور بلند مرتبہ تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی دونوران نظر سے ان کا نکاح کیا تھا۔"

صلی الله علیه ابنا و سلّما والآل والصحب الکرام العظما

ترجمہ: "رب تعالیٰ آپ پر، آپ کی اولاد اطہار پر صحابہ کرام وعظام پر درود وسلام بھیجے۔"

اس مؤلف کے شاگرد حضرت شمس الدین محمد بن محمد بن محب الدین احمد بن احمد قیسی مالکی نے اس قصیدہ کو ان کے بعد مکمل کیا۔ ان کے یہ اشعار ہیں:

وعد فی اشباهه الخلیل و آدم المعظم الجلیل

ترجمہ: "آپ کے مشابہت رکھنے والے افراد میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت آدم قابل تعظیم اور جلیل کو شمار کیا جاتا ہے۔"

صعی علیهما الا له دائما مسلّما مالاح نجم فی السما

ترجمہ: "رب تعالیٰ ہمیشہ ان پر درود اور سلام بھیجے جب تک آسمان پر ستارے چمکتے رہیں۔"

کذاك عبدالله بن نوفل کذا ابوسفیان اخوه المعتلی

ترجمہ: "اسی طرح حضرت عبداللہ بن نوفل اور ان کے بلند و برتر بھائی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں۔"

وعده الناظم نوفلا بلا شك مخالف لما قد نقلا

ترجمہ: "شمار کرنے والے نے حضرت نوفل کو بھی ان بلند نصیب لوگوں میں شمار کیا ہے۔ یہ بلاشبہ ہیں یہ اس روایت کے مخالف ہے جسے نقل کیا گیا ہے۔"

کذالك المهدی ایضًا منتقد لما مضی فی الاصل وهو المعتمد

ترجمہ: "اسی طرح حضرت امام مہدی جو متقی ہوں گے۔ یہ اصل میں گزر چکا ہے۔ یہی معتمد روایت ہے۔"

وعد فی الاشباه ایضا ثابت هو البنانی و کذا قتاده

ترجمہ: "آپ کے مشابہ افراد میں حضرت ثابت بنانی اور حضرت قتادہ کو شمار کیا گیا ہے۔"

ابن دعامة کذاك القاسم کذالك عبدالله العره العالم

ترجمہ: "اسی طرح حضرت ابن دعامۃ، قاسم اور عبداللہ ہیں جن کے والد عالم تھے۔"

شافع ابن ذی ذکر الجمیل　　　الفضل والتبجیل مولانا عقیل

ترجمہ: "اسی طرح شافع، ذکر جمیل والے فضل و کرم والے ہمارے سردار حضرت عقیل ہیں۔"

شافع جد الامام الشافعی　　　لما مضی عن صاحب الشرائع

ترجمہ: "اسی طرح امام شافعی کے جد امجد ہیں۔ یہ بات صاحب الشرائع سے منقول ہے۔"

صلی اللہ علیہ الرب ذوالجلال　　　کذا الصحاب جملہ والآل

ترجمہ: "رب تعالیٰ آپ پر آپ کی اولاد اطہار پر اور صحابہ کرام پر درود بھیجے۔"

❁❁❁

وہ امور جو آپ کی ولادت مبارکہ اور بعثت کے مابین رونما ہوئے

پہلا باب

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی کفالت

آپ کی عمر مبارک چار سال تھی تو آپ کی والدہ ماجدہ کا وصال ہو گیا۔ ایک قول کے مطابق اس وقت عمر مبارک چھ سال، سات سال یا نو سال یا پانچ سال یا بارہ سال ایک ماہ اور دس دن عمر مبارک تھی۔ آپ کا وصال مقام الابواء کے مقام پر ہوا۔ دوسرے قول کے مطابق شعب ابی طالب الحجون کے مقام پر وصال ہوا لیکن دوسرا قول غلط ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے "حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ اور جد امجد حضرت عبدالمطلب کے ہمراہ رب تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی میں تھے۔ آپ اس عزت و کرامت کی وجہ سے بڑی اچھی طرح پروان چڑھ رہے تھے۔ جس کا رب تعالیٰ نے آپ کے ساتھ ارادہ فرمایا تھا۔ جب آپ کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ کا وصال مقام ابواء میں ہو گیا۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے مابین ہے۔"

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ بعض بصریوں نے لکھا ہے کہ ان کا وصال مکہ مکرمہ میں ہوا۔ شعب ابی ذئب الخزاعی میں مدفون ہوئیں۔ مگر یہ روایت ثابت نہیں ہے۔

ابن سعد نے لکھا ہے "یہ موقف غلط ہے۔ ان کی قبر انور مکہ مکرمہ میں نہیں۔ ان کی قبر انور ابواء کے مقام پر ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر آپ کے ننھیال بنو عدی کے پاس گئی تھیں۔ وہ مکہ مکرمہ واپس آ رہی تھیں کہ ان کا وصال ہو گیا۔" ابن ہشام نے لکھا ہے حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو النجاریہ تھی۔ یہی وہ ننھیالی رشتہ ہے جس کا تذکرہ ابن اسحاق نے کیا ہے۔

ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ تھے۔ جب آپ کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو وہ آپ کو لے کر آپ کے ننھیال بنو عدی کی طرف گئیں تاکہ انہیں آپ کی

زیارت کرائیں۔ ان کے ہمراہ حضرت ام ایمن بھی تھیں۔ یہ آپ کی خدمت کرتی تھیں۔ یہ کارواں دو اونٹوں پر سوار تھا۔ وہ دارالنابغہ میں ٹھہریں۔ ایک ماہ قیام کیا۔ حضور ﷺ ان امور کو یاد فرماتے تھے جو آپ کے وہاں قیام کے دوران رونما ہوتے۔ جب آپ نے بنو عدی بن نجار کا بلند مکان دیکھا تو فرمایا: "اس جگہ میں انصار کی ایک لونڈی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ میں اپنے ماموں زاد بچوں کے ہمراہ ہوتا تھا۔ ہم ان پرندوں کو اڑایا کرتے تھے۔ جو اس مکان پر بیٹھا کرتے تھے۔ آپ نے ایک گھر دیکھا تو فرمایا: "اسی گھر میں میری امی جان ٹھہریں تھیں۔ اسی گھر میں میرے والد گرامی کی قبر انور ہے۔ میں نے بنو عدی کے تالاب میں تیراکی سیکھی تھی۔"

یہودی قوم آپ کے پاس آتی تھی۔ وہ آپ کی طرف دیکھتی تھی۔ حضرت ام ایمن فرماتی ہیں "میں نے یہ بات اچھی طرح یاد کر لی۔" پھر آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوئیں۔ جب ابواء پہنچیں تو ان کا وصال ہوگیا۔ ان کی قبر انور وہیں ہے حضرت ام ایمن آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آگئیں۔

ابونعیم نے محمد بن عمر اسلمی سے اس اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "مجھے ایک یہودی نے دیکھا۔ وہ مجھے مختلف انداز میں دیکھتا رہا۔ اس نے پوچھا: "بچے! تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے کہا: "احمد" اس نے میری کمر انور دیکھی۔ میں نے اسے سنا وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔ "یہ اس امت کے نبی ہیں۔" پھر وہ میرے ماموؤں کے پاس گیا انہیں بتایا۔ انہوں نے میری والدہ ماجدہ کو بتایا امی جان کو میرے بارے خدشہ لاحق ہوا۔ ہم مدینہ طیبہ سے نکل آئے۔ حضرت ام ایمن بیان کرتی ہیں "مدینہ طیبہ میں ایک دن دوپہر کے وقت دو یہودی آئے۔ اس نے کہا: "ہمیں احمد مجتبیٰ ﷺ کی زیارت کرائیں۔" میں آپ کو باہر لے کر آئی۔ انہوں نے آپ کی طرف دیکھا آپ کو کچھ دیر چومتے رہے۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا "یہ اس امت کے نبی ہیں۔ یہ ان کا دار ہجرت ہے۔ عنقریب اس شہر میں قتل ہوگا۔ لوگ قیدی بنیں گے۔ بہت عظیم امر رونما ہوگا۔" حضرت ام ایمن فرماتی ہیں "میں نے ان کی ساری باتیں خوب یاد کر لیں۔"

ابونعیم نے ام سماعۃ بنت ابی رحم سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا: "میں اس وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک پانچ سال تھی۔ آپ امی جان کی سر کے اوپر کھڑے تھے۔ انہوں نے آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا۔ پھر یہ اشعار پڑھے:

بارك فيك الله من غلام   يا ابن الذى من حومة الحمام

ترجمہ: "میرے لخت جگر! اللہ تعالیٰ آپ کو بابرکت کرے۔ اے اس ذات والا کے نور نظر جس نے موت کے ہجوم سے۔"

نجا بعون الملك العلّام   فودى غداةً الضرب بالسهام

ترجمہ: "ملک علام کی مدد سے نجات پالی۔کل تیروں کے ساتھ قرعہ اندازی کر کے انہیں بچالیا گیا۔"

بمائة من ابل سوّام ان صح ما ابصرت فی المنامِ

ترجمہ: "جنہیں ایک سو اونٹ دے کر بچالیا گیا۔اگر وہ کچھ درست ہے جسے میں نے خواب میں دیکھا ہے۔"

فانت مبعوث الی الانام تبعث فی الحل والحرام

ترجمہ: "تو پھر آپ کو سارے انسانوں کی طرف مبعوث کیا جائے گا۔حل اور حرم میں آپ مبعوث ہوں گے۔"

من عند ذی الجلال والاکرام تبعث بالتحقیق والاسلام

ترجمہ: "آپ کو رب تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا جائے گا۔آپ حق اور اسلام کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔"

دین ابیك البرّ آبراھام تبعث بالتحنیف والاسلام

ترجمہ: "آپ اپنے پاکباز باپ حضرت ابراہیم کے دین کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔آپ حنفیت اور اسلام کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔"

ان لا توالیھا من الاقوام فالیه انھاك عن الاصنام

ترجمہ: "آپ اپنی قوم کے ساتھ مل کر ان بتوں سے دوستی نہ کریں۔میں رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر آپ کو بتوں سے روکتی ہوں۔"

پھر فرمایا:"ہر زندہ نے مرنا ہے۔ہر نئے نے بوسیدہ ہونا ہے۔ہر بڑے نے فنا ہونا ہے۔میرا وصال ہو جائے گا۔لیکن میرا ذکر باقی رہے گا۔کیونکہ میں خیر کو چھوڑے جارہی ہوں۔میں نے پاکیزہ بچہ جنم دیا ہے۔" پھر ان کا وصال ہو گیا۔ہم جنات کو سنتے تھے۔وہ ان اشعار کے ساتھ ان کی نوحہ گری کرتے تھے۔

نبکی الفتاة البرہ الامینه ذات الجمال الصفة الرزینه

ترجمہ: "ہم اس محترمہ خاتون پر رو رہے ہیں۔جو احسان کرنے والی، اطاعت کرنے والی اور امینہ تھیں وہ باجمال، پاکباز اور باوقار تھیں۔"

زوجة عبداللہ و قرینه ام نبی اللہ ذی الکسینه

ترجمہ: "وہ حضرت عبداللہ کی زوجہ محترمہ اور ساتھی تھیں۔وہ صاحب سکینہ نبی اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ تھیں۔"

و صاحب المنبر بالمدینه صارت لدی حفرتھا رھینه

ترجمہ: "وہ مدینہ طیبہ میں منبر پر جلوہ گر ہوں گے۔حضرت آمنہ اپنی قبر انور میں مدفون ہو گئی ہیں۔"

لو فودیت لفدیت ثمینه و للمنایا شفرة سنینه

ترجمہ: "اگر ان کا فدیہ ادا کیا جاتا تو ان کا فدیہ گراں بہا ہوتا۔اموات کے پاس تیز چھری ہے۔"

لا تُبقی ظعاناً ولا ظعینة الا اتت و قطعت و تینه

ترجمہ: "یہ کسی مرد یا عورت کو نہیں چھوڑتی بلکہ ان کے پاس آتی ہے اور اس کی شاہ رگ کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔"

امّا هلکت ایها الحزینه عن الذی ذوالعرش یعلی دینه

ترجمہ: "اے غمزدہ! آپ ہلاک نہیں ہوئیں۔ یہ موت عرش کے مالک کی طرف سے ہے۔ جو آپ کے دین کو غالب کرے گا۔"

کلنا والهة حزینه نبکیك للعطلة و للزینه
و للضعیفات و للمسکینه

ترجمہ: "ہم سب غمگین اور افسردہ ہیں۔ آپ کی جدائی اور فراق پر رو رہے ہیں۔ ہم کمزور اور ناتواں عورتوں پر روتے ہیں۔"

تنبیہ

ابو حفص شاہین نے الناسخ والمنسوخ میں، محب الطبری نے اپنی سیرت میں، دارقطنی اور ابن عساکر نے، خطیب نے السابق اور اللاحق میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ حجۃ الوداع ادا فرمایا۔ آپ میرے ہمراہ تھے۔ ہم الحجون کی گھاٹی کے پاس سے گزرے۔ آپ غمگین اور افسردہ تھے۔ میں بھی آپ کے رونے کی وجہ سے رونے لگی۔ آپ نے فرمایا: "حمیراء! ادھر ہی ٹھہرو۔" میں اونٹ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ آپ کافی دیر وہیں ٹھہرے رہے پھر واپس آئے تو آپ مسرور اور خوش تھے۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! آپ پر میں فدا! آپ میرے پاس تھے تو آپ غمزدہ اور افسردہ تھے آپ رو رہے تھے حتیٰ کہ میں بھی آپ کے رونے کی وجہ سے رونے لگی۔ پھر آپ میرے پاس آئے تو آپ شاداں و فرحاں تھے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: "میں اپنی امی جان کی قبر انور پر گیا تھا۔ میں نے رب تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ انہیں زندہ کر دے۔ رب تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ پھر رب تعالیٰ نے انہیں ان کی قبر انور میں لوٹا دیا۔"

اس روایت میں ابو غزیہ متفرد ہے۔ پھر اس سے کعبی متفرد ہے۔ دارقطنی نے لکھا ہے کہ اس سند میں مالک کا تذکرہ جھوٹ ہے اسے ابو غزیہ پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس کے وضع کا الزام اس پر یا اس پر ہے جس نے اس سے روایت لی ہے۔ اس روایت کے موضوع ہونے کا حکم حافظ ابو الفضل بن ناصر، جوزقانی، ابن جوزی الذہبی نے لگایا ہے۔ الحافظ نے "اللسان" میں اسے برقرار رکھا ہے۔ ایک جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کے تذکرہ میں اسے موضوع لکھا ہے۔ ابن شاہین اور ان کے پیروکاروں نے اسے ان احادیث کی ناسخ کہا ہے۔ جن میں استغفار سے منع کیا گیا ہے۔"

میں کہتا ہوں "یہ درست نہیں کیونکہ وہ روایات جن میں استغفار منع کیا گیا ہے ان کی بعض اسناد صحیح ہیں۔ ان روایات کو امام مسلم، ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں لکھا ہے۔ اگر اس روایت کو درست تسلیم کر بھی لیا جائے۔ پھر بھی یہ صحیح روایات کی ناسخ نہیں ہوگی۔" ابن دحیہ نے لکھا ہے "آپ کے والدین کریمین کے زندہ کیے جانے کے بارے روایات موضوع ہیں قرآن مجید اور اجماع ان کا رد کرتا ہے۔" رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ۔ (النساء:۱۸)

ترجمہ: "اور نہ ان لوگوں کی توبہ جو مرتے ہیں۔"

فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ۔ (البقرہ:۲۱۷)

ترجمہ: "پھر مر جائے حالت کفر پر۔"

جو شخص حالت کفر میں مرا ہو۔ رجعت کے بعد سے ایمان نفع نہیں دے سکتا۔ بلکہ اگر وہ معاینہ کے وقت ایمان لے آئے۔ ایمان اسے نفع نہیں دے گا۔ اعادہ کے بعد ایمان لانے کی کیفیت کیا ہوگی۔ تفسیر میں ہے کہ آپ نے کہا "کاش! مجھے علم ہو جاتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا۔ کیا گیا ہے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ (البقرہ:۱۱۹)

ترجمہ: "اور آپ سے باز پرس نہیں ہوگی ان دوزخیوں کے متعلق۔"

میں کہتا ہوں "کاش! ابن دحیہ اس روایت پر موضوع ہونے کا حکم لگانے پر ہی اکتفا کرتے۔ اور حضور ﷺ کا ادب و احترام کرتے ہوئے جو کچھ ذکر کیا ہے اس سے اجتناب کرتے۔ یہی بہتر تھا۔

امام قرطبی نے ان کی گرفت کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے "جو کچھ ابن دحیہ نے لکھا ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے فضائل اور خصائص آپ کے وصال تک ہر ہر لحہ بڑھتے رہے۔ آپ کے والدین کا زندہ ہونا اور ایمان لانا ان امور میں سے ہوگا۔ جو رب تعالیٰ نے آپ پر فضل و کرم کرتے ہوئے انعام فرمائے ہیں۔ ان کا زندہ کرنا نہ تو شرعاً اور نہ ہی عقلاً محال ہے۔ کتاب عزیز میں بنو اسرائیل کے زندہ ہو جانے کا تذکرہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے بھی کئی مردے زندہ کیے۔ جب یہ ثابت ہو گیا ہے تو پھر ان کے زندہ کیے جانے کے بعد ایمان لانے سے کیا چیز رکاوٹ ہے یہ آپ کی کرامت اور عزت کی وجہ سے تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ روایت میں بھی مذکور ہے۔

ابن دحیہ نے لکھا ہے: "جو حالت کفر میں مرا......"

یہ حدیث طیبہ سے مردود ہے۔ کیونکہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے لیے سورج کو غروب ہو جانے کے بعد لوٹا دیا۔ حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر پڑھی۔ اسی روایت کو امام طحاوی نے ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ

روایت ثابت ہے۔ اگر سورج کا واپس لوٹنا نفع بخش نہ ہوتا۔ اور اس وقت کی تجدید نہ ہوتی تو رب تعالیٰ سورج نہ لوٹاتا۔ حضور ﷺ کے والدین کریمین کو بھی زندہ کرنا اسی طرح ہے۔ رب تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان اور توبہ اس وقت قبول کر لی تھی حالانکہ انہیں عذاب آنے ہی والا تھا۔ جیسے کہ یہ اقوال میں سے ایک قول ہے۔ قرآن پاک کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

آیت طیبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کے ایمان لانے سے پہلے کا حکم ہے۔ امام قرطبی کا کلام ختم ہوا۔ اسے حافظ نے شرح الدرر میں نقل کیا ہے۔ الشیخ نے لکھا ہے کہ امام قرطبی کا رجوع شمس کے ساتھ تجدید وقت کا استدلال بہت عمدہ ہے۔ اس سے اس نماز کے اوامر کا حکم لگایا جائے گا۔ ورنہ سورج کو لوٹانے کا فائدہ ہی نہیں کیونکہ غروب آفتاب کے بعد نمازِ عصر قضا ہو سکتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے" میں نے ایک اور استدلال کیا ہے جو اس استدلال سے بھی واضح ہے۔ وہ یہ کہ آخری زمانہ میں اصحابِ کہف کو اٹھایا جائے گا وہ حج کریں گے۔ وہ اس امت کے افراد ہوں گے۔ یہ ان کے لیے باعث شرف ہوگا۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ اصحاب الکہف حضرت امام مہدی کے مددگار ہوں گے۔ اس روایت کو ابن مردویہ نے لکھا ہے۔ انہوں نے یہ بھی شمار کیا ہے۔ اصحابِ کہف مرنے کے بعد زندہ ہو جانے پر کیا کیا کریں گے۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ رب تعالیٰ نے آپ کے والدین کریمین کے لیے ایک مخصوص عمر لکھی ہو۔ پھر وہ عمر مکمل ہونے سے قبل ہی ان کا وصال کر دیا ہو۔ پھر رب تعالیٰ اس عمر کو پورا کرنے کے لیے ان کو زندہ کیا ہو اس میں وہ ایمان لائے ہوں۔ ان کے وصال اور دوبارہ زندہ کرنے کے مابین مدت اس لیے ہوتا کہ وہ ایمان کو پالیں۔ یہ ان فضائل میں سے ہو جن کو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لیے مختص فرمایا ہو۔ جس طرح اصحابِ کہف کے لیے اس مدت میں تاخیر ہوئی تاکہ وہ اس مدت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کر سکیں۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے" کاش! مجھے علم ہوتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا کیا گیا ہے۔" تو یہ روایت معضل ضعیف ہے۔ اس سے دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔" الحافظ ابن سید الناس نے "العیون" میں لکھا ہے۔ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے والدین کریمین کو زندہ کیا۔ وہ آپ پر ایمان لائے پھر لکھا ہے" یہ اس روایت کے مخالف ہے جسے امام احمد نے ابو رزین عقیلی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میری ماں کہاں ہے؟" آپ نے فرمایا:" تمہاری ماں آگ میں ہے۔" میں نے عرض کی:" آپ کے اہلِ خانہ میں سے جو وفات پا چکے ہیں وہ کہاں ہیں؟" آپ نے فرمایا:" کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری ماں میری والدہ ماجدہ کے ساتھ ہو۔" بعض علماء نے ان دونوں روایات میں مطابقت پیدا کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ لگاتار بلند سے بلند تر مقامات کی طرف ترقی فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ اس نے آپ کی روح پاک کو قبض فرمالیا۔ یہ روا ہے کہ یہ فضیلت آپ

کے بعد میں حاصل ہوئی ہو۔ پہلے نہ ہو۔ آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا ان احادیث طیبات سے متاخر ہو۔ اس میں تعارض نہ ہو۔

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''کاش! مجھے علم ہو جاتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے؟''

اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٩﴾ (البقرہ:۱۱۹)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو (اے حبیب) حق کے ساتھ (رحمت کی) خوشخبری دینے والا آپ سے باز پرس نہیں ہوگی ان دوزخیوں کے بارے۔''

پھر آپ نے ان کا ذکر نہ کیا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا'' اس روایت کو ابن جریر نے محمد بن کعب القرظی نے مرسل روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ اس طرح یہ روایت داؤد ابن عاصم سے روایت ہے۔ یہ روایت معضل ہے۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اس سے دلیل حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ سبب اصول بلاغت اور اسرار بیان کے اعتبار سے کئی وجوہ سے باطل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیات اور اس سے پہلے کی آیات ساری کی ساری یہودیوں کے بارے ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان:

يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتِىَ۔ (البقرہ:۴۰)

پھر اس آیت طیبہ پر اس داستان کو ختم کر دیا۔

يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتِىَ ٱلَّتِىٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ۔ (البقرہ:۴۰)

ان آیات سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ جہنمیوں سے مراد اہلِ کتاب کے کافر ہیں۔ حدیث پاک میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ مجاہد سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''سورۃ البقرہ کی چار ابتدائی آیات مؤمنین کی تعریف میں ہیں۔ دو آیتیں کافروں کے بارے ہیں۔ تیرہ آیات منافقین کے بارے ہیں اور چالیس سے 120 تک آیات بنو اسرائیل کے بارے ہیں۔''

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ سورۃ طیبہ مدنی ہے۔ اکثر مخاطبین یہودی ہیں۔ اس مناسبت سے اور وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ سورۃ طیبہ مدنی ہے۔ اکثر مخاطبین یہودی ہیں۔ اس مناسبت سے اور وضاحت ہو جاتی ہے کہ جحیم اس لیے کہا گیا کیونکہ اس میں آگ بہت بڑی ہے۔ لغت اور آثار کا مقتضی یہی ہے۔ ابن جریر نے مالک سے روایت کیا ہے ''آگ میں بڑی آگ کا نام جحیم ہے۔''

ابن جریج سے روایت ہے انہوں نے رب تعالیٰ کے اس فرمان:

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَٰبٍ ۖ (الحجر:۴۴)

ترجمہ: "اس کے سات دروازے ہیں۔"

کے بارے فرمایا ہے کہ پہلا درجہ جہنم ہے۔ پھر لظی، پھر الحطمۃ، پھر السعیر پھر سقر پھر جحیم پھر الھاویہ ہے۔ ابوجہل جحیم میں ہے۔ اس درجہ کا مستحق وہ کافر ہے جس کا کفر عظیم ہو۔ دعوت کے وقت جس کی دشمنی سخت ہو۔ علم کے بعد اس نے سرکشی کی ہو۔

جب یہ روایت صحیح ہے کہ جناب ابوطالب سب سے ہلکے عذاب میں ہیں۔ اس کی وجہ ان کی آپ کے ساتھ رشتہ داری اور قرابت ہے۔ حالانکہ انہوں نے آپ کی دعوت کو پایا تھا۔ ساری زندگی اسے رد کرتے رہے۔ آپ کے والدین کے بارے تمہارا گمان کیا ہے۔ جن کا قرب اور رشتہ جناب ابوطالب سے قریبی ہے۔ محبت اور الفت بھی زیادہ ہے۔ ان کا عذر بھی معقول ہے۔ ان کی عمر بھی قلیل تھی۔ معاذ اللہ! ان کے بارے یہ گمان کیا جائے کہ وہ جحیم میں ہیں۔ وہ عذاب عظیم میں مبتلا ہیں اس امر کو وہ بھی نہیں سمجھ سکتا جسے کم سے کم ذوق دیا گیا ہو۔ جہاں تک اس آیت طیبہ کے نزول کا سبب بیان کیا گیا ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ (التوبہ: ۱۱۳)

ترجمہ: "درست نہیں ہے نبی کے لیے اور نہ ایمان والوں کے لیے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے۔"

کہ حضور ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ کے لیے استغفار کیا تو یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اس روایت کو حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابن جریر، طبرانی نے حضرت ابن عباس سے اور ابن مردویہ نے حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ ان کی قبر انور مکہ مکرمہ میں ہے۔ الشیخ نے لکھا ہے کہ اگرچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے لیکن امام ذھبی نے مختصر میں اس کی گرفت کی ہے۔ اس کی سند میں ایوب بن ہانی ہے جسے ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس علت کی بنا پر اس کی صحت پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کی دوسری علت بھی ہے۔ یہ اس روایت کے مخالف ہے جسے صحیح بخاری میں تحریر کیا گیا ہے کہ یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں جناب ابوطالب کی وفات کے فوراً بعد نازل ہوئیں۔ جب حضور ﷺ نے ان کے لیے استغفار کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں دو علتیں ہیں۔ سبب نزول میں مخالفت ہے۔ ابن سعد نے لکھا ہے یہ غلطی ہے۔ حضرت آمنہ کی قبر انور مکہ مکرمہ میں نہیں ابواء میں ہے۔

الشیخ نے لکھا ہے کہ ان اسناد میں سے صحیح ترین سند اس روایت کی ہے جس میں کہ حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور پر تشریف لے گئے۔ اس روز آپ بہت زیادہ روئے تھے۔" اس روایت کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ اس روایت میں کوئی علت نہیں اس میں احادیث کی کوئی مخالفت نہیں نہ ہی استغفار سے نہی ہے۔ کیونکہ یہ بکاء تو صرف اس وقت کی وجہ سے ہوتی ہے جو صرف مردوں کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ خواہ اس میں تعذیب کا سبب نہ بھی ہو۔"

پھر انہوں نے لکھا ہے "میں ایک ایسے اثر سے آگاہ ہوا ہوں۔ جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت آمنہ کا [illegible] کی حالت پر ہوا۔ (حضرت ام سماعۃ بنت رُھم کی روایت پہلے گزر چکی ہے) حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کے ان

ارشادات میں وضاحت موجود ہے کہ وہ توحید پر تھیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا ذکر کیا۔ آپ نے ذکر کیا کہ آپ کے فرزند ارجمند کو رب تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا جائے گا۔ وہ بتوں کی عبادت سے منع کریں گے۔ قوم کے ساتھ ان بتوں سے محبت نہیں کریں گے۔ کیا توحید اس کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ توحید رب تعالیٰ اور اس کی الہیت کا اعتراف ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ بتوں کی عبادت سے برأت کا نام ہے۔ بعثت سے قبل شرک وکفر سے برأت اور توحید کے ثبوت کے لیے یہی کافی ہے۔ اس شخص کی داستان میں علماء نے لکھا ہے جس نے وقتِ موت اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ وہ اسے جلا دیں اسے راکھ بنا کر ہوا میں بکھیر دیں۔ "رب تعالیٰ مجھ پر قادر ہے۔" یہ کلمہ اس کے ایمان کے منافی نہیں کیونکہ اس نے قدرت میں شک نہیں کیا تھا۔ بلکہ اسے علم نہ تھا۔ اس نے گمان کیا تھا کہ جب اس نے اس طرح کر دیا تو اسے لوٹایا نہیں جاسکے گا۔ جاہلیت کے سارے لوگوں پر کافر ہونے کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ ایک گروہ نے حنفیت اختیار کر رکھی تھی۔ انہوں نے اہلِ شرک کے رسوم ورواج کو ترک کر دیا تھا۔ انہوں نے دین ابراہیمی کو تھام لیا تھا۔ یہی توحید ہے جیسے زید بن عمرو قس بن ساعدہ اور ورقہ بن نوفل نے اختیار کیا تھا۔ حدیث پاک میں ان سب کے ایمان کا تذکرہ اور جنت کی گواہی دی گئی ہے کوئی تعجب نہیں اگر حضور ﷺ کے والدین ان میں شمار ہوں۔ دین حنیف اختیار کرنے کی گواہی دی گئی ہے۔ کوئی تعجب نہیں اگر حضور ﷺ کے والدین ان میں شمار ہوں۔ دین حنیف اختیار کرنے کا اصل سبب وہ علم تھا۔ جو انہوں نے اہلِ کتاب سے سنا تھا کہ حضور ﷺ کے بعثت کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ وہ حرم پاک سے مبعوث ہوں گے۔ ان کے یہ یہ اوصاف ہوں گے۔ حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ نے یہ امور کسی اور شخص سے زیادہ سنے تھے۔ انہوں نے آپ کے مبارک حمل اور ولادت مبارکہ کے وقت بہت سے امور کا مشاہدہ کیا تھا۔ جنہوں نے یقیناً انہیں دین حنیف اختیار کرنے پر ابھارا ہوگا۔ انہوں نے نور دیکھا جو ان سے نکلا تھا۔ جس سے ان کے لیے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے شام کے محلات دیکھ لیے جیسے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی والدات مکرمات دیکھتی تھیں۔ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ شق الصدر کی وجہ سے وہ پریشان تھیں تو انہوں نے ان سے کہا: "کیا تمہیں ان کے بارے شیطان سے اندیشہ ہے۔ بخدا! ہرگز نہیں۔ شیطان کا ان پر کوئی تسلط نہیں ہے۔ یہ اس امت کے نبی ہوں گے۔ ان کی شان بڑی رفیع ہوگی۔" وہ آپ کو اس سال مدینہ منورہ لے گئیں جب ان کا وصال ہوا۔ انہوں نے آپ کے بارے یہودیوں کی باتیں سنیں۔ انہوں نے آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ واپسی پر مقام ابواء میں ان کا وصال ہوگیا۔ یہ سارے امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں دین حنیف اختیار کر لیا تھا۔"

الشیخ نے لکھا ہے "اگر تم کہو کہ یہ کیسے امر طے ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں دین حنیف اختیار کر لیا تھا اور وہ موحدہ تھیں۔ صحیح روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے لیے مغفرت طلب کرنے کی اجازت طلب کی۔ مگر انہیں اجازت نہ ملی۔ آپ نے فرمایا: "میری والدہ ماجدہ تمہاری ماں کے ساتھ ہیں" یہ اس کے برعکس موقف کا شعور دلاتے ہیں۔ توحید

پر موت تو یقیناً عذاب کی نفی کرتی ہے؟

میں کہتا ہوں "جہاں تک اس حدیث پاک کا تعلق ہے۔ "امی مع امکما" اگرچہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے کہ علوم حدیث میں یہ امر طے ہے کہ حاکم روایت کی تصحیح میں غفلت سے کام لیتے تھے۔ امام ذہبی نے حاکم کے اس روایت کے بارے فیصلہ کے بعد لکھا ہے کہ یہ صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں۔" بخدا! نہیں عثمان بن عمیر کو دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے۔" امام ذہبی نے اس روایت کا ضعف ظاہر کیا ہے اور اس پر قسم بھی اٹھائی ہے۔ اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا یہ فرمان "امی مع امکما" آپ پر یہ وحی ہونے سے پہلے کا ہو کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہیں۔ جیسے کہ آپ نے فرمایا تھا "میں نہیں جانتا کہ تبع لعین ہے یا کہ نہیں"

اس روایت کو امام حاکم اور ابن شاہین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب آپ پر تبع کے بارے وحی نازل ہوگئی تو آپ نے فرمایا: "تبع کو گالیاں نہ دیا کرو۔ وہ اسلام لے آیا تھا۔" گویا کہ پہلے آپ پر والدہ ماجدہ کے بارے کچھ بھی نازل نہ ہوا تھا۔ وہ اشعار نہ پہنچے تھے جو انہوں نے وقت وصال کہے تھے۔ نہ وہ آپ کو یاد تھے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پانچ سال تھی۔ آپ نے اپنا فرمان مطلق رکھا کہ اہلِ جاہلیت کے بارے اصول کی وجہ سے وہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ بعد میں آپ پر ان کے بارے وحی نازل ہوگئی۔

دوسری روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ "ما سألتهما ربي" یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مابین اور آپ کے مابین اس موضوع پر گفتگو نہ ہوئی تھی۔ بعد میں ہوئی۔ جہاں تک استغفار کرنے کی اجازت نہ ملنے کا تعلق ہے تو اس سے کفر لازم نہیں آتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں ممنوع تھا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں جس پر قرض ہو۔ آپ کے لیے ممنوع تھا کہ آپ اس کے لیے مغفرت طلب کریں۔ حالانکہ وہ مسلمان ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کا استغفار ربّ تعالیٰ کے دربار میں فوراً قبول ہو جاتا ہے۔ جب جس کے لیے استغفار کر دیتے۔ وہ دعا کے فوراً بعد جنت میں بلند مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ مقروض کو اس کے مقام سے روک دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ قرض ادا کرے۔" یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ دین حنیف پر ہوں لیکن انہیں برزخ میں کفر کے علاوہ کسی اور امر کی وجہ سے روک دیا گیا ہو۔ جو اس امر کا تقاضا کرتا ہو کہ آپ کو استغفار کی اجازت نہ دی جائے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے بعد میں آپ کو ان کے لیے استغفار کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان دونوں روایات کا یہ جواب دیا جائے کہ وہ مؤحدہ تھیں۔ لیکن انہیں بعثت اور مرکر جی اٹھنے جیسے امور کے بارے آگاہی نہ ہوئی ہو۔

یہ بہت بڑی اصل ہے۔ رب تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا۔ حتیٰ کہ وہ بعثت پر ایمان لائیں۔ ساری شریعت مطہرہ پر ایمان لائیں۔ اسی لیے ان کا زندہ کرنا حجۃ الوداع تک مؤخر کیا گیا۔ حتیٰ کہ شریعت مطہرہ مکمل ہوگئی۔ یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ (المائدہ: ۳)

ترجمہ: "آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین۔"

پھر انہیں زندہ کیا گیا حتیٰ کہ وہ ساری شریعت بیضاء پر ایمان لے آئیں۔ یہ نفیس معنی ہے۔ الشیخ نے اپنی کتاب "الدرر الکامنہ فی اسلام السیدۃ آمنہ" اور "مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی" میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔

میں اہل عرب کے ایک عالم دین کے فتویٰ سے آگاہ ہوا ہوں۔ جس نے حضرت الشیخ ہی کی پیروی کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس موضوع پر بحث کرنے والوں کی تین اقسام ہیں:

- وہ قسم جو اپنے قائل کی تکفیر کا سبب بنتی ہے جو زندیق ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا قتل ضروری ہے۔ وہ اس طرح کا تکلیف دہ کلام آپ کو اذیت دینے کی غرض سے کرتا ہے۔ وہ آپ کی تعظیم و توقیر میں کمی کرنے کا قصد کرتا ہے۔
- ایک قسم وہ ہے جو اپنے قائل کے لیے باعث عار نہیں ہوتی۔ اسے ایک ضروری امر اس موضوع پر گفتگو کرنے پر ابھارتا ہے۔ جیسے کہ ایک محدث حدیث پاک کی تشریح کرتا ہے۔ یہ ان امور میں سے ہوگا جن پر وہ بحث کرتا ہے اور شرعی دواعی کی طرف دعوت دیتا ہے۔
- ایک قسم وہ ہے جس میں ہمارے لیے گفتگو کرنا حرام ہے۔ لیکن متکلم قتل تک نہیں پہنچتا۔ وہ وہ شخص ہے جسے شرعی داعی اس پر گفتگو کرنے پر نہیں ابھارتا۔ ایسے شخص کو حسب حال تادیب سکھائی جائے گی۔ اگر اس کی جرأت اور زبان کے عدم تحفظ کا احساس ہو تو اسے ادب سکھانے میں شدت سے کام لیا جائے گا۔ اسے شرعی مناصب سے معزول کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عامل کو معزول کر دیا تھا۔

ایک دانا کو اس حدیث پاک کا انکار نہیں کرنا چاہیے، جس میں آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنے کا ذکر خیر ہے۔ رب تعالیٰ کے ہاں آپ کی عزت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس مقام پر اس کے صحیح ہونے سے صرف نظر نہیں کرنی چاہیے۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ ترغیب و ترہیب میں صحیح ہونا شرط نہیں ہے۔ اس مقام کے بارے تمہارا کیا خیال ہے۔ اس کی صحت کا کوئی مانع نہیں ہے۔ ان شاء اللہ! آپ کی درگاہ اقدس کے ہر عاشق کے گمان پر یہ امر غالب ہے۔

❁❁❁

دوسرا باب

حضرت عبدالمطلب کی کفالت

جب آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا تو آپ کو آپ کے جدامجد نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ انہوں نے آپ پر اتنی شفقت کی کہ اتنا پیار وہ اپنی اولاد سے بھی نہیں کرتے تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے لیے خانہ کعبہ کے سایہ میں ایک چٹائی بچھائی جاتی تھی۔ ان کے جلال کی وجہ سے ان کے بیٹوں میں سے بھی اس پر بیٹھنے کی جرأت کوئی نہ کر سکتا تھا۔ حضور ﷺ تشریف لاتے اور اس پر جلوہ افروز ہو جاتے۔ آپ کے چچا آپ کو ہٹانے کی کوشش کرتے۔ تو حضرت عبدالمطلب انہیں کہتے "میرے فرزند دلبند کو چھوڑ دو۔" وہ آپ کی کمر پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے "میرے اس نورِ نظر کی بڑی شان ہوگی۔"

حضرت ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جس میں یہ اضافہ ہے "میرے اس نورِ نظر کو بیٹھنے دو یہ اپنے نفس میں کچھ محسوس کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ شرف کے اس بلند مقام تک پہنچیں گے جس پر کوئی عربی نہ پہلے پہنچا ہو گا نہ ہی بعد میں پہنچے گا۔" ابن سعد اور ابن عساکر نے امام زہری، مجاہد، نافع اور ابن جبیر سے روایت کیا ہے یہ سب کہتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے جدامجد کی چٹائی پر تشریف فرما ہو جاتے تھے۔ آپ کے چچا آپ کو ہٹانے کی کوشش کرتے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے "میرے اس بچے کو چھوڑ دو یہ بلند رتبہ سے انس کرتے ہیں۔" بنو مدلج کے بعض لوگوں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا: "ان کی خوب حفاظت کرو ان کے قدمین شریفین اس قدم سے بہت زیادہ ملتے ہیں جو مقامِ ابراہیمی میں ہے" حضرت عبدالمطلب حضرت ام ایمن سے فرماتے "برکۃ! ان کی خوب حفاظت کیا کرو۔ ان سے غفلت کا اظہار نہ کیا کرو۔ اہل کتاب گمان کرتے ہیں کہ یہ اس امت مرحومہ کے نبی کریم (ﷺ) ہیں۔"

المحاملی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے سنا "حضرت عبدالمطلب کے لیے حجر میں ایک چٹائی بچھائی جاتی تھی۔ اس پر ان کے علاوہ اور کوئی نہیں بیٹھتا تھا۔ حرب بن امیہ اور دیگر سرداران قریش اس چٹائی کے ارد گرد بیٹھتے تھے۔ ایک دن حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ ابھی معصوم بچپن میں تھے۔ آپ اس چٹائی پر بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے آپ کو کھینچا تو آپ رونے لگے۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا۔ اس وقت ان کی بینائی جا چکی تھی۔ "میرا نورِ نظر کیوں رو رہا ہے؟" لوگوں نے بتایا "انہوں نے چٹائی پر بیٹھنے کی کوشش

کی اور ہم نے انہیں منع کیا۔" انہوں نے فرمایا: "میرے نورِ نظر کو اس پر بیٹھنے دو۔ یہ اپنے بارے شرف محسوس کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ شرف کے اس مقام تک پہنچیں گے جس پر نہ پہلے نہ ہی بعد میں کوئی عربی پہنچا ہوگا۔"

بلاذری نے امام زہری اور محمد بن سائب سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کے لیے کھانا لایا جاتا تو وہ حضور ﷺ کو اپنے پہلو میں بٹھا لیتے۔ اکثر اوقات اپنی ران پر بٹھا لیتے۔ آپ کو عمدہ کھانا کھلاتے۔ وہ آپ پر بڑے شفیق اور مہربان تھے۔ اگر کھانا اس وقت آتا جب حضور ﷺ تشریف فرما نہ ہوتے تو وہ کھانے کو ہاتھ تک نہ لگاتے حتیٰ کہ آپ تشریف لے آتے۔ ان کے لیے ظلِ کعبہ میں ایک چٹائی بچھائی جاتی۔ ان کے فرزند اس چٹائی کے ارد گرد بیٹھتے تھے۔ جب حضرت عبدالمطلب آجاتے تو وہ انؓ کے جلال کی وجہ سے ان کے سر پر کھڑے ہو جاتے۔ حضور ﷺ اپنے معصوم بچپن میں تھے۔ آپ ان کی چٹائی پر بیٹھ جاتے۔ آپ کے چچا آپ کو وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرتے۔ حضرت عبدالمطلب فرماتے: "میرے نورِ نظر کو چھوڑ دو۔ تم ان سے کیا چاہتے ہو؟ ان کی عظیم شان ہوگی۔" وہ آپ کا سر اقدس چومتے۔ سینہ اقدس پر ہاتھ پھیرتے آپ کی زیارت کرکے اور آپ کی گفتگو سن کر مسرور ہوتے۔

ابونعیم نے محمد بن مراسلی سے اور وہ اپنے بزرگوں سے روایت کرتے ہیں "ایک دن حضرت عبدالمطلب حطیم میں تشریف فرما تھے۔ ان کے پاس نجران کا پادری تھا وہ ان سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ہم ایک نبی کے اوصاف پاتے ہیں جو اولادِ اسماعیل علیہ السلام سے ہوں گے۔ یہ شہر ان کی ولادت گاہ ہوگا۔ ان کا یہ یہ حلیہ ہوگا۔" حضور ﷺ تشریف لائے اس نے آپ کی آنکھوں، کمر اور قدموں کو دیکھا تو کہا "یہ بچہ کون ہے۔ یہ آپ کا کیا لگتا ہے؟" حضرت عبدالمطلب: "یہ میرا بیٹا ہے۔" پادری: "نہیں! ہمارے نزدیک اس کے والد گرامی کو زندہ نہیں ہونا چاہیے۔" حضرت عبدالمطلب "یہ میرے بیٹے کا فرزندِ ارجمند ہے۔ اس کے والد گرامی اس وقت وفات پاگئے تھے جبکہ یہ اپنی والدہ ماجدہ کے شکمِ اطہر میں تھے۔" پادری نے کہا: "آپ نے سچ کہا ہے۔" حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: "اپنے اسے محترم بھتیجے کی حفاظت کرو۔ کیا تم سن نہیں رہے کہ ان کے بارے کیا کہا جا رہا ہے؟"

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، ابن سعد، حاکم نے معاویہ بن حیدہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں زمانہ جاہلیت میں حج کرنے نکلا۔ میں نے ایک طویل بزرگ دیکھا جو بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ وہ یوں کہہ رہے تھے:

ردّ الی راکبی محمدا ... اردوہ ربی واتخذ عندی یدا

ترجمہ: "مولا! میرے شہسوار حضرت محمد عربی ﷺ کو واپس لوٹا دے۔ مولا! انہیں واپس لوٹا دے اور مجھ پر احسان کر۔"

انہوں نے ان کے بارے پوچھا تو ان سے کہا گیا "یہ قریش کے سردار حضرت عبدالمطلب ہیں ان کے بہت زیادہ اونٹ ہیں جب ان میں سے کوئی ایک گم ہو جائے تو یہ اس کی جستجو میں اپنے بیٹوں میں سے کسی کو بھیجتے ہیں۔ جب وہ

گم ہو جائیں تو یہ اپنے من موہنے پوتے کو بھیجتے ہیں۔ وہ جس مقصد کے لیے بھی جاتے ہیں کامیاب ہو کر آتے ہیں۔ انہوں نے ان کو اس مقصد کے لیے بھیجا جس سے ان کے بیٹے عاجز آچکے تھے۔ لیکن اب انہیں دیر ہوگئی ہے۔" ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے۔ اونٹ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: "میرے نورِ نظر! میں آپ پر اتنا غمزدہ ہوا ہوں کہ اتنا غمگین کسی اور پر نہیں ہوا۔ اب کبھی بھی مجھ سے جدا نہ ہونا۔"

ابن جوزی نے حضرت ام ایمن سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں حضور ﷺ کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ میں نے ایک دن غفلت کا مظاہرہ کیا۔ مجھے اس وقت علم ہوا جب حضرت عبدالمطلب میرے سر پر کھڑے تھے۔ وہ فرما رہے تھے "برکتہ!" میں نے کہا: "لبیک" حضرت عبدالمطلب: "کیا تمہیں علم ہے کہ میں نے اپنے نورِ نظر کو کہاں پایا ہے؟" میں نے عرض کی: "نہیں۔" انہوں نے کہا: "میں نے بیری کے درخت کے نیچے بچوں کے ہمراہ اسے پایا ہے۔ اس سے غافل نہ ہو جایا کرو۔ اہلِ کتاب گمان کرتے ہیں کہ یہ اس امت کے نبی ہیں۔ مجھے ان سے آپ کے بارے خطرہ ہے۔"

❁❁❁

تیسرا باب

اہلِ مکہ کے لیے رحمت کی بارش

ابن سعد، بلاذری، ابن ابی الدنیا، الطبرانی اور بیہقی نے حضرت رقیقہ بنت ابی صیفی ابن ہاشم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "قریش کو کئی سال لگاتار قحط سالی کا انتظار کرنا پڑا۔ جلد خشک ہوگئی ہڈیاں سوکھ گئیں۔ اسی اثناء میں کہ میں سو رہی تھی یا سونے کے قریب تھی۔ میں نے ایک ہاتف کو باآواز بلند چیختے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا" اے گروہِ قریش! یہ نبی کریم ﷺ ہیں جو تم میں مبعوث ہونے والے ہیں۔ ان کی بعثت کے ایام قریب ہیں۔ ان کے ظہور کا یہی وقت ہے۔ تم بارش اور خوشحالی کی طرف جلدی کرو۔ تم خود میں سے ایسے شخص کو تلاش کرو جو نسب کے اعتبار سے سب سے عمدہ ہو۔ جن کا جسم عظیم اور اعضاء مضبوط ہوں۔ جن کا رنگ سفید ہو۔ پلکیں طویل ہوں۔ رخسار ہموار ہوں۔ ناک بلند ہو۔ ان کے لیے ایک ایسا فخر ہے جس کا وہ اظہار نہیں کرتے۔ ایک ایسا راستہ ہے جس کی طرف راہ نمائی کی جائے گی۔ وہ بھی نکلیں ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد نکلے ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص ان کے قریب ہو جائے۔ وہ سب غسل کریں۔ خوشبو لگائیں۔ حجر اسود کو بوسہ دیں۔ بیت اللہ کا طواف کریں۔ وہ کوہِ ابی قبیس پر چڑھیں۔ وہ شخص ابرِ رحمت کی دعا کرے بقیہ آمین کہیں۔ ارے! ان میں ایک طیب وطاہر ذات موجود ہے۔ جب چاہو ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگ لیا کرو۔"

حضرت رقیقہ نے کہا: "یہ سن کر میں گھبرا گئی۔ میری جلد لرز اٹھی۔ عقل مبہوت ہوگئی۔ میں نے اہلِ مکہ کو اپنا خواب سنایا۔"

سارے اہلِ مکہ نے کہا: "اس سے مراد حضرت عبدالمطلب ہیں۔" قریش ان کے پاس گئے۔ ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ انہوں نے غسل کیا۔ خوشبو لگائی، حجر اسود کو بوسہ دیا۔ بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر سارے کوہِ ابی قبیس پر چڑھ گئے۔ لوگ حضرت عبدالمطلب کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ان کی جدوجہد کو اطمینان نصیب ہوا۔ وہ ان کی دو اطراف میں کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہمراہ حضور ﷺ بھی تھے۔ آپ اپنے معصوم بچپن میں تھے۔ حضرت عبدالمطلب اٹھے۔ انہوں نے یہ دعا مانگی: "اے مولا! اے ضرورت پوری کرنے والی ذات! اے مصیبت دور کرنے والے! تو سکھائے بغیر ہی سب کچھ جانتا ہے، تجھ سے مانگا جاتا ہے تو بخیل نہیں ہے۔ یہ تیرے بندے اور بندیاں ہیں۔ جو تیرے حرم پاک کے صحن میں جمع ہیں۔ وہ تیرے پاس اس قحط سالی کا شکوہ کر رہے ہیں۔ جس نے چارہ اور گھر کو خشک کر دیا ہے۔ مولا! ہم پر ایسی بارش نازل فرما جو بہت عظیم اور خوشگوار ہو۔" کچھ ہی دیر گزری تھی کہ آسمان پانی سے پھٹ گیا۔

وادیاں پانی سے بہنے لگیں۔ قریش کے سردار حضرت عبدالمطلب سے کہہ رہے تھے۔ "ابوالبطحاء! آپ کو بشارت ہو۔ اہلِ بطحاء کو آپ کی وجہ سے حیاتِ نو نصیب ہوئی ہے۔" حضرت رقیقہ بنت صیفی نے اس واقعہ کے بارے یہ اشعار کہے تھے۔

بشيبة الحمد اسقى الله بلدتنا — و قد فقدنا الحيا و اجلوذ المطر

فجاد بالماء جونى له سبل — سحًّا فعاشت به الانعام و لشجر

سيل من الله بالميمون طائره — و خير من بشرت يوما بِهٖ مضر

مبارك الامر يستسقى الغمام به — ما فى الانام له عدل ولا خطر

ترجمہ: "حضرت عبدالمطلب کے ذریعہ رب تعالیٰ نے ہمارے شہر کو سیراب کیا۔ بارش مفقود ہوگئی تھی۔ اسے برسے ہوئے مدت ہوگئی تھی۔ بہت تیز بارش ہوئی۔ جس سے رستہ بہہ پڑے۔ جانوروں اور درختوں کو حیاتِ نو نصیب ہوئی۔ یہ بارش اس مبارک ذات کے وسیلہ سے تھی، جن کا شگون بہت مبارک ہے۔ وہ ان سے بہترین ہیں جن کی کسی دن مضر کے بشارت دی ہو۔ وہ مبارک امر والے ہیں جن کے طفیل ابرِ کرم طلب کیا جاتا ہے لوگوں میں نہ ان کی نظیر ہے نہ مثیل۔"

✿✿✿

چوتھا باب

ولادت مبارکہ کے ساتویں سال کے واقعات

ابن الجوزی نے "الوفا" میں لکھا ہے کہ آپ کی عمر مبارک کے ساتویں سال آپ کو شدید آشوبِ چشم ہو گیا۔ مکہ مکرمہ میں آپ کا علاج کرایا گیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ حضرت عبد المطلب سے کہا گیا: "عکاظ کی طرف ایک راہب رہتا ہے جو آنکھوں کا علاج کرتا ہے۔ حضرت عبد المطلب آپ کو سوار کرا کر ادھر لے گئے۔ اسے آواز دی اس کا گرجا بند تھا۔ اس نے جواب نہ دیا۔ اس کا گرجا لرز اٹھا۔ قریب تھا کہ اس پر گر پڑتا۔ وہ جلدی سے باہر نکلا۔ اس نے کہا "عبد المطلب! یہ بچہ اس امت کا نبی ہوگا۔ اگر میں تمہارے پاس نہ آتا تو یہ گرجا میرے اوپر گر پڑتا۔ انہیں واپس لے جاؤ۔ ان کی حفاظت کرو۔ اہلِ کتاب انہیں شہید نہ کر دیں۔" پھر اس نے آپ کا علاج کیا۔ آپ کی محبت آپ کی قوم کے ہر ہر فرد کے دل میں ڈال دی گئی۔ جو بھی آپ کو دیکھتا وہ آپ کی محبت کا اسیر بن جاتا۔

❁❁❁

پانچواں باب

حضرت عبدالمطلب کی وفات اور جناب ابوطالب کی وصیت

جب آپ کے جدامجد کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر مبارک کیا تھی۔ اس میں اختلاف ہے۔ مختلف اقوال کے مطابق عمر مبارک آٹھ سال، آٹھ سال ایک ماہ اور دس دن، نو سال، دس سال یا چھ سال تھی۔ حضرت عبدالمطلب کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی۔ دوسرے قول کے مطابق عمر بیاسی سال یا ایک سو چوالیس سال یا پچانوے سال یا ایک سو بیس سال تھی۔

محمد بن عمر الاسلمی نے حضرت ام ایمن سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ حضرت عبدالمطلب کی چارپائی کے پیچھے پیچھے روتے جا رہے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی۔ انہیں الحجون میں دفن کیا گیا۔

ابن سعد نے امام واقدی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کی گئی "کیا آپ کو حضرت عبدالمطلب کی وفات یاد ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں! میں اس وقت آٹھ سال کا تھا۔"

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے "جب حضرت عبدالمطلب کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے جناب ابوطالب کو وصیت کی کہ وہ حضور ﷺ کی حفاظت کریں۔ ان کی نگہبانی کریں۔ ان کے امور کی نگہداشت کریں۔ انہوں نے جناب ابوطالب کو اس لیے وصیت کی تھی۔ کیونکہ حضرت عبداللہ اور جناب ابوطالب کی والدہ ایک ہی تھیں۔ آپ کے جدامجد کے وصال کے بعد جناب ابوطالب آپ کے امور کے والی بنے۔"

ابن سعد، ابن عساکر اور حسن بن عرفہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کا وصال ہوا تو ابوطالب آپ کے امور کے نگران بنے۔ وہ آپ کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ وہ آپ سے بہت شدید محبت کرتے تھے۔ وہ اتنا پیار اپنی اولاد سے بھی نہیں کرتے تھے۔ آپ ان کے پاس ہی سوتے تھے۔ وہ آپ کے لیے خصوصی کھانے کا اہتمام کرتے تھے۔ جناب ابوطالب کی اولاد اگر جب اکٹھے کھاتے یا الگ الگ کھاتے تو وہ سیر نہ ہوتے تھے۔ جب حضور ﷺ ان کے ہمراہ کھاتے تو وہ سب سیر ہو جاتے۔ جناب ابوطالب جب اپنی اولاد کو صبح یا شام کا کھانا کھلانا چاہتے تو فرماتے "ابھی ٹھہر جاؤ حتیٰ کہ میرا فرزند دلبند آ جائے۔" حضور ﷺ تشریف لاتے ان کے ہمراہ کھانا تناول فرماتے۔ ان کا کھانا بچ جاتا۔ اگر ان کے ساتھ کھانا نہ کھاتے تو وہ سیر نہ ہوتے تھے۔ اگر دودھ ہوتا تو سب سے پہلے آپ نوش فرماتے۔ پھر دیگر

اولاد کو وہی پیالہ پکڑاتے۔ وہ اس سے پی لیتے ان کا آخری شخص بھی ایک پیالے سے سیراب ہو جاتا۔ حالانکہ وہ دودھ ایک شخص بآسانی پی سکتا تھا۔ جناب ابوطالب کہتے "آپ بہت مبارک ہیں" بچے صبح سویرے اٹھتے تو ان کی آنکھوں پر میل کچیل لگی ہوتی۔ بال بکھرے ہوتے۔ جب حضور ﷺ صبح اٹھتے تو آپ کے سر پر تیل لگا ہوتا آنکھوں میں سرمہ ہوتا۔

ابونعیم نے حضرت ام ایمن سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ نے کبھی بھوک یا پیاس کی شکایت کی ہو۔ نہ بچپن میں نہ ہی بڑی عمر میں۔ وقت صبح آپ جاتے آبِ زمزم پی لیتے۔ بعض اوقات ہم کھانا پیش کرتے تو آپ فرماتے "میں سیر ہوں"

حسن بن سفیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب ابوطالب بچوں کو ناشتہ دیتے ان کے ہاتھ ناشتہ میں چلے جاتے، مگر حضور ﷺ اپنا دست اقدس روک لیتے۔ جب ابوطالب نے یہ دیکھا تو انہوں نے آپ کا کھانا علیحدہ کر دیا۔

❁❁❁

چھٹا باب

جناب ابوطالب اور ابرِ کرم

جلہمۃ بن عرفطہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں مکہ مکرمہ آیا۔ قریش قحط سالی کا شکار تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا ''لات وعزّیٰ کے پاس چلو۔'' کسی نے کہا: ''مناۃ کے پاس چلو'' ان میں سے ایک حسین وشکیل بزرگ نے کہا: ''تم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل کے بقیہ ہیں۔'' لوگوں نے کہا: ''گویا کہ تمہاری مراد جناب ابوطالب ہیں۔'' اس نے کہا: ''ہاں! وہ سارے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی ان کے ہمراہ اٹھا۔ انہوں نے جناب ابوطالب کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک حسین و باجمال شخص باہر نکلا۔ اس نے ازار پہنا ہوا تھا۔ سارے لوگ ان کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: ''جناب ابوطالب! وادی قحط سالی کا شکار ہوگئی ہے۔ اہل وعیال بھوک سے مرنے لگے ہیں۔ آئیں ہمارے لیے ابرِ رحمت کی دعا کریں۔'' جناب ابوطالب باہر نکلے ان کے ہمراہ ایک من موہنا بچہ بھی تھا۔ گویا کہ سورج ابھی بادلوں کی اوٹ سے نکلا ہو۔ ان کے اردگرد ان کے ہم عمر بچے بھی تھے۔ جناب ابوطالب نے انہیں پکڑا۔ ان کی کمر انور خانہ کعبہ کے ساتھ لگا دی۔ اس بچے نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ ادھر ادھر سے بادل آنے لگے۔ وہ ایک جگہ جمع ہو گئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ وادی بہہ پڑی اور ہر طرف شادابی لہلانے لگی۔
اسی واقعہ کے بارے جناب ابوطالب نے کہا ہے:

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامٰی عصمة للارامل

ترجمہ: ''وہ سفید چہرے والے ہیں ان کے چہرۂ انور کے طفیل بارش طلب کی جاتی ہے وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کی عزت کے محافظ ہیں۔''

یلوذ بہ الهلاك من آل هاشم فهم عنده فی نعمة و فَوَاضِل

ترجمہ: ''بنوہاشم کے ہلاک ہونے والے افراد آپ کی پناہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ آپ کے پاس نعمتیں اور عنایات ہیں۔''

ابن سعد نے عمرو بن سعید سے روایت کیا ہے کہ جناب ابوطالب نے فرمایا: ''میں اپنے محترم بھتیجے کے ہمراہ ذوالمجاز کے مقام پر تھا۔ مجھے پیاس نے آلیا۔ میں نے آپ سے شکوہ کیا۔ میں نے کہا: ''میرے بھتیجے! مجھے پیاس لگی ہے۔ میں نے آپ کو صرف اس لیے کہا تھا کیونکہ آپ کے پاس گھبراہٹ کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آرہا تھا۔ آپ نے فرمایا ''چچا جان! آپ کو پیاس لگی ہے؟'' میں نے کہا: ''ہاں! آپ نے اپنی ایڑھی زمین پر ماری۔ پانی کا چشمہ رواں ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''پانی ہی پی لیں۔'' میں نے پانی پی لیا۔

ساتواں باب

آپ کا سفرِ یمن

ابن جوزی نے ''الوفا'' میں لکھا ہے کہ جب عمر مبارک دس سال سے زیادہ ہوئی تو آپ اپنے چچا حضرت زبیر کے ہمراہ سفر پر نکلے۔ وہ ایک وادی سے گزرے جس میں نر اونٹ تھا۔ جو لوگوں کو گزرنے سے روک رہا تھا۔ جب اس اونٹ نے آپ کو دیکھا تو وہ بیٹھ گیا۔ سینہ زمین پر رگڑنے لگا۔ آپ اپنے اونٹ سے اترے اس اونٹ پر سوار ہو گئے۔ جب وادی عبور کر لی۔ تو اس اونٹ کو چھوڑ دیا۔ جب وہ سفر سے واپس لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ وادی پانی سے بھری ہوئی تھی۔ اہلِ کارواں رک گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میرے پیچھے پیچھے آؤ۔'' آپ اس وادی میں گھس گئے۔ قریش آپ کے پیچھے پیچھے تھے۔ رب تعالیٰ نے پانی خشک کر دیا تھا۔ وہ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو لوگوں کو یہ واقعہ بتایا۔ لوگوں نے کہا: ''اس بچے کی شان نرالی ہو گی۔''

❁❁❁

آٹھواں باب

سفرِ شام

ابن سعد اور ابن عساکر نے لکھا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی۔ ابونعیم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے، ابن سعد اور ابن عساکر نے عبداللہ بن محمد بن عقیل سے بزار اور ترمذی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے۔ امام بیہقی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جناب ابوطالب نے کارواں کے ساتھ شام جانے کا ارادہ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "چچا جان! مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں؟" حضور اکرم ﷺ ان کے ساتھ چمٹ گئے۔ جناب ابوطالب کے دل میں رقت پیدا ہوگئی۔ جب وہ عازم سفر ہونے لگے تو آپ کو بھی اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ وہ ایک پادری کے پاس ٹھہرے۔ پادری نے پوچھا: "یہ بچہ تمہارا کیا لگتا ہے؟" انہوں نے کہا: "یہ میرا بچہ ہے۔" پادری نے کہا: "یہ آپ کا بچہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے والد گرامی کو زندہ نہیں ہونا چاہیے۔" جناب ابوطالب: "کیوں؟" پادری: کیونکہ ان کا چہرہ انور نبی کا چہرہ اور ان کی آنکھیں نبی کی آنکھیں ہیں۔" جناب ابوطالب: "اللہ تعالیٰ اس سے جلیل ہے جو کچھ تم کہہ رہے ہو؟" پادری: "اس بچے کو یہودیوں سے بچاؤ۔" پھر وہ آگے عازم سفر ہو گئے۔ ایک اور پادری کے ہاں فروکش ہوئے۔ پادری نے پوچھا: "یہ بچہ آپ کا کیا لگتا ہے؟" جناب ابوطالب: "یہ میرا بچہ ہے: پادری: "اس کے والد گرامی کو زندہ نہیں ہونا چاہیے۔" جناب ابوطالب: "کیوں؟" پادری: "کیونکہ اس کا چہرہ نبی کا چہرہ اور اس کی آنکھیں نبی کی آنکھیں ہیں۔" جناب ابوطالب: "سبحان اللہ! رب تعالیٰ اس سے اجل ہے جو کچھ تو کہہ رہا ہے۔" جناب ابوطالب نے حضور ﷺ سے کہا: "میرے محترم بھتیجے! کیا آپ سن رہے ہیں کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "چچا جان! انکار نہ کریں۔ رب تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے۔"

بحیرا راہب

جب یہ کارواں بصریٰ پہنچا وہاں ایک راہب کا بسیرا تھا۔ جسے بحیرا کہا جاتا تھا۔ وہ عیسائیت کو سب سے زیادہ جاننے والا تھا۔ قریش کے کارواں اکثر وہاں سے گزرتے تھے۔ اس سے قبل وہ راہب نہ تو ان سے تعرض کرتا تھا نہ ہی ان سے بات چیت کرتا تھا۔ اس سال جب یہ کارواں اس کے گرجا کے پاس فروکش ہوا۔ اس نے اپنے جا گرے حضور ﷺ کی زیارت کی۔ ساری قوم کو چھوڑ کر بادل آپ کے سراقدس پر سایہ کناں تھا۔ کارواں آگے آیا، وہ گرجا کے قریب ایک درخت کے نیچے فروکش ہو گیا۔ حضور ﷺ اس کے سایہ کے نیچے آئے تو اس کی شاخیں آپ پر جھک گئیں۔

جب بحیرا نے یہ دلکش منظر دیکھا۔ وہ اپنے گرجا سے اترا۔ وہ آپ کو تلاش کرنے لگا۔ اس نے آپ کا دست اقدس تھاما اور کہا: ''یہ عالمین کے سردار ہیں۔ انہیں رب تعالیٰ رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کرے گا۔'' قریش کے بزرگوں سے کہا: ''جب تم گھاٹی سے اتر رہے تھے یہ کسی بھی درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے وہ فوراً سجدہ ریز ہو جاتے یہ چیزیں صرف نبی کے لیے سجدہ کرتی ہیں۔ میں انہیں اس مہر نبوت سے جانتا ہوں جو کندھے کی ہڈی کے نیچے ہے۔'' پھر وہ واپس آیا۔ اس نے کثیر کھانا پکانے کا حکم دیا کھانا پک گیا تو اس نے کارواں کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے کہا: ''میں نے تمہارے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ گروہ قریش! میں چاہتا ہوں کہ اس کھانے میں تمہارے چھوٹے بڑے آزاد اور غلام شریک ہوں۔'' ایک شخص نے کہا: ''بحیرا! آج تیری شان نرالی ہے ہم اکثر یہاں سے گزرتے ہیں پہلے تمہارا سلوک تو اس طرح نہ ہوتا تھا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ بحیرا نے کہا: ''تم نے سچ کہا ہے۔ اسی طرح معاملہ تھا جس طرح تم کہہ رہے ہو۔ لیکن تم مہمان ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری عزت کروں۔ تمہارے لیے کھانا بناؤں جسے تم کھاؤ۔'' قریش ان کے پاس گئے حضور ﷺ اونٹوں کے پاس رہے۔ یا اپنے کمسن ہونے کی وجہ سے قوم کے سامان کے پاس رہے۔ جب دیکھا تو اسے وہ حلیہ نظر نہ آیا۔ جسے وہ جانتا تھا اپنے پاس مکتوب پاتا تھا۔ اس نے کہا: ''اے گروہِ قریش! تم میں سے کوئی میرے کھانے سے رہ نہ جائے۔ تو قریش نے کہا: ''تمہارے کھانے سے کوئی نہیں رہا۔ سوائے ایک بچے کے۔ وہ سب کم عمر ہیں وہ ہمارے سامان کے پاس ہیں۔'' بحیرا نے کہا: ''اس طرح نہ کرو۔ اسے بھی بلاؤ۔ وہ بھی کھانا کھائے۔ حارث بن عبدالمطلب اٹھا اور آپ کو لے آیا۔ جب آپ آئے تو بادل آپؐ پر سایہ فگن تھے۔ جب آپ ان کے قریب پہنچے تو درخت کے سایہ کے نیچے جگہ نہ تھی۔ سایہ خود بخود آپ کی طرف بڑھنے لگا۔ پادری نے کہا: ''ذرا درخت کا سایہ دیکھو ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ اس امت کے نبی ہیں جنہیں رب تعالیٰ سارے لوگوں کی طرف مبعوث کرے گا۔''

جب حضور اکرم ﷺ اس درخت سے علیحدہ ہوئے تو وہ اپنی جڑ سے پھٹ گیا۔ پھر آپ کے اعضاء مبارکہ کو دیکھنے لگا۔ وہ آپ کے وہی اوصاف پاتا جو اس کے ہاں لکھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنی قوم سے کہا: ''ان کی آنکھوں کی سرخی آتی جاتی رہتی ہے یا دائمی ہے۔'' قریش نے کہا: ''یہ سرخی دائمی ہے ان کی آنکھوں سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ بحیرا حضور ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ''من موہنے بچے! میں آپ کو لات وعزیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میں جو سوال بھی کروں آپ نے اس کا صحیح جواب دینا ہے۔'' بحیرا نے یہ اس لیے کہا تھا کیونکہ اس نے سنا تھا کہ آپ کی قوم انہی معبودانِ باطلہ کی قسمیں اٹھاتی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''مجھ سے لات وعزیٰ کی قسم اٹھا کر کچھ نہ پوچھنا۔ مجھے جتنا بغض ان کے ساتھ ہے اتنا بغض کسی اور چیز سے نہیں۔'' اس نے کہا: ''میں آپ کو رب تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں جو سوال کروں آپ اس کا صحیح جواب دیں۔'' آپ نے فرمایا: ''جو چاہو سوال کرو۔'' اس نے آپ کی نیند اور بیداری کے متعلق سوالات کیے۔ آپ اسے جوابات ارشاد فرمانے لگے جو ان اوصاف کے موافق تھے جو اس کے پاس لکھی ہوئی تھی۔ پھر وہ جناب ابوطالب کی

طرف متوجہ ہوا۔ اس نے پوچھا: "یہ معصوم بچہ آپ کا کیا لگتا ہے؟" جناب ابوطالب: "یہ میرا بیٹا ہے۔" بحیرا: "یہ آپ کا بیٹا نہیں اس کے والد گرامی کو زندہ نہیں ہونا چاہیے۔" جناب ابوطالب: "یہ میرا بھتیجا ہے۔" بحیرا: "اس کے والد محترم کیا کرتے ہیں؟" جناب ابوطالب: "یہ ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر میں تھے کہ ان کا وصال ہو گیا تھا۔ بحیرا: "آپ نے سچ کہا ہے۔ اس بچے کو اپنے شہر لے جائیں اور اس کے بارے یہودیوں سے محتاط رہیں۔ بخدا! اگر انہوں نے اس کی زیارت کر لی اور وہ صفات جان گئے جن سے میں آگاہ ہو چکا ہوں۔ تو وہ انہیں اذیت دیں گے۔ تمہارے اس بھتیجے کی شان بڑی عظیم ہو گی۔ انہیں لے کر اپنے شہر لوٹ جائیں انہیں روم کی طرف نہ لے جائیں۔ اگر انہوں نے انہیں دیکھ لیا تو انہیں پہچان جائیں گے۔ وہ انہیں شہید کر دیں گے۔"

بحیرا نے دیکھا تو اسے اچانک سات رومی نظر آئے۔ جو روم سے آئے تھے۔ اس نے ان کا استقبال کیا اور پوچھا: "کس لیے آئے ہو؟" انہوں نے کہا: "ہم اس نبی کے لیے نکلے ہیں جو اس مہینے کو اپنے شہر سے نکلیں گے سارے رستوں پر لوگوں کو بٹھا دیا گیا ہے۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ وہ اس رستہ سے آئے ہیں۔" بحیرا نے کہا: "تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر رب تعالیٰ نے کسی امر کا ارادہ فرما لیا ہو کیا لوگوں میں سے کوئی اُسے لوٹا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: "نہیں! انہوں نے بحیرا کی بیعت کی۔ اس کے ہمراہ ٹھہر گئے۔ بحیرا قریش کے پاس آیا۔ اس نے پوچھا: "میں تمہیں رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ اس کا سرپرست کون ہے؟" انہوں نے بتایا: "ابوطالب" بحیرا برابر اصرار کرتا رہا حتیٰ کہ جناب ابوطالب آپ کو واپس لے آئے۔ بحیرا نے اپنا آدمی ان کے ہمراہ بھیجا۔ زیتون اور کیک بطور زادِ راہ دیے۔ جناب ابوطالب نے اس واقعہ کے بارے بہت سے قصائد لکھے ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

ان ابن آمنة الامین محمداً ۔۔۔ عندی بمثل منازل الاولاد

ترجمہ: "حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے نور نظر محمد الامین صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میری اولاد کی مانند ہیں۔"

لما تعلق بالزمام رحمتهٗ ۔۔۔ والعیس قد قلّصن بالازوادِ

ترجمہ: "جب وہ زمام کے ساتھ لٹک گئے تو مجھے ان پر ترس آ گیا اونٹنیاں ہمیں لے کر زادِ راہ کے ساتھ بلند مقامات طے کر رہی تھیں۔"

فارفضّ من عنیّ دمع ذارف ۔۔۔ مثل الجمان مفرق الافرادِ

ترجمہ: "میری دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے جو موتیوں کی طرح جدا جدا ہو کر گر رہے تھے۔"

راعیت منه قرابةً موصولةً ۔۔۔ و حفظت فیه وصیة الاجدادِ

ترجمہ: "میں نے ان کی متصل قرابت کی رعایت کی اور ان کے بارے اپنے آباء و اجداد کی وصیت یاد کی۔"

وامرته بالسیر بین عمومة ۔۔۔ بیض الوجوہ مصالتِ انجادِ

ترجمہ: "میں نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے چچاؤں کے ساتھ چلیں جو سفید چہروں والے قوی اور کشادہ پیشانیوں والے ہیں۔"

ساروا لابعد طية معلومة فلقد تباعد طية المرتاد

ترجمہ: "وہ دور دراز کی معلوم جگہ کی طرف روانہ ہوئے۔ منزل مقصود بہت دور تھی۔"

حتی اذا ما القوم بصری عاینوا لاقوا علی شرك من المرصاد

ترجمہ: "حتی کہ جب وہ کارواں بصریٰ پہنچا۔ تو انہوں نے گھاٹی کے رستے پر ایک عالم سے ملاقات کی۔"

خبراً فاخبرهم حدیثا صادقًا عنه فرد معاشر الحساد

ترجمہ: "اس نے آپ کے بارے سچی بات بتائی اور حاسدوں کے گروہوں کو لوٹا دیا۔"

قوما یهوداً قد رائو اما قد رای ظل العمامة ثاغری الاکباد

ترجمہ: "یعنی یہودی قوم جس نے وہ ہی علامات دیکھ لیں تھیں جو اس نے دیکھی تھیں جو جگروں کو چیرنے والی تھیں۔"

ساروا لفتك محمد فنهاهم عنه واجهد احسن الاجهاد

ترجمہ: "انہوں نے حضور ﷺ کو شہید کرنا چاہا لیکن بحیرا نے انہیں روک دیا اور اس میں بہت عمدہ کوشش کی۔"

فثنی زبیراء بحیر فانثنی فی القوم بعد تجادل و تعاد

ترجمہ: "بحیر نے زبیراء کو ہٹایا تو وہ سرکشی اور جھگڑے کے بعد اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔"

و نهی دریسا فانتهی لما نهی عن قول جر ناطق بسداد

ترجمہ: "اس نے دریس کو روکا تو وہ اس عالم کے قول کی وجہ سے اس امر سے رک گیا جس سے اسے روکا گیا تھا جو درست بات کرتا تھا۔"

بکی خرنا لما رانی محمد کان لا یرانی راجعا لمعاد

ترجمہ: "جب حضور ﷺ نے مجھے دیکھا تو غم واندوہ کی وجہ سے رونے لگے گویا کہ انہوں نے دیکھا کہ میں مقررہ وعدہ پر واپس نہیں آؤں گا۔"

فبت یجافینی تهلل دمعه و عبرته عن مصجعی ووسادی

ترجمہ: "میں نے اس طرح رات بسر کی کہ آپ کے آنسو میرے بستر اور تکیہ کی طرف لگاتار مجھے تیروں کی طرح لگتے رہے۔"

فقلت له قرب قتودك و ارتحل ۔۔۔ لا تخش منی جفوة بهلاد

ترجمہ: "میں نے آپ سے کہا اپنے کجاوہ کو قریب کریں اور عازم سفر ہو جائیں۔ شہروں میں مجھ سے کسی ظلم کا اندیشہ نہ کریں۔"

وحل زمام العیس وارحل بنامعا ۔۔۔ علی عزمة من امرنا ورشاد

ترجمہ: "اونٹنی کی زمام پکڑ لیں اور ہمارے حکم اور راہ نمائی کے ساتھ صبر کے ساتھ عازم سفر ہو جائیں۔"

رح رائحاً فی الرائحین مشیعا ۔۔۔ لذی رحم والقوم غیر عباد

ترجمہ: "آپ سفر کرنے والوں کی معیت میں عازم سفر ہو جائیں۔ یہ لوگ آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ ان لوگوں سے دور کی رشتہ داری نہیں۔"

فرحنا مع القوم التی راح رکبها ۔۔۔ یومون من غورین ارض ایاد

ترجمہ: "ہم اس قوم کے ساتھ عازم سفر ہوئے جن کا کارواں چلا۔ جو بنو ایاد کی نشیبی سرزمین کا قصد کیے ہوئے تھے۔"

فما رجعوا حتی راوا من محمد ۔۔۔ احادیث تجلو رین کل فواد

ترجمہ: "وہ واپس نہ آئے حتیٰ کہ انہوں نے حضور ﷺ سے ایسے امور دیکھ لیے جنہوں نے ہر دل کے زنگ کو دور کر دیا۔"

و حتی راؤ احبار کل مدینه ۔۔۔ سجودا له من عصبة و فراد

ترجمہ: "حتیٰ کہ انہوں نے دیکھا کہ ہر شہر کے علماء تنہا اور گروہ کی شکل میں آپ کے سامنے سجدہ ریز تھے۔"

زبیر او تماما قد کان شاهدا ۔۔۔ دریس فهموا کلهم بفساد

ترجمہ: "زبیر، تمام اور دریس سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ان سب نے فساد کا ارادہ کیا تھا۔"

فقال لهم قولا بحیر افا یقنوا ۔۔۔ به بعد تکذیب و طول بعاد

ترجمہ: "بحیرا نے ان سے ایک بات کی۔ تکذیب اور طویل سرکشی کے بعد انہوں نے اس کا یقین کر لیا۔"

کما قال للرکب الذین تهودوا ۔۔۔ و جاهد فی الله حق جهاده

ترجمہ: "جس طرح کہ اس نے یہودیوں کے کارواں سے کہا تھا۔ اس نے راہ خدا میں جہاد کا حق ادا کر دیا تھا۔"

قال و لم یترك له الفصح ردّه ۔۔۔ فان له ارصاد کل مضاد

ترجمہ: "اس نے انہیں کہا۔ اسے لوٹانے میں خلوص کو ترک نہ کیا۔ بلاشبہ اس کے لیے ہر مخالف کے لیے گھات ہے۔"

فانی اخاف الحاسدین فانه ۔۔۔ لفی الکتب مکتوب بای مداد

ترجمہ: "مجھے ان کے بارے حاسدوں کا خوف ہے۔ آپ کا تذکرہ سابقہ کتب میں لکھا گیا ہے۔"

الم ترنی من بعدھم ھممته — بفرقة حر الوالدین کرام

ترجمہ: "کیا تجھے علم نہیں کہ جب میں نے سفر کا پختہ ارادہ کر لیا تھا تو آزاد اور کریم والدین کے لخت جگر کی جدائی میں میری کیا حالت ہوئی۔"

باحمد لما ان شددت مطیتی — برحلی و قد ودعته بسلام

ترجمہ: "یعنی احمد مجتبیٰ ﷺ کی جدائی میں میری کیفیت کیا تھی۔ جب میں نے اپنی سواری بھی کس لی اور آپ کو الوداعی سلام بھی کر لیا۔"

بکی حزنا والعیس قد فصلت بنا — وامسك بالکفین فضل زمام

ترجمہ: "آپ غم سے رونے لگے۔ اونٹنی ہمارے مابین جدائی ڈال رہی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے زمام کا کنارہ تھاما ہوا تھا۔"

ذکرت اباہ ثم و قرقت عبرۃ — بحورا من العینین ذات سجام

ترجمہ: "میں نے آپ کے والد گرامی کو یاد کیا۔ میری آنکھیں بھر آئیں پھر دونوں آنکھوں سے لگاتار آنسو ٹپکنے لگے۔"

فقلت تروح راشدا فی عمومة — مداسین فی الباساء غیر لئام

ترجمہ: "میں نے عرض کی آپ ایسے چچاؤں میں عازم سفر ہوں جو مصیبت میں ہمدردی کرنے والے ہیں جو کمینے نہیں ہیں۔"

فرحنا مع العیر التی راح اھلھا — شآم الھوی والاصل عیر شآم

ترجمہ: "ہم اس کارواں کے ساتھ چلے جو شام کی طرف رواں دواں تھا۔ اصل کارواں شام کا ہی ہے۔"

فلما ھبطنا ارض بصری تشرفوا — لنا فوق دور ینظرون جسام

ترجمہ: "جب ہم بصریٰ کی سرزمین پر اترے تو لوگ ہمیں گھروں کی چھتوں سے دیکھنے لگے۔ وہ ہمارے بڑے اجسام دیکھ رہے تھے۔"

جاء بحیرا عند ذالك حاشداً — لنا بشراب طیب و طعام

ترجمہ: "اس وقت بحیرا ہمارے لیے بہترین کھانا اور عمدہ پانی لے کر حاضر ہوا۔"

فقال اجمعو اصحابکم لطعامنا — فقلنا جمعنا القوم غیر غلام

ترجمہ: "اس نے کہا اپنے ساتھیوں کو کھانے کے لیے جمع کر لو۔ ہم نے کہا کہ ایک بچے کے علاوہ سارے لوگ جمع ہیں۔"

یتیما فقال ادعوہ ان طعامنا کثیر علیه القوم غیر حرام

ترجمہ: "وہ بچہ یتیم ہے۔ بحیری نے کہا لوگوں کے لیے کافی ہے۔ اس پر بہت سے لوگ جمع ہیں اور حرام نہیں ہے۔"

فلما راٰہ مقبلا نحو دارہٖ توقیه حر الشمس ظل غمام

ترجمہ: "جب اس نے آپ کو گھر کی طرف آتے دیکھا تو آپ کو بادل کا سایہ سورج کی گرمی سے بچا رہا تھا۔"

حنی راسه لشبه السجود و ضمه الی نحرہٖ والصر اتی ضمام

ترجمہ: "اس نے سجدہ کی حالت میں آپ کی طرف اپنا سر جھکا دیا اسے آپ کے سینہ اور گردن کے ساتھ لگا دیا۔"

و اقبل رکب یطلبون الذی رای بحیرا من الاعلام وسط خیام

ترجمہ: "ایک کارواں آیا وہ انہی علامات کا متلاشی تھا جنہیں بحیرا نے خیمہ کے وسط میں دیکھ لیا تھا۔"

فثار الیهم خشیة لغرامهم و کانوا ذوی مکرمعا و غرام

ترجمہ: "بحیرا ان کے مکروفریب کی وجہ سے تیزی سے اٹھ کر ان کی طرف گیا۔ وہ مکروفریب کے دھنی تھے۔"

دریس و تمام قد کان فیهم زبیر و کل القوم غیر نیام

ترجمہ: "اس قوم میں دریس، تمام اور زبیر تھے ساری قوم کے پاس بے نیام تلواریں تھیں۔"

فجاؤوا قد هموا بقتل محمد فردهم عنه بحسن خصام

ترجمہ: "وہ حضور ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ لے کر آئے تھے۔ بحیرا نے انہیں بڑی اچھی طرح لوٹا دیا۔"

بتاویله التوراۃ حتی تفرقوا فقال لهم ما انتم بطغام

ترجمہ: "اس نے اس کے لیے تورات کی تشریح کی حتیٰ کہ وہ منتشر ہو گئے۔ اس نے انہیں کہا کہ تم ردی لوگ نہیں ہو۔"

فذالك من اعلامه و بیانه و لیس نهار واضح کظلام

ترجمہ: "یہ سب کچھ آپ کی علامات اور اظہار کے لیے تھا واضح دن تاریکی کی طرح نہیں ہوتا۔"

تنبیہات

◆ ترمذی نے ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ بحیرا لگاتار اصرار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ جناب ابوطالب نے آپ کو حضرت بلال اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے ہمراہ بھیج دیا۔ حافظ شرف الدین دمیاطی نے "المورد والعیون" میں ان کی گرفت کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال بھی نہ تھی۔ حضور ﷺ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دو سال بڑے تھے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس سفر کے وقت آپ کی عمر کیا تھی۔ اس واقعہ کے تقریباً تیس سال بعد حضرت بلال حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آئے۔ پہلے وہ بنو خلف کے پاس تھے۔ جب انہیں اسلام لانے کی پاداش میں تکالیف دی گئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید لیا تھا۔

الحافظ نے الاصابۃ میں اسی طرح لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے: "یہ الفاظ اس روایت میں ویسے ہی داخل کر دیئے گئے ہیں۔ یا کسی راوی کا وہم ہے۔"

ابن مندہ نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار کی اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال تھی۔ اس وقت وہ تجارت کے لیے شام جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ وہ بیری کے درخت کے نیچے فروکش ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق اس راہب کے پاس گئے، جسے بحیرا کہا جاتا تھا۔ تاکہ اس سے کچھ حاصل کریں۔ اس نے پوچھا: "یہ ہستی کون ہے جو بیری کے سایہ کے نیچے تشریف فرما ہے۔" حضرت ابوبکر صدیق: "وہ محمد عربی بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔" راہب: "بخدا! یہ اس امت کے نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی اس درخت کے نیچے کھڑا نہیں ہوا۔" الحافظ نے لکھا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو احتمال ہے کہ یہ کسی اور سفر کا واقعہ ہے جو اس سفر کے بعد ہوا تھا۔ ابن دحیہ نے لکھا ہے: "ممکن ہے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کو اجرت پر لیا ہو یا امیہ بن خلف نے انہیں بھیجا ہو۔" مگر یہ دونوں امور درست نہیں:

① اس وقت حضرت ابوبکر صدیق ان کے ہمراہ نہ تھے۔ نہ ہی ان کی یہ عمر تھی کہ وہ کسی چیز کے مالک بن سکتے۔

② حضرت بلال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ لہٰذا اس قول پر توجہ نہیں دی جائے گی۔

◆ ان یہودیوں نے بحیرا کی بیعت کر لی تھی۔" العیون میں ہے کہ اگر یہ درست ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس امر پر بیعت کی تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہیں دیں گے۔ اس کے علاوہ بیعت کا اور کوئی مفہوم سمجھ نہیں آتا۔ "الغرر" میں ہے کہ پہلا قول ظاہر ہے تاکہ "فیہ" میں ضمیر کی موافقت ہو سکے۔ "پھر وہ اس کے ساتھ ٹھہر گئے۔" اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑیں گے۔ نہ ہی آپ کو تکلیف دیں گے جس مقصد کے لیے انہیں بھیجا گیا ہے۔ وہ بحیرا کے ساتھ ٹھہریں گے کیونکہ اگر وہ آپ کو پکڑے بغیر لوٹ گئے تو انہیں اپنی جانوں کے بارے خطرہ ہے۔ یہ عمدہ وجہ ہے۔

◆ سیر زھری میں ہے کہ بحیرا تیماء کے یہودیوں کا عالم تھا۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس قصہ کے سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عیسائی تھا۔ مسعودی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بحیرا کا تعلق بنو عبدالقیس سے تھا اور یہ عیسائی تھا۔

ابن عساکر نے لکھا ہے کہ اس کا مسکن میفعہ تھا۔ یہ بلقاء کے پاس گرجا کے پیچھے ایک بستی تھی۔ امام سروجی نے اپنے "مناسک" میں لکھا ہے کہ بکافہ کے پاس وادی الظباء میں تمر الهندی کا درخت ہے۔ عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ بحیرا کا گرجا وہیں تھا۔" امام قلبی نے لکھا ہے کہ طلوعِ اسلام سے کچھ مدت پہلے ایک ہاتف کو سنا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا: "روئے زمین کے انسانوں میں سے تین ہستیاں بہترین ہیں۔ (۱) بحیرا (۲) رئاب بن البراء الشنی (۳) منتظر۔ منتظر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے: "رئاب الشنی اور اس کے بیٹے کی قبر پر ہمیشہ بوندا باندی ہوتی رہتی ہے۔

مسعود نے لکھا ہے کہ بحیرا کا نام نرجس تھا۔ الروض الانف میں یہی لکھا ہے۔ "الاشارة" میں اس کا نام جرجیس لکھا ہے۔ الزھر، الاصابة، المیزان میں اسی طرح لکھا ہے۔ اس نے بعثت کو نہیں پایا تھا۔

❁❁❁

نواں باب

عصمتِ ربانی

ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت داؤد بن حصین سے اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اس حالت پر جوان ہوئے کہ آپ پوری طرح رب تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی میں تھے۔ اس نے آپ کو جاہلیت کے عیوب اور گندگی سے پوری طرح محفوظ رکھا تھا۔ کیونکہ وہ آپ کے سر اقدس پر کرامت اور رسالت کا تاج سجانا چاہتا تھا۔ آپ اس طرح جوان ہوئے کہ آپ مروت کے اعتبار سے اپنی قوم سے افضل تھے۔ خلق کے اعتبار سے حسین تھے۔ حسب کے اعتبار سے کریم تھے۔ پڑوس کے اعتبار سے عمدہ تھے۔ حلم کے اعتبار سے عظیم اور گفتگو کے اعتبار سے سچے تھے۔ امانت کے اعتبار سے عظیم تھے۔ آپ فحش اور ان عادات سے دور تھے جو لوگوں کے دامنوں کو میلا کر دیتی ہیں۔ آپ نے کبھی کسی کو گالی گلوچ نہیں دی تھی۔ آپ میں پاکبازی کے امور اتنے زیادہ جمع ہو گئے کہ آپ کی قوم آپ کو امین کہنے لگی۔

ابوہاشم محمد بن ظفر نے "خیر البشر بخیر البَشَر" میں لکھا ہے کہ عرب کے حکیم اکثم بن صیفی نے حج کیا۔ آپ اس وقت قریب البلوغ تھے۔ اس نے جناب ابوطالب سے کہا: "آپ کا یہ بھائی کتنی جلدی جوان ہوا ہے؟" انہوں نے کہا: "یہ میرے بھائی نہیں بلکہ میرے بھتیجے اور حضرت عبداللہ کے نورِ نظر ہیں۔" اکثم: "یہ دو ذبیحوں کے فرزند ہیں۔" جناب ابوطالب: "ہاں۔ اکثم آپ کو غور سے دیکھنے لگا۔" اس نے کہا: "ان کے بارے تمہارا کیا گمان ہے؟" ابوطالب: "ہم ان کے بارے حسنِ ظن رکھتے ہیں۔ یہ باوفا اور سخی ہیں۔" اکثم: "اس کے علاوہ کچھ اور؟" جناب ابوطالب: "ان کی قوم مضبوط ہے۔ ان کی محفل عمدہ ہے ان کا فضل محکم ہے۔" اکثم: "اس کے علاوہ کچھ اور؟" جناب ابوطالب: "ہم ان کی محفل سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ جس چیز کو یہ چھو لیں ہم اسے بابرکت سمجھتے ہیں۔" اکثم: "میں اور بھی کچھ کہتا ہوں یہ مضبوط ہاتھ اور قوی ٹانگ مبارک سے سارے عرب کو روندھ ڈالیں گے۔ پھر انہیں عمدہ اور سرسبز و شاداب وادی میں لے جائیں گے۔ جس نے ان کی اتباع کر لی وہ ہدایت پالے گا۔ جس نے ان سے روگردانی کی وہ ہلاک ہو جائے گا۔"

ابن سعد نے ربیع بن خثیم سے روایت کیا ہے کہ اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے فیصلے کرانے کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے "حضور ﷺ بیان فرماتے تھے کہ رب تعالیٰ آپ کو بچپن میں جاہلیت کے امور سے کیسے محفوظ رکھتا تھا۔ آپ نے فرمایا: "آپ قریش کے بچوں میں تھے۔ ہم پتھر منتقل کر

رہے تھے۔ جن کے ساتھ بچے کھیلتے تھے۔ ہم سب عریاں تھے۔ آپ نے بھی اپنا ازار لیا اور اپنے کندھے پر رکھ دیا۔ اس پر پتھر لانے لگے۔ آپ نے فرمایا: "میں بھی ان بچوں کے ساتھ آ اور جا رہا تھا۔ کسی نے مجھے سخت مکا مارا اور کہا: "اپنا ازار بند باندھ لیں۔" میں نے ازار بند لیا اور اسے مضبوطی سے باندھ لیا۔ میں اپنی گردن پر پتھر رکھ کر منتقل کرنے لگا۔ میرے ساتھیوں میں سے صرف میں نے ہی ازار باندھا ہوا تھا۔" اسی طرح کا واقعہ تعمیر کعبہ کے وقت بھی پیش آیا تھا۔

الطبرانی، بیہقی، ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ انہوں نے فرمایا: "مجھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ جب قریش نے کعبہ معظمہ کو تعمیر کیا تو دو دو افراد مل کر پتھر لا رہے تھے۔ میں اور میرا بھتیجا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم مل کر پتھر اٹھا رہے تھے۔ ہم نے اپنے ازار اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ ہم ان پر پتھر منتقل کر رہے تھے۔ جب ہم لوگوں کے قریب جاتے تو ہم ازار پہن لیتے تھے۔ آپ میرے آگے آگے تھے۔ آپ اچانک گر پڑے۔ میں دوڑ کر آیا آپ کی نگاہیں آسمان کی طرف تھیں۔ میں نے پوچھا: "میرے بھتیجے! کیا ہوا ہے؟" آپ نے فرمایا: "مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں عریاں چلوں۔" میں نے آپ کا ازار بند باندھ دیا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ کی نبوت کو ظاہر کر دیا۔

امام ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوموسیٰ سے روایت کیا ہے کہ جب بحیرا نے لات وعزیٰ کی قسم دے کر آپ سے کچھ پوچھنا چاہا تو آپ نے فرمایا: "ان معبودانِ باطلہ کی قسم اٹھا کر مجھ سے کچھ نہ پوچھنا بخدا! مجھے جتنا بغض ان سے ہے کسی اور سے نہیں۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: "میں نے سوائے دو بار کے ان امور میں سے کسی امر کا ارادہ نہیں کیا تھا جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے۔ ہر دو بار رب تعالیٰ نے مجھے ان سے بچا لیا تھا۔ ایک رات ہم اپنے اہلِ خانہ کی بکریاں چرا رہے تھے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا: "میری بکریوں کی بھی نگرانی کرو۔ میں مکہ مکرمہ جاؤں تاکہ میں بھی اسی طرح قصے کہانیاں سنوں۔ جس طرح نوجوان سنتے ہیں اس نے ہامی بھر لی۔ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ جب میں مکہ مکرمہ کے پہلے گھر کے پاس آیا۔ میں نے وہاں سے آلات بجنے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا: "یہ کیا ہے؟" لوگوں نے مجھے بتایا: "فلاں نے فلانہ سے شادی کی ہے۔" میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ میں وہیں سو گیا۔ بخدا! مجھے سورج کی دھوپ نے جگایا۔ میں اپنے ساتھی کے پاس واپس آ گیا۔ اس نے مجھے کہا: "کیا دیکھا ہے؟" میں نے کہا: "کچھ بھی نہیں دیکھا۔" پھر میں نے اسے سارا واقعہ سنا دیا۔ ایک اور رات میں نے اسے کہا: "میری بکریوں کی دیکھ بھال کرنا حتیٰ کہ میں مکہ مکرمہ میں جا کر داستانیں سن آؤں۔" میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ اسی طرح آلات موسیقی بجنے کی آواز سنائی دی جس طرح پہلے سنائی دی۔" میں انتظار کرنے لگا۔ حتیٰ کہ میں وہیں سو گیا۔ بخدا! مجھے سورج کی دھوپ نے جگایا۔ میں اپنے ساتھی کے پاس لوٹ آیا۔ اس نے پوچھا: "کیا کیا ہے؟" میں نے کہا: "کچھ بھی نہیں۔" میں نے اسے سارا واقعہ سنا دیا۔ بخدا! اس کے بعد میں نے کسی بھی ایسی چیز کا ارادہ نہیں کیا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے

نبوت سے سرفراز فرمادیا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رب تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۴)

ترجمہ: "اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو۔"

تو آپ نے قریش کے قبائل کو بلایا۔ آپ نے فرمایا: "تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر جرار کھڑا ہے؟ کیا تم میری تصدیق کرو گے؟" انہوں نے کہا: "ہاں! ہم نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ نے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا۔" (الشیخان) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا۔ آپ نے فرمایا: "میں نے زید بن عمرو کو سنا وہ ہر اس جانور کو معیوب سمجھ رہا تھا جسے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جاتا تھا۔ میں نے کبھی ان جانوروں میں سے کچھ بھی نہیں چکھا۔ جنہیں بتوں پر ذبح کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے مجھے رسالت سے سرفراز فرمادیا۔" (ابونعیم)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کی گئی: "کیا آپ نے کبھی بتوں کی پوجا کی ہے۔" آپ نے فرمایا: "نہیں۔" "کیا آپ نے کبھی شراب پی ہے؟ آپ نے فرمایا: "نہیں۔" میں ہمیشہ سے یہ جانتا تھا کہ یہ سارے امور جن پر لوگ ہیں کفر ہیں۔ مگر میں نہیں جانتا تھا کہ الکتاب اور الایمان کیا ہے؟ (ابونعیم، ابن عساکر)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "بوانہ کے مقام پر ایک بت تھا، قریش سال میں ایک بار اس کے پاس جاتے تھے۔ جناب ابوطالب اپنی قوم کے ساتھ وہاں جاتے تھے۔ وہ حضور اکرم ﷺ سے بھی اس کے بارے گفتگو کرتے تھے، مگر آپ ہمیشہ انکار فرمادیتے تھے۔ حتیٰ کہ میں دیکھتی تھی کہ جناب ابوطالب آپ سے ناراضگی کا اظہار کر رہے ہوتے تھے۔ پھوپھیاں بھی ناراضگی کا اظہار کرتی تھیں۔ وہ کہتیں: "محمد عربی! آپ چاہتے ہیں کہ نہ تو آپ اپنی قوم کی عید میں شرکت کریں نہ ہی کسی میلے میں شریک ہوں۔" وہ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ آپ تھوڑی سی مسافت تک گئے۔ پھر مرعوب و مرھوب واپس آگئے۔ آپ کی پھوپھیوں نے کہا: "آپ کو کیا ہوا ہے؟" آپ نے فرمایا: "مجھے خدشہ ہے کہ کہیں مجھ سے کوئی لغزش نہ ہو جائے۔" انہوں نے کہا: "رب تعالیٰ آپ کو کبھی بھی شیطان کی وجہ سے امتحان میں نہیں ڈالے گا۔ آپ میں بھلائی کی ساری خصلتیں پائی جاتی ہیں۔ آپ نے کیا دیکھا ہے؟" آپ نے فرمایا: "جب بھی میں ان معبودان باطلہ کے قریب جانے کی کوشش کرتا ایک لمبا سفید شخص میرے سامنے آجاتا وہ کہتا: "یا محمد! انہیں مس بھی نہ کرنا۔" حضرت ام ایمن نے فرمایا: "پھر کبھی بھی آپ نے ان کی عید میں شرکت نہیں کی۔" (ابونعیم، ابن سعد)

حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے جاہلیت میں حضور ﷺ کو دیکھا آپ عرفات میں اپنی قوم کے ساتھ کھڑے تھے۔ آپ اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ حتیٰ کہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی باہر نکلے۔ یہ رب

تعالیٰ کی توفیق ہی تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "قریش اور ان کے ہم دین لوگ (حمس) عرفہ کی رات مزدلفہ میں ہی قیام کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے: "ہم بیت اللہ کے باسی ہیں، جبکہ لوگ اور دیگر اہلِ عرب عرفات میں قیام کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ (البقرۃ:۱۹۹)

ترجمہ: "پھر تم بھی (اے مغروران قریش) وہاں تک (جا کر) واپس آؤ جہاں جا کر دوسرے لوگ واپس آتے ہیں۔"

امام زہری نے روایت کیا ہے کہ نزولِ وحی سے پہلے قریش حضور اکرم ﷺ کو "الامین" کہتے تھے۔ وہ چاہتے کہ جو جانور بھی ذبح کریں آپ اسے مَس کریں اور اس میں برکت کی دعا کریں۔" امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت جبرائیل امین پہلی دفعہ آپ پر وحی لے کر آئے تو آپ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "مجھے اپنے بارے خدشہ ہے۔" انہیں سارا واقعہ سنایا تو انہوں نے عرض کی: "بخدا! ہرگز نہیں آپ کو بشارت ہو۔ رب تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، غریبوں کو عطا کرتے ہیں، مہمان کی خاطر کرتے ہیں، حق کے امور پر مدد کرتے ہیں۔"

تنبیہات

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ آپ کے بچپن میں پیش آیا تھا۔ پھر آپ کو ازار باندھنے کا حکم دیا گیا۔ امام سہیلی، ابن کثیر، ابوالفتح اور الحافظ نے لکھا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ واقعہ دو دفعہ رونما ہوا تھا۔ (۱) آپ کے بچپن میں، (۲) تعمیرِ کعبہ کے وقت۔ لیکن علامہ مغلطای نے اپنی کتاب "الزھر" اور "دلائل النبوۃ" میں اسے بعید سمجھا ہے کیونکہ جب آپ کو ایک دفعہ کسی چیز سے روک دیا جاتا تو آپ کسی اعتبار سے اس کی طرف دوبارہ نہیں آتے تھے۔ عنقریب حضرت عباس کی روایت میں آئے گا کہ اس وقت آپ کو پہلی دفعہ غیبی صدا سنائی دی تھی۔ وہ روایت جسے ابن سعد، ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب ابوطالب زمزم کا کنواں درست فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ پتھر منتقل کر رہے تھے۔ آپ اپنے معصوم بچپن میں تھے۔ آپ اپنے ازار بند پر پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ آپ پر بے ہوشی چھا گئی۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو جناب ابوطالب نے اس امر کے بارے پوچھا تو آپ نے فرمایا: "ایک آنے والا میرے پاس آیا اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس نے مجھے کہا: "آپ ازار بند باندھ لیں۔" یہ پہلی چیز تھی جسے آپ نے دیکھا تھا۔ الحافظ نے الفتح میں لکھا ہے۔ اس روایت کا راوی النضر ضعیف ہے۔ اس کی سند اور متن میں اختلاط ہو جاتا تھا۔ اس نے یہ واقعہ چشمۂ زمزم کے بارے روایت کر دیا ہے۔ حضرت عباس کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ یہ واقعہ حضرت عباس سے روایت ہے اور یہ تعمیرِ کعبہ کے وقت رونما ہوا تھا۔

دسواں باب

حرب الفجار

یہ جنگ شوال میں یا شعبان میں ہوئی تھی۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک چودہ یا پندرہ سال تھی۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس وقت عمر مبارک بیس سال تھی۔ قریش اور ان کے حلیف قبائل اور قیس عیلا ن کے مابین جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عروۃ الرحال بن عتبہ نے نعمان بن منذر کے ایک کارواں کو پناہ دی۔ براض بن قیس نے کہا: "کیا تو اسے کنانہ کے خلاف بھی پناہ دیتا ہے۔" عروۃ نے کہا: "ہاں! ساری مخلوق کے خلاف! عروۃ الرحال اس کارواں میں نکلا، براض بھی اس کی جستجو میں نکلا۔ جب وہ تیمن ذی طلال کے مقام پر تھا تو عروہ غافل ہو گیا۔ براض نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ واقعہ حرمت والے مہینے میں رونما ہوا تھا۔ اس لیے اسے الفجار کہا جاتا ہے۔ قریش کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے کہا: "براض نے عروہ کو قتل کر دیا ہے۔" قریش اس وقت عکاظ کے مقام پر تھے۔ وہ عازم سفر ہوئے۔ ھوازن کو خبر تک نہ ہوئی۔ جب انہیں علم ہوا تو انہوں نے انہیں جالیا، وہ ابھی تک حرم میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ وہ باہم لڑتے رہے حتیٰ کہ رات ہو گئی۔ وہ حرم میں داخل ہو گئے۔ ھوازن قتل عام سے رک گئے۔ پھر یہ جنگ کئی روز تک جاری رہی۔ کنانہ اور قیس کے درج ذیل چھ ایام تھے۔ شمظہ، یوم العبلاء، یہ عکاظ کے قریب تھے۔ یوم الشرب۔ اس روز بہت زیادہ قتل عام ہوا تھا۔ اس روز ابوسفیان، امیہ اور حرب نے خود کو جکڑ لیا تھا تاکہ وہ راہ فرار اختیار نہ کریں۔ انہیں العنابس کہا جاتا تھا۔ یوم الحریرہ، نخلہ کے پاس۔ اس روز بنونصر کے علاوہ قریش کو شکست ہوئی تھی۔ وہ ثابت قدم رہے تھے۔ حضور ﷺ نے بھی بعض ایام میں شرکت کی تھی۔ آپ اپنے چچاؤں کے ساتھ نکلے تھے۔ ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں نے اپنے چچاؤں کے ساتھ اس جنگ میں شرکت کی تھی۔ میں اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتا تھا۔ مجھے پسند ہے کہ میں نے اس جنگ میں شرکت نہ کی ہوتی۔"

ایام نخار کا آخری دن تھا۔ ھوازن اور کنانہ نے آئندہ سال عکاظ کے مقام پر ملنے کا وعدہ کیا۔ وہ وعدہ کے مطابق آگئے۔ حرب ابن امیہ قریش اور کنانہ کا سردار تھا۔ عتبہ بن ربیعہ یتیم تھا اور حرب کی کفالت میں تھا۔ حرب نے اسے نکلنے سے روکا مگر وہ حرب کی اجازت کے بغیر ہی نکل آیا۔ اسے اس وقت علم ہوا جب وہ دونوں لشکروں کے مابین اپنے اونٹ پر سوار ہو کر یہ اعلان کر رہا تھا۔ "اے مضر کے گروہ! تم کس لیے ہلاکت کے گڑھے میں گرتے ہو؟" ھوازن نے اسے کہا:

"تم کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہو؟" عتبہ: "اس بات پر صلح کی طرف کہ ہم تمہیں تمہارے مقتولین کی دیت دیں گے اور اپنے خون تمہیں معاف کر دیں گے۔" انہوں نے کہا: "یہ کیسے ممکن ہے؟" عتبہ: "ہم کچھ افراد کو بطور رہن تمہارے پاس رکھیں گے۔" ہوازن: "اس کا ضامن کون ہوگا؟" عتبہ: "میں۔" ہوازن: "تم کون ہو؟" عتبہ: "میں عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس ہوں۔" یہ بن کر وہ راضی ہو گئے۔ کنانہ بھی راضی ہو گئے۔ انہوں نے ہوازن کو چالیس افراد بطور رھن دیے جن میں حکیم بن حزام جیسی شخصیت بھی تھی۔ جب بنو عامر بن صعصعہ نے اپنے ہاتھوں میں یہ رہن دیکھا تو انہوں نے بھی اپنا خون معاف کر دیا۔ ان افراد کو آزاد کر دیا۔ اس طرح حرب الفجار ختم ہوگئی۔ کہا جاتا تھا کہ عتبہ اور ابو طالب کے علاوہ کوئی شخص مال کے بغیر سردار نہ بنا۔ یہ دونوں مال کے بغیر ہی سردار بن گئے۔

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے حرب الفجار میں قتال نہیں کیا تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ نے اس میں قتال کیا تھا۔

❁❁❁

گیارھواں باب

حلف الفضول

اس وقت عمر مبارک بیس برس تھی۔ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا۔ قریش حرب الفجار سے واپس آئے تھے۔ اہلِ عرب کا یہ معاہدہ سارے معاہدوں سے زیادہ عزت والا اور شرف والا تھا۔ سب سے پہلے حضرت زبیر بن عبدالمطلب نے اس معاہدے کی طرف دعوت دی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ زبید کا ایک شخص کچھ سامان لے کر مکہ مکرمہ آیا۔ عاصی بن وائل سہمی نے اس سے وہ سامان خرید لیا۔ یہ مکہ میں شرف اور قدر والا سمجھا جاتا تھا۔ اس نے زبیدی کو اس کے حق سے محروم کر دیا۔ زبیدی نے اس کے احلاف عبدالدار، مخزوم، جمح اور سہم سے مدد مانگی۔ مگر انہوں نے عاصی کے خلاف اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ جب زبیدی نے یہ ظلم دیکھا تو وہ کوہِ ابی قبیس پر چڑھ گیا۔ قریش اپنی اپنی محافل میں تھے۔ اس نے باآواز بلند کہا:

یا آل فهر لمظلوم بضاعته ببطن مكه نائي الدار والنضر
و محرم اشعث لم يقض عمرته يا للرجال بين الحِجر والحَجَر
ان الحرام لمن تمت مكارمه ولا حرام لثوب الفاجر الغدر

ترجمہ: "اے آلِ فہر اس مظلوم کی فریاد سنو۔ مکہ مکرمہ کی وادی میں جس کا سامان ظلماً چھین لیا گیا ہے۔ وہ اپنے وطن اور مددگاروں سے دور ہے۔ وہ حالت احرام میں ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا۔ اے لوگو! مجھ پر حجر اسود اور حطیم کے مابین ظلم ہوا ہے۔ عزت تو اس کی ہے جس کے اخلاق مکمل ہوں۔ فاجر اور دھوکہ باز کے کپڑوں کی وجہ سے تو اس کی کوئی عزت نہیں۔"

سب سے پہلے حضرت زبیر بن عبدالمطلب اٹھے۔ انہوں نے کہا: "ایسے شخص کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔" بنوہاشم، زہرہ، تیم عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہو گئے۔ اس نے ان کے لیے کھانا بنایا۔ انہوں نے ذوالقعدہ میں ایک معاہدہ کیا کہ وہ ظالم کے خلاف مظلوم کے حق میں یکجان ہوں گے۔ حتیٰ کہ ظالم مظلوم کا حق ادا کر دے۔ جب تک سمندر صوف کو تر کرتا رہے گا۔ جب تک حراء اور ثبیر اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ وہ معیشت میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ قریش نے اس معاہدہ کو حلف الفضول کے نام سے یاد کیا۔ یہ سارے افراد عاصی بن وائل کے پاس گئے۔ اس سے زبیدی کا سامان چھینا اور اسے

اس شخص کے حوالے کر دیا۔

ابن اسحاق نے طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اور امام بیہقی اور ابن سعد نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "اس معاہدہ کے وقت میں عبداللہ بن جدعان کے گھر موجود تھا۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جائیں۔ اگر اسلام میں بھی اس جیسے معاہدہ کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کرلوں گا۔"

امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں قریش کے اس معاہدہ میں شریک تھا۔ میں المطیبین کے معاہدوں میں شریک نہ تھا۔ میں حلف الفضول میں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک تھا۔ مجھے یہ ناپسند ہے کہ میں اسے توڑوں اور مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ دیے جائیں۔" اس معاہدہ کو حلف الفضول کیوں کہا جاتا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سے قبل بنو جرہم میں بھی اسی طرح کا معاہدہ رونما ہوا تھا۔ اس میں ان تین افراد نے شرکت کی تھی۔ (۱) فضل بن ضالہ (۲) فضل بن ورادہ (۳) فضل بن حارث۔ یہ امام قتبی کا قول ہے زبیر نے ان افراد کا اضافہ کیا ہے۔ (۱) فضل بن شراعہ (۲) فضل بن قضاعہ۔ جب بعد والے لوگوں نے ایسا ہی معاہدہ کیا تو اس کا نام حلف الفضول رکھا گیا۔

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ جو کچھ ابن قتیبہ نے لکھا ہے وہ عمدہ ہے۔ لیکن حدیث پاک میں اس سے قوی سبب بیان کیا گیا ہے۔ حمیدی نے عبداللہ بن محمد اور عبدالرحمان بن ابی بکر سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جب یہ معاہدہ ہو رہا تھا تو میں عبداللہ بن جدعان کے گھر موجود تھا۔ اگر اسلام میں اس جیسے معاہدہ کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔ انہوں نے معاہدہ کیا تھا کہ وہ فضول (زیادہ لی ہوئی چیز) کو اس کے مالک کے حوالے کریں گے۔ ظالم کی مظلوم کے خلاف مدد نہیں کی جائے گی۔"

ایک اور قول کے مطابق اسے حلف الفضول اس لیے کہا جاتا تھا کیونکہ انہوں نے اپنے زائد اموال مہمانوں کے لیے مختص کیے تھے۔

❁❁❁

بارھواں باب

گلہ بانی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اس نے بکریاں چرائیں۔" صحابہ کرام نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے بھی بکریاں چرائیں۔" آپ نے فرمایا: "ہاں۔ میں قراریط پر اہلِ مکہ کی بکریاں چراتا تھا۔" (بخاری، ابن سعد، ابن ماجہ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے، ہم اراک کا پھل چن رہے تھے۔" آپ نے فرمایا: "کالا پھل چنو۔ یہ عمدہ ہوتا ہے۔ میں بھی اسے چنا کرتا تھا، جب میں بکریاں چراتا تھا۔" ہم نے عرض کی: "یارسول اللہ! کیا آپ بھی بکریاں چراتے تھے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں! ہر نبی نے بکریاں چرائیں۔"

امام ابوداؤد الطیالسی، بغوی، ابن مندہ، ابونعیم اور ابن عساکر بشر بن حرب بصری سے اور امام احمد اور عبد بن حمید نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اونٹوں والوں اور بکریوں والوں نے باہم فخر کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "حضرت موسیٰ مبعوث ہوئے تو وہ بکریاں چراتے تھے۔ حضرت داؤد مبعوث ہوئے تو وہ بکریاں چراتے تھے۔ میں مبعوث ہوا تو میں بھی اجیاد پر اپنے اہلِ خانہ کی بکریاں چراتا تھا۔"

تنبیہات

1. علماء کرام نے بعثت سے قبل بکریاں چرانے کی حکمت میں لکھا ہے کہ اس طرح انبیائے کرام کو اس امر پر تربیت ہوتی ہے جن کا انہیں عنقریب مکلف بنایا جاتا ہے۔ یعنی امت کے معاملہ کی نگرانی بکریوں کو چرانے سے حلم اور شفقت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جب وہ ان کو چراتے، چراگاہ میں ان کے بکھرنے انہیں جمع کرنے ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ میں انہیں منتقل کرنے، انہیں چور اور درندے سے محفوظ کرنے، ان کی طبیعتوں کے اختلاف، کمزوری کے ساتھ ساتھ ان کے منتشر ہو جانے اور ان کی سخت نگرانی سے وہ امت کے امور پر صبر کرنے کے عادی بن جاتے تھے۔ وہ امتیوں کی طبیعتوں کے اختلاف اور ان کی عقول کے تفاوت سے آگاہ ہوتے تھے۔ وہ شکستہ دل کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ کمزور پر نرمی کرتے تھے۔ ان کی عمدہ نگرانی کرتے

تھے۔ اگر انہیں فوراً ہی اس اہم امر کی ذمہ داری سونپی جاتی تو اسے برداشت کرنا ان کے لیے آسان نہ ہوتا۔ بلکہ وہ بکریاں چرا کر تدریجاً ان امور کے عادی بن جاتے ہیں۔ بکریوں کو ان کے ساتھ اس لیے مختص کیا گیا تھا کیونکہ وہ دوسری مخلوق سے کمزور ہوتی ہیں وہ اونٹوں اور گائے کی نسبت تیزی سے منتشر ہوتی ہیں۔ یہ دیگر جانوروں کی بنسبت جلدی سے اطاعت کر لیتی ہیں۔ حضور ﷺ نے اس امر کا تذکرہ کیا حالانکہ آپ کو علم تھا کہ آپ رب تعالیٰ کے ہاں ساری مخلوق سے معزز ہیں۔ یہ آپ کی آپ کے رب کے لیے تواضع اور عاجزی تھی۔ یہ احسان کی وضاحت تھی جو رب تعالیٰ نے آپ پر اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر فرمایا تھا۔

۲ الشیخ نے اپنے فتاویٰ میں حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور شوافع سے نقل کیا ہے جس شخص نے آپ کی گستاخی کرتے ہوئے کہا "آپ بکریاں چراتے تھے" اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔

●●●

تیرھواں باب

دوسری بارسفرِ شام

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔ دیگر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ذوالحجۃ کے چودہ دن گزر چکے تھے۔ ابن سعد، ابن السکن اور ابونعیم نے حضرت نفیسہ بنت منیہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ''جب حضور ﷺ کی عمر مبارک پچیس برس ہوئی۔ تو سارے اہلِ مکہ آپ کو الامین کہہ کر پکارتے تھے۔ کیونکہ آپ میں بھلائی کی ساری خصلتیں جمع تھیں۔ ابوطالب نے آپ سے کہا: ''میرے بھتیجے! میں ایک ایسا شخص ہوں جس کے پاس مال نہیں۔ زمانہ ہم پر شدت اختیار کر گیا ہے ہم پر قحط سالی کا دور آ گیا ہے۔ نہ ہمارے پاس سرمایہ ہے نہ ہم تجارت کر سکتے ہیں۔ یہ آپ کی قوم کا کارواں ہے جو شام جا رہا ہے۔ خدیجۃ بنت خویلد آپ کی قوم کے افراد کو اس کارواں میں بھیجتی ہیں وہ ان کے اموال میں ان کے لیے تجارت کرتے ہیں۔ وہ نفع پاتے ہیں۔ کاش! آپ بھی خدیجہ کے پاس جائیں۔ انہیں اپنا آپ پیش کریں۔ وہ آپ کی طرف جلدی کریں گی۔ دوسروں پر آپ کو ترجیح دیں گی۔ کیونکہ آپ کی طہارت کا انہیں علم ہے اگرچہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ آپ شام جائیں۔ مجھے آپ کے بارے یہودیوں سے خوف ہے۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تاجر پیشہ خاتون تھیں۔ وہ شرف اور قدر والی تھیں۔ وہ مالدار تھیں۔ وہ تجارتی کارواں شام بھیجا کرتی تھیں۔ ان کا تجارتی سامان قریش کے سامان کے برابر ہوتا تھا۔ وہ مردوں کو اجرت پر بھیجتی تھیں اور بطور مضاربت انہیں رقم دیتی تھیں قریش ایک تاجر پیشہ قوم تھی۔ جو تاجر نہ ہوتا تھا اس کی کوئی حیثیت نہ ہوتی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''شاید وہ اس ضمن میں مجھے خود پیغام بھیجیں جناب ابوطالب نے کہا: ''مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کسی اور کو نگران بنا دیں گی۔ پھر آپ اس امر کو تلاش کریں گے جو پیٹھ پھیر کے جا چکا ہوگا۔'' اسی بات پر وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

حضرت خدیجہ تک یہ گفتگو پہنچ گئی وہ پہلے ہی آپ کی صداقت، امانت، اخلاقِ کریمانہ سے آگاہ تھیں۔ انہوں نے کہا: ''مجھے علم نہیں کہ وہ یہ ارادہ رکھتے ہیں۔'' پھر انہوں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا اور کہا ''مجھے آپ کی صداقت، امانت اور کریمانہ اخلاق کا علم ہوا ہے۔ اسی چیز نے مجھے آپ کی طرف پیغام بھیجنے پر مجبور کیا ہے۔ میں آپ کو اس سے دوگنا نفع دوں گی جو آپ کی قوم کے کسی بھی شخص کو دیتی ہوں۔'' حضور اکرم ﷺ نے ہاں کر دی۔ پھر اپنے چچا جناب ابوطالب سے

ملے اور ان سے یہ تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا "یہ وہ رزق ہے جو رب تعالیٰ آپ کی طرف لے کر آیا ہے۔ حضور ﷺ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ انہوں نے میسرہ سے فرمایا "نہ ان کے کسی حکم کی نافرمانی کرنا اور نہ ہی ان کی رائے کی مخالفت کرنا۔" آپ اور میسرہ عازم سفر ہوئے آپ پر بادل سایہ کناں تھا۔ آپ کے چچا اس کارواں کو الوداع کہنے آئے۔

آپ عازم سفر ہوئے حتیٰ کہ آپ شام پہنچ گئے۔ آپ بصریٰ کے بازار میں ایک درخت کے سایہ کے نیچے جلوہ گر ہوئے۔ پاس ہی راہب کا گرجا تھا۔ جسے نسطورا کہا جاتا تھا۔ اس نے میسرہ کو دیکھا۔ یہ میسرہ کا واقف تھا۔ اس نے پوچھا: "میسرہ! اس درخت کے نیچے کون ہستی جلوہ افروز ہے۔" میسرہ: "یہ قبیلۂ قریش کے ایک فرد ہیں۔" راہب: اس درخت کے نیچے ہمیشہ ایک نبی ہی تشریف فرما ہوئے ہیں۔ کیا ان کی آنکھوں میں سرخی ہے؟" میسرہ: "ہاں! یہ سرخی ان سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔" راہب: "بخدا! یہ وہی ہیں یہ آخری نبی ہیں۔ کاش میں انہیں اس وقت پالیتا۔ جب انہیں اپنے شہر سے نکل جانے کا حکم دیا جائے گا۔"

ابو سعد نیشاپوری نے "الشرف" میں لکھا ہے جب اس نے بادل کو سایہ فگن دیکھا تو گھبرا گیا۔ اس نے پوچھا: "تم کون ہو؟" میسرہ نے کہا: "میں خدیجہ کا غلام ہوں۔" وہ میسرہ سے چھپ کر حضور ﷺ کی طرف گیا اس نے آپ کے سر اقدس اور قدمین شریفین کے بوسے لیے۔ اس نے عرض کی: "میں آپ پر ایمان لایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کا ذکر رب تعالیٰ نے تورات میں کیا ہے۔" پھر عرض کی: "محمد عربی ﷺ میں نے آپ کو ساری علامات سے پہچان لیا ہے۔ صرف ایک علامت رہ گئی ہے۔ ذرا اپنے مبارک کندھے سے کپڑا ہٹائیں۔" آپ نے کپڑا ہٹایا تو وہاں مہر نبوت جگمگا رہی تھی۔ وہ اسے چومنے لگا۔ وہ کہنے لگا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رب تعالیٰ کے رسول نبی امی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ انہوں نے فرمایا تھا: "میرے بعد اس درخت کے نیچے وہ نبی، امی، ہاشمی عربی مکی جلوہ افروز ہوں گے، جو صاحب حوض، صاحب شفاعت اور صاحب لواء الحمد ہوں گے۔" میسرہ نے یہ بات ذہن نشین کر لی۔

پھر حضور ﷺ بصریٰ کے بازار میں تشریف لے گئے۔ سامان کی خرید و فروخت کی۔ سامان کے بارے آپ کے مابین اور ایک اور شخص کے مابین سامان کے بارے جھگڑا ہو گیا۔ اس شخص نے کہا: "آپ لات و عزیٰ کی قسم اٹھائیں۔" آپ نے فرمایا: "میں نے کبھی بھی ان معبودان باطلہ کی قسم نہیں اٹھائی۔" اس نے کہا: "فرمان آپ کا ہی درست ہے۔" پھر وہ میسرہ کو ایک طرف لے گیا۔ اس نے کہا: "میسرہ! یہ اس امت کے نبی ہیں۔ بخدا! آپ وہ ہیں جن کے اوصاف ہمارے علماء اپنی کتب میں پاتے ہیں۔" میسرہ نے یہ بات بھی یاد رکھ لی۔

پھر یہ کارواں واپس آ گیا۔ میسرہ حضور ﷺ کا دیدار کرتا رہتا تھا۔ جب دوپہر کا وقت ہوتا اور شدید گرمی ہوتی تو وہ

دو فرشتے دیکھتا جو آپ کو دھوپ سے سایہ کرتے۔ حالانکہ آپ اپنے اونٹ پر ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میسرہ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت ڈال دی تھی گویا کہ وہ آپ کا غلام تھا۔ ابوسعد نے الشرف میں لکھا ہے "انہوں نے سامان تجارت فروخت کیا اور اتنا نفع حاصل کیا کہ اس سے قبل اتنا نفع کبھی نہ ہوا تھا۔ میسرہ نے عرض کی: "محمد عربی ﷺ! میں چالیس سال سے حضرت خدیجہ کی تجارت کر رہا ہوں۔ میں نے اتنا زیادہ نفع کبھی نہیں دیکھا جتنا نفع اس بار ہوا ہے۔ یہ سب کچھ آپ کی برکت ہے۔" جب وہ مرّ الظہران تک پہنچے تو میسرہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی: "کیا آپ حضرت خدیجہ کے پاس پہلے تشریف نہیں لے جاتے اور انہیں اس کثیر نفع سے آگاہ نہیں کرتے شاید وہ آپ کے پہلے دو حصوں میں ایک حصہ کا اضافہ کر دے۔" حضور ﷺ سرخ اونٹ پر جلوہ افروز ہو گئے۔ آگے نکل آئے حتیٰ کہ دوپہر کے وقت مکہ مکرمہ داخل ہوئے۔ حضرت خدیجہ اپنی چھت پر تھیں ان کے ہمراہ اور بھی خواتین تھیں۔ جن میں حضرت نفیسہ بنت منیہ بھی تھیں۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ دو فرشتے آپ کے سر اقدس پر سایہ کر رہے تھے۔ حضرت خدیجہ نے یہ دلکش منظر دیگر خواتین کو بھی دکھایا۔ انہوں نے بھی اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ کثیر نفع کا مژدہ سنایا۔ جسے سن کر وہ خوش ہوئیں۔ انہوں نے پوچھا: "میسرہ کہاں ہے؟" آپ نے فرمایا: "وہ پیچھے ہے۔" حضرت خدیجہ نے کہا: "جائیں اسے جلدی لے آئیں۔" وہ چاہتی تھیں کہ جو بادل سایہ کناں دیکھا تھا وہ انہی پر تھا یا کسی اور پر تھا۔ حضور اکرم ﷺ سوار ہو گئے۔ حضرت خدیجہ چھت پر چڑھ گئیں۔ انہوں نے پہلی سی حالت ملاحظہ کی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ بابرکت ذات آپ ہی کی ہے۔ جب میسرہ آیا تو انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کے بارے میسرہ کو بتا دیا۔ میسرہ نے انہیں وہ بات بتائی جو نسطورا نے کہی تھی۔ اس شخص کی بات بھی بتائی جس میں سدرا کے بارے اختلاف ہو گیا تھا۔" ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضرت خدیجہ نے دیکھا کہ انہیں اتنا کثیر نفع ہوا ہے تو انہوں نے آپ کو پہلے سے طے شدہ حصہ سے دوگنا حصہ دیا۔

وہ اس بات کا تذکرہ ورقہ بن نوفل سے کرتی تھیں۔ انہوں نے نصرانیت اختیار کر رکھی تھی۔ وہ کتب کی جستجو میں رہتے تھے۔ وہ علم سیکھتے رہتے تھے۔ حضرت خدیجہ نے وہ ساری باتیں بتا دیں جو میسرہ نے بتائیں تھیں اسے اس سایہ کے بارے بھی بتایا جو ملائکہ کرتے تھے۔ ورقہ نے کہا: "خدیجہ! محمد عربی ﷺ اس امت کے نبی ہیں۔ مجھے علم ہے کہ اس امت کے نبی باقی ہیں جس کا انتظار ہو رہا ہے۔ یہی اس کا زمانہ ہے۔" ورقہ اس امر کا انتظار کرتے رہے۔ انہوں نے اس کے بارے کچھ اشعار بھی کہے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

اتبکر ام انت العشیة رائح　　　وفی الصدر من اضمارك الحزن فادح

ترجمہ: "کیا تو صبح یا شام کے وقت عازم سفر ہونے والا ہے۔ تیرا سینہ زخمی لگتا ہے کیونکہ تو غم کو چھپا رہا ہے۔"

لفرقة قوم لا احب فراقهم　　　كانك عنهم بعد يومين نازح

ترجمہ: "یہ اس قوم کے فراق میں ہے جس کا فراق تجھے پسند نہیں۔ یوں لگتا ہے کہ دو دن کے بعد تو ان سے جدا ہو جائے گا۔"

و اخبار صدق خبّرت عن محمد   یخبرھا عنه اذا غاب ناصح

ترجمہ: "حضرت خدیجہ نے حضرت محمد عربی ﷺ کے بارے سچی خبریں بتائیں ہیں ان کے بارے ناصح نے اس وقت بتایا تھا جب آپ پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔"

فتاكِ الذی وُجّهتِ یا خیر حرة   بغور و بالنجدین حیث الصحاصح

ترجمہ: "اے عمدہ ترین آزاد خاتون! وہ بہادر جس کو آپ نے غور اور نجدین کی طرف بھیجا تھا جہاں چٹیل میدان ہیں۔"

الی سوق بصری فی الرکاب التی غدت   و ھن من الاحمال قعص دوالح

ترجمہ: "آپ نے اس جوان کو اونٹوں کے کارواں کے ہمراہ بصریٰ روانہ کیا تھا۔ جو زیادہ بوجھ کی وجہ سے سینے کی گردن توڑ مرض میں مبتلا ہو چکے تھے۔"

فخبّرنا عن کل خیر بعلمه   و للحق ابواب لھن مفاتح

ترجمہ: "اس نے اپنے علم کے مطابق ہر بھلائی کی خبر دی۔ حق کے ایسے دروازے بھی ہیں جن کی چابیاں بھی ہیں۔"

بان ابن عبدالله احمد مرسل   الی کل من ضمت علیه الا باطح

ترجمہ: "اس نے بتایا کہ حضور احمد مجتبیٰ ﷺ ہر اس شخص کی طرف مبعوث ہوں گے جنہیں وادیوں نے گھیر رکھا ہے۔"

و ظنی به ان سوف یبعث صادقًا   کما ارسل العبدان ھود و صالح

ترجمہ: "آپ کے بارے میرا گمان یہ ہے کہ آپ سچائی کے ساتھ اس طرح مبعوث ہوں گے جس طرح حضرت ہود اور حضرت صالح مبعوث ہوئے تھے۔"

و موسٰی و ابراھیم حتی یُرٰی له   بھاء و منشور من الذکر واضح

ترجمہ: "جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت خلیل مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کے لیے حسن واضح ہوگا اور آپ ذکر کی بلندیوں پر فائز ہوں گے۔"

و یتبعهٗ حیا لؤی بن غالب   شبابھم والا شیبون الجحاجح

ترجمہ: "لؤیٰ بن غالب کا قبیلہ آپ کی پیروی کرے گا۔ وہ بوڑھے اور سردار آپ کی اتباع کریں گے۔"

فان ابق حتی یدرك الناس امرہ ۔۔۔ فانی به مستبشر الود فارح

ترجمہ: "اگر میں اس وقت زندہ رہا حتیٰ کہ زمانہ نے لوگوں کو پالیا تو میں آپ کی نبوت سے مسرور رہوں گا۔"

و الا فانی یا خدیجة فاعلمی ۔۔۔ عن ارضك فی الارض العریفة نازخ

ترجمہ: "اے خدیجہ! ورنہ جان لیں میں تمہاری سرزمین کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں گا رب کی زمین بڑی وسیع ہے۔"

انہوں نے یہ قصیدہ بھی لکھا:

لججت و کنت فی الذکری لجوجًا ۔۔۔ لهم طالما بعث النشیجا

ترجمہ: "میں ایک خیال میں مستغرق تھا۔ ایک غم نے مجھے پریشان کردیا۔ اس نے مجھے گریہ وزاری پر مجبور کردیا۔"

ووصف من خدیجة بعد وصف ۔۔۔ فقد طال انتظاری یا خدیجا

ترجمہ: "حضرت خدیجہ سے میں نے پیہم خوبیاں سنیں۔ میں نے کہا: "اے خدیجہ! میرا انتظار طویل ہوگیا ہے۔"

ببطن مکتین علی رجائی ۔۔۔ حدیثك ان اری منه خروجا

ترجمہ: "میں نے آپ کی گفتگو سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ کا ظہور مکہ مکرمہ کے دو پہاڑوں کے درمیان سے ہوگا۔"

بما اخبرتنا من قول قس ۔۔۔ من الرهبان اکرہ ان یعوجا

ترجمہ: "جو عیسائی کی بات آپ نے مجھے بتائی ہے میں پسند نہیں کرتا کہ وہ غلط ہو۔"

بانّ محمدا سیسود قومًا ۔۔۔ و یخصم من یکون له حجیجا

ترجمہ: "کہ محمد مصطفی ﷺ عنقریب ہمارے سردار بن جائیں گے۔ جو شخص بھی جھوٹی دلیل لے کر آئے گا۔ آپ اس کا مقابلہ کریں گے۔"

و یظهر فی البلاد ضیاء نور ۔۔۔ یقیم به الرئیة ان تعوجا

ترجمہ: "شہروں میں نور کے اجالے کا اظہار ہوگا۔ آپ کی وجہ سے مخلوق کو ٹیڑھے پن سے بچا لیا جائے گا۔"

فیلقی من یحاربه خسارا ۔۔۔ و یلقی من یسالمه فلوجا

ترجمہ: "جو آپ سے دشمنی رکھے گا اسے خسارہ ہوگا۔ جو آپ سے صلح کرلے گا اسے کامیابی ملے گی۔"

فیالیتنی اذا ما کان ذاکم ۔۔۔ شهدت و کنت اولهم و لوجا

ترجمہ: "کاش! یہ واقعات آپ کے سامنے رونما ہوں۔ میں آپ کے بارے گواہی دے سکوں اور آپ کی صدا پر لبیک کہوں۔"

و لو جا فی الذی کرهت قریش ۔۔۔ ولو عجت بمکتها عجیجا

ترجمہ: "میں یہ دین ضرور قبول کر لیتا۔ خواہ قریش اسے ناپسند کرتے۔ وہ مکہ مکرمہ میں شور مچاتے۔"

ارجی بالذی کرهوا جمیعا الی ذی العرش ان سفلوا عروجا

ترجمہ: "میں عرش کے مالک کے ہاں اسی چیز سے بلندی پاؤں گا۔ جسے قریش ناپسند کریں گے وہ رسوائی کا سامنا کریں گے۔"

هل امر السفاهة غير كفر بمن يختار من سمك البروجا

ترجمہ: "جس ذات نے رفعت کے برجوں کو اپنے لیے پسند کر لیا ہو اس کا انکار ذلت اور رسوائی کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔"

فان يبقوا وابق تكن امور يضج الكافرون مها ضجيجا

ترجمہ: "اگر وہ بھی باقی رہے اور میں بھی باقی رہا تو ایسے واقعات کا ظہور ہوگا جس پر کافر رو دیئں گے۔"

فان اهلك فكل فتى سيلقى من الاقدار متلفة خروجا

ترجمہ: "اگر میں ہلاک ہو جاؤں تو پھر ہر جوان تقدیر کے فیصلے پر سر جھکاتے ہوئے دار فانی کو چھوڑنے والا ہے۔"

تنبیہات

(۱) راہب نے کہا تھا: "اس درخت کے نیچے صرف نبی ہی تشریف فرما ہوئے ہیں۔"

امام سہیلی نے لکھا ہے "اس کا مطلب یہ ہے کہ اس لمحہ اس درخت کے نیچے صرف ایک نبی ہی تشریف فرما ہوئے ہیں۔"

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس درخت کے نیچے نبی کے علاوہ اور کوئی ٹھہرا ہی نہیں کیونکہ انبیاء کرام بہت پہلے گزر چکے تھے۔ خبر میں قط کا لفظ صرف نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے ایک درخت کی عموماً اتنی عمر نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ معلوم ہو سکے کہ اس کے نیچے حضرت عیسیٰ یا ان کے علاوہ دیگر انبیائے کرام ہی فروکش ہوئے ہوں۔ یہ بھی معمول کے خلاف ہے کہ ایک درخت کے نیچے کوئی نہ ٹھہرے۔ حتیٰ کہ ایک نبی تشریف لائیں وہ ہی اس کے نیچے تشریف فرما ہوں۔ البتہ اس شخص کی روایت صحیح ہے جس نے کہا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے علاوہ اس کے نیچے کوئی فروکش نہ ہوا۔" یہ روایت ابن اسحاق کے علاوہ دیگر سیرت نگاروں کی ہے۔ یہ درخت اسی نشانی کے ساتھ مخصوص ہوگا۔"

علامہ عزالدین بن جماعۃ نے لکھا ہے کہ صرف زمانہ کے بُعد میں اس کے امتناع پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ نہ ہی یہ محال ہے۔ کیونکہ اسے بعید سمجھنا خبر کا ظاہر ہی کمزور کرتا ہے کیونکہ انبیاء کے متعلقات خرق العادۃ ہی ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اس درخت کا تادیر باقی رہنا اور اسے محفوظ رکھنا کہ انبیائے کرام کے علاوہ کوئی اور اس کے نیچے فروکش نہ ہو یہ بعید نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے اسے یاد کرلو۔

میں کہتا ہوں کہ جو شیخ عزالدین نے لکھا ہے اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے ابوسعد نے روایت کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ امام واحدی نے لکھا ہے کہ اس سفر شام میں حضور ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق بھی تھے۔ وہ ایک جگہ اترے جہاں بیری کا درخت تھا۔ حضور ﷺ اس کے سایہ میں تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت ابوبکر تشریف لے گئے۔ راہب نے ان سے پوچھا: "اس درخت کے سایہ کے نیچے کون تشریف فرما ہے۔" انہوں نے کہا: "محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (فداہ روحی) راہب نے کہا: "بخدا! یہ نبی ہیں اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ کے بعد حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ ہی تشریف فرما ہوئے ہیں۔"

علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ زیتون کے درخت کی عمر تین ہزار سال تک ہو سکتی ہے۔

- "النور" میں ہے "میں نے میسرہ کو نہیں دیکھا کہ اس کا ذکر کتب صحابہ میں ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ بعثت سے پہلے ہی وفات پا گیا تھا۔ اس نے بعثت کو نہیں پایا تھا ورنہ وہ اسلام لے آتا۔" میں کہتا ہوں کہ الحافظ نے الاصابۃ میں اس کا ذکر قسم اول میں کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ میں کسی ایک صحیح روایت سے آگاہ نہیں ہوں جس میں یہ تذکرہ ہو کہ وہ بعثت تک زندہ رہا ہو۔ میں صرف احتمال پر ہی اس کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

❁❁❁

چودھواں باب

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح

آپ کے جن خصائل کا ذکر میسرہ نے کیا اور جو امور خود حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے ملاحظہ کیے وہی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے نکاح کا سبب بن گئے۔ ابن اسحاق نے المبتداء میں تحریر کیا ہے "قریش کی خواتین کی ایک عید ہوتی تھی جس میں وہ مسجد میں جمع ہوتی تھیں ایک روز وہ مسجد میں تھیں کہ ایک یہودی ان کے پاس آیا۔ اس نے کہا: "اے خواتین قریش! عنقریب تم میں ایک نبی کا ظہور ہوگا۔ تم میں سے جو ان کی زوجہ بننے کی طاقت رکھتی ہو وہ ضرور ان کی بیوی بن جائے۔"

دیگر خواتین نے اسے قبیح سمجھا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اس کی بات غور سے سنی۔ اور دیگر خواتین کی طرح اس یہودی سے تعرض نہ کیا۔ انہوں نے یہ بات اپنے دل میں بٹھالی۔ جب میسرہ نے ان نشانیوں کا تذکرہ کیا جو اس نے دیکھی تھیں اور خود بھی علامات دیکھی تو انہوں نے کہا: "اگر وہ کچھ سچ ہے جو یہودی نے کہا تھا تو پھر وہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔" پیغام نکاح کے سبب میں علماء کا اختلاف ہے۔

ابو سعید نیسا پوری نے "الشرف" میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: "اپنے چچا جان کے پاس تشریف لے جائیں اور کہیں کہ وہ صبح سویرے ہمارے ہاں تشریف لائیں۔" جب جناب ابو طالب آئے تو انہوں نے کہا: "ابو طالب! عمرو کے پاس جائیں۔ اس سے بات چیت کریں اور میرا نکاح اپنے بھتیجے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیں۔" جناب ابو طالب نے کہا: "خدیجہ! میرے ساتھ مذاق نہ کریں۔" انہوں نے کہا: "یہ رب تعالیٰ کی قدرت ہے۔" جناب ابو طالب اپنی قوم کے افراد کے ساتھ اس کے پاس گئے۔

امام زہری نے سیرت میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے آئے۔ جب واپس آئے تو ایک عورت آپ کے پاس آئی اس نے عرض کی: "محمد عربی! کیا خدیجۃ الکبریٰ کو پیغام نکاح دینے گئے تھے؟" آپ نے فرمایا: "نہیں!" اس عورت نے عرض کی: "بخدا! قریش کی ہر عورت خواہ خدیجہ ہو یا کوئی اور۔ وہ آپ کو اپنا کف سمجھتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شرم وحیاء کے ساتھ حضرت خدیجہ کو پیغام نکاح دینے کے لیے تشریف لے گئے۔

حضرت یعقوب بن سنان نے اپنی تاریخ میں حضرت عمار سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم

ﷺ اور میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن کے پاس سے گزرے۔ اس نے مجھے آواز دی۔ میں اس کے پاس گیا۔ حضور ﷺ وہیں ٹھہر گئے۔ اس خاتون نے کہا: ''کیا آپ کے ساتھی کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے آپ کو بتایا۔ آپ نے فرمایا: ''ضرور! تمہاری زندگانی کی قسم! میں نے اس خاتون سے تذکرہ کیا۔ اس نے کہا: ''وقت صبح ہمارے پاس آجانا۔'' ہم صبح کے وقت ان کے گھر گئے ہم نے دیکھا کہ انہوں نے گائے ذبح کر رکھی تھی۔ اور حضرت خدیجہ نے حلہ زیب تن کر رکھا تھا۔

ابن اسحاق نے المبتداء میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''محمد عربی ﷺ! آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟'' آپ نے فرمایا: ''کس سے؟'' انہوں نے عرض کی: ''مجھ سے۔'' آپ نے فرمایا: ''یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ قریش کی بیوہ خاتون ہیں۔ میں قریش کا یتیم ہوں۔'' حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''مجھے پیغام نکاح دیں۔'' ابن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے ''جب انہیں ان علامات کا یقین ہو گیا جو انہوں نے خود دیکھی تھیں یا میسرہ نے جن کے متعلق بتایا تھا۔ وہ ایک شریف، دانا اور معزز خاتون تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ عزت و کرامت کا ارادہ فرمایا تھا۔ اس وقت وہ نسب کے اعتبار سے قریش میں بہترین شرف کے اعتبار سے عمدہ اور کثیر مال کی مالک تھیں۔ قوم کے سارے مرد ان کے ساتھ نکاح کرنے کے متمنی تھے۔ بشرطیکہ وہ قدرت رکھتے۔ اس نے اپنا آپ حضور ﷺ کے لیے پیش کر دیا۔ انہوں نے عرض کی: ''میں آپ کی قرابت، قوم میں فضیلت، امانت اور حسن خلق کی وجہ سے آپ میں رغبت رکھتی ہوں۔'' حضور ﷺ نے یہ بات اپنے چچاؤں کو بتا دی۔

ابن سعد نے حضرت نفیسہ بنت منیہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضرت خدیجۃ الکبریٰ ایک محتاط، معزز اور مضبوط خاتون تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ رب تعالیٰ نے عزت و کرامت کا ارادہ فرمایا تھا۔ وہ اس وقت قریش میں سے نسب کے اعتبار سے افضل، شرف کے اعتبار سے عظیم اور کثیر مال کی مالکہ تھیں۔ ساری قوم ان کے ساتھ نکاح کرنے پر حریص تھی۔ انہوں نے آپ کے ساتھ نکاح کرنے کا اظہار بھی کیا تھا اور اس مقصد کے لیے کثیر رقم بھی خرچ کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے حضور ﷺ کی طرف اپنا قاصد بنا کر بھیجا۔ اس وقت حضور ﷺ شام سے واپس آئے تھے۔ میں نے آپ سے عرض کی: ''محمد عربی! آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟'' آپ نے فرمایا: ''وہ کون ہے؟'' میں نے عرض کی: ''خدیجہ۔'' آپ نے فرمایا: ''یہ میرے لیے کیسے ممکن ہے؟'' انہوں نے کہا: ''یہ سب کچھ میرے ذمہ ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' میں گئی اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو سارا واقعہ سنایا۔ انہوں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ فلاں وقت ان کے پاس تشریف لائیں۔'' آپ تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے چچا عمرو بن اسد کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ ان کا نکاح کر دیں۔

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ تشریف لائے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ ''الشرف'' میں

نیسا پوری نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب اپنی قوم کے دس افراد کے ساتھ عمرو بن اسد کے پاس گئے اسے پیغام نکاح دیا۔ انہوں نے آپ کا نکاح کر دیا۔ عمرو بن اسد نے کہا: "یہ ایسی صفات سے متصف ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔" ابن ہشام نے لکھا ہے "حق مہر بیس اونٹنیاں تھیں۔" بلاذری اور دمیاطی نے کہا ہے کہ ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی تھا۔ طبری نے لکھا ہے کہ ساڑھے بارہ اوقیہ سونا تھا۔"

ابوالحسین بن فارس نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب نے یہ خطبہ دیا:

"ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کھیتی سے، معد کی نسل سے اور مضر کی اصل سے پیدا فرمایا۔ ہمیں اپنے مقدس گھر کا پاسبان بنایا۔ اپنے حرم کا منتظم مقرر کیا۔ ہمیں ایسا گھر دیا جس کا حج کیا جاتا ہے۔ ایسا حرم بخشا جہاں امن میسر آتا ہے۔ نیز ہمیں لوگوں کا حکمران مقرر کیا۔ یہ میرا بھتیجا ہے ان کا اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اگر دنیا کے بڑے سے بڑے شخص کے ساتھ ان کا موازنہ کیا جائے تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا۔ اگر یہ مال دار نہیں تو کیا ہوا؟ مال تو ڈھلنے والا سایہ ہے بدل جانے والی چیز ہے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے تم بھی آشنا ہو۔ انہوں نے حضرت خدیجہ بنت خویلد کا رشتہ طلب کیا ہے اور ساڑھے بارہ اوقیہ حق مہر مقرر کیا ہے۔"

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے چچا عمرو بن اسد نے کہا "یہ ایسی صفات ہیں جن کا انکار کوئی بھی نہیں کرتا۔ میں حضرت خدیجہ کا نکاح آپ سے کرتا ہوں۔" دوسری روایت کے مطابق ورقہ نے اس طرح کہا تھا۔ ابن اسحاق نے المبتداء میں لکھا ہے "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے نکاح فرمایا اس وقت آپ کو شام سے واپس آئے دو ماہ اور پچیس دن گزر چکے تھے۔" امام زہری نے لکھا ہے کہ اہل مکہ کے ایک شاعر نے یہ شعر لکھا تھا:

لا تزهدی خدیج فی محمد   نجم یضیئی کما اضاء الفرقد

ترجمہ: "اے خدیجہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو کم مایہ نہ سمجھنا۔ یہ وہ نجم ہیں جو روشن ستارے کی طرح منور ہیں۔"

تنبیہات

1. یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے چچا نے ان کا نکاح کیا تھا۔ اکثر سیرت نگاروں نے یہی لکھا ہے۔ امام سہیلی نے اسے ہی صحیح کہا ہے۔ الطبری نے حضرات جبیر بن مطعم، ابن عباس، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سب سے یہی روایت کیا ہے کہ عمرو بن اسد نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ خویلد حرب الفجار سے پہلے مر چکا تھا۔ عمر بن ابوبکر الموملی نے لکھا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے چچا نے ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔

امام زہری نے سیرت میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے والد خویلد نے ان کا نکاح کیا تھا۔ وہ شراب

کے نشہ میں مخمور تھا۔ حضرت خدیجہ نے اس پر حلہ ڈال دیا۔ اسے خوشبو لگا دی۔ جب اس کا نشہ ختم ہوا۔ تو اس نے کہا: "یہ حلہ کیسا ہے یہ خوشبو کیسی ہے۔" اس لیے کہا گیا "تو نے حضرت خدیجہ کا نکاح محمد عربی ﷺ سے کر دیا ہے" پہلے اس نے انکار کر دیا پھر اس کی اجازت دے دی۔ ابن اسحاق نے امام زھری کی موافقت کی ہے۔ اپنی کتاب کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے "ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے ان کا نکاح کیا تھا۔"

۲ اس میں اختلاف ہے کہ اس وقت حضور ﷺ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی عمر کیا تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کی عمر اس وقت پچیس برس تھی۔ "الغرر" میں ہے یہ قول صحیح ہے اور جمہور علماء کا یہی موقف ہے۔ ابو عمر حافظ عبد الغنی المقدسی نے یہی قطعی قول کیا ہے۔ "الاشارہ" میں ہے کہ آپ کی عمر اکیس برس تھی۔ ایک قول ستائیس برس کا ایک تیس برس کا اور ایک سینتیس برس کا بھی ہے۔ "الغرر" میں ہے کہ یہ چاروں اقوال ضعیف ہیں۔ ان کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی عمر چالیس تھی "الغرر" میں اسی کو صحیح کہا گیا ہے۔ ایک قول پینتالیس برس کا دوسرا تیس برس کا اور تیسرا قول اٹھائیس برس کا ہے۔

۳ حافظ یعقوب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے "جو اہلِ کوفہ نے لکھا ہے وہ اس کے مخالف ہے جو اہلِ مدینہ نے لکھا ہے کہ حق مہر کے ضامن حضرت علی رضی اللہ عنہ بنے تھے۔ یہ غلطی ہے۔ "الزھر" میں ہے "ہم نے ایسی روایت پائی ہے جو اس غلطی کی نفی کرتی ہے۔ ابن اسحاق نے المبتداء میں لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مجھے میرے والد گرامی نے بھیجا کہ وہ تمہارے لیے حق مہر کے ضامن ہیں تم حضور ﷺ کا نکاح کر دو۔" یہ روایت اس امر کی وضاحت کر دیتی ہے جس کا معنی یعقوب کو مشکل لگا تھا۔

الحافظ نے حاشیہ میں گرفت کی ہے کہ شاید اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی بھی تھی یا نہیں۔ کیونکہ ان کی عمر کے بارے مختلف اقوال ہیں۔ الغرر میں ہے "اس وقت ان کی ولادت نہیں ہوئی تھی۔ ہم عنقریب ان کی عمر کے بارے اختلاف بیان کریں گے۔ وقت اسلام ان کی عمر آٹھ سال یا دس سال تھی۔ اس طرح وہ حضور ﷺ سے تیس یا بتیس سال چھوٹے تھے۔ حضور ﷺ کا نکاح ان کی ولادت کے پانچ یا سات سال قبل ہوا تھا۔

❁❁❁

پندرھواں باب

تعمیر کعبہ

تعمیر کعبہ کے کئی اسباب تھے۔

1. آگ کی وجہ سے اس کی دیواریں کمزور ہو گئی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک عورت خانہ کعبہ کو دھونی دے رہی تھی۔ ایک شرارہ خانہ کعبہ کے غلاف پر گرا۔ اس نے اسے جلا دیا۔
2. سیلاب اس کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے اسے کمزور کرنے کے بعد گرا دیا۔
3. بعض چوروں نے خانہ کعبہ سے زیورات اور سونے کے دو ہرن چوری کر لیے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک ہی ہرن تھا جو ہیروں اور جواہرات سے مرصع تھا۔ یہ ساری اشیاء بنو ملیح کے غلام دویک سے برآمد ہوئیں۔ قریش نے اس کے ہاتھ کاٹ دیے۔ قریش کا گمان ہے کہ بنو ملیح نے انہیں چوری کر کے دویک کے پاس رکھ دیا تھا۔ قریش نے ارادہ کیا کہ اس کی بنیادیں مضبوط کر دیں۔ اس کا دروازہ بلند کر دیں تا کہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی اندر نہ جائے۔ رومیوں کے ایک تاجر یا قوم کی تجارتی کشتی کو سمندر نے جدہ کے ساحل پر پھینک دیا تھا۔ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک قبطی شخص تھا، جو بڑھئی تھا۔ اہل مکہ نے اس سے بعض امور میں خدمات لینے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک بہت بڑا سانپ خانہ کعبہ کے اس کنویں سے نکلا کرتا تھا جس میں تحائف پھینکے جاتے تھے۔ وہ خانہ کعبہ کی دیوار پر بیٹھ کر دھوپ تاپا کرتا تھا۔ لوگ اس سے ڈرا کرتے تھے کیونکہ جو شخص بھی اس کے قریب جاتا تھا وہ اپنی دم بلند کر لیتا تھا اور منہ سے آواز نکالتا تھا۔ وہ اپنا منہ کھول لیتا تھا۔ لوگ اس سے ڈرا کرتے تھے۔

امام سہیلی نے علامہ زرین سے نقل کیا ہے کہ جرہم کے ایام میں ایک شخص مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ تا کہ اس کے خزانہ چوری کرے اس پر کنویں کے دیوار گر پڑی۔ حتیٰ کہ قریش آ گئے انہوں نے اسے دیوار کے نیچے سے نکالا اور اس سے وہ سامان لے لیا۔ پھر اس کنویں میں ایک سانپ رہا کرتا تھا۔ جس کا سر بکرے کے سر جتنا تھا۔ اس کا ظاہری حصہ سیاہ اور باطنی حصہ سفید تھا۔ وہ اس کنویں میں پانچ سو سال تک رہا۔ ابن اسحاق نے اسی سانپ کا ذکر کیا ہے۔ ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ گمان کیا جاتا ہے کہ جب وہ بیت اللہ کے ارد گرد لپٹ جاتا تھا تو اس کا منہ اس کی دم کے ساتھ لگتا تھا۔ ایک دن وہ

خانہ کعبہ کی دیوار پر بیٹھ کر دھوپ تاپ رہا تھا۔ رب تعالیٰ نے ایک پرندہ بھیجا اس نے اسے اچک لیا۔ وہ اسے لے گیا۔ اس وقت قریش نے کہا: ''ہمیں امید ہے کہ رب تعالیٰ ہمارے ارادہ سے راضی ہو گیا ہے۔ ہمارے پاس ایک ماہر کاری گر ہے اور ہمارے پاس لکڑی بھی ہے۔ رب تعالیٰ ہماری طرف سے سانپ کو بھی کافی ہو گیا ہے۔''

جب انہوں نے اس معاہدہ پر اتفاق کر لیا اس وقت ابو وھب بن عمرو اٹھے۔ انہوں نے ایک پتھر اٹھایا۔ یہ پتھر ان کے ہاتھوں سے نکل کر اسی جگہ لوٹ گیا۔ انہوں نے کہا: ''اے گروہ قریش! اس کی تعمیر میں صرف پاکیزہ رزق ہی خرچ کرنا اس پر کسی باغیہ عورت کی کمائی، سود کی کمائی اور کسی سے چھینی ہوئی رقم خرچ نہ کرنا۔'' بعض سیرت نگار اس کلام کو ولید بن مغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پھر قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر میں تقسیم کار کے اصول پر عمل کیا۔ وہ سمت جس میں دروازہ ہے اسے بنو عبد مناف اور بنو زہرہ نے بنانا شروع کیا۔ حجر اسود سے رکن یمانی تک بنو مخزوم نے تعمیر کیا۔ ان کے ساتھ قریش کے قبائل بھی تھے خانہ کعبہ کی پچھلی دیوار بنو جمح اور بنو سہم نے تعمیر کی۔ شمالی دیوار جس طرف حطیم ہے اس کو تعمیر کرنے کا کام بنو عبد الدار، بنو اسد اور بنو عدی کے سپرد ہوا۔ لوگ پتھر جمع کرنے لگے حضور ﷺ نے بھی ان کے ساتھ پتھر منتقل کیے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی تو حضور ﷺ اور حضرت عباس پتھر لا رہے تھے۔ حضرت عباس نے آپ سے عرض کی۔ ''اپنا ازار اپنی مبارک گردن پر رکھ لیں۔ یہ آپ کو پتھروں سے بچائے گا۔'' آپ نے اسی طرح کیا۔ یہ بعثت سے قبل کا واقعہ ہے۔ آپ زمین پر گر پڑے۔ آپ کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ آپ نے فرمایا: ''میرا ازار! میرا ازار! آپ نے ازار باندھ لیا۔'' دوسری روایت میں ہے کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ کو یوں نہ دیکھا گیا۔

عبد الرزاق، الطبرانی اور الحاکم نے حضرت ابو طفیل سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ پتھروں سے بنایا گیا۔ انہیں جوڑنے کے لیے گارا استعمال کرنے کا تکلف بھی نہ کیا گیا تھا۔ دونوں رکنوں کے مابین اس حلقہ کی مانند جگہ آگے بڑھا دی گئی تھی۔ اس پر کپڑے لٹکائے جاتے تھے۔ روم سے ایک کشتی آئی جب وہ جدہ کے قریب پہنچی تو وہ ٹوٹ گئی۔ قریش اسکی لکڑی لینے کے لیے گئے۔ انہوں نے وہاں ایک رومی بڑھئی دیکھا۔ وہ اسے بھی لے آئے اور لکڑی بھی لے آئے تا کہ اس سے بیت اللہ تعمیر کریں۔ وہ جب بھی بیت اللہ کو گرانے کی کوشش کرتے ان کے لیے ایک سانپ ظاہر ہوتا جس نے اپنا منہ کھولا ہوتا۔ رب تعالیٰ نے ایک پرندہ بھیجا جو گدھ سے بڑا تھا۔ وہ اسے اپنے پنجوں میں دبوچ کر اجیاد کی طرف لے گیا۔ قریش نے خانہ کعبہ کو گرا دیا۔ وادی کے پتھروں سے اس کی تعمیر کی۔ انہوں نے آسمان کی طرف اسے بیس ہاتھ بلند کیا۔ اسی اثناء میں کہ حضور ﷺ اجیاد سے پتھر لا رہے تھے۔ آپ نے سیاہ دھاری دار چادر اوڑھ رکھی تھی۔ آپ نے اسے اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ آپ کو آواز سنائی دی۔ ''محمد عربی ﷺ اپنی شرم گاہ ڈھانپ لیں۔'' اس کے بعد

آپ کو اس طرح نہ دیکھا گیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے "پھر لوگ خانہ کعبہ کو گرانے سے ڈر گئے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا: "میں اسے گرانے کا آغاز کرتا ہوں۔" اس نے کدال لی۔ خانہ کعبہ پر کھڑا ہو گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "مولا! خوفزدہ نہ کرنا۔ مولا! ہم صرف بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پھر اس نے رکن اسود اور رکن یمانی کی طرف سے گرانا شروع کیا۔ اس رات لوگ انتظار کرتے رہے۔ انہوں نے کہا: "ہم انتظار کرتے ہیں اگر اسے کچھ ہوا تو ہم خانہ کعبہ کو نہیں گرائیں گے۔ ہم اسے اسی طرح چھوڑ دیں گے۔ اگر اسے کچھ نہ ہوا تو ہم اسے گرا دیں گے۔ رب تعالیٰ ہمارے ارادہ پر راضی ہو گا۔ وقت صبح ولید بالکل صحیح تھا۔ لوگوں نے خانہ کعبہ گرانا شروع کیا۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں تک پہنچ گئے۔ انہوں نے سبز پتھر دیکھے جو اونٹوں کی کوہانوں کی طرح تھے۔ وہ ایک دوسرے میں جکڑے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے اپنی کدال ان پتھروں کے مابین رکھی تاکہ ان کو اکھیڑے۔ جب ان پتھروں میں حرکت پیدا ہوئی تو سارا خانہ کعبہ لرز اٹھا۔ لوگوں نے ایسی بجلی دیکھی جس سے ان کی آنکھیں چندھا گئیں۔ یہ روشنی ان پتھروں کے نیچے سے نکلی۔ وہ انہی بنیادوں پر رک گئے۔

قریش نے رکن میں ایک مکتوب دیکھا۔ یہ مکتوب سریانی میں تھا۔ قریش اسے پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے ایک یہودی سے اسے پڑھوایا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔ "میں اللہ رب العزت ہوں۔ میں مکہ مکرمہ کا مالک ہوں۔ میں نے اسے اس روز تخلیق کیا ہے جس دن میں نے آسمانوں اور زمین کو بنایا۔ شمس و قمر کی صورت گری کی۔ میں نے اس کی اطراف میں سات فرشتے مقرر کیے ہیں۔ یہ شہر اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اس کے دو پہاڑ باقی ہیں۔ اس کے دودھ اور پانی میں اہل مکہ کے لیے برکت ہے۔"

انہوں نے مقام ابراہیمی میں ایک اور مکتوب دیکھا۔ اس میں تحریر تھا "مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کا حرم ہے۔ اس کے باشندوں کے لیے تین اطراف سے رزق آئے گا۔ اس کے مکینوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ پہلے اس کی بے حرمتی کریں۔" ایک اور نوشتہ میں تھا "جو بھلائی کاشت کرے گا وہ اس کا رشک آور پھل کھائے گا۔ جو شر کاشت کرے گا۔ وہ ندامت برداشت کرے گا۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم برائیاں کرتے ہو اور تمہیں اچھائیوں سے جزاء دی جائے گی۔ یہ ناممکن ہے کیونکہ مثل مشہور ہے جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔"

پھر قریش نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کی حتیٰ کہ وہ حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گئے۔ حجر اسود کو رکھنے میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ صرف وہ ہی اسے اس کی جگہ پر رکھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے باہم معاہدہ کر لیا اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ بنو عبد الدار نے خون سے بھر پور پیالہ منگوایا۔ انہوں نے اور بنو عدی نے اس میں ہاتھ ڈال کر موت قبول کرنے کا عہد کیا۔ اسی لیے وہ "لعقۃ الدم" کے نام سے مشہور ہوئے۔ قریش چار یا پانچ راتیں اسی کشمکش میں رہے پھر وہ مسجد میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے باہم مشاورت کی۔ بعض اہل روایت نے لکھا ہے کہ ابو امیہ بن مغیرہ نے کہا۔ یہ سارے قریش سے عمر رسیدہ تھا۔

"اے گروہِ قریش! جس امر میں تمہارا اختلاف ہوا ہے۔ اس میں اس شخص کو ثالث بنالو۔ جو سب سے پہلے اس دروازہ سے داخل ہو۔ وہ تمہارے مابین فیصلہ کرے گا۔ سب سے پہلے حضور ﷺ اس دروازہ سے داخل ہوئے۔ جب قریش نے آپ کو دیکھا تو انہوں نے کہا: "یہ الامین تشریف لے آئے ہیں۔ یہ محمد عربی ﷺ ہیں۔ ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں جب آپ ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کو ساری بات بتائی۔ آپ نے فرمایا: "میرے پاس کپڑا لے کر آؤ۔" آپ کے پاس ایک کپڑا لایا گیا۔ آپ نے حجر اسود کو اس پر اپنے دستِ اقدس ﷺ رکھ دیا۔ پھر فرمایا: "ہر ہر قبیلہ اس کپڑے کا ایک ایک کنارہ پکڑے پھر سب مل کر اسے اوپر اٹھاؤ۔" انہوں نے اسی طرح کیا۔ جب حجر اسود اپنی جگہ پر پہنچا تو آپ نے اپنے دستِ اقدس سے اسے رکھ دیا۔ آپ پر نزولِ وحی سے قبل قریش آپ کو الامین کہا کرتے تھے۔ "الزھر" اور "الاشارہ" میں ہے کہ اس روز سوموار تھا۔

یعقوب بن سنان نے حضرت ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ جب قریش مکہ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ وہ حجر اسود کی جگہ تک پہنچے تو وہ اس کے بارے جھگڑنے لگے کہ کون سا قبیلہ حجر اسود کو رکھنے کی سعادت حاصل کرے گا۔ انہوں نے فرمایا: "ہمارا فیصلہ وہ شخص کرے گا جو سب سے پہلے اس جگہ آئے گا۔" حضور ﷺ سب سے پہلے وہاں تشریف لے آئے۔ انہوں نے آپ کو ثالث بنالیا۔ آپ نے حجر اسود کو ایک کپڑے میں رکھا۔ پھر ہر قبیلہ کے سردار کو باہر نکالا۔ اور اس کپڑے کا کنارہ پکڑایا۔ آپ اوپر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے حجر اسود کو بلند کیا۔ آپ نے اسے اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ آپ پسندیدہ امور پر پروان چڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ نزول وحی سے قبل لوگ آپ کو الامین کہا کرتے تھے۔ وہ جو جانور بھی ذبح کرتے تھے تو وہ آپ سے التماس کرتے آپ ان کے لیے اس میں برکت کی دعا کرتے۔

ابن سعد اور ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور ﷺ نے حجر اسود رکھا۔ تو اہلِ نجد میں سے ایک شخص آپ کے قریب گیا تا کہ آپ کو پتھر دے جس سے آپ حجر اسود کو سہارا دے سکیں۔ حضرت عباس نے فرمایا: "ہر گز نہیں! انہوں نے خود حضور ﷺ کو ایک پتھر پیش کیا۔ آپ نے اس کے ذریعے حجر اسود کو سہارا دیا۔ یہ دیکھ کر نجدی غضبناک ہو گیا۔ اس نے کہا: "تعجب ہے۔ اس شرف، دانائی اور دولت مند قوم نے اس شخص کو اپنا ثالث بنالیا ہے۔ جو عمر میں ان سے کم ہے مال میں ان سے قلیل ہے۔ انہوں نے اس کے سامنے یوں سر جھکا دیے ہیں گویا کہ وہ اس کے خادم ہیں۔ بخدا! یہ انہیں ضرور منتشر کر دے گا۔ یہ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔" کہا جاتا ہے کہ یہ بکواس کرنے والا ابلیس تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ قریب تھا کہ قریش کے مابین شر پھیل جاتا۔ پھر وہ پرسکون ہو گئے۔ جب قریش نے حضور ﷺ کو اپنا ثالث بنالیا تو ہبیرہ بن ابو وھب مخزومی نے یہ اشعار کہے:

تشاجرت الاحیاء فی فصل خطة جرت طیرھم بالنحس من بعد اسعد

ترجمہ: "بیت اللہ کی تعمیر کے منصوبہ کے درمیان ہی قریش کے مابین جھگڑا کیوں پڑا۔ سعادت مندی کے

بعد ان کا پرندہ نحوست کے ساتھ اڑنے لگا۔"

تلاقوا لها بالبغض بعد مودّةٍ واقعد نارا بينهم شر موقد

ترجمہ: "محبت کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بغض سے ملاقات کی۔ ان کے مابین آتش جنگ بری طرح بھڑکنے ہی والی تھی۔"

فلما رائينا الامر قد جدجده و لم يبق شئی غير سل المهند

ترجمہ: "جب ہم نے معاملہ دیکھا جو شدت اختیار کر چکا تھا۔ اور ہندی تلواریں سونتنے کے علاوہ کچھ بھی باقی نہ بچا تھا۔"

رضينا و قلنا العدل اول طالع يجئی من البطحأ عن غير موعد

ترجمہ: "ہم راضی ہو گئے۔ ہم نے کہا کہ عدل وہ کرے گا جو سب سے پہلے آئے گا۔ جو وعدہ کے بغیر ہی بطحاء کی طرف سے آئے گا۔"

فلم يفجنا الامين محمد فقلنا رضينا بالامين محمد

ترجمہ: "حضور ﷺ جو امین ہیں وہ ہمارے پاس اچانک آ گئے۔ ہم نے کہا کہ ہم محمد الامین ﷺ پر راضی ہیں۔"

بخير قريش كلها امر ديمة و فی اليوم مع ما يحدث الله فی الغد

ترجمہ: "یہ سارے قریش سے افضل ہیں۔ یہ دائمی امر ہے۔ آپ آج بھی افضل ہیں اس کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ نے آپ کے لیے مستقبل مین بہت سے فضائل مختص کر رکھے ہیں۔"

فجاء بامر لم ير الناس مثله اعم و ارضی فی العواقب والبدی

ترجمہ: "آپ ایسا امر لے کر آئے جس کی مثل لوگوں نے نہیں دیکھا تھا۔ جو اپنے آغاز اور انجام کے اعتبار سے بہت عام اور پسندیدہ تھا۔"

اخذنا باكناف الردی كلنا له حقه من رفعه قبضة اليد

ترجمہ: "ہم نے چادر پاک کے کناروں کو پکڑ لیا۔ ہم میں سے ہر ایک نے حجر اسود کو ہاتھ سے اٹھانے کی سعادت حاصل کر لی۔"

فقال ارفعوا حتی اذا ما علت به اكفُّ اليه فسرَّ فی خير مسند

ترجمہ: "آپ نے فرمایا: "اسے اٹھاؤ۔" جب ہاتھ اسے اٹھا کر اوپر لے گئے۔ آپ نے اسے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھ دیا۔"

و كان رضينا ذاك بعينه منه   واعظم بِهٖ من راى هادٍ و مهتد

ترجمہ: "ہم آپ کی اس رائے سے بالکل راضی ہو گئے۔ یہ رائے کسی راہ نمائی کرنے والے یا ہدایت یافتہ کی رائے سے محکم تھی۔"

لِتلك يد منه علينا عظيمة   يروح بها ركب العراق و يغتدي

ترجمہ: "آپ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان تھا، سمندر کے مسافرین اس واقعہ کو صبح و شام بیان کرتے تھے۔"

قریش مکہ نے خانہ کعبہ بنایا تو اس کی بلندی اٹھارہ ذراع تھی۔ اس کا طول اس لمبائی سے نو ذراع زائد تھا۔ جسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ انہوں نے اس کی چوڑائی سے بھی کچھ ذراع کم کر دیے تھے۔ انہوں نے انہیں حطیم میں چھوڑ دیا۔ کیونکہ ان کے پاس حلال کے اس خرچہ میں کمی آ گئی تھی جو انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے مختص کیا تھا۔ انہوں نے اس کا دروازہ بلند رکھا تاکہ وہ جسے چاہیں اندر جانے کی اجازت دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔ انہوں نے اس کے اندر دو صفوں میں چھ ستون بنائے۔ اس لائن میں تین ستون بنائے جو حجر اسود اور رکن یمانی کی طرف تھی۔ انہوں نے رکن یمانی کے ساتھ ایک سیڑھی رکھی تھی۔ جس سے وہ چھت پر جاتے تھے۔ انہوں نے بیت اللہ پر چھت ڈالی۔ اس پر پرنالہ لگایا جو حجر میں گرتا تھا۔

تنبیہ

اس میں اختلاف ہے کہ اس وقت حضور اکرم ﷺ کی عمر مبارک کیا تھی۔ "الاشارۃ" میں ہے کہ اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال تھی۔ ازرقی نے لکھا ہے کہ اس وقت آپ بچپن میں تھے۔ الحافظ نے لکھا ہے یہ کہ شاید انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہو۔ جسے امام عبدالرزاق نے امام زہری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور ﷺ کی عمر مبارک بلوغت کے قریب پہنچی تو ایک عورت نے خانہ کعبہ کو دھونی دینے کے لیے آگ جلائی۔ ایک شرارہ خانہ کعبہ کے غلاف پر گر پڑا، جس سے خانہ کعبہ جل گیا......

مجاہد سے روایت ہے کہ یہ واقعہ بعثت سے پندرہ سال قبل کا ہے۔ ابن عبدالبر اور موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں اسی طرح لکھا ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ بعثت سے پانچ سال قبل رونما ہوا تھا۔ الحافظ نے اسے ہی مشہور روایت قرار دیا ہے۔ ان دونوں روایتوں کو جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ تعمیر کے آغاز کے وقت سے پہلے خانہ کعبہ جلا ہو۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس وقت عمر مبارک پچیس برس تھی۔ مگر یہ قول درست نہیں ہے۔

❁❁❁

بعثت مبارکہ

پہلا باب

بت پرستی کا آغاز

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے قبل سے لے کر حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ تک لوگ بتوں کی پوجا کرتے رہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے رسل عظام کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔عرب وعجم اس گمراہی میں گرے ہوئے تھے۔بہت سے عجمی آگ کی پوجا کرتے تھے۔انہیں مجوسی کہا جاتا تھا۔انہوں نے آگ کے لیے مخصوص گھر بنا رکھا تھا۔جہاں مسلسل آگ جلائی جاتی تھی۔وہ اس آگ کی طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھتے تھے۔اسی کے لیے اپنی قربانیاں کرتے تھے۔وہ یقین رکھتے تھے کہ یہ نفع اور نقصان دے سکتی ہے۔کسریٰ کے بادشاہ اسی گمراہی پر تھے۔

ان کا ایک گروہ مشہور ستاروں کی عبادت کرتا تھا۔یہ گروہ سمجھتا تھا کہ یہ سارا عالم سفلی جسے دنیاوی زندگی کہا جاتا ہے۔اس کو ستاروں کی وجہ سے بنایا گیا ہے۔یہ ستاروں کی وجہ سے رواں دواں ہے۔سورج کا فیضان سب کو شامل ہے۔ اس گروہ نے جواہرات اور معادن سے بت بنا رکھے تھے۔جن کے نام ستاروں کے ناموں پر رکھے گئے تھے۔وہ ان کی پوجا کرتے تھے۔ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ان کے لیے قربانیاں کرتے تھے۔وہ انہیں نفع اور نقصان کا مالک سمجھتے تھے۔اس گروہ کو الصابئہ کہا جاتا تھا۔

ابو جعفر ابن جریر اور مسعودی وغیرہما نے بت پرستی کے آغاز کے بارے تفصیل سے لکھا ہے۔اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اہل عرب میں سے چند افراد کے علاوہ سارے بقیہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔وہ رب تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے تھے۔انہیں "الذین اشرکوا" کہا جاتا تھا۔یہ ان کی نشانی اور علامت تھی۔اگرچہ غیر اللہ کی عبادت میں ان کے علاوہ دیگر اقوام بھی شامل تھیں۔مگر اس اسم کا اطلاق صرف اہل عرب پر ہوتا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سب سے پہلے بت پرستی شروع ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا۔انہوں نے انہیں بت پرستی سے روکا۔وہ ان میں ساڑھے نو سو سال رب تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔جیسا کہ

قرآن مجید میں ذکر ہے۔ پھر یہ برائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک پھیلتی چلی گئی۔ پھر یہ برائی حضور ﷺ کے عہد ہمایوں تک آ گئی۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ کو سراپا رحمت و فضل بنا کر بھیجا۔ آپ نے لوگوں کو رب تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا۔ مشرکین نے آپ کا انکار کر دیا۔ علامہ فاکہی نے عبداللہ بن عبید بن عمیر سے اس بت پرستی کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے بت پرستی کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا۔ بیٹے اپنے والدین سے حسن سلوک کرتے تھے۔ ان میں سے ایک شخص مر گیا۔ اس کے بیٹے نے اس کی موت پر جزع و فزع کی۔ اسے صبر نہ آتا تھا۔ اسنے اس کی شکل کی مثال بنالی۔ جب بھی اسے اشتیاق ہوتا وہ اس کی طرف دیکھ لیتا۔ وہ مر گیا تو اس کے ساتھ اسی طرح کیا گیا۔ حتیٰ کہ یہ عادت بن گئی۔ جب آباء مر گئے تو بیٹوں نے کہا: ”ہمارے آباء نے انہیں اس لیے بنایا ہے کیونکہ وہ ان کے خدا تھے۔“ وہ ان کی پوجا کرنے لگے۔

عبد بن حمید نے محمد بن کعب سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے روایت کیا ہے۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ (نوح: ۲۳)

ترجمہ: ”رئیسوں نے کہا (اے لوگو نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) ود اور سواع کو۔“

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام کے مابین ایک صالح قوم تھی۔ ان کے بعد ایک قوم آئی جو عبادت کرتی تھی۔ ابلیس نے ان سے کہا: ”اگر تم اپنے آباء کی تصاویر بنالو تو ان کی طرف دیکھتے رہنا۔“ انہوں نے تصاویر بنالیں ان کے مرنے کے بعد دوسری قوم آ گئی۔ ابلیس نے انہیں کہا: ”تم سے پہلے لوگ ان کی پوجا کرتے تھے۔“ انہوں نے ان کی عبادت کرنا شروع کی۔

ابوالشیخ نے ”العظمۃ“ میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ فرزند تھے جن کے نام ود، سواع، یغوث، یعقوق، اور نسر تھے۔ یہ عبادت گزار تھے۔ ان میں سے ایک شخص مر گیا۔ وہ اس پر بہت زیادہ غمزدہ ہوئے۔ شیطان ان کے پاس آیا۔ اس نے انہیں کہا: ”کیا تم اپنے اس ساتھی پر غمزدہ ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں!“ اس نے کہا: ”کیا میں تمہارے قبلہ کی طرف اس کی تصویر نہ بنا دوں۔ جب تم اسے دیکھو تو تمہارے دل تسلی پا جائیں۔“ انہوں نے کہا: ”ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ تو ہمارے قبلہ کی طرف ایسی چیز بنائے جس کی طرف ہم منہ کر کے نماز پڑھیں۔“ ابلیس: ”میں اسے مسجد کے آخری کونہ میں بنا دیتا ہوں۔“ انہوں نے کہا: ”درست ہے۔“ اس نے اس کی تصویر بنا دی۔ جب وہ پانچوں مر گئے تو اس نے مسجد کے ایک کونے میں ان کی تصاویر بنا دیں۔ وہ ان تصاویر کو تھوڑا تھوڑا اپناتے چلے گئے حتیٰ کہ انہوں نے رب تعالیٰ کی عبادت ترک کر دی۔ وہ ان کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ رب تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ ان لوگوں نے کہا:

لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ۔ (نوح: ۲۳)

ترجمہ: ”ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو۔“

عبد بن حمید نے حضرت ابوجعفر بن یزید بن مہب سے روایت کیا ہے کہ ایک مسلمان شخص تھا۔ وہ اپنی قوم میں محبوب تھا۔ جب وہ مر گیا وہ سرزمین بابل میں اس کی قبر کے اردگرد خیمہ زن ہو گئے۔ اس پر رونے لگے۔ جب ابلیس نے ان کا جزع وفزع دیکھا۔ تو انسانی شکل میں ان کے پاس آیا۔ اس نے کہا: ”اس پر تمہارا غم میں دیکھ رہا ہوں۔ کیا میں تمہیں اس کی تصویر بنا دوں۔ جو تمہاری محافل میں رہے گی اسے دیکھ کر تمہیں یہ یاد آجایا کرے گا۔“ انہوں نے کہا: ”ہاں“ ابلیس نے اس کی تصویر بنا دی۔ انہوں نے اسے اپنی محافل میں سجا دیا۔ وہ اسے یاد کرنے لگے۔ جب ابلیس نے ان کا یہ اشتیاق دیکھا تو اس نے کہا: ”کیا میں تم میں سے ہر ہر انسان کے گھر اس کی تصویر بنا دوں۔ جسے دیکھ کر وہ اسے یاد کیا کرے۔“ انہوں نے کہا: ”ہاں“ اس نے ہر ہر گھر میں اس کی تصویر بنا دی۔ اسے دیکھ کر وہ اسے یاد کرنے لگے۔ ان کی اولاد کا زمانہ آگیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے آباء ان تصاویر کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ نسل درنسل یہ امر بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ اسے یاد کرنے کا معاملہ مٹ گیا۔ انہوں نے اسے اپنا معبود بنا لیا۔ رب تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ اس کی عبادت کرتے رہے۔ سب سے پہلے بت کی پرستش کی گئی۔ وہ ”وڈ“ تھا۔

امام بخاری، ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”وہ بت جن کی پوجا حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کرتی تھی۔ ان کی پوجا ہونے لگی۔ ود بنوکلب کا بت تھا۔ جو دومۃ الجندل کے مقام پر تھا۔ سواع بن ھذیل کا بت تھا۔ یغوث بنو مراد کا بت تھا۔ بنو غطیف نے بھی سباء کے نزدیک اسے اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ یعوق ہمدان کا بت تھا۔ نسر حمیر کا بت تھا۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالحین کے اسماء تھے۔ جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم سے کہا: ”وہ اپنی اپنی محافل میں ان کی تصاویر لگا لیں۔ ان کو انہی کے نام دے دیں۔“ انہوں نے اسی طرح کیا۔ وہ ان کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب ایک نسل مر گئی جب مٹ گیا تو ان کی اولاد ان کی عبادت کرنے لگی۔ جب طوفان آیا تو مٹی اور پانی نے ان بتوں کو دفن کر دیا۔ حتیٰ کہ عرب کے مشرکین کے لیے نکال دیا۔

اہلِ عرب میں سے سب سے پہلے عمرو بن لحی نے بت پرستی کی طرف دعوت دی۔ ابن اسحاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا۔ آپ حضرت اکثم بن الجون خزاعی سے فرما رہے تھے۔ ”اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا۔ وہ اپنی آنتیں آگ میں گھسیٹ رہا تھا۔ میں نے کسی شخص کو اس قدر ملتے جلتے نہ دیکھا۔ جس طرح وہ تم سے اور تم اس سے ملتے ہو۔“ انہوں نے عرض کی: ”یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس کی یہ مشابہت مجھے کچھ نقصان تو نہ دے گی؟“ آپ نے فرمایا: ”نہیں! تم مومن ہو۔ وہ کافر تھا۔ اس نے

سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کو تبدیل کیا اور بت نصب کیے۔"

ابن ہشام نے لکھا ہے "مجھ سے بعض اہلِ علم نے بیان کیا ہے کہ عمرو بن لحی مکہ مکرمہ سے شام کی طرف گیا۔ جب وہ بلقاء کی سرزمین مآب تک پہنچا وہاں عمالقہ رہتے تھے۔ اس نے انہیں بتوں کی پوجا کرتے دیکھا۔ اس نے ان سے پوچھا "یہ کیسے بت ہیں جن کی تم پوجا کرتے ہو؟" انہوں نے کہا: "یہ بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اگر ہم بارش مانگیں تو یہ ہم پر بارش برساتے ہیں۔ اگر ہم ان سے مدد طلب کریں تو یہ ہماری مدد کرتے ہیں۔" اس نے کہا: "کیا تم مجھے ان میں سے ایک بت دے نہیں دیتے۔ میں اسے اہلِ عرب کی طرف لے جاؤں گا وہ اس کی عبادت کریں گے۔" انہوں نے اسے ایک بت دے دیا۔ جسے ہبل کہا جاتا تھا۔ وہ اسے لے کر مکہ مکرمہ آ گیا۔ اس نے اسے نصب کیا اور لوگوں کو اس کی عبادت اور تعظیم کی دعوت دی۔

علامہ فاکہی نے حضرت ہشام بن سائب سے روایت کیا ہے کہ ایک جن عمرو بن ربیعہ کے تابع تھا۔ وہ اس کے پاس آیا۔ اس نے اس کے لیے ایسے اشعار پڑھے جن میں یہ حکم تھا کہ وہ جدہ کے ساحل سے بتوں کو نکالے۔ عمرو جدہ کے ساحل پر آیا۔ اس نے وہاں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو پایا۔ یہ وہ بت تھے جن کی پوجا حضرت نوح اور حضرت ادریس علیہما السلام کے زمانہ میں ہوتی تھی۔ طوفان نے انہیں وہاں پھینک دیا تھا۔ ان پر ریت چڑھ گئی تھی۔ عمرو نے انہیں وہاں سے نکالا۔ تہامہ لے آیا۔ حج کا زمانہ آ گیا اس نے لوگوں کو ان کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے یہ دعوت قبول کر لی۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بنو اسماعیل میں بت پرستی کے بارے بتایا جاتا ہے کہ جب اہلِ مکہ میں سے کسی کے حالات سخت ہو جاتے۔ ان کے شہروں میں قحط سالی آ جاتی تو وہ اپنے ساتھ حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر کے ساتھ جاتے وہ جہاں فروکش ہوتے اسی جگہ پتھر کو رکھ لیتے اور اس کا اس طرح طواف کرتے جس طرح بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ ان پتھروں کی پوجا کرنے لگے جو انہیں عمدہ لگتے تھے حتیٰ کہ وہ انہیں دھونی دیتے۔ انہوں نے اپنا دین بھلا دیا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا دین بھلا دیا۔ وہ بتوں کی پوجا کرنے لگے۔ وہ ان گمراہیوں میں ڈوب گئے، جن میں ان سے قبل لوگ مستغرق تھے۔ ان میں حضرت ابراہیم کے زمانہ کے امور میں سے کچھ امور باقی بھی تھے۔ مثلاً وہ بیت اللہ کی تعظیم کرتے تھے۔ اس کا طواف کرتے تھے۔ عرفہ اور مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، وہ قربانیاں کرتے تھے، حج اور عمرہ کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے ان میں وہ امور شامل کر دیے تھے جو ان میں نہ تھے۔ کنانہ اور قریش یہ تلبیہ پڑھتے تھے "لبيك اللهم لبيك لا شريك لك الا شريكا هو لك تملكه وما ملك" وہ تلبیہ کے ساتھ رب تعالیٰ کی وحدانیت بیان کرتے تھے پھر اس کے ساتھ اپنے معبودانِ باطلہ کو داخل کر دیتے تھے۔ وہ ان کی

ملکیت رب تعالیٰ کے دست اقدس میں سمجھتے تھے۔ رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ﴿۱۰۶﴾ (یوسف:۱۰۶)

ترجمہ: "اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بت تھے۔ وہ ان کے لیے اعتکاف بیٹھتے تھے۔ اولادِ اسماعیل میں سے جس نے ان بتوں کو اپنا معبود بنایا انہوں نے وہی ان کو نام دے دیے۔ جب انہوں نے دین اسماعیل کو چھوڑ دیا۔ بنوھذیل نے سواع کو، بنوکلب نے ود کو، بنوکلب نے یغوث کو، بنوخیوان نے یعوق کو اور ذوالکلاع حمیر نے نسر کو اپنا معبود بنالیا۔ بنوادیم نے عم انس کو اپنا معبود بنالیا۔ وہ اپنے گمان کے مطابق اپنے جانور اور کھیتیاں رب تعالیٰ اور ان بتوں کے مابین تقسیم کرتے تھے۔ رب تعالیٰ کے حق میں سے جو حصہ عم انس کے حق میں چلا جاتا وہ اسے اس کے لیے چھوڑ دیتے۔ جو عم انس کا حصہ رب تعالیٰ کے حصے میں چلا جاتا وہ اسے واپس لوٹا دیتے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا ۖ فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ ۗ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۱۳۶﴾ (الانعام:۱۳۶)

ترجمہ: "اور انہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کے لیے اس سے جو پیدا فرماتا فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصہ اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لیے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہیں تو وہ (حصہ) جو ہو ان کے شریکوں کے لیے تو وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور جو حصہ ہو اللہ تعالیٰ کے لیے تو وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔"

بنوملکان بن کنانہ کا ایک بت تھا جسے سعد کہا جاتا تھا۔ وہ ان کی ایک بہت بڑی چٹان پر نصب تھا۔ بنوملکان کا ایک شخص بہت زیادہ اونٹ رکھتا تھا۔ وہ اپنے اونٹوں کو لے کر اس بت کے پاس گیا وہ اپنے گمان کے مطابق اس سے برکت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جب اونٹوں نے اسے دیکھا تو وہ بھاگ گئے، ہر سمت بکھر گئے۔ ان کا مالک ناراض ہو گیا۔ اس نے ایک پتھر لیا اسے دے مارا۔ اس نے بت کو کہا: "رب تعالیٰ تجھے بابرکت نہ کرے۔ تو نے میرے اونٹ منتشر کر دیے ہیں۔ پھر وہ اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکلا۔ جب اس نے اپنے اونٹ جمع کر لیے تو اس نے کہا:

اتینا الی سعد لیجمع شملنا ۔۔۔ فشتتنا سعد فلا نحن من سعد

فھل سعد الا صخرۃ بتنوفۃ ۔۔۔ من الارض لا یدعی لغیٍّ ولا رشد

ترجمہ: "ہم سعد کے پاس آئے تا کہ وہ ہماری شیرازہ بندی کرے۔ اس نے ہمیں بکھیر دیا اب سعد کے ساتھ

ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ سعد کیا ہے؟ وہ بلند چٹان پر ایک بت ہی ہے۔ جو نہ گمراہی دے سکتا ہے نہ ہدایت۔"

قریش نے خانہ کعبہ کے اندر بھی ایک بت نصب کر رکھا تھا جسے ہبل کہا جاتا تھا۔ انہوں نے زمزم کے چشمہ کے پاس اساف اور نائلہ کو نصب کر رکھا تھا۔ وہ ان کے پاس جانور ذبح کرتے تھے۔ اساف اور نائلہ بنو جرہم کے دو بت تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "ہم لگا تار سنتے رہے کہ اساف اور نائلہ کا تعلق بنو جرہم کے ساتھ تھا۔ انہوں نے خانہ کعبہ کے اندر بدکاری کی۔ رب تعالیٰ نے انہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کے ہر ہر گھر میں بت تھا۔ جس کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ جب ایک شخص سفر کرنے کا ارادہ کرتا وہ عازم سفر ہوتے وقت سب سے آخر میں اسے چھوتا۔ جب سفر سے واپس آتا تو جو سب سے پہلے اسے چھوتا اس کے بعد وہ اپنے اہل خانہ کے پاس جاتا۔ جب رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو توحید کے ساتھ مبعوث کیا تو قریش نے کہا:

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ (ص:۵)

ترجمہ: "کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا بے شک یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے۔"

تنبیہ

امام واقدی نے لکھا ہے کہ وَدّ مرد کی شکل میں تھا سواع عورت کی شکل میں تھا۔ یغوث شیر کی شکل میں تھا۔ یعوق گھوڑے کی شکل میں تھا۔ نسر کی شکل پرندے جیسے تھی۔ "الفتح" میں ہے "یہ شاذ ہے مشہور یہی ہے کہ وہ سارے انسانی شکل میں تھے۔ وہ آثار جو ان کی عبادت کے سبب پر دلالت کرتے ہیں ان کا تقاضا بھی یہی ہے۔"

مسعودی نے "مروج الذہب" میں لکھا ہے "ہندوستان اور چین کے بہت سے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا جسم ہے۔ ملائکہ بھی اجسام ہیں۔ رب تعالیٰ آسمان پر مخفی ہے۔ اس عقیدہ نے انہیں اس امر پر ابھارا کہ وہ رب تعالیٰ کی شکل وصورت پر بت بنالیں۔ انہوں نے مختلف شکلوں میں ملائکہ کے اجسام کے بھی بت بنا لیے۔

ان بتوں میں سے بعض بت انسان کی شکل میں تھے، بعض دیگر شکلوں میں تھے۔ وہ ان کی پوجا کرتے وہ ان کے لیے قربانیاں کرتے وہ ان کے لیے نذریں مانتے، کیونکہ وہ انہیں رب تعالیٰ کے مشابہ سمجھتے۔ وہ ان سے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے۔ وہ طویل مدت اسی گمراہی میں رہے۔ حتیٰ کہ ان کو ایک گمراہ شخص نے بتایا کہ یہ افلاک اور ستارے رب تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریبی ہیں۔ یہ زندہ ہیں اور گفتگو کرتے ہیں۔ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے مطابق ہوتا ہے جو رب تعالیٰ کے امر سے ستاروں کے ذریعے جاری ہوتا ہے۔" انہوں نے افلاک اور ستاروں کی تعظیم شروع کر

دی۔ وہ ان کے لیے قربانیاں کرنے لگے۔ وہ طویل مدت تک اسی عقیدہ پر رہے جب انہوں نے دیکھا کہ یہ ستارے دن کے وقت چھپ جاتے ہیں اور بعض اوقات رات کے وقت بھی پس پردہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے ایک گمراہ نے کہا: "وہ ان کی صورتوں اور شکلوں پر بت بنالیں۔" انہوں نے مشہور ستاروں کے مطابق بت بنا لیے۔ ہر ہر گروہ ایک ایک ستارے کی تعظیم کرنے لگا۔ اس کے لیے قربانیاں کرنے لگا۔ جب زمانہ طویل ہوتا گیا انہوں نے بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ پھر وہ ستاروں کی پوجا کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ایک گمراہ شخص ہندوستان میں پیدا ہوا۔ وہ ہند سے سند کی طرف گیا پھر وہ عجم کے شہروں کی طرف چلا گیا۔ اس نے سب سے پہلے صابیہ کے مذہب کا اظہار کیا۔ لوگوں کے لیے بت پرستی کو جائز قرار دیا۔ ان کے سجدہ کو روا قرار دیا۔ اس کا سبب وہ شبہ بیان کیا ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اس نے حیلوں اور مکر و فریب سے ان کی عقلوں کو ان کی عبادت کے قریب کر دیا۔"

علامہ مسعودی نے لکھا ہے: "جم وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے سب سے پہلے آگ کی تعظیم کی۔ لوگوں کو اس کی تعظیم کرنے کی دعوت دی۔ اس نے کہا: "یہ سورج اور ستاروں کی روشنی کے مشابہ ہے۔" اس نے روشنی کے مراتب بتائے، اس کے بعد لوگ لڑنے لگے۔ لوگ ہر بڑی چیز کی تعظیم کرنے لگے۔"

❁❁❁

دوسرا باب

علمائے یہود و نصاریٰ، راہبوں، کاہنوں کی حضور ﷺ کے بارے بشارات

اس کتاب کے ساتوں باب میں بہت سے ایسے واقعات گزر چکے ہیں۔ اب میں صرف ان واقعات کا ذکر کروں گا جن کا تذکرہ وہاں نہیں ہوا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے:

"احبار کا تعلق یہود کے ساتھ، راہبوں کا تعلق عیسائیوں کے ساتھ اور کاہنوں کا تعلق اہلِ عرب کے ساتھ تھا۔ یہ سارے آپ کی بعثت سے قبل آپ کے بارے گفتگو کرتے تھے۔ علمائے یہود اور نصاریٰ آپ کا حلیہ اور اوصاف اور زمانہ اپنی اپنی کتب میں مرقوم پاتے تھے۔ ان کے انبیائے کرام نے بھی ان سے آپ کے بارے عہد لیے تھے۔ کاہنوں کے پاس ان کے جنات آتے تھے۔ وہ جو کچھ چوری چھپکے سن لیتے وہ کاہنوں کو بتا دیتے تھے۔ اس وقت ان پر شہاب باری نہیں ہوتی تھی۔ کاہن جو بیان کرتے تھے ان میں سے بعض امور رونما ہو جاتے تھے۔ اہلِ عرب ان کی باتوں کو توجہ سے سنتے تھے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرما دیا۔ وہ ان امور کو بیان کرتے تھے جن میں کاہن بیان کرتے تھے۔ انہیں وہ پہچان گئے۔

زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ عید کے روز قریش اپنے ایک بت کے پاس جمع ہوئے۔ محمد بن عمر اسلمی نے لکھا ہے کہ یہ بت بوانہ کے مقام پر تھا۔ قریش اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اس کے لیے قربانیاں کرتے تھے۔ اس کے پاس اعتکاف بیٹھتے تھے۔ اس کا طواف کرتے تھے۔ ہر سال ایک روز اس کے پاس عید مناتے تھے۔ مذکورہ بالا چار افراد ان سے مستثنیٰ تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "سچائی کا عہد کرو۔ اپنے معاملات ایک دوسرے سے چھپاؤ۔" انہوں نے کہا "ٹھیک ہے۔" انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "جان لو! تمہاری قوم راہِ حق پر نہیں ہے۔ وہ اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو فراموش کر چکی ہے۔ یہ کیسے پتھر ہیں جن کا ہم طواف کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اے ہماری قوم! اپنے لیے کوئی دین تلاش کرو۔ بخدا! تم کسی دین پر نہیں ہو۔" یہ چاروں مختلف شہروں میں بکھر گئے۔ وہ دین ابراہیمی حنیفیت کو تلاش کرنے لگے۔ ورقہ بن نوفل نے نصرانیت اختیار کر لی۔ اس

نے نصرانیت کے علماء سے علم حاصل کیا۔ عبید اللہ بن جحش اسی التباس پر رہا حتیٰ کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ان کی زوجیت میں تھیں۔ وہ اس کے ہمراہ تھیں۔ حبشہ پہنچ کر عبید اللہ نے نصرانیت اختیار کر لی۔ وہ نصرانیت پر ہی ہلاک ہوا۔ یہ حبشہ میں صحابہ کرام کے پاس سے گزرتا تھا۔ یہ کہتا تھا "ہم نے بینائی حاصل کر لی ہے۔ مگر تم ابھی تک اس کی جستجو میں ہو۔ مگر ابھی تک اسے تلاش نہیں کر سکے۔"

عثمان بن حویرث ملک الروم قیصر کے پاس چلا گیا اس کے دربار میں اپنا مقام بنا لیا۔ زید بن عمرو نے توقف کیا اس نے نہ یہودیت اور نہ ہی نصرانیت اختیار کی۔ اس نے اپنی قوم سے جدائی اختیار کر لی۔ اس نے بتوں، مردار، خون اور ان ذبیحوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی جو بتوں پر ذبح کیے جاتے تھے۔ وہ بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکتا تھا۔ وہ کہتا تھا "میں حضرت ابراہیم کے رب کی عبادت کرتا ہوں" اس نے اپنی قوم کو اس کے عیوب کی وجہ سے ترک کر دیا تھا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے زید بن عمرو کو دیکھا وہ بہت عمر رسیدہ شخص تھا۔ وہ خانہ کعبہ کے ساتھ پشت لگائے ہوئے تھا۔ وہ کہہ رہا تھا" اے گروہ قریش! مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں زید بن عمرو کی جان ہے۔ میرے علاوہ تم میں سے کوئی بھی دین ابراہیمی پر نہیں۔" پھر وہ کہتا "مولا! اگر میں جان لیتا کہ تجھے عبادت کا کون سا طریقہ پسند ہے۔ تو میں اس طریقہ سے تیری عبادت کرتا۔ لیکن میں وہ طریقہ نہیں جانتا" پھر وہ اپنے کجاوہ پر سجدہ ریز ہو جاتا۔ وہ زندہ درگور کی جانے والی بچیوں کو بچا لیتا تھا۔ جب کوئی شخص اپنی بچی کو قتل کرنا چاہتا تو وہ اسے کہتا "اسے قتل نہ کرو۔ میں اس کی کفالت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔" وہ اسے لے لیتا جب وہ پروان چڑھ جاتی تو وہ اس کے باپ سے کہتا "اگر پسند کرو تو میں یہ تمہیں واپس کر دیتا ہوں اور اگر پسند کرو تو ابھی اس کی مزید کفالت کرتا ہوں۔"

امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت لکھی ہے کہ حضور ﷺ نے نزول وحی سے قبل بلدح کے دامن میں زید بن عمرو سے ملاقات کی۔ آپ کی خدمت میں ایک دسترخوان پیش کیا گیا۔ اس میں گوشت تھا۔ آپ نے اس میں سے کھانے سے انکار کر دیا۔ پھر زید سے فرمایا: "میں اس جانور کا گوشت نہیں کھاتا جسے تم اپنے بتوں پر ذبح کرتے ہو۔ نہ ہی میں اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جس پر وقت ذبح رب تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔" زید بن عمرو قریش پر عیب لگایا کرتا تھا۔ وہ ان ذبیحوں کے بارے کہتا تھا جن کو بتوں کے لیے ذبح کیا جاتا تھا "بکری کو پیدا تو رب تعالیٰ کرے۔ وہ اس کے لیے آسمان سے پانی اتارے۔ زمین سے اس کے لیے چارہ پیدا کرے۔ پھر تم اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دو۔ اس میں رب تعالیٰ کا انکار اور غیر اللہ کی تعظیم ہے۔"

امام بخاری نے مناقب میں، اسماعیلی، زبیر بن بکار اور فاکہی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت لکھی ہے کہ

زید بن عمرو شام کی طرف نکلا۔ وہ اس دین کی تلاش میں تھا۔ جس کی وہ پیروی کرے۔ وہ یہودیوں کے ایک عالم سے ملا۔ اس سے ان کے دین کے بارے پوچھا۔ اس نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارا دین اختیار کرلوں۔ مجھے اپنے دین کے بارے بتا۔" اس نے کہا "تم ہمارا دین اس وقت تک اختیار نہیں کرسکتے حتیٰ کہ تم غضب الٰہی سے کچھ حصہ پالو۔" زید نے کہا "میں غضب الٰہی سے ہی تو بھاگتا پھر رہا ہوں۔ مجھ میں سکت نہیں کہ میں غضب الٰہی کو برداشت کرسکوں۔ میری راہ نمائی کسی اور چیز کی طرف کرو۔" اس عالم نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ تم دین حنیف اختیار کرلو۔" زید: "دین حنیف کا ہے؟" عالم یہودیت: "حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین۔ وہ نہ یہودی تھے نہ ہی نصرانی تھے۔ وہ صرف رب تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔" زید عازم سفر ہوا وہ عیسائیوں کے ایک عالم سے ملا۔ اس نے اسی طرح اس سے سوال کیا۔ اس نے کہا: "تم اس وقت تک ہمارا دین اختیار نہیں کرسکتے حتیٰ کہ رب تعالیٰ کی لعنت کا کچھ حصہ لے لو۔" زید: "میں رب تعالیٰ کی لعنت سے ہی بھاگتا پھر رہا ہوں میں لعنتِ الٰہی کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ کیا کسی اور دین کی طرف میری راہ نمائی کرو گے؟" اس نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ تم دین حنیف اختیار کرلو۔" زید: "یہ دین حنیف کیا ہے۔" عالم عیسائیت: "یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے وہ نہ یہودی اور نہ عیسائی تھے وہ صرف رب تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔" جب زید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے ان کے علماء کی یہ باتیں سنیں تو اس نے کہا: "مولا! گواہ رہنا میں دین ابراہیمی پر ہوں۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے "زید بن عمرو دین ابراہیم کی تلاش میں نکلا۔ وہ راہبوں سے پوچھتا پوچھتا موصل اور جزیرہ تک پہنچ گیا۔ پھر شام گیا۔ وہ سرزمین بلقاء میں ایک راہب میفعہ سے ملا۔ وہ علم نصرانیت میں ماہر تھا۔ اس نے اس سے دین حنیف کے بارے پوچھا۔ اس نے اسے بتایا "تو اس دین کی جستجو میں ہے جس کی طرف راہ نمائی کرنے والا ایک شخص بھی نہیں لیکن ایک کریم نبی ﷺ کے ظہور کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ ان کا ظہور انہی شہروں کی طرف سے ہوگا۔ جن سے تو نکل کر آیا ہے۔ وہ دین حنیف کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔ وہ ابھی مبعوث ہوں گے۔ ان کے ظہور کا وقت یہی ہے۔" زید جلدی سے عازم سفر ہوا۔ جب وہ لخم کے شہروں میں پہنچا تو انہوں نے اس پر حملہ کرکے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ورقہ بن نوفل نے اس کا یہ مرثیہ لکھا:

رشدت و انعمت ابن عمرو و انما   تجنبت تنورا من النار حامیا

ترجمہ: "ابن عمرو! تم نے راہِ ہدایت کو پالیا ہے۔ یہ راہ تمہیں کافی غور و فکر کے بعد ملی ہے۔ اس طرح تم گرم تنور کے شعلوں سے بچ گئے ہو۔"

بدينك ربا ليس رب كمثله   و تركك اوثان الطواغي كماهيا

ترجمہ: "یہ نجات تمہیں اس وقت ملی جب تم نے وہ دین اختیار کیا جس کے رب جیسا کوئی رب نہیں تم نے

ذلیل و رسوا بتوں کو چھوڑ دیا۔"

و ادراكك الدين قد طلبته ولم تك عن توحيد ربك ساهيا

ترجمہ: "تم نے وہ دین پالیا جس کی تم جستجو کر رہے تھے۔ تم اپنے رب کی توحید کو فراموش کرنے والے نہ تھے۔"

فاصبحت فی دار كريم مقامها تعلل فيها با الكرامة لاهيا

ترجمہ: "تم ایسے گھر میں مقیم ہو چکے ہو جو بڑا معزز ہے۔ تم وہاں عزت و اکرام کے ساتھ اپنی محنت کا ثمر پاتے رہو گے۔"

تلاقی خليل الله فيها و لم تكن من الناس جبارا الى النار هاويا

ترجمہ: "تم اس گھر میں حضرت خلیل اللہ سے ملاقات کرو گے۔ تم سرکشوں میں سے اور آگ میں گرنے والوں میں سے نہ تھے۔"

و قد تدرك الانسان رحمة ربه ولو كان تحت الارض سبعين واديا

ترجمہ: "انسان کو اس کے رب کی رحمت آلیتی ہے خواہ وہ زیر زمین ستر وادیوں کی گہرائی میں ہو۔"

زید نے بہت سے قصائد لکھے ہیں جن میں توحید کا تذکرہ ہے ان میں سے ایک قصیدہ یہ ہے:

أربا واحدا ام الف رب ادين اذا تقسمت الامور

ترجمہ: "کیا میں ایک رب تعالیٰ کی عبادت کروں یا ایک ہزار معبودانِ باطلہ کی عبادت کروں۔ جب امور تقسیم ہوں۔"

عزلت اللات والعزى جميعا كذالك يفعل الجلد الصبور

ترجمہ: "میں نے لات و عزیٰ سب بتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ ایک مضبوط اور محکم ارادے والا شخص اسی طرح کرتا ہے۔"

فلا عزى ادين ولا انبتيها ولا صنمی نبی عمرو ازور

ترجمہ: "میں نہ تو عزیٰ اور نہ اس کی دو بیٹیوں کی پوجا کرتا ہوں نہ بنو عمرو کے دونوں بتوں کی زیارت کرتا ہوں۔"

ولا غنما ادين و كان ربا لنا فی الدهر اذ حلمی يسير

ترجمہ: "نہ میں غنم بت کی پوجا کرتا ہوں۔ حالانکہ وہ اس وقت ہمارا رب تھا جب میں کم عقل تھا۔"

عجبت و فی الليالی معجبات و فی الايام يعرفها البصير

ترجمہ: "مجھے تعجب ہوا۔ شب و روز میں بہت سی تعجب خیز چیزیں ہیں جنہیں دانا شخص ہی جان سکتا ہے۔"

بان الله قد نفى رجالا كثير كان شانهم الفجور

ترجمہ: "کہ رب تعالیٰ نے بہت سے ایسے لوگوں کو ہلاک کیا جو گناہ کے عادی تھے۔"

وابقى آخرين ببر قوم يربل منهم الطفل الصغير

ترجمہ: "کسی کو قوم کی نیکی کی وجہ سے باقی رکھا ان میں سے ایک ننھا سا بچہ بھی نشوونما پا کر جوان ہو گیا۔"

و بينا المرء يعشر ثاب قوما كما يتروّح الغض النضير

ترجمہ: "ایک شخص سست ہوتا ہے لیکن کسی دن اس کی حالت اس شاخ کی مانند ہو جاتی ہے جو سرسبز و شاداب ہوتی ہے۔"

لكن اعبدالرحمان ربّي ليغفر ذنبي الرب الغفور

ترجمہ: "میں تو اس رحمان کی عبادت کرتا ہوں جو میرا پروردگار ہے۔ تاکہ وہ بخشنے والا رب میرے گناہ معاف کر دے۔"

فتقوى الله ربكم احفظوها متى ما تحفظوها لا تبوروا

ترجمہ: "لوگو! تم نے رب تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کر رکھا ہے تو اس کی حفاظت کرو۔ جب تک تم اس کی حفاظت کرو گے تم ہلاک نہ ہو گے۔"

ترى الابرار دارهم جنان و للكفار حامية سعير

ترجمہ: "تم دیکھو گے کہ پاکبازوں کے لیے جنات میں محل ہیں اور کفار کے لیے شعلہ فشاں آگ ہے۔"

و خزى فى الحياة و ان يموتوا يُلاقوا ما تضيق به الصدور

ترجمہ: "ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے۔ اگر وہ مر گئے تو وہ ایسے امور سے ملاقات کریں گے جن سے سینے تنگ ہو جائیں گے۔"

ابویعلی، الطبرانی اور بزار نے حسن سند کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "زید بن عمرو مر گیا۔ حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: "زید بروزِ حشر ایک جماعت کے قائم مقام ہو کر اٹھے گا۔"

ابویعلی نے حسن سند سے حضرت سعید بن زید سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے زید بن عمرو کے بارے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: "وہ ایک امت کے قائم مقام ہو کر آئے گا۔" الباغندی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں جنت میں داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ زید بن عمرو کے لیے دو درخت تھے۔" ابن کثیر نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے زید بن عمرو کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "وہ میرے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے مابین ایک امت کے قائم مقام ہو کر اٹھے گا۔" ابن کثیر نے اس کی سند کو قوی اور جید لکھا ہے۔ زید بعثت سے پانچ سال قبل وفات پا گیا تھا اس وقت قریش خانہ کعبہ تعمیر کر رہے تھے۔

قس بن ساعدہ

یہ ابن ساعدہ بن جذامۃ بن زفر بن زیاد بن نزار الایادی تھا۔ علامہ المرزبانی نے لکھا ہے کہ اس نے ۳۳۳ سال زندگی بسر کی۔ اکثر اہلِ علم نے لکھا ہے کہ اس نے ۶۰۰ سال زندگی بسر کی۔ اس کی حکمت آموز باتیں حضور ﷺ نے بھی سماعت فرمائی تھیں۔ اہلِ جاہلیت میں سے سب سے پہلے یہی بعثت پر ایمان لایا تھا۔ اس نے ہی دوران خطبہ عصا کا سہارا لیا تھا۔ اس نے ہی سب سے پہلے امابعد! کہا تھا۔ اسی نے ہی سب سے پہلے "من فلاں الی فلاں" لکھا تھا۔ روایت ہے کہ اس نے عکاظ کے میدان میں لوگوں کو خطبہ دیا تھا۔ لوگوں کو حضور ﷺ کی بعثت کا مژدہ سنایا۔ انہیں آپ کی اتباع پر ابھارا۔ امام محمد بن داؤد نے کتاب "الزھرہ" میں لکھا ہے کہ جب زیاد کا وفد بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو حضور ﷺ نے ان سے قس بن ساعدہ کے بارے سوال کیا۔ انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ! ﷺ وہ تو مر گیا ہے۔" آپ نے فرمایا: "گویا کہ میں اب بھی اسے عکاظ کے بازار میں دیکھ رہا ہوں۔ وہ سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ وہ لوگوں کو خطبہ دے رہا تھا۔ وہ ایسی گفتگو کر رہا تھا۔ جس میں سے شاید ہی مجھے کچھ یاد ہو۔"

ان میں سے ایک شخص نے عرض کی: "یارسول اللہ! ﷺ ہمیں یاد ہے۔" آپ نے فرمایا: "سناؤ" اس نے کہا کہ اس نے کہا: "اے لوگو! سنو اور یاد رکھو۔ اگر کچھ یاد کرلو تو اس سے نفع اٹھاؤ ہر زندہ نے مرنا ہے ہر مرنے والے نے فنا ہونا ہے۔ ہر آنے والے نے آکر رہنا ہے۔ بارش اور نباتات کی قسم! رزق اور اقوات کی قسم والد اور والداؤں کی قسم! زندوں اور مردوں کی قسم! متفرق اور مجتمع کی قسم! آیات بعد آیات کی قسم! بلاشبہ آسمان میں خبر ہے۔ زمین میں عبرت ہے۔ رات تاریک ہے۔ آسمان برجوں والا ہے۔ سمندر موجوں والا ہے۔ میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ جاتے ہیں لیکن وہ واپس نہیں آتے۔ کیا وہ اس مقام پر راضی ہو گئے ہیں اور وہیں ٹھہر گئے ہیں یا وہ سب کچھ وہیں چھوڑ کر سو گئے ہیں قس ایسی قسم اٹھاتا ہے جو سچی ہے جس میں وہ جھوٹا نہیں ہے۔ جس میں نہ وہ گناہ گار ہے۔ رب تعالیٰ کا ایک ایسا دین ہے جو اسے اس دین سے پسندیدہ ہے جس پر تم ہو۔ خاتم النبیین ﷺ کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ ان کے ظہور کی بابرکت گھڑیاں تم پر سایہ فگن ہونے والی ہیں۔ اسے بشارت ہو جو ان پر ایمان لایا۔ اسے ہدایت نصیب ہو گئی۔ اس کے لیے ہلاکت ہو جس نے ان کی مخالفت اور نافرمانی کی۔

گزشتہ اقوام اور نسلوں میں سے ان کے لیے ہلاکت جو غافل رہے۔ اے گروہ ایاد! آباؤ اجداد کہاں ہیں۔ مریض

اور ان کی عبادت کرنے والے کہاں ہیں۔ فرعون اور شداد کہاں ہیں۔ پختہ عمارات بنانے والے کہاں ہیں۔ وہ زیب و زینت والے! شرف و قدر والے! اور مال و اولاد والے کہاں ہیں؟ وہ کہاں ہے جس نے بغاوت کی۔ سرکشی کو جمع کیا اور گنا۔ اس نے کہا: "میں تمہارا برتر رب ہوں۔ کیا وہ اموال، اولاد میں تم سے زیادہ نہ تھے۔ وہ امیدوں اور عمروں میں تم سے زیادہ نہ تھے۔ مٹی نے انہیں اپنے سینے سے تباہ کر دیا۔ زمانہ نے انہیں اپنی طوالت سے روند دیا۔ ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں ہیں۔ ان کے گھر خالی ہو گئے ہیں۔ بھیڑیوں نے ان کے گھروں کو آباد کیا ہے۔ بلکہ وہ خدائے برتر یکتا ہے وہ برحق معبود ہے وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا ہے۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کون ہے جو مجھے اس کے شعر سنائے گا؟"

جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس کے یہ اشعار سنائے۔

فی الذاهبین الاولین	من القرون لنا بصائر
لمّا رائیت مواردًا	للموت لیس لها مصادر
و رائیت قوی نحوها	تمضی الاصاغر والاکابر
لا یرجع الماضی الیّ	ولا من الباقین غائر
ایقنت انی لا محا	له حیث صار القوم صائر

ترجمہ: "ہم سے پہلے جانے والوں میں ہمارے لیے کئی بصیرت افزاء باتیں ہیں۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ موت میں جانے کے لیے تو کئی راستے ہیں لیکن اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری قوم کے چھوٹے بڑے اسی طرف رواں دواں ہیں نہ ہی گزرنے والا میری سمت لوٹنے والا ہے نہ ہی بقیہ لوگوں میں سے کوئی واپس لوٹنے والا ہے۔ میں نے یقین کر لیا ہے کہ مجھے بھی یقیناً اسی طرف لوٹنا ہے جس طرف میری قوم گئی ہے۔"

امام بیہقی نے بعض روایات لکھنے کے بعد لکھا ہے "اگرچہ بعض روایات کمزور ہیں، لیکن یہ سب اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے" امام ابن کثیر نے لکھا ہے "یہ اسناد اگرچہ ضعیف ہیں مگر یہ ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی اصل ہے۔"

الحافظ نے لکھا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔" الشیخ نے موضوعات از ابن جوزی کی تہذیب میں لکھا ہے "اس کی پہلی سند عمدہ ہے۔ اس میں امام زہری ہیں۔ پھر وہ راوی ہیں جو امام بخاری اور امام مسلم کے راوی ہیں علی بن محمد المدائنی ثقہ ہیں۔ احمد بن عبید کے بارے ابن عدی نے لکھا ہے کہ وہ صدوق ہیں۔"

الشیخ نے لکھا ہے کہ جب اس کے ساتھ خلف بن اعین کی سند کو ملایا جائے تو بلا توقف اس کے لیے حسن کا فیصلہ کر دیا

جائے گا۔ جب تم یہ جان چکے ہو تو یہ روایت ضعیف ہے موضوع نہیں ہے۔ اس میں ابن جوزی اور ان کے پیروکاروں کا اختلاف ہے۔ امام بیہقی نے ایک اور سند سے امام بیہقی سے روایت کیا ہے۔ جس میں انہوں نے یہ قصہ طوالت کے ساتھ تحریر کیا ہے جو بہت سے اشعار کے ساتھ آراستہ ہے۔ اس کے متعلق شیخ نے لکھا ہے "اس پر واضع کے آثار واضح ہیں۔"

ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قس بن ساعدہ اپنی قوم کو خطبہ دیتا تھا۔ اس نے کہا: "حق اس طرف سے آئے گا۔" اس نے اپنے ہاتھ سے مکہ مکرمہ کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا "اس سے تمہاری مراد کیا ہے؟" اس نے کہا: "وہ آنے والے ایسے ہوں گے جن کی ابروئیں باہم متصل نہ ہوں گی۔ ان کی چشمان مقدس بہت زیادہ سفید اور بہت زیادہ سیاہ ہوں گی۔ ان کا تعلق لوئی بن غالب کے قبیلہ کے ساتھ ہوگا۔ وہ قیس اخلاص کے کلمہ کی طرف بلائیں گے۔ ابدی زندگی اور نعمتوں کی طرف بلائیں گے۔ جب وہ تمہیں بلائیں تو انکی دعوت پر لبیک کہنا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان کی بعثت تک زندہ رہوں گا۔ تو میں ان لوگوں میں سے سب سے پہلا ہوتا جو دوڑ کر ان کی طرف جاتا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی داستان

امام ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حضرت عباس نے فرمایا: "میں ایک کارواں میں یمن کی طرف گیا۔ اس کارواں میں ابوسفیان بھی تھا۔ حنظلہ بن ابی سفیان کا خط موصول ہوا۔ اس میں تحریر تھا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے الابطح میں کھڑے ہو کر یہ دعویٰ کیا ہے" میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں میں تمہیں رب تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔" اہل یمن کی محافل میں یہ خبر پھیل گئی۔ ایک یہودی عالم ہمارے پاس آیا۔ اس نے کہا: "مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں اسی شخص کا چچا موجود ہے۔ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ میں نے کہا: "ہاں!" اس نے کہا: "میں تمہیں رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہارے بھتیجے میں جنوں کے اثرات پائے جاتے ہیں؟" میں نے کہا: "بخدا! نہیں! نہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ نہ ہی وہ خیانت کرتے ہیں۔ قریش تو انہیں الامین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔" عالم: "کیا وہ اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے ہیں؟" میں نے "ہاں" کہنے کا ارادہ کیا۔ مگر مجھے ابوسفیان سے اندیشہ لاحق ہوا کہ وہ میری تکذیب اور تردید کرے گا۔" میں نے کہا: "نہیں! وہ نہیں لکھ سکتے۔" وہ عالم جھپٹ کر اٹھا۔ اس نے اپنی چادر پیچھے چھوڑ دی۔ اس نے کہا: "یہودی ذبح ہو گئے۔ یہودی قتل ہو گئے۔" جب ہم اپنی منازل پر پہنچے تو ابوسفیان نے کہا: "ابوالفضل! تمہارے بھتیجے سے تو یہودی بھی ڈرتے ہیں۔" میں نے کہا" میں نے دیکھ لیا ہے کیا تو ان پر ایمان لائے گا؟" اس نے کہا: "میں ان پر ایمان نہیں لاؤں گا حتیٰ کہ میں کداء پر گھوڑے دیکھ لوں۔" میں نے کہا: "تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟" اس نے کہا: "ویسے ہی ایک کلمہ میری زبان پر آگیا تھا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ رب تعالیٰ کداء سے گھوڑوں کا ظہور ضرور کرے گا۔ حضرت عباس نے فرمایا: "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح فرمایا ہم نے دیکھا کداء سے گھوڑے آچکے تھے۔ میں نے ابوسفیان سے کہا: "ابوسفیان! ذرا اپنی وہ بات

یاد کرو۔" انہوں نے کہا: "بخدا! مجھے وہی یاد آرہی ہے۔"

امیہ اور شام کا ایک عالم

امام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت ابوسفیان سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں اور امیہ بن ابی الصلت تجارت کی غرض سے شام کی طرف گئے۔ امیہ نے کہا: "کیا ہم نصاریٰ کے ایسے عالم کے پاس نہ جائیں جس پر علم کی انتہا ہوتی ہو اور اس سے آپ کے متعلق پوچھیں۔" اس نے کہا: "مجھے تو اس کی کوئی خواہش نہیں۔" امیہ عالم کے پاس گیا۔ پھر واپس آگیا۔ اس نے کہا: "میں اس عالم کے پاس گیا تھا۔ میں نے اس سے چند امور کے متعلق پوچھا۔ پھر پوچھا: "مجھے اس نبی کے بارے بتاؤ جن کا انتظار کیا جا رہا ہے؟" عالم: "ان کا تعلق عرب سے ہوگا۔" امیہ: "کس عرب سے؟" عالم: "اس گھر کے مکینوں سے ان کا تعلق ہوگا، جو بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ قریش میں سے تمہارے بھائیوں کے ساتھ ہی اس کا تعلق ہوگا۔ امیہ: ان کا حلیہ بیان کرو۔ عالم: وہ ایک جوان آدمی ہیں۔ جب وہ بڑھاپے میں قدم دھریں گے تو ان کے کام کا آغاز ہوگا۔ وہ ظلم اور قطع رحمی سے بچتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں۔ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ وہ طرفین سے کریم ہیں۔ نسب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہیں۔ ان کی اکثر فوج ملائکہ ہوگی۔ امیہ: اس کی علامت کیا ہے؟ عالم: حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بعد شام تیس بار لرزہ ہے ہر بار اہلِ شام پر مصائب آتے ہیں۔ ایک بار لرزنا باقی رہ گیا ہے۔ اس میں بھی ان کے لیے مصائب ہوں گے۔"

ابوسفیان نے کہا: "بخدا! یہ باطل ہے۔" امیہ نے کہا: "مجھے اس ذات کی قسم جس کی قسمیں اٹھائی جاتی ہیں۔ یہ حق ہے۔" پھر ہم عازم سفر ہوئے۔ اس کارواں نے ہمیں بتایا جو ہمارے پیچھے تھا "تمہارے بعد شام میں زلزلہ آیا۔ جس نے اہلِ شام کو برباد کر کے رکھ دیا۔ انہیں بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ابوسفیان نے کہا: "امیہ میرے پاس آیا۔ اس نے کہا: "اب تمہیں نصرانی عالم کی بات کیسے لگتی ہے؟" میں نے کہا: "بخدا! وہ سچا ہے۔" میں مکہ مکرمہ آیا۔ اپنے امور سرانجام دیے۔ پھر تاجر کی حیثیت سے یمن چلا گیا۔ وہاں پانچ مہینے ٹھہرا رہا۔ پھر میں مکہ مکرمہ آیا۔ لوگ مجھے سلام کرنے آئے۔ وہ مجھے اپنے سامان کے متعلق پوچھنے لگے۔ پھر محمد عربی ﷺ میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھے سلام کیا۔ مجھے خوش آمدید کہا۔ مجھے میرے سفر کے متعلق اور وہاں قیام کے متعلق پوچھا۔ لیکن انہوں نے اپنے سامان کے متعلق نہ پوچھا۔ میں نے ہند سے کہا: "بخدا! یہ معاملہ مجھے تعجب میں ڈالتا ہے۔ قریش کے ہر ہر شخص نے مجھ سے اپنے سامان کے بارے پوچھا ہے۔ لیکن محمد عربی ﷺ نے اپنے سامان کے متعلق نہیں پوچھا۔" اس نے کہا: "مجھے ان کے معاملہ کا علم نہیں۔ مگر یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ رب تعالیٰ کے نبی ہیں۔" مجھے ہند نے مبہوت کر دیا۔ مجھے نصرانی کا قول یاد آگیا۔ میں نے کہا: "وہ اس سے زیادہ دانا ہیں کہ وہ ایسی باتیں کریں۔" ہند نے کہا: "بخدا! وہ ایسی بات کرتے ہیں۔"

الطبرانی اور ابونعیم نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: ''ہم غزوہ یا ایلیاء کے مقام پر تھے۔ مجھے امیہ بن ابی صلت نے کہا: ''ابوسفیان! مجھے عتبہ بن ربیعہ کے بارے بتاؤ؟'' میں نے کہا: ''عتبہ بن ربیعہ!'' اس نے کہا: ''وہ کریم الطرفین ہے۔ وہ حرام امور سے اجتناب کرتا ہے۔ ظلم سے باز رہتا ہے۔'' میں نے کہا: ''ہاں! وہ معزز اور عمر رسیدہ شخص ہے۔'' امیہ: ''عمر ہی اسے عیب دار کر رہی ہے۔'' میں نے کہا: ''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ جو عمر میں آگے بڑھتا ہے۔ اس کا شرف بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔'' امیہ: مجھ پر جلدی نہ کرو۔ حتیٰ کہ میں تمہیں بتا دوں۔ میں نے کتب میں ایسے نبی کا تذکرہ پایا ہے جو ہماری اس چٹان سے مبعوث ہوں گے۔ میں گمان کرتا تھا کہ میں ہی وہ نبی ہوں۔ میں نے اہل علم سے مباحثہ کیا تو انہوں نے اسے بنو عبد مناف میں سے بتایا۔ میں نے بنو عبد مناف میں غور و فکر کیا تو مجھے اس کے لیے عتبہ بن ربیعہ کے علاوہ اور کوئی موزوں شخص نظر نہ آیا۔ جب تم نے مجھے اس کی عمر کے بارے بتایا تو میں جان گیا کہ یہ وہ شخص نہیں اس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہو چکی ہے مگر اس پر وحی نہیں آئی۔

ابوسفیان نے کہا: ''میں واپس آیا۔ حضور ﷺ پر وحی کا نزول ہو چکا تھا۔ میں ایک کارواں کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ میں امیہ کے پاس سے گزرا۔ اسے مذاق کرتے ہوئے کہا: ''اس نبی کا ظہور ہو چکا ہے۔ جس کی تو تعریف کرتا تھا۔'' اس نے کہا: ''وہ حق ہے ان کی اتباع کر لو۔ ابوسفیان! اگر ان کی مخالفت کرو گے تو تمہیں اس طرح باندھ دیا جائے گا۔ جس طرح بکری کا بچہ باندھا جاتا ہے پھر تمہارا فیصلہ کر دیا جائے گا۔''

حضرت عبدالرحمان بن عوف کی داستان

ابن عساکر نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے یمن کی طرف سفر کیا۔ حضور ﷺ کی بعثت میں ایک سال باقی تھا۔ میں نے عسکلان بن عواکن کے ہاں قیام کیا۔ وہ ایک عمر رسیدہ شخص تھا۔ میں جب بھی یمن جاتا اس کے پاس ضرور قیام کرتا۔ وہ مجھ سے مکہ مکرمہ، خانہ کعبہ، زمزم کے متعلق ضرور سوال کرتا۔ وہ پوچھتا ''کیا تمہارے ہاں کسی ایسے شخص کا ظہور ہوا ہے۔ جس کا ذکر پھیلتا جا رہا ہو۔ کیا تم میں سے کسی ایک نے تمہارے دین کی مخالفت کی ہے۔'' میں نے کہا: ''نہیں! حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ مبعوث ہو گئے۔ میں اس شخص سے ملا۔ میں اس وقت وہ بہت ضعیف ہو چکا تھا۔ اس کی قوت سماعت جواب دے چکی تھی۔ میں اس کے ہاں فروکش ہوا۔ اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اس کے پاس جمع ہوئی۔ انہوں نے اسے میرے مقام کے بارے بتایا۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی گئی تھی۔ وہ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے کہا: ''اے قریش کے بھائی ذرا اپنا نسب بیان کرو۔'' میں نے کہا: ''میں عبدالرحمان بن عوف بن عبد عدی بن حارث بن زہرہ ہوں۔'' اس نے کہا: ''زہرہ کے بھائی! اتنا ہی کافی ہے۔ کیا میں تمہیں ایسی بشارت نہ سناؤں جو تجارت سے عمدہ ہو۔'' میں نے کہا: ''ضرور'' اس نے کہا: ''میں تمہیں تعجب خیز بات بتاتا ہوں۔ تمہیں مرغوب امر کی

بشارت دیتا ہوں۔اس پہلے مہینے میں رب تعالیٰ نے تمہاری قوم میں ایک نبی مبعوث فرمایا ہے۔اس نے انہیں منتخب کر لیا ہے۔ان پر کتاب نازل کی ہے۔ان کے لیے ثواب مقرر کیا ہے۔وہ بتوں سے روکتے ہیں اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔وہ حق کا حکم دیتے ہیں۔وہ خود بھی اسی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔وہ باطل سے روکتے ہیں اسے باطل سمجھتے ہیں۔" میں نے پوچھا"ان کا تعلق کن کے ساتھ ہوگا؟" اس نے کہا:"وہ خطاء نہیں کریں گے۔وہ لغزش نہیں کریں گے۔نہ ہی ان کے لیے ہلاکت ہوگی۔ان کا تعلق بنو ہاشم سے ہوگا۔تم ان کے ماموؤں میں سے ہوں گے۔" عبدالرحمان! اس واقعہ کو خوب جان لو۔جلدی سے واپس جاؤ۔ان پر ایمان لے آؤ اور ان کے معاون اور مددگار بن جاؤ۔ان کی تصدیق کرو۔ان کی خدمت میں میرے یہ اشعار پیش کر دینا۔

اشهد بالله ذی المعالی و فالق اللیل والصباح
انك فی السر من قریش یا ابن المفدّٰی من الذباح
ارسلت تدعو الی یقین یرشد للحق والفلاح
اشهد بالله ربِّ موسٰی انك ارسلت بالبطاح
فکن شفیعی الی ملیك یدعو البرایا الی النجاح

ترجمہ: "میں بلند اور عظیم رب تعالیٰ کی قسم اٹھاتا ہوں۔وہ پروردگار جو رات کو اجالے میں اور دن کو تاریکی میں تبدیل کرنے والا ہے۔اس شخص کے نور نظر! جسے فدیہ دے کر ذبح ہونے سے بچا لیا گیا تھا۔ آپ قریش میں سے رازوں والے شخص ہیں آپ کو رسول ﷺ بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔آپ اس یقین کی طرف دعوت دیتے ہیں جو حق اور کامیابی کی طرف بلاتا ہے۔میں حضرت موسیٰ کے پروردگار کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ آپ کو وادیٔ بطحاء میں مبعوث کیا گیا ہے۔رب تعالیٰ کی بارگاہ میں میری شفاعت کریں۔اس دعوت کے طفیل جس میں لوگوں کے لیے فلاح کا پیغام ہے۔"

حضرت عبدالرحمان نے فرمایا:"میں نے یہ اشعار یاد کر لیے۔جلدی جلدی اپنے امور نمٹائے پھر واپس آ گیا۔ مکہ مکرمہ آیا۔حضرت ابوبکر صدیق سے ملاقات کی۔انہیں یہ واقعہ سنایا۔انہوں نے فرمایا:"یہ حضور ﷺ ہیں۔رب تعالیٰ نے انہیں ساری مخلوق کے لیے رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔" میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔میرے ہمراہ اور بھی کچھ افراد تھے۔آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر جلوہ افروز تھے۔جب آپ نے مجھے دیکھا تو آپ مسکرانے لگے۔آپ نے فرمایا:"میں ایک با اخلاق چہرہ دیکھ رہا ہوں۔میں تمہارے پیچھے بھلائی دیکھتا ہوں۔" میں نے عرض کی:"محمد عربی ﷺ وہ کیا ہے؟" آپ نے فرمایا:"تم میرے پاس ایک امانت لے کر آئے ہو؟ یا بھیجنے والے نے تمہیں ایک پیغام

دے کر بھیجا ہے؟ اسے نکالو۔" میں نے ساری داستان آپ کے گوش گزار کی۔ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے فرمایا: "میرا بھائی حمیر خاص مسلمانوں سے ہے۔ پھر فرمایا اور مجھ پر بہت سے ایمان لانے والے ایسے ہیں جنہوں نے میرے زیارت نہیں کی۔ انہوں نے میری تصدیق کی۔ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں۔ وہ میرے سچے بھائی ہیں۔"

عروہ بن مسعود ثقفی اور کاہن

ابو ہاشم بن ظفر نے "خیر البشر" میں حضرت عروہ بن مسعود الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ کے معاملہ کے ظاہر ہونے سے قبل میں نجران کی طرف تجارت کی غرض سے گیا۔ میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ میں نے دو لڑکیاں دیکھیں جو اپنی بکریاں لے کر ایک درخت کی طرف جا رہی تھیں۔ وہ بیٹھ گئیں۔ میں لیٹا تو سو گیا۔ ان میں سے ایک نے دوسری سے کہا "اے معززین کی نورِ نظر! تمہارے گمان کے مطابق یہ کون ہے؟" دوسری: "یہ عروہ بن مسعود ہیں۔ جو سردار بنائے بغیر ہی سردار بن گئے ہیں۔ جو سخاوت کے دھنی ہیں جو تھک کر پناہ لینے آئے ہیں۔" پہلی: "تم نے سچ کہا ہے۔ یہ کہاں سے آئے ہیں۔ انہوں نے کہاں جانا ہے؟" دوسری: "یہ بلند قلعے سے آئے ہیں۔ بنو ثقیف کے طائف سے آئے ہیں۔ یہ نجران جا رہے ہیں۔ جہاں مخالیف کا مقام ہے۔" پہلی: "تم نے سچ کہا ہے اس سفر میں انہیں کیا ملے گا؟" دوسری: "ان کا سفر آسان رہے گا۔ تجارت کا بازار خوب گرم ہو گا اور انہیں خوب نفع ہو گا۔" پہلی: "تم نے سچ کہا ہے۔ اس کے معاملہ کا انجام کیا ہو گا؟" دوسری: "یہ بطور سردار زندگی بسر کریں گے۔ یہ ایک نبی کریم ﷺ کی اتباع کریں گے۔ ایک عظیم معاملہ کے والی بنیں گے۔" پہلی نے کہا: "تم نے سچ کہا ہے۔ یہ نبی کیا ہوتا ہے؟" دوسری: "یہ دعوت دینے والا ہوتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اس کا معاملہ عجیب ہوتا ہے۔ ان کے پاس آسمان سے ایک کتاب آئے گی۔ جو عقل کو مبہوت کر دے گی جو لوگوں پر غالب آ جائے گی۔" عروہ نے فرمایا: "پھر وہ رک گئیں مجھے نیند نے آ لیا۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے ان کا اثر نہ دیکھا۔ جب میں نجران پہنچا تو وہاں کا پادری جو میرا دوست تھا۔ اس نے کہا: "اے ابو یعفور! تمہارے حرم پاک کے اہل میں سے ایک نبی کریم ﷺ کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ وہ حق کی طرف بلائیں گے۔ حضرت مسیح کے حق کی قسم! وہ سارے انبیائے کرام میں سے بہترین اور آخری ہوں گے۔ اگر ان کا ظہور ہو جائے تو ان پر سب سے پہلے ایمان لانے والا بن جانا۔"

حضرت عمرو بن معدیکرب اور کاہن

ابن ظفر نے ہی روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "بخدا! بعثت سے قبل ہی میں جانتا تھا کہ حضور ﷺ نبی مرسل ہیں۔ جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا: "ہم ایک ضروری کام کی وجہ سے ایک کاہن کے پاس گئے۔

اس کاہن نے کہا: "مجھے برجوں والے آسمان کی قسم! رستوں والی زمین کی قسم! گرد وغبار والی ہوا کی قسم! یہ سارے شور و غل ایک اہم معاملہ کی وجہ سے ہے" لوگوں نے پوچھا: "یہ سب کچھ کس لیے ہے؟" اس نے کہا: "ایک نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوگا۔ وہ ناطق کتاب اور چیرنے والی تلوار کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔" لوگوں نے پوچھا کہ ان کا ظہور کہاں ہوگا؟" اس نے کہا: "وہ مکہ مکرمہ میں ظہور کریں گے۔ کامرانی کی طرف دعوت دیں گے۔ وہ جوئے کے تیروں کو باطل قرار دیں گے۔ وہ شراب نوشی اور بدکاری سے منع کریں گے ہر قبیح امر سے روکیں گے۔" لوگوں نے پوچھا: "ان کا تعلق کس قبیلہ کے ساتھ ہوگا؟" اس نے کہا: "وہ معزز شیخ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ جو زمزم کا کنواں کھودیں گے۔ وہ منڈلاتے ہوئے پرندوں کو اور چیرنے والے درندوں کو کھلائیں گے۔" لوگوں نے پوچھا: "ان کا نام کیا ہوگا؟" اس نے کہا: "محمد ﷺ ان کی عزت ابدی ہوگی۔ ان کا دشمن ذلیل ورسوا ہوگا۔"

ابن الہیبان کی خبر

امام بیہقی نے حضرت عالم بن عمرو سے انہوں نے بنو قریظہ کے ایک بزرگ سے روایت لکھی ہے۔ اس نے کہا "کیا تمہیں علم ہے کہ اسید، ثعلبہ اور اسید بن عبید نے کیوں اسلام قبول کیا؟ میں نے کہا "نہیں" اس نے کہا "شام سے ایک شخص ہمارے پاس آیا۔ یہودی اسے ابن ھیبان کہتے تھے۔ وہ ہمارے پاس ٹھہر گیا۔ بخدا! ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو نماز پنجگانہ اس طرح ادا کرتا ہو۔ وہ حضور ﷺ کی بعثت سے دو سال قبل ہمارے پاس آیا۔ جب ہمیں قحط سالی آلیتی۔ بارش نہ ہوتی تو ہم اسے کہتے "ابن الہیبان! ہمارے لیے بارش کی دعا کرو۔" وہ کہتا: "بخدا! ہرگز نہیں! حتیٰ کہ پہلے تم صدقہ ادا کرلو ہم کہتے "کتنا" وہ کہتا "ایک صاع کھجور یا دو صاع جو" ہم صدقہ ادا کرتے۔ پھر وہ ہمارے پہاڑوں کی طرف نکل جاتا۔ ہم اس کے ہمراہ ہوتے۔ وہ رحمت کی بارش کی دعا کرتا۔ بخدا! ابھی وہ اپنی جگہ پر ہی ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ بادل گزرنے لگتے۔ اس نے یہ عمل ایک، دو یا تین بار نہیں کیا تھا۔ اس کی وفات کا وقت آگیا۔ ہم اس کے پاس جمع ہوگئے۔ اس نے کہا: "اے یہود کے گروہ! تمہارا کیا خیال ہے کہ مجھے شراب اور خمیر کی سرزمین سے نکل کر اس تنگی اور بھوک کی سرزمین کی طرف آنے پر کس نے مجبور کیا ہے" لوگوں نے کہا: "تم ہی بہتر جانتے ہو" اس نے کہا: "میں اس شہر میں اس لیے آیا ہوں کیونکہ مجھے ایک نبی کریم ﷺ کے ظہور کی امید ہے ان کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔

وہ اس شہر کی طرف ہجرت کریں گے۔ میں ان کی اتباع کروں گا۔ جب ان کا ظہور ہوگا تو تم ان سے آگے نہ بڑھنا۔ وہ خون بہانے، اولاد اور خواتین کو قید بنانے کے ساتھ مبوث ہوں گے۔ یہ چیزیں تمہیں ان پر ایمان لانے سے نہ روک دیں۔" پھر وہ مرگیا۔ جب وہ رات آئی جس میں بنو قریظہ مغلوب ہوئے تو ان نوجوانوں نے کہا "اے گروہ یہود! بخدا! یہ وہ ہستی ہیں جن کا تذکرہ تمہارے لیے ابن الہیبان کرتا تھا۔" یہودیوں نے کہا: "یہ وہ نہیں ہیں۔" ان نوجوانوں نے

کہا: "بخدا! یہ ان کے ہی اوصاف ہیں۔" پھر وہ قلعہ سے نیچے اتر آئے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے اپنے اموال اور اولاد مشرکین کے ہمراہ ہی چھوڑ دیے۔ جب یہ قلعہ فتح ہو گیا تو یہ ساری اشیاء انہیں لوٹا دیں گئیں۔

جرہم کے ایک عالم کی خبر

ابن ابی خیثمہ نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ قریش کے چند افراد سمندر کے ایک جزیرہ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے وہاں جرہم کا ایک بزرگ دیکھا۔ اس نے پوچھا "تمہارا تعلق کس کے ساتھ ہے؟" انہوں نے کہا: "اہلِ مکہ میں سے قریش کے ساتھ" ایک دن اس بزرگ نے کہا: "آج رات وہ ستارا طلوع ہو گیا ہے تم میں ایک نبی کریم ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں۔" جب انہوں نے دیکھا تو حضور ﷺ اسی رات کو مبعوث ہوئے تھے۔"

اہلِ بصریٰ کے ایک عالم کی خبر

ابن سعد اور امام بیہقی نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں بصریٰ کے بازار میں تھا ایک راہب نے اپنے گرجا سے دیکھا اور کہا: "اس کارواں سے پوچھو کیا تم میں سے کوئی اہلِ حرم میں سے ہے؟" میں نے کہا: "ہاں میں ہوں۔" راہب: کیا احمد مجتبیٰ کا ظہور ہو گیا ہے؟" میں نے پوچھا: "کون احمد؟" راہب: "ابن عبد اللہ بن عبد المطلب۔" اس مہینے میں ان کا ظہور ہوگا۔ وہ آخری نبی ہوں گے۔ حرم کعبہ سے ان کا ظہور ہوگا۔ وہ نخلستانوں اور سخت چٹانوں والی زمین کی طرف ہجرت کریں گے۔ خبردار! کوئی شخص تم سے سبقت نہ لے جائے۔" حضرت طلحہ نے فرمایا: "اسی راہب کی بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں مکہ مکرمہ آیا۔ پوچھا: "کیا کوئی واقعہ رونما ہوا ہے؟" لوگوں نے بتایا: "ہاں! محمد عربی ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی اتباع کر لی ہے۔" میں جلدی سے نکلا۔ میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہیں راہب کی بات بتائی۔ حضرت ابو بکر باہر نکلے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ کو یہ واقعہ سنایا آپ نے مسرت کا اظہار کیا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ نوفل بن عدویہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور انہیں ایک رسی سے باندھ دیا۔ اسی لیے انہیں قرینین کہا جاتا تھا۔

نجران کے رئیس کی خبر

ابن ہشام نے لکھا ہے "مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہلِ نجران کے روساء کے پاس ایک کتاب تھی۔ جس کے وہ نسل در نسل وارث تھے۔ جب ان کا کوئی رئیس مر جاتا۔ ریاست کسی دوسرے شخص کے پاس چلی جاتی۔ تو وہ اس کتاب پر مہر لگاتا۔ وہ یہ مہر دوسری مہروں کے ساتھ لگاتا۔ وہ انہیں نہ توڑتا۔ اس رئیس کا زمانہ آیا۔ جو حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں تھا۔ وہ چلتا ہوا پھسل گیا۔ اس کے بیٹے نے کہا: "دور والا ہلاک ہو۔" اس کی مراد حضور ﷺ کی ذات تھی۔ اس کے باپ

نے اسے کہا: "اس طرح نہ کہو۔ وہ نبی کریم ﷺ ہیں۔ سابقہ کتب میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔" جب وہ مرگیا تو اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ ان مہروں کو توڑ ڈالے۔ اس نے وہ مہریں توڑ دیں۔ اس نے ان کتب میں آپ کا ذکر خیر پایا وہ اسلام لے آیا۔ اپنا اسلام عمدہ کیا اس نے حج کیا وہ یوں کہہ رہا تھا۔

الیك تعدو قلقا وضینها معترضا فی بطنها جنینها

مخالفا دین النصاری دینها

ترجمہ: "آپ کی سمت نہ اونٹنی آتی ہے۔ تیز رفتاری کی وجہ سے جس کے کجاوہ کی رسی کمزور ہو چکی ہے۔ اس کے پیٹ میں موجود بچے کی اسے پرواہ نہیں ہے۔ اس کا دین عیسائیوں کے دین کے مخالف ہے۔"

❁❁❁

تیسرا باب

بعثت کے وقت شہاب باری اور شیطانوں کو سننے سے روک دیا گیا

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ (الجن:۱)

ترجمہ: ''آپ فرمائیے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے۔''

وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۲۹﴾ (الاحقاف:۲۹)

ترجمہ: ''اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔'' (احقاف:۲۹)

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ؕ (الشعراء:۲۱۲)

ترجمہ: ''انہیں (شیطانوں کو) تو اس کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔''

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ (الجن:۱تا۹)

ترجمہ: "ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم (دل سے) اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز شریک نہ بنائیں گے کسی کو اپنے رب کا۔ اور بے شک ارفع و اعلیٰ ہے ہمارے رب کی شان۔ نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔ اور (یہ راز بھی کھل گیا کہ) ہمارے احمق اللہ کے بارے میں ناروا باتیں کہتے رہے۔ اور ہم نے تو یہ خیال کیے تھے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو۔ اور ان انسانوں نے بھی یہی گمان کیا۔ جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا۔ اور (سنو!) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لیے لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لیے کسی شہاب کو انتظار میں۔"

قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۰﴾ یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۲﴾ (احقاف:۳۲)

ترجمہ: "انہوں نے (جا کر) کہا اے ہماری قوم! ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے۔ پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہِ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کر لو اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور بچا لے گا تمہیں دردناک عذاب سے۔ اور جو قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں۔ (کہ اس سے بچ کر بھاگ نکلے)" (الاحقاف: ۳۰ تا ۳۲)

امام احمد اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شیاطین آسمان پر چڑھ جایا کرتے تھے۔ وہ وحی کے کلمات سن لیتے تھے۔ وہ زمین پر آتے تو اس پر اضافہ کر کے بیان کرتے تھے۔ وہ اسی طرح رہے۔ حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ جنات کو سننے کے لیے ان کے مقامات پر بیٹھنے سے روک دیا گیا۔ انہوں نے ابلیس سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ اس نے کہا: "یہ زمین پر رونما ہونے والے کسی واقعہ کی وجہ سے ہے۔" اس

نے شیاطین کو بکھیر دیا۔ انہوں نے پایا کہ حضور ﷺ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا: "بخدا! یہی وہ واقعہ ہے۔" ان پر شہاب مارے جاتے تھے۔ جب تم سے وہ ستارہ مخفی ہو جاتا ہے تو وہ اس جان کو جالیتا ہے۔ اس کا نشانہ خطاء نہیں جاتا لیکن وہ اسے قتل نہیں کرتا بلکہ وہ اس کا پہلو اور اس کی ایک سمت جلد دیتا ہے۔

ابن سعد، امام بیہقی اور ابونعیم نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آسمان پر جنات کے ہر ہر قبیلے کے لیے بیٹھنے کی جگہ مختص تھی۔ وہ اس سے وحی سن لیتے تھے کاہنوں کو اس کے متعلق بتا دیتے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو مبعوث کیا گیا تو جنات کو سننے سے روک دیا گیا۔ جب اہلِ عرب کو جنات نے خبر نہ دی تو انہوں نے کہا: "آسمان والے ہلاک ہو گئے ہیں۔" اونٹ والا ہر روز ایک اونٹ ذبح کرنے لگا۔ گائیں کا مالک ہر روز ایک گائے ذبح کرنے لگا۔ بکریوں والا ہر روز بکری ذبح کرنے لگا۔ ابلیس نے کہا "زمین میں کوئی واقعہ رونما ہوا ہے۔ میرے پاس ہر طرف کی مٹی لے کر آؤ۔" وہ ہر ہر سمت کی مٹی لے کر اس کے پاس آنے لگے۔ وہ مٹی کو سونگھتا گیا جب اس نے مکہ مکرمہ کی مٹی سونگھی تو اس نے کہا "اسی جگہ واقعہ رونما ہوا ہے۔" جنات خاموش ہو گئے اس وقت حضور ﷺ مبعوث ہو چکے تھے۔"

امام بیہقی نے عوفی کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم ﷺ کے مابین زمانہ فترت میں آسمانوں کی حفاظت نہیں ہوتی تھی۔ جنات سننے کے لیے بیٹھ جایا کرتے تھے۔ جب آپ مبعوث ہوئے تو آسمان کی شدت سے حفاظت کی گئی اور شیاطین پر شہاب برسائے جاتے۔"

محمد بن عمر اسلمی اور ابونعیم نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب حضور ﷺ کے سر اقدس پر نبوت کا تاج سجایا گیا تو آسمانوں پر خبریں سننے سے شیاطین کو روک دیا گیا۔ انہیں شہاب مارے گئے۔ انہوں نے اس کا تذکرہ ابلیس سے کہا۔ اس نے کہا: "سرزمین مقدس میں کوئی نبی مبعوث ہوا ہے۔" وہ اس طرف گئے۔ لیکن اس طرف ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ ابلیس اس واقعہ کی تلاش میں مکہ مکرمہ گیا اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ غارِ حراء میں موجود تھے۔ حضرت جبرائیل امین آپ کے ساتھ محو گفتگو تھے۔ ابلیس اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا۔ اس نے بتایا کہ حضور اکرم ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں۔ ان کے ہمراہ حضرت جبرائیل امین بھی ہیں۔"

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ان کے ہمراہ حضرت جبرائیل امین بھی ہیں۔"

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا کسی کو ایک شہاب بھی نہیں مارا گیا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کے سر اقدس پر نبوت کا تاج سجایا گیا۔ پھر شہاب باری ہونے لگی۔ جب قریش نے یہ معاملہ دیکھا جسے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے جانور ذبح کرنے لگے وہ غلام آزاد کرنے لگے۔ انہوں نے اسے فنا سمجھا۔

بنو ثقیف نے بھی اسی طرح کیا عبد یا لیل تک یہ بات پہنچی تو اس نے کہا: "جلدی نہ کرو۔ ذرا دیکھو اگر وہ ستارے ٹوٹ رہے ہیں جو لوگوں کے ہاں معروف ہیں تو پھر یہ لوگوں کی بربادی کے لیے ہے۔ اور اگر ایسے ستارے ٹوٹ رہے ہیں۔ جو معروف نہیں ہیں۔ تو یہ اس واقعہ کی وجہ سے ہیں جو رونما ہوا ہے۔" لوگوں نے دیکھا تو ایسے ستارے ٹوٹ رہے تھے جو معروف نہ تھے۔ انہوں نے اسے بتایا تو اس نے کہا: "یہ کسی نبی کریم ﷺ کے ظہور کی وجہ سے ہے۔" اس واقعہ کی کچھ مدت بعد ابوسفیان طائف آیا۔ اس نے بتایا کہ محمد عربی ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔ وہ نبی مرسل ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔" عبد یا لیل نے کہا: "یہ شہاب اسی لیے برسائے جا رہے تھے۔"

سعید بن منصور اور امام بیہقی نے امام شعبی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "شہاب نہیں برسائے جاتے تھے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے محمد عربی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ لوگ اپنے جانور ذبح کرنے لگے۔ غلام آزاد کرنے لگے۔"

ابن اسحاق اور ابن سعد نے یعقوب بن مغیرہ سے روایت کیا ہے کہ اس شہاب باری سے بنو ثقیف سب سے پہلے خوفزدہ ہوئے۔ وہ بنو علاج کے ایک شخص عمرو بن امیہ کے پاس آئے۔ انہوں نے پوچھا: "تو دیکھ نہیں رہا کہ کیا رونما ہو رہا ہے؟" اس نے کہا: "ہاں! ذرا دیکھو۔ اگر وہ ستارے ٹوٹ رہے ہیں۔ جن سے راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے۔ جن سے موسم گرما اور سرما کی پہچان ہوتی ہے۔ تو پھر یہ دنیا کو لپیٹا جا رہا ہے۔ مخلوق کے اختتام کا وقت آ گیا ہے۔ اگر ٹوٹنے والے ستارے کوئی اور ہیں تو پھر یہ اس امر کے لیے ہیں جس کا ارادہ اللہ رب العزت نے کیا ہے۔ عرب میں کوئی نبی مبعوث ہوا ہوگا۔" عمرو بن امیہ نے بھی اسی طرح بیان کیا تھا۔

ابن سعد اور ابونعیم نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ وحی کو سن لیا جاتا تھا۔ جب اسلام آیا تو جنات کو سننے سے روک دیا گیا۔ بنو اسد کی ایک عورت تھی جس کے تابع ایک جن تھا۔ اس عورت کا نام سعیر تھا۔ جب اس جن نے دیکھا کہ وہ وحی تک نہیں پہنچ سکتا تو وہ اس عورت کے سینے میں داخل ہو گیا۔ اس نے کہا:

وضع العناق، رفع الشقاق وجاء امر لا یطاق۔

"حضور ﷺ نے بدکاری کو حرام قرار دے دیا۔"

محمد بن عمر اسلمی اور ابونعیم نے حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے: "زمانہ فترت میں شیاطین باتیں سن لیتے تھے۔ ان پر شہاب نہیں برسائے جاتے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو ان پر شہاب مارتے جاتے تھے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "شیاطین وحی کو سن لیتے تھے۔ جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو انہیں روک دیا گیا۔ جنات نے ابلیس سے یہ شکوہ کیا۔ اس نے کہا: "کوئی واقعہ رونما ہوا ہے۔" وہ کوہ ابی قبیس کی راہ پر چڑھ گیا۔ اس نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا۔ آپ مقام ابراہیمی کے پیچھے نماز ادا فرما رہے تھے۔ اس نے کہا: "میں جاتا ہوں اور

آپ کی گردن توڑ دیتا ہوں۔" وہ آپ کے پاس آیا۔ اس وقت آپ کے پاس حضرت جبرائیل امین تھے۔ انہوں نے اسے ٹانگ مار کر اردن میں پھینک دیا۔

الخرائطی نے الھواتف میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ بنو تمیم کے ایک شخص نے اپنے اسلام کے آغاز کے بارے بتاتے ہوا کہا "میں ریت کے ٹیلے پر چل رہا تھا۔ اچانک مجھ پر نیند غالب آ گئی۔ میں اپنی سواری سے اترا۔ میں نے اسے بٹھایا اور خود سو گیا۔ میں نے سونے سے قبل پناہ طلب کی۔ میں نے کہا: "میں اس وادی کے عظیم جن کی پناہ طلب کرتا ہوں۔" میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا وہ اسے میری اونٹنی کے گلے میں اتارنا چاہتا تھا۔ میں گھبرا کر اٹھ گیا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے کہا: "یہ خواب پریشاں ہے۔" میں دوبارہ سو گیا۔ میں نے اسی طرح کا خواب دیکھا۔ میں گھبرا کر جاگ گیا۔ میں اپنی اونٹنی کے ارد گرد گھوما۔ مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میری اونٹنی پر لرزہ تھا۔ میں پھر سو گیا۔ میں نے اسی طرح کا خوفناک خواب دیکھا۔ میں بیدار ہوا میں نے دیکھا کہ میری اونٹنی کانپ رہی تھی۔ میں نے دیکھا تو مجھے ایک جوان شخص نظر آیا جس طرح کا شخص میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا ایک بزرگ شخص اسے روکے ہوئے تھا۔ وہ باہم لڑ رہے تھے اسی اثناء میں تین وحشی بیل نمودار ہوئے۔ بزرگ نے جوان سے کہا: "اٹھو اور ان تینوں میں سے جسے چاہو ان اونٹنی کے بدلے میں لے لو۔" وہ جوان اٹھا۔ اس نے ایک بیل پکڑ لیا۔ وہ چلا گیا۔ وہ بزرگ میری طرف توجہ فرما ہوا۔ اس نے کہا: "اے نوجوان! جب کسی وادی میں اترو اور اس کے خوف سے اندیشہ کرو، تو یوں کہا کرو۔" میں اس وادی کے خوف سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جو محمد عربی ﷺ کا رب ہے، جنات میں سے کسی کی پناہ نہ مانگو ان کا معاملہ اب باطل ہو چکا ہے۔" میں نے پوچھا "یہ محمد کون ہیں؟" اس نے کہا: "وہ نبی عربی ہیں، وہ نہ شرقی اور نہ ہی غربی ہیں۔ وہ سوموار کے روز مبعوث ہوئے ہیں۔" میں نے پوچھا "ان کا مسکن کہاں ہے؟" انہوں نے کہا: "مدینہ طیبہ۔ کھجوروں والی سرزمین میں۔" وقت صبح میں اپنی اونٹنی پر سوار ہوا۔ میں تیز رفتاری سے چلتا ہوا مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ حضور ﷺ نے مجھے دیکھ لیا۔ میرے بیان کرنے سے قبل ہی آپ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے مجھے اسلام کی طرف دعوت دی۔ میں نے اسلام قبول کر لیا۔"

امام مسلم اور ابن اسحاق نے انصار کے چند افراد سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا: "زمانہ جاہلیت میں جو ستارے ٹوٹتے تھے تم انہیں کیا کہتے تھے؟" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! جب ہم دیکھتے تھے کہ ستارے ٹوٹ رہے ہیں تو ہم کہتے تھے" کوئی بادشاہ مر گیا ہے۔ کوئی بادشاہ مسند اقتدار پر بیٹھا ہے یا کوئی بچہ پیدا ہوا ہے یا کوئی بچہ مرا ہے۔" آپ نے فرمایا: "حقیقت اس طرح نہیں تھی۔ بلکہ رب تعالیٰ جب اپنی مخلوق کے بارے کوئی فیصلہ کرتا تو اسے حاملین عرش سن لیتے۔ وہ تسبیح بیان کرتے۔ ان کی تسبیح سن کر وہ ملائکہ تسبیح بیان کرتے جو ان کے نیچے ہوتے۔ پھر ان

کے نیچے والے تسبیح بیان کرتے۔ یہ تسبیح آسمان دنیا تک پہنچ جاتی۔ وہ بھی تسبیح بیان کرتے۔ پھر وہ ایک دوسرے سے کہتے "تم نے تسبیح کیوں کہی ہے؟ وہ کہتے ہم سے اوپر والے فرشتوں نے تسبیح بیان کی ہے جسے سن کر ہم نے تسبیح کہی ہے۔" وہ پوچھتے "کیا تم اوپر والے فرشتوں سے پوچھ نہیں لیتے کہ وہ کس لیے تسبیح خوانی کر رہے تھے؟ وہ اس طرح سوال کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ یہ سوال حاملین عرش سے کہا جاتا ہے۔ ان سے پوچھا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ تسبیح خوانی کیوں کی ہے؟ وہ کہتے: "رب تعالیٰ نے انہیں مخلوق کے بارے یہ فیصلہ کیا ہے۔" یہ خبر ایک آسمان سے ہوتی ہوئی دوسرے آسمان تک پہنچ جاتی حتیٰ کہ وہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتی۔ وہ باہم گفتگو کرتے۔ وہاں سے شیاطین چوری چھپکے سے سن لیتے۔ وہ اپنے وہم اور اختلاف سے سن لیتے۔ وہ اسے کاہنوں کو بتاتے۔ وہ اسے بیان کرتے۔ بعض غلط بیانی کرتے۔ پھر رب تعالیٰ نے ان ستاروں کے ذریعے شیاطین کو روک دیا جو انہیں مارے جاتے ہیں۔ اب کہانت ختم ہوگئی ہے آج کے بعد کوئی کہانت نہیں۔"

لہیب بن مالک اللہبی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے کہانت کا تذکرہ کیا۔ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ! ہم پہلے لوگ ہیں جنہیں آسمانوں کی حفاظت شیاطین کی زجر و توبیخ اور شہاب باری کے متعلق علم ہوا۔ اس حقیقت کے انکشاف کے لیے ہم اپنے کاہن خطر بن مالک کے پاس گئے۔ وہ بہت زیادہ عمر رسیدہ تھا۔ اس کی عمر ۲۸۰ سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ سارے کاہنوں سے زیادہ عالم تھا۔ ہم نے اسے کہا: "اے خطر! اس نے ہمیں اشارہ کیا کہ ہم خاموش رہیں۔" اسی اثناء میں آسمان سے ایک بہت بڑا ستارہ ٹوٹا۔ وہ بلند آواز سے چلایا۔

"اسے سزا مل چکی ہے۔ اس کی سزا نے اس کا احاطہ کر لیا ہے۔ اس کا عذاب اسے جلد پہنچ چکا ہے۔ شہاب نے اسے راکھ بنا دیا ہے۔ اس کے جواب نے اسے پریشان کر دیا ہے۔ ہائے بربادی! اس کی کیا حالت ہو چکی ہے۔ غم نے اسے نڈھال کر دیا ہے۔ اس کی تباہی لوٹ آئی ہے۔ اس کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ اس کی حالت بدل چکی ہے۔" پھر اس نے کہا:

یا معشر بنی قحطان　　اخبرکم بالحق والبیان

ترجمہ: "اے گروہ بنو قحطان میں تمہیں حق اور سچ بات بتاتا ہوں۔"

اقسمت بالکعبة والارکان　　والبلد المؤتمن السدان

ترجمہ: "میں خانہ کعبہ، اس کے ارکان اور اس مقدس شہر کی قسم اٹھاتا ہوں۔ جو اپنے مکینوں کو پناہ دینے والا ہے۔"

لقد منع السمع عتاة الجن　　بثاقب بکف ذی سلطان

ترجمہ: "باغی جنات کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے ایک طاقتور ہاتھ ان پر شہاب برساتا ہے۔"

من رجل مبعوث عظیم الشان　　یبعث بالتنزیل والقرآن

ترجمہ: "یہ ساری حفاظت ایک عظیم شان والے رسول مکرم ﷺ کے لیے ہوئی ہے۔ وہ تنزیل اور قرآن

کے ساتھ مبعوث ہوتے ہیں۔"

و بالهدی و فاصل القرآنِ تبطل به عبادة الاوثان

ترجمہ: "وہ ہدایت اور فیصلہ کرنے والی کتاب کے ساتھ تشریف لائیں گے۔ ان کی تشریف آوری سے بتوں کی عبادت کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

حضرت لہیب فرماتے ہیں: "پھر ہم نے خطر سے کہا "خطر! تیرے لیے ہلاکت! تو ایک عظیم امر کا ذکر کر رہا ہے۔ اس کے بارے تو اپنی قوم کو کیا مشورہ دیتا ہے؟" اس نے کہا:

اری لقومی ما اری لنفسی ان یتبعوا خیر نبی الانس

ترجمہ: "میں اپنی قوم کو بھی وہی مشورہ دیتا ہوں جو اپنے لیے عمدہ سمجھتا ہوں۔ وہ اس نبی اکرم ﷺ کی اتباع کریں جو سارے انسانوں سے بہترین ہیں۔"

برهانه مثل شعاع الشمس یبعث فی مکة دار الحمس

بمحکم التنزیل غیر اللبس

ترجمہ: "ان کی دلیل سورج کی طرح تاباں ہوگی۔ وہ مکہ مکرمہ دار حمس میں مبعوث ہوں گے۔ وہ ایسی محکم کتاب کے ساتھ مبعوث ہوں گے جس میں التباس کا اندیشہ نہ ہوگا۔"

ہم نے اسے کہا: "اے خطر! اس نبی کریم ﷺ کا تعلق کس قبیلہ کے ساتھ ہوگا؟ اس نے کہا: "زندگانی کی قسم! وہ قبیلہ قریش میں سے ہوں گے۔ ان کی بردباری میں غصہ نہ ہوگا۔ اس کی تخلیق میں عیب نہ ہوگا۔ وہ ایک لشکر میں تشریف فرما ہوں گے۔ یہ لشکر آلِ قحطان اور آلِ ایش پر مشتمل ہوگا۔" میں نے پوچھا: "خطر! وہ قریش کے کس خاندان میں سے ہوں گے؟" اس نے کہا: "ارکان والے بیت اللہ کی قسم! حجر اسود اور آبِ زمزم کی قسم! وہ ہاشم کے معزز خاندان سے ہوں گے۔ وہ غزوات کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔ وہ ہر ظالم کا خاتمہ کر دیں گے۔" پھر اس نے کہا: "یہ گفتگو جو مجھے جنات کے سردار نے بتائی تھی۔" پھر اس نے کہا: "اللہ اکبر! حق آیا اور چھا گیا۔ جنات ہر قسم کی گفتگو سننے سے روک دیے گئے۔" پھر وہ پرسکون ہو گیا۔ اس پر بے ہوشی چھا گئی۔ تیسرے روز اسے افاقہ ہوا۔ اس نے کہا: "لا الہ الا اللہ۔" حضور ﷺ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا: "اس نے نبوت کی مانند گفتگو کی ہے۔ وہ روزِ حشر تنہا ایک امت کی مانند اٹھے گا۔"

تنبیہات

❶ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ کیا شہاب قتل کر دیتا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "اس کا نشانہ خطا نہیں جاتا لیکن وہ زخمی کر دیتا ہے۔ جلا ڈالتا ہے۔ ناکارہ بنا دیتا ہے لیکن قتل نہیں کرتا۔"

جنات کو سننے والی چیز سنانے سے قبل شہاب سے قتل کرنے کے بارے دو اقوال ہیں:

① اس سے پہلے کہ وہ سنی ہوئی چیز کسی دوسرے کو سنائیں انہیں قتل کر دیا جاتا۔ اسی اعتبار سے انبیاء کرام کے وسیلہ کے علاوہ آسمان کی خبریں زمین تک نہیں آسکتیں۔ اسی لیے کہانت ختم ہوگئی ہے۔

② جب وہ سنی ہوئی بات کسی دوسرے کو بتا دیتے ہیں اس کے بعد انہیں مار دیا جاتا ہے۔ اسی لیے وہ دوبارہ سننے کے لیے نہیں آتے۔ ماوردی نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن امام قرطبی نے پہلا قول درست سمجھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سعید بن جبیر، امام بخاری، ابوداؤد اور امام ترمذی وغیرہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ کرتا ہے تو ملائکہ اس کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے پر مارتے ہیں۔ گویا کہ چٹان پر زنجیر گری ہو۔ جب ان سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں "تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟" وہ کہتے ہیں: "اس نے حق بات ہی کی ہے۔ وہ بزرگ و برتر ہے۔" چوری چھپکے سننے والے یہ بات سن لیتے ہیں۔ یہ چوری چھپکے سننے والے ایک دوسرے کے اوپر یوں ہوتے ہیں۔ سفیان نے اپنی انگلیوں کو لائن کی شکل میں سیدھا کیا اور اپنی انگلیوں کو کھول دیا۔ اس طرح کہ وہ ایک دوسرے کے اوپر تھیں۔ ایک سننے والا ایک بات سن لیتا ہے۔ وہ اسے اپنے سے نیچے والے کو سناتا ہے اس سے نیچے والا اپنے سے نیچے والے کو سناتا ہے۔ حتیٰ کہ آخری جن اسے جادوگر یا کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ بعض اوقات اس سنانے والے کو سنانے سے قبل ہی شہاب اسے آلیتا ہے۔ بعض اوقات وہ سنا چکا ہوتا ہے کہ اسے شہاب آلیتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ ایک سو جھوٹ بولتا ہے وہ کہتا ہے "کیا میں نے اس روز یوں یوں نہ کہا تھا۔ وہ بات کی تصدیق کرتا ہے جو آسمان سے سنی تھی۔"

یہ قول: "اسے شہاب کبھی وہ بات سنانے سے قبل اور کبھی سنانے کے بعد آلیتا ہے۔" سابقہ دونوں امور کو جمع کرتا ہے۔ ابوعثمان جاحظ نے لکھا ہے کہ اگر کہا جائے کہ جب ایک خبر جنات کو معلوم ہو جاتی ہے تو پھر اسے حاصل کرنے کے لیے جنات اپنے آپ کو کیوں جلاتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ انہیں یہ امر فراموش کرا دیتا ہے تاکہ ان کی مشقت زیادہ ہو سکے۔

③ بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ قرآن و حدیث کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ یہ رجم ستاروں کے ساتھ ہو۔ امام قرطبی نے لکھا ہے "جن شہاب سے جنات کو مارا جاتا ہے نہ وہ ثوابت ستارے نہیں ہیں کیونکہ ثابت ستارہ چلتا نہیں ہے۔ نہ ہی دور سے اس کی حرکات کو دیکھا جا سکتا ہے۔" انہوں نے دوسری جگہ لکھا ہے "علماء نے فرمایا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ستارے ٹوٹتے ہیں۔ یہ بھی روا ہے کہ یہ اسی طرح ہو جس طرح ہم دیکھتے ہیں پھر وہ آگ میں منتقل ہو جاتا ہو۔ جب کہ وہ شیاطین کو پا لیتا ہو۔ یہ بھی امکان ہے کہ ہوا میں آگ کا شعلہ پھینکا جاتا ہو، جو ہمیں یوں

محسوس ہوتا ہو کہ وہ ستارا ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔" انہوں نے دوسری جگہ لکھا ہے "وہ ستارے جنہیں لوگ ٹوٹتے ہوئے دیکھتے ہیں نقاش اور مکی نے لکھا ہے ان سے مراد وہ ستارے نہیں جو آسمان پر رواں ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی حرکت کو دیکھا نہیں جا سکتا لیکن اس ٹوٹنے والے ستارے کی حرکت نظر آتی ہے کیونکہ یہ ہمارے قریب ہوتا ہے۔"

امام ابو عبداللہ الحلیمی نے "منہاج" میں لکھا ہے "ہم اپنے رب تعالیٰ کا جو کلام تلاوت کرتے ہیں۔ اس میں یہ تذکرہ نہیں کہ شیاطین کو کواکب یا نجوم (ستارے) مارے جاتے ہیں۔" انہوں نے طویل گفتگو کے بعد لکھا ہے "بلکہ وہ شہاب ہیں یہ آگ کے شعلے ہوتے ہیں۔ مصابیح ان شعلوں سے کنایہ ہیں ستاروں سے نہیں۔"

امام شہاب الدین ابوشامۃ نے لکھا ہے "لغت میں شہاب اس شعلے کا نام ہے جو آگ سے پھیلتا ہے۔ پھر اس کا اطلاق اس ستارے پر ہونے لگا جو ان شیاطین کو مارا جاتا ہے جو چوری چھپکے سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ جب اسے شیاطین کو مارنے کے لیے معین کیا جاتا ہے تو یہ آگ کا ایک شعلہ ہوتا ہے، اسی ملابست اور مجاہرت کی وجہ سے مجازاً اس پر شہاب کا لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

الشقر الطیبی کے کلام کا ظاہر بھی اسی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب انہوں نے شہاب ثاقب ان کو بنایا جنہیں آگ کے شعلوں کے ساتھ مارا جاتا ہے تو بھی اس امر پر دلالت ہے کہ ان کے نزدیک شہب وہ ستارے ہیں جو اسی مقصد کے لیے ہوتے ہیں۔ پھر کہا: "مصابیح سے مراد وہ ستارے ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے شہب کے ساتھ شیاطین کو مارنے کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ کیونکہ ستارے شیاطین کے پیچھے بذاتِ خود ٹوٹتے ہیں۔" پھر انہوں نے حلیمی کا کلام نقل کیا ہے، پھر فرمایا: "اس میں کوئی خفا نہیں کہ ستاروں کے ساتھ مارنے کا ذکر احادیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔"

عرب کے قدیم اشعار میں بھی ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مجھے انصاری صحابہ کرام میں سے ایک صحابی نے بتایا ہے کہ اسی اثناء میں کہ وہ حضور ﷺ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک ستارہ ٹوٹا، وہ روشن ہو گیا......

امام عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں امام زہری سے روایت کیا ہے ان سے اس شہاب باری کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا یہ زمانہ جاہلیت میں ہوتی تھی؟ انہوں نے فرمایا: "ہاں! لیکن جب اسلام آیا تو اس میں شدت اور سختی آگئی۔" پھر حضرت ابوشامۃ نے عرب کے شعراء کا کلام بطور شاہد پیش کیا ہے۔ پھر فرمایا: "سابقہ دونوں توجیہات کو دو اعتبار سے جمع کرنا ممکن ہے۔

(1) مضاف کو اس کے بارے علم کی وجہ سے محذوف کر دیا گیا ہے۔ اصل عبارت اس طرح تھی۔ رمی بنار نجم

وانقضّ انقضاض نارا الكواكب. ان سے مراد وہ شعلے ہیں جنہیں شہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں فرمایا ہے کہ جو چیز چوری چھپے سننے والے کا تعاقب کرتی ہے وہ شهاب مبين (الحجر:١٨) (ایک روشن شعلہ) ہے۔ دوسری جگہ اسے شهاب ثاقب (الصافات:١٠) (تیز شعلہ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شہاب آگ کے شعلہ سے عبارت ہے اسی سے جنات کو جلانے کا عمل ہوتا ہے۔

﴿٢﴾ مجازاً نجوم کا اطلاق شہب پر کر دیا گیا ہو۔ جس طرح کہ لفظ شہب کا اطلاق نجوم پر ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے ایک کی دوسری کے ساتھ ملابست پائی جاتی ہے جیسے کہ ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ آگ کے شعلوں کے ساتھ ستارے جنات پر برسائے جاتے ہیں۔

ان کے شیخ، الشیخ عز الدین بن عبدالسلام نے ''امالیہ'' میں لکھا ہے کہ جس کے ساتھ شہب برسائے جاتے ہیں۔ اسے رجم کے وقت تخلیق کیا جاتا ہے۔ اسی سے ابوعلی نے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے فرمایا ہے:

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ (الملک:٥)

میں ضمیر ھاء ''السماء'' کی طرف راجع ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ "و جعلنا شهبها" ہے۔ مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ضمیر مضاف الیہ کے لیے بن گئی ہے۔

﴿٣﴾ امام ابوعبداللہ نے لکھا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ شہاب باری نبوت کی وجہ سے تھی تو پھر اسے حضور ﷺ کے وصال کے بعد دائمی کیوں رکھا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نبوت کے دوام کے ساتھ دائمی ہے۔ حضور ﷺ نے کہانت کے بطلان کی خبر دی ہے۔ اگر آپ کے وصال کے بعد آسمان کی حفاظت نہ کی جاتی تو جنات دوبارہ امور سننے کی طرف لوٹ جاتے کہانت لوٹ آتی۔ اس کے بطلان کے بعد یہ جائز نہیں۔ کیونکہ نبوت کی وجہ سے آسمانوں کی حفاظت کی گئی۔ اگر اسے ختم کر دیا جائے اور کہانت لوٹ آئے تو کمزور مسلمان شبہ کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے وہ گمان کرنے لگیں کہ کہانت لوٹ آئی ہے کیونکہ نبوت ختم ہو گئی ہے۔ لہٰذا حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اور وصال کے بعد لگاتار حفاظت کی جائے۔

الحافظ نے لکھا ہے ''اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نزول وحی کی وجہ سے شہاب باری میں شدت اور سختی آگئی تھی تو پھر یہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد منقطع کیوں نہ ہوئی؟ اب بھی ہم ستاروں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھتے ہیں؟'' اس کا جواب یہ ہے کہ امام زہری کی سابقہ روایت سے اس کا سبب معلوم ہو جاتا ہے۔ امام مسلم کی روایت میں ہے کہ لوگ کہا کرتے تھے ''آج رات عظیم شخص پیدا ہوا ہے یا مرا ہے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''ستارے کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے نہیں ٹوٹتے۔ بلکہ ہمارا رب جب کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو اہلِ آسمان ایک دوسرے کو اس کے بارے بتاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ

خبر آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے۔ جنات چپکے سے اچکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر اسے اپنے دوستوں کی طرف پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نئے نئے واقعات کے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے سختی اور شدت کا سبب منقطع نہیں ہوا۔ کیونکہ ان واقعات کی خبر ملائکہ تک پہنچتی ہے۔ بعثت کے بعد اس سختی کے باوجود شیاطین کا یہ طمع ختم نہیں ہوا کہ وہ چوری چپکے سن لیں۔ آپ کے وصال کے بعد یہ طمع کیسے ختم ہو سکتا تھا۔ جب غیلان نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی تو حضرت عمر نے ان سے فرمایا: "ممکن ہے کہ شیاطین، جو چوری چھپکے سن لیتے ہیں تم نے ان سے سنا ہو کہ عنقریب تم مر جاؤ گے۔ انہوں نے یہ بات تمہاری طرف پھینک دی ہے۔" اس سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ چوری چپکے سننا حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی جاری رہا۔ وہ ان واقعات کی خبریں سننے کی کوشش کرتے۔ لیکن وہ ان تک نہ پہنچ سکتے مگر جو تیزی سے اچک لینے کی کوشش کرتا۔ شہاب ثاقب اس کا تعاقب کرتا۔ اگر اپنے ساتھیوں تک بات پہنچانے سے قبل اسے شہاب لگ جاتا تو وہ وہیں مر جاتا۔ ورنہ وہ اس کی بات سن لیتے اور آگے پھیلا دیتے۔

۴ کیا آپ کی بعثت سے قبل بھی یہ شہاب باری ہوتی تھی یا یہ بعثت کے بعد شروع ہوئی؟ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ اس ضمن میں ان کے دو اقوال ہیں:

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اکثر علماء کا پہلا قول نقل کیا ہے۔ امام سہیلی، شیخ عزالدین، شیخ ابوشامہ وغیرہم نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ بہت سے علماء نے اس کو درست مانا ہے۔ انہوں نے رب تعالیٰ کے ان فرامین سے استدلال کیا ہے:

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ (الصافات: ۶ تا ۸)

ترجمہ: "بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی رسائی) سے۔ نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے۔"

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝

(الحجر: ۱۷ تا ۱۸)

ترجمہ: "اور ہم نے محفوظ کر دیا ہے آسمان کو ہر شیطان سے جو راندہ ہوا ہے۔ بجز اس کے جو چوری چھپے سن لے تو (اس صورت میں) تعاقب کرتا ہے اس کا ایک روشن شعلہ۔"

علامہ زرکشی نے بردہ شریف کی شرح میں لکھا ہے: "یہ آیات دلالت کرتی ہیں کہ شہاب باری بعثت سے پہلے بھی تھی، کیونکہ ان کی تخلیق اسی لیے ہوئی ہے۔"

اسی طرح رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ (الجن: ۸)

ترجمہ: "اور (سنو!) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔"

یہ جنات کی طرف سے خبر دینا ہے کہ شہاب باری موجود تھی۔ لیکن اسے جوسے اکھیڑا گیا۔ بلکہ آسمان کی حفاظت مین اضافہ کردیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ بھر گیا۔ امام علامہ شمس الدین الھروی نے شرح مسلم میں لکھا ہے "اس آیت طیبہ میں اس موقف کی دلیل موجود ہے کہ اس سے مراد بھرپور اور کثرت ہے پہلے جنات سننے کے لیے بیٹھنے والے مقامات پر بیٹھ جاتے تھے۔ ان میں سے بعض شہاب اور نگرانوں سے خالی ہوتے تھے۔ اب وہ مقامات بھر گئے ہیں۔ کوئی مقام بھی شہب یا نگرانوں سے خالی نہیں ہے۔ رب تعالیٰ نے ستاروں کی تخلیق کے دو فائدے لکھے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ (الملک: ۵)

ترجمہ: "اور بیشک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ۔"

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ (الصّٰفٰت: ۶-۷)

ترجمہ: "بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمانِ دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی رسائی) سے۔"

امام عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں حضرت معمر سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے امام زھری سے عرض کی: کیا زمانہ جاہلیت میں شہاب باری ہوتی تھی؟ انہوں نے کہا: "ہاں!" میں کہتا ہوں کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ (الجن: ۹)

ترجمہ: "اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لیے لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لیے کسی شہاب کو انتظار میں۔"

جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو اس شہابِ باری میں شدت اور سختی آ گئی۔ امام بیہقی نے لکھا ہے: "یہ موقف قرآن کے ظاہر کے ساتھ موافقت رکھتا ہے کیونکہ اس نے جنات کی حکایت بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ (الجن: ۸)

ترجمہ: "اور (سنو!) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔"

جنات نے خبر دی ہے کہ آسمان کی حفاظت اور شہاب باری میں اضافہ کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ حفاظت اور شہابوں سے بھر گیا ہے۔ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ اس سے قبل بھی آسمان کے نگران تھے۔ ان کے ہمراہ تیار شہاب ہوتے تھے۔ ان کی دلیل وہ روایت بھی ہے جسے امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے مابین تشریف فرما تھے اچانک ایک ستارہ ٹوٹا۔ وہ روشن ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب زمانہ جاہلیت میں اس طرح ستارے ٹوٹتے تھے تو تم کیا کہتے تھے......"

اسی طرح انہوں نے زمانہ جاہلیت کے شعراء سے بھی استدلال کیا ہے جیسے اوس بن حجر، عوف بن جذع اور بشر بن ابی حازم وغیرہ۔

ایک جماعت نے دوسرا موقف اختیار کیا ہے۔ یہی موقف حضرت ابن عباس، حضرت ابی بن کعب، امام شعبی، امام نافع بن جبیر رضی اللہ عنہم کا ہے۔ ابو عثمان الجاحظ نے اسے درست قرار دیا ہے۔ ابن جوزی کا میلان اسی طرف ہے۔ انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ روایات کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ شیاطین نے شہاب باری کو عجیب سمجھا اور اس کا سبب تلاش کیا۔ اسی وجہ سے عرب میں کہانت کا رواج تھا۔ لوگ اپنے فیصلے کے لیے کاہنوں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اسے اس طرح ختم کر دیا گیا کہ شیاطین اور چوری چھپکے سننے کے مابین شہاب اور نگران حائل ہو گئے۔ لیکن محققین علماء نے دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ امام قرطبی نے لکھا ہے: "ان روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ بعثت سے قبل اس طرح شہاب باری نہیں ہوتی تھی جس سے شیطان چوری چھپکے سننے سے رک جاتے بلکہ کبھی ان پر شہاب برسائے جاتے تھے اور کبھی نہیں برسائے جاتے تھے۔ کبھی ایک طرف سے شہاب مارے جاتے تھے کبھی دوسری طرف سے مارے جاتے تھے۔ ساری اطراف سے نہیں مارتے جاتے تھے۔ شاید رب تعالیٰ کے اس فرمان میں یہی اشارہ ہے۔

وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا۔ (الصافات: ۸)

ترجمہ: "اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے۔"

انہوں نے دوسری جگہ لکھا ہے "یہ بعید نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ ستارے ٹوٹنا قدیم زمانہ سے ہو۔ لیکن یہ شیاطین کو مارنے کے لیے نہ تھا۔ جب آپ کی ولادت ہوئی تو یہ شیاطین کو مارنے کا سبب بن گئے۔" مگر یہ موقف قابل اعتراض ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے "میں نے حضرت وہب بن منبہ سے ایک روایت ایسی پائی ہے جس سے اشکال دور ہو جاتا ہے اور اس سے مختلف روایات میں تطبیق ہو سکتی ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ابلیس سارے آسمانوں پر چڑھ جایا کرتا

تھا۔ وہ ان میں جیسے چاہتا پھرتا رہتا تھا۔ اسے روکا نہیں جاتا تھا۔ حضرت آدم کے نزول سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے تک اسے چار آسمانوں سے روک دیا گیا۔ جب ہمارے نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو اسے بقیہ تین آسمانوں سے بھی روک دیا گیا۔ شیاطین کو سننے سے روک دیا گیا اسے اور اس کے لشکر کو ستارے مارے جاتے تھے۔"

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے الطبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضرت عیسیٰ اور حضور ﷺ کے مابین زمانہ فترت میں آسمانوں کی حفاظت نہیں کی جاتی تھی۔ جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو آسمانوں کی سختی حفاظت کی گئی۔ شیاطین پر شہاب برسائے گئے انہوں نے اسے عجیب سمجھا۔

سدی کی سند سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "آسمان کی حفاظت صرف اس وقت کی جاتی ہے، جب زمین پر کوئی نبی ہو یا غالب دین ہو۔ شیاطین ایسے مقامات پر بیٹھتے تھے جہاں سے وہ چوری چھپے سن لیتے تھے۔ جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو ان پر شہاب برسائے جانے لگے۔"

امام بن منیر نے لکھا ہے کہ روایت کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ جنات پر شہاب برسائے جاتے تھے۔ لیکن اس طرح نہیں۔ جیسے کہ امام مسلم کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔ جہاں تک رب تعالیٰ کے اس فرمان کا تعلق ہے:

فَمَنۡ یَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ یَجِدۡ لَہٗ شِہَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ (الجن: ۹)

ترجمہ: "لیکن اَب جو (بن) سُننے کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لیے کسی شہاب کو انتظار میں۔"

اس کا معنی یہ ہے کہ ان پر شہاب برسائے جاتے تھے کبھی وہ نشانہ پر لگتے اور کبھی نشانہ خطا ہو جاتا لیکن بعثت سے قبل ان پر لگاتار شہاب برسائے جاتے تھے۔ اس لیے اس کا وصف "رصدا" ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے نشانہ خطا نہیں جاتا۔"

❁❁❁

چوتھا باب

بعض ہواتف سے جو خبریں سنی گئیں اور بتوں کا اوندھا ہو جانا

ابن سعد نے حضرت تمیم الدری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں شام میں تھا۔ اس وقت حضور ﷺ مبعوث ہوئے تھے۔ میں ایک ضروری کام کے لیے باہر نکلا مجھے رات نے آلیا۔ میں نے کہا: "میں اس وادی کے عظیم جن کی پناہ میں ہوں۔" جب میں اپنے بستر پر لیٹ گیا تو مجھے ایک منادی نے ندا دی، میں اسے دیکھ نہیں رہا تھا۔ اس نے کہا: "رب تعالیٰ کی پناہ حاصل کرو۔ جنات رب تعالیٰ کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔" میں نے پوچھا: "تو کس کے بارے بات کر رہا ہے؟" اس نے کہا: "رسول الامیین کا ظہور ہو چکا ہے۔ وہ رب تعالیٰ کے رسول مکرم ﷺ ہیں۔ میں نے الحجون میں ان کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ آپ کی اتباع کر لی ہے۔ جنات کا مکر ختم ہو چکا ہے۔ انہیں شہاب مارے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور اسلام قبول کر لو۔"

وقت صبح میں ایوب کے گرجا میں گیا ایک راہب سے پوچھا۔ اس نے کہا: "اس غیبی صدا نے تم سے سچ کہا ہے۔ ہم اپنی کتابوں میں آپ کے اوصاف پاتے ہیں۔ حرم پاک سے ان کا ظہور ہوگا۔ دوسرے حرم کی طرف وہ ہجرت کریں گے۔ وہ سارے انبیائے کرام سے بہترین ہیں۔ کوئی اور شخص تم سے سبقت نہ لے جائے۔" حضرت تمیم نے فرمایا: "میں تکالیف اٹھاتا ہوا بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔"

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر سے مختصر، ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن کعب سے، ابن جوزی نے حضرت محمد بن کعب القرظی سے، ابویعلی اور امام بیہقی نے حضرت سواد بن قارب سے روایت کی ہے۔ ابن عمر اور محمد بن کعب نے فرمایا کہ اسی اثناء میں کہ حضرت عمر فاروق لوگوں کے ہمراہ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک عربی شخص آیا۔ خشنی نے کہا: "وہ سواد بن قارب ہیں۔" وہ مسجد میں داخل ہوئے وہ حضرت عمر فاروق کی تلاش میں تھے۔ جب حضرت عمر فاروق نے انہیں دیکھا تو فرمایا: "یہ شخص پہلے مشرک تھا بعد میں اسلام لے آیا۔ یا یہ کاہن تھا۔ اس شخص نے سلام کیا پھر بیٹھ گیا۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: "کیا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟" اس نے کہا: "ہاں! امیر المومنین!" حضرت عمر فاروق: "کیا تم زمانہ جاہلیت میں کاہن تھے۔" وہ شخص: "سبحان اللہ! امیر المومنین! آپ میرے بارے یوں گمان کرتے ہیں۔ آپ نے میرا اس طرح استقبال کیا ہے کہ جب سے آپ مسلمانوں کے امور کے والی بنے ہیں کسی نے

اس طرح میرا استقبال نہیں کیا۔" حضرت عمر فاروق: "رب تعالیٰ معاف کرے۔ ہم زمانہ جاہلیت میں اس سے بھی زیادہ برائی پر تھے۔ ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے ہمیں اپنے رسول محترم ﷺ اور اسلام سے عزت دی۔" وہ شخص: "ہاں! امیر المومنین! زمانہ جاہلیت میں مَیں کاہن تھا۔" حضرت عمر فاروق: "مجھے وہ خبر بتاؤ جو تمہارا صاحب تمہارے پاس لے کر آیا تھا۔" وہ شخص: "میرا جن اسلام کے ظہور سے ایک ماہ قبل میرے پاس آیا۔"

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اسی اثناء میں کہ میں ایک رات نیند اور بیداری کے مابین تھا۔ ایک جن میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے اپنی ٹانگ سے مارا۔ اس نے کہا: "اے سواد! اٹھو، قبیلہ بنو لوئی بن غالب سے رسول مکرم ﷺ تمہارے پاس تشریف لا چکے ہیں۔ وہ رب تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ میں نے سر اٹھایا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا وہ یہ کہتا ہوا چلا گیا۔

عجبت للجن و تطلابها و شدها العیس باقتابها
تھوی اِلی مکة تبغی الھدیٰ ما صادق الجن ککذابها
فارحل الی الصفوۃ من ھاشم لیس قداماھا کادبارھا

ترجمہ: "مجھے جنات اور ان کی خبروں پر تعجب ہوا۔ مجھے ان کا اونٹنیوں کے پلانوں کے ساتھ باندھنے نے تعجب میں ڈالا۔ وہ ہدایت کی تلاش میں مکہ مکرمہ کی طرف جارہے تھے۔ مومن جن کافر جنات کی طرح نہیں ہیں۔ تم بھی بنو ہاشم کے برگزیدہ شخص کی طرف جاؤ۔ شریر لوگ پاکبازوں کی طرح نہیں ہیں۔"

میں نے اسے کہا: "مجھے چھوڑ دو۔ میں سونا چاہتا ہوں۔" میں نے وہ رات اونگھتے ہوئے گزار دی۔ تیسری رات وہ پھر میرے پاس آ گیا۔ اس نے مجھے اپنی ٹانگ ماری۔ اس نے کہا: "سواد! اٹھو۔ میری بات غور سے سنو عقل مند ہو تو اسے سمجھو۔ بنو لوئی بن غالب سے حضور ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں۔ وہ رب تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔" پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

عجبت للجن و تجساسها و شدها العیس باحلاسها
تھوی الی مکة تبغی الھدیٰ ما خیر الجن کانجاسها
فارحل الی الصفوۃ من ھاشم و ارم بعنیك الی رأسها

ترجمہ: "مجھے جنات اور ان کی تفتیش پر تعجب ہوا۔ مجھے اس کی اونٹنیوں کو کجاووں کے ساتھ باندھنے پر تعجب ہوا۔ وہ مکہ مکرمہ کی طرف گئے تا کہ حق کو تلاش کرو۔ پاکیزہ جنات گندے جنات کی طرح نہیں ہیں۔ تم بنو ہاشم کے برگزیدہ شخص کی طرف سفر کرو۔ اپنی آنکھوں کو ان کے سر اقدس کی زیارت کے لیے

متعین کر دو۔"

میں اٹھا۔ میں نے کہا: "میرا دل رب تعالیٰ نے چن لیا ہے۔ میں اپنی اونٹنی پر سوار ہوا۔ مدینہ طیبہ آ گیا۔ حضور ﷺ تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ میں آپ کے قریب ہوا میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میری عرض سنیں۔" آپ نے فرمایا: "کہو۔" میں نے یہ نعت آپ کی خدمت میں پیش کی:

اتانی رئیی بعد ھدء و رقدة　　و لم یك فیما بلوت بکاذب

ترجمہ: "میرا جن سکون اور نیند کے بعد میرے پاس آیا۔ جہاں تک میں نے اسے آزمایا تھا وہ جھوٹا ہرگز نہ تھا۔"

ثلاث لیال قوله کل لیلة　　اتاك رسول من لوئی بن غالب

ترجمہ: "وہ تین راتیں میرے پاس آتا رہا ہر رات اس کا یہی قول تھا کہ لوئی بن غالب سے رسول مکرم ﷺ تیرے پاس تشریف لا چکے ہیں۔"

فشمرت عن ذیل الازار وسطت　　بی الذعب الوجناء بین السباسب

ترجمہ: "میں نے اپنے تہ بند کے دامن کو اٹھا لیا مجھے میری تیز رفتار موٹے رخساروں والی اونٹنی ٹیلوں کے مابین لے کر اڑی۔"

فاشھد ان اللہ لا رب غیرہ　　و انك مامون علی کل غائب

ترجمہ: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی رب نہیں اور آپ ہر قسم کے غیب پر امین ہیں۔"

و انك ادنی المرسلین و سیلة　　الی یابن الاکرمین الاطایب

ترجمہ: "بلاشبہ آپ بارگاہِ ربوبیت میں پہنچنے کے سب سے قریبی وسیلہ ہیں۔ اے معزز اور پاکیزہ افراد کے نورِ نظر!"

فمرنا بما یاتیك من وحی ربنا　　و ان کان فیما جاء شیب الذوائب

ترجمہ: "آپ کے پاس جو ہمارے رب تعالیٰ کی وحی آتی ہے۔ آپ اس کے مطابق ہمیں حکم دیں خواہ وہ حکم ایسا ہو جس سے بال سفید ہو جائیں۔"

و کن لی شفیعًا حین لا ذو قرابة　　بمغن فتیلا عن سواء بن قارب

ترجمہ: "اس روز آپ میرے شفیع بن جائیں جس روز کوئی رشتہ داری نہ ہو گی۔ ایسی شفاعت فرمائیں جو سواد بن قارب کو ہر لحاظ سے مستغنی کر دے۔"

میری یہ نعت سن کر حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام بہت زیادہ خوش ہوئے۔ فرحت و انبساط کے اثرات ان

کے چہروں سے عیاں تھے۔
حضرت عبداللہ نے فرمایا: "اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں سے یہ واقعہ بیان کرتے تھے۔" بخدا! زمانہ جاہلیت میں ایک بت کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ قریش کے بعض لوگ وہیں جمع تھے جنہیں آل ذریح کہا جاتا تھا۔ ایک شخص نے ان کے لیے بچھڑا ذبح کر رکھا تھا۔ ہم منتظر تھے کہ وہ اس کا گوشت ہمارے لیے تقسیم کرے۔ اچانک بچھڑے کے پیٹ سے اتنی بلند آواز آئی کہ اتنی بلند آواز میں نے پہلے نہیں سنی تھی۔ یہ بعثت مبارکہ سے ایک ماہ یا اتنی ہی مدت پہلے کی بات ہے۔ یہ آواز یوں تھی "یا آلِ ذریح! امر نجیح رجل فصیح یقول لا الٰہ الا اللہ۔"
ہشام بن محمد نے عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میرا ایک خادم تھا اس کا تعلق بنو کلب سے تھا۔ اسے حابس بن دغنہ کہا جاتا تھا۔ اچانک وہ گھبرایا ہوا میرے پاس آیا۔ اس نے کہا: "اپنے اونٹ لے لو۔" میں نے پوچھا: "تمہیں کیا ہوا؟" اس نے کہا: "اسی اثناء میں کہ میں وادی میں تھا۔ پہاڑ کی گھاٹی سے ایک شخص بلند ہوا۔ اس کا سر چکی کی طرح تھا۔ وہ شاہین کی تیزی سے نیچے آیا۔ حتیٰ کہ اس کے قدم نیچے لگ گئے۔ میں نے آج تک اتنی بڑی چیز نہیں دیکھی تھی۔ اس نے کہا:

یا حابس بن دغنه یا حابس　　　لا تعرفن لفعلك الوساوس

ترجمہ: "اے حابس بن دغنہ اے حابس یہ وسوسے تجھے اس فعل سے روک نہ دیں۔"

هذا سنا النور بكف تابس　　　فاجنح الى النور ولا تعابس

ترجمہ: "یہ آگ والے کے ہاتھ میں نور کا اجالا ہے۔ نور کی طرف مائل ہو جا اور ترش رو نہ بن۔"

پھر وہ غائب ہو گیا۔ میں اپنے اونٹ لے کر دوسری وادی میں چلا گیا۔ میں سو گیا۔ ایک سوار نے مجھے ٹانگ ماری میں بیدار ہو گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ وہ وہی تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

یا حابس اسمع ما اقول ترشد　　　لیس ضلول حائز کمهتد
لا تترکن نهج الطریا الا قصد　　　قد نسخ الدین بدین احمد

ترجمہ: "اے حابس جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے سنو ہدایت پا جاؤ گے۔ گمراہ اور ظالم ہدایت یافتہ کی طرح نہیں ہوتا۔ تم سیدھے رستہ کے نہج کو نہ چھوڑو۔ پہلے دین حضور ﷺ کے دین کی وجہ سے منسوخ ہو چکے ہیں۔" یہ سن کر مجھے بے ہوشی طاری ہو گئی۔ پھر مجھے افاقہ ہو گیا۔"
ابن درید نے "الاخبار المنثورہ" میں ابن کلبی سے روایت کیا ہے کہ خنافر بن التوأم کاہن تھا۔ وہ ایک شاداب وادی میں اترا جاہلیت میں اس کے ماتحت ایک جن تھا۔ اسلام کے زمانہ میں وہ اس کے پاس نہیں آتا تھا۔ اس ...

کہا: "ایک رات میں ایک وادی میں تھا۔ عقاب کی طرح کی چیز مجھ پر گری۔ خنافر نے کہا 'شصار ہو؟'" اس نے کہا: "میں کچھ کہنے لگا ہوں۔" میں نے کہا: "کہو میں سن رہا ہوں۔" اس نے کہا: "ہر مدت کا اختتام اور ہر کام کی غایت ہے۔" میں نے کہا: "ہاں!" اس نے کہا: "ہر سلطنت کے لیے ایک مدت مقررہ ہے۔ پھر وہ اقتدار تبدیل ہو جاتا ہے۔ سابقہ ملتیں منسوخ ہو چکیں ہیں۔ ساری اقوام حقائق کی طرف لوٹ آئیں ہیں۔ میں نے شام میں آلِ لوام کے بعض حکام دیکھے۔ وہ حکام کے حکام تھے۔ وہ عمدہ کلام دھرا رہے تھے۔ وہ نہ تو مؤلف اشعار تھے۔ نہ ہی متکلف سجع کلام تھا۔ میں نے وہ کلام کان لگا کر سنا میں مرعوب ہو گیا۔ میں نے دوبارہ سنا تو گھبرا گیا۔ میں نے پوچھا: "تم کیا پڑھ رہے ہو؟ اسے کس کی طرف منسوب کرتے ہو؟" انہوں نے کہا: "یہ عظیم خطاب ہے۔ جو الملک الجبار کی طرف سے آیا ہے اے شصار! غور سے سنو۔ وہ ساری خبروں سے سچا کلام ہے۔ پاکبازی کے رستہ پر چلو۔ آتش جہنم کی گرمی سے بچ جاؤ گے۔" میں نے پوچھا "وہ کیسا کلام ہے؟" انہوں نے بتایا: "وہ کفر اور ایمان کے مابین فرق کرنے والا ہے۔ بنو مضر میں سے ایک رسول کریم ﷺ اسے لے کر آئے ہیں۔ پھر وہ شہروں اور بستیوں والے ہیں۔ وہیں مبعوث کیے گئے ہیں۔ ان کا غلبہ ہو چکا ہے۔ وہ ایسے کلام کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ جو غالب ہو چکا ہے۔ صراطِ مستقیم واضح ہو چکا ہے۔ اس میں اس شخص کے لیے وعظ و نصیحت ہے جو عبرت حاصل کرتا ہے۔" میں نے پوچھا: "بڑی بڑی آیات کے ساتھ کون مبعوث ہوا ہے؟" اس نے کہا: "احمد مجتبیٰ ﷺ خیر البشر مبعوث ہوئے ہیں۔ اگر میں ان پر ایمان لے آیا تو مجھے جنت نصیب ہوگی۔ اگر میں نے مخالفت کی تو مجھے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اے خنافر! میں ان پر ایمان لاتا ہوں۔ میں جلدی سے تمہاری طرف آیا ہو تم بھی ہر ناپاک کافر سے پہلو تہی کرو۔ ہر طاہر اور مومن کی رفاقت اختیار کرو ورنہ میں تم سے جدا ہو جاتا ہوں۔" میں سوار ہو کر آیا۔ میں نے صنعاء میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور اسلام پر ان کی بیعت کر لی۔ اسی واقعہ کے بارے میں میں نے یہ اشعار کہے ہیں:

الم تر ان الله عاد بفضله ۔۔۔ وانقذ من لفح الجحيم خنافرا

دعاني شصار للتي لو دفعتها ۔۔۔ لا صلبت جمرا من لظى الهول جائرا

ترجمہ: "کیا تم نے دیکھا کہ رب تعالیٰ نے فضل فرمایا اور خنافر کو آگ کے شعلوں سے بچا لیا۔ شعار نے مجھے اس چیز کی طرف دعوت دی کہ اگر میں اسے ترک کر دیتا تو میں ظلم کرتے ہوئے جہنم کی آگ کو تاپ لیتا۔"

محمد بن عمر اسلمی، ابو نعیم اور ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بنو خثیم کے کچھ لوگ اپنے بت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے بتوں کے پاس فیصلے کرانے کے لیے جاتے تھے وہ اپنے بت کے پاس تھے کہ انہوں نے ایک غیبی صدا سنی۔

یا ایها الناس ذووالاجسام　　و مسند والحکم الی الاصنام

ترجمہ: "اے اجسام والے لوگو! اے فیصلوں کو بتوں کی طرف منسوب کرنے والو!"

اکلکم اورهٔ کالنعام　　الا ترون ما رَای امامی

ترجمہ: "کیا تم سب جانوروں کی طرح پاگل ہو۔ کیا تم وہ کچھ دیکھ رہے ہو جسے میں دیکھ رہا ہوں۔"

من ساطِع یجلو دجی الظلام　　ذاك نبی سید الانام

ترجمہ: "یعنی وہ پھیلتا ہوا نور جو ظلمتوں کو دور کر رہا ہے۔ وہ نبی کریم سید الانام ﷺ ہیں۔"

اعدل ذی حکم من الاحکام　　یصدع بالنور و بالاسلام

ترجمہ: "وہ احکام کا فیصلہ کرنے میں سارے لوگوں سے زیادہ عادل ہیں وہ نور اور اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔"

من هاشم فی ذروة السنام　　مستعلن بالبلَد الحرام

ترجمہ: "وہ ہاشم کے بلند و بالا قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ حرم پاک میں اسلام کا اعلان کر رہے ہیں۔"

جاء بهدم الکفر بالاسلام　　اکرمه الرحمان من امام

ترجمہ: "وہ اسلام کے ساتھ کفر کو ختم کرنے آئے ہیں۔ رحمان رب تعالیٰ نے انہیں عزتوں سے نوازا ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "وہ کچھ دیر ٹھہرے رہے۔ یہ اشعار یاد کر کے بکھر گئے۔ ابھی تین دن ہی گزرے تھے کہ انہیں خبر مل گئی کہ مکہ مکرمہ سے حضور ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔"

ابن شاہین نے ابوخیثمہ عبدالرحمان بن ابی بسرۃ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "سعد العشیرہ کا ایک بت تھا۔ جسے قراض کہا جاتا تھا۔ وہ اس کی تعظیم بجالاتے تھے۔ اس کا ایک محافظ تھا۔ وہ انہی میں سے تھا۔ جسے ابن وقشہ کہا جاتا تھا۔"

عبدالرحمان نے فرمایا: "ذباب بن حارث نے بتایا کہ ابن وقشہ کے تابع ایک جن تھا جو اسے مستقبل کی خبریں دیتا تھا۔ ایک رات وہ اس کے پاس آیا۔ اس نے اسے کسی چیز کے بارے بتایا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ اس نے کہا: "اے ذباب! سارے عجیب امور میں سے عجیب امر سنو محمد عربی ﷺ کو الکتاب کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے وہ مکہ میں توحید کی دعوت دے رہے ہیں مگر اہلِ مکہ ان کی دعوت قبول نہیں کر رہے۔" میں نے اسے کہا: "یہ کیا ہے؟" اس نے بتایا: "میں نہیں جانتا مجھے اس طرح بتایا گیا ہے۔" اس واقعہ کے کچھ ہی دیر بعد ہم نے سن لیا کہ حضور ﷺ کا مکہ مکرمہ میں ظہور ہو چکا ہے۔ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں اس بت کی طرف گیا اور اسے توڑ دیا۔ میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے اسلام قبول لیا۔ میں نے یہ اشعار کہے:

تبعت رسول الله اذ جاء الهدیٰ و خلفت قراضا بدار هوانِ

و لما رائیت الله اظهر دینهٗ اجبت رسول الله حین دعانی

ترجمہ: "حضور ﷺ جب ہدایت کے ساتھ تشریف لائے تو میں نے آپ کی اتباع کر لی۔ میں قراض کو ذلت و رسوائی کے گھر چھوڑ آیا ہوں۔ جب میں نے رب تعالیٰ کو دیکھا کہ اس نے اپنے دین کا اظہار کر دیا ہے۔ جب آپ نے مجھے دعوت دی تو میں نے آپ کی دعوت قبول کر لی۔"

الخرائطی نے حضرت سفیان الہذلی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں ایک کارواں کے ساتھ شام کی طرف عازمِ سفر ہوا۔ جب ہم زرقاء اور معان کے مابین تھے تو ہم نے وہاں رات بسر کی۔ ایک سوار زمین اور آسمان کے مابین معلق تھا۔ اس نے کہا: "اے سونے والو! جاگ جاؤ۔ یہ سونے کا وقت نہیں ہے۔ احمد مجتبیٰ ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔ جنات کو پوری طرح دھتکار دیا گیا ہے۔ اس کارواں میں سارے جوان لوگ تھے۔ انہوں نے یہ پیغام سنا ہم اپنے اہل کی طرف لوٹے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ حضور ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔

الطبرانی، ابونعیم اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ العمانی سے بیان کیا ہے کہ مازن الطائی عمان کی سرزمین پر تھے۔ وہ اپنے اہلِ خانہ کے بت کی نگرانی کرتے تھے۔ ان کے بت کو یاور کہا جاتا تھا۔ مازن کہتے ہیں "ہم نے ایک دن ایک جانور ذبح کیا۔ میں نے بت سے آواز سنی۔ اس نے کہا: "مازن! میری طرف آؤ۔ آؤ! ایک بات سنو جو مخفی نہیں ہے۔ یہ نبی مرسل ہیں جو حق کلام کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ ان پر ایمان لے آؤ۔ تاکہ تم شعلہ بار آگ کی مدت سے بچ سکو۔ جس کا ایندھن پتھر ہوگا۔" مازن نے کہا۔ میں نے کہا: "بخدا! یہ عجیب بات ہے۔" ایک اور دن میں نے ایک ذبیحہ ذبح کیا۔ میں نے ایک آواز سنی وہ کہہ رہا تھا "اے مازن سنو اور خوش ہو جاؤ۔ خیر ظاہر ہو چکا ہے۔ شر چھپ چکا ہے۔ بنو مضر سے حضور اکرم ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔ وہ رب تعالیٰ کے دین حق کے ساتھ تشریف لا چکے ہیں۔ پتھر کے بتوں کو چھوڑ دو تم جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے۔"

مازن نے کہا۔ میں نے کہا: "بخدا! یہ عجیب بات ہے۔ یہ تو بھلائی ہے جس کا میرے ساتھ ارادہ کیا گیا ہے۔" ایک شخص حجاز سے ہمارے پاس آیا۔ میں نے اسے کہا: "وہاں کی کوئی بات بتاؤ۔" اس نے کہا: "تہامہ سے ایک شخص کا ظہور ہوا ہے۔ جو ان کے پاس جاتا ہے۔ وہ اسے کہتے ہیں "رب تعالیٰ کے داعی کو جواب دو۔" انہیں احمد مجتبیٰ ﷺ کہا جاتا ہے۔" میں نے کہا: "بخدا! یہی خبر میں نے سنی تھی۔" میں سوار ہو کر آیا۔ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ میرے لیے اسلام کو واضح کر دیا گیا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت میں نے یہ اشعار کہے:

كسرت باجرا اجذاذا او كان لنا ربا نطيفُ به ضلا بتضلالِ

بالهاشمي هدانا من ضلالتنا و لم يكن دينه منّي على بالِ
يا راكباً بلّغ عمرا و اخوتها انی ممن قال ربّی بادر قالی

ترجمہ: "میں نے بادر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وہ ہمارا رب تھا ہم گمراہی کی وجہ سے اس کا طواف کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے رسول ہاشمی علیہ السلام کے ذریعے ہمیں ہدایت عطا کی۔ اس سے قبل آپ کے دین کی میرے نزدیک کچھ اہمیت نہ تھی۔ اے شہ سوار میری طرف سے عمرو اور اس کے بھائیوں تک یہ پیغام پہنچا دے جس نے کہا کہ میرا رب بادر ہے تو میں اس سے ناراض ہوں گا۔"

حضرت مازن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا شخص ہوں۔ جو شراب کا دلدادہ ہے۔ موسیقی کا شوقین ہے۔ عورتوں کا رسیا ہے۔ ہم پر قحط سالی کا دور دورہ رہا ہے۔ ہمارے اموال ختم ہو چکے ہیں۔ اہل و عیال کمزور ہو چکے ہیں۔ یا رسول اللہ! میری اولاد نہیں آپ دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ مجھ سے یہ برائیاں دور کرے۔ مجھے حیا عطا فرمائے۔ مجھے اولاد نرینہ دے۔" حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا کی: "مولا! اس کی موسیقی کو قرآن میں تبدیل کر دے۔ اس کے حرام کو حلال میں بدل دے۔ اسے حیاء عطا فرما۔ اسے اولادِ نرینہ عطا فرما۔" حضرت مازن نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے میری ساری برائیاں ختم کر دیں۔ عمان سرسبز و شاداب ہو گیا۔ میں نے چار آزاد عورتوں سے شادی کر لی۔ میرے ہاں حیان بن مازن پیدا ہوا۔ میں نے یہ اشعار کہے:

اليك رسول الله سقت مطيتي تجوب الفيافي من عمان الى العرج

ترجمہ: "یا رسول اللہ! میں اپنی سواری کو آپ کی طرف ہانک کر لایا۔ وہ عمان سے عرج تک کے جنگلات طے کرتی ہوئی آئی۔"

لتشفع لی یا خیر من وطئ الثری فیغفرلی ربی فارجع بالفلج

ترجمہ: "اے بہترین انسان! تاکہ آپ میری شفاعت فرمائیں۔ میرا رب میرے گناہ معاف کر دے، میں کامیابی کے۔"

الی معشر خالفت فی الله دینهم فلا رائهم رائی ولا شرجهم شرجی

ترجمہ: "ساتھ معشر کی طرف لوٹوں۔ میں نے رب تعالیٰ کے لیے ان کے دین کی مخالفت کی ہے۔ نہ ان کی رائے میری رائے نہ ان کا دین میرا دین ہے۔"

و كنت امرءًا بالزغب والخمر مولها شبابی حتی آذن الجسم بالنهج

ترجمہ: "میں شراب اور بدکاری کا دلدادہ تھا۔ مگر انہوں نے میرے جسم کو راہِ راست سے آگاہ کر دیا۔"

فبدلني بالخمر خوفا و خشية و بالعهر احصانا و فحصن لي فرجي

ترجمہ: "رب تعالیٰ نے میری شراب نوشی کو خوف وخشیت میں اور میری بدکاری کو عفت میں بدل دیا اس نے میری شرم گاہ کی حفاظت کی۔"

فاصبحت همي في الجهاد و نيتي فلله ما صومي و لله ما حجي

ترجمہ: "اب میرا ارادہ اور نیت صرف جہاد کرنے کی تھی۔ میرا روزہ اور میرا حج صرف رب تعالیٰ کے لیے ہے۔"

ابن سعد اور ابونعیم نے حضرت نفیل بن عمرو الھذلی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے ایک جانور ذبح کیا۔ میں نے اسے اپنے بت کے لیے ذبح کیا۔ میں نے اس کے پیٹ سے سنا وہاں سے صدا آرہی تھی۔" تعجب ہے مکمل تعجب! بنوعبدالمطلب سے ایک نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوا ہے۔ انہوں نے بدکاری اور بتوں کے لیے جانوروں کو ذبح کرنا حرام قرار دیا ہے۔ آسمانوں کی حفاظت کی گئی ہے۔ اب ہمیں شہاب مارے جاتے ہیں۔ ہم پھیل جاتے ہیں۔"

ہم مکہ مکرمہ آئے لیکن ہم نے کسی کو نہ پایا جو ہمیں حضور ﷺ کے متعلق بتاتا حتیٰ کہ ہم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ ہم نے عرض کی: "ابوبکر! کیا مکہ مکرمہ میں کسی ایسی ہستی کا ظہور ہوا ہے جو رب تعالیٰ کی طرف بلاتا ہو۔ جس کا نام نامی "احمد" ہو۔" انہوں نے فرمایا: "کس لیے؟ میں نے انہیں ساری حکایت بتائی۔ انہوں نے فرمایا: "ہاں! حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔ وہ رب تعالیٰ کے رسول مکرم ہیں۔

ابوسعد نیشاپوری نے الشرف میں جندل بن نضلہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بارگاہِ رسالت مآب میں آئے۔ انہوں نے عرض کی: "میرا ایک جن تھا۔ وہ میرے پاس آیا اس نے مجھے دھمکایا اور کہا:

هب فقد لاح سراج الدين بصادق مهذب امين

فا اهل على ناجية امون تمشي على الصحصح والحزون

ترجمہ: "صادق، مہذب اور امین کے ذریعے دین کا آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ تیز رفتار اونٹنی پر سوار ہو جا جو چٹیل میدانوں اور سخت زمین پر چلے۔"

میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے پوچھا: "کیا؟" اس نے کہا: "زمین بچھانے والے کی قسم! فرض مقرر کرنے والے کی قسم! طول وعرض میں محمد عربی ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں۔ وہ پاکیزہ حرم میں پروان چڑھے ہیں۔ انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی ہے۔" میں اسی وقت روانہ ہوا۔ میں نے یہ غیبی صدا سنی۔

يا ايها الراكب المزجي عطيته نحوا لرسول لقد وفقت للرشد

ترجمہ: "اے وہ شہ سوار! جو اپنی اونٹنی کو حضور ﷺ کی طرف لے کر جا رہا ہے تمہیں ہدایت کی توفیق دی گئی ہے۔"

امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی: ''یارسول اللہ! زمانۂ جاہلیت میں میں اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا۔ وقت صبح میں نے ایک ہاتف کو سنا وہ کہہ رہا تھا:

یا ایها الراقد فی اللیل الاجم　　قد بعث الله نبیًا فی الحرم

من هاشم اهل الوفاء والکرم　　یجلو دجنات الدیاجی والظلم

ترجمہ: ''اے تاریک رات میں جاگنے والے! رب تعالیٰ نے حرم پاک میں نبی اکرم ﷺ کو مبعوث کر دیا ہے۔ وہ باوفا اور صاحبِ جود و کرم ہاشم کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ تاریکیوں اور رات کی ظلمتوں کو ختم کریں گے۔''

میں نے ارد گرد سر گھمایا۔ مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ میں نے کہا:

یا ایها الهاتف فی داجی الظلم　　اهلا و سهلا بك من طیف الم

بین هداك الله فی لحن الکلم　　ماذا الذی تدعو الیه تغتنم

ترجمہ: ''اے رات کی تاریکی میں صدا لگانے والے! تجھے میری طرف سے خوش آمدید! رب تعالیٰ تجھے ہدایت دے واضح زبان میں بتا تو مجھے جس چیز کی طرف دعوت دیتا ہے اور جس کا تو فائدہ اٹھاتا ہے۔''

اس نے گلا صاف کیا۔ اس نے کہا: ''نور کا ظہور ہو چکا ہے۔ جھوٹ باطل ہو چکا ہے۔ محمد عربی ﷺ سرور کے ساتھ مبعوث ہو چکے ہیں۔'' پھر اس نے کہا:

الحمد لله الذی لم یخلق الخلق عبث　　ارسل فینا احمد خیر نبی قد بعث

صلی الله علیه ما حج له رکب و حث

ترجمہ: ''ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے مخلوق کو بے کار پیدا نہیں کیا۔ اس نے ہم میں احمد مجتبیٰ ﷺ کو مبعوث کیا۔ وہ بہترین نبی ہیں جو مبعوث ہوئے ہیں۔ رب تعالیٰ آپ پر اس وقت تک درود و سلام بھیجے، جب تک اس کے لیے حج ہوتا رہے اور حج پر ابھارا جاتا رہے۔''

پھر صبح طلوع ہو گئی۔ میں نے اونٹ پالیا۔

ابو سعد نیشاپوری نے ''شرف'' میں حضرت جعد بن قیس سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا: ''ہم چار افراد زمانہ جاہلیت میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ ہم یمن کی وادی میں سے گزرے۔ رات ہو گئی۔ ہم نے وادی کے عظیم جن کی پناہ حاصل کی۔ اپنے اونٹوں کو باندھا۔ جب رات پرسکون ہو گئی۔ میرے ساتھی سو گئے تو وادی کی ایک طرف سے ایک ہاتف نے کہا:

الا یا ایھا الرکب المعرس بلغوا — اذا ما وقفتم بالحطیم و زمزما
محمدا المبعوث منا تحیة — تشیعة من حیث سارو یمما
و قولوا له انا لدینك شیعة — بذاك اوصانا المسیح ابن مریما

ترجمہ: "اے رات کے وقت آرام کرنے والے قافلے! جب تم حطیم اور زمزم کے پاس ٹھہرو تو ہماری طرف سے محمد عربی ﷺ کو سلام عرض کرنا وہ جہاں کہیں بھی جائیں تم ان کے ہمراہ ہو جاؤ۔ ان سے عرض کرو۔" ہم آپ کے دین کے معاون ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں اسی چیز کی وصیت کی تھی۔"

ابونعیم نے حضرت خویلد الضمری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ہم ایک بت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے اس کے پیٹ سے ایک چیخنے والے کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "چوری چھپکے سننا ختم ہو گیا اس نبی کریم ﷺ کے لیے شہاب برسائے جاتے ہیں جن کا ظہور مکہ مکرمہ سے ہوا ہے۔ ان کا نام نامی احمد ہے۔ یثرب ان کی ہجرت گاہ ہے۔ وہ نماز، روزہ، نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔" ہم نے اس بت کے پاس سے اٹھ کر آ کے لوگوں سے اس کی بابت سوال کیا تو انہوں نے کہا: "مکہ مکرمہ سے ایک نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوا ہے ان کا اسم گرامی احمد مجتبیٰ ﷺ ہے۔"

ابن جریر، الطبرانی، ابن ابی الدنیا، ابونعیم اور خرائطی نے حضرت عباس بن مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میرے اسلام کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب میرے والد کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے مجھے اس بت کے بارے وصیت کی جسے ضمار کہا جاتا تھا۔ میں نے اسے ایک گھر میں رکھ دیا۔ میں ہر روز اس کے پاس آیا کرتا تھا۔ جب حضور ﷺ کا ظہور ہوا تو میں دوپہر کے وقت میں اپنے اونٹوں میں تھا۔ اچانک میرے پاس ایک سفید شترمرغ آیا۔ وہ روئی کی طرح تھا اس پر سفید پوش انسان سوار تھا۔ اس نے مجھے کہا: "اے عباس بن مرداس! کیا تو نے دیکھا نہیں کہ آسمان کے نگران کافی ہو گئے ہیں۔ جنگ نے لوگوں کو خاکستر بنا دیا ہے۔ گھوڑوں نے اپنے سوار گرا دیے ہیں۔ وہ ذات بابرکات جو نیکی اور تقویٰ کے ساتھ تشریف لائی ہے۔ وہ سوموار کے دن اور منگل کی رات تشریف لائی ہے۔"

وہ قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہیں۔ میں مرعوب ہو کر باہر نکلا۔ جو کچھ میں نے سنا تھا اس نے مجھے ڈرا دیا تھا۔ حتیٰ کہ میں بت ضمار کے پاس آیا۔ ہم اس کی عبادت کرتے تھے۔ اس کے پیٹ سے آوازیں سنتے تھے۔ میں اس کے کمرہ میں داخل ہوا۔ اس کے ارد گرد جھاڑو دیا اسے چھوا اسے بوسہ دیا۔ میں نے رات کے وقت اس کے پیٹ سے آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا:

قل للقبائل من سلیم کلھا — ھلك الانیس وعاش اھل المسجد
اودی ضمار و کان یعبد مرۃً — قبل الکتاب الی النبی محمد
ان الذی ورث النبوۃ والھدی — بعد ابن مریم من قریش مھتدی

ترجمہ: ''ان سارے قبائل سے کہو جن کا تعلق بنو سلیم سے ہے کہ انیس ہلاک ہو گیا ہے۔ مسجد والوں نے زندگی پالی ہے۔ بلاشبہ وہ ذات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت اور ہدایت کی وارث بنی وہ قریش میں سے ہدایت یافتہ ہے۔ ضمار ہلاک ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ کتاب سے پہلے ان کی طویل عرصہ تک عبادت کی جاتی رہی۔''

میں نے یہ بات لوگوں سے چھپا لی۔ میں نے کسی کو کچھ نہ بتایا جب لوگ غزوہ الاحزاب سے واپس آئے میں ذات عرق کے پاس عقیق کے رستہ میں اپنے اونٹوں کے پاس تھا۔ میں نے بلند آواز سنی میں نے سر اٹھایا۔ ایک شخص شتر مرغ پر سوار تھا وہ کہہ رہا تھا ''وہ نور جو سوموار کے روز اور منگل کی رات کو واقع ہوا وہ عضباء والی ذاتِ کریمانہ کے پاس ہے۔ وہ بنواحی العنقاء کے گھر میں ہے۔'' اس کے شمال سے ایک ہاتف نے کہا ''جنات اور ان کے شیاطین کو بشارت ہو۔ سواریوں نے اپنے سواروں کو گرا دیا ہے۔ آسمان کے نگرانوں نے اس کی حفاظت کی ہے۔'' میں گھبرا کر اٹھا بیٹھا۔ مجھے علم ہو گیا کہ نبی محترم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرسل ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے درج ذیل اشعار آپ کی خدمت میں پیش کیے:

لعمرك انى يوم اجعل جاهلا ضمارا لرب العالمين مشاركا

ترجمہ: ''میں آپ کی حیاتِ طیبہ کی قسم میں ایک دن ضمار کو رب العالمین کا شریک بناتا تھا یہ میری جہالت تھی۔''

و تركى رسول الله والاوس حوله اولئك انصار له ما اولئكا

ترجمہ: ''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا تھا۔ جبکہ اوس آپ کے ارد گرد تھے وہ سب آپ کے انصار تھے۔''

كتاركٍ سهل الارض والحزن يتبعى ليهلك فى كل الامور المهالكا

ترجمہ: ''جس طرح کہ وہ شخص جو نرم اور سخت زمین کو چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ وہ سارے امور میں ہلاکتوں میں گر کر برباد ہو جائے۔''

فآمنت بالله الذى انا عبدهٗ و خالفت من امسى يريد المهالكا

ترجمہ: ''میں اس رب تعالیٰ پر ایمان لے آیا ہوں جس کا میں بندہ ہوں۔ میں نے اس کی مخالفت کی ہے جو میری ہلاکت کا ارادہ کرتا ہے۔''

ووجهت وجهى نحو مكة قاصدا ابايع بين الاخشبين المباركا

ترجمہ: ''میں نے مکہ مکرمہ کی طرف جانے کا عزم کر لیا ہے میں الاخشبین کے مابین مبارک ذات کی بیعت کروں گا۔''

نبی اتی من بعد عیسی بناطق — من الحق فیه الفضل فیه کذالکا

ترجمہ: "وہ ایسے نبی کریم ﷺ ہیں جو حضرت عیسیٰ کے بعد حق کے ساتھ گفتگو کرنے والی کتاب کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس میں فضل ہے۔"

امین علی الفرقان اول شافع — و اول مبعوث یجیب الملائکة

ترجمہ: "وہ فرقان پر امین ہیں سب سے پہلے شافع ہیں اور وہ سب سے اول مبعوث ہیں جو ملائکہ کو جواب دیتے ہیں۔"

تلاقی عری الایمان بعد انتفاصها — فاحکمها حتی اقام المناسکا

ترجمہ: "تم دیکھو گے کہ ایمان کی دیواریں لرزنے کے بعد گر چکی ہیں۔ میں انہیں مضبوط کروں گا۔ حتیٰ کہ میں مناسک کو قائم کروں گا۔"

ابونعیم نے راشد بن عبد ربہ سے روایت کیا ہے۔ المعلاۃ کے مقام پر ایک بت تھا۔ جسے سواع کہا جاتا تھا۔ بنوھذیل اور بنوسلیم میں سے بنوظفر اس کی پوجا کرتے تھے۔ بنوظفر نے راشد بن عبد ربہ کو بنوسلیم کا تحفہ دے کر سواع کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کہا: "میں سواع کے پاس فجر کے وقت پہنچا۔ میں نے اس کے پیٹ سے ایک چیخنے والے کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تعجب ہے۔ بنوعبدالمطلب سے ایک نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوا ہے۔ انہوں نے بدکاری، سود اور بتوں کے لیے ذبح کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ آسمان کی حفاظت کر دی گئی ہے۔ ہمیں شہاب مارے جاتے ہیں۔" پھر اس کے پیٹ سے ایک اور ہاتف کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا "ضمار کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کی پوجا ہوتی تھی۔ ایک نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوا ہے۔ جن کا اسم گرامی احمد مجتبیٰ ﷺ ہے۔ وہ ایسے نبی کریم ﷺ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائگی کا حکم دیتے ہیں۔ روزہ رکھنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔" پھر اس کے پیٹ سے ایک اور ہاتف نے کہا:

ان الذی ورث النبوة والهدی — بعد ابن مریم من قریش مهتدی

ترجمہ: "وہ ذات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت اور ہدایت کی وارث بنی۔ وہ قریش میں سے ہیں وہ ہدایت یافتہ ہیں۔"

راشد کہتے ہیں: "میں نے فجر کے وقت سواع کو دیکھا۔ دو سانپ اس کا جسم چاٹ رہے تھے۔ وہ اس کے تحائف کھا رہے تھے۔ پھر وہ سواع پر چڑھ کر پیشاب کر رہے تھے۔" اس وقت انہوں نے یہ شعر کہا:

ارب یبول الثعلبان براسه — لقد ذل من بالت علیه الثعالب

ترجمہ: "کیا وہ رب ہو سکتا ہے جس کے سر پر سانپ پیشاب کر رہے ہوں۔ جس کے سر پر سانپ پیشاب کر

دیں۔وہ رسوا ہو جاتا ہے۔"

اس وقت حضور اکرم ﷺ کا ظہور ہو گیا۔

رویانی اور ابن عساکر نے حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا:"میں اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکلا۔جب رات چھا گئی تو میں نے بآواز بلند کہا"میں اس وادی کے شریر لوگوں سے اس وادی کے سردار جن کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔"اچانک ایک ہاتف نے آواز دی۔

و یحك عذ بالله ذی الجلال   منزل والحرام والحلال

و وحد الله ولا تبالی   ما کید الجن من الاھوال

ان تذکر الله علی الامیال   و فی سھول الارض والجبال

قد صار کید الجن فی سفال   الا التقی و صالح الاعمال

ترجمہ: "تیرے لیے ہلاکت! تو اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کر۔جس نے حرام اور حلال کو نازل کیا ہے۔رب تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرلے ذرا پروانہ کر۔اب خوفناک اشیاء سے جنات کا مکر کچھ اہمیت نہیں رکھتا تو مختلف ناموں میں، ہموار زمین اور پہاڑوں پر اس کی تسبیح بیان کر۔اب جنات کا مکر و فریب ختم ہو چکا ہے سوائے متقیوں اور صالح اعمال کے سرانجام دینے والوں نے۔"

میں نے اسے کہا:

یا ایھا الھاتف ما تقول   ارشد عندك ام تضلیل

ترجمہ: "اے ہاتف! تو کیا کہتا ہے کیا تمہارے پاس ہدایت کا سامان ہے یا گمراہی ہے۔"

اس نے کہا:

ھذا رسول الله ذوالخیرات   جاء بیاسین و حامیات

و سور بعد مفصلات   یامر بالصلاۃ والزکوٰۃ

و یزجر الاقوام عن ھنات   قد کن فی الانام منکرات

ترجمہ: "یہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو ساری بھلائیوں کے مالک ہیں۔جو یاسین اور حم سورتوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔آپ کے پاس مفصلات کے بعد اور بھی کئی سورتیں ہیں۔آپ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔آپ لوگوں کو برائیوں سے روکتے ہیں۔ساری بدکاریاں اسلام میں برائیاں ہیں۔"

میں نے کہا:"تو کون ہے؟"اس نے کہا:"میں جن مالک بن مالک ہوں۔"

رؤیانی نے عمرو بن اثال سے روایت ہے۔ اس جن نے کہا: "مجھے حضور ﷺ نے نجد کے جنات پر عامل مقرر کیا ہے۔" میں نے اپنی سواری اٹھائی۔ میں نے کہا:

ارشد راشد هديت لاجعت ولا عريت
ولا برحت سيّدا مقيتًا

ترجمہ: "اے راہ نما! تجھے ہدایت عطا کر دی جائے تو میری راہ نمائی کر۔ تو نہ بھوکا رہے نہ ہی تو عریاں ہو۔ تو سردار اور غذا بخش رہے۔"

اس نے کہا: "تو میری اتباع کر۔" وہ یوں کہہ رہا تھا:

صاحبك الله و سلّم نفسك و بَلّغَ الاهل وادىّ حِلّكا
آمن به افلح ربى حقك وانصره اعزّ ربى نصركا

ترجمہ: "رب تعالیٰ تجھے صحیح و سلامت رکھے۔ وہ تمہیں اہلِ خانہ تک پہنچائے۔ وہ تمہیں تمہاری سرزمین تک پہنچا دے۔ تم آپ ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ میرا رب تمہارا حق پورا کر دے گا۔ آپ کی مدد کرو رب تعالیٰ تمہاری بھرپور مدد کرے گا۔"

میں نے کہا: "کاش! کوئی میرے اونٹوں کی حفاظت کرے۔ میں آپ کی خدمت حاضر ہو کر آپ پر ایمان لے آؤں۔" اس نے کہا: "میں ان اونٹوں کی کفالت کرتا ہوں حتیٰ کہ میں اسے تمہارے اہلِ خانہ تک پہنچاؤں گا۔" میں نے ایک اونٹ لیا۔ پھر مدینہ طیبہ حاضر ہو گیا۔ میں نے دیکھا لوگوں جمعۃ المبارک ادا کر رہے تھے۔ وہ نماز میں تھے۔ میں نے کہا: "لوگ نماز پڑھ لیں پھر میں مسجد کے اندر جاؤں گا۔" میں اپنا اونٹ بٹھا رہا تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے فرمایا: "داخل ہو جاؤ۔ تمہارے اسلام کا واقعہ ہمیں پہنچ چکا ہے۔" میں نے کہا: "میں پاکیزگی اچھی طرح حاصل نہیں کر سکتا۔" انہوں نے مجھے وضو کا طریقہ سکھایا۔ آپ فرما رہے تھے۔ "جو مسلمان بھی اچھی طرح وضو کرے۔ پھر بھرپور انداز سے نماز ادا کرے تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

جب حضور اکرم ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: "اس بزرگ نے کیا کیا جس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے اونٹوں کو تمہارے اہلِ خانہ تک صحیح و سالم پہنچا دے گا۔ اس نے اپنی امانت ادا کر دی ہے۔" میں نے کہا: "رب تعالیٰ اس پر رحم کرے گا۔" آپ نے فرمایا: "ہاں! رب تعالیٰ اس پر رحم کرے۔"

اموی، فاکہی اور ابونعیم نے حضرت ابن عباس اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور ﷺ کے امر کا ظہور ہوا۔ تو ایک جن کوہِ ابی قبیس پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا:

قبح الله رأی کعب بن فهر ما ارق العقول والاحلام

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کعب بن فہر کی رائے کو قبیح کرے۔ وہ عقل اور دانش سے کتنا عاری ہے۔"

دنینا انها تعنف فیها دین آباءها الحماة الکرام

ترجمہ: "اس کا دین یہ ہے کہ وہ اپنے دین میں اپنے معزز اور محترم آباء کے دین پر غیب لگاتا ہے۔"

حالف الجن جن بصری علیکم و رجال النخیل والآطام

ترجمہ: "اس نے تمہارے خلاف بصریٰ کے جنات، نخلستانوں اور ٹیلوں کے لوگوں سے عہد کیا ہے۔"

توشك الخیل ان تروها تهاوی تقتل القوم فی حرام بهام

ترجمہ: "قریب ہے کہ تو دیکھے کہ اسلام کا لشکر یہاں آ گیا ہے۔ اور باعظمت شہروں میں قوم کو قتل کیا جا رہا ہے۔"

هل کریم منکم له نفس حر ما جد الوالدین والاعمام

ترجمہ: "کیا تم میں ایک ایسا معزز شخص ہے جو آزاد بھی ہو جس کے والدین اور چچے باعزت ہوں گے۔"

صارب ضربة تکون نکالاً و رواحا من کربة و اغتمام

ترجمہ: "وہ ایک ایسی ضرب لگائے۔ جو عبرت کا باعث بھی ہو اور رنج و غم سے بھی نجات عطا کرے۔"

یہ خبر مکہ مکرمہ میں پھیل گئی۔ مکہ مکرمہ کے لوگ باہم یہ باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے کہا: "تم نے اس قدر سستی کا مظاہرہ کیا۔ حتیٰ کہ جنات تمہیں اکسانے لگے ہیں۔ انہوں نے اہلِ ایمان کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ ایک شیطان تھا جو لوگوں سے باتیں کر رہا تھا۔ اسے مسعر کہا جاتا ہے جس شیطان نے بھی کسی نبی کے خلاف لوگوں کو ابھارا۔ رب تعالیٰ اسے قتل کر دیتا ہے۔" تین دن گزر گئے ہاتف نے پہاڑ کی چوٹی سے یہ آواز دی۔

نحن قتلنا مسعرا لمّا طغی واستکبرا

و سفهه الهق و سن المنکر بشتمه نبینا المطهرا

قنعته سیفا جروفا ابترا انا نتودمن اراد البطرا

ترجمہ: "ہم نے مسعر کو قتل کر دیا ہے۔ جب اس نے سرکشی کی اور تکبر کیا۔ حق کو برا بھلا کہا۔ برائی کا رواج کیا اس نے حضور ﷺ کو برے الفاظ سے یاد کیا۔ میں نے شمشیر براں کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ ہم سرکشی کرنے والوں کو دھتکار دیتے ہیں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ ایک عظیم جن تھا جسے سمجح کہا جاتا تھا۔ میں نے اس کا نام عبداللہ رکھ دیا ہے۔ وہ ایمان لایا۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ وہ تین دن سے اس جن کی تلاش میں تھا۔ حتیٰ کہ اس نے اسے قتل کر دیا۔

ابن عساکر نے زمیل یا زمل بن عمرو العذری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "بنو عذرہ کا ایک بت تھا۔ جسے خمام کہا جاتا تھا۔ وہ اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اس کے خادم کا نام طارق تھا۔ لوگ اس کے پاس جانور ذبح کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ کا ظہور ہوا تو ہم نے باآواز بلند سنا" اے طارق! اے طارق! نبی صادق ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔ وہ ناطق وحی کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ سرزمین تہامہ میں ان کا ظہور ہوا ہے۔ ان کی نصرت کرنے والوں کے لیے سلامتی ہے۔ ان کے دشمنوں کے لیے ندامت ہے۔ اب میری طرف سے روزِ حشر تک کے لیے "الوداع" ہے۔

زمل نے کہا: "وہ بت منہ کے بل گر پڑا۔ میں اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے آپ کی خدمت میں یہ اشعار پیش کیے:

اليك يا رسول الله اعملت نصها　　　اكلفها نصًّا وقوزًا من الرمل

ترجمہ: "یارسول اللہ! اس اونٹنی کو تیزی کے ساتھ لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں نے اسے نرم اور سخت زمین پر چلایا ہے۔"

لا نصر خير الخلق نصرا مؤزّرًا　　　و اعقد جبلا من حبالك فى حبلى

ترجمہ: "تاکہ میں مخلوق میں سے بہترین ذات کی عمدہ مدد کروں۔ آپ کے معاہدوں میں اپنا عہد بھی شامل کرلوں۔"

و اشهد ان الله لا شئى غيره　　　ادين له ما اثقلت قدمى نعلى

ترجمہ: "میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ جب تک میرے جوتے میرے پاؤں کو بوجھل بناتے رہیں گے میں آپ کا دین ہی اختیار کروں گا۔"

ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جب رب تعالیٰ نے اپنے رسولِ محترم ﷺ کو مبعوث کیا تو ہر بت منہ کے بل گر پڑا۔ شیاطین ابلیس کے پاس آئے اور اسے بتایا۔ اس نے کہا: "ایک نبی مبعوث ہو چکے ہیں۔ تم اس کی تلاش کرو۔" انہوں نے کہا: "ہم نے انہیں نہیں پایا۔" اس نے کہا: "میں انہیں تلاش کرتا ہوں۔" ابلیس باہر نکلا۔ اس نے آپ کو پایا کہ آپ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ وہ شیاطین کی طرف لوٹ آیا۔ اس نے کہا: "میں نے آپ کو پایا آپ کے ہمراہ جبرائیل امین ہیں۔"

مجاہد سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ابلیس نے چار دفعہ چیخ ماری تھی:

1. جب ملعون ہوا۔
2. جب نیچے اتارا گیا۔
3. جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے۔
4. جب سورۃ الفاتحہ نازل ہوئی۔

پانچواں باب

بعثت کے وقت آپ کی عمر مبارک اور بعثت کی تاریخ

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ صحیح موقف یہ ہے کہ بعثت کے وقت آپ کی عمر مبارک چالیس برس تھی۔ یہ مشہور موقف ہے اور اکثر علماء کا نظریہ یہی ہے۔ امام سہیلی نے لکھا ہے "سیرت نگاروں کے نزدیک یہی موقف درست ہے۔" قاضی نے حضرت ابن عباس اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت شاذ ہے کہ بعثت کے وقت آپ کی عمر مبارک ۴۳ سال تھی۔ مگر صحیح موقف پہلا ہی ہے۔

شیخ الاسلام بلقینی نے لکھا ہے کہ مشہور قول کے مطابق جب غارِ حرا میں حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ کسی نے ایک دن زائد کسی نے دس ایام زائد کسی نے دو ماہ زائد کسی نے دو سال، کسی نے تین سال اور کسی نے پانچ سال زائد کہا ہے۔ اس روز پیر کا مبارک دن تھا۔ دن کا وقت تھا۔ کس ماہ میں آپ کی بعثت ہوئی اس میں اختلاف ہے۔ کسی نے سترہ رمضان المبارک کسی نے سات رمضان المبارک کسی نے چودہ رمضان المبارک کا قول کہا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے "رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔" یہ قول راجح ہے جیسے کہ عنقریب تذکرہ ہوگا کہ آپ ماہِ رمضان مبارک میں غارِ حرا میں خلوت نشین ہوتے تھے۔ فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس طرح آپ کی اس وقت عمر مبارک چالیس سال اور چھ ماہ بنتی ہے۔ ایک قول ہے کہ اس وقت رجب کی سترہ تاریخ تھی۔ ایک قول ہے کہ ربیع الاول کی یکم یا آٹھ تاریخ تھی۔" حضرت ابو داؤد الطیالسی سے روایت ہے کہ اس امر کا تقاضا ہے کہ حضرت جبرائیل امین رمضان المبارک کے آخری ایام میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ راجح قول یہی ہے۔"

امام احمد، اور شیخان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب آپ پر وحی کا نزول ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔"

تنبیہات

۱ علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ بعثت کے وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ یہ کمال کی عمر ہوتی

ہے۔ایک قول کے مطابق سارے انبیائے کرام علیہم السلام اسی عمر میں مبعوث ہوئے تھے۔ جہاں تک اس امر کا تذکرہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب اٹھایا گیا تو اس وقت ان کی عمر ۳۳ سال تھی۔تو اس کے بارے کوئی مشہور متصل روایت نہیں۔جس سے استدلال ہو سکے۔" حقیقت اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے ذکر کیا ہے۔

حضرت وھب بن منبہ سے روایت ہے۔انہوں نے کہا:"عیسائیوں کا یہی گمان ہے...... جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا اس وقت ان کی عمر مبارک ۳۳ سال تھی۔"

اس روایت کو امام حاکم نے نقل کیا ہے۔اس روایت میں عبدالمنعم بن ادریس ہے۔محدثین نے اس کی تکذیب کی ہے۔اس کی سند میں اسحاق بن بشر ہے۔ یہ کذاب تھا اور احادیث گھڑا کرتا تھا۔لیکن اس نے کہا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر ۳۴ سال تھی۔اس روایت ابن عساکر نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے۔اس کی سند میں علی بن زید ہے۔یہ ضعیف ہے۔جبکہ صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں کہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک ۱۲۰ سال تھی۔

۲ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ یہ روایت "ہر نبی کو چالیس سال کی عمر بعد نبوت سے سرفراز کیا گیا" موضوع ہے۔کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی اور انہیں آسمان کی طرف اٹھایا گیا تو اس وقت ان کی عمر ۳۳ سال تھی۔انبیاء کرام کے لیے چالیس سال عمر کی قید لگانا درست نہیں۔

انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک کے بارے جو کچھ کہا ہے۔اس کا رد وہ روایت کر دیتی ہے جو علامہ ابن قیم سے ابھی ابھی گزر چکی ہے۔عنقریب آپ کے وصال کے ابواب میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وصال میں حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا "حضرت جبرائیل ہر سال مجھ سے ایک دفعہ قرآن مجید کا تکرار کرتے تھے۔اس سال انہوں نے دو بار تکرار کیا ہے۔انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ ہر نبی نے اپنے سے ماقبل نبی کی عمر سے نصف عمر پائی ہے۔انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام نے ایک سو بیس سال عمر پائی۔مجھے امید ہے کہ ساٹھ سال کے لگ بھگ میرا وصال بھی ہو جائے گا۔" اس روایت سے الطبرانی نے لکھا ہے۔اس کے راوی ثقہ ہیں۔اس کی اسناد کا تذکرہ وصال کے ابواب میں آئے گا۔

سیرت نگاروں میں اسی طرح مشہور ہے جس طرح حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ آپ رمضان المبارک میں مبعوث ہوئے۔امام علاء الدین علی بن محمد الخازن نے اسی روایت کو صحیح کہا ہے۔الحافظ نے یہ اضافہ کیا ہے "آپ اسی ماہ رمضان المبارک میں غار حرا میں تشریف لائے تھے کہ فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔"

ابن قیم نے اس کے برعکس لکھا ہے۔انہوں نے لکھا ہے "ایک قول یہ ہے کہ آپ ۸ ربیع الاول ۴۱ عام الفیل کو مبعوث ہوئے۔ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ آپ رمضان المبارک کو مبعوث ہوئے۔بعض علماء نے

ان دو اقوال کو جمع کرنے کی یوں سعی کی ہے کہ خوابوں کے ساتھ آپ کو آپ کے میلاد کے مہینے میں مبعوث کیا گیا۔ ان کی مدت چھ ماہ تھی۔ پھر عالم بیداری میں آپ پر وحی کی گئی۔ اس کی مزید تشریح آٹھویں باب کی ساتویں تنبیہ میں آئے گی۔

اس روز پیر کا مبارک دن تھا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا "آپ پیر کا روزہ کیوں رکھتے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "اس روز میں جہانِ رنگ و بو میں آیا۔ اسی روز میں مبعوث ہوا۔ یا اسی روز مجھ پر وحی کا نزول ہوا۔" محمد بن عمر اسلمی نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ پر وحی کا نزول ہوا تو اس وقت رمضان المبارک کی سترہ راتیں گزر چکی تھیں۔ اس روز پیر کا دن تھا۔

امام احمد، ابن جریر، الطبرانی، امام بیہقی نے الشعب میں حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "صحف ابراہیمی رمضان المبارک کی پہلی رات کو، تورات چھ رمضان المبارک کو، انجیل تیرہ رمضان المبارک کو، زبور اٹھارہ رمضان المبارک کو اور قرآن پاک چوبیس رمضان المبارک کو نازل ہوا۔"

✿✿✿

چھٹا باب

سچے خوابوں سے آغاز اور شجر و حجر کا سلام

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ پر وحی کی ابتداء پاکیزہ خوابوں سے ہوئی۔ آپ جو خواب بھی دیکھتے اس کی تعبیر صبح کے اجالے کی مانند سامنے آجاتی۔" (البخاری)

ابونعیم نے حضرت علی بن حسین سے اور وہ اپنے آباء کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: "آپ پر سب سے پہلے سچے خوابوں کا آغاز ہوا۔ آپ جو چیز بھی خواب میں دیکھتے وہ اسی طرح ہوتی جس طرح آپ دیکھتے تھے۔"

حضرت علقمہ بن قیس سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "انبیاء کرام پر سچے خوابوں سے آغاز ہوتا تھا حتیٰ کہ ان کے دل پرسکون ہو جاتے۔ پھر ان پر وحی کا نزول ہوتا۔"

امام بیہقی نے امام زہری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ رب تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور ﷺ کو سچے خواب دکھائے۔ آپ پر یہ امر گراں گزرا تو آپ نے اس کا تذکرہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔" انہوں نے عرض کی: "آپ کو بشارت ہو۔ رب تعالیٰ آپ کے ساتھ صرف بھلائی کا ارادہ فرمائے گا۔"

ابن سعد نے حضرت برہ بنت ابی تجراہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ نے آپ کو سچی عزتوں کے ساتھ نوازنے کا ارادہ کیا۔ آپ پر نزولِ وحی کا آغاز ہونے لگا تو آپ قضائے حاجت کے لیے دور نکل جاتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کو کوئی گھر نظر نہ آتا تھا۔ آپ گھاٹیوں اور وادیوں کے دامنوں کی طرف نکل جاتے تھے۔ آپ جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو یوں سلام عرض کرتا: "السلام علیک یارسول اللہ!" آپ اپنے دائیں، بائیں اور پیچھے دیکھتے تو آپ کو کوئی نظر نہ آتا۔"

امام احمد، امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو مجھ پر بعثت سے قبل سلام بھیجا کرتا تھا۔ میں اسے اب بھی جانتا ہوں۔"

عبدالملک بن عبداللہ بن ابی سفیان العلامہ بن جاریہ الثقفی نے بعض اہلِ علم سے روایت کیا ہے کہ جب رب تعالیٰ نے آپ کو سچی عزتوں سے نوازنا چاہا اور بعثت کی ابتداء ہونے والی تھی۔ آپ قضائے حاجت کے لیے دور تشریف لے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ گھر آپ کو نظر نہ آتے تھے۔ آپ مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں اور وادیوں کے دامنوں میں چلے جاتے تھے۔ آپ

جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے تھے۔ وہ آپ کو یوں سلام عرض کرتا "السلام علیک یا رسول اللہ! آپ اپنے دائیں، بائیں اور پیچھے دیکھتے تو آپ کو پتھر یا درخت نظر آتے۔ یہ سلام صفت نبوت کے ساتھ سلام تھا۔ السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم"

ابن سعد نے حضرت ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "خدیجہ! میں نور دیکھتا ہوں۔ میں آواز سنتا ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ میں کہیں کاہن نہ بن جاؤں۔" انہوں نے عرض کی: "رب تعالیٰ آپ سے اس طرح نہیں کرے گا۔ آپ سچ بولتے ہیں۔ امانت ادا کرتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔"

ابن جوزی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لکھی ہے کہ حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں پندرہ سال قیام فرما رہے۔ سات سال آپ نور اور اجالا دیکھتے تھے۔ آواز سنتے تھے۔ آٹھ سال تک آپ پر وحی کا نزول ہوتا رہا۔"

علامہ الخازن نے لکھا ہے "اگر یہ قول درست ہے تو اسے نبوت سے دو سال قبل پر محمول کیا جائے گا۔ جن میں حضور ﷺ نبوت کی بشارات دیکھا کرتے تھے۔ اسے نبوت کے بعد کے ان تین سالوں پر بھی محمول کیا جائے گا۔ جو اعلانیہ دعوت سے قبل تھے اور دس سال آپ نے مکہ مکرمہ میں اعلانیہ دعوتِ اسلام دی۔

تنبیہات

1. امام سہیلی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ یہ پتھر جو بعثت سے قبل آپ کو سلام پیش کرتا تھا۔ وہ حجر اسود تھا۔" اظہر مؤقف یہی ہے کہ یہ سلام حقیقت میں تھا۔ رب تعالیٰ نے شجر و حجر کو بولنے کی توفیق عطا فرما دی تھی۔ جس طرح اس نے رونے والے تنے میں قوت گویائی پیدا فرما دی تھی۔ اس کی مزید تفصیل معجزات میں بیان کی جائے گی۔

2. قاضی علیہ الرحمۃ وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ حضور ﷺ کے معاملہ کا آغاز سچے خوابوں سے اس لیے ہوا تا کہ فرشتہ اچانک آپ کے پاس نہ آ جائے۔ وہ نبوت کی صراحت کے ساتھ اچانک نہ آ جائے کہ قویٰ بشریہ اسے برداشت نہ کر سکیں۔ پہلے نبوت کے خصال کے اوائل، کرامت کی بشارات اور سچے خوابوں سے آغاز ہوا۔ حدیث پاک میں نور "دیکھنے" آواز سننے اور آپ پر شجر و حجر کے سلام کا تذکرہ ہے۔ وہ آپ کو نبوت کا سلام پیش کرتے تھے۔ تا کہ آپ کو اس عظیم امر کا احساس ہو سکے جس کا آپ کے ساتھ ارادہ کیا گیا تھا۔ اس امر کے لیے تیار ہو جائیں جو آپ کا منتظر تھا اور فرشتہ اسی امر کے ساتھ آئے جس کے ابتدائی امور آپ کے پاس ہوں۔"

❁❁❁

ساتواں باب

حضرت جبرائیل امین کے آنے سے قبل حضرت اسرافیل رضی اللہ عنہما آپ کے ہمراہ رہے

امام احمد نے اپنی تاریخ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عامر شعبی سے روایت کیا ہے کہ جب آپ پر وحی کا نزول ہوا اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ آپ کے ہمراہ حضرت اسرافیل تین سال رہے۔ وہ آپ کو کلمہ اور دیگر امور سکھاتے تھے۔ قرآن پاک آپ کی زبان اقدس میں ابھی تک نہیں اترا تھا۔ جب تین سال گزر گئے تو حضرت جبرائیل امین آ گئے۔ وہ بیس سال تک آپ کی زبان اقدس میں قرآن پاک کا نزول کرتے رہے۔ دس سال تک مکہ مکرمہ میں دس سال تک مدینہ طیبہ میں ۶۳ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اس تفصیل کا تقاضا ہے کہ چالیس سال عمر مبارک کے بعد تین سال تک حضرت اسرافیل آپ کے ہمراہ رہے پھر حضرت جبرائیل امین آ گئے۔"

علامہ ابوشامۃ نے لکھا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت (جو اگلے باب میں آ رہی ہے) اس امر کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ جائز ہے کہ اگر آپ کے معاملہ کا آغاز سچی خوابوں سے ہوا ہو۔ پھر اس مدت میں حضرت اسرافیل آپ کے ساتھ مل گئے ہوں جو آپ نے غارِ حرا میں بسر کی تھی۔ وہ سرعت کے ساتھ آپ کی طرف کلمہ پھینکتے ہوں۔ حتیٰ کہ حضرت جبرائیل امین آپ کے ہمراہ ہو گئے۔ انہوں نے آپ کو تین دفعہ بھینچنے کے بعد سورۃ الاقراء کی ابتدائی آیات سکھا دیں۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے وہی کچھ بیان کیا ہو جو حضرت جبرائیل امین کے ہمراہ ہوتے ہوئے آپ کے ساتھ پیش آیا ہو اور ان امور کو بیان نہ کیا ہو جو حضرت اسرافیل کے ہمراہ ہوتے ہوئے پیش آئے ہوں۔ ان کا مقصد روایت کو مختصر کرنا ہو۔ یا یہ کہ وہ حضرت اسرافیل کے واقعہ سے آگاہ ہی نہ ہوں۔"

بعض علماء کرام نے حضرت اسرافیل کے ہمراہ ہو جانے میں یہ حکمت بیان کی ہے کہ وہ صور پھونکنے پر موکل ہیں حضور ﷺ کو قرب قیامت کے ساتھ مبعوث کیا گیا۔ آپ کی بعثت قیامت کی علامات میں سے تھی۔ حضرت اسرافیل کو اسی مناسبت کی وجہ سے آپ کے ہمراہ بھیجا گیا۔ آپ سے قبل کسی اور نبی کے ساتھ نہیں بھیجا گیا تھا۔

امام واقدی نے امام شعبی کی اس خبر کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ حضرت جبرائیل امین کے علاوہ کسی اور فرشتے کو نہیں لگایا گیا۔"

الحافظ نے لکھا ہے "اس میں جو کچھ ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ نافی اپنی نفی کی دلیل

پیش کر دے۔ تو اسے مقدم کیا جائے گا۔"

الشیخ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے "ایسی روایت بھی ہے جس سے امام شعبی کی یہ روایت کمزور ہو جاتی ہے۔ اس روایت کو امام مسلم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسی اثناء میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ کی خدمت میں حضرت جبرائیل امین حاضر تھے۔ انہوں نے اوپر سے ایک آواز سنی۔ نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی۔ انہوں نے عرض کی: "محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ وہ فرشتہ ہے جو ابھی زمین پر آیا ہے۔ اس سے قبل یہ زمین پر کبھی نہیں آیا۔" وہ آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے عرض کی: "آپ کو دو نوروں کی بشارت ہو۔ جو آپ کو عطا کیے گئے ہیں۔ آپ سے قبل کسی نبی کو یہ نور عطا نہیں کیے گئے۔ وہ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات ہیں جو شخص بھی ان کا حرف پڑھے گا۔ اسے عطا کر دیا جائے گا۔" علماء کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ یہ فرشتہ حضرت اسرافیل علیہ السلام تھے۔"

امام الطبرانی اور امام بیہقی نے الزھد میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت جبرائیل امین کوہِ صفا پر تشریف فرما تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے جبرائیل! مجھے اس ذات کی قسم! جس نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ آج شام کے لیے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھوڑا سا آٹا یا مٹی بھر جو بھی نہیں ہیں۔" اس کے ساتھ ہی آپ نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی۔ جس سے آپ خوفزدہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: کیا رب تعالیٰ نے قیام کا حکم دیا ہے۔" انہوں نے عرض کیا: "نہیں۔ بلکہ رب تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو حکم دیا ہے۔ وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کا کلام سن لیا ہے۔" حضرت اسرافیل آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: "رب تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں دے کر بھیجا ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ پر پیش کروں کہ تہامہ کے پہاڑ سونے، چاندی، زمرد اور یاقوت کے پہاڑ بن کر آپ کے ہمراہ ہیں۔" میں نے عرض کی: "آپ چاہیں تو بادشاہ نبی بن جائیں یا عبد نبی بن جائیں۔" حضرت جبرائیل امین نے آپ کو عاجزی کا اشارہ کیا آپ نے تین دفعہ فرمایا "میں عبد نبی بننا چاہتا ہوں۔"

ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا ایک فرشتہ اترا۔ حضرت جبرائیل امین نے آپ سے عرض کی: "یہ وہ فرشتہ ہے جو جب سے تخلیق ہوا ہے زمین پر نہیں آیا....."

اس تفصیل سے عیاں ہوتا ہے کہ امام واقدی کا موقف معتمد علیہ ہے۔"

❁❁❁

آٹھواں باب

نزولِ وحی کی ابتدا

نزولِ وحی کے بارے روایت کو امام بیہقی نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے۔ شیخان نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے۔ ابن اسحاق اور ابن جوزی نے عبید بن عمیر اللیثی سے، موسیٰ بن عتبہ نے حضرت سعید بن مسیب سے، ابونعیم اور ابن عساکر نے سلیمان بن طرخان التیمی سے، امام بیہقی اور ابونعیم نے عمرو بن شرجیل سے، ابونعیم اور امام بیہقی نے ابن شہاب سے اور دولابی نے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے نقل کیا ہے۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ جو خواب بھی دیکھتے اس کی تعبیر صبح کے اجالے کی مانند سامنے آجاتی۔ آپ مکہ مکرمہ میں تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک آنے والا آپ کے پاس آیا۔ اس کے ہمراہ اس کے دو ساتھی بھی تھے۔ انہوں نے آپ کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا: "یہ وہی ہیں۔" اس کے بعد وہ آپ کے قریب نہ ہوئے۔ آپ نے اس بات کا تذکرہ اپنے چچا سے کیا۔ انہوں نے کہا: "اے میرے بھتیجے! یہ کچھ بھی نہیں آپ کو ویسے ہی خواب آیا ہے۔" پھر آپ کو خواب دکھائی دیا تو آپ نے فرمایا: "چچا جان! مجھ پر وہ شخص غالب آگیا جس کا تذکرہ میں نے آپ سے کیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ میرے پیٹ میں داخل کیا۔ حتیٰ کہ میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی۔" آپ کے چچا جان آپ کو اہلِ کتاب کے ایک شخص کے پاس لے گئے۔ جو مکہ مکرمہ میں علاج کرتا تھا۔ انہوں نے آپ کا واقعہ اس سے بیان کیا اور اسے کہا "ان کا علاج کرو۔" اس نے ساری صورت حال کا جائزہ لیا۔ آپ کے قدمین شریفین دیکھے۔ مبارک کندھوں کی زیارت کی۔ اس نے کہا "اے عبدمناف! تمہارا یہ بھتیجا پاک وصاف ہے۔ اس میں بھلائی کی علامات پائی جاتی ہیں اگر یہودیوں نے ان پر غلبہ پالیا تو وہ انہیں شہید کر دیں گے۔ یہ کسی شیطانی عمل سے نہیں۔ لیکن یہ ان نوامیس میں سے ہے جو دلوں کو نبوت کے لیے دیکھتے ہیں۔" وہ آپ کو واپس لے آئے۔

پھر آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھت کی ایک لکڑی نکل گئی ہے۔ اس میں سے چاندی کی سیڑھی داخل کی گئی ہے۔

اس سے دو شخص نیچے اترے ہیں۔ آپ نے مدد طلب کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر آپ کو کلام کرنے سے روک دیا گیا۔ ایک آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ دوسرا آپ کے پہلو کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے آپ کے پہلو میں ہاتھ داخل کیا۔ اسے

اندر لے گیا۔ مبارک پسلیاں نکالیں۔ حضور ﷺ نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی۔ اس نے آپ کے قلبِ انور کو باہر نکالا۔ اسے اپنے ہاتھ پر رکھا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا "یہ کتنا پاکیزہ دل ہے۔ یہ پاکباز ہستی کا قلب انور ہے۔ انہوں نے آپ کے قلب انور کو پاک کیا۔ اسے دھویا پھر اسے اس کی جگہ پر لگا دیا۔ پسلیوں کو ان کی جگہ پر لگا دیا۔ پھر وہ اوپر چلے گئے اور وہ سیڑھی اٹھالی گئی۔ چھت بھی پہلے کی طرح ہوگئی۔" آپ نے اس خواب کا تذکرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کیا تو انہوں نے عرض کی: "آپ کو بشارت ہو۔ رب تعالیٰ نے آپ کے ساتھ صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ یہ بھلائی ہے آپ کو بشارت ہو۔"

عبید بن عمیر کی روایت میں ہے کہ آپ نے خواب میں حضرت جبرائیل امین کو بھی دیکھا۔ ان کے ہمراہ دیباج کا ٹکڑا تھا جس میں کتاب تھی۔ انہوں نے آپ سے کہا: "پڑھیں۔" آپ نے فرمایا: "کیا پڑھوں؟" انہوں نے آپ کو اتنی طاقت سے بھینچا کہ آپ نے سمجھا شاید وصال کا وقت ہوگیا ہے۔ انہوں نے آپ کو چھوڑا۔ عرض کی پڑھیں۔" آپ نے فرمایا: "کیا پڑھوں؟" انہوں نے آپ کو اتنی قوت سے بھینچا کہ آپ نے سمجھا کہ شاید وصال کا وقت آگیا ہے۔ پھر آپ کو چھوڑ دیا۔ پھر عرض کی "پڑھیں۔" آپ نے فرمایا "کیا پڑھوں؟" آپ نے یوں صرف اس لیے فرمایا تھا تاکہ وہ اسی طرح کریں جس طرح پہلے کیا تھا۔ انہوں نے کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ (العلق: ۱ تا ۵)

ترجمہ: "آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھیئے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اس نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

حضور ﷺ نے یہ آیات پڑھیں۔ حضرت جبرائیل امین چلے گئے جب حضور ﷺ اپنی نیند مبارک سے بیدار ہو گئے تو آپ نے فرمایا: "گویا کہ میرے دل پر کتاب لکھی جاچکی تھی۔" آپ نے اس خواب کا تذکرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے کیا۔ انہوں نے کہا: "آپ کو بشارت ہو۔ رب تعالیٰ نے آپ کے ساتھ صرف بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔"

پھر خلوت نشینی کو آپ کے نزدیک پسندیدہ بنا دیا گیا۔ آپ رمضان المبارک میں غارِ حرا میں خلوت نشین ہوتے تھے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے اہلِ خانہ بھی ہوتے تھے۔ آپ کئی راتوں تک وہیں عبادت کرتے تھے۔ پھر آپ اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹ آتے۔ زادِ راہ لیتے۔ یہ کھانا اس مسکین کو کھلاتے جو آپ کے پاس آتا۔ جب آپ واپس آتے تو سب سے پہلے بیت اللہ کا طواف کرتے۔ اس کے ارد گرد سات یا جتنے رب تعالیٰ چاہتا چکر لگاتے۔ پھر اپنے اہلِ خانہ کے پاس لوٹ

جاتے اور زادِ راہ لے لیتے۔ آپ نے ایک دن حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "جب میں نے اپنی خلوت کو ختم کیا اور نیچے آیا تو مجھے آواز دی گئی۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے سر اٹھایا تو مجھے آسمان اور زمین کے مابین کچھ نظر آیا۔ میں نے کہا: "مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔"

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "آپ کے معاملہ کی ابتدا خوابوں سے ہوئی۔ آپ نے سب سے پہلے حضرت جبرائیل کو اجیاد کے مقام پر دیکھا۔ انہوں نے باآوازِ بلند کہا: "اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! میں جبرائیل ہوں۔" آپ بھاگ کر لوگوں میں آگئے۔ کچھ نہ دیکھا۔ پھر آپ تنہا ہوئے تو انہوں نے آپ کو صدا دی۔ آپ بھاگ آئے۔ پھر حضرت جبرائیل غارِ حرا کی طرف سے ظاہر ہوئے۔"

ایک اور روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں جب خلوت گزیں ہوتا ہوں تو میں اجالا دیکھتا ہوں۔ میں یہ ندا سنتا ہوں۔ "اے محمد عربی! میں جبرائیل ہوں۔ بخدا! مجھے اندیشہ ہے کہ یہ معاملہ نہ ہو جائے۔" حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: "خدا کی پناہ! رب تعالیٰ آپ کے ساتھ اس طرح نہیں کرے گا۔ آپ امانت ادا کرتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔" جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت خدیجہ نے ان کو آپ کا واقعہ بتایا۔ انہوں نے کہا: "آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے پاس جائیں وہ ایسا شخص ہے جس نے کتابیں پڑھیں ہیں۔ انہیں بتائیں کہ آپ کیا سنتے ہیں۔" یہ دونوں ہستیاں ورقہ کے پاس گئیں۔ آپ نے فرمایا: "جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو میں اپنے پیچھے سے صدا سنتا ہوں۔ "اے محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! میں جبرائیل ہوں۔" میں بھاگ کر آجاتا ہوں۔" ورقہ نے کہا: "سبوح! سبوح! اس زمین میں حضرت جبرائیل کا نام کیوں لیا جاتا ہے۔ جس میں بتوں کی پوجا ہوتی ہے۔ جبرائیل تو رب تعالیٰ اور اس کے انبیائے کرام کے مابین امین ہیں۔ وہ ان کے پاس اس کی وحی لے کر آتے ہیں۔ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ اس طرح نہ کریں۔ آپ ٹھہر جائیں حتیٰ کہ آپ سن لیں کہ وہ کیا کہتے ہیں پھر میرے پاس آکر مجھے بتائیں۔"

ایک رات آپ نکلے آپ نے سنا "کسی نے کہا" السلام علیکم! آپ نے کہا کہ آپ نے گمان کیا کہ شاید وہ جن ہو۔ آپ جلدی سے آئے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس آگئے۔ انہوں نے عرض کی: "کیا ہوا ہے؟" آپ نے سارا واقعہ انہیں سنایا۔ انہوں نے عرض کی: "آپ کو بشارت ہو سلام بھلائی ہی ہے۔" ایک بار آپ غارِ حرا کی طرف تشریف لے گئے۔

آپ نے فرمایا: "میں باہر نکلا۔ جب میں پہاڑ کے وسط تک پہنچا میں نے آسمان کی طرف سے ایک صدا سنی کوئی کہہ رہا تھا۔ "اے محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! آپ رب تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں جبرائیل ہوں۔" میں نے سر اٹھایا۔ میں نے حضرت جبرائیل کو ایک شخص کی شکل میں دیکھا۔ وہ آسمان کے افق پر کھڑے تھے۔ میں انکی طرف دیکھنے لگا۔

میں نہ آگے ہوا نہ پیچھے ہٹا میں آسمان کے آفاق سے ان سے نظریں ہٹانے لگا۔ میں جس کونے میں دیکھتا وہ مجھے نظر آتے۔ میں اسی طرح کھڑا تھا۔ میں نہ آگے بڑھ رہا تھا۔ نہ ہی پیچھے ہٹ رہا تھا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے میری تلاش میں اپنے آدمی بھیج دیے تھے۔ وہ مکہ مکرمہ گئے ان کے پاس آئے۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ پھر میں اپنے اہلِ خانہ کے پاس آیا۔ میں حضرت خدیجہ کے پاس آیا۔ ان کے پاس بیٹھ گیا۔ انہوں نے عرض کی: ''ابوالقاسم! آپ کہاں تھے؟ بخدا! میں نے آپ کی تلاش میں آدمی بھی بھیج دیے تھے۔ میں نے انہیں سارا واقعہ سنایا۔ انہوں نے کہا: ''میرے چچازاد! آپ کو بشارت ہو۔ آپ ثابت قدم رہیں۔ مجھے اس ذاتِ والا کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہیں۔'' وہ اٹھیں، اپنے کپڑے جمع کیے۔ ورقہ کے پاس گئیں انہیں سارا واقعہ سنایا جو میں نے انہیں سنایا تھا۔ ورقہ نے کہا: قدوس! قدوس! مجھے اس کی ذات کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ اے خدیجہ! اگر آپ سچ بول رہی ہیں، تو ان کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آیا کرتا تھا۔ وہ اس امت کے نبی ہیں۔ انہیں عرض کریں کہ وہ ثابت قدم رہیں۔''

حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آگئیں۔ ورقہ کی بات آپ کو عرض کی۔ جب آپ کی خلوت کی مدت ختم ہوگئی۔ آپ واپس آئے، حسبِ معمول خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ وہاں ورقہ مل گئے۔ انہوں نے کہا: ''میرے بھتیجے! جو کچھ آپ نے دیکھا ہے یا سنا ہے مجھے اس کے بارے بتائیں۔'' آپ نے انہیں بتایا۔ ورقہ نے آپ سے عرض کی: ''مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے آپ اس امت کے نبی ہیں آپ کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آیا تھا۔ آپ کی تکذیب کی جائے گی۔ آپ کے ساتھ جنگ کی جائے گی۔ آپ کو ضرور اذیت دی جائے گی۔ اگر میں نے وہ وقت پالیا تو میں رب تعالیٰ کے دین کی ایسی نصرت کروں گا جسے وہ جان لے گا۔'' پھر انہوں نے آپ کا سر اقدس قریب کیا اور درمیان سے بوسہ لیا۔

حضرت خدیجہ نے آپ سے عرض کی: ''اے میرے چچازاد! کیا آپ مجھے اپنے اس ساتھی کے متعلق بتا سکتے ہیں جب وہ آپ کے پاس آئے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! انہوں نے عرض کی: ''جب وہ آئے تو مجھے بتا دینا۔'' حضرت جبرائیل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: ''اے خدیجہ! یہ جبرائیل ہیں۔ یہ میرے پاس آگئے ہیں۔'' انہوں نے عرض کی: اے میرے چچازاد! اٹھیں اور میری بائیں ران پر تشریف لے آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بائیں ران پر جلوہ افروز ہوگئے۔ انہوں نے عرض کی: ''کیا اب آپ حضرت جبرائیل کو دیکھ رہے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' انہوں نے عرض کی: ''اب آپ میری دائیں ران پر تشریف لے آئیں۔'' آپ ان کی دائیں ران پر تشریف فرما ہوگئے۔ انہوں نے عرض کی: ''کیا اب بھی آپ انہیں دیکھ رہے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' انہوں نے اپنا دوپٹہ اتار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آغوش

میں جلوہ افروز تھے۔ انہوں نے عرض کی: "کیا اب بھی حضرت جبرائیل امین آپ کو نظر آرہے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "نہیں۔" انہوں نے عرض کی: "اے میرے چچازاد! آپ کو بشارت ہو۔ آپ ثابت قدم رہیں۔ بخدا! یہ فرشتہ ہے، شیطان نہیں ہے۔"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: حضرت جبرائیل علیہ السلام ہفتہ اور اتوار کی راتوں کو آپ کے سامنے آتے رہے۔ سوموار کی رات کو رسالت کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ غار حرا میں آپ کے پاس حق آ گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ کے پاس حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تشریف لائے۔ حضرت جبرائیل امین نیچے اتر آئے حضرت میکائیل آسمان اور زمین کے مابین رہے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا "کیا وہ وہی ہیں؟" انہوں نے کہا: "ہاں!" انہوں نے کہا "ایک شخص کے ساتھ ان کا وزن کرو۔" انہوں نے آپ کا وزن ایک شخص کے ساتھ کیا۔ آپ کا وزن اس سے بڑھ گیا۔ انہوں نے کہا: "اب ان کا وزن دس افراد سے کرو۔" انہوں نے دس افراد کے ساتھ آپ کا وزن کیا تو آپ کا وزن بڑھ گیا۔ انہوں نے کہا: "اب ان کا وزن ایک سو افراد سے کرو۔" انہوں نے آپ کا وزن کیا تو آپ کا وزن زیادہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا: "اب ان کا وزن ایک ہزار افراد سے کرو۔" انہوں نے آپ کا وزن ایک ہزار افراد سے کیا تو آپ کا وزن بڑھ گیا۔ لوگ میزان پر سے آپ پر گرنے لگے۔ حضرت میکائیل نے کہا: "بخدا! آپ کی امت آپ کی اتباع کرے گی۔" پھر آپ کو ایک قالین پر بٹھایا گیا جس پر موتی اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "ان کا بطن اقدس چاک کر دو۔" اس نے بطن اطہر چاک کیا۔ اس سے شیطان کا حصہ اور خون کا لوتھڑا نکالا۔ اسے پھینک دیا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "ان کے قلب انور کو برتن کی طرح دھو دو" اس نے آپ کے قلب انور کو اچھی طرح دھو دیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا "ان کے بطن اقدس کو سی دو۔" اس نے آپ کا پیٹ مبارک سی دیا۔ انہوں نے آپ کو بٹھایا۔ حضرت جبرائیل امین نے آپ کو رسالت کی بشارت دی۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو گئے۔ حضرت جبرائیل امین نے آپ سے عرض کی: "آپ پڑھیں۔" آپ نے فرمایا: "میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔" انہوں نے آپ کو زور سے بھینچا۔ پھر آپ کو چھوڑ دیا۔ پھر عرض کی: "آپ پڑھیں۔" میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔

انہوں نے آپ کو زور سے بھینچا۔ پھر عرض کی: "آپ پڑھیں۔" آپ نے فرمایا: "میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔"

انہوں نے آپ کو زور سے بھینچا۔ پھر چھوڑا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤ (العلق: 1 تا 5)

ترجمہ: ''آپ پڑھیئے! اپنے رب کے نام سے جس نے (سب کو) پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اس نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

اس سورۃ کا یہی حصہ ابتداء میں نازل ہوا۔ جبکہ بقیہ سورت بعد میں نازل ہوئی۔ حضور ﷺ اپنے اہلِ خانہ کے پاس واپس تشریف لے آئے۔ آپ کے اعضاء مبارکہ یا قلب انور پر لرزہ طاری تھا آپ جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو یوں سلام عرض کرتا: "السلام علیك یا رسول الله!"

آپ اپنے گھر تشریف لائے آپ کو اپنی عظیم کامیابی کا یقین تھا۔ آپ حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لائے۔ فرمایا: ''مجھے کپڑا اوڑھ دو۔ مجھے کپڑا اوڑھ دو۔'' انہوں نے کپڑا اوڑھ دیا۔ جب آپ کی گھبراہٹ دور ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے کہ جس واقعہ کے بارے میں نے تمہیں بتایا ہے وہ میں نے خواب میں دیکھا ہے وہ حضرت جبرائیل تھے۔ جو میرے لیے عیاں ہوئے تھے۔ میرے رب تعالیٰ نے انہیں میری طرف بھیجا تھا۔'' آپ نے سارا واقعہ حضرت خدیجہ کو سنایا۔ فرمایا: ''مجھے اپنے بارے خدشہ ہے۔'' حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''ہرگز نہیں! آپ کو بشارت ہو۔ رب تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ امانت ادا کرتے ہیں۔ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ غریبوں کو عطا کرتے ہیں۔ حق کے معاملات میں مدد کرتے ہیں۔ آپ رب کی طرف سے آنے والے پیغام کو قبول فرمائیں۔ یہ حق ہے۔ آپ کو بشارت ہو۔ آپ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔''

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عتبہ بن ربیعہ کے غلام عداس کے پاس تشریف لے گئیں۔ یہ نصرانی تھا۔ اس کا تعلق اہلِ نینویٰ سے تھا۔ انہوں نے فرمایا: ''عداس! میں تمہیں رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ مجھے بتاؤ کہ کیا تمہیں جبرائیل کے متعلق علم ہے؟'' اس نے کہا: ''قدوس! قدوس! اس زمین پر جبرائیل کو کیوں یاد کیا جاتا ہے جہاں بتوں کی پوجا ہوتی ہے۔'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا: ''مجھے ان کے متعلق بتاؤ۔'' عداس: ''وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیائے کرام کے مابین امین ہیں۔ وہی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر وحی لے کر آتے تھے۔'' حضرت خدیجہ واپس آگئیں اور حضور ﷺ کو لے کر ورقہ کے پاس گئیں۔ یہ حضرت خدیجہ کا چچازاد تھا۔ اس نے زمانہ جاہلیت میں نصرانیت اختیار کر رکھی تھی۔ یہ عربی میں کتابیں لکھتا تھا اور انجیل بھی لکھا کرتا تھا۔ یہ عمر رسیدہ تھا۔ اس کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ حضرت خدیجہ نے اسے کہا: ''اے میرے چچازاد! اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔'' ورقہ نے آپ سے کہا: ''میرے بھتیجے! آپ کیا دیکھتے ہیں؟'' حضور ﷺ نے جو کچھ دیکھا اسے سب کچھ بتا دیا۔ ورقہ نے کہا: ''آپ کو بشارت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ آپ نبی مرسل ہیں۔ آپ کو جہاد کا حکم دیا جائے گا۔

اگر میں نے وہ وقت پالیا تو میں آپ کے ہمراہ جہاد کروں گا۔ کاش میں اس وقت طاقتور ہوتا۔ کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "کیا میری قوم مجھے نکال دے گی۔" ورقہ نے کہا: "ہاں! جو ہستی بھی آپ جیسا پیغام حیاتِ آفریں لے کر آیا اس کی عداوت کی گئی۔ اگر میں نے وہ دن پالیا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔" پھر اس نے آپ کا سراقدس قریب کیا اور اسے چوم لینے کی سعادت حاصل کی۔ پھر زمانہ فترت میں ورقہ کا انتقال ہوگیا۔ اس نے کچھ اشعار کہے جن میں سے بعض یہ ہیں:

یا للرجال و صرف الدھر والقدر — وما لشئ قضاہ اللہ من غیر

ترجمہ: "اے لوگو! زمانہ کی گردش اور تقدیر کے انقلاب پر تعجب کرو۔ اور رب تعالیٰ کے فیصلوں میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔"

حتی خدیجہ تدعونی لما خبرھا — امرًا اراہ سیاتی الناس من اخر

ترجمہ: "حتیٰ کہ حضرت خدیجہ نے مجھے بلایا تاکہ میں انہیں اس معاملہ کے بارے بتاؤں جو عنقریب لوگوں کے پاس آئے گا۔"

و خبرتنی بامر قد سمعت بہ — فیما مضی من قدیم الدھر والعصر

ترجمہ: "انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی جسے میں نے گذشتہ زمانوں اور اوقات سے سن رکھا تھا۔"

بان احمد یاتیہ و یخبرہ — جبریل انک مبعوث الی البشر

ترجمہ: "کہ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل آتے ہیں اور انہیں بتاتے ہیں کہ آپ کو نوع انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔"

فقلت علّ الذی ترجین ینجزہ — لکِ الا لہ فرجّی الخیر وانتظر لی

ترجمہ: "میں نے کہا" رب تعالیٰ تمہاری امید پوری کرے گا۔ تم بھلائی کی امید رکھو اور انتظار کرو۔"

و ارسلیہ الینا کی نسئلہ — عن امرہٖ ما یری فی النوم والسھر

ترجمہ: "تم آپ کو ہمارے پاس بھیج دو تاکہ ہم آپ کے معاملہ کے بارے آپ سے سوال کر سکیں کہ آپ نیند اور بیداری میں کیا دیکھتے ہیں۔"

فقال حین اتانا منطقا عجبا — یقف منہ اعالی الجلد والشعر

ترجمہ: "جب آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے وہ بات بتائی جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔"

انی رائیت امین الله واجهنی فی صورة أکملت من اعظم الصور

ترجمہ: "انہوں نے فرمایا: "میں نے رب تعالیٰ کے امین کو دیکھا ہے۔ وہ ایسی صورت میں میرے پاس آئے جو عظیم صورتوں سے مکمل ترین صورت تھی۔"

ثم استمر فکاد الخوف یذعرنی مما یسلم من حولی من الشجر

ترجمہ: "پھر حضرت جبرائیل چلے گئے۔ جو درخت مجھے اردگرد سے سلام عرض کرتے تھے مجھے ان کی وجہ سے خوف لگا۔"

فقلت ظنی وما ادری ایصدقنی ان سوف تبعث نتلو منزل السور

ترجمہ: "میں نے کہا "میرا گمان ہے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ میری تصدیق کریں کہ عنقریب آپ کو مبعوث کیا جائے گا آپ عنقریب نازل ہونے والی سورتوں کی تلاوت کریں گے۔"

و سوف انبیكِ ان اعلنت دعوتهم من الجهاد بلا من ولا كدر

ترجمہ: "اگر آپ نے کفار کو اعلانیہ دعوت دی تو میں کسی احسان اور منت کے بغیر ہی آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔"

فان یك حقا یا خدیجة فاعلمی حدیثك ایانا فاحمد مرسل

ترجمہ: "اے خدیجہ! اگر آپ سچی ہیں تو پھر اپنی اس بات کے متعلق جان لو کہ حضور ﷺ کو ہماری طرف مبعوث کیا گیا ہے۔"

و جبریل یاتیه و میکال معما من الله وحی یشرح الصدر منزل

ترجمہ: "آپ کے پاس حضرت جبرائیل آتے ہیں حضرت میکائیل بھی آپ کے ہمراہ ہوتے ہیں وہ ایسی وحی لے کر آئے ہیں جس سے سینہ کھل جاتا ہے۔"

یفوز به من فاز فیها بتوبة و یشقی به الغالی القوی المضلل

ترجمہ: "جو توبہ کے ساتھ اس سے کامیاب ہوگا وہ کامران ہو جائے گا۔ لیکن سرکش، طاقتور اور گمراہ بدبخت رہے گا۔"

فریقان منهم فرقة فی جنانه و اخری باحواز الجحیم تعلّل

ترجمہ: "ان کے دو گروہ بن جائیں گے ایک گروہ جنت میں جائے گا۔ دوسرے کو جہنم کی گہرائیوں میں پھینکا جائے گا۔"

فسبحان من تهوی الریاح بامره و من هو فی الایام ما شاء یفعل

ترجمہ: "وہ ذات پاک ہے جس کے حکم سے ہوائیں چلتی ہیں جو ایام میں جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔"

و من عرشه فوق السمٰوٰت کلها　　و اقضاء ہ فی خلقهٖ لا تبدل

ترجمہ: "جس کا عرش سارے آسمانوں سے اوپر ہے۔ مخلوق میں جس کے فیصلوں کو بدلا نہیں جا سکتا۔"

تنبیہات

1. بخاری شریف میں "الرؤیا الصادقۃ" جبکہ دوسری کتب میں "الصالحۃ" مروی ہے۔ یہ الفاظ انبیاء کے حق میں امور آخرت کے اعتبار سے ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ البتہ دنیاوی امور کے اعتبار سے صالحہ اصل میں اخص ہے۔ ایک نبی کے سارے خواب سچے ہوتے ہیں۔ اکثر صالحہ ہوتے ہیں۔ دنیا کے اعتبار سے کبھی غیر صالحہ بھی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ غزوۂ احد کے روز نظر آنے والا خواب۔ لیکن انبیائے کرام کے علاوہ دیگر لوگوں کے خواب میں عموم وخصوص کی نسبت پائی جاتی ہے۔ اگر ہم الصادقہ کی یہ تفسیر کریں جو تعبیر کی محتاج نہ ہوں اور اگر ہم یہ تفسیر کریں کہ وہ پریشان کن خوابوں کے علاوہ ہیں تو صالحہ اخص مطلق ہو جائے گی۔

امام نصر بن یعقوب الدینوری نے تعبیر القادری میں لکھا ہے "الرؤیا الصادقۃ وہ خواب ہوتے ہیں جو بعینہٖ واقع ہوں۔ یا نیند میں جن کی تعبیر بیان ہو سکے۔ یا ان کی تعبیر وہ شخص کرے جو جھوٹ نہ بولتا ہو۔ الصالحۃ وہ خواب ہوتے ہیں جو خوش کر دیں۔

2. امام بیضاوی نے لکھا ہے کہ جو خواب آپ کو آتا اس کی تعبیر کی وضاحت کے لیے صبح کے اجالے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ الفلق صبح کو کہتے ہیں۔ لیکن جب یہ اس معنی یا اس کے علاوہ کسی اور معنی میں استعمال ہو تو اس تخصیص اور بیان کے لیے اسے اضافت العام الی الخاص کے اعتبار سے مضاف کیا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: علین الشی و نفسہ۔

الطیبی نے لکھا ہے کہ الفلق کی بہت بڑی شان ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ کے وصف میں یہ استعمال ہوا ہے "فالق الاصباح" اور رب الفلق سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ عالم شہادت کی ظلمت کے چھٹ جانے اور سورج کے سلطان کے طلوع ہو جانے کی وجہ سے صبح کے ظہور اور آفاق کے جگمگانے کی خبر دیتا ہے۔ جیسے پاکیزہ خواب عالم غیب کے انوار اور ہدایات کے مطالع کے آثار کے بارے آگاہ کرتے ہیں۔ ان خوابوں کو، جو نبوت کے اجزاء میں سے چھوٹا سا جز ہوتے ہیں۔ اور اس کی تنبیہات میں سے ایک تنبیہ ہوتی ہیں انہیں تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ یہ دونوں نبوت کے ثبوت پر عقول کے لیے مشترک ہیں کیونکہ نبی کو اسی لیے نبی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ان غیوب سے آگاہ کرتا ہے عقول جن کا ادراک نہیں کر سکتیں۔"

ابن ابی جمرہ نے لکھا ہے کہ خواب کو فلق الصبح کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ نبوت کے سورج کے لیے یہ خواب اس کے انوار کے مبادی ہوتے ہیں۔ وہ نور پھیلتا جاتا ہے حتیٰ کہ سورج نکل آتا ہے اس کا نور مکمل ہو جاتا ہے۔ جس کا باطن نورانی ہو۔ وہ تصدیق میں حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی طرح ہوتا ہے۔ جس کا باطن تاریک ہو وہ تکذیب میں چمگادڑ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ ابو جہل۔ دیگر لوگ ان دو منزلوں کے مابین ہوتے ہیں ہر ایک کو وہی مقام ملتا ہے۔ جتنا اسے نور عطا کیا جاتا ہے۔

◆ علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ وہ امور جن سے حضور ﷺ کی بعثت کی ابتدا ہوئی مثلاً سچے خواب، خلوت سے محبت، غار حرا میں خلوت گزینی، اس میں مصروف عبادت ہونا اور کئی کئی راتوں تک اس میں مصروفِ عبادت رہنا یہ وہ اسباب اور مقدمات تھے جو نبوت کے لیے ارھاصات اور اس کے ظہور کے مبادی تھے خلوت سے دل کو فراغت ملتی ہے۔ یہ غور و فکر کے لیے معاون ہوتی ہے۔ یہ مشغولیت کے دعاوی کو منقطع کر دیتی ہے۔ بشر اپنی فطرت اور طبیعت سے سخت ریاضت اور شدید علاج سے ہی جدا ہو سکتا ہے۔ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کے معاملہ کی ابتدا سے ہی آپ پر لطف فرمایا۔ خلوت کو آپ کے لیے پسندیدہ بنا دیا۔ لوگوں کے ملاپ کو منقطع کر دیا۔ تاکہ آپ لوگوں کی پسندیدہ عادات کو فراموش کر دیں۔ اور اس چیز کو لگاتار چھوڑ دیں جو قابل ستائش نہیں۔ آپ تقویٰ کے شعار کو لازم پکڑیں۔ رب تعالیٰ کے سامنے مقام بندگی پر کھڑے ہوں۔ تاکہ آپ کے قلب انور میں خشوع پیدا ہو۔ آپ کا مزاج مبارک وحی کے ورود کے لیے تیار ہو سکے۔ آپ آسانی سے منزل مراد تک پہنچ سکیں۔ آپ اسے مشکل اور سخت نہ پائیں۔ ان سارے اسباب کو اس امر کے لیے مقدمات بنا دیا گیا۔ جو اس معاملہ میں آپ کے لیے تیار تھا۔ تاکہ اسے پسند نہ کریں اور اس امر کے لیے تیار ہو جائیں۔ جس کا آپ کو حکم دیا جائے۔ پھر آپ کے پاس توفیق اور تبشیر آ گئی۔ آپ نے اسے قوت الہیہ کے ساتھ حاصل کر لیا۔ فضائل نبویہ آپ کے لیے جمع ہو گئے۔"

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ فرشتے کے ظہور سے قبل اس کے مخاطب کرنے سے قبل رب تعالیٰ نے آپ پر جو خلوت گزینی کے بارے الہام فرمایا تھا اس کے فوائد یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا تاکہ آپ قریش کے معبودانِ باطلہ سے حسبِ معمول دور رہیں۔ آپ کا پاکیزہ نفس بتوں کی گندگی کے قرب سے بھی دور رہے۔ آپ ان سے برأت کا اظہار فرمائیں۔ ان کے ساتھ بغض فرمائیں۔ آپ پاکبازی اور قرب کے افعال کی طرف توجہ فرمائیں۔

◆ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔" آپ کی خلوت کے لیے غار حرا کو اس لیے مختص کیا گیا کیونکہ اس میں قیام کرنے سے خانہ کعبہ کو دیکھنا ممکن ہوتا تھا۔ جو شخص اس میں خلوت گزین ہوتا ہے۔ اس کو تین عبادات حاصل ہوتی ہیں۔

(۱) خلوت، (۲) عبادت (۳) بیت اللہ کی زیارت۔

الحافظ نے لکھا ہے "قریش اس غار میں خلوت گزیں ہوتے تھے۔ جیسے کہ وہ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے غارِ حرا میں خلوت نشین ہونے کے لیے آپ کے ساتھ تنازع نہ کیا۔ کیونکہ قریش میں سے سب سے پہلے حضرت عبدالمطلب اس غار میں خلوت گزیں ہوئے تھے۔ قریش ان کی شان اور عمر کی وجہ سے ان کی تعظیم کرتے تھے۔ حضور ﷺ اپنے جد امجد کی جگہ میں خلوت نشیں ہوتے تھے۔ آپ کی عزت و کرامت کی وجہ سے آپ کے چچاؤں نے آپ سے تعرض نہ کیا۔

◆ آپ نے فرمایا: "آپ نے مکہ مکرمہ میں ایک آنے والے کو دیکھا۔" امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں نیند کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب حضرت جبرائیل امین سورۃ الاقراء لے کر آئے تو آپ عالم بیداری میں تھے۔ ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ آپ کی آسانی، رفق اور سہولت کے لیے حضرت جبرائیل عالم بیداری میں آپ کے پاس آنے سے قبل عالم نیند میں آپ کے پاس آئے ہوں۔ کیونکہ نبوت ایک عظیم امر تھا۔ اس کا بوجھ بڑا ثقیل تھا۔ انسان کمزور ہوتا ہے۔ معراج کے باب میں علماء کا ایسا قول آئے گا جو اس موقف کی تائید کرے گا۔

"الزھر" میں ہے "انبیائے کرام کی شان اس سے کہیں رفیع ہوتی ہے۔ امام سہیلی نے جو ذکر کیا ہے اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اس روایت کی سند میں کوئی حرج نہیں۔

◆ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ ریشم کے ٹکڑے میں کتاب ہونے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کی امت عجم کے ممالک کو فتح کرے گی۔ ان سے ریشم دیباج چھین لے گی۔ جو ان کی زیب و زینت تھی۔ اس سے وہ آخرت کی ملکیت اور جنت کا لباس حاصل کریں گے جو ریشم اور دیباج ہوگی۔

◆ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان "اس میں فرشتہ آپ کے پاس آیا" سے مراد یہ ہے کہ وہ فرشتہ غار کے اندر آیا تھا۔ اس سے اس شخص کے وہم کا اختتام ہوتا ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ فرشتہ غار کے اندر داخل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ حضور ﷺ غار کے اندر اور فرشتہ غار سے باہر تھا۔

الحافظ نے لکھا ہے "جب یہ علم ہوگیا کہ آپ رمضان المبارک میں غار حرا میں خلوت گزیں ہوتے تھے۔ جب نزولِ وحی کا آغاز ہوا تو آپ اسی غار میں جلوہ افروز تھے۔ اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے سر اقدس پر ماہِ رمضان المبارک میں رسالت کا تاج سجایا گیا۔ اس کا میلان ابن اسحاق کے اس قول کی طرف ہے کہ بعثت کے وقت آپ کی عمر مبارک تقریباً چالیس سال تھی۔ جبکہ آپ ربیع الاول کے مہینہ میں اس جہان رنگ و بو میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ فرشتہ پہلے رمضان المبارک میں غار حرا میں آیا ہو۔ دوسری بار انذار کے ساتھ ربیع الاول کے مہینہ میں آیا ہو۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی ہو:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ (المدثر: ۱ تا ۲)

ترجمہ: "اے چادر لپیٹنے والے! اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے۔"

۸ فرشتے نے آپ کو تین بار "اقرأ" کیوں کہا؟ امام ابوشامہ علیہ الرحمۃ اس کا جواب تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ احتمال ہے کہ پہلی بار آپ کا فرمان "ما انا بقارئ" امتناع کے لیے۔ دوسری دفعہ نفی محض کے بارے خبر دینے کے لیے اور تیسری دفعہ استفہام کے لیے ہے۔ اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے ابوالاسود نے اپنے مغازی میں حضرت عروہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ "کیف اقراء" ہے۔ ابن اسحاق نے عبید بن عمیر سے "ما ذا اقرأ" روایت کیا ہے۔ امام زھری کی مرسل میں کیف اقراء ہے۔ ان سب سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ یہ استفہامیہ ہے۔ الحافظ نے لکھا "شاید اس تکرار میں ایمان کے اس انحصار کی طرف اشارہ ہے۔"

قول، عمل اور نیت۔ وحی بھی تین امور پر مشتمل ہوتی ہے۔ توحید، احکام، قصص۔

۹ حضرت جبرائیل امین نے آپ کو کس لیے بھینچا؟ اس میں یہ حکمت ہے تاکہ آپ کی توجہ کسی دوسری چیز سے اس امر کی طرف مبذول کرائی جائے یا اس سے مراد معاملہ میں شدت اور سختی کا اظہار ہے تاکہ اس قول کے ثقل کی طرف اشارہ ہو سکے۔ جسے عنقریب آپ کی طرف پھینکا جانا تھا۔ جب ان کے لیے ظاہر ہوگیا کہ آپ نے اس پر صبر کیا ہے تو انہوں نے وہ قول آپ کی طرف پھینک دیا۔ اگرچہ رب تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی۔ لیکن آپ کی نسبت سے اس کا اظہار مقصود تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تاکہ آپ کو آزمایا جائے کہ کیا آپ اپنی طرف سے کچھ کہتے ہیں۔ جب آپ نے کچھ نہ کہا تو یہ اس پر دلیل ہوگئی کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہیں گے۔ الحافظ نے بعض علماء سے لکھا ہے کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ کیونکہ کسی اور نبی کے بارے نقل نہیں کی کہ اس کی وحی کی ابتدا میں اس طرح کا واقعہ رونما ہوا ہے۔

علامہ بلقینی نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو نزولِ وحی کے وقت جس مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ اس مشقت کے لیے مقدمہ تھا جو نزولِ قرآن کے وقت جس کا آپ کو سامنا کرنا پڑتا تھا۔ انہوں نے اس موضوع پر کافی تفصیل سے لکھا ہے۔ باب شدتِ وحی میں اس کا تذکرہ آئے گا۔

۱۰ بار بار بھینچنے میں تنبیہ میں مبالغہ مقصود ہے۔ اس میں یہ بھی تنبیہ ہے کہ وہ شاگرد کو تنبیہ کرنے میں محتاط رہے اور اسے دل کو حاضر کرنے کا حکم دے۔ ایک قول کے مطابق وہ تین سخت حالات تھے جو آپ کے لیے واقع ہوئے۔ ان میں شعب ابی طالب میں محصور ہونا۔ دوسرا ہجرت کرنا اور تیسرا غزوۂ احد کا دن ہے۔ تین ارسالات

میں یہ اشارہ ہے کہ ان سخت حالات کے بعد آسانی پیدا ہو جائے گی یا دنیا، برزخ اور آخرت میں آسانی پیدا ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔

⑪ سورۃ الاقراء کی یہی آیات پہلے نازل ہوئیں جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ جبکہ بقیہ سورت بعد میں نازل ہوئی۔ اس اولیت میں حکمت یہ ہے کہ پانچوں آیات قرآن کے مقاصد پر مشتمل ہیں۔ ان میں آغاز کی فضیلت ہے۔ یہ آیات اس امر کی مستحق ہیں کہ انہیں عنوان القرآن کے نام سے یاد کیا جائے۔ کیونکہ عنوان وہ مختصر عبارت ہوتی ہے جو سارے مقاصد کو جمع کرتی ہے۔ اس امر کی تفصیل یہ ہے کہ یہ مقاصد قرآن پر مشتمل ہیں کہ مقاصد علم توحید، احکام اور اخبار پر مشتمل ہیں۔ یہ آیات قرأت کے حکم پر مشتمل ہیں اس کی ابتدا بسم اللہ سے ہے۔ اس میں احکام کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں رب تعالیٰ کی توحید، اس کی ذات کا اثبات، اس کی صفات ذات اور صفات فعل کا تذکرہ ہے۔ اس میں اصولِ دین کی طرف اشارہ ہے۔ علم الانسان مالم یعلم کا تعلق اخبار کے ساتھ ہے۔

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کی گئی۔ "اقرأ باسم ربك" آپ اپنی طاقت اور قدرت اور اپنے نفس کی صفت اور اپنی معرفت سے نہیں پڑھیں گے۔ بلکہ آپ اپنی قرأت کو رب تعالیٰ کے پاک نام کے ساتھ ابتدا کرتے ہوئے پڑھیں۔ اپنے سارے امور میں اسی سے مدد طلب کرتے ہوئے پڑھیں۔ وہ آپ کو اسی طرح سکھائے گا۔ جس طرح اس نے آپ کی تخلیق کی ہے جس طرح اس نے آپ سے گوشت کا لوتھڑا نکال لیا ہے۔ اس نے آپ کو وہ تمام علوم سکھا دیے جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے آپ کو امور دین، بندوں کی مصلحتوں اور ان غیوب سے آگاہ فرما دیا جن کے بارے آپ گفتگو فرماتے ہیں۔

⑫ الحافظ نے لکھا ہے کہ سورۃ الاقراء کی یہ آیات سب سے پہلے اتری ہیں لیکن زمخشری کا نقطہ یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ سورۃ الفاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی۔ بلاشبہ یہ وہم ہے۔ انہوں نے دوسری جگہ لکھا ہے کہ سب سے پہلے سورت اقراء کی آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد سورۃ الفاتحہ کا نزول ہوا۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ سورۃ الاقراء کی پہلی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ یہی موقف ہے جسے سلف اور خلف میں سے جمہور علماء نے اپنایا ہے۔ یہ قول درست نہیں کہ سب سے پہلے سورۃ المدثر نازل ہوئی۔

⑬ جب آپ کے پاس اچانک وہ امر آ گیا جو عادت کے مخالف تھا جو آپ کے قلب انور میں اضطراب پیدا ہوا۔ اس حالت میں تامل کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ کیونکہ نبوت سارے بشری طباع کو زائل نہیں کرتی۔

⑭ علامہ بلقینی نے لکھا ہے کہ قلب سے فؤاد کی طرف عدول میں حکمت یہ ہے کیونکہ فؤاد قلب کا وعاء (برتن) ہوتا ہے۔ جیسے کہ بعض اہل لغت نے کہا ہے۔ جب وعاء پر لرزہ طاری ہو گیا تو دل پر بھی طاری ہو جائے گا۔ اس کے تذکرہ

میں وہ تعظیم ہے جو دل کے ذکر میں نہیں ہے۔

۱۵ آپ نے چادر اوڑھانے کا اس لیے حکم دیا کیونکہ یہ عادت تھی کہ چادر اوڑھنے سے لرزہ سے سکون مل جاتا تھا۔

۱۶ آپ کے فرمان "خشیت علی نفسی" میں مذکورہ خشیت کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ اس کے بارے علماء کے بارہ اقوال ہیں۔ ان میں سے صحیح یہ ہے کہ اس سے رعب کی شدت سے موت مراد ہے یا مرض مراد ہے یا اس کا دوام مراد ہے۔

علامہ قاضی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ آپ کو اس امر کے بارے شک تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آیا تھا بلکہ آپ کو خدشہ یہ تھا کہ شاید آپ اس امر کو نہ اٹھا سکیں۔ آپ نبوت کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکیں۔ آپ کا وصال ہو جائے یا پہلی بار فرشتے سے ملاقات کے وقت شدت کی وجہ سے آپ کا قلب انور نکل نہ جائے۔ یا آپ کا یہ گمان اس وقت تھا جب آپ نے ابتداء میں عالم نیند اور عالم بیداری میں بشارات دیکھیں۔ فرشتے سے ملاقات سے قبل آپ نے صدا سنی۔ رب تعالیٰ کی طرف سے رسالت کے تحقق سے پہلے کی بات تھی۔ شاید اس وقت آپ کو یہ خدشہ ہو کہ یہ کہیں شیطان کی طرف سے نہ ہو۔ لیکن جب فرشتہ رب تعالیٰ کی طرف سے رسالت کا پیغام لے کر آ گیا تو پھر نہ تو اس کے بارے شک نہ جواز رہا نہ ہی شیطان کے تسلط کا خدشہ رہا۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ بعثت کی روایت میں جو کچھ بھی وارد ہوا ہے اسے اسی پر محمول کیا جائے گا۔

امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ دوسرا احتمال کمزور ہے کیونکہ یہ حدیث پاک کی صراحت کے خلاف ہے کیونکہ یہ فرشتے کے بھینچنے اور سورۃ الاقراء کی پانچ آیات لانے کے بعد کا واقعہ ہے۔

۱۷ ورقہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کا تذکرہ نہ کیا حالانکہ وہ عیسائی تھا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اکثر احکام پر مشتمل تھی۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بھی اسی طرح تھا۔ یا اس لیے کہ حضرت موسیٰ کو فرعون اور اس کے ساتھیوں سے انتقام لینے کے لیے بھیجا گیا لیکن حضرت عیسیٰ کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے اس امت کے فرعون کی ہلاکت ہوئی۔ اس سے مراد ابوجہل ہے۔ وہ اور اس کے ساتھی غزوۂ بدر کے روز واصل جہنم ہوئے۔ یا اس نے رسالت کی تحقیق کرتے ہوئے یوں کہا۔ کیونکہ حضرت جبرائیل کا حضرت موسیٰ پر نازل ہونا اہلِ کتاب کے نزدیک متفق ہے۔ حضرت عیسیٰ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اکثر یہودی ان کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ امام سہیلی نے جو لکھا ہے کہ ورقہ کے عیسائیوں کے عقائد تھے۔ حالانکہ عیسائی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نبی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ انہیں تین اقالیم میں سے ایک اقلیم سمجھتے تھے۔ مگر یہ محال ہے۔ ایسے عقیدہ کو ورقہ اور ان

جیسے دیگر لوگوں کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ جو نہ عقائد کی اس تبدیلی میں شامل ہوئے تھے اور نہ ہی تبدیلی کرنے والے کے گروہ میں شامل ہوئے۔

حضرت ابونعیم نے حسن سند کے ساتھ حضرت عروہ سے اس واقعہ کے بارے روایت کیا ہے کہ پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اپنے چچازاد ورقہ کے پاس آئیں۔ انہیں آپ کے بارے بتایا۔ انہوں نے کہا: "اگر آپ سچ بول رہی ہیں تو آپ پر وہی آیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا۔ جس کے بارے بنو اسرائیل اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دیتے تھے۔" اس سے پتہ چلتا ہے کہ ورقہ نے کبھی حضرت عیسیٰ اور کبھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا تھا۔ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے ناموس عیسیٰ کا تذکرہ کیا کیونکہ ان میں عیسائیت پائی جاتی تھی۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو وہاں ناموس موسیٰ کا تذکرہ کیا یہ اس مناسبت کی وجہ سے تھا جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ یہ دونوں امور درست ہیں۔

◆۱۸ امام سہیلی نے فرمایا ہے کہ جب ورقہ نے آپ سے عرض کی کہ لوگ آپ کی تکذیب کریں گے تو آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ جب انہوں نے کہا: "وہ آپ کو اذیت دیں گے۔" پھر بھی آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ جب انہوں نے عرض کی: "وہ آپ کو نکال دیں گے۔" تو آپ نے فرمایا: "کیا وہ مجھے نکال دیں گے۔" اس میں حب الوطنی کی دلیل ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ وطن سے جدا ہونا نفس پر کتنا شاق گزرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ شہر تو رب تعالیٰ کا حرم بھی ہے۔ اس کے گھر کا پڑوس ہے۔ آپ کے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا شہر بھی ہے۔ اس لیے آپ نے فرمایا: "کیا وہ مجھے نکال دیں گے۔"

اس جملہ پر آپ کے نفس میں تحرک آ جانے کی دلیل یہ ہے کہ جب آپ نے مکہ مکرمہ سے نکل جانے کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا: "اَوَ مخبر جیّ ھم" الف استفہام کے بعد آپ نے واؤ کا اضافہ فرمایا۔ کیونکہ واؤ مقدم کلام کا رد کرتی ہے۔ مخاطب کو یہ شعور دلاتی ہے یہ استفہام از روئے انکار ہے۔ اسے اس کے کلام سے تکلیف اور اذیت ہوئی ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حیثیت یہ ہو کہ آپ کی قوم اس طرح ایمان نہ لائے جس طرح کہ آپ کو امید ہو وہ آپ کی وجہ سے شرک کی میل اور جاہلیت کی گندگی سے نہ بچ سکے۔ وہ آخرت کے عذاب سے نجات نہ پا سکے اور وہ مقصد پورا نہ ہو سکے جو آپ کو ان کی طرف بھیجنے میں ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ پریشانی ان دونوں امور کے لیے ہو۔ اس ضمن میں شیخ تقی الدین السبکی سبقت لے گئے ہیں۔ الطبقات میں ان کے نور نظر نے ان سے حکایت بیان کی ہے کہ اس ضمن میں سب سے عمدہ بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ کا نفس اس لیے بے چین ہو گیا کہ شاید وہ لوگ آپ پر اس طرح ایمان نہ لائیں جس طرح کہ آپ چاہتے ہوں۔ اس کے علاوہ وہ آپ کو اذیت دیں۔ آپ کی تکذیب کریں۔ یہ اخراج کے ساتھ منقطع

ہو۔کسی انسان کے لیے اس سے عظیم اور کوئی امر نہیں کیونکہ آپ تو رب تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا تھے۔وطن سے جدائی کا احساس ایک فطرتی امر ہے۔حضور ﷺ کی ذات والا اس سے عظیم اور اعلیٰ ہے کہ آپ کا وقوف صرف اس عظیم جگہ پر ہی ہو۔

۱۹ اسماعیلی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ بعض طعن کرنے والوں نے محدثین پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لیے یہ کیسے روا ہے کہ آپ کو اپنی نبوت میں شک ہو۔حتیٰ کہ آپ ورقہ کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس امر کا ذکر کیا جس سے آپ کو خدشہ تھا۔"

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا طریقہ مبارکہ یہ ہے کہ جب وہ کسی عظیم امر کو کسی مخلوق تک پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کی ترشیح اور بنیاد کو اس سے مقدم کرتا ہے۔حضور ﷺ کا سچے خواب دیکھنا،خلوت سے محبت کرنا اور عبادت میں مصروف ہونا اسی قبیل سے تھا۔جب اچانک فرشتہ آپ کے پاس آ گیا یہ ایک خلاف عادت امر تھا۔آپ کی بشری طبع اس سے بے چین ہو گئی۔اس حالت میں غور و فکر بھی ممکن نہ تھا۔کیونکہ نبوت عادۃً طباع بشریہ کو زائل نہیں کرتی۔اس میں کوئی تعجب نہیں کہ اگر آپ خلافِ عادت امر پر بے چین ہوتے ہوں حتیٰ کہ جب وہ امر گزر گیا اور آپ اس سے مالوف ہو گئے۔آپ اپنی اہلیہ محترمہ کے پاس تشریف لے آئے۔آپ ان سے محبت کرتے تھے۔انہیں سارا واقعہ سنایا۔انہوں نے آپ کی خشیت کو کم کیا کیونکہ وہ آپ کے اخلاق کریمانہ اور شمائل حمیدہ سے آگاہ تھیں۔انہوں نے ورقہ سے مدد لینے کا ارادہ کیا۔کیونکہ وہ ان کی صداقت سے آگاہ تھیں وہ سابقہ کتب کے عالم تھے۔جب آپ نے ان کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین ہو گیا۔اور اس کا اعتراف کر لیا۔اسماعیلی رحمۃ اللہ نے اس حکمت کا بھی ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے آپ نے اس واقعہ کا ذکر کیا تاکہ اس کی وجہ سے آپ کی خبر آپ کے ہم نشینوں تک پہنچ جائے۔ان لوگوں تک پہنچ جائے جو آپ کی باتیں غور سے سنتے تھے اور وہ آپ کے فرامین غور سے سنیں۔

۲۰ ورقہ سے مراد ابن نوفل بن اسد بن عبدالعزی بن قصی ہیں یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے چچازاد تھے۔الطبری،البغوی،ابن السکن اور ابن نافع وغیرہم نے انہیں صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔یونس بن بکیر نے ابو میسرہ عمرو بن شرجیل سے روایت کیا ہے کہ ورقہ نے حضور ﷺ سے عرض کی:"آپ کو بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہستی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ناموس کی مثل پر ہیں آپ نبی مرسل ہیں...... جب ورقہ کا وصال ہو گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا:"میں نے قس کو جنت میں دیکھا۔انہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی۔"

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے زبیر بن بکار نے جید سند کے ساتھ حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے۔کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بنو جمح کی ایک عورت کے غلام تھے۔اہلِ مکہ انہیں مکہ مکرمہ میں اذیتیں دیتے تھے۔

انہیں میدان میں کمر کے بل لٹا دیتے تھے تا کہ وہ شرک کا اظہار کریں مگر وہ احد احد کے نعرے الاپتے رہے۔

ورقہ ان کے پاس سے گزرے۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذیت دی جا رہی تھی۔ انہوں نے کہا: "احد، احد، اے بلال بخدا! مشرکین مکہ! اگر تم نے انہیں شہید کر دیا میں ان کی قبر کو رحمت کی آماجگاہ بنا دوں گا۔"

یہ مرسل روایت ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ورقہ زندہ رہے حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی طرف دعوت دی۔ حتیٰ کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ اس روایت اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے قول کو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ ورقہ کا جلد ہی وصال ہو گیا یعنی اسلام کے مشہور ہو جانے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا حکم ملنے سے قبل ہی ان کا وصال ہو گیا۔ اس پر اس روایت کی وجہ سے اعتراض نہیں کیا جائے گا جسے ابن عائذ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ورقہ کی صورت نصرانیت پر آئی تھی۔ کیونکہ اس روایت کا ایک راوی عثمان بن عطا ہے جو ضعیف ہے۔

امام احمد نے حسن سند کے ساتھ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: "میں نے اسے سفید کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔ اگر وہ اہلِ آتش میں سے ہوتا تو اس نے سفید کپڑے نہ پہنے ہوئے ہوتے۔

ابو یعلی نے حسن سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا "میں نے اسے سفید کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔ اگر وہ اہلِ آتش میں سے ہوتا تو اس نے سفید کپڑے نہ پہنے ہوئے ہوتے۔

ابو یعلی نے حسن سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "میں نے اسے جنت کے مرکز میں دیکھا۔ اس نے سندس کا لباس پہن رکھا تھا۔"

البزار، ابن عساکر نے جید سند کے ساتھ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ورقہ کو برے الفاظ سے یاد نہ کیا کرو۔ میں نے اسے ایک جنت یا دو جنتوں میں دیکھا ہے۔"

✿✿✿

نواں باب

نزولِ وحی کی کیفیت

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (البقرة:۱۸۵)

ترجمہ: "ماہِ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن۔"

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① (القدر:۱)

ترجمہ: "بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شبِ قدر میں۔"

امام حاکم، امام بیہقی نے حضرت سعید بن جبیر سے اور امام نسائی، ابن ابی حاتم، امام حاکم اور امام بیہقی نے ایک اور سند سے، الطبرانی نے ایک اور سند سے، البزار نے ایک اور سند سے اور ابن ابی شیبہ نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن پاک کو "الذکر" سے الگ کیا گیا۔ حضرت جبرائیل امین کو دیا گیا انہوں نے لیلۃ القدر کو ایک ہی دفعہ اسے آسمان دنیا میں بیت العزۃ میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارتا رہا۔ مواقع کے مطابق لوگوں کے کلام کے جواب میں اور ان کے اعمال کے جواب میں تھوڑا تھوڑا کر کے بیس سال میں نازل ہوا۔ پھر انہوں نے یہ آیت طیبہ پڑھی:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۞ (بنی اسرائیل:۱۰۶)

ترجمہ: "اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔"

امام زرکشی نے البرھان میں اور شیخ نے الاتقان میں لکھا ہے کہ یہ نظریہ صحیح اور مشہور ہے۔

الحافظ نے الفتح میں لکھا ہے۔ یہ مؤقف درست اور معتمد علیہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن پاک آسمان دنیا میں بیس لیلۃ القدر میں یا تیئس لیلۃ القدر میں یا پچیس لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔ ہر سال اتنا قرآن نازل ہوتا جتنا پورے سال میں نازل ہونا ہوتا تھا۔ پھر وہ تھوڑا تھوڑا کر کے پورے سال میں نازل ہوتا۔

ایک قول یہ ہے کہ نزولِ قرآن کا آغاز لیلۃ القدر کو ہوا پھر یہ تھوڑا تھوڑا کر کے مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ کتاب حکیم لوحِ محفوظ سے یکبار اتری۔ محافظ فرشتوں نے اسے بیس راتوں میں حضرت جبرائیل امین پر نازل کیا۔ انہوں نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے بیس سال میں آپ پر نازل کیا۔

تنبیہات

① قرآن پاک کی عظیم شان اور حضور اکرم ﷺ کی رفیع شان کی وجہ قرآن پاک کو آسمانِ دنیا پر یکبار اتارا گیا۔ اس سے مقصود ساتوں آسمانوں کے مکینوں کو بتانا مقصود تھا کہ یہ آخری کتاب ہے جو سید الانبیاء ﷺ پر افضل امت کے لیے اتارا گیا ہے۔ ہم نے یہ کتاب ان کے قریب اس لیے کی ہے تاکہ ان پر نازل کریں۔ اگر حکمت الٰہیہ کا تقاضا نہ ہوتا کہ اسے امتِ محمدیہ پر تھوڑا تھوڑا حسب واقعات اتارا جائے تو اسے دیگر کتابوں کی طرح یکبار اتار دیا جاتا لیکن رب تعالیٰ نے اس کتابِ زندہ اور دیگر کتابوں میں فرق کیا ہے۔ اس کے لیے دو امر مختص کیے۔

① پہلے اسے یکبار نازل کیا۔

② پھر اسے حضور اکرم ﷺ کے شرف و قدر کی وجہ سے متفرق طور پر نازل کیا۔ یہ حکمت ابو شامۃ نے لکھی ہے:

حکیم ترمذی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے "قرآن پاک کو آسمان دنیا پر یکبار نازل کیا گیا۔ اس سے امت کے لیے اس حصہ کو تسلیم کرنا مقصود تھا جو اسے حضور ﷺ کی بعثت کی وجہ سے نصیب ہوا۔ آپ کی بعثت سراپا رحمت تھی۔ جب یہ رحمت دروازہ کھولنے سے باہر نکلی تو یہ حضور ﷺ اور قرآن پاک کے ہمراہ آگئی۔ قرآن کریم کو آسمان دنیا میں بیت العزت میں رکھ دیا گیا تاکہ یہ دنیا کی حد میں شامل ہو جائے۔ نبوت کو حضور ﷺ کی قلب انور میں رکھ دیا گیا حضرت جبرائیل رسالت لے کر حاضر خدمت ہو گئے پھر وحی لے کر حاضر ہوئے۔ گویا کہ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اس رحمت کو جو اس امت کا حصہ تھا اسے اس امت کے سپرد کرے۔"

امام ابوالحسن السخاوی رحمہ اللہ نے "جمال القرآن" میں لکھا ہے۔ بنو آدم کی تکریم اور ملائکہ کے ہاں ان کی تعظیم کی وجہ سے قرآن پاک کو آسمان دنیا پر یکبار نازل کیا گیا۔ اس سے انہیں یہ پہچان کرانا تھی کہ انہیں رب تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور عنایت شامل حال ہے۔ اسی وجہ سے رب تعالیٰ کے ستر ہزار ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ سورۃ الانعام کے ساتھ جائیں۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین کو حکم دیا۔ وہ یہ کتاب حکیم سفرۃ کرام (فرشتوں) کو املاء کرائیں۔ وہ اسے یاد کریں اور اس کی تلاوت کریں۔ اس میں حضور ﷺ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے لیے مساوات یہ ہے کہ یہ کتاب یکبار اتری۔ مگر اس میں حضور اکرم ﷺ کے لیے فضیلت یہ ہے کہ اس کا نزول آپ پر تھوڑا تھوڑا ہوا تاکہ آپ اسے یاد کر سکیں۔

② حضرت ابو شامۃ نے لکھا ہے کہ ظاہر ہے کہ آسمان دنیا پر اس کا یکبارگی نزول آپ کی نبوت کے ظہور سے قبل

ہوا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا نزول بعد میں ہوا ہو۔ الشیخ نے لکھا ہے کہ دوسرا موقف درست ہے۔ حضرت ابن عباس کی روایات میں اس امر کی صراحت موجود ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے "امام احمد، امام بیہقی نے الشعب میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "تورات چھ رمضان المبارک کو، انجیل تیرہ رمضان المبارک کو، زبور اٹھارہ رمضان المبارک کو، اور قرآن پاک چوبیس کو اور صحف ابراہیمی یکم رمضان المبارک کو نازل ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ روایت رب تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (البقرہ:۱۸۵)

ترجمہ: "ماہِ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن۔"

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ (القدر:۱)

ترجمہ: "بیشک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں۔"

ممکن ہے۔ اس سال شب قدر اسی رات کو ہو۔ اس رات کو سارا قرآن پاک آسمان دنیا پر اتارا گیا۔ پھر چوبیس رمضان المبارک کو زمین پر اتارا گیا ہو۔ اس کی ابتدا اقراء باسم ربك۔ (الاقراء:۱) سے ہوئی ہو۔

الشیخ نے لکھا ہے "لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ مشہور یہ ہے کہ آپ ربیع الاول کے مہینہ میں مبعوث ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو پہلے سچے خوابوں کے ساتھ آپ کے میلاد کے مہینہ میں مبعوث کیا گیا۔ ان کی مدت چھ ماہ تھی۔ پھر عالم بیداری میں آپ پر وحی کی گئی۔ امام بیہقی وغیرہ نے اسی کا ذکر کیا ہے۔

◆ ۳ حضرت ابوشامہ نے لکھا ہے کہ اس میں کیا راز ہے کہ قرآن پاک کو تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں اتارا گیا۔ دیگر کتب کی طرح یکبار کیوں نہ اتارا گیا؟

ہم کہتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا جواب قرآن مجید میں بھی ارشاد فرمایا ہے۔ ارشاد پاک ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ (الفرقان:۳۲)

ترجمہ: "اور کہنے لگے کفار (ازراہِ اعتراض) کیوں نہیں اتارا گیا ان پر قرآن یکبار گی؟"

یعنی جس طرح سابقہ انبیائے کرام پر کتب نازل ہوئیں۔ رب تعالیٰ نے اس کا جواب یہ ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ۔ (الفرقان:۳۲)

یعنی اس کے ساتھ آپ کے قلب انور کو قوی کریں۔ اگر ہر ہر واقعہ کے بارے تازہ وحی آئے تو دل کو اس سے

تقویت نصیب ہوتی ہے۔ اور مرسل الیہ کے ساتھ شدید عنایت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے فرشتہ اکثر اترتا ہے۔ اس کے ساتھ عہد کی تجدید ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حریم قدس سے آنے والے پیغام کی تجدید ہوتی رہتی ہے۔ اتنا سرور نصیب ہوتا ہے کہ یہ قلم اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ اسی لیے حضور ﷺ رمضان المبارک میں بہت زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ بعض علماء نے اس کا معنی یہ لکھا ہے "تاکہ ہم آپ کے قلب انور کی حفاظت کریں۔ کیونکہ آپ امی تھے آپ نہ تو کتب پڑھ سکتے تھے نہ ہی لکھ سکتے تھے۔ آپ پر تھوڑا تھوڑا قرآن پاک نازل کیا گیا تاکہ اس کا حفظ آپ کو ثابت ہوسکے۔ جبکہ دیگر انبیاء کاتب اور قاری (لکھنے اور پڑھنے والے) ہوتے تھے۔ ان کے ساری کتاب یاد کرنا ممکن تھی۔

ان کے علاوہ دیگر علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک کو یکبار اس لیے نازل نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں ناسخ و منسوخ آیات تھیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب یہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا جاتا۔ بعض آیات کسی سوال کے جواب پر، بعض کسی قول کے انکار پر بعض کسی فعل کے انکار پر مشتمل ہوتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ اسے حضرت جبرائیل امین بندوں کے کلام اور ان کے اعمال کے جواب میں لے کر نازل ہوتے۔" رب تعالیٰ نے اس کی تفسیر اس ارشاد سے فرمائی ہے۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ (الفرقان: ۳۳)

ترجمہ: "اور نہیں پیش کریں گے آپ پر کوئی اعتراض مگر ہم لائیں گے آپ کے پاس اس کا صحیح جواب"۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت طیبہ قرآن پاک کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کے بارے دو حکمتیں اپنے ضمن میں رکھتی ہے۔

◈ علامہ اصفہانی نے لکھا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رب تعالیٰ کا کلام نازل کردہ ہے۔ لیکن انزال کے معنی میں ان کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی قرات کا اظہار کرنا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس کا معنی رب تعالیٰ کا اپنے کلام اقدس کو حضرت جبرائیل پر الہام کرنا ہے۔ جبکہ وہ آسمان پر ہوں۔ بلند مرتبہ پر ہوں اس کی قرات کی انہیں تعلیم دینا ہے۔ پھر حضرت جبرائیل کا اس کلام کو زمین پر لانا ہے۔"

تنزیل کے دو طریقے ہیں:

◈ حضور اکرم ﷺ کا صورت بشریہ سے صورت ملکیہ میں آجانا اور حضرت جبرائیل سے قرآن مجید حاصل کرنا۔

◈ فرشتے کا بشری شکل میں آنا حتی کہ حضور ﷺ اس سے قرآن پاک حاصل کرلیں۔ پہلی حالت دونوں حالتوں میں سے مشکل ہوتی تھی۔

الحافظ نے لکھا ہے: "عادۃً کہنے والے اور سننے والے کے مابین مناسبت ہونا ضروری ہے۔ یا تو یہ سننے والا کہنے والے کے وصف کے ساتھ متصف ہو۔ اس سے مراد روحانیت کا غالب ہوجانا ہے۔ یہ نوع اول ہے۔ یا قائل کا سننے

والے کے وصف سے متصف ہو جانا ہے۔ یہ بشریت ہے۔ یہ دوسری قسم ہے۔ بلاشبہ پہلی قسم سخت ہوتی ہے۔

علامہ الطیبی نے لکھا ہے ”شاید آپ پر نزول قرآن اس طرح ہوتا ہو کہ فرشتہ روحانی طور پر کلام مقدس رب تعالیٰ سے حاصل کرتا ہو یا لوح محفوظ سے یاد کر لیتا ہو۔ پھر اسے حضور ﷺ پر نازل کرتا ہو۔ آپ اسے حاصل کر لیتے ہوں۔ علامہ قطب رازی نے کشاف کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ ”لغت میں انزال کے معنی پناہ دینے یا کسی چیز کو بلندی سے پستی کی طرف حرکت دینے کے ہیں۔ لیکن یہ دونوں معانی کلام مقدس میں متحقق نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا یہ اس کے بارے مجازی معنی میں مستعمل ہوں گے۔ جس نے کہا ہے ”قرآن معنیٔ رب تعالیٰ کی ذات والا کے ساتھ قائم ہے۔ انزال کا معنی یہ ہے کہ وہ ایسے کلمات اور حروف ایجاد کرے جو اس معنی پر دلالت کریں اور انہیں لوح محفوظ میں ثابت کر دے۔ ”لغوی معانی میں یہی مناسب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے انزال سے مراد لوح محفوظ میں اس کے اثبات کے بعد آسمان دنیا میں اس کا اثبات ہو۔ یہ دوسرے معنی کی مناسب ہے۔ رسل عظام پر انزال کتب سے مراد یہ ہے کہ فرشتہ انہیں روحانی طور پر حاصل کرے۔ یا لوح محفوظ سے اسے یاد کرے۔ وہ اسے لے کر آئے اور رسل عظام پر القاء کر دے۔“

الشیخ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے ”میں نے اپنے شیخ علامہ محی الدین الکافیجی رحمۃ اللہ سے روحانی طور پر حاصل کرنے کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ”اس کیفیت کو سمجھا نہیں جا سکتا۔“

امام بیہقی نے رب تعالیٰ کے اس فرمان اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝۱ (القدر:۱) کے بارے فرمایا ہے کہ اس سے رب تعالیٰ کی مراد یہ ہے (واللہ اعلم) کہ ہم نے فرشتے کو سنا دیا ہے۔ اسے سمجھا دیا ہے اور جو کچھ اس نے سنا ہے اسے ہم نے نازل کر دیا ہے۔“ فرشتہ اوپر سے نیچے منتقل کرنے والا ہوگا۔

حضرت ابوشامہ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ یہ معنی ان سارے معانی کے اعتبار سے مطرد ہے۔ جو قرآن پاک یا اس میں سے چیز کی طرف منسوب ہیں جس کی ان اہل السنۃ والجماعۃ کی ضرورت ہے۔ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن پاک قدیم ہے اور یہ وہ صفت ہے جو ذاتِ خداوندی کے ساتھ قائم ہے۔

الشیخ نے لکھا ہے کہ اس موقف کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے کہ قرآن پاک کو حضرت جبرائیل بطور سماعت رب تعالیٰ سے حاصل کرتے تھے جسے امام الطبرانی نے حضرت نواس بن سمعان سے مرفوع روایت کیا ہے کہ جب رب تعالیٰ وحی کے ساتھ گفتگو فرماتا ہے تو آسمان پر خوف خدا کی وجہ سے سخت لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ جب آسمان کے مکین اسے سنتے ہیں تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت جبرائیل امین سر اٹھاتے ہیں۔ رب تعالیٰ ان کے ساتھ جو چاہتا ہے کلام فرماتا ہے۔ وہ اسے لے کر ملائکہ کے پاس سے گزرتے ہیں۔ جب بھی وہ کسی آسمان کے مکینوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ ان سے پوچھتے ہیں ”ہمارے رب تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟“ وہ فرماتے ہیں ”اس نے سچ

ہی فرمایا ہے۔" حتیٰ کہ وہ معاملہ کو وہاں لے جاتے ہیں جہاں کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ جب رب تعالیٰ وحی کے ساتھ گفتگو فرماتا ہے۔ تو اہل آسمان اس طرح کی آواز سنتے ہیں گویا کہ کوئی زنجیر چٹان پر گری ہو۔ وہ اس سے گھبرا جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ قیام قیامت کا حکم ہے...... اس روایت کی اصل صحیح میں موجود ہے۔

امام علامہ شہاب الدین محمد بن احمد بن الخلیل الخولی نے فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ کے نازل ہونے والے کلام کی دو قسمیں ہیں۔

① رب تعالیٰ حضرت جبرائیل امین سے فرماتا "اس نبی کو کہہ دو جس کی طرف تمہیں بھیجا جا رہا ہے کہ رب تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس طرح اس طرح کرو۔" انہیں یہ یہ حکم دو۔ حضرت جبرائیل وہ کچھ سمجھ جاتے جو کچھ رب تعالیٰ نے فرمایا ہوتا۔ پھر اس نبی کے پاس آتے اسے وہ پیغام پہنچاتے جو رب تعالیٰ نے انہیں دیا ہوتا۔ مگر یہ عبارت بعینہا وہ عبارت نہیں ہوتی تھی۔ جس طرح کہ بادشاہ اپنے قابل اعتماد شخص سے کہتا ہے "فلاں سے کہو کہ بادشاہ تمہیں کہہ رہا ہے کہ خدمت میں خوب کوشش کرو۔ اپنی فوج کو قتال کے لیے جمع کرو۔ اگر قاصد یوں کہے "تمہیں بادشاہ کہہ رہا ہے کہ میری خدمت میں سستی نہ کرو فوج کو منتشر نہ ہونے دو۔ انہیں جنگ کی ترغیب دو۔" اسے نہ تو جھوٹ کی طرف منسوب کیا جائے گا نہ ہی پیغام کی ادائیگی میں اس سے کوتاہی ہوگی۔

② دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل امین سے یوں کہے: "میرے نبی کو یہ کتاب پڑھ کر سناؤ۔" حضرت جبرائیل امین کسی تبدیلی کے بغیر کلام الٰہی اس نبی پر نازل کر دیں۔ جیسے کہ بادشاہ کوئی خط لکھتا ہے۔ اسے کسی امین شخص کے سپرد کرتا ہے اسے کہتا ہے "اسے فلاں کو پڑھ کر سناؤ۔" وہ اس میں کسی کلمہ یا حرف میں تبدیلی نہیں کرتا۔" الشیخ نے لکھا ہے "قرآن مجید دوسری قسم ہے۔ پہلی قسم سنت ہے جیسے کہ وارد ہے کہ حضرت جبرائیل امین سنت لے کر اسی طرح آتے تھے جس طرح قرآن پاک نازل کرتے تھے۔

❁❁❁

دسواں باب

وحی کی شدت اور گرانی

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ (المزمل:۵)

ترجمہ: "بیشک ہم جلد ہی القاء کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ آپ کی ران مبارک میری ران پر تھی قریب تھا کہ آپ کی مبارک ران میری ران کو توڑ کر رکھ دیتی۔" (امام مسلم، امام بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "اگر آپ پر وحی کا نزول اس حالت میں ہوتا کہ آپ اپنی سواری پر سوار ہوتے تو وہ اپنی گردن زمین پر رکھ دیتی۔ اس میں اتنی طاقت بھی نہیں ہوتی تھی کہ وہ حرکت کر سکے حتیٰ کہ نزول وحی کا یہ سلسلہ ختم ہو جاتا۔" پھر وہ مذکورہ بالا آیات طیبہ کی تلاوت کریں۔" (امام احمد، عبد بن حمید، حاکم)

حضرت ابوارویٰ دوسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے آپ کی زیارت کی آپ پر وحی کا نزول ہو رہا تھا۔ آپ اپنی سواری پر سوار تھے۔ وہ چیخ رہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ مار رہی تھی۔ حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ اس کے بازو ٹوٹ رہے ہیں۔ بعض اوقات وہ بیٹھ جاتی۔ بعض اوقات اپنے پاؤں زمین پر گاڑھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوتی۔ حتیٰ کہ آپ سے وحی کی گرانی ختم ہو جاتی۔ آپ پر سے موتیوں کی مانند پسینہ مبارک گرتا۔" (ابن سعد)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو اس کی شدت آلیتی۔ آپ کے چہرہ انور کی رنگت متغیر ہو جاتی۔ آپ پر اپنی چشمان مقدس کو بند کر لیتے۔" (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب آپ وحی نازل ہو رہی ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی نظر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ نزول وحی اختتام پذیر ہو جاتا۔" (مسلم)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب آپ پر وحی کا نزول شروع ہوتا تو آپ کے سر سے خراٹوں جیسی آواز آنا شروع ہو جاتی۔ آپ کی رنگت مبارکہ متغیر ہو جاتی۔ آپ اپنے دندان مبارک سے سردی محسوس کرتے۔ آپ سے پسینہ کے قطرات موتیوں کی طرح گرنے لگتے۔" (ابن سعد)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں حضور اکرم ﷺ کی ناقہ مبارکہ کی نکیل پکڑے ہوئے تھی۔ اس وقت آپ پر سورۃ المائدہ کا نزول ہو رہا تھا۔ قریب تھا کہ میرا بازو اس سورت کے بوجھ کی وجہ سے ٹوٹ جاتا۔" (امام احمد، امام الطبرانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ پر سورۃ المائدۃ کا نزول ہوا۔ آپ اپنی سواری پر سوار تھے۔ وہ آپ کا بوجھ برداشت نہ کر سکی آپ اس سے نیچے تشریف لے آئے۔"

الحافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ پر سورۃ الفتح کا نزول ہوا۔ آپ اپنی سواری پر سوار تھے۔ آپ حسبِ حال کبھی ادھر اور کبھی ادھر جاتے۔" حضرت ام المؤمنین عائشۃ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "میں نے آپ کی زیارت کی۔ سخت سردی کے روز آپ پر وحی کا نزول ہوا۔ جب یہ ختم ہوا تو آپ کی جبین اطہر پر سے پسینے کے قطرات بہہ رہے تھے۔" (امام بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے آپ سے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ کو وحی کا احساس ہوتا ہے؟" آپ نے فرمایا: "میں گھنٹی کی آواز سنتا ہوں۔ میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ جب بھی مجھ پر نزولِ وحی ہوتا ہے۔ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ گویا کہ میرا نفس قبض کیا جا رہا ہے۔"

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہا کرتے تھے "کاش! میں آپ کی اس وقت زیارت کر لوں جب آپ وحی نازل ہو رہی ہو۔" جب حضور ﷺ جعرانہ کے مقام پر تھے۔ آپ کے سر اقدس پر کپڑا تھا۔ جس سے سایہ کیا جا رہا تھا۔ آپ کے ہمراہ بعض صحابہ کرام بھی تھے جن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ جس نے خوشبو لگا رکھی تھی۔ اس نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس شخص کے بارے آپ کا کیا خیال ہے جس نے خوشبو لگانے کے بعد جبہ کو بطور احرام باندھا۔" حضور ﷺ نے اس کی طرف دیکھا پھر خاموش ہو گئے۔ آپ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت یعلیٰ کو اشارہ کیا "آؤ، دیکھ لو۔" حضرت یعلیٰ آئے اور انہوں نے اپنا سر اندر داخل کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ انور سرخ تھا۔ آپ سے اس طرح آواز آ رہی تھی۔ جس طرح جوان اونٹ سے آواز آتی ہے۔ ساعت بھر آپ کی کیفیت یہی رہی پھر یہ ختم ہو گئی۔" (امام بخاری، امام مسلم)

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث افک میں روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اسی شدت نے آ لیا جو پہلے آپ پر طاری ہو جاتی تھی۔ (امام بخاری اور امام مسلم)

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ کو بل (باریک پردہ) آلیتا۔ (امام حاکم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی ہوتا تو آپ کے چہرہ انور اور جسم کی رنگت متغیر ہو جاتی۔ آپ اپنے صحابہ کرام میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی گفتگو نہ فرماتے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ کے سر اقدس میں درد شروع ہو جاتا آپ سر اقدس پر مہندی لگا لیتے۔ (ابونعیم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب وحی کا نزول ہوتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ آپ اپنی زبان اقدس اور لب لعلیں کو حرکت دیتے تھے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ (القیامۃ: ۱۶ تا ۱۹)

ترجمہ: "(اے حبیب!) آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور (آپ کو) پڑھانا۔ پس جب ہم ایسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کا پھر ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کر دینا۔"

اس کے بعد جب حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ غور سے سنتے جب وہ چلے جاتے تو آپ ان آیات کی قرأت فرما لیتے۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے آپ کے ساتھ وعدہ فرمایا تھا۔

امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہوتی۔ تو ہم میں سے کوئی ایک نظر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ وحی کا نزول ختم ہو جاتا۔"

تنبیہات

① امام ابوشامۃ نے لکھا ہے کہ یہ پسینہ جو آپ کو آجاتا تھا۔ چہرہ انور کا سرخ ہو جانا آواز نکلنا اسی طرح سواری پر یا ران پر ناقابل برداشت بوجھ ہو جانا۔ یہ وحی کی گرانی کی وجہ سے تھا۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے آپ کے امر کی ابتدا میں فرمایا تھا۔

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ (المزمل: ۵)

ترجمہ: "بیشک ہم جلد ہی القاء کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام۔"

اس کی وجہ یہ ہے بشری قویٰ کمزور ہوتے ہیں۔ وہ جناب جلیل کی طرف سے اس طرح کے عظیم وارد کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ نبوت بوجھ اور ثقل ہے جسے اہل قوت اور اولوالعزم رسل عظام رب تعالیٰ کی مدد سے برداشت کر سکتے ہیں۔

۲- علامہ شیخ الاسلام بلقینی نے کہا ہے کہ حصولِ وحی آپ کی مشقت کے اعتبار سے جو کیفیت ہوتی تھی یہ وہ حالت ہے جس میں موت کے بغیر دنیا کے احوال جاننا ہے۔ یہ برزخی مقام ہے جو آپ کو نزولِ وحی کے وقت حاصل ہوتا تھا۔ جب برزخ عام میں میت کے لیے بہت سے احوال سے پردہ اٹھتا ہے تو رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حیاتِ ظاہری میں ہی برزخ کے ساتھ مختص فرما دیا۔ اس میں آپ پر وہ وحی نازل ہوتی جو بہت سے اسرار پر مشتمل ہوتی۔ اسی طرح بہت سے صلحاء کے لیے نیند وغیرہ کے وقت بہت سے اسرار پر آگاہی ہوتی ہے۔ یہ مقام نبوی سے مدد لیے بغیر مقام حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اسی مقام کا فیضان ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا یہ فرمان بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ "بندۂ مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔"

صحیحین میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آیت حجاب نازل ہوئی تو حضرت ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا اس کے بعد رات کے وقت ٹیلوں کی طرف نکلیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے سودہ! ہم آپ کو پہچان لیا ہے۔" وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئیں اور اس مسئلہ کے بارے آپ سے سوال کیا۔ آپ بیٹھے ہوئے تھے آپ پر نزول وحی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ کے دست اقدس میں گوشت کا ٹکڑا تھا۔ رب تعالیٰ نے آپ پر وحی کی۔ گوشت کا ٹکڑا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ پھر آپ نے سر اقدس بلند فرمایا۔ اور فرمایا: "اس نے تمہیں اجازت دے دی ہے کہ تم قضائے حاجت کے لیے جا سکتی ہو۔" ابن کثیر نے لکھا ہے "یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نزولِ وحی کے وقت آپ کے احساسات مکمل طور پر ختم نہیں ہوتے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے مگر آپ نہ گرتے تھے مگر آپ نہ گرے۔ نہ ہی دستِ اقدس سے گوشت کا ٹکڑا گرا۔

۳- ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آپ کا نزول وحی کے وقت زبانِ اقدس کو حرکت دینا ابتداء میں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے آپ وہ چیز حاصل کرنے کے حریص تھے۔ جو رب تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی تھی۔ آپ اس کے ساتھ ساتھ تلاوت بھی فرماتے رہتے تھے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ آپ خاموش رہا کریں۔ حتیٰ کہ وحی سے فراغت ہو جائے۔ اس لیے ارشاد فرمایا

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ (طٰہٰ: ۱۱۴)

ترجمہ: "اور نہ عجلت کیجئے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی اور دعا مانگا کیجئے میرے رب! (اور) زیادہ کر میرے علم کو۔"

الحافظ نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ آپ اپنی زبانِ اقدس اور لب لعلیں کو کیوں حرکت دیتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ اس خدشہ سے کہ کہیں آپ سے وحی چھوٹ نہ جائے۔ دوسرا قول یہ ہے آپ کو خدشہ تھا۔ وحی کے آخری

حصے سے فارغ ہونے سے قبل اس کا پہلا حصہ بھول نہ جائے۔ پھر آپ پر یہ گراں گزرے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب آپ پر وحی کا نزول ہو رہا ہے تو آپ اس سے محبت کی وجہ سے اسے پڑھنے لگتے۔

''الحافظ'' لکھتے ہیں کہ دوسرا مؤقف واضح ہے۔ جلدی کرنے کی وجہ سے وہ مشقت ہوتی تھی جو آپ نزولِ وحی کے وقت محسوس فرماتے تھے۔ آپ نزولِ وحی کے حصول میں جلدی فرماتے تھے تاکہ مشقت جلد ختم ہو سکے۔ تیسرے مؤقف کا ظاہر یہ ہے کہ آپ پر رب تعالیٰ کی طرف سے جو نزول ہوتا تھا آپ اس کے ساتھ محبت کی وجہ سے جلدی جلدی اسے پڑھتے تھے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ حتیٰ کہ نزول وحی اختتام پذیر ہو جائے۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ اس میں کوئی بُعد نہیں کہ اس کے اسباب متعدد ہوں۔

❁❁❁

گیارھواں باب

وحی کی اقسام

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر وحی مختلف کیفیات میں نازل ہوتی تھی۔

١. نیند میں سچے خواب۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ (الصافات:١٠٢)

ترجمہ: "میں نے دیکھا کہ خواب میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے۔ عرض کیا میرے پدرِ بزرگوار! کر ڈالیئے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔"

یہ فرمان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انبیائے کرام پر وحی نیند کے عالم میں بھی آتی تھی۔ جس طرح کہ ان پر عالم بیداری میں وحی آتی تھی۔ صحیح میں حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔" پھر انہوں نے درج بالا آیاتِ طیبہ پڑھی۔

٢. فرشتہ دکھائی دیے بغیر ہی آپ کے قلب انور میں القاء کر دیتا تھا۔ جیسے کہ آپ نے فرمایا: "روح القدس نے میرے دل میں القا کیا ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرتا حتیٰ کہ وہ اپنا رزق مکمل کرلے۔ رب تعالیٰ سے ڈرو عمدہ طریقوں سے رزق تلاش کرو۔ رزق کا دیر سے آنا تمہیں اس امر پر برانگیختہ نہ کر دے کہ تم اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ تلاش کرو۔ جو کچھ رب تعالیٰ کے پاس ہے اسے اس کی اطاعت سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان:

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا۔ (الشوریٰ:٥١)

ترجمہ: "اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہِ راست) مگر وحی کے طور پر۔"

کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ اس نبی کے دل میں وحی الہام کر دیتا تھا۔ الحلیمی نے لکھا ہے کہ وحی کی یہ قسم کانوں کو چھوڑ کر دل کے مختص ہوتی ہے۔

٣. آپ کو گھنٹی کی آواز کی طرح کی آواز سنائی دیتی تھی۔ یہ قسم آپ پر سب سے زیادہ گراں ہوتی تھی۔ فرشتہ آپ کے

پاس آتا تو شدید سردی کے ایام میں بھی جبین اطہر سے پسینے کے قطرات گرنے لگتے۔ حتیٰ کہ آپ کی سواری زمین پر بیٹھ جاتی۔ امام بخاری اور امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت حارث بن ہشام نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا: "آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟" آپ نے فرمایا: "کبھی یہ گھنٹی کی آواز کی مانند میرے پاس آتی ہے۔ وحی کی یہ قسم مجھ پر سب سے زیادہ گراں ہوتی ہے۔ جب یہ مجھ سے جدا ہوتی ہے تو مجھے وہ کچھ یاد ہو چکا ہوتا ہے جو فرشتے نے کہا ہوتا ہے بعض اوقات فرشتہ کسی انسانی شکل میں میرے پاس آتا ہے۔ وہ مجھ سے محوِ گفتگو ہوتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے وہ مجھے یاد ہو جاتا ہے۔

ابن سعد نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے راوی ثقہ ہیں۔ انہوں نے ابوسلمہ الماجشون سے روایت کیا ہے کہ ان تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے تھے "وحی دو طرح سے میرے پاس آتی ہے۔

① میرے پاس حضرت جبرائیل امین آتے ہیں وہ مجھ پر اسی طرح القاء کرتے ہیں جس طرح ایک شخص دوسرے شخص سے ہمکلام ہوتا ہے۔

② کبھی مجھے گھنٹی کی آواز کی طرح آواز آتی ہے حتیٰ کہ وہ وحی مجھے یاد ہو جاتی ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے "اس حالت کو رب تعالیٰ کے اس فرمان کے نزول سے پہلے پر محمول کیا جائے گا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ۔ (القیامۃ:۱۶)

ترجمہ: "(اے حبیب!) آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ۔"

فرشتہ مختلف اشکال میں آپ کے پاس آیا کرتا تھا۔ جیسے کہ تذکرہ ہے کہ فرشتہ حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آپ کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ اعرابی کی شکل میں بھی آیا تھا۔ یہ ساری روایات صحیح میں موجود ہیں۔

④ رب تعالیٰ آپ کے ساتھ کسی واسطہ کے بغیر عالم بیداری میں پس پردہ ہم کلام ہوتا تھا۔ جیسے کہ شب معراج کو رب تعالیٰ آپ کے ساتھ ہمکلام ہوا تھا۔ یہ ان علماء کرام کے مؤقف کے مطابق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے رب تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا تھا۔

⑤ رب تعالیٰ کسی پردے کے بغیر ہی ہمکلام ہوتا تھا۔ جیسے شب معراج رب تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کلام فرمایا۔ یہ اس شخص کے مؤقف کے مطابق ہے جو یہ کہتا ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ الشیخ نے لکھا ہے "جہاں تک میں جانتا ہوں قرآن پاک میں اس قسم میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں! ممکن ہے آپ سورۃ البقرہ کا آخر، سورۃ الضحیٰ کا بعض حصہ سورۃ الم نشرح کو اس قسم میں شمار کیا جائے گا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"میں نے رب تعالیٰ سے ایک سوال پوچھا۔ میری خواہش تھی کہ کاش میں نے وہ سوال نہ پوچھا ہوتا۔ میں نے عرض کی: "مولا! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا ہے۔" رب تعالیٰ نے فرمایا: "محمد عربی! کیا میں نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر پناہ دی۔ کیا میں نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ نہیں پایا کہ راہِ ہدایت پر گامزن کر دیا۔ کیا آپ کو تنگدست نہیں پایا اور غنی کر دیا۔ کیا میں نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھولا۔ آپ کا بوجھ آپ سے کم نہیں کیا۔ آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند نہیں کیا۔ جہاں میرا ذکر ہوگا وہیں آپ کا ذکر ہوگا۔"

◆ رب تعالیٰ نیند میں آپ کے ساتھ گفتگو فرماتا۔ جیسے امام ترمذی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رب تعالیٰ حسن صورت میں میرے پاس آیا۔ فرمایا: "ملأ اعلیٰ کے فرشتے جس چیز میں جھگڑا کر رہے ہیں۔"

بعض علمائے کرام نے سورۃ الکوثر کو اسی قسم میں شمار کیا جاتا ہے۔ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے تھے۔ آپ کو ہلکی سی نیند آئی۔ پھر آپ نے مسکراتے ہوئے نگاہِ مبارک بلند فرمائی۔ پھر سورۃ الکوثر کی تلاوت کی۔

امام رافعی نے اپنی کتاب "امالیہ" میں رقم کیا ہے۔ "علماء کرام میں سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ سورۃ الکوثر اسی نیند کے عالم میں اتری۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو کچھ انبیائے کرام کو نیند کی حالت میں حاصل ہوتا ہے وہ وحی ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔" انہوں نے فرمایا ہے: "یہ صحیح تو ہے لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ قرآن پاک سارے کا سارا ہی عالم بیداری میں نازل ہوا۔ گویا کہ نیند کے عالم میں وہی سورۃ الکوثر آپ کے سامنے آئی جو عالم بیداری میں نازل ہو چکی تھی۔ یا آپ پر وہی الکوثر پیش کی گئی۔ جس کے بارے سورت نازل ہوئی۔ آپ نے یہ سورت صحابہ کرام کو پڑھ کر سنائی اور ان کے لیے اس کی تفسیر بیان کی۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔ اسے اس حالت پر محمول کیا جائے گا۔ جو آپ پر نزولِ وحی کے وقت طاری ہوتی تھی۔ اسے برحاء الوحی کہا جاتا ہے۔

الشیخ نے کہا ہے "امام رافعی کا قول انتہائی احتیاط پر مبنی ہے۔ اس سے آگاہ ہونے سے قبل میرا میلان بھی اسی طرف تھا۔ لیکن دوسری تاویل پہلی تاویل سے زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ آپ کا فرمان "یہ مجھ پر ابھی ابھی اتری ہے۔" یہ اس امر کا دفاع کرتا ہے کہ اس کا نزول اس سے قبل ہو چکا ہو۔ بلکہ ہم کہیں گے کہ یہ سورت اس حالت میں نازل ہوئی۔ لیکن یہ حالت نیند کی حالت نہیں ہوگی۔ بلکہ اس سے مراد وہ حالت ہوگی جو آپ پر نزولِ وحی کے وقت طاری ہو جاتی تھی۔ بعض

علماء نے فرمایا ہے کہ اس حالت میں آپ کا دنیا سے تعلق ختم ہو جاتا تھا۔

◆ بعض اوقات شہد کی مکھی کی طرح بھنبھناہٹ کی آواز آتی تھی۔ امام احمد اور امام حاکم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ جب حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرہ انور کے پاس شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز سنائی دیتی تھی۔

◆ وہ علم جو رب تعالیٰ احکام میں اجتہاد کے وقت آپ کے دل میں ڈال دیتا تھا۔ آپ کی زبان پر جاری کر دیتا تھا۔ کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ جب اجتہاد کرتے تھے تو آپ کا اجتہاد قطعی طور پر درست ہوتا تھا۔ آپ خطا سے معصوم تھے آپ کے لیے یہ معجزہ تھا۔ اس قسم میں اور دل میں القاء کرنے میں اس طرح فرق کیا جاتا ہے کہ اس کا حصول اجتہاد سے ہوتا تھا جبکہ القاء اس کے بغیر ہی ہوتا تھا۔ ارشاد الساری میں ہے "لیکن اصولیین کے کلام کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ آپ کا اجتہاد اور وحی دو علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں۔" میں وحی کی انہی اقسام سے آگاہ ہوا ہوں۔

حضرت جبرائیل امین کبھی تو آپ کے پاس اس شکل میں حاضر ہوتے جس میں رب تعالیٰ نے انہیں تخلیق کیا ہے۔ ان کے چھ سو پر ہوتے۔ ان سے موتی اور یاقوت گر رہے ہوتے۔ یہ شکل آپ نے دو بار دیکھی تھی۔ ایک دفعہ شب معراج کو آسمان پر اور دوسری دفعہ زمین میں۔" بعض اوقات وہ ایسے شخص کی شکل میں حاضر ہوتے جس نے شدید سفید لباس پہنا ہوا ہوتا۔ اس کے بال انتہائی سیاہ ہوتے۔" کبھی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں اور کبھی کسی اور شخص کی صورت میں نازل ہوتے۔ بعض اوقات پہاڑوں کے فرشتے کے ذریعہ بھی وحی کا نزول ہوا۔ جیسے کہ سفر طائف میں تذکرہ آئے گا۔ بعض اوقات حضرت اسرافیل کی زبان سے بھی نزول وحی ہوتا جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

تنبیہات

◆ امام حلیمی نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ پر چھیالیس اقسام میں وحی آتی تھی۔ انہوں نے ان اقسام کا ذکر کیا ہے لیکن الحافظ نے لکھا ہے کہ ان میں اکثر صفات حامل وحی کی ہیں اور وہ ساری اقسام ان اقسام میں شامل ہیں جن کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

◆ نزول وحی کو گھنٹی کی آواز سے تشبیہ دینا ذوقِ سلیم پر گراں گزرتا ہے کیونکہ عمدہ چیز کو مذموم چیز سے تشبیہ نہیں دی جاتی۔ کیونکہ تشبیہ کی حقیقت یہ ہے کہ ناقص کو کامل کے ساتھ ملانا۔ اس میں مشبہ وحی ہے وہ محمود ہے۔ جبکہ مشبہ بہ گھنٹی کی آواز ہے وہ مذموم ہے۔ کیونکہ اس سے روکا گیا ہے۔ اس سے نفرت کی جاتی ہے اور ملائکہ اسکے ساتھ رفاقت نہیں رکھتے جیسا کہ امام مسلم نے روایت کیا ہے تو پھر اس کام کو، جو فرشتہ کرتا ہے اس امر کے ساتھ کیوں تشبیہ دی گئی ہے جس سے ملائکہ نفرت کرتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ میں یہ ضروری نہیں کہ مشبہ ساری صفات میں مشبہ بہ کے مساوی ہو۔ بلکہ ان کا کسی ایک وصف میں اشتراک کافی سمجھا جاتا ہے۔ اس جگہ احساس کو بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس چیز کا ذکر کیا جس سے سننے والے کے افہام کے قریب ہو سکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آواز کی دو جہتیں ہوتی ہیں۔ (۱) قوت کی جہت (۲) بجنے کی جہت۔ یہ تشبیہ قوت کی جہت کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا اس سے نفرت اس سے بجنے کی جہت کے اعتبار سے ہوگی۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ شیطان کا مزمار ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ نہی سوال کے بعد واقع ہوئی ہو۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔

ابن بطال نے لکھا ہے کہ اسی کیفیت میں ملائکہ رب تعالیٰ سے وحی حاصل کرتے ہیں۔ التوربشتی نے کہا ہے کہ وحی کی اس آواز کو اس کیفیت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس سے ملائکہ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت ابوہریرۃ نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "جب رب تعالیٰ آسمانوں پر کوئی فیصلہ کرتا ہے۔ تو رب تعالیٰ کے اس فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے فرشتے اپنے پر مارتے ہیں گویا کہ کسی چٹان پر کوئی زنجیر گری ہو۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ پوچھتے ہیں "تمہارے رب تعالیٰ نے کیا کہا ہے؟ وہ کہتے ہیں۔" اس نے حق ہی کہا ہے وہ العلی الکبیر ہے۔ (بخاری)

علامہ قاضی نے لکھا ہے "جو اس طرح کا امر ہوتا ہے۔ اسے اس کے ظاہر پر رکھا جاتا ہے۔ اسے اسی صورت اور کیفیت میں رکھا جاتا ہے جسے رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا یا ملائکہ اور رسل عظام میں سے وہ جانتا ہے۔ جسے رب تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے۔ اس کی جو تاویل کی جاتی ہے اسے اس کے ظاہر سے پھیرنے کی سعی کی جاتی ہے تو وہ غور و فکر اور ایمان کی کمی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ جب شریعت مطہرہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ دلائل عقلیہ اسے پھیر نہیں سکتے۔ اس مذکورہ گھنٹی کے بارے کہا جاتا ہے کہ یہ فرشتے کی آواز ہوتی تھی جب وہ وحی نازل کرتا تھا۔ یا یہ ملائکہ کے پروں کی آواز ہوتی تھی۔ علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ یہ لگاتار آواز ہوتی تھی۔ جسے آپ سماعت کرتے تھے۔ آپ ابتداء میں جو آواز سنتے تھے وہ ثابت نہیں رہتی تھی۔ آپ بعد میں اسے سمجھتے تھے۔

◆۳ گھنٹی کی آواز کو مقدم کرنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ کے کان مبارک وحی کے لیے تیار ہو جائیں ان میں کسی اور امر کی گنجائش نہ رہے۔ کیونکہ گھنٹی کی آواز لگاتار آتی ہے اس لیے دیگر آلات کو چھوڑ کر اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

◆۴ آپ کا یہ فرمان (وھو اشد علیّ) اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وحی ساری ہی شدید ہوتی تھی۔ لیکن یہ قسم سب سے زیادہ شدید ہوتی تھی۔ یہ بات واضح ہے۔ کیونکہ گھنٹی کی آواز سے کلام سمجھنا انسان کے کلام سے سمجھنے سے مشکل ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ عادت یہ ہے کہ قائل اور سامع کے مابین مناسبت ہونا ضروری ہے۔ یہ مناسبت یا

تو اس طرح ہے کہ سامع کو قائل کے وصف سے متصف کر دیا جائے اس پر روحانیت کا غلبہ ہو جائے یہ پہلی قسم ہے۔ یا قائل کو سامع کے وصف سے متصف کر دیا جائے۔ یہ بشریت ہے اور یہ دوسری قسم ہے۔ بلاشبہ پہلی قسم زیادہ شدید ہوتی ہے۔

امام بلقینی نے لکھا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کلام عظیم سے پہلے اس کی تعظیم کو سامنے رکھتے ہوئے۔ بہت سے امور کا اہتمام کرنا ہوتا تھا۔ جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ نزول وحی کی اس شدت کا علاج کرتے تھے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہ قسم اس لیے شدید ہوتی تھی کیونکہ اس سے دل کو یکجا کرنا پڑتا تا کہ جو کچھ سنے اسے خوب یاد رکھے۔

◆ ۵ ایک قول یہ ہے کہ آپ پر یہ کیفیت اس وقت طاری ہوتی تھی جبکہ وعید یا تہدید کی آیت اترتی تھی۔ لیکن الحافظ نے لکھا ہے کہ اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ قرآن پاک کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ جیسے کہ حضرت یعلی بن امیہ کی حدیث پاک سے ثابت ہے۔ مشقت پر مترتب ہونے والی اس شدت کا فائدہ یہ تھا کہ اس سے قریب میں اضافہ ہوتا تھا۔

◆ ۶ آپ کے فرمان (فینفصم عنّی و قد وعیت) یہ ماضی میں ہے جبکہ "فیکلمنی فأعی" یہ مستقبل میں ہے کیونکہ یاد کرنا آپ کو فرشتے سے جدا ہونے سے قبل حاصل ہو چکا ہوتا تھا۔ دوسری صورت میں مکالمہ کی حالت میں ہی وہ سب کچھ یاد ہو جاتا تھا۔ پہلی صورت میں آپ ملائکہ کے اوصاف سے متصف ہو جاتے تھے جب آپ اپنی فطرتی حالت پر آتے تو آپ کو وہ سب کچھ یاد ہو چکا ہوتا جو کچھ آپ سے کہا جاتا تھا۔ اس لیے اس کو ماضی سے تعبیر کیا۔ دوسری حالت معمول کی حالت ہوتی تھی۔

◆ ۷ امام الحرمین نے لکھا ہے کہ جب حضرت جبرائیل امین کسی انسانی شکل میں آتے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ رب تعالیٰ ان کی زائد خلقت کو ختم کر دیتا یا اسے زائل کر دیتا پھر بعد میں اسے لوٹا دیتا۔

الشیخ عزالدین بن عبدالسلام نے لکھا ہے کہ اگر کہا جائے کہ جب حضرت جبرائیل حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے۔ تو ان کی روح کہاں ہوتی تھی۔ کیا اس جسم میں ہوتی تھی جو حضرت دحیہ کلبی کی جسامت کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا۔ یا اس شکل میں ہوتی تھی جس پر انہیں پیدا کیا گیا ہے اور ان کے چھ سو پر ہیں۔ اگر وہ بڑے جسم میں ہوتی تھی تو جو حضور اکرم ﷺ کے پاس آتا تھا وہ جبرائیل نہیں ہو سکتا۔ نہ روح کی جہت سے نہ ہی جسم کی جہت سے۔ اگر روح اسی جسم میں ہوتی تھی جو حضرت دحیہ کے جسم کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا تو کیا وہ جسم مر جاتا تھا جس کے چھ سو پر تھے۔ جس طرح کہ وہ اجسام مر جاتے ہیں جب ارواح ان سے جدا ہو جاتے ہیں۔ یا وہ جسم زندہ اور اس روح سے خالی رہتا تھا جو اس جسم میں

منتقل ہو چکی ہوتی تھی جو حضرت دحیہ کے جسم کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا۔

میں کہتا ہوں'' یہ بعید نہیں ہے کہ وہ پہلے جسم سے منتقل ہو جاتے ہوں لیکن وہ اس کی موت کا موجب نہ بنتا ہو کیونکہ ارواح کے جدا ہونے سے اجسام پر موت طاری ہو جانا از روئے عقل واجب نہیں ہے۔ یہ ایک طریقہ ہے جسے رب تعالیٰ نے بنو آدم کی ارواح میں جاری فرمایا ہے۔ وہ جسم باقی رہتا ہے اس کے معارف اور اطاعت میں کچھ بھی کم نہیں ہوتا۔ ان کی روح کا دوسرے جسم میں منتقل ہو جانا اسی طرح ہو جس طرح شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتی ہے۔''

شیخ سراج الدین البلقینی نے اپنی کتاب ''الفیض الجاری علی صحیح البخاری'' میں لکھا ہے'' یہ بھی جائز ہے کہ آنے والے حضرت جبرائیل امین ہی ہوں اور وہ اپنی پہلی شکل میں ہوں۔ مگر یہ کہ جب وہ منضم ہو جاتے ہوں تو وہ انسانی شکل کی ہیئت کے برابر آ جاتے ہوں۔ جب اسے چھوڑتے ہوں تو وہ پہلی شکل میں آ جاتے ہوں۔ اس کی مثل وہ روئی ہے جو دھنی ہوئی ہو۔ دھننے سے اس کی بہت بڑی جسامت بن جاتی ہے اور ذات میں بھی کوئی تغیر نہیں آتا۔ یہ مثال صرف سمجھانے کے لیے ہے۔

علامہ علاء الدین القونوی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''الاعلام بالمام الارواح بعد الموت علی الاجسام'' میں لکھا ہے'' حضرت جبرائیل امین حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آجایا کرتے تھے۔ حضرت مریم کے لیے ایک تندرست انسان کی شکل میں منتقل ہو گئے تھے۔ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو ان کی حالتِ حیات میں ملکیہ قدسیہ کا خاصہ عطا فرمایا ہو۔ اسے ایسی قوت بخشی ہو کہ وہ کسی دوسرے بدن میں بھی تصرف کر سکتے ہوں حالانکہ وہ اپنے پہلے بدن میں بھی لگاتار تصرف کر رہے ہوں۔ ابدال کے بارے کہا جاتا ہے کہ انہیں ابدال اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جگہ سے منتقل ہو جاتے ہیں جبکہ ان کی جگہ پر ایک شبح ہوتی ہے جو ان کے اصل جسم کے مشابہ ہوتی ہے یہ اس کا بدل ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام نے عالم اجساد اور عالم ارواح کے مابین ایک اور عالم بھی ثابت کیا ہے اس پر وہ ارواح کے مختلف اجسام میں منتقل ہو جانے اور عالم امثال میں مختلف اشکال میں ظہور کرنے کی بنیاد رکھتے ہیں یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ (مریم: ۱۷)

ترجمہ: ''پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں۔''

ایک ہی روح، مثلاً حضرت جبرائیل امین کی روح ایک ہی وقت میں اصلی شبح میں بھی تصرف کر رہی ہوتی ہے اور اس مثال کی شبح میں بھی تصرف کر رہی ہوتی ہے۔ یہ عقد اس طرح حل ہو جاتا ہے جو بعض آئمہ سے منقول ہے کہ

انہوں نے بعض اکابر سے حضرت جبرائیل امین کے جسم کے بارے پوچھا۔ انہوں نے کہا: "ان کا پہلا جسم کہاں جاتا تھا؟" وہ جسم جس نے اپنے پروں سے افق کو گھیر لیا تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے انہیں ان کی اصل شکل میں دیکھا تھا۔ جب وہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔" بعض آئمہ نے یہ جواب دینے کا تکلف کیا تھا "ان کا بعض جسم بعض میں پیوست ہو جاتا تھا۔ ان کا حجم چھوٹا ہو جاتا تھا۔ وہ حضرت دحیہ کی شکل میں متشکل ہو جاتے تھے۔ پھر وہ پھیل کر پہلی شکل میں آجاتے تھے۔ لیکن جو کچھ صوفیائے کرام نے کہا ہے وہ بہت عمدہ ہے۔ یہ روا ہے کہ ان کا جسم اول پہلی حالت میں ہی ہوتا ہو۔ اس میں کوئی تبدیلی نہ آتی ہو۔ رب تعالیٰ نے ان کے لیے ایک اور شبح پیدا کر دی ہو۔ ان کی روح بیک وقت ان دونوں میں تصرف کر رہی ہو۔

علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں لکھا ہے "ارواح کی کیفیت اجسام کی کیفیت سے جداگانہ ہے۔ یہ رفیق الاعلیٰ میں ہوتی ہے۔ لیکن یہ میت کے بدن کے ساتھ بھی متصل ہوتی ہے۔ اس طرح کہ جب کوئی اسے سلام کرتا ہے تو یہ اسی سلام کا جواب دیتی ہے۔ حالانکہ وہ اپنی اسی جگہ میں ہوتی ہے۔ حضرت جبرائیل امین کو حضور اکرم ﷺ نے دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔ صرف دو پروں نے افق گھیر رکھا تھا۔ پھر وہ حضور اکرم ﷺ کے اتنے قریب ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ آپ کے مبارک گھٹنوں کے ساتھ اپنے گھٹنے ملا لیتے تھے۔ اپنے دست اقدس آپ کی مبارک رانوں پر رکھ لیتے تھے۔ اہلِ ایمان کے دلوں کو ایمان سے وسعت نصیب ہوتی ہے۔ وہ اتنا قریب ہو جاتے تھے۔ حالانکہ ان کا ٹھکانہ آسمانوں پر ہوتا تھا۔ رؤیۃ جبرائیل کی حدیث میں ہے "میں نے سر اقدس بلند کیا تو حضرت جبرائیل آسمانوں اور زمین کے مابین قدم ملائے ہوئے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے "محمد عربی! آپ اللہ تعالیٰ کے رسولِ معظم ہیں میں جبرائیل ہوں" میں جس سمت میں بھی نگاہ اٹھاتا میں انہیں اسی طرح دیکھتا۔"

جب غائب کو شاہد پر قیاس کیا جاتا ہے تو پھر غلطی ہو جاتی ہے۔ پھر یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ روح بھی اجسام کی جنس میں سے ہے۔ جو اگر ایک جگہ ہوں تو دوسری ہونا ان کے لیے ناممکن ہوتا ہے یہ خطا ہے۔"

الحافظ نے لکھا ہے "فرشتے کا انسانی شکل میں متشکل ہو جانے کا مفہوم یہ نہیں کہ اس کی ذات ہی آدمی بن جاتی تھی بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے وہ اس صورت میں اس لیے ظاہر ہوتے تھے تا کہ اپنے مخاطب کے ساتھ انس پیدا کریں۔ ظاہری امر یہ ہے کہ زائد مقدار نہ زائل ہوتی تھی نہ فنا ہوتی تھی۔ بلکہ دیکھنے والے سے مخفی ہو جاتی تھی۔

◆ ١ الحافظ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت میں جس بھنبھناہٹ کا تذکرہ ہے وہ گھنٹی کی آواز سے متعارض نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حاضرین کے اعتبار سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ تھی لیکن آپ کے مقام اعلیٰ کے اعتبار سے گھنٹی کی آواز تھی۔

بارھواں باب

فترۃ الوحی

ابن سعد نے حضرت ابن عباس سے، امام احمد، امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت امام زہری سے، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب آپ پر غارِ حرا میں وحی نازل ہوئی تو کچھ دن گزر گئے آپ نے حضرت جبرائیل امین کو نہ دیکھا۔ آپ بہت زیادہ غمناک ہوئے۔ آپ کئی بار پہاڑوں کی چوٹیوں تک اس لیے گئے تاکہ وہاں سے خود کو گرالیں۔'' حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ آپ کبھی ثبیر کی طرف جاتے اور کبھی حرا کی طرف تشریف لے جاتے۔ آپ کا ارادہ تھا خود اس سے نیچے گرالیں۔ آپ اسی اثناء میں کہ کسی پہاڑ پر جا رہے تھے تو حضرت جبرائیل امین ظاہر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: ''یا محمد عربی! آپ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔'' اس سے آپ کے نفس نفیس کو سکون ملا آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی۔ آپ واپس آگئے۔ جب فترۃ الوحی طوالت اختیار کر گئی تو دوسرے روز بھی اسی طرح ہوا۔ جب آپ پہاڑ کی چوٹی تک جاتے تو حضرت جبرائیل امین ظاہر ہو جاتے اور آپ کو اسی طرح عرض کرتے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں غارِ حرا میں ایک ماہ خلوت نشیں رہا۔ جب خلوت کے یہ دن گزر گئے تو میں نیچے اترا۔ وادی کے دامن میں آیا۔ اسی اثناء میں کہ میں چل رہا تھا۔ میں نے آواز سنی۔ میں نے دائیں طرف دیکھا مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے بائیں طرف دیکھا مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میں آگے پیچھے دیکھا اگر مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ پھر مجھے صدا سنائی دی۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی میں نے وہ فرشتہ دیکھا، جو میرے پاس غارِ حرا میں آیا تھا۔ وہ آسمان اور زمین کے مابین کرسی (یا عریش) پر بیٹھا ہوا تھا میں اس سے مرعوب ہو گیا۔ میں وادی میں اترا۔ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ گیا میں نے کہا: ''مجھے کپڑا اوڑھا دو مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ مجھ پر ٹھنڈا پانی انڈیلو۔ اس وقت یہ آیاتِ طیبات نازل ہوئیں۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ قُمْ فَأَنذِرْ ﴿٢﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿٥﴾ (المدثر: ١ تا ٥)

ترجمہ: ''اے چادر لپیٹنے والے! اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے۔ اور اپنے لباس کو پاک رکھیے اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہیے۔''

پھر لگاتار وحی آنے لگی۔

ابن اسحاق اور ان کے پیروکاروں نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت جبرائیل امین سورۃ الضحیٰ لے کر آئے۔

وَالضُّحٰى ﴿١﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿٢﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿٣﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿٤﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿٥﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿٨﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾ (والضحیٰ: ۱ تا ۱۱)

ترجمہ: "قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔ نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا۔ اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے۔ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوشِ رحمت میں) جگہ دی۔ اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔ اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔ پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجیے اور جو مانگنے آئے اس کو مت جھڑکیے اور اپنے رب (کریم) کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجئے۔"

تنبیہات

١. الحافظ نے لکھا ہے کہ فترۃ الوحی سے مراد وحی کا کچھ مدت کے لیے مؤخر ہو جانا ہے اس فترت سے اقراء اور یاایھا المدثر کے مابین حضرت جبرائیل امین کا حاضر خدمت ہونا مراد نہیں ہے بلکہ نزولِ وحی کا مؤخر ہونا مراد ہے۔" میں کہتا ہوں کہ اس مؤقف میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے جیسے کہ پہلے باب میں حضرت ابن عباس اور حضرت زہری کی روایات گزر چکی ہیں۔

٢. فترۃ الوحی میں حکمت یہ ہے تاکہ آپ کو ہونے والی بے چینی دور ہو سکے اور دوبارہ نزولِ وحی کا شوق پیدا ہو سکے۔

٣. فترت کی مدت میں اختلاف ہے امام سہیلی نے لکھا ہے کہ بعض احادیث میں یہ مدت اڑھائی سال مذکور ہے۔ "الزھر" میں ہے لیکن یہ مؤقف اس روایت سے مجروح ہوتا ہے جسے حضرت ابن عباس نے اپنی تفسیر میں رقم کیا ہے کہ یہ مدت چالیس دن تھی۔ تفسیر ابن جوزی، معانی الزجاج اور فراء نے یہ مدت پندرہ روز لکھی ہے۔ تفسیر مقاتل میں یہ مدت تین دن ہے۔ رب تعالیٰ کے ہاں آپ کے رفیع مقام کے ساتھ یہ مدت زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ وہ مدت مناسبت نہیں رکھتی جس کا امام سہیلی نے تذکرہ کیا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ امام سہیلی نے جس مؤقف پر اعتماد کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی

روایت اس کے معارض ہے کہ یہ مدت ایام پر مشتمل تھی۔

◆ الفتح کے بعض قدیمی نسخوں میں اور الشیخ اور الشیخ القسطلانی نے اپنی شروح میں تحریر کیا ہے کہ امام احمد نے اپنی تاریخ میں امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ فترتِ وحی کی مدت تین سال تھی۔ ابن اسحاق نے یقین کے ساتھ یہی قول کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: بلاشبہ یہ وہم ہے۔ اسے ابن اسحاق کی طرف منسوب کرنا بھی درست نہیں گویا کہ الحافظ نے اس موقف کی صرف تقلید کی ہے اور مذکور تاریخ کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اس تاریخ میں، طبقات ابن سعد میں اور دلائل البیہقی میں امام شعبی سے روایت ہے کہ جب آپ کی بعثت ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام تین سال تک آپ کے ہمراہ رہے۔ وہ آپ کو کلمہ اور کچھ امور سکھاتے رہے۔ اس وقت کسی زبان میں آپ پر قرآن پاک نہیں اترا تھا۔ جب یہ تین سال گزر گئے تو حضرت جبرائیل آپ کے ساتھ ہو گئے۔ اور بیس سال تک آپ پر آپ کی زبان میں قرآن پاک اترتا رہا۔

◆ حافظ ابن کثیر نے البدایۃ میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ فترت الوحی کی مدت دو سال یا اڑھائی سال تھی۔ ظاہر ہے یہ وہ مدت ہے جس میں حضرت میکائیل علیہ السلام آپ کے ہمراہ رہے۔ جیسے کہ امام شعبی وغیرہ نے لکھا ہے یہ اس امر کے منافی نہیں کہ اس سے قبل حضرت جبرائیل اقراء کا نزول آپ کر چکے تھے۔ پھر وہ فترت الوحی کی مدت آ گئی جس میں حضرت میکائیل آپ کے ہمراہ رہے۔ پھر حضرت جبرائیل "یا ایھا المدثر" لے کر آپ کے پاس آ گئے۔ پھر لگاتار وحی کا نزول ہونے لگا۔

میں کہتا ہوں" امام شعبی سے یہ ثابت ہے کہ آپ کے ہمراہ حضرت اسرافیل رہے نہ کہ حضرت میکائیل۔ اگرچہ ابن التین نے اسی موقف کو یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ امام شعبی کی عبارت کو سمجھنا چاہے اگرچہ کچھ سمجھ آ جائے تو یہی موقف ظاہر ہے۔

◆ امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فترۃ الوحی کے بارے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: "اسی اثناء میں کہ میں چل رہا تھا۔ میں آسمان سے ایک آواز سنی میں نے نظر اٹھائی تو مجھے وہی فرشتہ نظر آیا جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا۔"

سورۃ المزمل کی تفسیر میں حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے پوچھا کہ قرآن پاک کی کون سی آیت پہلے نازل ہوئی۔ انہوں نے فرمایا: "یا ایھا المدثر" میں نے کہا "مجھے بتایا گیا ہے کہ سب پہلے اقراء باسم ربک نازل ہوئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں تمہیں وہی کچھ بتاتا ہوں

جو مجھے حضور اکرم ﷺ نے بتایا تھا۔ آپ نے فرمایا: "میں غارِ حرا میں خلوت گزیں تھا۔ جب خلوت کی مدت ختم ہوگئی میں نیچے آیا تو مجھے آواز سنائی دی۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ امام زھری کی روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے قول کہ سورۃ المدثر پہلے نازل ہوئی میں اولیت سے مراد وہ اولیت مخصوصہ مراد ہے جو فترۃ الوحی کے بعد آئی۔ یا یہ انذار کے ساتھ مختص ہے۔ اس سے مطلق اولیت مراد نہیں ہے۔ حرف عطف اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ علم ہو سکے کہ اس کا پہلے امر پر عطف ہے۔ گویا کہ حضرت عروہ نے کہا ہے "ای بحدیث عائشہ فی بدء الوحی و نزول سورۃ اقراء"

پھر الحافظ نے کہا ہے: "اگر اس میں واؤ عاطفہ کا ثبوت ہی ہوتا یہ اس چیز کے تقدم پر دلالت کرتی ہے جس پر عطف کیا جائے تو پھر ان کا قول "عن فترۃ الوحی" اور "الملك الذی جاء نی بحراء" دلالت کرتا ہے کہ "یا ایھا المدثر" اقراء سے بعد نازل ہوئی۔

حضرت یحییٰ بن کثیر کی حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے، حضرت جابر سے مروی روایت پہلے گزر چکی ہے۔ ان دونوں جملوں کی وجہ سے امر میں اشکال پیدا ہوگیا۔ جب کہ بعض نے یہ یقین کرلیا ہے کہ سب سے پہلے "یا ایھا المدثر" نازل ہوگی۔ لیکن امام زھری کی یہ روایت صحیح ہے جس نے اس اشکال کو ختم کر دیا ہے۔

انہوں نے تفسیر میں تذکرہ کیا ہے کہ یحییٰ کی روایت میں اس فرمان کی وجہ سے مشکل پیدا ہوتی ہے "میں نے غار حرا میں خلوت گزینی کی۔ جب یہ مدت گزر گئی تو میں نیچے اترا۔ میں وادی میں پہنچا تو یہ صدا دی گئی...... میں نے سر بلند کیا تو حضرت جبرائیل ہوا میں عرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس آیا۔ میں نے کہا: "مجھے چادر اوڑھ دو۔" دو امور میں سے کسی ایک امر کی وجہ سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کہ یا تو یحییٰ سے یا ان کے شیخ سے اس قصہ میں سے جملے رہ گئے ہیں "حضرت جبرائیل غارِ حرا میں سورۃ اقراء لے کر آئے۔" پھر وہ ساری روایت جس کا تذکرہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیا ہے یا آپ کسی اور مہینے میں غار حرا میں خلوت گزیں ہوئے ہوں گے۔ امام بیہقی نے حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت لکھی ہے کہ آپ ہر سال میں ایک مہینہ (رمضان المبارک) میں غارِ حرا میں خلوت گزیں ہوتے تھے۔ یہ خلوت گزینی فترت وحی کی مدت میں تھی۔ جب یہ خلوت گزینی ختم ہوئی تو حضرت جبرائیل امین آپ کے پاس آگئے۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ جس نے یہ قول کیا ہے کہ سورہ اقراء پہلے نازل ہوئی تو اس نے مطلق اولیت کا ارادہ کیا ہے جس نے کہا ہے کہ "یا ایھا المدثر" پہلے نازل ہوئی۔ اس نے رسالت کی قید کی وضاحت کے ساتھ یوں کہا ہے۔ کرمانی نے لکھا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جو یہ کہا ہے کہ یا ایھا المدثر پہلے نازل ہوئی۔ یہ ان کا اجتہاد ہے یہ ان کی روایات میں

سے نہیں ہے۔صحیح وہی ہے جسے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا ہے۔

◆ عطاء خراسانی نے لکھا ہے کہ سورۃ المزمل، سورۃ المدثر سے پہلے نازل ہوئی۔ الحافظ نے لکھا ہے کہ عطا ضعیف ہے اور اس کی روایت معضل ہے۔صحیح احادیث ظاہر کرتی ہیں کہ سورۃ المزمل بعد میں نازل ہوئی۔ کیونکہ اس میں رات کے وقت قیام کا تذکرہ ہے۔ یہ امور ابتدائے وحی سے مؤخر ہیں۔لیکن سورۃ المدثر کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس میں ہے قم فانذر (المدثر:۲) ترجمہ: "اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے۔"

ایک اور جگہ انہوں نے لکھا ہے "یا ایھا المدثر" کے نزول کے بارے دو احادیث کو ملانے سے یہ بات آشکارہ ہوتی ہے کہ یہ آپ کے فرمان "دثرونی اور زملونی" کے بعد نازل ہوئی۔ کیونکہ زملونی سے مراد دثرونی ہے۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس وقت یا ایھا المزمل کا نزول ہو چکا تھا۔ کیونکہ اس میں مفسرین کا اتفاق ہے کہ یا ایھا المزمل یا ایھا المدثر کے بعد نازل ہوئی۔ کیونکہ یا ایھا المدثر کی ابتدا میں انذار کا تذکرہ ہے۔ اس کے ساتھ ابتدا میں آپ کی بعثت ہوئی۔ جبکہ سورۃ المزمل کا آغاز قیام اللیل سے ہو رہا ہے اس میں قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا تذکرہ ہے۔ یہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے قبل بہت سا قرآن پاک نازل ہو چکا ہو۔

◆ سورۃ المدثر کی وہ مقدار جو نازل ہوئی اس میں وہ امر ہے جو رسالت کے متعلق ہے۔ پہلی آیت طیبہ میں اس حالت سے موانست کا تذکرہ ہے جس میں آپ اس وقت تھے۔ یعنی چادر اوڑھنے کی حالت۔ اس سے آپ کی رفیع شان آشکارا ہوتی ہے۔ آپ کے اسمائے گرامی مدثر اور مزمل میں پہلے بحث ہو چکی ہے۔ دوسری آیت طیبہ میں انذار کا ذکر ہے۔ مفعول کو تفخیم کے لیے حذف کر دیا گیا ہے۔ قیام سے مراد یا تو حقیقی قیام ہے یعنی آپ اپنے بستر سے اٹھیں۔ یا اس سے مجازی معنی مراد ہے۔ یعنی آپ اٹھنے کا محکم ارادہ فرمائیں۔ اس جگہ صرف انذار پر اکتفاء کرنے میں حکمت یہ ہے حالانکہ آپ کو مبشر بھی بنا کر بھیجا گیا تھا کیونکہ اسلام کی ابتدا تھی۔ اس لیے انذار کا حکم دیا گیا۔ جب اس نے آپ کی اطاعت کر لی جس نے کر لی تو پھر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٤٥﴾ (الاحزاب:۴۵)

ترجمہ: "ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔"

تیسری آیت طیبہ میں رب تعالیٰ کی بزرگی اور تعظیم بیان کرتے ہوئے اس کی عظمت و کبریائی بیان کرنے کا حکم ہے اس کو نماز کی تکبیر پر بھی محمول کرنے کا احتمال ہے جیسے کہ چوتھی آیت میں تطہیر کو بدن اور کپڑوں کی تطہیر پر محمول کیا جاتا ہے۔ پانچویں آیت میں ہر اس چیز کو ترک کرنے کا حکم ہے۔ جو توحید کے منافی ہو اور عذاب کی طرف لے جائے۔ ان دونوں سورتوں کے مابین مناسبت حاصل ہو گئی۔ یہ دونوں نزولِ وحی کے آغاز میں نازل ہوئیں۔ ان کے الفاظ قلیل اور

معانی کثیر ہیں۔

(۹) ابن اسحاق نے سورۃ الضحیٰ کے نزول کا جو سبب ذکر کیا ہے۔ اسے امام الطبرانی نے العوفی کی سند سے روایت کیا ہے۔ لیکن العوفی ضعیف راوی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اسے اسماعیل آلِ زبیر کے غلام کی سند سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ اسے سلیمان التیمی نے اس سیرت میں لکھا ہے جسے انہوں نے تالیف کیا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے "یہ ساری روایات کسی حالت میں بھی ثابت نہیں ہیں۔ یہ اس سبب کے مخالف ہیں جو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت جندب بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ علیل ہو گئے۔ آپ دو یا تین راتیں قیام نہ فرما سکے۔ ایک عورت آپ کے پاس آئی۔ اس نے کہا: "مجھے لگتا ہے کہ آپ کا شیطان آپ کو چھوڑ گیا ہے۔ وہ دو یا تین راتوں سے آپ کے قریب نہیں آیا۔" اس وقت سورۃ الضحیٰ کا نزول ہوا۔"

الحافظ نے لکھا ہے "صحیح مؤقف یہ ہے کہ وہ فترت جو سورۃ الضحیٰ کے نزول کے سبب میں بیان کیا جاتا ہے۔ وہ مذکورہ فترت کے علاوہ ہے۔ جو ابتدائے وحی میں ہوئی۔ وہ کئی دنوں پر مشتمل تھی جبکہ یہ دو یا تین راتوں تک مشتمل تھی۔ بعض راویوں پر یہ معاملہ مختلط ہو گیا ہے۔ صحیح معاملہ وہی ہے جس کا ہم نے تذکرہ کر دیا ہے۔ ابن کثیر نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ سیرتِ ابن سحاق میں اس سورت کے نزول کا ایک اور سبب بھی بیان کیا جاتا ہے۔ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ جب مشرکین نے آپ سے ذوالقرنین وغیرہ کے بارے پوچھا تو آپ نے ان سے جواب کا وعدہ کر لیا لیکن ان شاء اللہ نہ کہا تو بارہ دنوں تک حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔ آپ مضطرب ہو گئے۔ مشرکین طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ تو حضرت جبرائیل امین سورۃ الضحیٰ لے کر حاضر ہو گئے۔ ان سوالات کا جواب بھی لے کر آئے جو انہوں نے پوچھے تھے۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ اس مقام پر سورۃ الضحیٰ کا نزول بعید از قیاس ہے۔ لیکن یہ جائز ہے کہ دو قصوں میں زمانہ قریب ہو۔ راویوں نے ایک قصہ کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا ہو۔ یہ واقعات بعثت کی ابتداء میں رونما نہیں ہوئے تھے بلکہ کافی مدت بعد میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔

الطبرانی نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں مشہور راوی نہیں کہ حضرت جبرائیل امین کے نہ آنے کا سبب یہ تھا کہ آپ کی چارپائی کے نیچے کتے کا بچہ تھا۔ آپ کو اس کے بارے علم نہ تھا۔ جس کی وجہ حضرت جبرائیل امین دیر سے آئے۔ حضرت جبرائیل کے جلد نہ آنے کا سبب کتے کا یہ بچہ ہونا مشہور ہے۔ لیکن یہ اس سورت کے نزول کا سبب نہیں بن سکتا۔ صحیح میں اسے مردود کہا گیا ہے۔ یہ امر جو اس کے مخالف ہو وہ ثابت نہیں ہے۔

(۱۰) الاسماعیلی نے لکھا ہے کہ فترۃ الوحی نبوت کی تاسیس کے مقدمات میں سے تھی۔ تاکہ اس سے آپ کی مشق ہو

سکے۔لیکن یہ آپ پر گراں گزری۔ کیونکہ آپ کو رب تعالیٰ کی طرف سے ابھی اس طرح مخاطب نہیں کیا گیا تھا۔ آپ ربِ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ان کے بندوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔" آپ پر یہ گراں گزرا کہ شاید یہ ایسا امر ہو جس سے ابتدا کی گئی ہو۔لیکن یہ مکمل نہ ہوا ہو۔ اسی لیے آپ غمزدہ ہوئے۔ حتیٰ کہ جب آپ نبوت کا بوجھ برداشت کرنے کے عادی ہو گئے۔ اور اس بوجھ پر آپ صبر فرماتے جو آپ پر اترتا تو رب تعالیٰ نے آپ کے لیے وہ کچھ کھول دیا جو اس نے کھول کے دیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب کسی کو ابتداءً مخاطب کیا جائے جب حال اس امر کی حقیقت پر دلالت نہ کرے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کو الحمد للہ کہتے ہوئے سنے۔ اس کے لیے ظاہر نہ ہو سکے کہ وہ قرأت کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ بعد کی آیات پڑھ لے تو اس کو یقین ہو جائے گا کہ وہ قرأت کر رہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی کو یوں کہتے ہوئے سنے "خلت الدیار" اسے یقین نہ آئے کہ وہ شعر پڑھ رہا ہے حتیٰ کہ وہ کہہ دے "محلها و مقامها"۔

آپ نے پہاڑوں کی چوٹیوں سے خود کو گرانے کا ارادہ اس لیے کیا تھا کیونکہ نبوت کا بوجھ برداشت کرنے کی قوت کمزور تھی۔ آپ کو خدشہ تھا کہ ساری مخلوق اس کی مخالفت کرے گی۔ جس طرح ایک شخص اس غم سے نجات حاصل کرنا چاہے جو اسے جلدی آلے۔ وہ اسے دور کرنے کے اسباب تلاش کرنے لگے۔ حتیٰ کہ وہ اس عمدہ انجام میں غور وفکر کرلے۔ جو بالآخر اسے نصیب ہونا ہے تو وہ صبر کرلے گا اس کے نفس کو قرار نصیب ہوگا۔

الحافظ نے لکھا ہے "پہلا ارادہ جو مذکور ہے اس کے بارے صحیح خبر میں ہے کہ اس خدشہ کی وجہ سے تھا کہ کہیں آپ اس امر سے محروم نہ ہو جائیں جس کی بشارت ورقہ نے دی تھی۔ دوسرا ارادہ، جس کے بعد حضرت جبرائیل آپ کے لیے عیاں ہوئے اور عرض کی "آپ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں" وہ یہ احتمال رکھتا ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے۔

جو بات میرے لیے عیاں ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اس معنی میں ہے جو اس سے پہلے ذکر ہوا ہے۔ جو مفہوم اسماعیلی نے ذکر کیا ہے۔ وہ اس سے قبل حضرت جبرائیل کی ابتداءً آمد میں ظہور پذیر ہو گیا تھا۔ شاید یہ مفہوم اس روایت سے ماخوذ ہو جسے الطبرانی نے ابن شہاب سے ذکر کیا ہو۔ اس میں ہے "اے محمد عربی ﷺ! آپ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔" آپ نے فرمایا: "میں نے ارادہ فرمایا تھا کہ میں خود کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا لوں"۔ (یہ فقرات بدءالوحی کی حدیث سے ساتھ باہر سے چسپاں کر دیے گئے ہیں۔ یہ باطل میں کھوٹے اور مردود ہیں تفصیلات جاننے کے لیے ضیاء النبی جلد دوم صفحہ ۲۱۲ تا ۲۱۶ کا مطالعہ کریں۔ مترجم)

❁❁❁

تیرھواں باب

وحی، نبی، رسول، نبوت اور رسالت کا معنی

"الوحی" باب وَحیٰ یحیٰ سے مصدر ہے۔ اُوحی الیہ بھی اسی طرح ہے۔ اس کی جمع وُحِیٌّ آتی ہے۔ یہ اصل میں فلوس کی طرح فعول کے وزن پر ہے۔ بعض اہلِ کہتے ہیں "وحیت الیه، ووحیت له و اوحیت الیه وله"۔ لغت میں اس سے مراد کسی کو شریعت مطہرہ کے بارے بتانا ہے۔ کبھی وحی کو مطلق رکھا جاتا ہے اور اس سے مراد اسم مفعول "الموحیٰ" لیا جاتا ہے۔ اس وقت مصدر کا اطلاق مفعول پر ہوگا۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ (النجم: ۴)

ترجمہ: "مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔"

اس سے مراد وہ کلام ہے جسے نبی کریم ﷺ پر نازل کیا گیا۔ میں نے اپنی کتاب القول الجامع الوجیز میں وحی اور اس کے معانی پر خوب بحث کی ہے۔ اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔

الرسول، اس سے مراد وہ مذکر انسان ہے جس پر عمل اور تبلیغ کے بارے وحی کی جائے۔ یہ رسالۃ سے فعول کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد رب تعالیٰ کا اس انسان کو یوں فرمانا ہے جسے وہ جان لے "میں نے تمہیں بھیجا ہے یا میں نے تمہیں مبعوث کیا ہے۔ میری طرف سے پیغام پہنچاؤ۔" ایک قول یہ ہے کہ یہ رب تعالیٰ اور اس کے بندوں میں سے عقلمندوں کے مابین سفارت ہے۔ رسالت نبوت سے افضل ہے۔ کیونکہ اس میں امت کی ہدایت کے لیے حکم دیا جاتا ہے جبکہ نبوت نبی تک محدود ہوتی ہے جیسے علم اور عبادت۔ الشیخ عزالدین بن عبدالسلام نے لکھا ہے "نبوت رسالت سے افضل ہے کیونکہ یہ رب تعالیٰ کی معرفت اور اس کی صفات کی معرفت کے بارے وحی ہے۔ یہ اپنی دونوں اطراف کے اعتبار سے رب تعالیٰ کے متعلق ہے۔ جبکہ رسالت میں تبلیغ کا حکم ہوتا ہے وہ دونوں اطراف میں سے صرف ایک طرف رب تعالیٰ کے متعلقہ ہوتی ہے۔" اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ یہ رسالت نبوت کو بھی مستلزم ہوتی ہے۔ یہ نبوت پر بھی مشتمل ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ رسول کی طرح ہے۔ جو اس نبوت سے اخص ہوتا ہے جو اعم ہوتی ہے۔ جیسے النبی، رسول مرسل کے معنی میں ہے یہ فعول کے وزن پر مفعل کے معنی میں ہے۔

ارسال سے مراد رب تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ وہ ان لوگوں کو تبلیغ کرے جن کی طرف اسے بھیجا گیا ہے۔ یہ تتابع کے

مفہوم میں ہے جیسے "جاء الناس اَرسالا" لوگ گروہ در گروہ آئے۔ جب وہ ایک دوسرے کے پیچھے آئیں گویا کہ یہ بار بار تبلیغ کرنے کو لازم ہے۔ یا امت کے لیے اس رسول کی اتباع لازم قرار دی جاتی ہے۔

النبی:

یہ یا تو مُنبأ کے معنی میں ہو گا کیونکہ رب تعالیٰ اپنے نبی کو اپنے غیب سے آگاہ فرماتا ہے اسے بتاتا ہے کہ وہ اس کا نبی ہے۔ یہ فعیل کے وزن پر فعول کے معنی میں ہے۔ یا یہ منبئ کے معنی میں ہو گا۔ یعنی لوگوں کو وہ کچھ بتانے والا جو اس کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ یہ فعیل کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے۔ یہ اکثر ہمزہ کے بغیر آتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ مہموز ہے جسے مخفف کیا گیا ہے۔ اس کے ہمزہ کو یاء میں تبدیل کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ النبوہ سے مشتق ہے۔ اس سے مراد رفعت ہے کیونکہ نبی کا رتبہ ساری مخلوق سے زیادہ بلند ہوتا ہے۔ النباء کا معنی خبر ہے کیونکہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے بتایا ہے بعض اوقات سہولت کے لیے اس پر ہمزہ نہیں بھی ڈالا جاتا۔

نبی سے مراد وہ مذکر انسان ہے جس پر رب تعالیٰ اپنی شریعت کی وحی کرے اور اسے اس کی تبلیغ کا حکم نہ دے اگر اسے تبلیغ کا حکم دیا تو وہ رسول بن جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر اسے تبلیغ کا حکم دیا گیا لیکن اس پر کتاب نازل نہ ہوئی یا اس اپنے سے ما قبل نبی کی شریعت کو منسوخ نہ کیا تو وہ نبی ہے۔ اگر اس میں یہ وصف پائے گئے تو وہ رسول ہے۔ دو اقوال کی بناء پر رسول نبی سے اخص ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ۔ (الحج ۵۲)

ترجمہ: "اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی۔"

رب تعالیٰ نے ارسال کو دونوں کے لیے ثابت فرمایا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اگر دونوں مترادف ہوتے تو پھر بلیغ کلام میں ان کا تکرار اچھا نہ ہوتا۔ اس آیت میں یہ عبارت مقدر ہے: وما ارسلنا من رسول ولا نبأنا من نبئ۔

جسے شاعر کا یہ شعر ہے:

و رائیتکُ روحك فی الوغٰی   متقلد سیفا و رمحًا

یعنی حاملاً رمحاً۔

آمدی رحمۃ اللہ علیہ نے نبوت کے بارے فلاسفر کا قول ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "اس شخص کا قول جس نے کہا ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جسے اپنا نبی ہونا معلوم ہو۔" بعض نے لکھا ہے کہ نبوت حق تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین سفارت کا

نام ہے۔" یہ سارے اقوال غلط ہیں۔صحیح مؤقف وہی ہے جسے اشاعرہ میں سے اہل حق وغیرہم نے اختیار کیا ہے کہ نبوت نبی کی ذاتیات میں سے کسی ذاتی کی طرف راجع نہیں ہے نہ ہی اس کے اعراض میں سے کوئی عرض ہے جسے اس کے لیے کمایا گیا ہو بلکہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہبہ ہوتی ہے۔ یہ اس پر اس کی طرف سے نعمت ہوتی ہے۔وہ اسے رسالت کا اہل بنا دیتا ہے۔اس کا لب لباب رب تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف راجع ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چن لے وہ اسے کہے:"میں نے تمہیں بھیجا ہے یا میں نے تجھے مبعوث کیا ہے تم میرا پیغام پہنچاؤ۔"

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اور رسالت اعتبار یہ صفات میں سے ہیں جیسے ولی کے لیے ولایت، سلطان کے لیے امامت وغیرہا کیونکہ قول اپنے متعلق کے لیے کوئی صفت واجب نہیں کرتا۔ جیسے کہ قاضی عرض الدین نے وضاحت کی ہے:

تنبیہات

1. رب تعالیٰ کے اس فرمان "ارسلنك" سے رسالت کا قدیمی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ رب تعالیٰ کا کلام قدیمی ہوتا ہے کیونکہ رسالت فقط کلام قدیم نہیں ہے بلکہ یہ متعلق کے اعتبار سے کلام قدیمی ہے جبکہ تعلق اور متعلق حادث ہیں قدیمی نہیں ہیں۔

2. امام حاکم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کی:"یانبیئَ اللہ! (ہمزہ کے ساتھ) حضور اکرم ﷺ نے اسے فرمایا:"میں نبیئَ اللہ نہیں ہوں بلکہ میں نبیَ اللہ ہوں۔" امام ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ منکر حدیث ہے اس کی سند میں حمدان بن اعین ہے یہ ثقہ نہیں ہے۔اگر اسے صحیح سمجھ بھی لیا جائے تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ ابو یزید نے لکھا ہے کہ نبأت من ارض الی ارض اخری" یعنی میں ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف نکلا جب اس نے کہا:"یانبیئَ اللہ! تو احتمال ہے کہ اس نے ارادہ کیا ہو"اے طرید اللہ! جسے رب تعالیٰ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکالا ہو۔آپ نے اسے اس طرح مخاطب کرنے سے منع کیا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح رب تعالیٰ نے اہل ایمان کو "راعنا" کہنے سے منع فرمادیا کیونکہ اس لفظ سے یہودی آپ کو برے نام سے یاد کرنے کا ارادہ کرتے تھے۔

✿✿✿

چودھواں باب

آپ کی اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت کی مثال

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میری مثال اور اس علم اور ہدایت کی مثال جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے وہ کثیر بارش ہے جو کسی جگہ برسے۔ اس جگہ کا ایک حصہ عمدہ ہو جو پانی کو قبول کرلے۔ وہاں بہت سا گھاس اُگے۔ دوسرا حصہ سخت ہو۔ جو پانی کو روک لے۔ لوگ اس پانی سے فائدہ اٹھائیں لوگ خود بھی اس سے پانی پئیں اور اپنے جانوروں کو بھی پلائیں۔ زمین کا تیسرا حصہ چٹیل میدان ہو جو نہ تو پانی کو روکے اور نہ ہی گھاس پیدا کرے۔ یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے رب تعالیٰ کا دین سیکھا۔ اس چیز نے اسے نفع دیا جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا اس نے علم حاصل کیا۔ دوسروں کو سکھایا۔ دوسری مثال اس شخص کی ہے۔ جس نے اس کی وجہ سے سر نہ اٹھایا۔ اس ہدایت کو قبول نہ کیا جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ (بخاری، مسلم)

امام بیہقی، امام احمد، اور رامہرمزی نے حضرت عبداللہ بن بریدۃ سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ نے تین دفعہ فرمایا: "اے لوگو! میری مثال اس چیز کی مثال جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ اس قوم کی سی ہے جو اپنے دشمن سے ڈرے کہ وہ اس پر اچانک حملہ آور نہ ہو جائے وہ کسی شخص کو بھیجیں جو ان کے لیے دشمن کی خبر رکھے۔ وہ شخص دشمن کو دیکھ لے۔ وہ آئے تاکہ اپنی قوم کو آگاہ کرے۔ اسے خدشہ ہو کہ اسے دشمن اس سے قبل آلے گا کہ وہ اپنی قوم کو آگاہ کرے۔ وہ اپنے کپڑے سے اشارہ کرے۔ "اے لوگو! دشمن تمہارے پاس آگیا ہے۔" (وہ تین باریوں کہے) میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھ لیا ہے میں نے عیاں طور پر دشمن دیکھ لیا ہے۔ نجات! نجات! اس کی قوم کا ایک گروہ اس کی اطاعت کرے۔ وہ رات کی ابتداء میں سامان سفر باندھ لیں۔ وہ وقار اور سکون کے ساتھ چلیں وہ نجات پا جائیں جبکہ دوسرا گروہ اس کی تکذیب کریں۔ وہ اپنی جگہ پر ہی رہیں۔ دشمن اس پر حملہ کرکے اسے تہس نہس کرے۔ یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے میری اطاعت کی۔ اس کی اتباع کی۔ حق میں سے جو کچھ میں لے کر آیا ہوں۔ دوسری مثال اس شخص کی ہے جس نے میری تکذیب کی میری نافرمانی کی۔

امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور امام بخاری اور امام ترمذی نے حضرت جابر بن

عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "حضور ﷺ نے سر اقدس میری گود میں رکھا اور آرام فرما ہو گئے۔ جب آپ سو جاتے تھے تو آپ کے خراٹوں کی آواز آتی تھی۔ اسی اثناء میں کہ میں بیٹھا ہوا تھا حضور ﷺ میری ران کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے پاس ایسے افراد آئے جنہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے حسن و جمال سے رب تعالیٰ ہی آگاہ تھا۔ وہ آپ کے پاس آ کر رک گئے۔ بعض آپ کے سر اقدس کے پاس اور بعض مبارک ٹانگوں کے پاس بیٹھ گئے۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے انہوں نے فرمایا: "حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: "میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا کہ حضرت جبرائیل میرے سر کے پاس اور حضرت میکائیل میری ٹانگوں کے پاس ہیں۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "ان کی ضرب المثل بیان کرو۔" انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: "اس عبد کامل کو بھلائی عطا کی گئی ہے۔ ہم نے کسی بندے کو نہیں دیکھا جسے اس طرح عطا کیا گیا ہو جس طرح انہیں عطا کیا گیا ہے۔ ان کی چشمان مقدس سو جاتی ہیں لیکن قلب انور بیدار رہتا ہے۔" ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: "آؤ ہم ان کے لیے ضرب المثل بیان کریں۔" ان میں سے بعض نے کہا: "یا تو تم ضرب المثل بیان کرو ہم اس کی تاویل کرتے ہیں یا ہم ضرب المثل بیان کرتے ہیں تم اس کی تاویل کرو۔" ایک نے کہا: "سنو! تمہارے کان سنیں۔ سمجھو تمہارا دل سمجھے۔ ان کی مثال اس فرشتے (یا آدمی) کی سی ہے۔ ایک روایت میں ہے "سید" کا تذکرہ ہے جس نے ایک مضبوط عمارت بنائی۔ پھر اس نے اس میں دعوت کی۔ پھر اس نے ایک دعوت دینے والا بھیجا۔ اس نے لوگوں کو اس کے کھانے اور پینے کی طرف دعوت دی۔ ان میں سے بعض نے اس قاصد کی دعوت پر لبیک کہا۔ بعض نے دعوت رد کر دی۔ جس نے دعوت قبول کر لی اس نے اس کے کھانے سے کھایا۔ اس کے مشروب سے پیا۔ جس نے دعوت قبول نہ کی اسے سخت عذاب دیا گیا۔ اب اس کی تاویل بیان کرو۔" دوسرے نے کہا: "سید سے مراد رب تعالیٰ کی ذات والا ہے۔ عمارت سے مراد اسلام ہے۔ کھانے سے مراد جنت ہے داعی سے مراد حضور ﷺ کی ذات والا ہے۔ جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے رب تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اسے جنت ملی جس نے آپ کی نافرمانی کی۔ اس نے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوا۔ حضور ﷺ نے لوگوں کے مابین خطِ امتیاز کھینچ دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "پھر حضور ﷺ بیدار ہوئے۔" فرمایا: "اے ابن ام عبد! تم نے کیا دیکھا ہے؟ کیا تم نے سنا ہے کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ حضرت عبداللہ نے عرض کی: "میں نے یوں یوں دیکھا ہے۔" آپ نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون تھے؟" میں نے عرض کی: "رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "جو انہوں نے ضرب المثل بیان کی ہے وہ یہ ہے: "رحمٰن نے جنت بنائی۔ اس کی طرف اپنے بندوں کو بلایا جس نے اس کی دعوت پر لبیک کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ جس نے اس کی دعوت پر لبیک نہ کہا۔ اسے

عذاب اور سزا ملی۔ انہوں نے جو کچھ کہا اس میں سے کچھ بھی میرے لیے مخفی نہ رہا۔ وہ ملائکہ تھے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میری اور لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ روشن کی۔ جب اس کا ارد گرد روشن ہو گیا تو اس میں ٹڈیاں، کیڑے مکوڑے اور جانور گرنے لگے۔ وہ انہیں روکنے لگا لیکن یہ جانور اس پر غلبہ پا گئے اور آگ میں گرنے لگے۔ میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے روک رہا ہوں لیکن تم اس میں زبردستی گھس رہے ہو۔"

امام مسلم کی روایت میں ہے: "یہ میری اور تمہاری مثال ہے۔ میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے روک رہا ہوں لیکن تم مجھ پر غالب آ رہے ہو اور زبردستی اس میں داخل ہو رہے ہو۔"

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس طرح دیکھا جس طرح ایک سونے والا دیکھتا ہے۔ آپ نے دو فرشتے دیکھے۔ ایک آپ کی مبارک ٹانگوں کے پاس بیٹھ گیا دوسرا آپ کے سر اقدس کے پاس بیٹھ گیا۔ جو آپ کی مبارک ٹانگوں کے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے دوسرے سے کہا: "ان کی اور ان کی امت کی مثال بیان کرو۔" دوسرے نے کہا: "ان کی اور ان کی امت کی مثال کچھ یوں ہے کہ ایک مسافر قوم ہو جو کسی چٹیل میدان تک پہنچی ہو۔ ان کے پاس زادِ راہ نہ ہو جس کے ساتھ وہ میدان عبور کر سکیں یا واپس آ سکیں وہ اسی حالت پر ہوں کہ ایک شخص ان کے پاس آئے جس نے دھاری دار چادر کا حلہ پہن رکھا ہو۔" وہ کہے: "تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں گھاس والے باغ میں سیراب کرنے والے حوض پر لے چلوں۔ کیا تم میری اتباع کرو گے؟ وہ کہیں "ہاں" وہ انہیں سرسبز شاداب باغ میں بھرپور حوض پر لے جائے۔ وہ اس سے کھائیں پئیں اور موٹے ہو جائیں وہ شخص انہیں کہے: "کیا میں نے تمہیں اس حالت پر نہیں پایا تھا۔ تم نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہیں سرسبز و شاداب باغ اور بھرپور حوض پر لے چلوں تو تم میری اتباع کرو گے؟ وہ کہیں "ہاں! وہ کہے تمہارے سامنے اس سے بھی شاداب باغ ہے۔ اس حوض سے بھی زیادہ لبریز حوض ہے تم میری پیروی کرو۔" ان میں سے ایک گروہ کہے: "اس نے سچ کہا ہے۔ ہم اس کی ضرور پیروی کریں گے۔" دوسرا کہے: "ہم اس پر راضی ہیں۔ ہم اسی جگہ قیام کریں گے۔"

تنبیہات

1. پہلی حدیث پاک کے بعض فوائد:

الغیث سے مراد بارش ہے بارش کے سارے ناموں کو چھوڑ کر صرف الغیث کو مختص کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مخلوق کو اس وقت بارش کی کتنی ضرورت تھی؟ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا۔ (الشوریٰ ۲۸)

ترجمہ: "اور وہی ہے جو برساتا ہے مینہ اس کے بعد کے لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں۔"

آپ کی بعثت سے قبل لوگ زمانہ فترت میں تھے۔ انہیں دل کی موت اور علم کے چلے جانے کے ساتھ آزمایا گیا تھا۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ کی رحمت نے ان کی دست گیری کی۔ اس نے آسمانی وحی کی برکھا ان پر برسائی۔ ان کی حالت کو اس شخص کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی جسے لگاتار قحط سالی کا سامنا کرنا پڑے۔ پھر ان پر برسنے والے بادل چھا جائیں حتیٰ کہ رب تعالیٰ کا لطف و کرم انہیں آلے۔ آسمان سے رحمت کی بارش برسنے لگے۔ پھر ہر فریق اس بارش سے اسی طرح حصہ لے جس طرح کہ ان مثالوں میں بیان کیا گیا ہے۔

امام قرطبی، امام نووی نے حضرت قاضی صاحب کی اتباع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دین متین کو اس عام بارش کے ساتھ تشبیہ دی جو لوگوں پر اس وقت برسے جب انہیں اس کی ضرورت ہو۔ آپ کی بعثت سے قبل لوگوں کی یہی حالت تھی جیسے کہ ابر کرم مردہ شہر کو حیاتِ نو عطا کرتا ہے۔ اسی طرح دین کے علوم نے مردہ دلوں کو زندگی عطا کر دی۔ پھر سامعین کو مختلف زمینوں سے تشبیہ دی گئی۔ جن پر رحمت کی بارش برسے۔ ان میں سے ایک عالم اور معلّم ہے وہ اس پاک سرزمین کی طرح ہے جو پانی پی لے خود بھی فائدہ اٹھائے۔ اس سے سبزہ اُگے دوسرے کو بھی فائدہ ہو۔

ان میں سے بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو علم حاصل کرتے ہیں لیکن اس کے نوافل پر عمل نہیں کرتے نہ ہی اس میں تفقہ حاصل کرتے ہیں جو انہوں نے جمع کیا ہوتا ہے۔

بلکہ وہ کسی دوسرے کے لیے امور سرانجام دیتے ہیں۔ وہ اس زمین کی طرح ہوتے ہیں جس میں پانی ٹھہر جائے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ نے اپنے اس فرمان سے اسی طرح اشارہ کیا ہے۔ "رب تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میرا فرمان سنا اسے یاد کیا پھر اسے اسی طرح ادا کیا جس طرح اس نے سنا تھا۔"

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو علم کو سنتے ہیں وہ اسے نہ یاد کرتے ہیں نہ ہی اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں نہ دوسرے کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ اس زمین کی طرح ہوتے ہیں جو شور زدہ ہو یا چکنی زمین ہو جو نہ تو خود پانی کو قبول کرے اور دوسرے کے لیے بھی اسے خراب کر دے۔

الحافظ نے لکھا ہے: "آپ نے پہلے دو گروہوں کی تعریف فرمائی کیونکہ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے لیکن تیسرے گروہ کی مذمت فرمائی کیونکہ اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ پھر میرے لیے یہ عیاں ہوا کہ ہر ہر مثال میں دو دو گروہ ہیں۔ پہلے کی ہم نے وضاحت کر دی ہے دوسری مثال کا پہلا گروہ وہ ہے جو دین میں داخل ہوا لیکن علم سماعت نہ کیا، یا سماعت کیا لیکن نہ اس پر عمل کیا نہ ہی اسے آگے لکھایا۔ آپ نے اپنے اس فرمان سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"من لم یرفع بذالک رأسا" یعنی اس سے اعراض کیا۔ اس سے نہ نفع اٹھایا۔ نہ دوسرے کو نفع دیا۔ اس مثال کا دوسرا

گروہ یہ ہے جو دین میں بالکل داخل نہ ہو بلکہ اس تک پیغام حق پہنچا ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو۔ اس سے مراد وہ ہموار زمین ہے جو سخت ہو۔ جس پر سے پانی گزر جائے وہ اس سے نفع حاصل نہ کرے۔ آپ نے اپنے اس فرمان سے اسی طرف اشارہ کیا ہے: ولم یقبل هدی الله الذی ارسلت به۔

الطیبی نے لکھا ہے کہ المظہری نے کہا ہے کہ زمین میں آپ نے تین اقسام کا ذکر فرمایا ہے جبکہ علم کے اعتبار سے لوگوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) جس نے رب تعالیٰ کے دین میں سوجھ بوجھ حاصل کی۔ (۲) جس نے اس کے لیے سر تک نہ اٹھایا یعنی اس نے تکبر کیا اور دین کو قبول نہ کیا۔ آپ نے یہ تذکرہ اس لیے فرمایا ہے کیونکہ زمین کی اقسام میں سے پہلی اور دوسری قسم ایک ہی قسم کی طرح ہیں اس طرح کہ ان سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے جبکہ دوسری قسم سے نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح لوگوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جو علم اور دین کے احکام کو قبول کر لیتے ہیں۔ (۲) جو انہیں قبول نہیں کرتے۔ اس امر کا تقاضا تھا کہ حدیث پاک میں لوگوں کو دو اقسام میں منقسم کیا جاتا۔ (۱) جن سے نفع پایا جا سکتا ہے۔ (۲) جن سے نفع نہیں پایا جا سکتا لیکن حقیقت میں لوگوں کی تین ہی اقسام ہیں۔ (۱) وہ لوگ جو اس قدر علم حاصل کرتے ہیں جو فتویٰ کے درجہ تک نہیں پہنچا نہ وہ تدریس اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے درجہ تک پہنچتا ہے۔ یہ پہلی قسم ہے بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو اس قدر علم حاصل کیا جس پر عمل ہو سکے۔ وہ فتویٰ اور تدریس کا درجہ بھی حاصل کر لیتے ہیں وہ لوگوں کو فائدہ بھی دیتے ہیں یہ دوسری قسم ہے بعض وہ ہیں جو بالکل علم حاصل نہیں کرتے یہ تیسری قسم ہے۔

الطیبی نے لکھا ہے: "اس دوسری وجہ پر شارحین کا اتفاق ہے۔ حدیث پاک کا ظاہر پہلی وجہ کو تقویت دیتا ہے کیونکہ تمثیل کا پہلا حصہ دو امور سے مرکب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "اصناف منها طائفة" "اصاب ارضا" پر معطوف ہے۔ منہا کی ضمیر اس مطلق زمین کی طرف راجع ہے جس پر آپ کا فرمان "ارضا" دلالت کر رہا ہے پھر پہلی زمین کو "فکانت" میں حرف تعقیب کے ساتھ جدا کیا گیا ہے۔ کانت کا عطف "کانت قیعان" پر ہے۔ اس طرح پہلی زمین کا عمدہ حصہ اور ٹھوس زمین پر مشتمل ہونا لازم آتا ہے جبکہ دوسری کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ "وکانت" میں واؤ وتر کو وتر کے ساتھ ملاتی ہے اور "واصابت" میں جفت کو جفت کے ساتھ ملاتی ہے۔ اس کی مثال رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ (فاطر ۲۰-۱۹)

ترجمہ: "اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔ اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور۔"

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ (الاحزاب ۳۵)

ترجمہ: "بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں۔"

الکشاف میں ہے کہ مؤنث کا مذکر پر عطف اور زوجین کے زوجین پر عطف کے مابین فرق یہ ہے کہ مذکر اور

مؤنث دو مختلف جنسیں ہوتی ہیں۔ جب یہ دونوں ایک حکم میں مشترک ہوں تو ان کے مابین حرف عطف ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے جبکہ دوسرا حرف عطف حرف جمع کے ساتھ صفت کا صفت پر عطف کرنے کے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے گویا کہ معنی یہ ہوگا "ان الجامعین و الجامعات لهذه الطاعات اعدّ الله لهم" اسی طرح تمثیل کی اصل دو امور سے مرکب ہے۔ (۱) ہدایت (۲) علم۔ کیونکہ اعتدال میں ان میں تغایر پایا جاتا ہے۔ دونوں کلاموں میں تقابل کے معنی کی رعایت کرنا اسی کی تائید کرتا ہے۔ یعنی شادابی روک لینا۔ اور ان میں سے ایک کا پانی کو روک لینا۔ دوسری کا پانی نہ روکنا۔ آپ نے اپنے فرمان "انما هي قيعان" سے اس کا حصہ بیان فرمایا ہے پھر تفصیل بیان کرنے کے لیے ان کے بعد فاء تعقیبة کا تذکرہ کیا ہے۔ فرمایا: فذالك مثل من فقه في دين الله و نفعه... کیونکہ آپ نے اس میں مثل کا لفظ دوبارہ ذکر کیا ہے۔ امام نووی کا یہ فرمان اسی کی تائید کرتا ہے کہ "رعوا"۔ "الرعی" سے مشتق ہے۔ مسلم شریف کے سارے نسخوں میں اسی طرح ہے بخاری میں یہ لفظ "وزرعوا" ہے۔ یہ دونوں الفاظ صحیح ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت بھی اسی چیز کی تائید کرتی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس وقت کلام میں بست و کشاد ہو گا۔ "رعوا" یہ انبتت الکلاء کے مناسب ہے۔ "فشربوا و سقوا" یہ اجادب کے مناسب ہے۔ "نفع الله بها" میں ضمیر "ارض" کی طرف راجع ہوگی۔ ان دونوں کا معنی صحیح ہے کیونکہ "زرعوا" الاول کے متعلق ہے یہ اجادب کے متعلق نہیں ہے۔ یہ پانی کو کھانے اور پینے کے لیے بھی کافی نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ یہ کھیتی کے لیے کافی ہو۔

اس طرح حدیث پاک میں دو اطراف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۱) ہدایت میں مبالغہ کرنے والا (۲) گمراہی میں مبالغہ کرنے والا۔ جس نے رب تعالیٰ کی ہدایت قبول کر لی اور علم حاصل کیا اسے "فقہ فی الدین" کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ جس نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا انہیں "لم يرفع بذلك رأسا" کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ اسے "و لم يقبل هدى الله" سے بھی تعبیر کیا۔ دوسرا پہلے کا عطف تفسیری ہے۔ وسط کو چھوڑ دیا۔ اس میں سے پہلا وہ ہے جس سے خود علم سے فائدہ اٹھایا اسے یہ کافی ہوگیا۔ دوسرے نے خود تو نفع نہ اٹھایا لیکن دوسرے کو نفع دیا۔

حدیث پاک میں یہ اشارہ بھی ہے کہ یہ توفیقات حاصل نہیں کی جا سکتیں بلکہ یہ ربانی عطیات ہیں وہ جسے چاہتا ہے ان کے ساتھ مختص کر دیتا ہے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ رب تعالیٰ انہیں چراغ نبوی سے رواں فرماتا ہے۔ وہ شخص جو کتاب، سنت اور دیگر ایسے امور سے اجتناب کرتا ہے تو اس کے بارے علم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اس کے لیے ظاہری استعداد کی پرواہ کی گئی۔ فقیہ وہ ہوتا ہے جو عالم بنے۔ اس کے مطابق عمل پیرا ہو۔ دوسروں کو وہ علم سکھائے۔ اگر کسی میں ان میں سے ایک وصف بھی مفقود ہو تو اس نام سے رہ جائے گا۔ عامل عالم کو چاہیے کہ وہ اپنے علم کے ساتھ لوگوں کو نفع دے۔ جس طرح وہ انہیں اپنے عمل سے نفع دے رہا ہے۔ اگر اس سے فقط عمل

سے فائدہ دیا تو یہ بھی کافی ہے۔ اس سے زیادہ حصہ کو نہ پایا گیا۔ جسے کہ وہ سرزمین جو گھاس والی ہو لیکن اس میں پانی نہ ہو۔ جو اپنے سبزہ زار کو ظاہر نہ کرے لیکن وہ صرف قول پر اکتفاء کرے تو وہ صرف سیرابی کے مشابہ ہوگا۔ اگر اس نے ان دونوں امور سے منع کیا تو وہ ایسی سرزمین کی طرح ہوگا جہاں پانی اور گھاس تو ہو لیکن بعض تاریکیاں اسے حقداروں تک پہنچنے کے مانع ہوں۔ جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

من منح الجهال علماً اضاعه   و منع المستوجبين فقد ظلم

ترجمہ: ”جس نے جاہلوں کو علم دیا اس نے اسے برباد کر دیا اور جس نے حق داروں کو روکا اس نے ظلم کیا۔“

۲ دوسری حدیث پاک کے بعض فوائد:

دو چشمانِ مقدس کا تذکرہ کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ امر آپ کے ہاں متحقق ہے۔ وہ سارے امور اسی طرح ظہور پذیر ہوئے ہیں جس طرح کہ کوئی گویا کہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ جسے کوئی شک وشبہ نہ ہو سکتا ہو۔

قاضی، نووی اور الطیبی نے لکھا ہے کہ "انا النذير العريان" ضرب المثل ہے۔ یہ امر کی شدت، خوف والی چیز کے قریب ہو جانے اور ڈرانے والے کی تہمت سے بری ہونے کے لیے بولی جاتی ہے اس کی اصل یہ ہے کہ اگر ایک شخص دشمن کو دیکھ لے جس نے اس کی قوم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ وہ ان پر اچانک شب خون مارنا چاہتا ہو۔ اسے خطرہ ہو کہ دشمن اس سے قبل اس کی قوم تک پہنچ جائے گا وہ اپنا کپڑا اتارے۔ اسے کسی لکڑی کے کنارے پر لگائے۔ وہ چیخنے لگے تاکہ اس کی قوم اپنا بندوبست کرے اور دشمن کے آنے سے قبل تیاری کر لے۔ وہ اس طرح اس لیے کرتا ہے کیونکہ یہ دیکھنے والے کے لیے زیادہ واضح اور اس کا منظر زیادہ شنیع اور عجیب وغریب ہوتا ہے یہ انہیں دشمن کے لیے تیاری پر ابھارنے سے زیادہ بلیغ ہے۔

دوسرے قول کے مطابق اس کی اصل یہ ہے کہ ایک شخص لشکر سے ملے۔ وہ اس سے سامان چھین لے اسے عریاں کر دیں۔ وہ اپنی قوم کے پاس جائے۔ ان سے کہے: ”میں نے ایک لشکر دیکھا ہے اس نے مجھ سے میرا سامان چھین لیا ہے۔“ وہ اسے عریاں دیکھیں۔ وہ اس کے صدق کی تحقیق کریں کیونکہ وہ اسے جانتے ہوں۔ اس کے خلوص میں انہیں کوئی شک نہ ہو۔ نہ ہی وہ عموماً عریاں ہوتا ہو۔ ان قرائن کی وجہ سے وہ قطعی طور پر سچا سمجھتے ہوں۔ آپ نے اپنے لیے یہ ضرب المثل بیان کی کیونکہ آپ ایسا پیغام لے کر آئے جس کی ابتدا ایسے معجزات اور خوارق سے ہوئی جو آپ کے قطعی صدق پر دلالت کرتے تھے۔ آپ نے مخاطبین کے ذہن کے قریب کرنے کے لیے یہ ضرب المثل بیان کی۔

کیونکہ وہ اس امر کے بارے جانتے تھے اور اس سے آگاہ تھے۔

الطیبی نے لکھا ہے: ”یہ تشبیہ تشبیہات مفرقہ میں سے ہے۔ آپ نے اپنی ذات اقدس کو اس شخص سے تشبیہ دی۔

آپ نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لیے اس شخص سے تشبیہ دی جو اپنی قوم کو حملہ آور لشکر سے ڈراتا ہے۔ آپ نے اپنی امت میں سے آپ کی تصدیق کرنے والوں اور تکذیب کرنے والوں کو اس شخص سے تشبیہ دی جو اس شخص کی تصدیق یا تکذیب کرتا ہے۔"

"انا النذير العريان" میں تاکید کی کئی اقسام ہیں۔ (۱) بعینی۔ کیونکہ دیکھنا صرف آنکھ کے ساتھ ہوتا ہے۔ (۲) "انی" اور "انا" (۳) العریان۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دشمن انتہائی قریب پہنچ چکا ہے۔ اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ آپ اسی ڈرانے میں سچ کے ساتھ مختص ہیں۔ اس میں کوئی تشبیہ نہیں ہے۔ آپ نے پہلے فریق کے بارے فرمایا: "فاطاعنی" دوسرے کے بارے مقابلہ میں فرمایا: "کذب" تاکہ یہ شعور مل سکے کہ اطاعت تصدیق کے ساتھ پیچھے رہ جانے والی ہے اور تکذیب گناہوں کی پیروی کراتی ہے گویا کہ آپ نے ہر دو فریق کو دو معنوں میں کر دیا اور ان کی طرف اپنے اس فرمان سے اشارہ کر دیا۔ من اطاعنی... اس کے بعد فرمایا "اجتاحهم" پھر فرمایا "اهلكهم" یہ بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس نے انہیں مکمل طور پر برباد کر دیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔

۳ تیسری حدیث پاک کے بعض فوائد:

قاضی ناصر الدین البیضاوی نے "شرح المصابیح" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث پاک دو امور کا احتمال رکھتی ہے۔ (۱) یہ حکایۃً ہو۔ اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے سنا ہو اور اسے حکایۃ بیان کر دیا ہو۔ (۲) یا یہ اس مشاہدہ کے بارے خبر ہو جو انہوں نے خود ملاحظہ کیا ہو اور ان کے لیے منکشف ہوا ہو۔ بعض ملائکہ نے کہا: "ان العين نائمة و القلب يقظان" یہ اس امر کی تحقیق کے لیے ہے کہ کاملہ نفوس قدسیہ کا ادراک حواس کے ضعف اور بدن کے ڈھیلے پن سے کمزور سے نہیں ہوتا۔

فمن اطاع محمدا میں الفاء سببیہ ہے۔ یعنی جب حضور ﷺ انہیں اپنے رب کے حکم سے اس کی طرف بلاتے ہیں تو آپ اس کی طرف سے سفیر ہیں جس نے اس کی اطاعت کی۔ آپ نے رب تعالیٰ کی اطاعت کی جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی۔" الطیبی نے کہا ہے آپ کا فرمان: "مثل کمثل رجل" تشبیہ کا مطلع ہے۔ اس کی بنیاد اس امر پر ہے کہ یہ تشبیہ تشبیہات مفرقہ میں سے نہیں جیسے امرئ القیس کا یہ شعر ہے:

كأنّ قلوب الطير رطبا و يابسا لدى وكرها العناب و الحشف البالي

اس شعر میں تروتازہ دلوں کو عناب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جبکہ خشک دلوں کو خشک کھجوروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے بلکہ یہ ایسی تمثیل ہے جس میں سبب ان امور سے جدا ہو جاتا ہے جو بعض بعض کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔ اگر آپ کا ارادہ تفریق کا ہوتا تو آپ یوں فرماتے: "مثله كمثل داع بعثه رجل" اسی لیے ملائکہ نے اس کی تاویل داعی کو

جواب نہ دینے سے کی ہے۔ انہوں نے تاویل میں حسن ادب کا خیال رکھا ہے۔ مشبہ شخص کی صراحت نہیں کی گئی بلکہ وہ آپ کے اس فرمان سے خود آشکارہ ہو جاتا ہے۔ ''من اطاع اللہ'' اس کی مثال رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ۔ (یونس ۲۴)

ترجمہ: ''بس حیات دنیوی (کے عروج و زوال) کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے سو گھنی ہو کر اگی پانی کے باعث سرسبزی زمین کی۔''

تفسیر کشاف میں ہے: ''الماء'' کے ساتھ کاف لگایا گیا ہے۔ اس سے مقصود دنیا کو پانی کے ساتھ یا کسی اور مقدر مفرد کے ساتھ تشبیہ نہیں یہ لبید کے اس شعر میں واضح ہے:

و ما الناس الا کالدیار و اھلھا بھا یوم حلوھا و غدوا بلاقع

اس میں لوگوں کو دیار کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ اس میں ان کے وجود کو اور ان کے زوال کی سرعت کو اور فناء کو اس میں اہل دیار کے آنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اسے ان کے جلدی چلے جانے اور اسے خالی چھوڑ جانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کو جو عالمین سے آگے بڑھ گئی ہے اس رحمت کے ارسال کے ساتھ تشبیہ دی ہے جسے مخلوق کے لیے بطور تحفہ بھیجا گیا ہے جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۝ (الانبیاء ۱۰۷)

ترجمہ: ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے۔''

پھر اس نے مخلوق کے لیے جنت تیار کی۔ آپ نے لوگوں کو جنت کی طرف دعوت دی۔ اس کی نعمتوں اور رونق کی طرف دعوت دی۔ پھر حکم فرمایا کہ لوگ اس رستہ پر چلیں جو جنت کی طرف جاتا ہے۔ وہ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام کر آپ کی اتباع کریں۔ گویا کہ لوگ اپنی طبیعتوں کی کھائی میں گرنے لگے تھے۔ وہ اپنی شہوات میں مشغول تھے رب تعالیٰ نے آپ کے لطف و کرم کے طفیل ارادہ کیا کہ انہیں بلند کرے۔ رب تعالیٰ نے قرآن اور سنت کی رسی (تعلق یا رشتہ) ان کی طرف لٹکائی۔ تاکہ اس ہلاکت سے انہیں نجات عطا کرے۔ جس نے اسے تھام لیا وہ نجات پا گیا وہ فردوس اعلیٰ، جناب اقدس اور ملیک کے ہاں بلند مقام پا گیا۔ جو زمین کی طرف مائل ہوا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ رحمت الٰہیہ میں سے اپنے حصہ سے وہ محروم ہو گیا۔ وہ اس کریم مہمان نواز کی طرح ہے جس نے ایک حویلی بنائی اس میں طرح طرح کے لذیذ کھانے رکھے۔ میٹھے مشروبات رکھے۔ پھر لوگوں کی طرف ایک داعی بھیجا جس نے ان کی عزت کرتے ہوئے انہیں کھانے کی دعوت دی۔ جس نے داعی کی پکار پر لبیک کہا اس نے وہ عزت پالی۔ جس نے اتباع نہ کی وہ محروم رہا۔ پھر انہیں اس جگہ

رکھا گیا جہاں ان پر رب تعالیٰ کا غصہ نازل ہو ان پر ابدی عذاب کا نزول ہو کیونکہ "وہ نہ گھر میں داخل ہوئے نہ ہی دستر خوان سے کھایا" کیونکہ کلام کا آغاز اس لیے کیا گیا ہے تاکہ علم ہو سکے کہ رحمت الٰہیہ اس کے غضب سے سبقت لے گئی ہے۔ اگر عذاب اور غضب کی صراحت کے ساتھ اختتام کیا جاتا تو مطابقت نہ ہوتی اس سے۔ اس امر کا تذکرہ کیا جو مراد پر علی سبیل الکنایہ دلالت کرتا ہے۔ ان کا یہ قول "محمد فرق بین الناس" گویا کہ یہ سابق کلام کے لیے تتمہ ہے کیونکہ یہ اسی کے معنی پر مشتمل ہے ملائکہ کی موجودگی میں اس کی تاکید کرتا ہے۔ یہ بعض کلام کو بعض کی طرف لوٹاتا ہے۔ ان کی تمثیل بیان کرتا ہے۔ حدیث پاک کے کئی مقامات پر مظہر کو مضمر کی جگہ پر رکھا گیا ہے۔ الفاظ کا یکے بعد دیگرے تکرار کیا گیا ہے۔ مجمل کی تمثیل بیان کی گئی ہے اور اس کی تاویل بیان کی گئی ہے۔ یہ سارے امور مکمل ارشاد، علل دور کرنے اور سامعین کو غفلت کی نیند اور جہالت کی اونگھ سے بیدار کرنے کے لیے ہیں۔ انہیں اس بات پر ابھارنا ہے کہ وہ قرآن پاک اور سنت مطہرہ کو مضبوطی سے تھام لیں اور اس بدعت اور گمراہی سے اجتناب کریں جو قرآن و سنت کے مخالف ہو۔

چوتھی حدیث پاک کے بعض فوائد

آپ کا فرمان "مثلی" یعنی لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے میں میری مثال اور انہیں آگ سے بچانے میں میری مثال اور اس چیز کی مثال جو ان کے لیے سرکشی کے امور کو مزین کرتی ہے اس شخص کی سی ہے۔ اس جگہ جملہ کی جملہ کے ساتھ تفسیر بیان کی گئی ہے فرد کی فرد کے ساتھ تمثیل بیان نہیں کی گئی۔

امام نووی نے لکھا ہے "اس حدیث پاک کا مقصود یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جاہلوں، اپنی شہوتوں اور گناہوں کے ساتھ مخالفت کرنے والوں کو آتش جہنم میں گرنے کی تشبیہ بیان کی ہے۔ اس پر ان کی حرص کو اور انہیں آپ کا روکنا بیان کیا گیا ہے۔" قاضی ابوبکر ابن عربی نے لکھا ہے: اس مثال میں کثیر معانی ہیں اس کا مقصود یہ ہے کہ مخلوق لوگ آگ پر ہلاکت کی غرض سے نہیں آرہے بلکہ وہ منفعت اور شہوت کی اتباع کرتے ہوئے آرہے ہیں جیسے پتنگے آگ میں ہلاکت کی غرض سے نہیں آرہے بلکہ وہ روشنی کی وجہ سے اس میں گرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ دور سے کسی حالت کو نہیں دیکھ سکتے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ تاریکی میں ہوتے ہیں جب روشنی کو دیکھتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ روشن دان ہے جس سے نور نکل رہا ہے۔ وہ اس مقصد کے لیے اس کی طرف جاتے ہیں اور وہ جل جاتے ہیں انہیں شعور تک نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی نظر کمزور ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ تاریک گھر میں ہیں چراغ روشن دان ہے۔ وہ خود کو اس طرف لے جاتا ہے۔ اس پر خود کو پھینک دیتا ہے۔ پرواز کی تیزی کی وجہ سے وہ اسے تجاوز کرتا ہے۔ وہ تاریکی میں گرتا ہے۔ واپس لوٹتا ہے تو جل جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اسے نور کی شدت کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے۔ وہ اپنی جہالت کی شدت کی وجہ سے اسے بجھانے کی کوشش کرتا ہے وہ خود کو اس ہلاکت میں ڈالتا ہے جسے جھیلنے کی اس میں سکت نہیں ہوتی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "اس حدیث پاک میں انسانوں کے شہوات پر گرنے کو پتنگوں کے آگ پر گرنے سے تشبیہ دی گئی ہے لیکن آدمی کی جہالت پتنگوں کی جہالت سے زیادہ ہے کیونکہ وہ ظاہری روشنی سے دھوکہ میں آتا ہے جب وہ جل جاتا ہے تو اس کا عذاب فوراً ختم ہو جاتا ہے آدمی اس آگ میں طویل مدت تک یا ہمیشہ کے لیے رہتا ہے۔"

الطیبی نے لکھا ہے: "اس حدیث پاک میں واقع تشبیہ کی تحقیق کا دارو مدار رب تعالیٰ کے اس فرمان کے عرفان پر ہے:

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ (البقرۃ ۲۲۹)

ترجمہ: "اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے سو وہی لوگ ظالم ہیں۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی حدود اس کی حرام کردہ اشیاء اور منہیات ہیں جیسے کہ صحیح حدیث پاک میں ہے: رب تعالیٰ کی چراگاہ (جس میں کسی کو چرنے کی اجازت نہیں) اس کے حرام کردہ امور ہیں۔ دنیا کی محبت اس کی زیب و زینت سے محبت اس کی لذتوں اور شہوتوں سے محبت محارم کی بنیاد ہے۔ آپ نے اپنے کافیہ اور شافیہ بیانات سے ان حدود کو انسان کے آگ میں گرنے سے تشبیہ دی۔ اس آگ کے جلنے سے زمین کے مشارق و مغارب روشن ہو جاتے ہیں لوگوں کے آگ میں گرنے کو اور اس تفصیل کی پرواہ نہ کرنے کو، حدود اللہ کو عبور کرنے کو، ان لذتوں اور شہوتوں پر گرنے کے حرص کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انہیں جڑ سے پکڑ کر بچانے کو تشبیہ سے بیان کیا گیا ہے جو آگ میں گرتے ہیں وہ آگ جلانے والے پر غالب آجاتے ہیں وہ انہیں آگ سے پتنگوں کے ساتھ دور نہیں کر سکتا۔ جبکہ آگ جلانے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس سے راہ نمائی پائیں اسے تاپیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن پتنگے اپنی جہالت کی وجہ سے اسے اپنی ہلاکت کے سبب بنا لیتے ہیں۔ اس تفصیل سے بھی مقصد یہی ہے کہ امت کو ہدایت نصیب ہو اور اس امر سے بچے جو اس کی ہلاکت کا سبب بنے لیکن انہوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اسے اپنی ہلاکت کا سبب بنا لیا ہے۔ آپ کے فرمان "اخذ بحجز کم" میں استعارہ ہے اس میں آپ کے امت کو ہلاکت سے روکنے کو اس شخص کی حالت سے تشبیہ دی گئی ہے جو اس شخص کو کمر سے پکڑ لے جو ہلاکت خیز کنوئیں میں گرنے کا ارادہ کر رہا ہو۔

"الفاء" فصیحہ ہے جیسے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ (الحجرات ۱۲)

ترجمہ: "کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے تم اسے تو مکروہ سمجھتے ہو۔"

جب رب تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے سوال کیا "کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے" تو لوگوں نے جواب دیا "نہیں" تو رب تعالیٰ نے فرمایا: "اگر کیفیت اس طرح ہے تو پھر تم اسے ناپسند

کرتے ہو اسی طرح جب آپ نے لوگوں سے فرمایا: "میری اور تمہاری مثال یعنی میرا اور تمہارا وصف پھر آپ نے مشبہ کے بارے فرمایا: "اس شخص کی مثل ہے" اس سے ان ساری تشبیہات کا علم ہو گیا جنہیں ہم نے ابھی ابھی بیان کیا ہے پھر آپ نے اس امر کا تذکرہ کیا جو اس سے اہم اور بہتر تھی وہ آپ کا یہ فرمان ہے "فانا اخذ بحجر کم" گویا کہ یوں کہا گیا "جب یہ تمثیل صحیح ہے تو میں آگ جلانے والے کی طرح اور تم ان پتنگوں کی طرح ہو جو آگ میں گرتے ہیں میں تمہیں کمر سے پکڑ رہا ہوں۔"

اس نکتہ کی وجہ سے "مثل الناس" میں غیبت سے مخاطب "فانا اخذ بحجزکم" کی طرف عدول کیا گیا ہے جیسے کہ تم اس شخص سے گفتگو کرو جس سے تمہیں از حد محبت ہو۔ حال یہ ہو کہ وہ اس چیز میں مشغول ہو پھر تم اس سے محبت کی شدت اور اس کی نجات پر حرص کی وجہ سے تم اسے اپنے سامنے موجود پاؤ اور تم اس کی نجات کے لیے کوشش کرنے لگو۔

❁❁❁

پندرہواں باب

آپ کی اور آپ سے قبل انبیائے کرام کی مثال

امام احمد، الشیخان، اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے، امام احمد اور امام مسلم نے حضرت ابوسعید خدری سے، امام احمد اور امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے، امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میری اور مجھ سے قبل انبیائے کرام علیہم السلام کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک عمارت بنائے اسے بہت خوبصورت، حسین اور مکمل بنائے۔ مگر اس کے گوشوں میں سے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دے۔ لوگ اس عمارت میں داخل ہوں۔ وہ اس کا طواف کریں۔ وہ اس پر تعجب کریں وہ کہیں "اس جگہ اینٹ کو کیوں نہ لگا دیا گیا" یا وہ کہیں "تم نے یہ اینٹ کیوں نہ رکھ دی تا کہ تمہاری یہ عمارت مکمل ہو جاتی۔ میں انبیائے کرام میں سے اس اینٹ کی جگہ میں ہوں۔ میں جلوہ افروز ہوا تو انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔"

الحافظ نے لکھا ہے کہ اگر یوں کہا جائے کہ مشبہ ایک ہے جبکہ مشبہ بہ پوری جماعت ہے تو پھر یہ تشبیہ کیسے صحیح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے سارے انبیائے کرام کو ایک شخص کی طرح بنایا کیونکہ آپ نے جس تشبیہ کا ارادہ فرمایا وہ صرف کل کے اعتبار سے ہی درست ہو سکتی تھی۔ اسی طرح گھر اینٹوں کے ملنے سے ہی مکمل ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تشبیہ تمثیلی ہو۔ وہ یہ ہے کہ مشبہ کے اوصاف میں سے ایک وصف لیا جائے اور اس کی مثل کو مشبہ بہ کے احوال میں سے تشبیہ دی جائے گویا کہ آپ نے انبیائے کرام اور ان کی اس ہدایت کو جس کے ساتھ انہیں بھیجا گیا اس گھر سے تشبیہ دی جس کی بنیادیں مضبوط ہوں جس کی بنیادیں بلند ہوں لیکن اس میں صرف ایک جگہ باقی ہو جس سے اس گھر کی تکمیل ہوتی ہو۔ ہمارے نبی کریم ﷺ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے تشریف لائے ہیں گویا کہ آپ وہ اینٹ ہیں جس سے بقیہ گھر کی تکمیل ممکن ہے۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے گمان کیا ہے کہ وہ اینٹ جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ اس مذکور گھر کی چوٹی پر تھی اگر اسے نہ رکھا جاتا تو وہ گھر گر جاتا۔ اسی طرح ہی مذکور تشبیہ سے مراد مکمل ہو سکتی ہے۔

اگر یہ بات منقول ہے تو عمدہ ہے۔ ورنہ یہ لازم نہیں ہے سیاق کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اینٹ اس جگہ پر ہو جس کے نہ ہونے سے اس گھر کا نامکمل ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ امام مسلم نے حضرت ہمام سے روایت کیا ہے: "وہ

اینٹ گھر کے کونوں میں سے کسی کونہ میں ہو" اس سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ اینٹ مکمل کرنے والی اور حسن میں اضافہ کرنے والی ہو۔ ورنہ یہ لازم آئے گا کہ اس کے بغیر معاملہ ناقص ہو لیکن حقیقت اس طرح نہیں۔ ہر نبی کی شریعت اس کی نسبت سے مکمل تھی لیکن اس جگہ حضور اکرم ﷺ کی شریعت کی نسبت سے اکمل مراد ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر شریعتیں گزر چکی ہیں۔"

❁❁❁

سولھواں باب

حضور ﷺ کی نبوت کا وقت

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کی: "یارسول اللہ! ﷺ آپ کے سر اقدس پہ رسالت کا تاج کب سجایا گیا؟ آپ نے فرمایا: "اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور مٹی کے مابین تھے" انہوں نے حضرت ابو الجدعاء سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے عرض کی: "یارسول اللہ! ﷺ آپ کے سر اقدس پر نبوت کا تاج کب سجایا گیا؟ آپ نے فرمایا: "اس وقت آدم روح اور جسم کے مابین تھے۔" اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: "یارسول اللہ! آپ کب سے نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: "اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے مابین تھے۔" اس طرح کی دیگر احادیث کتاب کی ابتداء میں تیسرے باب میں گزر چکی ہیں۔

❁❁❁

سترہواں باب

جنگلی جانوروں کو آپ کی رسالت کا علم

امام احمد نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ''میں نے اس بزرگ سے سنا ہے جس نے زمانہ جاہلیت کو پایا تھا اسے عنبس کہا جاتا تھا۔ اس نے کہا: ''میں اپنے اہل کی گائے ہانک کر لے جارہا تھا۔ میں نے اس کے پیٹ سے سنا: ''کوئی کہہ رہا تھا: ''یا آل ذریح! قول فصیح۔ رجل یصیح: لا الہ الا اللہ۔ ہم مکہ مکرمہ میں آئے تو ہم نے پایا کہ حضور ﷺ کا ظہور ہو چکا تھا۔

امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ''ایک بھیڑیا ایک چرواہے کے پاس آیا۔ اس نے ایک بکری پکڑ لی۔ چرواہے نے اس کا تعاقب کیا حتیٰ کہ اس سے بکری چھین لی۔ وہ بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: ''میں اس رزق کی طرف آیا جو رب تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا تھا لیکن تو نے مجھے اس رزق سے محروم کر دیا ہے۔'' اس شخص نے کہا: ''میں نے آج تک اس طرح نہیں دیکھا ایک بھیڑیا باتیں کر رہا ہے۔'' اس بھیڑیے نے کہا: ''اس سے تعجب خیز امر یہ ہے کہ دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین ایک ہستی پاک کا ظہور ہوا ہے جو تمہیں ماضی اور مستقبل کی ساری باتیں بتائے گی۔'' وہ شخص یہودی تھا وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق کی۔ یہ ساری تفصیل آپ کے معجزات کے ابواب میں آئے گی۔ وہاں گوہ کا یہ قول بھی آئے گا: انت رسول اللہ ''آپ رب تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

❁❁❁

اٹھارواں باب

شیرِ خوار بچے اور گونگے بچے کی آپ کی رسالت کی گواہی

امام بیہقی نے حضرت معرض بن عبداللہ بن معیقب الیمانی سے وہ اپنے باپ اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: ''میں نے حجۃ الوداع ادا کیا۔ میں مکہ مکرمہ کے ایک گھر میں داخل ہوا۔ میں نے وہاں حضور ﷺ کی زیارت کی۔ آپ کا چہرہ چاند کے ہالے کی مانند تھا۔ میں نے آپ سے تعجب خیز واقعہ دیکھا۔ آپ کے پاس ایک شخص ایسا بچہ لے کر آیا جو اسی روز پیدا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: ''بچے! میں کون ہوں؟ اس نے عرض کی: ''آپ رب تعالیٰ کے رسول ہیں۔'' آپ نے اسے فرمایا: ''رب تعالیٰ تجھ میں برکت ڈالے۔ تو نے صحیح کہا ہے۔'' پھر اس بچے نے کلام نہ کیا حتیٰ کہ وہ گفتگو کرنے کی عمر تک پہنچ گیا۔ ہم اسے مبارک الیمامۃ کہتے تھے۔''

اسی طرح شمر بن عطیہ نے اپنے بعض شیوخ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت اپنے جوان بیٹے کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کی: ''یارسول اللہ! میرا یہ بچہ جب سے پیدا ہوا ہے اس وقت سے یہ باتیں نہیں کرتا۔'' حضور ﷺ نے اسے فرمایا: ''اسے میرے قریب کرو۔'' اس نے اسے آپ کے قریب کیا۔ آپ نے اسے پوچھا: ''میں کون ہوں؟ اس نے عرض کی: ''آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔'' معجزات کے ابواب میں مزید تفصیل آئے گی۔

❀❀❀

آپ کی بعثت کے بعد رونما ہونے والے واقعات

پہلا باب

حضرت جبرائیل امین کا آپ کو وضوء اور نماز کے بارے بتانا

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جب نزولِ وحی کا آغاز ہوا تو حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو وضوء اور نماز کے بارے بتایا۔ جب آپ وضوء سے فارغ ہوئے تو آپ نے مٹھی بھر پانی لیا اور اسے اپنی شرم گاہ کی جگہ چھڑکا۔"

اس روایت کو امام احمد، امام دارقطنی نے، الطبرانی نے اوسط میں، ابونعیم، امام بیہقی وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ اس روایت کے آخر میں ہے: "حضرت جبرائیل امین نے پانی کا چشمہ رواں کیا۔ انہوں نے وضو کیا۔ حضور ﷺ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنا چہرہ، کہنیوں تک ہاتھ دھوئے۔ سر کا مسح کیا۔ ٹخنوں تک پاؤں دھوئے پھر اپنی شرم گاہ پر پانی چھڑکا۔ پھر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے دو سجدے کیے۔ پھر حضور ﷺ نے بھی اسی طرح کیا جس طرح آپ نے حضرت جبرائیل امین کو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔"

اس واقعہ کو ابن اسحاق، علامہ بلاذری، قتادہ، کلبی اور محمد بن قیس نے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل نے آپ کو وضوء، نماز اور اقراء باسم...... کے بارے بتایا۔ وہ وادی کی بلند جگہ پر تھے۔ انہوں نے وادی کے کنارے پر پاؤں مارا جس سے پانی کا چشمہ بہہ پڑا۔ حضرت جبرائیل نے وضوء کیا۔ حضور ﷺ اس کی طرف دیکھ رہے تھے تاکہ آپ جان لیں کہ نماز کے لیے طہارت کیسے حاصل کی جاتی ہے۔ پھر حضور ﷺ نے اسی طرح وضوء کیا جس طرح حضرت جبرائیل نے وضو کیا تھا۔ پھر حضرت جبرائیل آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مروی روایت میں ہے کہ انہوں نے کعبہ معظمہ کی طرف رخ کر کے دو رکعتیں پڑھیں۔ ان کا رخِ انور حجر اسود کی طرف تھا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے بھی اسی طرح نماز پڑھی۔ حضرت جبرائیل واپس چلے گئے حضور اکرم ﷺ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور انہیں اسی طرح وضوء کرنے کا طریقہ سکھایا جس طرح آپ نے حضرت جبرائیل امین کو کرتے دیکھا تھا۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے وضوء کیا جس طرح کہ انہوں نے حضور ﷺ کو وضوء کرتے دیکھا۔ پھر آپ

نے انہیں نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا۔ جس طرح کہ حضرت جبرائیل امین نے نماز پڑھی تھی۔ حضرت ام المومنین نے بھی اسی طرح نماز ادا کی۔

امام احمد، امام بیہقی اور ابن عبد البر نے اسماعیل بن ایاس بن عفیف الکندی سے روایت کیا ہے وہ اپنے والد گرامی اور وہ اپنے پدر بزرگوار سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: "میں ایک تاجر شخص تھا میں زمانہ جاہلیت میں حج کرنے کے لیے آیا۔ میں حضرت عباس بن عبد المطلب کے پاس آیا تاکہ ان سے کچھ سامانِ تجارت خریدوں۔ بخدا! میں ان کے پاس منیٰ میں تھا کہ اچانک ایک شخص ان کے قریبی خیمہ سے نکلا۔ اس ہستی نے سورج کی طرف دیکھا۔ جب دیکھا کہ سورج مائل ہو گیا ہے تو اس نے وضو کیا۔ اچھی طرح وضو کیا پھر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ پھر اسی خیمہ سے ایک بچہ نکلا جو بلوغت کے قریب تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد اسی خیمہ سے ایک خاتون نکلی وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ پھر اس آدمی نے رکوع کیا۔ اس کے ساتھ اس بچے اور اس خاتون نے بھی رکوع کیا۔ پھر اس نے سر اٹھایا تو اس بچے اور اس خاتون نے بھی سر اٹھایا۔ پھر وہ شخص سجدہ ریز ہو گیا اس بچے اور خاتون نے بھی سجدہ کیا۔ میں نے حضرت عباس سے پوچھا: "عباس! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: "یہ محمد بن عبد اللہ میرے بھتیجے ہیں۔" میں نے پوچھا: "یہ خاتون کون ہیں؟" انہوں نے کہا: "یہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔" میں نے پوچھا: "یہ بچہ کون ہے؟" انہوں نے کہا: "یہ ان کا چچا زاد حضرت علی بن ابی طالب ہے۔" میں نے کہا: "یہ کیسا عمل کر رہے ہیں؟" انہوں نے کہا: "وہ نماز ادا کر رہے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں۔ ابھی ان کی اتباع ان کی زوجہ محترمہ اور ان کے اس چچا زاد نے کی ہے۔ یہ گمان کرتے ہیں کہ عنقریب ان کے لیے کسریٰ اور قیصر کے خزانے فتح ہوں گے۔"

حضرت عفیف نے فرمایا: "کاش! میں اسی روز آپ پر ایمان لے آتا۔ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرا ایمان لانے والا ہوتا۔" اس روایت اس شخص کا رد کرتی ہے جو یہ کہتا ہے کہ صبح و شام صرف دو نمازیں فرض تھیں۔"

تنبیہات

1. امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے علم ہوتا ہے کہ وضو فرض کے اعتبار سے مکی اور تلاوت کے اعتبار سے مدنی ہے۔ کیونکہ وضو کی آیت مدنیہ ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "رب تعالیٰ نے تیمم کی آیت طیبہ نازل کی۔" انہوں نے یوں نہ فرمایا: "آیۃ الوضوء" کیونکہ یہ آیت بھی موجود تھی کیونکہ وضو کرنا اس سے قبل فرض ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے بارے آیت اس قرآن پاک میں نازل نہیں ہوئی تھی جسے تلاوت کیا جاتا تھا حتیٰ کہ سورۃ المائدہ کا نزول ہو گیا۔"

میں کہتا ہوں کہ امام حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ اہل سنت کے موقف کو رد کرنے کے لیے دلیل کی

ضرورت ہے جو یہ کہتا ہے کہ سورۃ المائدہ کے نزول سے قبل وضو کرنا فرض نہ تھا۔ پھر انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت لکھی: "حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ رو رہی تھیں۔ انہوں نے عرض کی" قریش کے اس گروہ نے آپ کو شہید کرنے پر معاہدہ کرلیا ہے۔" آپ نے فرمایا: "میرے پاس وضو کے لیے پانی لے کر آؤ" آپ نے وضو فرمایا پھر مسجد کی طرف نکل گئے۔

ابو عمر رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بات سارے سیرت نگاروں کے ہاں معروف ہے کہ جب سے نماز فرض ہوئی اس وقت سے آپ نے ایک نماز بھی وضو کے بغیر نہ پڑھی۔ صرف جاہل یا سرکشی کرنے والا ہی اس کا انکار کرتا ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان: "رب تعالیٰ نے آیۃ التیمم نازل فرمائی" یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس وقت ان کے پاس جو علم آیا وہ تیمم کے حکم کے بارے تھا۔ وضو کے حکم کے بارے نہ تھا۔ وضو پر عمل تو پہلے سے ہی تھا لیکن آیت وضو کے نزول میں حکمت ہے تاکہ اس کا فرض ہونا تلاوت بھی ہوسکے۔

دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ احتمال بھی ہے کہ آیت وضوء پہلے نازل ہوچکی ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر عمل پیرا ہوں۔ پھر اس کا بقیہ حصہ نازل ہوا ہو۔ وہ اس قصہ میں تیمم کا ذکر ہو۔ اس پر آیت تیمم کا اطلاق اسی طرح ہو جس طرح کل کا اطلاق بعض پر ہوتا ہے لیکن الحافظ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن حارث کی روایت جسے امام بخاری نے تفسیر میں نقل کیا ہے وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ساری آیت طیبہ اسی قصہ کے بارے نازل ہوئی۔ ظاہر وہی ہے جسے ابن عبد البرّ نے لکھا ہے۔

القاضی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے: "اس میں اختلاف ہے کہ نماز کے لیے وضو کب فرض ہوا۔ ابن جہم نے لکھا ہے کہ ابتدا کے اسلام میں وضو سنت تھا۔ پھر آیت تیمم سے فرض ہوگیا۔ جمہور علماء نے فرمایا ہے کہ وضو اس سے قبل بھی فرض تھا۔

◆ ۲ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل امین کی یہ نماز اس نماز کے علاوہ ہے جسے انہوں نے بیت اللہ کے پاس دوبارہ پڑھا تھا۔ جس میں پانچ نمازوں کے اول اور آخر اوقات بتائے تھے۔ یہ واقعہ پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد ظہور پذیر ہوا تھا۔

◆ ۳ ابن حزم کا قول ہے کہ وضو مدینہ طیبہ میں مشروع ہوا تھا۔ لیکن اس موقف پر ان کا تعاقب کیا گیا۔

◆ ۴ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حربی اور یحییٰ بن سلام نے لکھا ہے کہ شب معراج سے قبل صرف دو نمازیں فرض تھیں۔ (۱) غروب آفتاب سے قبل (۲) طلوع آفتاب سے قبل۔ ابن جوزی نے مقاتل بن سلیمان سے روایت کیا ہے کہ ابتدائے اسلام میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں پر صرف دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام کو فرض کیں تھیں۔ الحافظ نے حربی کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "اہل علم کی ایک جماعت نے ان کا رد کیا ہے۔ اس سے پہلے

انہوں نے لکھا: "ایک جماعت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ معراج سے قبل کوئی نماز فرض نہ تھی۔ البتہ رات کی نماز کسی تعداد کے بغیر پڑھی جاتی تھی۔

۵ ابن اسحاق نے اس جگہ حضرت ابن عباس کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں انہوں نے حضور ﷺ کو امامت کرائی تھی۔ انہوں نے آپ کو دو دنوں میں پانچ نمازوں کے اوقات بتائے تھے لیکن امام سہیلی نے لکھا ہے:

"اس روایت کا تذکرہ اس جگہ مناسب نہیں کیونکہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ قصہ شب معراج کی صبح کو پیش آیا تھا۔"

❁❁❁

دوسرا باب

حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابوبکر صدیق کا دامن اسلام سے وابستہ ہونا

ابو عمر نے لکھا ہے کہ اس بات میں سب علماء کرام کا اتفاق ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سب سے پہلے ایمان لائیں۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اس امر پر اجماع رہا ہے کہ مخلوقِ خدا میں سے سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لائیں۔ کوئی مرد یا کوئی عورت آپ سے سبقت نہ لے جا سکا۔ امام ذہبی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ محمد بن کعب القرظی نے لکھا ہے: ''اس امت میں سے سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔'' (امام بیہقی)

حضرت قتادہ اور زہری نے لکھا ہے کہ مرد و خواتین میں سے سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لائیں۔ امام ثعلبی نے اس پر اتفاق لکھا ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ ان کے بعد کون اسلام لایا؟ امام نووی نے لکھا ہے کہ محققین کی جماعت کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے ''حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لائیں۔ رب تعالیٰ کے پیغام کی انہوں نے تصدیق کی۔ آپ کا بوجھ بانٹا۔ سب سے پہلے وہی ایمان لائیں۔ آپ کے پیغامِ حق کی تصدیق کی۔ رب تعالیٰ نے ان کی وجہ سے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بوجھ ہلکا فرمایا۔ آپ جب بھی کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا کرتے یا ناگوار بات سنتے آپ غمزدہ ہوتے تو رب تعالیٰ ان کی وجہ سے آپ کا غم دور کر دیتا۔ جب آپ ان کے پاس آتے تو آپ انہیں ثابت قدم رہنے کے لیے کہتیں۔ آپ کی تصدیق کرتیں۔ لوگوں کا معاملہ آپ پر آسان فرماتیں۔ رب تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ امام واقدی نے لکھا ہے: ''پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کے پیغامِ حق کی تصدیق کی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا چھپ کر نماز ادا کرتے تھے۔ اس کے ایک روز بعد حضرت علی حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے پوچھا: ''محمد عربی! یہ کیا ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ رب تعالیٰ کا وہ دین حق ہے جسے اس نے اپنے لیے منتخب کیا ہے۔ اسی کے ساتھ اس نے ایسے رسل عظام کو بھیجا ہے میں تمہیں بھی اللہ رب العزت وحدہٗ لا شریک کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ لات و عزیٰ کے ساتھ کفر کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔'' حضرت علی المرتضیٰ نے عرض کی: ''میں نے اس معاملہ کے بارے آج سے قبل نہیں سنا۔

میں کسی معاملہ کا فیصلہ نہیں کروں گا حتیٰ کہ میں اپنے والد گرامی سے مشاورت کرلوں۔" حضور اکرم ﷺ نے ناپسند فرمایا کہ آپ کا راز اس سے قبل ہی افشاء ہو جائے کہ آپ اس کا واضح اعلان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: "علی! اگر تم نے اسلام قبول نہیں کرنا تو پھر اس معاملہ کو چھپا کر رکھنا۔" حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس رات ٹھہرے رہے۔ پھر رب تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام جاگزیں کر دیا۔ وہ صبح سویرے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: "آپ مجھ پر اسلام پیش کریں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "تم یہ گواہی دو کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ لات و عزیٰ کے ساتھ کفر کا اظہار کرو اور شریکوں سے برأت کا اظہار کر دو۔" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ اسلام قبول کرلیا۔ وہ جناب ابو طالب کے خوف سے اپنا اسلام چھپاتے تھے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

مجاہد نے لکھا ہے: "اللہ رب العزت نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر جو خصوصی انعام فرمایا وہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے قبل حضور ﷺ کی زیر کفالت تھے۔ رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا۔ قریش کو سخت قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ جناب ابو طالب کے بہت زیادہ اہل و عیال تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس سے فرمایا: "چچا جان! آپ کے بھائی ابو طالب کثیر اولاد والے ہیں۔ لوگوں کو سخت قحط سالی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ آئیں ہم ان کی اہل و عیال میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔" یہ دونوں حضرات جناب ابو طالب کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا: "ہم چاہتے ہیں کہ اولاد کے بارے آپ کا بوجھ کم کریں۔ حتیٰ کہ یہ قحط سالی ختم ہو جائے۔" جناب ابو طالب نے کہا: "میرے لیے عقیل کو چھوڑ دو بقیہ میں سے جسے چاہو لے جاؤ۔" ابن ہشام نے عقیل اور طالب کا تذکرہ کیا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی کو پکڑا اور انہیں اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ حضرت عباس نے حضرت جعفر کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس ہی رہے حتیٰ کہ آپ مبعوث ہو گئے۔ انہوں نے آپ کی اتباع کر لی۔ آپ کی تصدیق کی۔ حضرت عباس کے پاس حضرت جعفر رہے حتیٰ کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور ان سے مستغنی ہو گئے۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ بعض اہل علم نے تذکرہ کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ گھاٹی کی طرف تشریف لے جاتے۔ حضرت علی بھی اپنے والد، چچاؤں اور ساری قوم سے چھپتے ہوئے وہیں پہنچ جاتے۔ یہ دونوں ہستیاں نماز ادا کرتیں۔ جب رات پڑتی تو واپس آجاتیں۔ وہ اسی حالت پر ٹھہرے رہے جتنا عرصہ رب تعالیٰ نے چاہا پھر ایک روز جناب ابو طالب ان سے آگاہ ہو گئے۔ یہ دونوں نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا: "میرے بھتیجے! یہ کون سا دین ہے جسے تم نے اختیار کیا ہے۔" آپ نے فرمایا: "چچا جان! یہ رب تعالیٰ کا دین ہے۔ اس کے ملائکہ اور رسل عظام کا دین ہے یہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ رب تعالیٰ نے مجھے اپنے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ میں آپ کے ساتھ خلوص کا اظہار

کروں۔ آپ کو ہدایت کی طرف بلاؤں۔ آپ سب سے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ میری دعوت کو قبول کریں اور میری مدد کریں۔" جناب ابو طالب نے کہا: "میرے بھتیجے! میں اپنے آباء کے دین کو چھوڑنے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی ناپسندیدہ چیز کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جناب ابو طالب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "میرے نور نظر! یہ کون سا دین ہے جسے تم نے اختیار کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: "والد گرامی! میں حضور اکرم ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں۔ میں نے آپ کے پیغام حق کی تصدیق کی ہے۔ آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔" انہوں نے کہا: "وہ تمہیں بھلائی کی طرف ہی بلائیں گے۔ انہیں لازم پکڑلو۔"

امام احمد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ہمارے پاس جناب ابو طالب آگئے۔ میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا: "تم کیا کر رہے ہو؟ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے کہا: "جو کچھ آپ فرما رہے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن بخدا! میں نہیں چاہتا کہ میری اولاد مجھ پہ غالب آجائے۔"

امام بیہقی نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "اس امت میں سے سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا۔ مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا۔ حضرت علی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے پہلے اسلام قبول کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے والد گرامی کے خوف سے اپنا اسلام چھپاتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے والد گرامی نے ان سے پوچھا: "کیا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہاں!" انہوں نے کہا: "اپنے چچا زاد کی مدد اور اعانت کرو۔" سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام ظاہر کیا۔

امام ترمذی اور ابن جریر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ پیر کے دن مبعوث ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ نے منگل کے روز نماز پڑھی۔ ابن جریر نے حضرت زید بن ارقم سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

ابو عمر نے کہا ہے کہ حضرات سلمان، مقداد، خباب، جابر، ابو سعید خدری، زید بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ابن اسحاق اور امام زہری کا یہی قول ہے لیکن انہوں نے لکھا ہے: "مردوں میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پھر حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد اسلام قبول کیا اور نماز پڑھی۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پھر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے

اسلام قبول کیا۔ امام بیہقی نے حضرت ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے عرض کی: "محمد عربی ﷺ! کیا یہ سچ ہے جو کچھ قریش کہہ رہے ہیں کہ آپ نے ہمارے معبودان باطلہ کو چھوڑ دیا ہے۔ ہماری عقول کو نادان کہا ہے۔ ہمیں کافر کہا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول ہوں۔ اسی نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں اس کا پیغام پہنچاؤں۔ تمہیں حق کی طرف دعوت دوں۔ بخدا! یہ سچ ہے۔ ابوبکر! میں تمہیں بھی رب تعالیٰ وحدہٗ لا شریک کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔" آپ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے انکار نہ کیا بلکہ فوراً اسلام قبول کر لیا۔ بتوں کا انکار کیا۔ شریکوں کو ٹھکرا دیا۔ اسلام کا اقرار کیا جب وہ اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹے تو وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے جسے بھی اسلام کی طرف دعوت دی اس میں تردد اور تاخر تھا سوائے ابوبکر صدیق کے۔ انہوں نے میری دعوت کو فوراً قبول کر لیا۔ امام بیہقی نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی نبوت کی علامات دیکھ لیں تھیں۔ آپ کی دعوت سے قبل ہی آپ کی شان رفیع کے بارے سن لیا تھا۔ انہوں نے پہلے اس میں غور وفکر کر لیا تھا جب آپ نے انہیں دعوت دی تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

امام سہیلی نے لکھا ہے: "رب تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ساتھ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس سے قبل ایک خواب دیکھا تھا۔ انہوں نے چاند کو دیکھا کہ وہ مکہ مکرمہ میں اتر آیا ہے۔ پھر اسے دیکھا کہ وہ مکہ مکرمہ کے سارے گھرانوں میں منقسم ہو گیا ہے۔ ہر ہر گھرانہ میں اس کا ایک ایک ٹکڑا گرا ہے۔ پھر سارا جمع ہو کر ان کی گود میں آ گیا ہے۔ انہوں نے بعض اہل کتاب کو یہ خواب سنایا۔ انہوں نے اس کی تعبیر کی کہ منتظر نبی کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ ان کی اتباع کر لینا تم سارے لوگوں سے زیادہ سعادت مند بن جاؤ گے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے انہیں دعوت دی تو انہوں نے تردد نہ کیا۔

ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی۔ انہوں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ان اشعار کو بطور دلیل پیش کیا ہے:

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقة ... فاذکر اخاك ابابکر بما فعلا

خیر البریّة اتقاھا و افضلھا ... بعد النبی و اوفاھا بما حملا

و الثانی الثانی المحمود مشھدہ ... و اوّل الناس منھم صدّق الرسلا

ترجمہ: "جب تو کسی قابل اعتماد بھائی کے دکھ کو یاد کر کے روئے تو اپنے برادر محترم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی یاد کیا کرو جو کچھ انہوں نے کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ ساری مخلوق سے عمدہ، تقویٰ شعار اور افضل تھے۔ وہ اس ذمہ داری کو سب سے زیادہ پورا کرنے والے تھے جو انہوں نے اٹھائی، آپ دوسرے اور فرمانبردار ہیں۔ ان کا مشہد تعریف کے قابل ہے۔ وہ سارے لوگوں میں سے سب سے پہلے رسل عظام کی تصدیق کرنے والے ہیں۔"

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضرت حسان کی اس تعریف کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرمایا اور آپ خاموش رہے۔ آپ نے انکار نہ فرمایا۔ اس میں دلیل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ حضرت ابراہیم النخعی نے کہا ہے یہ سب سے پہلے حضرت سیدنا صدیق اکبر نے اسلام قبول کیا۔ (امام احمد) ابن کثیر نے لکھا ہے کہ امام نخعی کا یہ قول جمہور اہل السنۃ کے نزدیک مشہور ہے۔

امام الطبری نے ابن صلاح کی اتباع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بہتر ہے کہ ساری روایات میں تطبیق کی جائے۔ یوں کہا جائے کہ سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا۔ نابالغ بچوں میں سے سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ وہ اپنا اسلام چھپاتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق پہلے عربی شخص ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ آزاد کردہ غلاموں میں سے سب سے پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ یہ متفق امر ہے اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اسی پر حضرت علی اور دیگر حضرات کا یہ قول محمول کیا جائے گا: "مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق نے اسلام قبول کیا" یعنی بالغ مردوں میں سے۔"

اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے خیثمہ نے فضائل صحابہ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "حضرت ابوبکر صدیق مجھ سے چار امور میں سبقت لے گئے۔ میں ان میں کسی میں بھی سبقت نہ لے جا سکا۔ (۱) وہ اسلام ظاہر کرنے میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ (۲) انہوں نے مجھ سے پہلے ہجرت کی۔ (۳) غار ثور میں آپ کی رفاقت اختیار کی۔ (۴) نماز ادا کی۔ میں اس وقت گھاٹی میں نماز ادا کرتا تھا۔ وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے تھے۔ میں اسے مخفی رکھتا تھا۔"

بعض محققین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام قبول کیا۔

ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ورقہ بن نوفل نے اسلام قبول کیا۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے آپ کی نبوت کو پایا تھا لیکن رسالت کو نہیں پایا تھا لیکن یہ پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: "آپ کو بشارت ہو۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کی بشارت حضرت ابن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ناموس کی مثل پر ہیں۔ آپ نبی مرسل ہیں۔ آپ کو عنقریب جہاد کا حکم دیا جائے گا۔ اگر میں نے وہ وقت پالیا تو میں آپ کے ساتھ جہاد کروں گا۔" اس سے یہ وضاحت ملتی ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی تھی۔"

علامہ بلقینی نے لکھا ہے کہ مردوں میں سے سب سے پہلے انہوں نے ہی اسلام قبول کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت خالد بن سعید نے حضرت علی رضی اللہ عنہما سے قبل اسلام قبول کیا تھا۔"

❁❁❁

تیسرا باب

سابقین الاولین

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "جب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا تو انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ ان کی قوم ان سے محبت کرتی تھی۔ وہ قریش میں سب سے زیادہ قریش کے سب کو جانتے تھے وہ سب سے زیادہ قریش میں سے خیر اور شر سے آگاہ تھے۔ وہ ایک تاجر انسان تھے خصائل حمیدہ اور اوصاف سنیہ کے مالک تھے۔ ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس آتے تھے ان کی تجارت، علم اور حسن معاملہ کی وجہ سے ان سے پیار کرتے تھے۔ وہ اپنی قوم کے قابل اعتماد لوگوں کو دعوت اسلام دینے لگے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے کہ درج ذیل افراد نے ان کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ (۱) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۲) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۵) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ۔ جب حضرت صدیق اکبر اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا تو نوفل بن خویلد نے انہیں پکڑا اور ایک رسی سے باندھ دیا۔ بنو تیم نے اسے منع نہ کیا۔ یہ نوفل قریش کا شیر کہلاتا تھا۔ اسی لیے حضرت صدیق اکبر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کو "القرینین" کہا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: "مولا! ہماری طرف سے ابن عدویہ کو کافی ہو جا۔" یہ سارے حضرات بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے ان پر اسلام پیش کیا۔ انہیں قرآن پاک سنایا۔ انہیں اسلام کے حق ہونے کے بارے بتایا۔ اس عزت کے بارے بتایا جس کا رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا۔ یہ سارے خوش بخت افراد اسلام لے آئے۔ انہوں نے اسلام کے حق ہونے کا اقرار کرلیا۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "یہ آٹھ افراد وہ خوش قسمت ہیں جو اسلام لانے میں سبقت لے گئے۔ انہوں نے نماز پڑھی۔ حضور ﷺ کی تصدیق کی۔ وہ آپ کے پیغام ابدی پر ایمان لائے۔ امام بخاری نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور پاک ﷺ کی زیارت کی۔ آپ کے ہمراہ پانچ مرد، دو عورتیں اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم تھے۔"

الحافظ نے تحریر کیا ہے: "مردوں سے مراد حضرت بلال، زید بن حارثہ، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی اسلام قبول کرلیا تھا۔"

الطبرانی نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو راہِ خدا میں اذیت دی جاتی تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں خریدا اور آزاد کر دیا۔ یہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ انہوں نے اس وقت اسلام قبول کیا جب حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ امیہ نے انہیں اذیتیں دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ پانچویں صحابی کون سے ہیں؟ بعض مفسرین نے ان سے مراد حضرت شقران کی ذات لی ہے۔ ابن اسکن نے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد گرامی کی طرف سے ان کے اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے وارث بنے تھے۔

بعض شارحین نے حضرت ابوفکیہہ کی جگہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ احتمال ہو سکتا ہے۔ شاید ان کے ہمراہ ان کے والد گرامی بھی ہوں۔ انہیں راہِ خدا میں اذیتیں دی جاتی تھیں۔ دو خواتین سے مراد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام ایمن یا حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

علامہ دمیاطی کی اتباع کرتے ہوئے بعض شیوخ نے لکھا ہے کہ ان سے مراد حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا ہیں لیکن یہ موقف واضح نہیں ہے۔ اگرچہ انہوں نے بھی پہلے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کا تذکرہ سابقین میں نہیں کیا جاتا۔ اگر اسی طرح ہوتا تو حضرت عباس کے غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کو سابقین میں شمار کیا جاتا کیونکہ انہوں نے بھی اسی وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب حضرت ام فضل نے اسلام قبول کیا تھا۔

اس حدیث پاک کی تشریح میں ابن اسحاق کے نزدیک آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اسلام کا اظہار کیا تھا اگرچہ اس وقت بہت سے لوگ دامن اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے لیکن وہ اپنے رشتہ داروں سے اپنا اسلام چھپاتے تھے۔

امام بخاری نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”میں نے خود کو دیکھا۔ میں تیسرے نمبر پر اسلام لایا تھا۔ کسی اور نے اسلام قبول نہ کیا تھا مگر اسی دن جس دن میں نے اسلام قبول کیا تھا۔ میں سات روز تک ٹھہرا رہا۔ میں نے تیسرے نمبر پر اسلام قبول کیا۔“

الحافظ نے لکھا ہے: ”حضرت سعد کا یہ بیان ان کی آگہی کے مطابق ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جس نے ابتداء میں اسلام قبول کر لیا وہ اپنا اسلام چھپاتا تھا۔ شاید ان سے دو اور سے مراد حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تو قطعی طور پر اس وقت اسلام لا چکی تھیں۔ شاید انہوں نے مردوں کی تخصیص کی ہو۔

اس سے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عمار اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما کی روایات کو جمع کرنا ممکن ہے یا حضرت

سعد رضی اللہ عنہ کے فرمان کو بالغ آزاد مردوں پر محمول کیا جائے گا تاکہ مذکورہ غلام اس سے نکل سکیں یا وہ دوسرے افراد کے اسلام سے آگاہ نہ تھے۔ اسماعیلی کی روایت کے یہ الفاظ دوسرے قول کی تائید کرتے ہیں "ما اسلم احد قبلی" امام بخاری کی روایت کا مقتضیٰ بھی یہی ہے لیکن یہ مشکل امر ہے کیونکہ ان سے پہلے ایک جماعت اسلام لا چکی تھی۔ ابن مندہ نے لکھا ہے کہ ان کے فرمان "جس روز میں نے اسلام قبول کیا تھا اس روز کسی اور نے اسلام قبول نہیں کیا تھا" میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ اس روز ان کے ساتھ اسلام لانے میں کسی نے شرکت نہ کی ہو جس روز انہوں نے اسلام قبول کیا ہو۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "ابتداء میں سات افراد نے اسلام کا اظہار کیا۔ (۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (۴) حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا (۵) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ (۶) حضرت بلال رضی اللہ عنہ (۷) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ"

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "پھر حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبد اللہ نے اور ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد نے اسلام قبول کیا۔ ان کے بعد دس افراد نے اسلام قبول کیا۔ گیارہویں نمبر پر حضرت عتبہ بن غزوان نے اسلام قبول کیا۔ پھر حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔ پھر حضرت الارقم بن ابی الارقم نے اسلام قبول کیا۔

پھر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت ابوالحسن خیثمہ الاطرابلسی نے ان کے فضائل میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا چار افراد نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا۔ پھر حضرت قدامۃ اور حضرت عبد اللہ نے اسلام قبول کیا۔ یہ حضرت عثمان بن مظعون کے بھائی تھے، پھر حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب نے اسلام قبول کیا۔ پھر حضرت سعید بن زید دامن اسلام سے وابستہ ہوئے۔ پھر حضرت اسماء۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو بعد میں پیدا ہوئیں تھیں۔ وہ اس وقت کیسے اسلام لا سکتی تھیں۔ ان کی ولادت چار نبوت کو ہوئی تھی۔ پھر حضرت عمیر بن ابی وقاص، پھر حضرت خباب بن الارت، حضرت عبد اللہ بن مسعود، پھر حضرت مسعود بن ربیعہ رضی اللہ عنہم دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ پھر حضرت سلیط بن عمرو، حضرت عیاش ابن ابی ربیعہ، ان کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت سلامۃ، حضرت خنیس ابن حذافہ، عامر بن ربیعہ العنزی، حضرت عبد اللہ بن جحش، ان کے بھائی ابواحمد، حضرت جعفر طیار، ان کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس، حضرت حاطب بن حبیب، ان کی زوجہ محترمہ فاطمۃ بنت المجلل، ان کے بھائی حضرت خطاب بن حارث، ان کی زوجہ محترمہ فکیہۃ بنت یسار، حضرت معمر بن حارث، حضرت سائب بن عثمان بن مظعون، حضرت مطلب بن ازہر، ان کی زوجہ محترمہ رملۃ بنت عوف، حضرت نعیم بن عبد اللہ، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت خالد بن سعید بن عاص، ان کی زوجہ محترمہ

حضرت امینہ بنت خلف، حضرت خاطب بن عمرو، حضرت ابو حذیفہ، حضرت واقد بن عبد اللہ، حضرت خالد، حضرت عامر، حضرت عاقل، حضرت ایاس بنو بکر، حضرت عمار بن یاسر، حضرت صہیب ابن سنان، حضرت عتبہ بن مسعود، حضرت ابو نجیح عمرو بن عتبہ، حضرت مازن بن مالک رضی اللہ عنہم نے اسلام کا اجالا پالیا۔

امام بخاری، امام مسلم اور برقانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو امامۃ نے حضرت عمرو بن عتبہ سے کہا: "آپ کس چیز کی وجہ سے دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ نے چوتھے نمبر پر اسلام قبول کیا۔" انہوں نے فرمایا: "میں زمانہ جاہلیت میں سمجھتا تھا کہ لوگ کسی بھی چیز پر نہیں ہیں۔ وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ میں نے سنا کہ مکہ مکرمہ میں ایک شخص ہے جو مختلف خبریں بتاتا ہے۔ میں اپنی سواری پہ سوار ہوا۔ میں اس شخص کے پاس پہنچ گیا۔ آپ اپنی قوم سے مخفی تھے۔ میں جستجو کرتے کرتے آپ تک پہنچ گیا۔ میں نے پوچھا: "آپ کون ہیں؟" آپ نے فرمایا: "میں نبی ہوں۔" میں نے پوچھا: "نبی کیا ہوتا ہے؟" آپ نے فرمایا: "مجھے رب تعالیٰ نے بھیجا ہے۔" میں نے پوچھا: "اس نے آپ کو کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے؟" آپ نے فرمایا: "اس نے مجھے صلۂ رحمی، بت توڑنے، رب تعالیٰ کی توحید بیان کرنے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانے کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔" میں نے عرض کی: "آپ کی دعوت کس نے قبول کی ہے؟" آپ نے فرمایا: "ایک آزاد اور ایک غلام نے۔" اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما تھے۔

ابو عمر نے حضرت ابو ذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بھی السابقین الاولین میں کیا ہے۔ حاکم نے ان سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "میں نے چوتھے نمبر پر اسلام قبول کیا۔ مجھ سے قبل تین افراد ایمان لا چکے تھے۔ میں نے چوتھے نمبر پر اسلام قبول کیا۔" حضرت ابو عمر نے لکھا ہے: "یہ دونوں یعنی حضرت ابو نجیح اور حضرت ابو ذر اپنی قوم کے پاس چلے گئے تھے۔" حضرت ابو ذر کے بھائی حضرت انیس نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

❁❁❁

چوتھا باب

حضرت ابوذر اور ان کے بھائی حضرت انیس کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت ابو داؤد طیالسی اور امام احمد اور امام مسلم نے حضرت عبد اللہ بن صامت سے اور حضرت امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن صامت نے ان سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "اے میرے بھتیجے! میں حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کرنے سے تین سال قبل نماز پڑھتا تھا۔" میں نے پوچھا: "کس کے لیے؟ انہوں نے فرمایا: "رب تعالیٰ کے لیے۔" میں نے پوچھا: "آپ منہ کس طرف کرتے تھے؟" انہوں نے فرمایا: "جہاں میرا رب میرا منہ کر دیتا۔ میں نماز عشاء پڑھتا۔ جب رات کا آخری وقت آتا تو میں خود کو پھینک دیتا گویا کہ میں چادر ہوتا۔ حتیٰ کہ دھوپ مجھ پر غلبہ پالیتی۔ میرے بھائی انیس نے مجھے کہا: "مجھے مکہ مکرمہ میں ایک ضروری کام ہے۔ تم میری بھی کفایت کرو۔" وہ چلے گئے پھر واپس آ گئے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں بنو غفار کا ایک شخص تھا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں ایک شخص کا ظہور ہوا ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ نبی ہے۔" میں نے اپنے بھائی کہا: "اس شخص کے پاس جاؤ۔ اس سے گفتگو کرو۔ اس کے بارے خبر لے کر میرے پاس آ جاؤ۔" انیس گئے۔ وہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ انہوں نے آنے میں دیر کر دی۔ وہ میرے پاس آئے۔ میں نے پوچھا: "تمہارے پاس کیا خبر ہے؟" انہوں نے کہا: "بخدا! میں نے اس پاکباز شخص کی زیارت کی ہے۔ جو بھلائی کا حکم دیتے ہیں برائی سے روکتے ہیں۔" دوسری روایت میں ہے: "میں نے مکہ مکرمہ میں ایک شخص کو دیکھا ہے جو تمہارے دین پر ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔ وہ اخلاق حسنہ کا حکم دیتے ہیں۔" میں نے پوچھا: "لوگ ان کے بارے کیا کہتے ہیں؟" انہوں نے کہا: "لوگ انہیں شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں۔" حضرت انیس شاعر تھے۔ انہوں نے کہا: "میں نے کاہنوں کی باتیں بھی سنی ہیں۔ بخدا! ان کا کلام کاہنوں کے کلام جیسا نہیں۔ میں نے شعر کی اقسام پر بھی ان کا کلام پرکھا ہے۔ لیکن وہ کسی شاعر کے کلام سے ملاپ نہیں رکھتا۔ وہ شعر نہیں ہے بخدا! وہ سچے ہیں لوگ جھوٹے ہیں۔" میں نے بھائی سے کہا: "تمہاری اس خبر سے میری تسلی نہیں ہوئی۔ تم دھیان رکھو۔ میں خود جا کر دیکھتا ہوں۔" انہوں نے ہامی بھر لی اور کہا: "اہل مکہ سے محتاط رہنا، وہ ان کے ساتھ بغض رکھتے ہیں وہ انہیں ناپسند کرتے ہیں۔" میں نے پانی سے لبریز مشکیزہ اٹھالیا۔ دوسری روایت

میں ہے: "میں نے توشہ دان لیا۔ اپنے عصا پکڑا میں نے مکہ معظمہ کا رخ کیا۔ میں مسجد حرام میں آیا۔ میں حضور اکرم ﷺ کی تلاش میں تھا۔ میں نے پہلے آپ کو دیکھا ہوا نہ تھا۔ نہ ہی میں آپ کے بارے پوچھنا پسند کرتا تھا۔ حضرت ابن صامت کی روایت میں ہے: "میں نے اہل مکہ میں سے کمزور شخص کو تلاش کیا۔ میں نے اس سے پوچھا: "وہ لوگ کہاں ہیں جنہیں تم صابی کہتے ہو؟" اس نے میری طرف اشارہ کیا اور کہا: "صابی! صابی! وادی کے سارے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ ڈھیلوں اور ہڈیوں سے مجھے مارنے لگے۔ حتیٰ کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب میں اٹھا تو گویا کہ میں سرخ پتھر (بت) تھا۔ میں چشمہ زمزم کے پاس آیا۔ اپنا خون دھویا۔ اس کا پانی پیا۔ میں تین شب و روز تک وہیں ٹھہرا رہا۔ میں کھاتا بھی زمزم ہی تھا۔ میں موٹا ہو گیا حتیٰ کہ میرے پیٹ کی سلوٹیں نکل آئیں۔ مجھے بھوک کی کمزوری محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ طواف کے دوران میرے پاس سے گزریں۔ میں نے انہیں کہا: "ان میں سے ایک سے دوسرے کی شادی کر دو۔" وہ اپنے قول سے واپس نہ ہوئیں وہ میرے پاس آئیں۔ میں نے ان سے کہا: "یہ تو لکڑی کی مانند ہیں۔" وہ دونوں چلی گئیں وہ کہہ رہی تھیں: "کاش! یہاں کوئی ہوتا جس سے ہم مدد مانگ سکتیں۔" رستہ میں انہیں حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے پوچھا: "تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: "انہوں نے ایسی بات کی ہے جو منہ کو بھر دیتی ہے۔"

حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے حجر اسود کو استلام کیا۔ آپ نے اور آپ کے یارِ غار نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر نماز پڑھی۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے یوں سلام عرض کیا: "السلام علیك یا رسول الله! اشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله"۔ میں نے چہرہ انور پر خوشی کے اثرات دیکھ لیے تھے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے سب سے پہلے آپ کو اسلام کا سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: "وعلیک السلام و رحمۃ اللہ! پھر فرمایا "کون ہو؟" میں نے عرض کی: "میں بنو غفار میں سے ایک شخص ہوں۔ آپ نے اپنا دست اقدس اپنے چہرہ انور پر رکھ لیا۔ میں نے دل میں کہا: "میرا قبیلہ بنو غفار کی منسوب ہوتا شاید آپ کو ناگوار گزرا ہے۔ میں آپ کا دست اقدس پکڑنا چاہا۔ حضرت یار غار رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ روک لیا۔ وہ آپ کے بارے مجھ سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ پھر آپ نے سر اقدس اٹھایا۔ فرمایا: "اس جگہ کب سے ہو؟ میں نے عرض کی: "میں اس جگہ تین شب و روز گزر چکے۔" فرمایا: "تمہیں کون کھلاتا ہے؟ میں نے عرض کی: "آب زمزم کے علاوہ میرا اور کچھ کھانا پینا نہ تھا۔ حتیٰ کہ میرے پیٹ کی شکنیں نکل آئیں ہیں۔ مجھے بھوک کی کمزوری بھی محسوس نہیں ہو رہی۔" آپ نے فرمایا: "یہ مبارک پانی ہے۔ یہ کھانے کے قائم مقام ہو جاتا ہے یہ مرضوں سے شفاء بھی ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں آیا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو

گیا۔ میں آپ کو نہیں جانتا تھا۔ آپ کے بارے کسی سے پوچھنا بھی ناپسند تھا۔ میں آب زمزم پیتا رہا۔ میں مسجد میں رہا۔ میں لیٹ گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے۔ انہوں نے فرمایا: ''لگتا ہے یہ مسافر ہے۔'' میں نے کہا: ''ہاں!'' انہوں نے فرمایا: ''میرے ہمراہ میرے گھر چلو۔'' میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ نہ انہوں نے کچھ پوچھا۔ نہ ہی میں نے کچھ بتایا۔ وقت صبح میں نے اپنا مشکیزہ اور سامان لیا اور مسجد میں آگیا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے پوچھنے لگا لیکن مجھے کسی نے آپ کے بارے نہ بتایا۔ میں نے وہ سارا دن گزار دیا۔ رات آگئی۔ میں اسی جگہ لیٹ گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے انہوں نے فرمایا: ''کیا اس شخص کو ابھی تک اپنی منزل کا پتہ نہیں چلا۔'' میں نے کہا: ''نہیں'' انہوں نے فرمایا: ''میرے ہمراہ آجاؤ۔'' میں ان کے ہمراہ گیا۔ نہ انہوں نے کچھ پوچھا۔ نہ ہی میں نے کچھ بتایا۔ تیسرے روز بھی اسی طرح ہوا میں ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا: ''کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے کہ تم اس شہر میں کیوں آئے ہو؟'' میں نے کہا: ''اگر آپ میرا راز چھپائیں تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔'' دوسری روایت میں ہے: ''اگر آپ عہد اور وعدہ کریں کہ میری راہ نمائی کریں گے تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔'' آپ نے وعدہ کیا۔ میں نے انہیں ساری بات بتا دی۔ انہوں نے یہ فرمایا: ''تم ہدایت پا گئے ہو بلاشبہ وہ حق پر ہیں۔ وہ رب تعالیٰ کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وقتِ صبح تم میرے پیچھے چلنا۔ اگر مجھے کوئی خطرہ نظر آیا تو میں اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا گویا کہ میں پانی انڈیل رہا ہوں'' دوسری روایت میں ہے ''میں دیوار کے ساتھ لگ جاؤں گا گویا کہ میں اپنا جوتا درست کر رہا ہوں۔ تم وہاں سے گزر جانا۔ حتیٰ کہ تم میرے ساتھ کاشانہ اقدس میں داخل ہو جاؤ۔'' وہ چلے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ حتیٰ کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ میں ان کے ساتھ حاضر خدمت ہو گیا۔ میں نے آپ سے عرض کی: ''آپ مجھ پر اسلام پیش کریں۔'' آپ نے اسلام پیش کیا۔ میں نے وہیں اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے فرمایا: ''ابوذر! اس امر کو مخفی رکھنا۔ اپنی قوم کے پاس چلے جاؤ۔ میرے معاملہ کے بارے انہیں بتاؤ۔ جب تمہیں ہمارے غلبہ کی خبر ملے تو ہمارے پاس آجانا۔ میں نے عرض کی: ''مجھے اس ذاتِ والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں ان کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کروں گا۔''

میں وہاں سے نکلا میں مسجد حرام میں آیا۔ وہاں قریش موجود تھے۔ میں نے باآواز بلند کیا: ''اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ'' قریش نے کہا: ''اس صابی کی خبر لو۔'' پوری قوم اٹھ کھڑی ہوئی انہوں نے مجھے مارنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ میں لیٹ گیا۔ حضرت عباس نے مجھے پالیا۔ وہ مجھ پر جھکے انہوں نے کہا: ''تمہارے لیے ہلاکت! کیا تم نہیں جانتے یہ بنو غفار کا ایک شخص ہے۔ تمہاری تجارتی شاہراہ وہیں سے گزرتی ہے۔'' وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔

دوسری صبح بھی میں نے اسی طرح کیا۔ قریش نے مجھے اسی طرح مارا حتیٰ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے چھوڑایا۔ حضرت ابن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آج

شام کا کھانا میرے گھر تناول فرمائیں۔" حضور ﷺ روانہ ہوئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھولا۔ انہوں نے ہمیں طائف کے کشمش کھلائے۔ میں نے پہلی بار یہ پھل کھایا تھا۔ پھر میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: "کھجوروں والی سرزمین میرے لیے آشکارا ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ یثرب (مدینہ منورہ) ہی ہے کیا تم میری طرف سے اپنی قوم کو پیغام حق دو گے۔ شاید رب تعالیٰ تمہاری وجہ سے انہیں فائدہ دے اور تمہیں اس کا اجر دے۔"

میں انیس کے پاس آگیا۔ انہوں نے پوچھا: "تم نے کیا کیا ہے؟" میں نے کہا: "میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور آپ کی تصدیق کر دی ہے۔" انہوں نے کہا: "میں بھی تمہارا دین نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے اور آپ کی تصدیق کر دی ہے۔" پھر ہم اپنی والدہ ماجدہ کے پاس آگئے۔ انہوں نے بھی فرمایا: "میرا وہی دین ہے جو تمہارا دین ہے۔"

میں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے اور آپ کی تصدیق کر دی ہے۔" ہم نے اپنا سامان اٹھایا۔ اپنی قوم کے پاس آئے ان میں سے نصف نے اسلام قبول کر لیا۔ دوسرے نصف نے اس وقت اسلام لانے کا وعدہ کر لیا جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائیں گے جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو بقیہ نصف نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ بنو اسلم آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! جن شرائط پر ہمارے بھائیوں نے اسلام قبول کیا ہے انہی پر ہم بھی اسلام لاتے ہیں۔" ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے فرمایا: بنو غفار کو رب تعالیٰ معاف کر دے۔ بنو اسلم کو رب تعالیٰ سلامت رکھے۔

تنبیہات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر کی حضور ﷺ سے ملاقات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے ہوئی تھی۔ حضرت ابن صامت کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر رات کے وقت طواف کے دوران حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتے تھے۔ ان دونوں روایتوں کو جمع کرنا ممکن ہے کہ پہلے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ سے ملاقات کی ہو پھر طواف کے دوران آپ سے ملاقات کر لی ہو۔ یا اس کے برعکس ہو۔ ان میں سے ہر ایک نے وہ یاد کر لیا ہو جو دوسرے نے یاد نہ کیا ہو۔

٢ المفھم میں ہے کہ ان دونوں روایتوں کو جمع کرنا بہت تکلف ہے۔ خصوصاً جبکہ حضرت عبداللہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر وہیں تین روز تک رہے ان کے پاس زادِ راہ نہ تھا۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ ان کے پاس زاد راہ اور مشکیزہ تھا۔

الحافظ نے لکھا ہے: "ان دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس کی روایت میں زادِ راہ سے مراد وہ سامانِ سفر ہو جو انہوں نے روانگی کے وقت ساتھ لیا ہو۔ جو مکہ مکرمہ میں اقامت کے دوران ختم ہو گیا ہو اس مشکیزہ میں وہ پانی تھا جسے وہ حالتِ سفر میں استعمال کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران انہیں اس کے پانی کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تو انہوں نے اسے پھینک دیا۔ امام بخاری کی وہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جسے انہوں نے حضرت ابو قتیبہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے پہلے آپ کو دیکھا ہوا نہ تھا۔ میں آپ نے بارے کسی سے کچھ پوچھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ میں زمزم پیتا رہا اور مسجد میں ٹھہرا رہا۔"

❁❁❁

پانچواں باب

دارارقم میں جانے کا سبب

حضور ﷺ دارارقم بن ابی ارقم میں تشریف لے گئے۔ وہاں اپنی قوم سے چھپ کر عبادت کرتے رہے۔ مسلمان بھی آپ کے ساتھ وہیں ہی تھے۔ حتیٰ کہ ان کی تعداد چالیس ہوگئی۔ ان کے آخر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا جب ان کی تعداد چالیس ہوگئی تو وہ دارارقم سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! جب ہم حق پر ہیں تو پھر ہم اپنا دین کیوں مخفی رکھیں جبکہ مشرکین باطل پر ہو کر اپنے دین کا اظہار کرتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "عمر! ہم تعداد میں کم ہیں۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "مجھے اس ذاتِ والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں جس جس محفل میں بھی حالت کفر میں بیٹھا کرتا تھا اب میں ہر اس محفل میں اپنے ایمان کا اظہار ضرور کروں گا۔"

حافظ ابن خیثمہ طرابلسی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ۳۸ ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اصرار کیا کہ وہ ایمان کا اظہار کریں۔ آپ نے فرمایا: "ابوبکر! ہم تعداد میں کم ہیں۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ حضور ﷺ اس امر پر راضی ہو گئے۔ مسلمان مسجد حرام کی اطراف میں بکھر گئے۔ ہر شخص اپنے اپنے قبیلہ کی محفل میں جا بیٹھا۔ حضرت ابوبکر صدیق بطور خطیب لوگوں میں کھڑے ہو گئے۔ یہ پہلے خطیب تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ مشرکین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے مسجد کی اطراف میں مسلمانوں کو بہت زیادہ مارا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو روندھا گیا۔ انہیں شدید مارا گیا۔ عتبہ بن ربیعہ ان کے قریب ہوا اور اپنے جوتوں سے انہیں مارنے لگا۔ انہیں اتنا مارا گیا کہ ان کے چہرے پر ان کی ناک نظر نہیں آتی تھی۔ بنو تیم آگئے۔ مشرکین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دور ہو گئے۔ بنو تیم انہیں ایک کپڑے میں اٹھا کر گھر لائے۔ انہیں ان کی وفات میں کوئی شک نہ تھا۔ بنو تیم واپس مسجد حرام میں آئے۔ انہوں نے کہا: "بخدا! اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو ضرور قتل کر دیں گے۔" وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ ابو قحافہ اور بنو تیم آپ سے گفتگو کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ان کے آخری حصہ میں انہوں نے جواب دیا۔ انہوں نے سب سے پہلے پوچھا: "حضور اکرم ﷺ کا کیا حال ہے۔" یہ سن کر بنو

تیم چلے گئے۔ انہوں نے ان کی والدہ سے کہا: "انہیں کچھ کھلاؤ اور کچھ پلاؤ۔" تنہائی میں والدہ نے اصرار کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان اقدس پر ایک ہی جملہ تھا: "حضور اکرم ﷺ کا کیا حال ہے؟" انہوں نے کہا: "بخدا! مجھے تمہارے یارِ (غار) کا کوئی علم نہیں ہے۔" سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: "حضرت ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور ان سے آپ کے متعلق پوچھو۔" وہ نکلیں حتیٰ کہ حضرت ام جمیل کے پاس گئیں۔ ان سے کہا: "ابوبکر تم سے پوچھ رہے ہیں کہ محمد عربی ﷺ کا کیاں حال ہے؟ حضرت ام جمیل نے کہا: "میں کسی ابوبکر اور کسی محمد عربی (ﷺ) کو نہیں جانتی۔ اگر تم پسند کرو تو میں تمہارے ہمراہ ابوبکر صدیق تک جانے کے لیے تیار ہوں۔" انہوں نے کہا: "ضرور! حضرت ام جمیل ان کے ہمراہ آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کرب ناک حالت میں پایا۔ ان کی حالت دیکھ کر حضرت ام جمیل رضی اللہ عنہا کی چیخیں نکل گئیں۔ انہوں نے کہا: "جس قوم نے آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ فاسق و فاجر ہے۔ مجھے امید ہے کہ رب تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لے گا۔" حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟" انہوں نے کہا: "آپ کی والدہ سن رہی ہیں" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ان کی موجودگی کوئی حرج نہیں" حضرت ام جمیل: "آپ صحیح و سالم خیریت سے ہیں۔" حضرت صدیق اکبر: آپ کہاں ہیں؟ حضرت ام جمیل: آپ دارارقم میں جلوہ افروز ہیں۔ حضرت صدیق اکبر: بخدا! میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ ہی کچھ پیوں گا حتیٰ کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں" ہم نے صبر کیا۔ جب لوگ پرسکون ہو گئے تو ہم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لے کر نکلے۔ آپ ہمارے ساتھ ٹیک لگا کر چل رہے تھے۔ حتیٰ کہ ہم نے انہیں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور کریم ﷺ جھک کر انہیں بوسے دینے لگے۔ مسلمان بھی ان پر جھکے۔ حضور ﷺ کے قلب انور میں ان کے لیے رقت پیدا ہو گئی۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ! اب مجھے کوئی تکلیف نہیں مگر چہرے کے زخم درد کر رہے ہیں۔ یہ میری امی ہیں جنہوں نے اپنے لخت جگر کے ساتھ حسن سلوک کیا ہے۔ آپ بابرکت ہیں شاید آپ کے طفیل رب تعالیٰ انہیں آتش جہنم سے بچا لے۔" حضور ﷺ نے ان کے لیے دعا کی۔ انہیں رب تعالیٰ کی طرف بلایا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ دارارقم میں ایک ماہ تک ٹھہرے رہے۔ اس وقت ان کی تعداد ۳۹ تھی۔ جس روز مشرکین نے سیدنا صدیق اکبر کو مارا اسی روز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر کے لیے یا ابوجہل کے لیے دعا مانگی۔ آپ نے بدھ کے روز یہ دعا مانگی جمعرات کے روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! ہم اپنا دین کس لیے مخفی رکھیں...... لیکن اس جگہ حضرت عمر فاروق کے اسلام کا تذکرہ عجب سا لگتا ہے کیونکہ انہوں نے حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے: "پھر لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حتیٰ کہ اسلام کا تذکرہ مکہ مکرمہ میں پھیل گیا اور لوگ اس کے بارے گفتگو کرنے لگے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھاٹیوں کی طرف نکل جاتے اپنی قوم سے چھپ کر نماز ادا فرما لیتے اسی اثنا میں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ایک گروہ کے ہمراہ تھے کہ اچانک مشرکین کا ایک گروہ ان کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت مسلمان نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے اسے عجیب سمجھا۔ ان کے عیب نکالے۔ حتیٰ کہ ان میں باہم لڑائی ہونے لگی۔ اس دن حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کو اونٹ کے جبڑے دے مارے۔ اس سے وہ زخمی ہو گیا۔ یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔

❁❁❁

چھٹا باب

اعلانیہ تبلیغ کا حکم

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ (الحجر: ۹۴)

ترجمہ: ''سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے۔''

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ (الشعراء: ۲۱۴)

ترجمہ: ''اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو۔''

ابن سعد نے حضرت عبدالرحمان بن قاسم سے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ پیغام حق کا واضح اعلان کر دیں جو رب تعالیٰ کی طرف سے آپ پر اترا ہے۔ آپ لوگوں میں اعلانیہ تبلیغ فرمائیں۔ رب تعالیٰ کی طرف انہیں بلائیں، نبوت کے تین سال تک آپ نے مخفی تبلیغ فرمائی۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ کو اعلانیہ تبلیغ کا حکم دے دیا۔

حضرت جعفر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ پر بہت گراں گزرا۔ ایک ماہ تک آپ اپنے گھر میں ہی تشریف فرما رہے۔ حتیٰ کہ آپ کی پھوپھیوں نے سمجھا کہ شاید آپ بیمار ہیں وہ آپ کی عیادت کے لیے آئیں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے کوئی مرض نہیں ہے بلکہ مجھے رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤں۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں بنو عبدالمطلب کو جمع کروں اور انہیں رب تعالیٰ کی طرف دعوت دوں۔'' پھوپھیوں نے عرض کی ''سب کو جمع فرمالیں لیکن ابولہب کو نہ بلائیں۔ وہ آپ کو مناسب جواب نہ دے گا۔'' یہ کہہ کر پھوپھیاں چلی گئیں۔ سوقت صبح حضور ﷺ نے بنو عبدالمطلب کی طرف پیغام بھیجا وہ سب حاضر ہو گئے ان کے ہمراہ بنو عبد مناف کے بعض افراد بھی تھے۔

وہ سارے پینتالیس (۴۵) افراد تھے۔ جب وہ سارے جمع ہو گئے تو ابولہب نے کہا: ''یہ آپ کے چچا اور چچا زاد ہیں۔ ان سے جو چاہیں گفتگو کریں لیکن نماز ترک کر دیں۔ جان لیں کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ ہم سارے عرب سے ٹکرا لے سکیں۔ پسندیدہ امر تو یہ ہے کہ آپ کا خاندان اور آپ کے رشتہ دار آپ کو اس کام سے روک دیں۔ یہ اس امر سے آسان

ہے کہ آپ اپنے اس کام میں مشغول ہو جائیں قریش کے قبائل آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ سارا عرب ان کی مدد کرے۔ اے میرے بھتیجے! میں دیکھتا ہوں کہ اپنی قوم کے لیے اتنی شر انگیز چیز لے کر اور کوئی نہیں آیا جتنی شر انگیز چیز آپ اپنی قوم کے لیے لے کر آئے ہیں۔''

حضور ﷺ خاموش رہے۔ آپ نے اس محفل میں گفتگو نہ کی۔ کئی ایام تک آپ ٹھہرے رہے۔ آپ پر ابولہب کا کلام گراں گزرا۔ حضرت جبرائیل امین آپ پر نازل ہوئے۔ رب تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہونے کے لیے عرض کی۔ آپ نے دوسری باران کو جمع کیا۔ رب تعالیٰ کی تعریف یوں فرمائی:

الحمد لله احمده و استعينه و اومن به وا توكل عليه و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له۔

پھر فرمایا: ''کوئی شخص اپنے اہلِ خانہ سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر میں (بفرض محال) سارے لوگوں سے جھوٹ بول دوں پھر بھی تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مجھے اس ذاتِ والا کی قسم! جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں بالخصوص تمہاری طرف اور بالعموم سارے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بخدا! تم اس طرح مر جاؤ گے جس طرح تم سو جاتے ہو پھر تمہیں اس طرح اٹھایا جائے گا جس طرح تم جاگتے ہو۔ تم کچھ تم کرو گے اُن کے بارے تمہارا محاسبہ ہوگا۔ احسان کا بدلہ احسان کی صورت میں اور برائی کا بدلہ برائی کی صورت میں دیا جائے گا۔ یا پھر ہمیشہ کے لیے جنت یا پھر ابدی جہنم نصیب ہوگی۔ تم پہلے لوگ ہو جنہیں میں ڈرا رہا ہوں۔ میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جو دشمن کو دیکھ لے۔ اسے خدشہ ہو کہ کہیں دشمن اس سے قبل نہ پہنچ جائے۔ وہ دور سے ہی صدا دینے لگے: ''جاگو! جاگو!''

ساری قوم نے نرم جواب دیا۔ مگر ابولہب نے کمینگی کا اظہار کیا۔ اس نے کہا: ''بنو عبد المطلب! یہی چیز ہمارے لیے رسوائی کا سبب بنے گی۔ ان کا ہاتھ پکڑ لو۔ قبل اس کے کہ کوئی اور آ کر ان کا ہاتھ پکڑ لے۔ اگر اس وقت تم نے انہیں ان کے سپرد کر دیا تو تم ذلیل ہو جاؤ گے۔ اگر تم نے ان کا دفاع کیا تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ جناب ابوطالب نے کہا: ''بخدا! جب تک ہم زندہ ہیں۔ ہم ان کا دفاع کرتے رہیں گے۔''

حضرت صفیہ نے ابولہب سے کہا: ''اے بھائی! کیا یہ بات تجھے زیب دیتی ہے کہ تم اپنے بھتیجے اور ان کے دین کو رسوا کرو۔ بخدا! لوگ لگاتار بتاتے آئے ہیں کہ حضرت عبد المطلب کی نسل سے ایک نبی پیدا ہوں گے۔ بخدا! یہ وہی نبی محترم ﷺ ہیں۔'' ابولہب نے کہا: ''یہ باطل ہے۔ یہ جھوٹی آرزوئیں ہیں یہ پردہ نشیں عورتوں کی باتیں ہیں۔ جب قریش کے سارے قبائل تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور سارا عرب بھی ان کے ہمراہ نہ ہوگا اس وقت ان کے ساتھ جنگ لڑنے کے لیے ہمارے پاس کیا طاقت ہوگی۔ اس وقت ہم ان کا ایک لقمہ ہی ہوں گے۔'' امام بخاری، امام مسلم، علامہ

بلاذری نے حضرت ابن عباس وغیرہم سے روایت کیا ہے جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ (الشعراء: ۲۱۴) تو حضور اکرم ﷺ کوہ صفا پر چڑھ گئے اس کی چوٹی پر چڑھ کر صدا دی۔ اے لوگو! لوگوں نے ایک دوسرے سے پوچھا: "یہ کون ہے؟ جو شخص وہاں خود نہ جا سکا اس نے اپنا نمائندہ وہاں بھیج دیا تاکہ وہ دیکھے کہ وہاں کیا ہے؟ ابولہب اور قریش آئے۔ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں اگر تم سے کہوں کہ گھڑسواروں کا ایک دستہ اس پہاڑ کے دامن سے نکل کر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا: "بلاشبہ ہم نے آپ کو جھوٹ بولتے کبھی نہیں سنا۔"

آپ نے فرمایا: "اے گروہِ قریش! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ میں رب تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ اے بنو عبد مناف! خود کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنو عبد شمس خود کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنو کعب بن لوئی آتش جہنم سے خود کو بچاؤ۔ میں رب تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ اے عباس رسول اللہ ﷺ کے چچا، خود کو آگ سے بچائیں۔ میں رب کے مقابلہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا اے صفیہ، حضور ﷺ کی پھوپھو، اے فاطمہ، خاتون جنت! خود کو آگ سے بچاؤ۔ میں رب تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔"

ابولہب نے کہا: "تم برباد ہو جاؤ کیا تم نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا۔" اس وقت سورۃ تبت یدا ابی لهب نازل ہوئی۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اے بنو عبد المطلب! بخدا! میں کسی جوان کو نہیں دیکھتا جو اتنی عمدہ چیز لے کر تمہارے پاس آیا ہو جتنی بہترین چیز میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کا امر لے کر آیا ہوں۔"

ابن سعد، امام بیہقی، ابونعیم وغیرہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے فرمایا: "جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ (الحجر: ۹۴) تو آپ نے فرمایا: "علی! ہمارے لیے بکری کی ران اور ایک صاع غلہ بطور کھانا پکاؤ۔ دودھ کا بڑا پیالہ تیار کرو۔ پھر بنو عبد المطلب کو بلا لو۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے اسی طرح کیا قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ اس وقت ان کی تعداد کم و بیش چالیس تھی۔ ان میں آپ کے چچا، ابو طالب، حضرت حمزہ، حضرت عباس اور ابولہب بھی تھے۔ میں نے وہ پیالہ ان کے سامنے پیش کیا حضور ﷺ نے اس میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔ آپ نے اسے اپنے دندان مبارک سے چیرا پھر اسے پیالے کی اطراف میں بکھیر دیا۔ فرمایا: "رب تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ" وہ سارے لوگ کھانے لگے۔ حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گئے۔ ان کی انگلیوں کے نشانات نظر آتے تھے بلکہ وہ اتنا کھانا تھا جسے صرف ایک شخص کھا سکتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: "ان لوگوں کو پلاؤ" میں

دودھ کا پیالہ لے آیا۔ انہوں نے وہ دودھ پیا حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گئے۔ بخدا! اس پیالے سے صرف ایک شخص سے سیراب ہو سکتا تھا۔ جب حضور ﷺ نے گفتگو کا ارادہ کیا تو ابولہب بول پڑا: "تمہارے صاحب نے کتنا اچھا جادو کیا ہے۔" لوگ منتشر ہو گئے حضور ﷺ نے ان سے بات نہ کی۔ دوسرے روز آپ نے فرمایا: "علی! کل کی طرح کا کھانا تیار کرو۔" میں نے اسی طرح کھانا تیار کیا۔ حضور ﷺ نے اسی طرح کیا جس طرح کل کیا تھا۔ لوگوں نے جی بھر کر کھایا۔ پھر فرمایا: "اے بنو عبد المطلب! بخدا! میں کسی جوان کو نہیں جانتا جو اتنا عمدہ پیغام لے کر آیا ہو جتنا عمدہ پیغام میں لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کا معاملہ لے کر آیا ہوں۔ اس امر پر میری مدد کون کرے گا؟" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "یا رسول اللہ! اگرچہ میں ساری قوم سے کم عمر ہوں۔" سارے لوگ خاموش رہے۔ پھر انہوں نے کہا: "اے ابو طالب! کیا تم اپنے بیٹے کو نہیں دیکھ رہے؟ انہوں نے کہا: "اسے چھوڑ دو۔ یہ اپنے بھائی سے صرف خیر ہی پائے گا۔"

❀❀❀

ساتواں باب

وفد قریش

امام زہری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے: ''جب حضور ﷺ نے اپنی قوم کو اعلانیہ اسلام کی تبلیغ کی اور اسی طرح انہیں پیغام حق سنایا جس طرح کہ رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا تو آپ کی قوم نے اسے عجیب نہ سمجھا نہ ہی اس کی تردید کی۔ حتیٰ کہ آپ نے ان کے معبودان باطلہ کا ذکر کیا اور ان کے عیب نکالے۔

امام عتقی نے لکھا ہے: ''یہ نبوت کا چوتھا سال تھا'' جب آپ نے ان کے معبودان باطلہ کے عیوب نکالے تو انہیں عجیب لگا۔ انہوں نے آپ سے عداوت اور مخالفت پر اتفاق کر لیا۔ مگر رب تعالیٰ نے جسے اسلام لانے کی توفیق دی۔ ان کی تعداد قلیل تھی۔ وہ سارے مخفی تھے۔

جناب ابو طالب نے آپ کی بھرپور مدد کی۔ انہوں نے آپ کا دفاع کیا۔ حضور ﷺ اسلام کی تبلیغ اعلانیہ فرمانے لگے۔ کوئی چیز آپ کو اس تبلیغ سے نہ روک سکی۔ جب قریش نے دیکھا کہ کوئی چیز بھی آپ کو تبلیغ حق سے نہیں روک سکتی اور آپ ان کے معبودانِ باطلہ کے عیوب نکال رہے ہیں اور جناب ابو طالب بھی آپ کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور آپ کو ان کے سپرد نہیں کر رہے تو ان کے چند افراد سردار، جناب ابو طالب کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا ''ابو طالب! تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے ہمارے دین کے عیب نکالتے ہیں۔ ہماری عقول کا نادان کہتا ہے۔ ہمارے آباء کو گمراہ کہتا ہے۔ تم یا تو انہیں روک لو یا ہمارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ تم بھی اسی دین پر ہو جس پر ہم ہیں۔ ہم انہیں کافی ہو جائیں گے۔'' جناب ابو طالب نے انہیں نرم لہجہ سے سمجھایا اور انہیں عمدہ طریقے سے ٹال دیا۔ سردارانِ قریش واپس چلے گئے۔ حضور ﷺ اپنے کام میں مصروف رہے۔ رب تعالیٰ کے دین حق کا اظہار کرتے رہے۔ رب تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے پھر آپ کے اور قریش کے تعلقات کشیدگی اختیار کرتے گئے حتیٰ کہ لوگوں میں باہمی دوری پیدا ہو گئی ان میں کینہ اور بغض پیدا ہو گیا۔ قریش میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر خیر پھیل گیا۔ قریش نے لوگوں کو آپ کے خلاف اکسایا۔ لوگوں کو آپ کی دشمنی کی ترغیب دی۔

سردارانِ قریش ایک بار پھر جناب ابو طالب کے پاس گئے۔ انہوں نے ان سے کہا: ''ابو طالب! آپ عمر میں سب سے زیادہ ہیں۔ مقام منصب میں آپ رفیع ہیں۔ ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ اپنے بھتیجے کو روک دیں مگر آپ نے

اسے نہ روکا بخدا! ہم صبر نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباء کو کوئی برا بھلا کہے۔ ہماری عقول کو نادان کہا۔ ہمارے معبودان (باللہ) کے عیوب نکالے۔ آپ اسے روک دیں ورنہ ہم آپ سے اور ان سے جنگ کریں گے حتیٰ کہ ہم میں سے ایک فریق ختم ہو جائے۔" پھر وہ واپس آ جائے۔ جناب ابو طالب پر ان کی قوم کا یہ فراق اور عداوت گراں گزری وہ نہ تو حضور اکرم ﷺ کو ان کے سپرد کر سکتے تھے نہ ہی آپ کو رسواء کر سکتے تھے۔ انہوں نے آپ کو بلا بھیجا۔ آپ سے کہا: "اے میرے بھتیجے! آپ کی قوم میرے پاس آئی تھی۔ انہوں نے مجھے اس طرح کہا ہے۔ آپ خود پر بھی رحم کریں۔ مجھ پر بھی ترس کریں۔ مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈالیں جسے میں اٹھا نہ سکوں۔" حضور ﷺ نے سمجھا کہ شاید جناب ابو طالب نے اپنی رائے تبدیل کر دی ہے۔ وہ آپ کو مشرکین کے حوالے کر دیں گے۔ وہ آپ کی مدد کرنے اور اعانت کرنے سے کمزور دکھانے لگے ہیں۔ آپ نے چچا سے فرمایا: "چچا جان! بخدا! اگر یہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ اور چاند کو میرے بائیں دستِ اقدس پر رکھ دیں تاکہ میں اس تبلیغ سے کنارہ کش ہو جاؤں بخدا! میں اسے ترک نہیں کروں گا۔ حتیٰ کہ یا تو رب تعالیٰ اپنے دین کو غالب کر دے یا میرا وصال ہو جائے" پھر آپ کی چشمانِ مقدس سے آنسو بہنے لگے۔ جب آپ جانے لگے تو جناب ابو طالب نے آپ کو بلایا اور کہا: "آپ جائیں۔ جیسے چاہیں تبلیغ کریں۔ بخدا! میں آپ کو کبھی بھی کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔" پھر انہوں نے یہ اشعار کہے:

والله لن یصلوا الیك بجمعهم ... حتی اوسد فی التراب دفینا

ترجمہ: "بخدا! یہ سارے مل کر بھی آپ تک نہیں پہنچ سکتے حتیٰ کہ مجھے زمین کے اندر مدفون کر دیا جائے۔"

فاقض لامرك ما علیك غضاضة ... و ابشر و قرَّ بذاك منك عیوناً

ترجمہ: "آپ جیسے چاہیں تبلیغ کریں، آپ پر کوئی حرج نہیں آپ کو بشارت ہو اور اس کے ساتھ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔"

و دعوتنی و زعمت انك ناصحی ... فلقد صدقت و كنت ثم امینا

ترجمہ: "آپ نے مجھے بھی دعوت دی میرا گمان ہے آپ میرے خیر خواہ ہیں۔ آپ نے سچ کہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ امین بھی ہیں۔"

لو لا الملامة او حذاری سبة ... لو جدتنی سمحا بذاك مبیناً

ترجمہ: "اگر میری اس احتیاط کو ملامت یا عار نہ سمجھا جاتا تو آپ مجھے اس ضمن میں بہت فیاض پاتے۔"

"الروض الانف" میں ہے "حضور ﷺ نے عرب المثل بیان کرتے وقت سورج اور چاند کو مختص فرمایا۔ آپ نے دائیں ہاتھ کے ساتھ سورج کو مختص فرمایا کیونکہ یہ ایک روشن نشانی ہے۔ چاند کو بائیں ہاتھ کے ساتھ مختص فرمایا کیونکہ اس کا نور

سورج کی روشنی کی طرح واضح نہیں ہے۔ آپ نے ان دونوں کو ضرب المثل کے لیے مختص کیا کیونکہ ان کا نور محسوس ہے۔ آپ رب تعالیٰ کے حریم ناز سے بھی نور ہی لے کر آئے۔ ارشاد فرمایا:

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ۔ (التوبۃ ۳۲)

ترجمہ: "(یہ لوگ) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے اپنے نور کو۔"

بلاغت نبویہ کا تقاضا یہی تھا کہ جب کفار نے ارادہ کیا کہ آپ نور اعلیٰ کو ترک کر دیں تو اس کے مقابلہ میں نور ادنیٰ کو لایا جاتا۔ نیز یہ کہ آپ ان میں سے اعلیٰ کو دونوں ہاتھوں میں سے افضل کے ساتھ مختص فرماتے۔ اس سے مراد دایاں دست اقدس ہے یہ ایسی بلاغت ہے جس کی مثال نہیں لائی جا سکتی۔ اس میں ایسی حکمت کارفرما ہے جو کسی دانا پر مخفی نہیں ہے۔" ابن اسحاق نے لکھا ہے "جب قریش کو علم ہو گیا کہ جناب ابو طالب کسی صورت میں بھی آپ کو ان کے حوالے نہیں کریں گے۔ اس کے لیے وہ ان سب کا فراق برداشت کرنے پر بھی تیار ہیں ان کی عداوت مول لینے پر بھی راضی ہیں تو وہ عمارہ بن ولید کو لے کر ان کی خدمت میں گئے۔ ان سے کہا: "ابو طالب! یہ عمارہ ہے۔ جو قریش کے سارے جوانوں میں سے بہادر ہے۔ سارے جوانوں سے حسین ہے۔ اسے لے لیں۔ اس کی دیت اور نصرت تمہارے لیے ہو گی۔ اسے اپنا بیٹا بنا لو۔ یہ تمہارا ہی ہو گا۔ اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو جس نے ہمارے دین کی مخالفت کی ہے تمہارے آباء کے دین کی مخالفت کی ہے۔ تمہاری قوم کی جمعیت کو منتشر کر دیا ہے۔ ان کی عقلوں کو نادان کہا ہے۔ ہم اسے قتل کر دیں گے۔ تمہیں ایک آدمی کے بدلے آدمی مل جائے گا۔"

جناب ابو طالب نے کہا: "بخدا! تم میرے ساتھ کتنا برا سودا کر رہے ہو۔ تم مجھے اپنا بیٹا اس لیے دے رہے ہو تا کہ میں اس کی نشوونما کروں اور اپنا لختِ جگر تمہیں اس لیے دوں تا کہ تم اسے شہید کر دو۔ بخدا! اس طرح کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ کیا تم کسی اونٹنی کو دیکھا ہے کہ کسی دوسری اونٹنی کے بچے سے محبت کر رہی ہو۔"

مطعم بن عدی نے کہا: "ابو طالب! تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کیا ہے۔ اس لیے نجات دلانے کی کوشش کی ہے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ مگر تم اس میں سے کچھ بھی پسند نہیں کرتے۔" ابو طالب نے مطعم سے کہا "بخدا! انہوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ لیکن تو نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تو مجھے ضرور رسواہ کرے گا۔ میرے خلاف قوم کی ضرور مدد کرے گا۔ تیرے لیے جو مناسب ہو وہ کر لے۔" پھر امر شدت اختیار کر گیا۔ لڑائی سخت ہو گئی۔ قوم نے سارے معاہدے توڑ دیے۔ وہ ایک دوسرے سے عداوت کرنے لگے۔ اس وقت جناب ابو طالب نے مطعم بن عدی اور ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ اشعار کہے جنہوں نے آپ کے ساتھ عداوت رکھی ہوئی تھی:

الاقل لعمرو الولید و مطعم الالیت حظّی من حیاطکم بکر

ترجمہ: "ارے! تم عمرو، ولید اور مطعم سے کہہ دو کہ کاش! تمہارے ساتھ دشمنی کرنے کی وجہ سے مجھے ایک نوجوان اونٹ ہی مل جاتا۔"

من الخور خنجاب کثیر رعاءۂ یرش علی الساقین من بوله قطر

ترجمہ: "جسے کمزوری نے پست قد بنا دیا ہو وہ بہت زیادہ بلبلاتا ہو اور پیشاب کے قطرات اس کی پنڈلی پر گر رہے ہوں۔"

تخلف خلف الو رد لیس بلاحق اذا ما علا الفیفاء قیل له و بر

ترجمہ: "اس کی ایک صفت یہ بھی ہو کہ وہ پانی پینے والے اونٹوں سے ہمیشہ پیچھے ہی رہے۔ کبھی ان کے نہ مل سکے اسے بلی کہا جائے۔"

أرٰی اخوینا من ابینا و امنا اذا سئلا قالا الی غیرنا الامر

ترجمہ: "میں اپنے دو سگے بھائیوں کو دیکھتا ہوں جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ معاملہ کسی اور کے پاس ہے۔"

بلی لهما و لکن تجرجما کما جرجمت من راس ذی علق ضخر

ترجمہ: "بلکہ یہ معاملہ انہی کے ہاتھوں میں ہے مگر وہ اس طرح گرے ہیں جس طرح ذوعلق پہاڑ سے پتھر گرتا ہے۔"

اخص خصوصا عبد شمس و نوفلاً هما نبذانا مثل ما نبذا الخمر

ترجمہ: "میں بنو عبد شمس اور بنو نوفل سے شکایت کناں ہوں۔ انہوں نے ہمیں انگارے کی طرح علیحدہ کر دیا ہے۔"

هما اغمز للقوم فی اخویهما فقد اصبحا منهم اکفهما صفر

ترجمہ: "انہوں نے اپنی قوم کو سرعام رسوا کیا لیکن اب وہ خالی ہاتھ ہو چکے ہیں۔"

هما اشرکا فی المجد من لا اباله من الناس اِلّا ان یرش له ذکر

ترجمہ: "وہ بزرگی میں اس کے شریک ہیں جس کا باپ نہ ہو۔ مگر جبکہ اس کا ذکر مخفی کیا جائے۔"

و تیم و مخزوم و زهرة منهم و کانوا لنا مولًی اذا بغی النصر

ترجمہ: "بنو تیم، بنو مخزوم اور بنو زہرۃ نے بھی اپنا تعلق انہی کے ساتھ جوڑ لیا ہے حالانکہ وہ اس وقت ہمارے

حلیف تھے جبکہ مدد کے لیے پکارا گیا۔"

فو الله ما تنفك منا عداوة ولا منهم ما كان من نسلنا شفر

ترجمہ: "بخدا! جب تک ہماری نسل میں ایک شخص بھی باقی ہے ان کے ساتھ ہماری عداوت اسی طرح باقی رہے گی۔"

ابن اسحاق کہتے ہیں: "پھر قریش نے ان قبیلوں کو ترغیب دی کہ وہ ان صحابہ کرام کو اذیت دیں جن کا تعلق ان کے قبیلہ کے ساتھ تھا۔ یہ قبیلہ اپنے میں سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ وہ انہیں اذیتیں دیتے تھے۔ انہیں دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا کے ذریعے آپ کی حفاظت کی۔ جب جناب ابو طالب نے قریش کا یہ رویہ دیکھا تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کیا۔ انہیں حضور ﷺ کی حفاظت پر ابھارا۔ وہ ان کے ہمراہ جمع ہو گئے۔ انہوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا دشمن ابولہب ان سے جدا ہی رہا۔ جب جناب ابو طالب نے اپنی قوم کی اس جدوجہد کو دیکھا۔ ان کے اس تحفظ کو دیکھا تو انہوں نے ان کی تعریف کرتے ہوئے اور حضور ﷺ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تاکہ ان میں شدت پیدا ہو اور وہ ان کے ساتھ حضور ﷺ کا ساتھ دیں۔ انہوں نے کہا:

اذا جمعت يوماً قريش لمفخر فعبد مناف سرها و صميمها

ترجمہ: "جب بھی قریش کسی قابل فخر کام کے لیے جمع ہوتے تو عبد مناف ان میں سے خالص اور کریم ثابت ہوئے۔"

و ان خصلت اشراف عبد منافها ففي هاشم اشرافها و قديمها

ترجمہ: "جب عبد مناف کے عمدہ لوگوں کو شمار کیا جائے تو بنو ہاشم میں بہترین اور عمدہ ہوں گے۔"

و ان فخرت يوما فان محمدا هو المصطفى من سرها و كريمها

ترجمہ: "جب انہوں نے کسی ہستی پر فخر کیا تو وہ بلاشبہ حضور ﷺ کی ذات ہی ہو گی جو ان کے کریم اور عمدہ لوگوں میں سے برگزیدہ ہیں۔"

تداعت قريش غثها و سمينها علينا فلم تظفر و طاشت حلومها

ترجمہ: "قریش نے ہمارے خلاف ہر گندے اور غلیظ شخص کو دعوت دی۔ لیکن وہ کامیابی نہ پا سکے تو وہ پاگل ہو گئے۔"

و كنا قديما لا نقر ظلامة اذا ما ثنوا صعر الخدود نقيمها

ترجمہ: "ہماری پرانی عادت ہے کہ ہم ظلم کو باقی نہیں رہنے دیتے۔ جب لوگ تکبر کی وجہ سے رخسار ٹیڑھے کرتے ہیں تو ہم انہیں سیدھا کر لیتے ہیں۔"

و نحمی حماها کل یوم کریهة   و نضرب عن اجمارها من یرومها

ترجمہ: "ہم ہر مصیبت میں اپنی قوم کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی پناہ گاہوں پر حملہ کرنے والوں کا مار دیتے ہیں۔"

بنا انتعس العورا الذوداء انما   باکتافنا تندی و تنمی ارومها

ترجمہ: "ہماری وجہ سے خشک لکڑیاں بھی شاداب ہو گئیں۔ ہمارے پہلو میں ان کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں اور وہ تراوت حاصل کرتی ہیں۔"

❁❁❁

آٹھواں باب

حضرت حمزہ دامن اسلام میں

ابن ابی حاتم نے الاجلح سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ باجمال اور خوبصورت تھے۔ ان کے بال بہت خوبصورت تھے۔ یہ شکار کرتے تھے۔ ایک روز حضور ﷺ ابو جہل کے پاس سے گزرے۔ ابو جہل نے آپ کو تکلیف اور اذیت دی۔ حضرت حمزہ شکار سے واپس آئے دو عورتیں ان کے پیچھے پیچھے آرہی تھیں۔ ان میں سے ایک نے دوسری سے کہا: "اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ ابو جہل نے ان کے بھتیجے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تو یہ اس طرح نہ چلتے۔" حضرت حمزہ نے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا: "کیا ہوا ہے؟" انہوں نے کہا: "ابو جہل نے حضور سید عالم ﷺ کے ساتھ اس طرح کیا ہے۔" آپ کو حمیت نے آلیا۔ وہ سیدھے مسجد حرام میں آئے۔ ابو جہل وہاں بیٹھا ہوا تھا اس کی طرف گئے اور اس کے سر پر کمان دے ماری۔ فرمایا: "میرا دین وہی ہے جو محمد عربی ﷺ کا دین ہے اگر تم سچے ہو تو مجھے روک لو۔" قریش ان کی طرف لپکے۔ انہوں نے کہا: "ابو یعلی، ابو یعلی!۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى۔ (الفتح ۲۶)

ترجمہ: "جب جگہ دی کفار نے اپنے دلوں میں ضد کو وہی (زمانہ) جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے رسولِ (مکرم) پر اور اہل ایمان پر اور انہیں استقامت بخش دی تقویٰ کے کلمہ پر۔"

اجلح نے کہا ہے کہ اس جگہ مراد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابن اسحاق نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "مجھے بنو اسلم کے ایک شخص نے بتایا ہے۔ اس کا حافظہ تیز تھا۔ الطبرانی نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ ابو جہل حضور ﷺ کے پاس سے گزرا۔ اس وقت حضور ﷺ کوہ صفا کے پاس تھے۔ اس نے آپ کو اذیت دی۔ آپ کو برا بھلا کہا۔ آپ کے دین حق کے عیب نکالے۔ آپ کے معاملہ کو کمزور کہا۔ مگر حضور ﷺ نے بات تک نہ کی۔ عبد اللہ بن جدعان کی لونڈی اپنے گھر میں یہ سارے بکواسات سن رہی تھی۔ پھر ابو جہل مسجد حرام میں چلا گیا وہ قریش کی محفل میں بیٹھ گیا۔ جلد ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شکار سے واپس آگئے۔ وہ اپنی کمان سونتے ہوئے تھے۔ وہ شکار کے دلدادہ تھے۔ جب وہ شکار سے واپس آتے تو اپنے اہلِ خانہ کے پاس نہ آتے حتیٰ کہ خانہ کعبہ کا طواف کر لیتے۔ وہ اسی دوران قریش کی ہر ہر محفل

کے پاس سے گزرتے وہاں رکتے۔ انہیں سلام کرتے۔ ان کے ساتھ گفتگو کرتے۔ حضرت حمزہ قریش کے بہادر جوانوں میں سے تھے۔ جب آپ لونڈی کے پاس سے گزرے تو اس نے کہا: "اے ابو عمارۃ! کاش آپ اس سلوک کا مشاہدہ کر لیتے جو ابو جہل نے ابھی ابھی آپ کے بھتیجے محمد عربی ﷺ سے کیا ہے۔ اس نے انہیں بیٹھے ہوئے پایا۔ اس نے انہیں برا بھلا کہا۔ اذیت دی۔ ناپسندیدہ کلام کیا۔ پھر واپس چلا گیا مگر حضور ﷺ نے بات تک نہ کی۔" یہ سن کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے شیر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غصہ نے آلیا۔ رب تعالیٰ نے بھی ان کے سر پر سچی عزت کا تاج سجانا چاہا۔ وہ دوڑتے ہوئے آئے۔ ابو جہل کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ آج کسی سے بات تک نہ کر رہے تھے۔ جب مسجد حرام میں داخل ہوئے تو اسے دیکھا وہ اپنی قوم میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اس کی طرف گئے اس کے سر کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اپنی کمان اٹھائی۔ اس کے سر پر دے ماری اسے شدید زخمی کر دیا۔ اسے کہا: "کیا تو انہیں برا بھلا کہتا ہوں؟ حالانکہ میں بھی ان کے دین پر ہوں۔ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ اگر طاقت ہے تو مجھے روک لو۔" بنو مخزوم کے بعض لوگ اٹھ کر حضرت حمزہ کی طرف گئے تاکہ ابو جہل کی مدد کریں۔ ابو جہل نے کہا: "ابو عمارہ کو چھوڑ دو بخدا! میں نے ان کے بھتیجے کو برا بھلا کہا تھا۔"

پھر حضرت حمزہ اپنے گھر واپس آگئے۔ خود سے کہا: "تم قریش کے سردار ہو تم نے اس صابی کی اتباع کر لی ہے۔ اپنے آباء کا دین ترک کر دیا ہے۔ جو کچھ تم نے کیا ہے اس سے تو موت بہتر ہے۔" انہوں نے کہا: "مولا! اگر یہ ہدایت ہے تو اس کی تصدیق میرے دل میں ڈال دے۔ ورنہ اس سے نکلنے کی سبیل پیدا فرما دے۔" انہوں نے یہ رات اس طرح اضطراب میں گزاری کہ اس سے قبل اس اضطراب کے ساتھ رات بسر نہیں کی تھی۔ وقت صبح حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عرض کی میرے بھتیجے! میں اس امر میں گر چکا ہوں جس سے نکلنے کی سبیل مجھے بتا دیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ ہدایت ہے یا گمراہی ہے، مجھ سے باتیں کریں۔ میرے بھتیجے! میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے باتیں کریں۔"

حضور اکرم ﷺ ان کی طرف توجہ فرما ہوئے۔ انہیں وعظ و نصیحت کی۔ ڈرایا، بشارت سنائی۔ رب تعالیٰ نے ان کے دل میں ایمان ڈال دیا۔ انہوں نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔ میرے محترم بھتیجے! اپنے دین کا اظہار کریں۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے وہ سب کچھ دیا جائے جس پر آسمان سایہ فگن ہے اور میں پہلا دین اختیار کر لوں۔" جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو قریش کی اذیتیں کافی حد تک کم ہو گئیں کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ آپ کا دفاع کریں گے۔ حضرت حمزہ نے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

حمدت اللہ حین ھدی فؤادی   الی الاسلام و الدین الحنیف

ترجمہ: "میں نے اس وقت رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی اس نے اسلام

اور دین حق کی طرف ہدایت دی۔"

لدین جاء من رب عزیز　　خبیر بالعباد بهم لطیف

ترجمہ: "اس دین کی طرف راہ نمائی کی جو رب کریم کی طرف سے آیا ہے جو اپنے بندوں سے آگاہ اور ان پر لطف و کرم فرمانے والا ہے۔"

اذا تلیت رسائله علینا　　تحدر دمع ذی اللب الحصیب

ترجمہ: "جب اس کے صحف کی تلاوت ہم پر کی جاتی ہے تو ہر دانا اور عقلمند شخص کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔"

رسائل جاء احمد من هداها　　بآیات مبینة الحروف

ترجمہ: "یہ ہدایت کے ایسے صحف ہیں جنہیں احمد مجتبیٰ ﷺ لے کر آئے ہیں یہ ایسی آیات کے ساتھ ہیں جن کے حروف واضح ہیں۔"

و احمد مصطفی فینا مطاع　　فلا تغشوه بالقول الضعیف

ترجمہ: "حضور کریم ﷺ کی ہم میں اطاعت کی جاتی ہے۔کوئی کمزور قول ان کا گھیراؤ نہیں کر سکتا۔"

فلا و الله نسلمه لقومٍ　　و لما نقض فیهم بالسیوف

ترجمہ: "ہم انہیں دشمن کے سپرد نہیں کریں گے۔ہم نے ابھی تک ان کے مابین تلواروں سے فیصلہ نہیں کیا۔"

و نترك منهم قتلی بقاعٍ　　علیها الطیر کالو رد العکوف

ترجمہ: "ہم ان کے مقتولین کو میدان میں پھینک دیں گے۔ان پر چکر لگانے والے لشکر کی مانند پرندے آئیں گے۔"

و قد خبرت ما صنعت ثقیف　　به فجزی القبائل من ثقیف

ترجمہ: "مجھے اس سلوک کے بارے بھی علم ہو گیا ہے جو بنو ثقیف نے آپ کے ساتھ کیا ہے۔"

اله الناس شرّ جزاء قومٍ　　و لا اسقاهم صوب الخریف

ترجمہ: "رب تعالیٰ بنو ثقیف کے ان قبائل کو بری سزا دے اور موسم خریف کی بارش سے محروم کر دے۔

❁❁❁

نواں باب

عتبہ بن ابی ربیعہ بارگاہِ رسالت مآب میں

ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابو یعلی، حاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک دن قریش جمع ہوئے۔ انہوں نے کہا: "تم خود میں سے وہ شخص تلاش کرو جو جادو، کہانت اور شعر کو سب سے زیادہ جانتا ہو وہ اس آدمی (حضور ﷺ) کے پاس جائے جس نے ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے۔ ہمارا امر بکھیر دیا ہے۔ ہمارے دین کے عیب نکالے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ بات چیت کرے اور دیکھے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔" انہوں نے کہا: "اس مقصد کے لیے عتبہ بن ربیعہ مناسب ترین شخص ہے۔"

ابن اسحاق، ابن منذر نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ ایک دن عتبہ بن ابی ربیعہ نے کہا: وہ قریش کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ تنہا مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عتبہ نے کہا: "اے گروہ قریش! کیا میں محمد عربی ﷺ کے پاس نہ جاؤں۔ ان سے بات کروں۔ ان پر چند امور پیش کروں شاید وہ ان میں سے کچھ کو قبول کر لیں۔ ہم انہیں کچھ دے دیں اور وہ ہم سے باز آجائیں۔" یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ قریش نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آئے روز اضافہ ہو رہا تھا۔ قریش نے کہا: "ہاں ابو الولید! اٹھو اور ان سے بات چیت کرو۔"

ابو یعلی نے جید سند سے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "قریش ایک روز حضور اکرم ﷺ کے لیے جمع ہوئے۔ انہوں نے کہا: "خود میں سے اس شخص کا انتخاب کرو جو جادو، کہانت اور شعر کو سب سے زیادہ جانتا ہو، وہ اس شخص کے پاس جائے جس نے ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے۔ ہمارے دین میں عیب نکالے ہیں وہ اس کے ساتھ بات چیت کرے اور دیکھے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔" قریش نے کہا: "اس مقصد کے لیے عتبہ ہی مناسب ترین شخص ہے۔ ابو الولید! تم ہی جاؤ۔ عتبہ اٹھ کر حضور ﷺ کے پاس گیا۔ وہ آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: "اے میرے بھتیجے! آپ کا ہمارے قبیلہ میں کیا مقام ہے۔ آپ اس سے خوب آشنا ہیں۔ اپنے نسب کے مقام سے بھی آگاہ ہیں۔ آپ نے اپنی قوم کو ایک عظیم امر سے دوچار کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کی ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا ہے۔ ان کی عقلوں کو نادان کہا ہے۔ ان کے معبودوں کے عیوب نکالے ہیں۔ ان کے گزشتہ آباء کو کافر کہا ہے۔ محمد عربی! آپ بہتر ہیں

یا عبداللہ! آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب! حضور ﷺ خاموش رہے۔ عتبہ نے کہا: "اگر آپ کا خیال ہے کہ یہ آپ سے بہتر ہیں تو یہ تو معبودوں کی عبادت کرتے تھے (حضرت عبداللہ اور حضرت عبدالمطلب کے ایمان کے بارے بحث پہلے گزر چکی ہے) اگر آپ کا یہ گمان ہے کہ آپ ان سے بہتر ہیں تو آپ بات کریں ہم سن رہے ہیں ہم کسی ایسے جوان کو نہیں دیکھا جو آپ کے پیغام سے برا پیغام لے کر اپنی قوم کے پاس آیا ہو۔ آپ نے ہماری جمعیت منتشر کر دی۔ ہمارے دین کے عیوب نکالے۔ ہمیں عرب میں رسواء کر دیا۔ حتیٰ کہ ان میں یہ بات معمور ہوگئی کہ قریش میں ایک جادوگر ہے۔ یا قریش میں ایک کاہن ہے۔ اب میں آپ کو چند امور پیش کرنے لگا ہوں آپ ان میں غور و فکر کر لیں۔ شاید آپ ان میں سے بعض کو قبول کر لیں۔"

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ابو ولید! کہو میں سن رہا ہوں۔" اس نے کہا: "اے میرے بھتیجے! جو امر آپ لے کر آئے ہیں اگر اس سے مقصود مال و دولت کا حصول ہے تو ہم آپ کے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ سارے قریش سے زیادہ مالدار بن جائیں گے۔ اگر آپ کا مقصود سردار بننا ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ ہمارا کوئی فیصلہ آپ کے بغیر نہ ہوگا۔ اگر آپ کا مقصود بادشاہی ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اگر یہ کسی جن کا اثر ہے جسے آپ خود سے دور نہیں کر سکتے تو پھر ہم آپ کا علاج کراتے ہیں اور اس میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں حتیٰ کہ آپ کو شفاء مل جائے بعض اوقات ایک جن کسی انسان پر غلبہ پا لیتا ہے حتیٰ کہ اس کا علاج کرایا جائے تو وہ تندرست ہو جاتا ہے۔"

جب عتبہ اپنی اس بکواس سے فارغ ہو گیا۔ حضور ﷺ اس کی باتیں سنتے رہے۔ آپ نے فرمایا: "ابو الولید! فارغ ہو گئے ہو؟ اس نے عرض کی: "ہاں! آپ نے فرمایا: "اب سنو" اس نے کہا: "میں سن رہا ہوں۔" آپ نے فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حٰمٓ ① تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ② کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ③ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ④ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ وَفِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَیۡنِنَا وَبَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ⑤ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُکُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِیۡمُوۡۤا اِلَیۡهِ وَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ؕ وَوَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ⑥ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ کٰفِرُوۡنَ ⑦ (فصلت ۱ تا ۷)

ترجمہ: "حا۔ میم۔ اتارا گیا ہے (یہ قرآن) رحمٰن و رحیم (خدا) کی طرف سے یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں، یہ قرآن عربی (زبان میں) ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو علم (و

فہم) رکھتے ہیں۔ یہ مژدہ سنانے والا اور (بروقت) خبردار کرنے والا ہے بایں ہمہ منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے۔ اور ان (ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں (لپیٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے۔ تم اپنا کام کرو، ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ فرمائیے میں انسان ہی ہوں (بظاہر) تمہاری مانند (البتہ) وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود خداوند یکتا ہی ہے پس متوجہ ہو جاؤ۔ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں۔"

عتبہ نے آپ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا۔ صلہ رحمی کا واسطہ دیا کہ آپ رک جائیں۔ حضور ﷺ سجدہ کی آیت تک پڑھا۔ پھر سجدہ کیا۔ پھر فرمایا: "ابو الولید! تو جو کچھ سننا تھا سن لیا۔ اب تو جانے یا وہ عتبہ نے کہا: "اس کے علاوہ کچھ اور ہے" آپ نے فرمایا: "میرے پاس صرف یہی کلام خداوندی ہے۔"

عتبہ اٹھا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس نہ گیا۔ اپنے گھر چلا گیا۔ ابو جہل نے کہا: "گروہ قریش! ہم دیکھتے ہیں کہ عتبہ بھی صابی ہو گیا ہے۔ اس کو ان کے کھانے نے تعجب میں ڈال دیا ہے۔ یہ اس کی کسی ضرورت کی وجہ سے اس طرح ہوا ہے۔ آؤ ہم عتبہ کے پاس جاتے ہیں۔ وہ سب عتبہ کے پاس آئے۔ ابو جہل نے کہا: "عتبہ! ہم تمہارے پاس اس لیے آئے ہیں کیونکہ تو صابی ہو گیا ہے۔ ان کے امر نے تجھے تعجب میں ڈال دیا ہے۔ اگر تجھے کوئی ضرورت ہے تو ہم تیرے لیے اتنے اموال جمع کر دیتے ہیں جو تمہیں محمد عربی ﷺ کے کھانے سے مستغنی کر دیں گے۔ یہ سن کر عتبہ ناراض ہو گیا۔ اس نے قسم اٹھائی کہ وہ کبھی بھی حضور ﷺ سے بات نہ کرے گا۔ اس نے کہا: "تم سب جانتے ہو کہ میں سارے قریش سے زیادہ مالدار ہوں۔ میں ان کے پاس گیا...... اس نے سارا واقعہ سنا دیا۔ قریش نے کہا: "تو نے انہیں کیا جواب دیا؟"

عتبہ: بخدا! مجھے اس ذات کی قسم جس نے یہ عمارت قائم کی ہے۔ میں ان کے کلام میں سے کچھ بھی نہیں سمجھا البتہ انہوں نے تمہیں عاد اور ثمود جیسے عذاب سے ڈرایا ہے۔ میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور انہیں صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ تمہیں پسند ہے کہ محمد عربی ﷺ جب کوئی بات کرتے ہیں تو وہ جھوٹ نہیں بولتے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔" قریش نے کہا: "تمہارے لیے ہلاکت! تم سے ایک شخص عربی میں گفتگو کر رہا تھا لیکن تمہیں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ عتبہ: بخدا! میں نے اس جیسا کلام نہیں سنا۔ وہ نہ شعر، نہ جادو اور نہ ہی کہانت ہے۔ اے گروہ قریش! میری بات مان جاؤ۔ اسے مجھ پر آنے دو۔ اس شخص اور اس کے معاملہ کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ اسے چھوڑ دو۔ بخدا! اس کلام کا بہت بڑا اثر ہو گا جو میں سن کر آیا ہوں اگر عرب نے ان کا کام تمام کر دیا تو تمہاری طرف سے ایک اور شخص ان پر

غالب آگیا وہ تمہاری طرف سے بھی کافی ہو جائے گا۔ اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کا ملک تمہارا ملک اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔ تم اس کی وجہ سے سارے لوگوں سے زیادہ سعادت مند بن جاؤ گے۔ اے میری قوم! اس معاملہ میں میری اطاعت کرلو۔ اس کے بعد ہر معاملہ میں میری نافرمانی کر لینا۔ بخدا! میں نے اس ہستی سے ایسا کلام سنا ہے جس کی مثل آج تک میرے کانوں نے کلام نہیں سنا تھا۔ مجھے علم نہیں تھا کہ میں انہیں کیا جواب دیتا؟ قریش نے کہا: ''بخدا! ولید! اس نے تم پر بھی جادو کر دیا ہے۔'' عتبہ: ''یہ میری رائے ہے اب جو تمہارا دل کرے وہ کرو۔''

❁❁❁

دسواں باب

مشرکین کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف سوالات

مشرکین کے یہ سوالات ہدایت کے حصول کے لیے نہ تھے بلکہ ازراہ سرکشی و بغاوت تھے۔ اس لیے ان سے جو سوالات کیے گئے انہوں نے ان میں سے اکثر کے جوابات نہ دیے۔ رب تعالیٰ کو علم تھا کہ اگر انہوں نے مشاہدہ کر لیا یا جس چیز کا وہ ارادہ کرتے ہیں وہ انہوں نے دیکھ لی تو وہ پھر بھی اپنی سرکشی میں ہی سرگرداں رہیں گے۔ وہ اپنی گمراہی اور ضلالت میں ہی بھٹکتے رہیں گے۔ انہوں نے نبوت کے اتنے دلائل دیکھ لیے تھے جن میں انصاف کرنے والے کے لیے شفاء تھی۔ ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ (العنکبوت ۵۱)

ترجمہ: "کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے کتاب جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔"

اس مفہوم میں یہ شعر بھی ہے:

لو لم تكن فيه آيات مبينة   كانت بداهته تنبيك بالخبر

ترجمہ: "اگر آپ کے بارے واضح علامات نہ ہوتیں پھر آپ کا حسن و جمال ہی تجھے آپ کی صداقت کی خبر دے دیتا۔"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (الانعام ۱۱۱)

ترجمہ: "اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں۔"

"الروض الانف" میں ہے کہ ان نشانیوں کے بارے مشرکین کے سوالات اس لیے تھے کیونکہ وہ رب تعالیٰ کی اس حکمت سے ناآشنا تھے جو مخلوق کی آزمائش میں مقصود ہے۔ جو انبیاء کرام کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی عبادت

کرنے میں مخفی ہے۔ ان کا ایمان دلائل میں غور و فکر کرنے کا نتیجہ ہو۔ اس کے مطابق ان کا ثواب مترتب ہو۔ اگر پردہ اٹھا دیا جائے اور علم ضروری حاصل ہو جائے تاکہ اس حکمت کو تلاش کیا جائے جس کی وجہ سے ثواب اور سزا ہوتی ہے تو اس پر انسان کو اجر نہیں ملے گا کیونکہ اس انسان کے کسب کا عمل دخل نہیں ہوتا جس طرح انسان کو اس رنگ اور بالوں وغیرہ کا اجر نہیں ملتا جس پر اس کی تخلیق ہوتی ہے۔ انہیں اس دلیل کی وجہ سے اجر دیا جاتا ہے جس میں غور و فکر علم کسبی کا تقاضا کرتا ہے۔"

ابن اسحاق، ابن جریر اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر ہر قبیلہ میں سے ایک ایک سردار غروب آفتاب کے وقت خانہ کعبہ کے پاس جمع ہوئے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: "محمد عربی ﷺ کی طرف پیغام بھیجو۔ ان سے بحث و مباحثہ کرو حتیٰ کہ تمہیں معذور سمجھا جائے۔ انہوں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا۔ حضور ﷺ جلدی سے ان کے پاس تشریف لائے۔ آپ کا گمان تھا کہ شاید اس کلام کے بارے ان کی کوئی رائے بن چکی ہے جس کے بارے آپ ان سے بات چیت کرتے تھے۔ آپ ان کی ہدایت کے حریص تھے۔ ان کی ہدایت سے محبت کرتے تھے۔ ان کی مصیبت آپ پر گراں گزرتی تھی۔ آپ ان کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے کہا: "محمد عربی! ہم نے آپ کی طرف اس لیے پیغام بھیجا ہے تاکہ آپ سے بات چیت کریں۔ انہوں نے کہا: "بخدا ہم کسی شخص کو نہیں جانتے جس نے اپنی قوم کو مصیبت میں اس طرح ڈالا ہو جس طرح آپ نے ڈالا ہے۔ آپ نے ہمارے آباء کو برا بھلا کہا ہے۔ ہمارے دین کے عیوب نکالے ہیں۔ ہمارے معبودان (باطلہ) کو برا بھلا کہا ہے۔ ہماری عقلوں کو ناسمجھ کہا ہے۔ جمعیت کو منتشر کر دیا ہے۔ کوئی قبیح باقی نہیں رہا مگر آپ اسے ہمارے پاس لے آئے ہیں۔ اگر اس سے آپ کا مقصود مال کا حصول ہے تو ہم آپ کے لیے اپنے اموال جمع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ آپ ہم میں سے دولت مند بن جائیں گے۔ اگر آپ شرف کے خواہاں ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اگر بادشاہی درکار ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اگر یہ کسی جن کا اثر ہو جو تمہارے پاس آتا ہو اور اس نے آپ پر قبضہ جما رکھا ہو تو ہم آپ کا علاج کراتے ہیں حتیٰ کہ آپ کو شفاء مل جائے یا ہم اس کے بارے معذور سمجھے جائیں۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "ان مقاصد میں سے میرا کوئی بھی مقصد نہیں جن کا تم ذکر کر رہے ہو۔ میں تمہارے اموال ہڑپ کرنے نہیں آیا۔ نہ تمہارا سردار بننا چاہتا ہوں۔ نہ تم پر بادشاہ بننے کی آرزو ہے بلکہ رب تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے مجھ پر کتاب حکیم اتاری ہے اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بشیر اور نذیر بن کر تمہارے پاس جاؤں۔ تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچاؤں۔ تمہارے لیے خلوص کا اظہار کروں۔ اگر تم نے میرا پیغام قبول کر لیا تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہارا حصہ ہو گا۔ اگر تم نے میرا پیغام رد کر دیا تو میں صبر کروں گا حتیٰ کہ رب تعالیٰ میرے اور تمہارے مابین فیصلہ فرما دے۔"

سرداران قریش نے کہا: "اے محمد عربی! (ﷺ) اگر آپ ان امور میں سے کسی امر کو قبول نہیں کرتے جو ہم

نے آپ کو پیش کیے ہیں۔ تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارا شہر سارے شہروں سے تنگ ہے۔ ہمارا مال سب سے قلیل ہے۔ ہماری زندگی سب سے زیادہ سخت ہے۔ رب تعالیٰ التجاء کریں کہ وہ اسی طرح کہ نہریں یہاں بھی جاری کر دے جس طرح کی نہریں عراق اور شام میں ہیں۔ وہ ہمارے گزشتہ آباء کو زندہ کر دے ان میں سے قصی بن کلاب کو ضرور زندہ کرو۔ وہ سچے بزرگ تھے۔ ہم ان سے آپ کے بارے پوچھیں گے کہ کیا یہ حق ہے یا باطل اگر انہوں نے تمہاری تصدیق کر دی اور اگر آپ نے اس طرح کر دیا جس طرح ہم کہتے ہیں تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے رب تعالیٰ کی بارگاہ والا میں ہمیں آپ کی قدر و منزلت کا علم ہو جائے کہ اس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "مجھے اس مقصد کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ میں رب تعالیٰ کی طرف سے وہی چیز لے کر آیا ہوں جس کے ساتھ اس نے مجھے بھیجا ہے۔ جس پیغام کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اگر تم نے اسے قبول کر لیا تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہارا حصہ ہوگا۔ اگر تم اسے رد کر دو گے تو میں رب تعالیٰ کے امر کے لیے صبر کروں گا حتیٰ کہ رب تعالیٰ میرے اور تمہارے مابین فیصلہ فرما دے۔"

سرداران قریش نے کہا: "اگر آپ اس طرح نہیں کرتے تو اپنے لیے ہی کچھ نے لیں۔ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ آپ کے ساتھ فرشتہ بھیج دے جو آپ کی تصدیق کرے۔ رب تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ آپ کے لیے باغات بنا دے محلات اور سونے اور چاندی کے خزانے بنا دے جو آپ کو مستغنی کر دے۔ آپ رزق کے لیے بازار جاتے ہیں معیشت تلاش کرتے ہیں جس طرح کہ ہم تلاش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم جان لیں کہ آپ کی فضیلت کیا ہے اگر آپ رسول ہیں" حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: "میں اسی طرح نہیں کروں گا۔ میں اپنے رب تعالیٰ سے اس طرح کے سوالات نہیں کروں گا۔ مجھے اس کے ساتھ تمہاری طرف مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ رب تعالیٰ نے مجھے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اگر تم میرا یہ پیغام قبول کر لو تو یہ تمہاری دنیا اور تمہاری آخرت میں سے تمہارا حصہ ہوگا۔ اگر تم رد کرو گے تو میں صبر کروں گا حتیٰ کہ رب تعالیٰ میرے اور تمہارے مابین فیصلہ کر دے۔

سرداران قریش نے کہا: "آسمان ہم پر سے ہم پر ایک ٹکڑا گر جائے جیسے کہ آپ کا گمان ہے کہ آپ کا رب چاہے تو اس طرح کر سکتا ہے۔ آپ پر صرف اسی وقت ایمان لائیں گے جس وقت آپ اس طرح کریں گے۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ رب تعالیٰ کے سپرد ہے اگر وہ تمہارے ساتھ اس طرح کرنا چاہے تو وہ اس طرح کر سکتا ہے۔ سرداران قریش نے کہا: "محمد عربی! ﷺ کیا آپ کا رب نہیں جانتا تھا کہ ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے اور آپ سے اس طرح کے سوالات کریں گے۔ اس وقت یہ آیات طیبات نازل ہوئیں:

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ

نَخِيلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ (بنی اسرائیل: ۹۰ تا ۹۳)

ترجمہ: "اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کردیں ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ (لگ کر تیار) ہو جائے آپ کے لیے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا پھر آپ جاری کردیں ندیاں جو اس باغ میں (ہر طرف) بہ رہی ہوں۔ یا آپ گرادیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے، ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا آپ اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کو (بے نقاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں۔ یا (تعمیر) ہو جائے آپ کے لیے ایک گھر سونے کا یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے کہ آپ آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ اتار لائیں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں۔ آپ (ان سب خرافات کے جواب میں) اتنا فرمادیں کہ میرا رب (ہر عیب) سے پاک ہے میں کون ہوں مگر (اللہ کا) بھیجا ہوا۔"

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ (الرعد: ۳۰)

ترجمہ: "اسی طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ایک قوم میں جس سے پہلے گزر چکی ہیں کئی قومیں تاکہ آپ پڑھ کر سنائیں انہیں وہ (کلام) جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور یہ کفار انکار کر رہے ہیں رحمٰن کا۔ فرمائیے وہی میرا پروردگار ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے اسی پر ہی میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اس کی جناب میں رجوع کیے ہوں۔"

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ (سبا: ۴۷)

ترجمہ: "فرمائیے (لوگو!) جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس رکھو میری (دل سوزیوں) کا اجر تو (میرے) اللہ کے ذمہ ہے، اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔"

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۰﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ

بِالتَّقْوٰى ۝١٢ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝١٣ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝١٤ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝١٥ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝١٦ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝١٧ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝١٨ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝١٩ (العلق ۹ تا ۱۹)

ترجمہ: ''آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا یا پرہیزگاری کا حکم دیتا۔ (تو اس کے لیے کتنا بہتر ہوتا) آپ نے دیکھ لیا اگر اس نے جھٹلایا اور رُوگردانی کی کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے۔ خبردار! اگر وہ (اپنی روش سے) باز نہ آیا، تو ہم ضرور (اسے) گھسیٹیں گے اس کے پیشانی کے بالوں سے۔ وہ پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے۔ پس وہ بلا لے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لیے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلا ئیں گے۔ ہاں ہاں! اس کی ایک نہ سنیے۔ (اے حبیب!) سجدہ کیجئے اور (ہم سے اور) قریب ہو جائیے۔''

ابویعلی، ابونعیم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی و انذد عشیرتك الاقربین (الشعراء ۲۱۴) تو حضور ﷺ نے کوہ ابی قبیس پر چڑھ کر یوں آواز دی: اے آل عبد مناف! میں ڈرانے والا ہوں۔'' قریش آپ کے پاس آگئے۔ آپ نے انہیں ڈرایا۔ انہوں نے کہا: ''آپ گمان کرتے ہیں کہ آپ نبی ہیں آپ پر وحی کی جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کو مسخر کر دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کر دیا کرتے تھے۔ آپ رب تعالیٰ سے یہ دعا مانگیں کہ وہ اس چٹان کو سونے کی بنا دے جو آپ کے قدموں کے نیچے ہے ہم اس سے کاٹ کر لے جائیں وہ ہمیں موسم گرما اور موسم سرما کے موسم سے مستغنی کر دے کیونکہ آپ گمان کرتے ہیں کہ آپ اسی طرح کے نبی ہیں۔'' ابھی قریش آپ کے اردگرد ہی تھے کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ جب نزول وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے رب تعالیٰ نے مجھے وہ کچھ عطا کر دیا ہے جو تم نے اس سے مانگا تھا۔ اگر میں چاہوں تو اسی طرح ہو جائے لیکن اس نے مجھے اختیار دیا ہے کہ یا تو تم بابِ رحمت میں داخل ہو جاؤ اور تم میں سے بعض ایمان لے آئیں گے یا وہ اس چیز کو تمہارے سپرد کر دے جو تم نے اختیار کیا ہے۔ اس وقت بابِ رحمت سے دور کر دیا جائے گا۔ تم میں سے کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا۔ میں نے بابِ رحمت کو اختیار کیا ہے۔ تم میں سے بعض ایمان لے آئیں گے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ اگر اس نے تمہیں یہ سب کچھ عطا کر دیا پھر تم نے کفر کیا تو وہ تمہیں اس طرح عذاب دے گا کہ اس طرح کا عذاب اس سے قبل کسی کو نہ دیا ہو گا۔ اس وقت یہ آیات طیبات نازل ہوئیں۔

امام احمد، امام نسائی، امام حاکم اور ضیاء نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے

فرمایا: "اہل مکہ نے حضور ﷺ سے التجاء کی کہ آپ کے لیے کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے پہاڑ دور ہٹ جائیں تاکہ وہ کاشتکاری کر سکیں۔ حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے انہوں نے عرض کی" آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ سے فرمایا ہے: 'اگر آپ پسند کریں تو میں کوہِ صفا کو ان کے لیے سونے کا بنا دیتا ہوں۔ اس کے بعد اگر انہوں نے کفر کیا تو میں انہیں ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں اس طرح کا عذاب میں نے کسی کو نہیں دیا ہوگا اور اگر آپ پسند فرمائیں تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دیتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "مولا! رحمت کا دروازہ کھول دے۔"

دوسری روایت میں ہے "اگر آپ پسند کریں تو انہیں مہلت دی جاتی ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو انہیں وہ کچھ عطا کر دیا جاتا ہے جو کچھ انہوں نے مانگا ہے۔ اگر انہوں نے انکار کیا تو میں انہیں اسی طرح ہلاک کر دوں جس طرح ان سے پہلی اقوام ہلاک ہوئی تھیں۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ (بنی اسرائیل ۵۹)

ابن جریر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "اگر آپ پسند کریں تو آپ کی قوم کو وہ کچھ مل جاتا ہے جو اس نے مانگا ہے لیکن اگر وہ ایمان نہ لائے تو انہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔ اگر آپ پسند کریں تو آپ کی قوم کو مہلت دی جاتی ہے۔" آپ نے فرمایا: "بلکہ میری قوم کو مہلت دے دو۔" اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی:

انہوں نے کہا: "اے محمد عربی! کیا آپ کا رب نہیں جانتا تھا کہ ہم عنقریب آپ کے پاس بیٹھیں گے اور آپ سے وہ سوالات کریں گے جو ہم نے ابھی سوالات کیے ہیں اور آپ سے وہ مطالبات کریں گے جو ہم نے ابھی آپ سے مطالبات کیے ہیں وہ آپ کو وہ جوابات سکھا دیتا جو آپ ہمیں دیتے۔ وہ آپ کو بتا دیتا کہ اس ضمن میں وہ کیا کرنے لگا ہے۔ اگر ہم نے آپ کا پیغام قبول نہ کیا تو وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ ہمیں معلوم ہوا کہ آپ کو یمامہ کا ایک شخص "رحمان" قرآن پاک سکھاتا ہے۔ بخدا! ہم رحمان پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ محمد عربی! ہم نہ آپ کے پاس اپنے عذر بیان کر دیئے ہیں۔ بخدا! ہم نے آپ کو چھوڑیں گے نہ ہی اس پیغام کو چھوڑیں گے حتیٰ کہ آپ ہمیں ہلاک کر دیں یا ہم آپ کو شہید کر دیں۔" ان میں سے ایک شخص نے کہا: "ہم فرشتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (نعوذ باللہ منہ) ان میں سے ایک نے کہا: "ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کو ہمارے سامنے لے آئیں۔"

جب انہوں نے اتنے بکواسات کر لیے تو حضور ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کے ہمراہ عبد اللہ بن ابی امیہ بھی اٹھا۔ یہ آپ کی پھوپھی عاتکہ کا بیٹا تھا۔ بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے عرض کی: "محمد عربی! ﷺ آپ اپنے لیے کچھ امور کے بارے التجاء کریں تاکہ اس سے آپ کے اس مقام کو ہم جان سکیں جو آپ کو رب

تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے۔ وہ لوگ آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی اتباع کریں گے مگر آپ نے اس طرح بھی نہیں کیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپ اس عذاب کو جلدی لے آئیں جس سے آپ انہیں ڈراتے ہیں مگر آپ نے اس طرح بھی نہیں کیا۔ بخدا! میں تو آپ پر ایمان نہ لاؤں گا حتیٰ کہ آسمان کی طرف سیڑھی لگا دیں۔ پھر اس پر چڑھیں میں آپ کی طرف دیکھتا رہوں۔ پھر آپ ایک کتاب لے کر آئیں جسے چار ملائکہ اٹھائے ہوں وہ آپ کے لیے گواہی دیں کہ آپ اسی طرح ہیں جس طرح آپ کہتے ہیں۔ بخدا! اگر آپ اس طرح کر بھی دیں مجھے گمان ہے کہ میں پھر بھی آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ پھر وہ آپ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ حضور ﷺ بھی غمزدہ ہو کر اپنے اہل بیت کے پاس واپس آگئے کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ شاید یہ لوگ آپ پر ایمان لے آئیں۔

جب آپ اٹھ کر آگئے تو ابوجہل نے سردارانِ قوم سے کہا: "اے گروہ قریش! محمد عربی ﷺ نے انکار کر دیا ہے مگر یہ کہ وہ ہمارے دین میں عیب نکالیں گے۔ ہمارے آباء کو برا بھلا کہیں گے۔ ہماری عقول کو نادان کہیں گے۔ میں نے رب تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ کل میں ان کے لیے اتنا پتھر اٹھا کر لاؤں گا جتنا اٹھا سکا۔ جب وہ اپنی نماز میں سجدہ ریز ہوں گے تو میں انہیں وہ پتھر دے ماروں گا۔ میں ان کا سر کچل کر رکھ دوں گا۔ اس کے بعد خواہ تم مجھے بنو ہاشم کے سپرد کر دینا یا میرا دفاع کرنا۔ اس کے بعد بنو عبد مناف مجھ سے جو چاہیں سلوک کریں۔" سردارانِ قریش نے کہا: "بخدا! ہم تجھے کسی کے سپرد نہیں کریں گے جو تمہارے دل میں آئے کر گزر۔"

وقتِ صبح ابوجہل نے بہت بھاری سا پتھر لیا پھر حضور ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ حسب معمول صبح سویرے آئے۔ آپ مکہ مکرمہ میں تھے لیکن شام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ آپ جب نماز ادا فرمانے لگتے تو رکن یمانی اور حجر اسود کے مابین نماز ادا فرماتے تھے۔ آپ خانہ کعبہ کو اپنے اور شام کے مابین رکھتے تھے حضور اکرم ﷺ نماز پڑھنے لگے۔ قریش بھی آچکے تھے۔ وہ اپنی اپنی محافل میں منتظر تھے کہ ابوجہل کیا کرتا ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے سجدہ کیا تو ابوجہل نے پتھر اٹھایا پھر آپ کی سمت آیا۔ جب وہ قریب آیا تو شکست خوردہ ہو کر واپس آگیا۔ وہ مرعوب تھا۔ اس کا رنگ متغیر تھا۔ اس کے ہاتھ پتھر پر شل ہو چکے تھے حتیٰ کہ پتھر اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑا۔ قریش کے افراد اٹھ کر اس کے پاس گئے۔ انہوں نے اس سے پوچھا: "ابوالحکم! تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: "میں اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اٹھا جس کا میں نے تم سے کل رات وعدہ کیا تھا۔ جب میں ان کے قریب گیا تو بہت بڑا اونٹ ان کے مابین حائل ہو گیا۔ بخدا! میں اس جسامت کا اونٹ آج تک نہیں دیکھا۔ نہ اتنا بڑا سر، نہ اتنے بڑے جبڑے اور نہ ہی اتنی بڑی گردن کبھی دیکھی۔ وہ مجھے کھا جانا چاہتا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "وہ حضرت جبرائیل امین تھے۔ اگر وہ میرے قریب ہوتا تو اسے پکڑ لیتے۔"

اس وقت یہ آیات طیبات نازل ہوئیں:

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ اَفَلَمْ یَایْـَٔسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ (الرعد: ۳۱)

ترجمہ: "اور اگر کوئی ایسا قرآن اترتا جس کے ذریعے سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے پھٹ جاتی زمین یا مردوں سے اس کے ذریعے بات کی جا سکتی (یہ قدرت سے بعید نہ تھا) بلکہ سب کام اللہ کے اختیار میں ہیں (باایں ہمہ وہ ایمان نہ لاتے)۔"

وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ (بنی اسرائیل: ۵۹)

ترجمہ: "اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے)۔"

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۙ۝۷ اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ۝۹ تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ۝۱۱ (الفرقان ۷ تا ۱۱)

ترجمہ: "اور کفار بولے کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر (لوگوں کو) ڈراتا یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ یا (کم از کم) اس کا ایک باغ ہی ہوتا کھایا کرتا اس (کی آمدنی) سے اور ان ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ تم پیروی نہیں کر رہے ہو مگر ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے۔ ملاحظہ تو کیجئے کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں سو وہ (اس بے ادبی کے باعث) گمراہ ہو گئے پس وہ راہ نہیں پا سکتے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لیے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں اور بنا دے آپ کے لیے بڑے بڑے محلات بلکہ یہ تو جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے لیے جو جھٹلاتے ہیں قیامت کو بھڑکتی ہوئی آگ۔"

گیارھواں باب

قریش کا چند ایسے سوالات پوچھنا جنہیں نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ نضر بن حارث قریش کے شیطانوں میں سے تھا۔ یہ بھی حضور ﷺ کو اذیتیں دیا کرتا تھا صحیح مؤقف یہ ہے کہ یہ حالتِ کفر میں غزوہ بدر میں ہلاک ہوا تھا۔ حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کیا تھا۔ اس نے کہا: "اے گروہ قریش! بخدا! تمہارے پاس ایک ایسا معاملہ آیا ہے جس کا حل ابھی تک تمہارے پاس نہیں آیا۔ محمد عربی (ﷺ) تمہارے مابین ایک نوخیز جوان تھے۔ تمہیں وہ سب سے زیادہ پسندیدہ تھے وہ سب سے زیادہ سچے تھے۔ سب سے زیادہ امین تھے حتیٰ کہ جب تم نے ان کی کن پٹیوں میں سفیدی دیکھ لی وہ تمہارے پاس وہ پیغام لے کر آئے جو لے کر آئے تو تم نے کہہ دیا کہ وہ جادوگر ہیں۔ ہرگز نہیں! بخدا! وہ جادوگر نہیں ہیں۔ ہم نے جادوگروں کو اور ان کی جھاڑ اور پھونک کر دیکھا ہے۔ تم نے کہہ دیا ہے کہ وہ کاہن ہیں۔ بخدا! وہ کاہن نہیں ہیں۔ ہم نے کاہنوں کی قافیہ بندی بھی دیکھی ہے اور ان کا آراستہ کلام بھی سنا تم نے کہا کہ وہ شاعر ہیں۔ بخدا! وہ شاعر نہیں ہیں۔ ہم شعری پڑھتے بھی ہیں اس کی ساری اقسام، اس کے ھزج اور رجز سے آگاہ ہیں۔ تم نے کہہ دیا کہ وہ مجنون ہیں بخدا! وہ مجنون بھی نہیں ہیں ہم نے جنون کو دیکھا ہے۔ ان میں نہ اس طرح کا گلا گھٹنا ہے نہ ہی اس طرح کا وسوسہ ہے نہ ہی اس طرح خلط ملط ہوتا ہے۔ اے گروہ قریش! اپنے بارے خوب غور و فکر کرلو تمہارے پاس ایک عظیم امر آیا ہے۔

یہی نضر حیرہ گیا۔ وہاں سے بادشاہوں کی داستانیں سیکھیں جب حضور اکرم ﷺ کسی محفل میں جلوہ افروز ہوں اس میں وعظ و نصیحت فرماتے قوم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے تو آپ کے بعد یہ اسی محفل میں چلا جاتا یہ کہتا "قریش! بخدا! میری باتیں ان کی باتوں سے عمدہ ہیں۔ تم میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں ان کی باتوں سے عمدہ باتیں بتاتا ہوں" پھر یہ ایران کے بادشاہوں کی باتیں سناتا پھر کہتا: "محمد عربی! مجھ سے عمدہ باتوں والے کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں وہ انہیں اسی طرح لکھ لیتے ہیں جس طرح میں لکھتا ہوں۔"

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ اسی کا قول ہے: "عنقریب میں اسی طرح نازل کروں گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اسی کے بارے قرآن پاک کی آٹھ آیات نازل ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ (القلم ۱۵)

ترجمہ: "جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔"

جب نضر بن حارث نے یہ بات کی تو انہوں نے اسے اور اس کے ساتھ عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ طیبہ کے یہودی علماء کے پاس بھیجا۔ انہوں نے انہیں کہا: "ان سے محمد عربی ﷺ کے بارے پوچھو۔ ان سے ان کا حلیہ بیان کرو۔ ان کے کلام کے بارے بتاؤ۔ وہ اہل کتاب ہیں۔ انبیاء کے بارے ان کے بارے ایسا علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔" یہ دونوں عازم سفر ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے۔ یہودی علماء سے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا۔ آپ کا حلیہ بیان کیا اور آپ کا بعض کلام سنایا۔ ان دونوں نے کہا: "تم اہل کتاب ہو۔ ہم تمہارے پاس آئے ہیں تا کہ تم ہمیں اس صاحب کے بارے بتاؤ۔" یہودی علماء نے انہیں کہا: "ان تین اشیاء کے بارے ان سے پوچھ لینا جن کے بارے ہم تمہیں حکم دیتے ہیں اگر انہوں نے ان کے متعلق بتا دیا تو وہ نبی مرسل ہوں گے۔ ورنہ وہ اپنی طرف سے گھڑنے والے ہوں گے ان کے بارے اپنی رائے قائم کر لینا۔ ان سے ان نوجوانوں کے بارے پوچھنا جو پہلے زمانہ میں کہیں چلے گئے تھے کہ ان کا معاملہ کیا تھا۔ ان کی داستان عجیب ہے۔ ان سے اس سیاح شخص کے بارے پوچھنا جو زمین کے مشارق و مغارب تک پہنچا تھا کہ اس کی حکایت کیا ہے۔ ان سے روح کے بارے سوال کرنا۔ اگر وہ تمہیں ان چیزوں کے بارے بتا دیں تو ان کی اتباع کر لینا وہ نبی مرسل ہیں۔ اگر وہ جوابات نہ دے سکیں وہ خود سے گھڑنے والے ہوں گے ان کے بارے اپنی رائے قائم کر لینا۔"

نضر اور عقبہ واپس مکہ مکرمہ آگئے۔ قریش کے پاس پہنچے اور کہا: "ہم ایسی چیز لے آئے ہیں جو تمہارے اور محمد عربی ﷺ کے مابین فیصلہ کر دے گی۔ ہمیں علماء یہود نے بتایا ہے کہ ہم ان سے چند امور کے بارے سوالات کریں۔ اگر انہوں نے ان کے متعلق تمہیں بتا دیا تو وہ نبی ہوں گے۔ ورنہ وہ ایک مفتون شخص ہوں گے۔ ان کے بارے اپنی رائے قائم کر لینا۔" وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔ ان امور کے بارے پوچھا۔ آپ نے ان سے فرمایا: "میں کل تمہیں ان کے جوابات دوں گا۔" آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا۔ قریش واپس لوٹ گئے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پندرہ راتیں گزر گئیں۔ امام زہری اور موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ تین روز تک وحی نہ آئی۔ نہ ہی رب تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی نہ ہی حضرت جبرائیل امین حاضر ہوئے حتیٰ کہ اہل مکہ افواہیں پھیلانے لگے۔ انہوں نے کہا: "محمد عربی ﷺ نے تم سے کل کا وعدہ کیا تھا حتیٰ کہ آج پندرہ دن گزر چکے ہیں۔ انہوں نے ہمیں ان سوالات میں سے کسی ایک کا جواب بھی نہیں دیا جو ہم نے ان سے کیے تھے۔ وحی نہ آنے کی وجہ سے حضور ﷺ بہت زیادہ غم زدہ ہوئے۔ اہل مکہ کی باتیں آپ پر گراں گزریں۔ پھر حضرت جبرائیل امین سورۃ الکھف لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اس میں اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق بتایا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضرت جبرائیل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: "تم اتنی دیر

سے میرے پاس نہ آئے حتیٰ کہ مجھے گمان ہونے لگا۔" انہوں نے عرض کی:

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ (مریم ۶۴)

ترجمہ: "اور (جبرائیل! میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔"

پھر سورۃ الکہف کا نزول ہوا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ﴿١﴾ قَيِّمًا لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِنْ لَدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ﴿٢﴾ مَاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا ﴿٣﴾ وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ﴿٤﴾ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ ۚ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ﴿٥﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ﴿٦﴾ إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴿٧﴾ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ﴿٨﴾ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ﴿٩﴾ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾ فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿١١﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ﴿١٢﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلَٰهًا ۖ لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾ هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً ۖ لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ﴿١٥﴾ وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا ﴿١٦﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۗ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ

ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ (کہف ۱ تا ۱۸)

ترجمہ: "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں ذرا کجی (اور معاش و معاد) درست کرنے والی ہے تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور یہ مژدہ سنائے ان اہل ایمان کو جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بے شک ان کے لیے بہت عمدہ جزا ہے وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تا ابد اور تاکہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنالیا ہے اللہ تعالیٰ نے (فلاں کو اپنا) بیٹا نہ انہیں اللہ تعالیٰ (کی ذات و صفات) کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ کتنی بڑی بات ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے وہ نہیں کہتے مگر (سرتاسر) جھوٹ۔ تو کیا آپ (فرط غم سے) تلف کر دیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے۔ بے شک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں اس کے لیے باعث زینت و آرائش تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے اور ہم ہی بنانے والے ہیں ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں (ویران کر کے) چٹیل میدان، غیر آباد۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے ہیں جو تعجب خیز ہیں۔ (یاد کرو) جب پناہ لی ان جوانوں نے غار میں پھر انہوں نے دعا مانگی اے ہمارے رب! ہمیں مرحمت فرما اپنی جناب سے رحمت اور مہیا فرما ہمارے لیے اس کام میں ہدایت۔ پس ہم نے بند کر دیئے ان کے کان (سننے سے) اس غار میں کئی سال تک جو گنے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں بیدار کر دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون صحیح شمار کر سکتا ہے اس مدت کو جو وہ (غار میں) ٹھہرے تھے۔ (اے حبیب!) ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر ٹھیک ٹھیک بے شک وہ چند نوجوان تھے جو ایمان لائے تھے اپنے رب پر اور ہم نے ان کے (نور) ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ اور ہم نے مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو جب وہ راہ حق میں کھڑے ہو گئے تو انہوں نے (برملا) کہہ دیا ہمارا پروردگار وہ ہے جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اس کے سوا کسی معبود کو (اگر ہم ایسا کریں) تو گویا ہم نے ایسی بات کہی جو حق سے دور ہے۔ یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے بنالیا ہے اس کے سوا غیروں کو (اپنے) خدا کیوں نہیں پیش کرتے ان (کی خدائی) پر کوئی ایسی دلیل جو روشن ہو ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ

پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے اور جب تم الگ ہو گئے ہو ان (کفار) سے اور ان معبودوں سے جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اب پناہ لو غار میں پھیلا دے گا تمہارے لیے تمہارا رب اپنی رحمت (کا دامن) اور مہیا کر دے گا تمہارے لیے تمہارے اس کام میں آسانیاں اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ ابھرتا ہے تو وہ ہٹ کر گزرتا ہے ان کی غار سے دائیں جانب اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہوا ڈوبتا ہے۔ اور وہ (سو رہے) ہیں ایک کشادہ جگہ غار میں (سورج کا) یوں (طلوع و غروب) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے (حقیقت یہ ہے) کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو نہیں پائے گا اس کے لیے کوئی مددگار (اور) رہنما اور (اگر تو دیکھے تو) تو انہیں بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں (کبھی) دائیں جانب اور (کبھی) بائیں جانب اور ان کا کتا پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو ان کی دہلیز پر۔ اگر تو جھانک کر انہیں دیکھے تو ان سے منہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تو بھر جائے ان کے منظر کو دیکھ کر بیٹھا ہے۔"

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ۭ (کہف ۸۳)

ترجمہ: "اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذی القرنین کے متعلق۔"

ذوالقرنین کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے ان کا نام صعب بتایا ہے کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے یقین کے ساتھ یہی نام روایت کیا گیا ہے۔ ابن ہشام نے التیجان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ امام شیخ تقی الدین المقریزی نے "الخطط" میں لکھا ہے کہ محققین علماء نے اسی طرح لکھا ہے۔ الحافظ نے الفتح میں لکھا ہے کہ اعشیٰ کا شعر ہے:

و الصعب ذو القرنين امسى ثاويا   بالحنو فی جدث هناك مقيم

ترجمہ: "الصعب ذوالقرنین مقام حنو میں مدفون ہو گئے۔ اسی قبر کے پاس امیم کی بھی قبر ہے۔"

پھر الحافظ نے دیگر شواہد ذکر کیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ راجح قول یہی ہے کہ اس کا نام الصعب ہی تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام منذر تھا۔ نام کے بارے اور اقوال بھی ہیں۔ ان کا لقب ذوالقرنین تھا کیونکہ وہ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے مقامات تک پہنچے۔ یہ امام زہری کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ زمین کے مشارق و مغارب تک پہنچا اس لیے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے ایک قول یہ ہے کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ اس نے سورج کو دو سینگوں سے پکڑ لیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے حقیقت میں دو سینگ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی دو مینڈھیاں تھیں جو بہت طویل تھیں حتیٰ کہ وہ اس کے پاؤں کے نیچے آجاتی تھیں۔ ایک

قول یہ ہے کہ وہ نور اور تاریکی میں داخل ہوا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اسے اتنی طویل زندگی نصیب ہوئی کہ اس کے زمانہ میں لوگوں کی دو نسلیں ختم ہو گئیں تھیں۔ اس کی نبوت میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ یہ نبی تھا حضرت عبد اللہ بن عمرو سے اسی طرح مروی ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے: "قرآن پاک کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھا یا نہیں" المبتداء میں حضرت وہب نے لکھا ہے کہ وہ ایک صالح بندہ تھا۔ رب تعالیٰ نے اسے چار امم کی طرف بھیجا۔ دو امتیں زمین کے طول میں اور دو امتیں زمین کے عرض میں تھیں، امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ایک طویل قصہ لکھا ہے۔

زبیر بن بکار اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ اور ضیاء المقدسی نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ ابن الکواء نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کی: "مجھے بتائیں کیا ذوالقرنین نبی تھے یا بادشاہ" انہوں نے فرمایا: "وہ نہ نبی تھے نہ ہی بادشاہ بلکہ ایک صالح بندے تھے رب تعالیٰ نے ان سے محبت کی۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے محبت کی۔ رب تعالیٰ نے ان کے لیے اور انہوں نے رب تعالیٰ کے لیے خلوص کا اظہار کیا۔ رب تعالیٰ نے انہیں ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اسے ان کی مینڈھی کی جگہ پر مارا جس سے ان کا وصال ہو گیا۔ رب تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ انہیں ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا قوم نے دوبارہ انہیں مارا لہٰذا ان کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔" الحافظ نے لکھا ہے کہ اس قول میں اشکال ہے کیونکہ ان کا فرمان "وہ نبی نہ تھے" وہ ان کے اس فرمان سے مخالفت رکھتا ہے "رب تعالیٰ نے ان کو ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا" الا یہ کہ بعثت کو نبوت کی رسالت کے علاوہ کسی اور امر پر محمول کیا جائے۔

اکثر علماء ربانیین کا قول یہ ہے: "وہ پاکباز بادشاہوں میں سے تھے" امام بخاری نے ان کا تذکرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ سے قبل کیا ہے۔ الحافظ نے لکھا ہے: "اس سے اس شخص کا قول کمزور نظر آتا ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ اس سے مراد یونانی اسکندر ہے کیونکہ اسکندر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قریب تھا جبکہ حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مابین دو ہزار سے زائد کا عرصہ ہے جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اسکندر کا نام ذوالقرنین پہلے ذوالقرنین سے مشابہت کی وجہ سے رکھا گیا تھا کیونکہ اس کی مملکت بھی بڑی وسیع تھی اور اس نے اکثر شہروں کو مغلوب کر لیا تھا کیونکہ اس نے ایران پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کے بادشاہ کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ اس نے دو عظیم مملکتوں کا نظم و نسق سنبھالا تھا۔ (۱) روم (۲) ایران۔ اسی لیے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا تھا۔ حق بات یہ ہے کہ جس کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے وہ مقدم الذکر ہے۔ ان دونوں میں کئی اعتبار سے فرق ہے۔ (۱) وہ وجہ جس کا تذکرہ میں نے کر دیا ہے علامہ فاکہی کی روایت بھی اسی امر پر دلالت کرتی ہے جو انہوں نے عبید بن عمیر تابعی سے روایت کی ہے کہ ذوالقرنین نے پیدل حج کیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بارے سنا تو ان سے ملاقات کی۔ ابن ہشام نے التیجان میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ذوالقرنین کو کوئی فیصلہ

کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے ان کے لیے فیصلہ کیا۔ (۲) امام رازی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے جبکہ اسکندر کافر تھا لیکن جمہور کا موقف یہ ہے کہ وہ نبی نہ تھے۔ (۳) ذوالقرنین کا تعلق اہل عرب کے ساتھ تھا جبکہ اسکندر یونانی تھا۔

جس نے یہ کہا ہے کہ ذوالقرنین ہی اسکندر ہے اسے اس روایت سے شبہ پڑا ہے جسے ابن جریر نے ابن لہیعہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے ذوالقرنین کے بارے پوچھا: "آپ نے فرمایا: "اس کا تعلق اہل روم سے تھا۔ اسے مملکت عطا کی گئی۔ وہ مصر کی طرف گیا وہاں اسکندریہ شہر بنایا۔" اگر یہ روایت صحیح ہو تو جھگڑا ختم ہو گیا۔ لیکن ابن لہیعہ ضعیف ہے۔

الشیخ تقی الدین المقریزی نے "الخطط" میں تحریر کیا ہے کہ علماء کرام کی تحقیق یہ ہے کہ جس ذوالقرنین کا ذکر قرآن پاک میں ہے اس کا نام صعب بن حارث تھا۔ حضرت سام بن نوح اس کا نسب ختم ہوتا ہے۔ یہ حمیر کا بادشاہ تھا انہیں عرب العاربۃ یا عرب العرباء کہا جاتا ہے۔ ذوالقرنین تاج پوش تبع تھا۔ جب اقتدار سنبھالا تو ابتداء میں جبر و ستم سے کام لیا۔ پھر رب تعالیٰ کے لیے عاجزی و انکساری کی۔ جس نے یہ سمجھا ہے کہ اسکندر ذوالقرنین ہے اس نے خطاء کی ہے۔ اسی ذوالقرنین نے دیوار بنائی تھی۔ لفظ "ذو" عربی ہے یمن کے بادشاہوں کا لقب بھی ذوالقرنین ہوتا تھا جبکہ اسکندر رومی یونانی تھا۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ذوالقرنین اسکندر یونانی نہیں ہے۔

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ (الکہف ۸۳)

ترجمہ: "فرمائیے میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال۔"

رب تعالیٰ نے اس روح کے بارے فرمایا جس سے جسم کو زندگی نصیب ہوتی ہے:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۸۵)

ترجمہ: "(انہیں) بتائیے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم مگر تھوڑا سا۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ آیت طیبہ مکیہ ہے۔ اسے امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے۔ اس کے راوی امام مسلم کے راوی ہیں۔ صحیحین میں ہے کہ یہود نے حضور اکرم ﷺ سے مدینہ طیبہ میں روح کے بارے پوچھا تو اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ الحافظ نے لکھا ہے: "ان روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ امکان ہے کہ یہ آیت طیبہ کئی بار نازل ہوئی ہو۔ دوسری بار آپ کے سکوت کو مزید تفصیل کی توقع پر محمول کیا جائے گا۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ ان کے پاس حق کے ساتھ تشریف لائے جسے وہ جانتے تھے انہوں نے آپ کی صداقت کو بھی جان لیا۔ جب انہوں نے آپ سے ان امور کے بارے پوچھا تو آپ نے اپنے علم غیب

کا اظہار کرتے ہوئے انہیں سوالات کے جوابات مرحمت فرما دیے تو حسد ان کے مابین حائل ہو گیا۔ انہوں میں سے ایک نے کہا:

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم السجدہ: ۲۶)

ترجمہ: "مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان تم (اس طرح) غالب آجاؤ۔"

ایک دن ابوجہل نے آپ کے ساتھ اور آپ کے لائے ہوئے حق کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے کہا اگر وہ قریش! محمد عربی ﷺ گمان کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا وہ لشکر جو تمہیں آگ میں عذاب دے گا اور تمہیں وہاں روکے رکھے گا اس کی تعداد انیس ہے۔ تم تعداد میں بہت زیادہ ہو کیا تم میں سے ایک سو ان میں سے ایک کو بھی نہیں پکڑ سکے گا؟ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ (المدثر: ۳۱)

ترجمہ: "اور ہم نے نہیں مقرر کیے آگ کے داروغے مگر فرشتے اور نہیں بنایا ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا تاکہ یقین کرلیں اہلِ کتاب اور بڑھ جائے اہلِ ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں اہلِ کتاب اور مومن تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے۔ یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت لوگوں کے لیے۔"

❁❁❁

بارھواں باب

ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها واتبغ بين ذالك سبيلًا

کا نزول

سعید بن منصور، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت طیبہ اس وقت اتری جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں مخفی تھے۔ جب اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھاتے تھے تو آواز مبارک بلند فرماتے تھے۔ جب مشرکین تلاوت سنتے تو قرآن پاک کو برا بھلا کہتے۔ اسے نازل کرنے والے اور لانے والے کو برا بھلا کہتے وہ منتشر ہو جاتے۔ وہ آپ سے قرآن پاک سننے سے انکار کر دیتے۔ جب کوئی شخص آپ سے قرآن پاک سننا چاہتا تو وہ چھپ کر سنتا تاکہ کہیں قریش اسے پکڑ نہ لیں۔ جب وہ دیکھتا کہ قریش نے اسے دیکھ لیا ہے تو وہ چپکے سے کھسک جاتا تاکہ قریش اسے اذیت نہ دیں۔ اگر حضور ﷺ پست آواز سے تلاوت فرماتے تو آپ کی قرأت سننے والے کچھ بھی نہ سن سکتے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ (الاسراء ١١٠)

ترجمہ: ”اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ۔“

ابن اسحاق نے حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ وہ ذات جس نے حضور ﷺ کے بعد سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں باآواز بلند قرأت کی وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذات تھی۔ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوئے انہوں نے کہا: ”بخدا! قریش نے قرآن پاک کی باآواز بلند قرأت سنی ہی نہیں۔ کون ہے جو انہیں باآواز بلند قرآن پاک کی قرأت سنائے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: ”آپ کے بارے ہمیں قریش سے خطرہ ہے۔ ہمیں ایک ایسا شخص درکار ہے جس کا قبیلہ ہو۔ جو اسے قریش سے اس وقت روک سکے جب وہ اس کے ساتھ برا ارادہ کریں۔ انہوں نے فرمایا: ”مجھے چھوڑ دو۔ عنقریب رب تعالیٰ انہیں مجھ سے روک دے گا۔“ دوسرے روز وقت صبح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مقام ابراہیمی کے پاس آئے قریش اپنی اپنی محافل میں تھے۔ انہوں نے وہاں کھڑے ہو کر یوں

تلاوت شروع کی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ (الرحمن ۱،۲)

ترجمہ: "رحمٰن نے (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن۔"

پھر وہ لگاتار سورۃ الرحمان کی تلاوت کرتے رہے۔ قریش نے غور و فکر کیا۔ انہوں نے کہا: "ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟ پھر انہوں نے کہا: "یہ تو اس کلام میں سے پڑھ رہا ہے جسے محمد عربی ﷺ لے کر آئے ہیں۔" وہ خود آ کر ان کے پاس گئے۔ ان کے چہرے پر مارنے لگے۔ وہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے جہاں تک پڑھنا تھا پڑھا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف لوٹ آئے۔ ان کے چہرے پر ضربوں کے نشانات تھے۔ انہوں نے کہا: "ہمیں آپ کے بارے یہی اندیشہ تھا۔" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "بخدا! یہ دشمنانِ خدا میری نظروں میں جتنے آج رسواء ہوئے ہیں پہلے کبھی نہ تھے۔ اگر تم پسند کرو تو میں کل بھی اسی طرح کروں گا۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: "نہیں! آپ نے انہیں وہ کلام سنا دیا ہے جسے وہ ناپسند کرتے ہیں۔"

❁❁❁

تیرھواں باب

ابوجہل کا حضور اکرم ﷺ کی صداقت کا اعتراف

ابن اسحاق اور امام بیہقی نے امام زہری سے اور حضرت سعید بن مسیب سے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ ایک رات ابوسفیان، ابوجہل اور اخنس بن شریق حضور ﷺ کی زبان اقدس سے قرآن پاک سننے کے لیے نکلے۔ رات کے وقت آپ اپنے کاشانہ اقدس میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ہر ایک شخص ایک جگہ پر بیٹھ کر قرآن پاک سنتا رہتا۔ اسے دوسرے ساتھی کا علم نہ ہوتا تھا۔ وہ ساری رات قرآن پاک سنتے گزار دیتے۔ وقت فجر وہ پھیل جاتے وہ رستے میں ایک دوسرے سے ملتے وہ ایک دوسرے کو ملامت کرتے وہ ایک دوسرے سے کہتے۔ "آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا اگر تمہارے احمقوں نے تمہیں اس طرح دیکھ لیا تو ان کے دل میں یہ بات گھر کر جائے گی۔" پھر وہ لوٹ آئے۔ دوسری رات ان میں سے ہر ایک شخص اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ساری رات قرآن پاک سنتے گزار دی۔ طلوعِ فجر کے وقت گھر لوٹنے لگے۔ وہ رستہ میں ایک دوسرے سے مل گئے۔ انہوں نے وہی بات کی جو وہ پہلی رات کر چکے تھے۔ پھر گھر لوٹ آئے۔ تیسری رات پھر وہ اپنی اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ ساری رات قرآن پاک سنتے ہوئے گزار دی۔ جب فجر طلوع ہو گئی تو گھر لوٹنے لگے۔ رستہ میں ایک دوسرے سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے کہا: "اب ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے حتیٰ کہ ہم وعدہ کر لیں کہ پھر اس حرکت کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا پھر جدا جدا ہو گئے۔

صبح کے وقت اخنس نے اپنا ڈنڈا لیا اور ابوسفیان کے پاس آ گیا۔ اس نے کہا: "ابوحنظلہ! مجھے اپنی رائے کے بارے آگاہ کرو کہ تم نے محمد عربی ﷺ سے کیا سنا ہے؟ امام زہری نے روایت کیا ہے کہ ابوسفیان نے اخنس سے کہا: "تو اس کے بارے کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: "میں تو اسے حق سمجھتا ہوں۔" ابوسفیان نے کہا: "ابوثعلبہ! بخدا! بعض اشیاء میں نے ایسی سنیں میں جن کا معنی اور مراد میں سمجھ گیا۔ بعض اشیاء کا معنی تو سمجھ گیا لیکن ان کی مراد نہ سمجھ سکا۔" اخنس نے کہا: "بخدا میری کیفیت بھی یہی ہے۔" پھر وہ وہاں سے نکل کر ابوجہل کے پاس گیا۔ اس نے کہا: "ابوالحکم! جو کلام تو نے محمد عربی ﷺ سے سنا ہے اس کے بارے تیری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: "میں نے کیا سنا ہے؟ بنو عبد مناف اور ہم نے شرف میں جھگڑا کیا۔ ہم نے کھانا کھلایا۔ انہوں نے بھی کھانا کھلایا۔ ہم نے سوار کرایا انہوں نے بھی سوار کرایا۔ انہوں نے عطا کیا ہم نے بھی عطا کیا۔ حتیٰ کہ ہم قدموں کے بل دوڑنے لگے۔ ہماری کیفیت ان گھوڑوں کی طرح تھی جو شرط میں شرکت

کرتے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ ہم یہ مرتبہ کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ بخدا! میں تو کبھی بھی ان پر ایمان نہیں لاؤں گا نہ ہی ان کی تصدیق کروں گا۔

تنبیہ

امام بیہقی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے اس روز حضور اکرم ﷺ کو جان لیا تھا جب میں ابوجہل کے ساتھ چل رہا تھا۔ مکہ مکرمہ کی ایک گلی میں حضور اکرم ﷺ نے ہم سے ملاقات کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "ابوالحکم! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی طرف آؤ۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔" ابوجہل نے کہا: "کیا آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں گے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم گواہی دیں کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا ہے۔ بخدا! اگر میں جان لیتا کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے تو میں ضرور آپ کی اتباع کر لیتا۔" حضور ﷺ تشریف لے گئے۔ ابوجہل نے میری طرف توجہ کی اور کہا: "بخدا! میں جانتا ہوں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے لیکن بنو قصی نے کہا: "حجابۃ ہماری ہے" ہم نے کہا: "ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا "ندوہ ہمارا ہے" ہم نے کہا: "ٹھیک ہے" انہوں نے کہا: "لواء ہمارا ہے۔" ہم نے کہا: "ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا: "سقایۃ ہمارا ہے۔" ہم نے کہا: "ٹھیک ہے۔ پھر انہوں نے کھانا کھلانا ہم نے بھی کھانا کھلایا حتیٰ کہ جب خوب دوڑ لگی تو انہوں نے کہا: "ہم میں ایک نبی کا ظہور ہوا ہے۔" بخدا! میں ان پر کبھی بھی ایمان نہیں لاؤں گا۔"

❀❀❀

چودھواں باب

ولید بن مغیرہ کا قرآن پاک کے بارے مؤقف

ابن اسحاق، مقاتل، ابن ابی حاتم، ابونعیم، امام بیہقی اور الواحدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ الغافر کا نزول ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں اسے پڑھا۔ ولید نے اسے سنا۔ پھر وہ بنو مخزوم کی مجلس میں چلا گیا۔ اس نے کہا: "بخدا! میں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کلام سنا ہے جو کسی جن وانس کا کلام نہیں ہے۔ اس کی جڑیں مستحکم ہیں اس کی شاخیں ثمر آور ہیں بخدا! اس کی شیرینی ہے۔ اس میں حسن وزیبائی ہے۔ وہ غالب ہی آتا ہے۔ اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔" پھر وہ واپس آ گیا۔

قریش نے کہا: "ولید صابی ہو گیا ہے۔ بخدا! اگر ولید صابی ہو گیا تو سارا قریش صابی ہو جائے گا۔" اس ولید کو ریحانہ قریش کہا جاتا تھا۔ ابو جہل نے کہا: "میں ولید کو کافی ہو جاؤں گا" وہ غمزدہ صورت بنا کر ولید کے پاس گیا۔ اس نے کہا: "چچا! تیری قوم چاہتی ہے کہ وہ تیرے لیے مال جمع کر دے تا کہ وہ تجھے مال دے تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال لینے ہی جاتا ہے۔" ولید نے کہا: "قریش جانتے ہیں میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔" ابو جہل نے کہا: "پھر ان کے بارے ایسی بات کہو جس سے تیری قوم کو علم ہو جائے کہ تو ان سے نفرت کرتا ہے۔" ولید نے کہا: "میں ان کے بارے کیا کہوں؟ بخدا! وہ کسی جن اور انسان کا کلام نہیں ہے۔" ابو جہل نے کہا: "تیری قوم اس وقت تک تم سے راضی نہ ہو گی حتیٰ کہ تو کہے۔" "مجھے چھوڑ دو تا کہ میں اس کے بارے غور وفکر کر سکوں۔"

جب وہ اپنی قوم کے پاس آیا۔ حج کا زمانہ تھا اس نے کہا: "اے قوم قریش! حج کا زمانہ آ گیا ہے۔ عنقریب تمہارے پاس عرب کے وفود آئیں گے انہوں نے تمہارے اس صاحب کے بارے سن لیا ہے۔ ان کے بارے ایک رائے قائم کر لو۔ رائے میں اختلاف نہ کرنا ورنہ تم ایک دوسرے کی تکذیب کرو گے۔" قریش نے کہا: "ابو عبد شمس! تم ہی ہمارے لیے رائے قائم کرو۔ ہم وہی کہیں گے۔" اس نے کہا: "نہیں! بلکہ تم ہی کہو۔ میں سن رہا ہوں۔"

قریش! ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہیں۔" ولید بخدا! وہ کاہن نہیں ہیں۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ ان میں نہ تو کاہنوں جیسا زمزمہ ہے نہ ہی ان جیسا سجع ہے۔" قریش یہ ہم کہیں گے کہ وہ مجنون ہیں۔" ولید: بخدا! وہ مجنون نہیں ہیں، ہم جنون کو جانتے ہیں۔ نہ تو ان کی آواز مجنونوں جیسی ہے نہ ہی وہاں وسوسہ کا عمل دخل ہے۔ قریش! ہم کہیں گے کہ وہ شاعر

ہیں۔" ولید: بخدا! وہ شاعر نہیں ہیں۔ ہم شعر کی ساری اقسام رجز، ھزج، قریضہ، مقبوضہ اور مبسوطہ سے آگاہ ہیں۔ قریش: ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہیں۔ ولید: بخدا! وہ جادوگر نہیں ہیں ہم نے جادوگروں اور ان کے جادو کو دیکھا ہے۔ ان میں نہ ان جیسی جھاڑ پھونک ہے نہ ہی ان جیسی گرہ باندھنا ہے۔" قریش: ابوعبد شمس! تم ہی بتاؤ۔ ولید: بخدا! ان کے کلام میں مٹھاس ہے۔ اس کی جڑیں مضبوط ہیں۔ اس کی شاخیں ثمر آور ہیں۔ ان امور میں سے تم جو بھی کہیں گے میں جانتا ہوں کہ وہ باطل ہو گا سب سے قریبی قول یہ ہے کہ تم کہو کہ وہ جادوگر ہیں وہ اپنے جادو سے آدمی اور اس کے بیٹے کو، آدمی اور اس کی بیوی کو، آدمی اور اس کے بھائی کو اور آدمی اور اس کے قبیلہ کو جدا کر دیتے ہیں۔" اس امر پر اتفاق کر کے وہ بکھر گئے۔ حج کے زمانہ میں وہ مکہ مکرمہ کی سڑکوں پر بیٹھ گئے۔ وہاں سے جو بھی گزرتا اسے حضور اکرم ﷺ سے ڈراتے۔" رب تعالیٰ نے ولید کے بارے یہ آیات طیبات نازل کیں۔

ذَرۡنِیۡ وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِیۡنَ شُہُوۡدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَہَّدۡتُّ لَہٗ تَمۡہِیۡدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ ﴿۱۵﴾ کَلَّا ؕ اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیۡدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرۡہِقُہٗ صَعُوۡدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّہٗ فَکَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَاسۡتَکۡبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ یُّؤۡثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصۡلِیۡہِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبۡقِیۡ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَۃٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿۲۹﴾ (المدثر: ۱۱ تا ۲۹)

ترجمہ: "آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر اور بیٹے دیے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان۔ پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں تاکہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے۔ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔ پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے یہ نہیں ہر؟؟؟ مگر انسان کا کلام۔ عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا۔ اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے؟ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے۔ جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پھر رب تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے قرآن پاک اتارا جو اس کے ہمراہ جو آپ ﷺ کے بارعیب جوئی کرتے تھے۔ ارشاد فرمایا:

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

(الحجر ۹۳)

ترجمہ: "جنہوں نے کر دیا تھا قرآن کو پارہ پارہ پس آپ کے رب کی قسم! ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے۔"

اس زمانہ حج میں عرب حضور اکرم ﷺ کے بارے باتیں کرنے لگے۔ آپ کا ذکر پاک سارے عرب میں پھیل گیا۔

❁❁❁

پندرھواں باب

صحابہ کرام پر ظلم وستم

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "پھر قریش نے اپنے قبائل کو ابھارا کہ وہ ان مسلمانوں کو اذیت دیں جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے ہر قبیلہ مسلمانوں پر جھپٹ پڑا۔ وہ انہیں اذیتوں میں مبتلا کرتے انہیں دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے وہ انہیں قیدی بناتے مار کر، بھوکا رکھ کر اور مکہ مکرمہ کی چٹانوں پر پیاسا رکھ کر اذیت دیتے۔ جب گرمی شدت اختیار کر جاتی۔ بعض کمزور لوگ یہ فتنہ برداشت نہ کر سکے۔ وہ اس فتنہ میں مبتلاء ہو گئے۔ بعض محکم رہے رب تعالیٰ نے انہیں بچالیا۔

ابن اسحاق نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: "کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترکِ دین کے لیے مشرکین اتنی اذیتیں دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ معذور سمجھے جاتے ہوں۔" انہوں نے فرمایا: "ہاں! بخدا! مشرکین ایک مسلمان کو اتنا مارتے تھے۔ وہ اسے اتنا بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے کہ وہ اس اذیت کی وجہ سے سیدھا ہو کر بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ کفار اس سے پوچھتے: "رب تعالیٰ کو چھوڑ کر لات وعزیٰ تیرے معبود ہیں؟" وہ کہتا: "ہاں!" حتیٰ کہ اگر اس کے پاس سے بھونڑا گزرتا وہ اسے کہتے: "رب تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ بھونڑا تیرا معبود ہے۔" وہ کہتا ہے: "ہاں! کیونکہ اسے ستایا ہی اتنا جاتا تھا۔"

ابو جہل وہ خبیث شخص تھا جو قریش کے آدمیوں کو انگیخت کرتا تھا۔ اگر وہ کسی ایسے شخص کے بارے سنتا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے جو شرف و قدر والا ہوتا وہ اسے رسواء کرتا وہ اسے کہتا: "تو نے اپنے باپ کا دین ترک کر دیا ہے۔ وہ تجھ سے بہتر تھا۔ ہم تیری دانائی کو پاگل کر دیں گے۔ تیری رائے کو جھٹلا دیں گے۔ تیرا شرف کم کر دیں گے۔" اگر وہ تاجر ہوتا تو یہ کہتا: "بخدا! ہم تیری تجارت میں مندا پیدا کر دیں گے۔ تیرا مال برباد کر دیں گے۔" اگر اسلام قبول کرنے والا کمزور ہوتا تو یہ اسے مارتا۔ لوگوں کو بھی ابھارتا کہ وہ اسے ماریں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

یہ اسلام کے سچے اور دل کے پاکیزہ تھے۔ ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب دوپہر خوب گرم ہو جاتی تو امیہ

بن خلف انہیں پکڑ کر باہر نکال لاتا۔ مکہ مکرمہ کی چٹانوں پر انہیں پشت کے بل لٹا دیتا۔ پھر ایک بڑا پتھر لانے کا حکم دیتا۔ اسے ان کے سینۂ اقدس پر رکھ دیا جاتا۔ امیہ ان سے کہتا: "تمہیں اس طرح ستایا جاتا رہے گا حتیٰ کہ تم انتقال کر جاؤ یا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دو اور لات وعزیٰ کی پوجا شروع کرو۔ وہ اس مصیبت کے عالم میں بھی احد احد کے ترانے الاپتے۔ وہ فرماتے: "میں لات وعزیٰ کا انکار کرتا ہوں۔"

علامہ بلاذری نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا۔ انہیں تپتی دوپہر میں اذیت دی جا رہی تھی۔ اگر اس چٹان پر گوشت کا ٹکڑا بھی رکھا جاتا وہ بھی پک جاتا۔ وہ فرما رہے تھے: "میں لات وعزیٰ کا انکار کرتا ہوں۔ یہ سن کر امیہ کو اور غصہ آجاتا وہ ان کی اذیت میں اضافہ کر دیتا وہ ان کے حلق پر مارتا۔ جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو جاتے۔" پھر انہیں افاقہ مل جاتا۔

ابن سعد نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "میں نے حج یا عمرہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں بھی رسی تھی۔ انہیں بچے کھینچ رہے تھے وہ احد احد پکار رہے تھے۔ وہ فرما رہے تھے: "میں لات، عزیٰ، ہبل، نائلہ اور بوانہ کا انکار کرتا ہوں" امیہ انہیں دہکتی چٹان پر لٹا دیتا۔ علامہ بلاذری نے روایت کیا ہے کہ حضرت مجاہد نے فرمایا: "کفار حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی ڈال لیتے وہ اپنے لڑکوں سے کہتے کہ انہیں مکہ مکرمہ دو پہاڑوں کے مابین لے کر گھسیٹو۔ وہ اسی طرح کرتے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان اقدس پر احد احد ہوتا۔ ابن سعد نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ناتواں تھے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو انہیں اذیت دی جاتی تھی تاکہ یہ اپنے دین سے برگشتہ ہو جائیں لیکن ان کی زبان سے ایک ایسا کلمہ بھی نہ نکلتا تھا جو کفار چاہتے تھے۔ امیہ بن حلف انہیں اذیتیں دیتا تھا۔" بلاذری نے حضرت عمیر بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر اذیت شدت اختیار کر جاتی تو وہ احد احد کے ترانے الاپتے۔ کفار انہیں کہتے: "اس طرح کہو جس طرح ہم کہہ رہے ہیں" وہ فرماتے: "میری زبان نہ اس طرح بول سکتی ہے نہ اسے پسند کرتی ہے۔" بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کفار نے مجھے ایک دن اور ایک رات تک پیاسا رکھتے پھر مجھے باہر نکالتے اور گرم دن میں گرم چٹان پر مجھے اذیتیں دیتے۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ورقہ بن نوفل حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرتے وہ اذیتیں دی جا رہی ہوتیں وہ احد احد کے ترانے الاپ رہے ہوتے۔ ورقہ کہتے "بخدا! یا بلال! احد احد، پھر وہ امیۃ کی طرف توجہ کرتے دیگر کفار کی طرف رخ کرتے اور کہتے "بخدا! اگر تم نے اسے شہید کر دیا تو میں ان کی قبر انور کو رحمت الٰہیہ کی آماجگاہ بنا دوں گا۔ حتیٰ کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امیہ سے کہا: "اس مسکین کے بارے تو رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ اسے کب تک

اذیتیں دیتا رہے گا؟ امیہ نے کہا: "تم نے ہی بگاڑا ہے تم ہی اسے اس اذیت سے نجات دلا سکتے ہو۔" جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں اسی طرح کرتا ہوں۔ میرے پاس ایک سیاہ فام غلام ہے جو ان سے زیادہ مضبوط اور قوی ہے۔ وہ تیرے دین پر بھی ہے۔ وہ ان کے بدلے میں وہ تمہیں دے دیتا ہوں۔" امیہ نے کہا: "میں قبول کرتا ہوں میں انہیں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔" حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسے وہ غلام دیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ تو ان کے اہل خانہ نے انہیں پکڑتے۔ انہیں گرم چٹان پر پھینک دیتے۔ ان سے کہتے: "لات وعزیٰ تیرے رب ہیں۔" وہ کہتے: "احد احد" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے فرمایا: "تم اس انسان کو کب تک اذیت دیتے رہو گے۔"

انہوں نے سات اوقیہ دے کر انہیں خریدا اور آزاد کر دیا۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں تذکرہ کیا کہ انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابو بکر! مجھے بھی اس امر میں شریک کر لینا۔" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں نے انہیں آزاد کر دیا ہے۔"

بلاذری نے جید سند کے ساتھ حضرت اسماعیل بن ابو خالد سے روایت کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پانچ اوقیہ میں حضرت بلال کو خریدا تھا۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ

یہ عراق کے مضافات کے رہائشی تھے۔ بنو ربیعہ کے بعض افراد نے اس علاقہ پر شبخون مارا۔ حضرت خباب کو قیدی بنا لیا اور انہیں حجاز لا کر فروخت کر دیا سباع بن عبد العزیٰ نے انہیں خرید لیا یہ بنو زہرہ کا حلیف تھا ابو الیقظان کا خیال ہے کہ حضرت خباب سباع کے ماں کی طرف سے بھائی تھے علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت خباب قیدی بن کر ام انمار کے پاس آئے۔ یہ ان کی مالکہ بنی۔ پھر اس نے ان کو آزاد کر دیا۔ حضرت خباب ہکلاتے تھے۔ جب وہ عربی میں گفتگو کرتے تو ان کی زبان میں لکنت آجاتی تھی اس لیے ان کو "الارت" کہا جاتا تھا۔

بلاذری نے روایت کیا ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو گرم پتھر پر لٹا دیا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کی کمر کا پانی ختم ہو جاتا تھا۔ بلاذری نے امام شعبی اور ابو لیلیٰ الکندی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضرت خباب رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا: "قریب ہو جائیں۔ قریب ہو جائیں۔" انہوں نے انہیں اپنی جگہ پر بٹھا لیا۔ انہوں نے فرمایا: "سوائے ایک شخص سے اور کوئی آپ سے زیادہ اس جگہ پر بیٹھنے کا مستحق نہیں۔" حضرت خباب: امیر المومنین! وہ کون سا شخص ہے؟ حضرت عمر فاروق: وہ حضرت بلال (یا حضرت عمار بن یاسر) ہیں۔ حضرت خباب: وہ مجھ سے زیادہ اس جگہ کے مستحق نہیں ہیں۔ بعض مشرکین حضرت بلال کا دفاع کرتے تھے لیکن میرا دفاع کرنے والا کوئی

نہ تھا۔ میں نے خود کو ایک دن دیکھا مشرکین نے میرے لیے آگ جلائی انہوں نے اس پر مجھے لٹا دیا۔ ایک کافر نے اپنا پاؤں میرے سینے پر رکھ دیا۔ وہ زمین میری کمر سے ہی ٹھنڈی ہوئی۔" پھر حضرت خباب نے اپنی کمر سے کپڑا ہٹایا، وہاں برص نما داغ تھے۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ لوہار پیشہ تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضور اکرم ﷺ ان سے محبت کرتے تھے اور ان کے پاس تشریف لاتے تھے۔ ان کی مالکہ کو اس کی خبر ہو گئی۔ وہ لوہے کا ٹکڑا لیتی۔ اسے بھٹی میں گرم کرتیں۔ اسے حضرت خباب کے سر کے اوپر رکھ دیتیں۔ انہوں نے اس تکلیف کے لیے عرض گذاشت بارگاہ رسالت مآب میں کر دی آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی: "مولا! خباب کی مدد فرما۔" ان کی مالکہ کو درد کی شکایت ہو گئی۔ وہ کتوں کے ساتھ بھونکا کرتی تھی۔ اسے کہا گیا کہ سینگیاں لگواؤ۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ لوہا لیتے اسے بھٹی میں گرم کرتے اور اس سے اس کا سر داغتے محمد بن عمر اسلمی نے لکھا ہے کہ جب حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو عتبہ بن ابی وقاص انہیں اذیتیں دیا کرتا تھا۔ امام بخاری، محمد بن عمر اسلمی اور امام بیہقی نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت خانہ کعبہ کے سایہ میں ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ ہم مشرکین سے شدت ناک اذیتیں برداشت کر رہے تھے۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! کیا آپ رب تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا نہیں مانگیں گے؟ آپ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے جو لوگ ایمان لائے تھے کفار لوہے کی کنگھیوں سے ان کی ہڈیوں سے گوشت اکھیڑ لیتے تھے لیکن وہ اپنا دین ترک نہیں کرتے تھے۔ ایک شخص کے سر پر آری رکھ کر چلا دی جاتی تھی۔ وہ دو حصوں میں منقسم تو ہو جاتا تھا لیکن اپنے دین سے برگشتہ نہیں ہوتا تھا۔ رب تعالیٰ اس امر (دین حق) کو ضرور مکمل فرمائے گا۔ حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک جائے گا۔ اسے رب تعالیٰ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوگا۔ نہ ہی اسے اپنے بھیڑوں کے بارے بھیڑیے کا خدشہ ہوگا۔"

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ

ابن سعد نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی کمزور مسلمانوں میں سے تھے جنہیں راہِ خدا میں تکالیف دی جاتی تھیں۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا شمار بھی ان کمزور مسلمانوں میں ہوتا ہے جنہیں راہِ خدا میں ستایا جاتا تھا۔ تا کہ وہ اپنے دین حق کو چھوڑ دیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ ابن سعد نے لکھا ہے:

"حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو راہِ خدا میں اتنا ستایا جاتا حتیٰ کہ انہیں پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہوتے۔"

حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ

ان کا نام افلح تھا۔ایک قول کے مطابق ان کا نام یسار تھا۔ یہ صفوان بن امیۃ کے غلام تھے۔انہوں نے اس وقت اسلام قبول کیا جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے۔ اس وقت امیہ بن خلف نے انہیں پکڑ رکھا تھا۔اس نے ان کی ٹانگ کے ساتھ رسی باندھ رکھی تھی۔اس نے حکم دیا انہیں گھسیٹا گیا۔پھر انہیں ایک چٹان پر پھینک دیا گیا۔ایک کیڑا ان کے پاس سے گزرا اس نے ان سے کہا: "کیا یہ تمہارا رب نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا: "میرا رب تعالیٰ وہ اللہ ہے جس نے مجھے تخلیق کیا ہے اس نے تجھے بھی تخلیق کیا ہے۔اسی نے اس کیڑے کو پیدا کیا ہے۔" یہ سن کر امیہ کو غصہ آگیا وہ ان کا گلا دبانے لگا اس کے ساتھ اس کا بھائی ابی بن خلف بھی تھا۔اس نے کہا: "اس کے عذاب میں اضافہ کر دے حتیٰ کہ محمد عربی (فداہ روحی و ابی و امی) آئیں اور اپنے جادو سے انہیں نجات عطا کریں۔" وہ دوپہر کے وقت انہیں لے کر نکلتا۔وہ انہیں زنجیریں پہنا کر چٹان پر پھینک دیتا۔ان کے پیٹ پر بڑا سا پتھر رکھ دیتا۔ان کی زبان باہر نکل آتی۔وہ اسی حالت پر رہتے حتیٰ کہ کفار گمان کرتے کہ ان کا وصال ہو چکا ہے پھر انہیں افاقہ ہو جاتا۔سیدنا ابوبکر صدیق ان کے پاس سے گزرے۔انہوں نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت ابوفکیہہ کو راہِ خدا میں اتنا ستایا جاتا کہ انہیں پتہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہوتے۔"

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

ان کے بھائی حضرت عبداللہ، اور والدین حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو اذیت دی جاتی تھی۔ بلاذری اور امام بیہقی نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر، حضرت خباب، حضرت صہیب، حضرت عمار رضی اللہ عنہم نے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا جان کے دفاع کی وجہ سے محفوظ تھے۔حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی وجہ سے محفوظ تھے۔جبکہ دیگر کمزور مسلمانوں کو لوہے کی زرہیں پہنا دی جاتی تھیں۔انہیں دھوپ میں پھینک دیا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کی اذیت شدت اختیار کر دی جاتی۔ابوجہل حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور ان کے دل پر نیزہ دے مارا۔یہ اسلام کی پہلی شہیدہ تھیں۔

ابن سعد نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: "میں نے اس شخص سے سنا جس نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی زیارت کی تھی: "انہوں نے صرف شلوار پہنی ہوئی تھی میں ان کی کمر پر نشانات دیکھے میں نے عرض کی: "یہ کیا ہے" انہوں نے کہا: "یہ اس وجہ سے ہیں کہ قریش مجھے اذیت دیتے تھے وہ مجھے تپتی ہوئی چٹان پر پھینک دیتے

تھے۔ بلاذری نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضرت عمار، حضرت یاسر اور حضرت عبداللہ اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہم کو راہِ خدا میں ستایا جاتا تھا۔ حضور ﷺ ان کے پاس سے گزرتے تو فرماتے: "آلِ یاسر! صبر کرو! تم سے جنت کا وعدہ ہے۔ حضرت یاسر اسی اذیت میں وصال فرما گئے حضرت سمیہ کے دل پر ابوجہل نے نیزہ مارا۔ وہ بھی شہید ہو گئیں۔ حضرت عبداللہ کو تیر مارا تو وہ گر پڑے۔

حضرت لبیبہ رضی اللہ عنہا

بلاذری نے لکھا ہے کہ ابوالبختری نے ان کا نام لبیبہ بیان کیا ہے انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمر فاروق انہیں اذیت دیتے حتیٰ کہ تھک جاتے۔ انہیں چھوڑ کر کہتے: "میں نے تمہیں صرف اس لیے چھوڑا ہے کیونکہ میں تھک گیا ہوں۔" وہ کہتیں: "اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو رب تعالیٰ تمہیں بھی اسی طرح اذیت دے گا۔"
ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت حسان نے فرمایا: "میں عمرہ کرنے کے ارادہ سے مکہ مکرمہ آیا۔ حضور اکرم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیت دی جا رہی تھی۔ میں حضرت عمر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وہ غصے میں تھے۔ وہ بنو عمرو کی لونڈی کا گلا دبا رہے تھے حتیٰ کہ وہ ان کے ہاتھوں میں لٹک گئیں میں نے کہا: "یہ تو انتقال کر چکی ہیں۔" حضرت سیدنا صدیق اکبر نے انہیں خریدا اور آزاد کر دیا۔

زنیرہ رضی اللہ عنہا

حضرت عمر اور ابوجہل انہیں ستاتے تھے۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے: "ابوجہل کہا کرتا تھا کیا تم ان لوگوں کو محمد عربی ﷺ کے پیروکاروں کو نہیں دیکھتے اگر جو کچھ محمد عربی ﷺ لے کر آئے ہیں۔ وہ حق اور خیر ہوتا تو یہ لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ زنیرہ ہدایت حاصل کرنے میں ہم سے سبقت لے گئی ہے۔" حضرت زنیرۃ رضی اللہ عنہا کو اتنی اذیت دی گئی کہ ان کی بینائی ختم ہو گئی۔ ابوجہل نے کہا: "لات وعزّیٰ نے تیرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "لات وعزّیٰ کو تو یہ بھی علم نہیں کہ ان کی پوجا کون کرتا ہے۔ لیکن یہ ایک آسمانی امر ہے۔ میرا رب تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ میری بصارت لوٹا دے۔" اس رات کی صبح کو رب تعالیٰ کی ان کی بصرت لوٹا دی۔ قریش نے کہا: "یہ تو محمد عربی ﷺ کا جادو ہے۔" سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں خریدا اور خرید کر آزاد کر دیا۔"

حضرت ام عُمیس رضی اللہ عنہا

یہ بنو زہرۃ کی لونڈی تھیں اسود بن عبد یغوث انہیں اذیتیں دیتا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت نہدیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی لختِ جگر

یہ بنو نہد بن زید کی لونڈی تھیں۔ بنو عبد الدار کی ایک عورت انہیں اذیتیں دیتی تھی۔ وہ انہیں کہتی تھی: ''بخدا! میں تمہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گی یا تمہیں وہ خرید لے جس نے تمہیں صابی بنایا ہے۔'' حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے۔ اس عورت نے انہیں آٹا پسوانے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی: ''بخدا! میں تمہیں کبھی بھی آزاد نہیں کروں گی۔'' حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا: ''ام فلاں! ذرا ترس کرو۔'' اس نے کہا: ''اگر تمہیں زیادہ ترس آرہا ہے تو تم انہیں خرید کر آزاد کر دو۔ بخدا! تم نے ہی انہیں خراب کیا ہے۔'' حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ان کی کیا قیمت ہوگی۔'' اس نے کہا: ''اتنی'' انہوں نے فرمایا: ''میں نے انہیں اتنی رقم میں خرید لیا ہے۔ یہ دونوں آزاد ہیں۔ تم اس کا آٹا واپس کر دو۔'' انہوں نے کہا: ''کیا ہم اس سے فارغ ہو کر آٹا واپس کر دیں یا ابھی واپس کر دیں۔'' انہوں نے فرمایا: ''جیسے تمہاری مرضی۔''

حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ابو عمر نے ان کا تذکرہ ''الدرر'' میں کیا ہے انہیں بھی راہِ خدا میں اذیت دی جاتی تھی۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسے بہت سے غلاموں کو خریدا جنہیں راہِ خدا میں ستایا جاتا تھا۔ ان میں حضرات بلال، عامر بن فہیرہ، ابو فکیھۃ، بنو مؤمل کی لونڈی، نھدیہ اور ان کی نور نظر اور زنیرہ شامل ہیں۔ حاکم نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب ابو قحافہ نے اپنے نور نظر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''نور نظر! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور کمزور غلاموں کو خرید کر آزاد کر رہے ہو۔ اگر تم قوی اور سخت غلاموں کو خرید کر آزاد کرو تو وہ تمہاری معاونت کریں گے اور تمہارا دفاع کریں گے۔'' اس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''والد گرامی! میں انہیں رضائے الٰہی کے حصول کے لیے آزاد کرتا ہوں۔'' اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾ (اللیل ۵،۶)

ترجمہ: ''پھر جس نے (راہ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا۔''

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے حضرت بلال کا تذکرہ کیا ان صحابہ کرام کا تذکرہ کیا جنہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا تھا۔ حالانکہ وہ سخت اذیتوں کا شکار تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق کا نام عتیق تھا۔

جزى الله خيرا عن بلالٍ و صحبه عتيقا و اخزى فا كهاً و اباجهل

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ حضرت بلال اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جزائے خیر دے اور فاکہہ اور ابوجہل کو رسواء کرے۔"

عشية همّا فی بلالٍ و صحبه ... و لم يحذرا ما يحذر المرءُ ذو العقل

ترجمہ: "اس رات انہوں نے حضرت بلال اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ برا ارادہ کیا۔ وہ اس چیز سے نہ ڈرے جس سے صاحب عقل شخص ڈرتا ہے۔"

بتوحيده رب الانام و قوله ... شهدت بان الله ربّی علی مهل

ترجمہ: "کیونکہ انہوں نے رب تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا:"میں اطمینان سے گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ ہی میرا رب ہے۔"

فان تقتلونی تقتلونی و لم اکن ... لا شرك بالرحمان من خيفة القتل

ترجمہ: "اگر تم مجھے قتل کر سکتے ہو تو مجھے قتل کر دو لیکن میں قتل کے خوف سے رب تعالیٰ سے شرک نہیں کروں گا۔"

فيا ربَ ابراهيم و العبد يونس ... و موسی و عيسی نجّنی ثمّ لا تمل

ترجمہ: "اے حضرت ابراہیم کے رب! اے حضرت یونس، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے رب مجھے نجات دے پھر انہیں مہلت نہ دے۔"

لمن ظلّ يهوی العز من آل غالب ... علی غير حق كان منه و لا عدل

ترجمہ: "جس نے آلِ غالب سے عزت چھیننے کی کوشش کی وہ حق پر نہیں ہے اور اس کا یہ معاملہ انصاف پر مبنی نہیں ہے۔"

❀❀❀

سولہواں باب

ہجرتِ حبشہ اولیٰ

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مصائب ملاحظہ کیے۔ آپ کو تو رب تعالیٰ کی طرف سے عافیت حاصل تھی۔ آپ کو اپنے چچا جناب ابو طالب کی تائید بھی حاصل تھی۔ آپ نے ان سے فرمایا: ”کاش! تم سرزمین حبشہ کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسے بادشاہ کی حکومت ہے جس کے پاس کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ وہ سچائی کی سرزمین ہے حتیٰ کہ رب تعالیٰ تمہارے لیے آسائش پیدا فرما دے۔“ اس وقت فتنہ کے خوف سے اور رب تعالیٰ کی طرف اپنا دین بچاتے ہوئے صحابہ کرام حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔ یہ ہجرت بارہ مردوں اور دو عورتوں نے کی۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ہجرت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد دس تھی۔ ابن ہشام نے ان کی تعداد ۱۲ مرد اور ۳ عورتیں لکھی ہیں بعض نے بارہ مرد اور چار عورتیں لکھی ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ مہاجرین ۱۲ مردوں اور پانچ عورتوں پر مشتمل تھے۔ العراقی نے ”الدرر“ میں اسی قول کو یقین کے ساتھ لکھا ہے۔

سب سے پہلے حضرت عثمان غنی اور ان کی رفیقۂ حیات حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وہ پہلی ذات ہیں جنہوں نے اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ ہجرت کی۔ ان کے ہمراہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، ان کی زوجہ محترمہ حضرت سہلۃ بنت سہیل بن عمرو، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، ان کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیۃ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عامر بن ربیعہ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی خثمہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

الطبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ”عمر ہم پر سب سے زیادہ شدت کرتے تھے۔ جب ہم نے سرزمین حبشہ کی طرف جانے کی تیاری کی تو وہ ہمارے پاس آئے۔ میں اپنے اونٹ پر سوار تھی۔ میں جانا ہی چاہتی تھی کہ عمر نے پوچھا: ”ام عبداللہ! کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: ”تم نے ہمیں ہمارے دین میں اتنی اذیتیں دی ہیں ہم رب تعالیٰ کی زمین میں اس جگہ چلے جائیں گے جہاں ہمیں اذیت نہ دی جائے۔“ انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ تمہیں صحیح وسلامت لے جائے“ پھر وہ چلے گئے۔ میرے شوہر محترم آئے۔ میں نے انہیں

حضرت عمر کی رقت کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے کہا: "کیا تم امید رکھتی ہو کہ وہ اسلام لے آئیں گے۔ بخدا! نہیں! وہ اسلام نہیں لائیں گے حتیٰ کہ خطاب کا گدھا بھی اسلام لے آئے۔"

اس مبارک کارواں میں حضرت سہیل بن بیضاء، حضرت ابو سبرہ ابی رھم عامری شامل تھے۔ بعض سیرت نگاروں نے ان افراد کا اضافہ کیا ہے۔ "حضرت ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو حضرت ابو سبرۃ کی زوجہ محترمہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لیکن ابن اسحاق نے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کارواں میں شامل تھے جو دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گیا تھا۔ حضرت ابن ہشام نے لکھا ہے: "ان کے امیر حضرت عثمان بن مظعون تھے۔" لیکن امام زہری نے انکار کیا ہے انہوں نے کہا: "ان کا کوئی امیر نہ تھا۔" یہ مسلمان چوری چھپکے روانہ ہوئے۔ بعض پیادہ اور بعض سوار تھے وہ شعیبیہ کی بندرگاہ تک پہنچے۔ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ تاجروں کی دو کشتیاں آگئیں۔ انہوں نے نصف دینار فی کس کے حساب سے مسلمانوں کو کشتیوں پر سوار کر لیا۔ قریش ان کے تعاقب میں نکلے۔ جب وہ سمندر تک پہنچے تو مسلمان وہاں سے جا چکے تھے۔ وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ پکڑ سکے۔ مسلمانوں نے فرمایا: "ہم سرزمین حبشہ پہنچے۔ اہلِ حبشہ ہمارے لیے بہترین پڑوسی ثابت ہوئے۔ ہمیں اپنے دین پر امن نصیب ہو گیا۔ ہم رب تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔ ہمیں کوئی اذیت نہ دیتا تھا نہ ہی ہمیں کسی ناپسندیدہ بات کو سننا پڑتا تھا۔"

مشرکین کہتے تھے: "کاش! محمد عربی (فداہ روحی) ہمارے معبودوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرتے تو ہم انہیں اور ان کے صحابہ کو امن سے رہنے دیتے لیکن وہ جس برائی کے ساتھ ہمارے معبودوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو اس برائی کے ساتھ یاد نہیں کرتے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کرام کی اذیتیں گراں گزرتی تھیں۔ آپ پر مشرکین کی تکذیب بھی شاق گزرتی تھی۔ ان کی گمراہی آپ کو غمزدہ کر دیتی تھی۔ آپ ان کی ہدایت کے متمنی تھے۔ اتفاق سے ایک دن آپ نے سورۃ النجم تلاوت کی۔ آپ بڑی ترتیل سے قرأت فرماتے تھے۔ جب آپ اس آیت طیبہ تک پہنچے:

أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ﴿٢٠﴾ (النجم ۱۹-۲۰)

ترجمہ: "(اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات وعزیٰ کے بارے میں اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے۔"

شیطان آپ کے سکتہ کی گھات میں تھا۔ اس کے بعد شیطان نے یہ جملہ کہہ دیا: "انھن الغرانیق العلا ان شفاعتھن لترتجی" حتیٰ کہ اسے ان لوگوں نے سن لیا جو آپ کے قریب تھے۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ اس نے یہ قول پھیلا دیا۔ مکہ مکرمہ کے ہر مشرک کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ ان کی زبانوں پر یہ فقرہ چھا گیا۔ وہ خوش ہو گئے انہوں نے کہا: "محمد عربی! (فداہ روحی) ہمارے دین کی طرف واپس لوٹ آئے ہیں۔" جب

آپ نے سورۃ النجم کو ختم کیا تو آپ نے سجدہ کیا۔ ولید بن مغیرہ کے علاوہ ہر مشرک نے سجدہ کیا۔ یہ عمر رسیدہ تھا۔ اس نے مٹھی بھر مٹی لی اور اسی پر سجدہ کیا۔ دونوں فریقوں کو اس پر تعجب ہوا۔ مسلمانوں کو تعجب ہوا کہ مشرکین نے ان کے ہمراہ سجدہ کیا ہے جو کچھ شیطان نے کہا تھا مشرکین اسے نہیں سن سکے تھے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ بن عقبہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔ مشرکین کو حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ یہ فقرہ لوگوں میں پھیل گیا۔ شیطان نے اس کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ یہ بات سرزمین حبشہ تک پہنچ گئی۔ مسلمانوں نے بھی اسے سن لیا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے یہ بات سنی تو آپ پر بہت گراں گزری۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِىٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ‌ۚ فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ ثُمَّ يُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۙ‏ (الحج ۵۲)

ترجمہ: ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیا شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو دخل اندازی شیطان کرتا ہے پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔''

الغرانیق کا یہ قصہ کئی اسناد سے مروی ہے۔ تین اسانید صحیح کی شرائط پر ہیں۔ یہ مراسیل ہیں ان سے وہ استدلال کر سکتا ہے جو مرسل روایت سے دلیل پکڑتا ہے۔ اسی طرح ان سے وہ بھی استدلال کر سکتا ہے جو مرسل روایت سے استدلال نہیں کرتا کیونکہ یہ اسناد ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ پہلی سند میں ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سند کے ساتھ حافظ ضیاء الدین المقدسی نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے دوسری سند میں ابن جریر نے عبد الرحمان بن حارث بن ہشام کا تذکرہ کیا ہے۔ جبکہ تیسری سند میں ابن جریر نے ابو العالیۃ سے روایت کیا ہے۔

الحافظ نے لکھا ہے: ''ابن عربی نے اپنی عادت کے مطابق جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے: ''اس ضمن میں امام طبری نے بہت سی باطل روایات ذکر کی ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں۔ یہ مردود اطلاق ہے۔'' اسی طرح قاضی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے: ''یہ روایت کسی بھی صحیح کے مصنف نے روایت نہیں کی۔ نہ ہی کسی ثقہ راوی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔'' لیکن الحافظ نے لکھا ہے: ''یہ سب کچھ قواعد پر پورا نہیں اترتا جب طرق کثیر ہو جائیں اور ان کے مخارج

متفرق ہو جائیں تو اس امر پر دلالت ہوتی ہے کہ اس قصہ کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔" اس موضوع پر عنقریب تفصیل سے بات ہوگی۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے:

"جب حبشہ میں مسلمانوں تک یہ بات پہنچی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ ولید بن مغیرہ اور ابو حیحہ نے حضور ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "جب انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے تو پھر مکہ مکرمہ میں کافر کون رہا؟ ہمارے قبیلے ہمیں بڑے پسندیدہ ہیں۔ وہ واپس لوٹتے ہوئے عازم سفر ہوئے۔ جب وہ مکہ مکرمہ سے کچھ دور تھے تو وہ بنو کنانہ کے ایک کارواں سے ملے۔ انہوں نے ان سے قریش کے بارے میں پوچھا۔ کارواں نے کہا: "محمد عربی ﷺ نے ان کے معبودان باطلہ کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا تو گروہ نے انکی اتباع کرلی۔ پھر آپ نے رجوع کیا اور معبودانِ باطلہ کو برے الفاظ سے یاد کرنے لگے تو قریش بھی مسلمانوں کے ساتھ برا سلوک کرنے لگے۔ ہم نے انہیں اسی حالت پر چھوڑا ہے۔

مسلمانوں نے باہم مشاورت کی کہ وہ واپس حبشہ لوٹ جائیں۔ پھر کہا: "اب ہم قریب پہنچ چکے ہیں ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں۔ قریش کا سلوک دیکھتے ہیں۔ اپنے اہلِ خانہ سے ملاقات کرتے ہیں۔" پھر واپس چلے جائیں گے۔" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہر کوئی یا تو کسی کی پناہ لے کر داخل ہوا یا چھپ کر۔ وہ تھوڑی سی مدت ہی مکہ مکرمہ ٹھہرے پھر سرزمین حبشہ چلے گئے۔ ۵ ہجری ماہ رجب میں وہ گئے تھے۔ شعبان اور رمضان کا مہینہ وہاں ٹھہرے۔ یہ سجدہ رمضان میں ہوا تھا۔ وہ اسی سال شوال میں واپس آگئے۔ ان میں سے بعض صحابہ کرام حضور ﷺ کے ہمراہ ہی مکہ مکرمہ میں ٹھہرے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ بعض کو روک دیا گیا حتیٰ کہ غزوۂ بدر میں شرکت نہ کرسکے۔ بعض مکہ مکرمہ میں ہی وصال کر گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں داخل ہوئے۔ جب یہ مہاجرین واپس آئے تو ان کی قوم نے ان کے ساتھ شدید رویہ اختیار کیا۔ ان کے قبیلوں نے ان کے ساتھ سختی کی حتیٰ کہ انہوں نے ان سے بہت سی مشکلات کا سامنا کیا۔ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مصائب ملاحظہ کیے۔ وہ ولید کی پناہ میں آجا رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا: "میں ایک مشرک شخص کی امان میں عافیت کے ساتھ آیا اور جا رہا ہوں۔ جبکہ میرے دینی بھائی راہِ خدا میں ایسی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں جو مجھے نہیں پہنچ رہیں۔ یہ مجھ میں بہت بڑا عیب ہے۔ وہ ولید کے پاس گئے۔ انہوں نے فرمایا: "اے ابو عبد شمس! تیرا ذمہ پورا ہوگیا۔ میں تیری پناہ تجھے واپس کرتا ہوں۔" اس نے پوچھا: "میرے بھتیجے! کیوں؟ شاید میری قوم میں سے کسی نے تجھے اذیت دی ہے۔" انہوں نے فرمایا: "نہیں! لیکن میں رب تعالیٰ کی پناہ پر راضی ہوں۔ میں اس کے علاوہ کسی اور کی پناہ کا متمنی نہیں ہوں۔" اس نے کہا: "مسجد میں آؤ اور اعلانیہ میری پناہ واپس کرو۔ جیسے میں نے تمہیں اعلانیہ پناہ دی تھی۔" یہ دونوں مسجد گئے۔ ولید نے کہا: "یہ عثمان ہیں جو میری پناہ واپس کرنے

آئے ہیں۔" حضرت عثمان نے فرمایا: "سچ کہا ہے۔ میں نے اسے باوفا پایا ہے۔ اس کی پناہ بڑی عمدہ تھی لیکن میں پسند کرتا ہوں کہ میں رب تعالیٰ کے علاوہ کسی کی پناہ حاصل نہ کروں۔ میں نے اس کی پناہ واپس کر دی ہے۔" پھر حضرت عثمان چلے گئے۔ لبید بن ربیعہ قریش کی محفل میں اشعار پڑھ رہا تھا (یہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت عثمان ان کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ لبید نے کہا: "الا کل شی ما خلا الله باطل" رب تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز فانی ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا: "تم نے سچ کہا ہے۔" لبید نے کہا: "کل نعیم لا محالة زائل۔" یقیناً ہر نعمت ختم ہونے والی ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا: "تم نے جھوٹ بولا ہے۔ جنت کی نعمتیں ختم نہیں ہوں گی۔" لبید نے کہا: "اے گروہ قریش! پہلے تو تمہارے اس ہم نشین کو اذیت نہیں دی جاتی تھی۔ تم میں یہ واقعات کب سے رونما ہونے لگے ہیں؟ اس قوم کے ایک شخص نے کہا: "یہ ہمارے احمقوں میں سے ایک احمق ہے۔ جو ہمارے دین سے جدا ہو چکے ہیں۔ تم اس کی بات محسوس نہ کرو۔" حضرت عثمان نے اسے جواب دیا: حتیٰ کہ ان کے مابین جھگڑا پھوٹ پڑا۔ ان میں سے ایک شخص اٹھا اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر تھپڑ مار دیا۔ حتیٰ کہ آنکھ نیلی ہو گئی۔ ولید بن مغیرہ پاس ہی کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا: "اے میرے بھتیجے! تمہاری آنکھ ایسے زخموں سے محفوظ تھی۔ تم ایک مضبوط پناہ میں تھے۔" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "بخدا! میری صحیح آنکھ بھی چاہتی ہے کہ اسے بھی اسی طرح اذیت پہنچے جس طرح اس آنکھ کو پہنچی ہے۔ اے ابو عبد شمس! میں اس ذاتِ والا کی پناہ میں ہوں۔ جو بہت زیادہ معزز اور قدرت والی ہے۔" ولید نے کہا: "اے میرے بھتیجے! اگر میری پناہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو دوبارہ حاصل کر لو۔" انہوں نے فرمایا: "نہیں!"

جب جناب ابو طالب نے حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد کو پناہ دی تو بنو مخزوم کے کچھ افراد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا: "ابو طالب! تم نے اپنے بھتیجے محمد عربی (فداہ روحی) کو تو پناہ دے رکھی ہے۔ اب تم نے ہمارے اس صاحب کو کیوں پناہ دی ہے۔" انہوں نے فرمایا: "انہوں نے مجھ سے پناہ مانگی۔ وہ میرے بھانجے ہیں اگر میں بھانجے کو پناہ نہیں دے سکتا تو پھر میں اپنے بھتیجے کو بھی پناہ نہیں دے سکتا۔" ابولہب اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا: "اے گروہ قریش! تم نے اس بزرگ کو بہت زیادہ ستا لیا ہے۔ جو شخص ان کی پناہ میں آجاتا ہے تم اس پر سختیاں کرنے لگتے ہو۔" بخدا! تمہیں اس سے رکنا ہو گا۔ ورنہ میں ان کے ہمراہ ہر اس جگہ کھڑا ہوں گا جہاں یہ کھڑے ہوں گے۔ حتیٰ کہ وہ اس مقصد کو حاصل کر لیں جو ان کا ارادہ ہے۔" انہوں نے کہا: "اے ابو عتبہ! جو امر تجھے ناپسندیدہ ہو گا۔ ہم اس سے اجتناب کریں گے۔" ابولہب کفار کا سب سے بڑا حمایتی اور مددگار تھا۔ انہوں نے اسے اسی پر باقی رکھا۔ جب جناب ابو طالب نے ابولہب کی یہ بات سنی تو انہوں نے اس امید پر یہ اشعار کہے کہ شاید ابولہب ان کی اور حضور ﷺ کی نصرت کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ انہوں نے کہا:

ان امرءً ا ابو عتبه عمهٗ لفی روضة ما ان یسام المظالما

ترجمہ: "وہ شخص جس کا چچا ابوعتبہ ہو وہ ایسے گلشن میں ہوتا ہے کہ اس پر ستم نہیں ڈھایا جا سکتا۔"

اقول له و این منه نصیحتی ابا معتب ثبت سوادك قائما

ترجمہ: "میں اسے کہتا ہوں لیکن اس پر میری نصیحت اثر نہیں کرتی کہ ابومعتب اپنی قوم کے اتفاق کو محکم کر۔"

و لا تقبلن الدھر ما عشت خطّةً تسب بها اما هبطت المواسما

ترجمہ: "جب تک تو زندہ ہے تو کسی ایسی شئی کو قبول نہ کر جس کی وجہ سے تجھ پر ہر اس محفل میں عیب لگایا جائے جس میں تو جائے۔"

و ولّ سبیل العجز غیرك منهم فانك لم تخلق علی العجز لازما

ترجمہ: "اپنے علاوہ دوسری کے لیے انکساری کی راہ چھوڑ دے تجھے عاجزی کے رستہ پر برقرار رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔"

و حارب ان الحرب نصف و لن تری اخا الحرب یعطی الخسف حتی یسالما

ترجمہ: "راہِ جنگ اپنا۔ بلاشبہ جنگ انصاف لینے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ جنگجو رسوا نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس کے ساتھ صلح کر لی جاتی ہے۔"

و کیف و لم یجنو علیك عظیمة و لم یخذلوك غانماً او مغارِماً

ترجمہ: "تو اپنی قوم سے جدا کیوں ہوتا ہے حالانکہ اس نے تجھ پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا۔ نہ ہی تجھے مال غنیمت یا تاوان کی حالت میں رسوا کیا۔"

جزی الله عنا عبد شمس و نوفلا جماعتنا کما ینالوا المحارما

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ عبد شمس، نوفل ان کے گناہوں اور خطاؤں کی سزا دے۔"

کذبتم و بیت الله نبزی محمدا و لما تروا یوماً لدا الشعب قائما

ترجمہ: "تم نے جھوٹ بولا ہے کہ محمد عربی ﷺ کو ہم سے چھین لیا جائے گا حالانکہ تم نے وہ دن دیکھا ہی نہیں جس دن شعب کے پاس شمشیر زنی ہو گی۔"

تنبیہات

1. ابن اسحاق کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ مہاجرین حبشہ اس وقت واپس آئے جب انہوں نے ہجرت اولی کے

مہاجرین کے خروج کا تذکرہ کیا اس میں حضرت جعفر طیار اور ان کے ساتھیوں کا تذکرہ کیا پھر یہ تذکرہ کیا کہ مہاجرین حبشہ تک اہل مکہ کے اسلام کی خبر پہنچ گئی اور انہوں نے یہ خبر قبول کر لی...... انہوں نے تذکرہ کیا ہے کہ واپس آنے والوں میں حضرات عثمان غنی، ابو حذیفہ، سہلہ بنت سہیل، عبداللہ بن جحش، عتبہ بن غزوان، زبیر بن عوام، مصعب بن عمیر، سویبط بن سعد، طلیب بن عمر، عبدالرحمان بن عوف، عبداللہ بن مسعود، ابوسلمہ، ام سلمہ، شماس بن عثمان، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ربیعہ، عمار بن یاسر (ان کے بارے میں انہیں شک ہے) معتب بن عوف، عثمان بن مظعون، سائب بن عثمان، حضرت عثمان کے بھائی قدامہ اور عبداللہ، خنیس بن خزافہ، ہشام بن عاصی، عامر بن ربیعہ، لیلیٰ بنت ابی خثمہ، عبداللہ بن مخرمۃ، عبداللہ بن سہیل بن عمرو، ابوسبرہ، ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو، سکران بن عمرو، سودہ بنت زمعہ، سعد بن خولہ، ابوعبیدہ بن جراح، عمرو بن حارث۔ سہیل بن بیضاء اور عمرو بن ابی سرح رضی اللہ عنہم۔

پھر انہوں نے لکھا ہے: ''جو مہاجرین زمین حبشہ سے مکہ مکرمہ پہنچے ان کی تعداد ۳۳ تھی۔ موسیٰ بن عقبہ نے ذکر کیا ہے کہ جو مہاجرین پہلے سبب کی وجہ سے حبشہ سے واپس آئے تھے وہ اولین مہاجرین تھے۔ طبقات، عیون، اشارہ، مورد میں یہی صراحت موجود ہے۔

- حضرت موسیٰ بن عقبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھوڑی سی مدت ہی مکہ مکرمہ میں ٹھہرے پھر وہ حبشہ چلے گئے لیکن زاد المعاد میں ان کا تعاقب کیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے چار یا پانچ سال بعد آئے تھے۔ انہوں نے تفصیل سے اسی موضوع پر لکھا۔ انہوں نے اس دوسری ہجرت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بھی کیا ہے ایک جماعت کا تذکرہ کیا ہے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئی تھی۔ یا تو یہ وہم ہے یا غزوۂ بدر سے قبل ایک اور گروہ وہاں سے آیا تھا اس طرح مہاجرین کے تین گروہ وہاں سے آئے تھے۔ (۱) ہجرت مدینہ سے قبل (۲) غزوۂ بدر سے قبل (۳) غزوۂ خیبر کے وقت۔ (بلاشبہ یہی قول درست ہے۔ اس سے سارے اشکال ختم ہو جاتے ہیں۔)

✿✿✿

سترھواں باب

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہجرت حبشہ اولی کے بعد اسلام قبول کیا۔ "الزھر" میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ذوالحجۃ کے ماہ مبارک میں اسلام قبول کیا۔ بعثت کا چھٹا سال تھا ان کی عمر چھبیس سال تھی۔ ابن سعد نے اس روایت کو حضرت ابن مسیب سے روایت کیا ہے۔ ابن جوزی نے پانچ ہجری کو ان کے اسلام قبول کرنے کا سال مقرر کیا ہے۔ ابونعیم نے لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین روز بعد اسلام قبول کیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس تھی۔ ابن سعد نے حضرت ابن مسیب سے یہی تعداد نقل کی ہے۔ اسحاق بن بشر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس وقت مرد مسلمانوں کی تعداد ۹۹ تھی جبکہ خواتین کی تعداد بیس تھی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔ "الزہر" میں ہے شاید یہی قول درست ہے کیونکہ ابن اسحاق کا مؤقف ہے کہ اس وقت حبشہ میں ۶۳ مہاجرین تھے۔

میں کہتا ہوں: "ابن اسحاق نے ان مسلمانوں کا ذکر کیا تھا جنہوں نے دوسری بار ہجرت کی تھی جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان دو ہجرتوں کے مابین اسلام قبول کیا تھا۔ جیسے کہ حضرت ابن عباس کا قول گزر چکا ہے چالیس سے زائد مسلمانوں کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اسحاق بن بشر کذاب تھا یہ احادیث گھڑ لیتا تھا۔ اس کی روایت ثقہ افراد کی روایت کے مقابلہ میں نہیں آسکتی۔

حضرت عمر فاروق کے اسلام لانے کے متفرق اسباب بیان کیے گئے ہیں جیسا کہ ابھی تذکرہ آئے گا۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ ابن اسحاق، ابن سعد، ابویعلی، حاکم نے حضرت انس سے، بزار، الطبرانی نے حضرت اسلم سے اور ابونعیم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ حضرت اسلم نے ان سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "کیا میں تم سے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان نہ کروں۔" ہم نے کہا: "ضرور! انہوں نے فرمایا: "میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سخت عداوت رکھتا تھا۔ ایک دن میں ابوجہل یا شیبہ بن ربیعہ کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا۔ ابوجہل نے کہا: "اے گروہ قریش! محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے معبودانِ باطلہ کو برا بھلا کہتے ہیں ہماری عقلوں کو نادان کہتے ہیں۔ ہمارے گزشتہ آباء کو آگ کا ایندھن کہتے ہیں۔ سنو! جس نے محمد عربی کو شہید کر دیا میں اسے ایک سو سرخ و سیاہ اونٹ دوں گا۔ میں اسے ایک ہزار اوقیہ چاندی

دوں گا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں تلوار حمائل کر کے نکلا...... میں ترکش لٹکائے ہوئے تھا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ میں ایک بچھڑے کے پاس سے گزرا۔ لوگ اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیے ہوتے تھے۔ میں کھڑا ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ بچھڑے کے پیٹ سے ایک ہاتف چیخ رہا تھا۔ اے ذریح! ایک فصیح شخص بلیغ زبان میں بلا رہا ہے۔ وہ اس گواہی کی طرف بلا رہا ہے لا اله الا الله محمد رسول الله "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اس امر کا ارادہ تو صرف میں ہی کیے ہوئے ہوں۔" پھر میں ایک بکری کے پاس سے گزرا۔ وہاں ہاتف غیبی نے یہ اشعار پڑھے:

يا ايها الناس ذو الاجسام　　　ما انتم و طائش الاحلام

ترجمہ: "میں نے سوچا: "بخدا! صرف میں ہی اس امر کا ارادہ کیے ہوئے ہوں۔ پھر میں ضمار بت کے پاس سے گزرا۔ اس کے پیٹ سے ہاتف کی آواز آ رہی تھی۔"

ترك الضمار كان يعبد مرّةً　　　قبل الصلاة مع النبى محمد

ترجمہ: "اب ضمار کو ترک کر دیا گیا ہے حالانکہ کافی مدت تک اس کی پوجا ہوتی رہی تھی۔ اس وقت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز نہیں پڑھی گئی تھی۔"

ان الذى ورث النبوة و الهدٰى　　　بعد ابن مريم من قريش مهتدى

ترجمہ: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جو ذات والا نبوت اور ہدایت کی والی بنی وہ قریش میں سے ہدایت یافتہ ہے۔"

سيقول من عبد الضمار و مثله　　　ليث الضمار و مثله لم يعبد

ترجمہ: "عنقریب وہ لوگ جنہوں نے ضمار کی پوجا کی تھی وہ اور ان جیسے دوسرے لوگ کہیں گے کہ کاش! اس کی عبادت نہ کی جاتی۔"

واصبرا باحفص فانك امروء　　　يأتيك غير غرّ بنى عدى

ترجمہ: "ابو حفص! صبر کرو! آپ ایسے فرد ہیں جن کے پاس ایسی عزت آئے گی جو بنو عدی کی عزت کے علاوہ ہوگی۔"

لا تعجلن فانت ناصر دينه　　　حقا يقينًا باللسان و باليد

ترجمہ: "تم جلدی نہ کرو! تم ان کے دین کی نصرت کرنے والے ہو۔ تم یقیناً زبان اور ہاتھ کے ساتھ ان کی مدد کرو گے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! میں جانتا تھا کہ اس نے بھی میرا ہی ارادہ کیا ہے۔ پھر مجھے ایک شخص

ملا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے: "وہ حضرت نعیم بن عبداللہ النحام تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ اپنی قوم کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا: "ابن خطاب! کہاں جا رہے ہو؟" میں نے کہا: "میں اس صابی کا ارادہ کیے ہوئے ہوں جس نے قریش کے امر کو متفرق کر دیا ہے۔ اس کی عقل کو نادان کہا ہے۔ اس کے دین میں عیوب نکالتا ہے اس کے معبودان کو برا بھلا کہتا ہے میں اس کا کام تمام کرنے جا رہا ہوں۔" حضرت نعیم نے ان سے کہا: "اے عمر! بخدا! تمہیں تمہارے نفس نے دھوکا میں ڈال رکھا تھا۔ کیا بنو عبد مناف تمہیں زمین پر چلتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔ کیا تم اپنے اہل خانہ کے پاس نہیں جاتے اور ان کا معاملہ درست نہیں کرتے۔" حضرت عمر فاروق: میرے کون سے گھر والے؟ حضرت نعیم: تمہاری بہنوئی سعید بن زید اور تمہارے بہن فاطمہ بنت خطاب نے اسلام قبول کر لیا ہے انہوں نے محمد عربی ﷺ کی اتباع کر لی ہے۔" حضرت نعیم نے یہ صرف اس لیے کہا تھا تاکہ عمر حضور اکرم ﷺ کو اذیت دینے سے رک جائیں۔ عمر فاروق اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف واپس لوٹ آئے۔

حضور اکرم ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ اگر کوئی ایسا شخص اسلام قبول کر لیتا جس کے پاس کچھ نہ ہوتا تو آپ ایک یا دو افراد کو ایسے آدمی کے ساتھ ملا دیتے جو ان کے لیے خرچ کرتے، آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دو افراد کو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملایا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دروازہ پر دستک دی۔ ان کے پاس حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے پاس صحیفہ تھا جس میں سورت "طٰہٰ" تھی۔ وہ ان دونوں کو یہ سورت پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے حضرت عمر فاروق کی آہٹ سنی تو حضرت خباب کمرہ میں چھپ گئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفہ لیا اور اسے اپنی ران کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عمر نے حضرت خباب کی قرات سن لی تھی۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے کہا: "یہ کون سی آواز ہے جو میں نے ابھی سنی ہے؟ ان میاں بیوی نے کہا: "تم نے کچھ بھی نہیں سنا۔" حضرت عمر فاروق: میں نے آواز سنی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دونوں نے محمد عربی ﷺ کی اتباع کر لی ہے۔" انہوں نے حضرت سعید بن زید کو پکڑ لیا۔ ان کی بہن اپنے شوہر کو چھڑانے کے لیے اٹھیں تو انہوں نے انہیں بھی مارا اور زخمی کر دیا۔ اس وقت ان دونوں نے کہا: "ہاں! ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ہم رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں۔ تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔" جب حضرت عمر نے اپنی بہن کا خون دیکھا تو بہت نادم ہوئے۔ انہوں نے اپنی بہن سے کہا: "مجھے وہ صحیفہ دو جسے میں نے تمہیں ابھی ابھی پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ ذرا میں دیکھوں کہ محمد عربی کس پیغام کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔" حضرت عمر فاروق پڑھ اور لکھ سکتے تھے۔ ان کی بہن نے کہا: "ہمیں خدشہ ہے کہ تم اس کی بے ادبی کرو گے۔" انہوں نے کہا: "یہ خدشہ نہ رکھو۔" انہوں نے اپنے معبودوں کی قسمیں اٹھائیں کہ اسے پڑھ کر واپس کر دیں گے۔ جب انہوں نے اتنی بات کی تو حضرت فاطمہ نے سوچا کہ شاید عمر اسلام لے آئیں۔ انہوں نے کہا: "بھائی! تم اپنے شرک کی وجہ سے ناپاک ہو

اسے صرف پاکیزہ فرد ہی چھو سکتا ہے۔" حضرت عمر اٹھے: غسل کیا ان کی بہن نے انہیں صحیفہ دیا۔ اس میں سورت "طٰہٰ" تھی۔ جب انہوں نے اس کا ابتدائی حصہ پڑھا تو کہا: "یہ کلام کتنا عمدہ اور معزز ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے "بسم اللہ الرحمان الرحیم" پڑھی تو اس کے مادہ اشتقاق پر غور کیا۔ پھر انہوں نے یہ آیت طیبہ پڑھی:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① (الحدید ۱)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہہ رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب اور دانا ہے۔"

حتیٰ کہ وہ اس آیت طیبہ تک پہنچ گئے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۚ (الحدید ۷)

ترجمہ: "ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس کی راہ میں ان مالوں سے جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا۔"

انہوں نے کہا:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد أن محمداً رسول الله۔

جب حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے یہ شہادت سنی تو کمرہ سے باہر نکل آئے۔ کہا: "عمر! بخدا! مجھے امید تھی کہ رب تعالیٰ تمہیں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے مخصوص فرما دے گا۔ میں نے کل سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگ رہے تھے: "مولا! ابو الحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کی نصرت فرما۔

اللہ! اللہ یا عمر!

مجاہد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں اسلام سے بہت دور تھا۔ میں زمانہ جاہلیت میں شراب پیتا تھا۔ عمر بن عبد عمران کے گھروں کے نزدیک حزورہ کے نزدیک ہماری محفل سجتی تھی۔ میں ایک رات اپنے دوستوں کے پاس جانے کے لیے نکلا۔ وہ اسی محفل میں ہوتے تھے۔ میں وہاں پہنچا تو میں نے وہاں کسی کو نہ پایا۔ میں نے دل میں کہا: "ہوسکتا ہے کہ میں فلاں شراب فروش کے پاس جاؤں تو میں اس کے پاس شراب پالوں اور میں اسے پی لوں۔ میں باہر نکلا لیکن میں نے اسے بھی نہ پایا۔ میں نے دل میں کہا: "کاش! میں خانہ کعبہ کی طرف جاؤں۔ اس کا طواف کروں" میں مسجد حرام میں آیا۔ میں خانہ کعبہ کا طواف کرنا چاہتا تھا۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے۔ جب آپ نماز ادا کرتے تھے تو شام کی طرف رخ انور کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کو اپنے اور شام کے مابین رکھتے تھے آپ رکن یمانی اور حجر اسود کے مابین نماز پڑھتے تھے۔ میں نے دل میں کہا: "بخدا! میں آج رات محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت سنوں گا۔ میں سنوں گا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔" میں نے کہا: "اگر میں اس طرح آپ کے سامنے گیا تو ہو

سکتا ہے کہ میں آپ کو ڈرادوں۔" میں حجر اسود کی طرف سے آیا۔ میں خانہ کعبہ کے پردوں کے پیچھے چھپ گیا۔ میں آہستہ آہستہ چلتا گیا حضور اکرم ﷺ کھڑے ہو کر نماز ادا فرما رہے تھے۔ میں آپ کی قبلہ کی سمت کھڑا ہو گیا میرے اور آپ کے مابین صرف خانہ کعبہ کا غلاف تھا۔ جب میں نے قرآن پاک سنا تو میرے دل میں رقت پیدا ہو گئی میں رونے لگا۔ اسلام میرے اندر داخل ہو گیا۔ میں اسی جگہ کھڑا رہا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اپنی نماز مکمل کی۔ آپ واپس لوٹ آئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا حتیٰ کہ آپ حضرت عباس اور ابن ازہر کے گھروں کے مابین پہنچ گئے تو میں نے آپ کو جالیا جب آپ نے میری آہٹ سنی تو مجھے پہچان لیا۔ آپ نے گمان کیا کہ شاید میں آپ کو اذیت دینے کے لیے آپ کے تعاقب میں ہوں۔ آپ نے مجھے جھڑکا پھر فرمایا: "ابن خطاب! اس وقت کس لیے آئے ہو؟" میں نے عرض کی: "میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مکرم ﷺ اور پیغام حق پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ جو اس کی طرف سے آیا ہے۔ آپ نے رب تعالیٰ کی حمد بیان کی۔ پھر فرمایا: "ابن خطاب! رب تعالیٰ نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی ہے۔" پھر آپ نے میرے سینہ پر اپنا دست اقدس پھیرا۔ میرے لیے ثابت قدمی کی دعا کی۔ پھر میں واپس آگیا۔ حضور ﷺ بھی اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔

ایک اور روایت میں ہے: "جب حضرت خباب نے حضرت عمر سے کہا: "یا عمر! اللہ، اللہ! اس وقت حضرت عمر نے کہا: "خباب! محمد عربی ﷺ تک میری راہ نمائی کریں حتیٰ کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلوں۔" انہوں نے کہا: "آپ اپنے گھر کوہِ صفا کے پاس ہیں۔ آپ کے ہمراہ آپ کے صحابہ کرام بھی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار لی اسے حمائل کیا۔ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ دروازہ پر دستک دی۔ جب صحابہ کرام نے ان کی آواز سنی تو ایک صحابی اٹھے انہوں نے دروازہ کے شگاف میں سے دیکھا۔ وہ گھبرا کر واپس آگئے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! یہ عمر ہیں جو اپنی تلوار حمائل کیے ہوئے ہیں۔" حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "اسے آنے دو اگر اس نے بھلائی کا ارادہ کیا تو ہم بھی اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کریں گے۔ اگر اس نے برائی کا ارادہ کیا تو ہم اسی کی تلوار کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیں گے۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "اسے آنے دو۔ اگر رب تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا تو وہ اسے ہدایت دے گا۔" ایک شخص نے دروازہ کھولا۔ دو افراد نے عمر کو پکڑا حتیٰ کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو، اسے چھوڑ دو۔" حضور ﷺ اٹھ کر ان کی طرف آئے حتیٰ کہ حجرہ میں ان سے ملاقات کی۔ ان کی چادر کے دامن کو پکڑ کر زور سے کھینچا پھر فرمایا: "عمر! کس ارادہ سے آئے ہو؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم باز نہیں آؤ گے حتیٰ کہ رب تعالیٰ کا عذاب تم پر نازل ہو جائے۔" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔" حضور ﷺ نے باآواز بلند تکبیر کہی جس سے ان تمام صحابہ کرام کو علم ہو گیا جو اس گھر میں تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ انہوں نے بھی تکبیر کہی جس سے مکہ مکرمہ کی

گلیاں گونج اٹھیں۔ وہ منتشر ہو گئے۔ انہوں نے خود کو محفوظ سمجھ لیا کیونکہ اب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اسلام لا چکے تھے۔ انہیں علم ہو گیا تھا کہ اب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کریں گے اور وہ بھی ان کی وجہ سے دشمن سے محفوظ ہوں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ اشعار کہے:

الحمد لله ذی المنّ الّذِی وجبت   له علینا ایادٍ کلها عبرٌ

ترجمہ: "ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں جو احسان فرمانے والا ہے اس کی وجہ سے ہم پر ایسے احسانات ہوئے جن کا بدل نہیں

و قد بدأنا فکذبنا فقال لنا   صدق الحدیث نبیّ عنده الخبر

ترجمہ: "ابتداء میں ہم نے آپ کو جھٹلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سچی بات بتائی۔ آپ کے پاس غیب کی خبریں ہیں۔"

و قد ظلمت ابنة الخطاب ثم هدی   ربّی و قالوا جمیعا قدصبا عمر

ترجمہ: "میں نے خطاب کی بیٹی پر ظلم کیا۔ پھر اسی رات رب تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی۔ لوگوں نے کہا کہ عمر صحابی ہو گیا ہے۔"

و قد ندمت علی ما کان من زللي   بظلمها حین تتلی عندها السور

ترجمہ: "مجھ سے جو خطاء ہوئی تھی اس پر مجھے ندامت تھی۔ حالانکہ اس کے پاس سورتیں تلاوت کی جا رہی تھیں۔"

لما دعت ربّها ذالعرش خالقها   و ان احمد فینا الیوم مشتهر

ترجمہ: "جب اس نے عرش والے خالق کو پکارا۔ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں بہت مشہور ہیں۔"

نبی صدق اتی بالحق من ثقةٍ   و افی الامانة ما فی عوده خور

ترجمہ: "وہ سچے نبی ہیں جو حق کے ساتھ رب تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ آپ وعدہ کو پورا کرنے والے ہیں۔ آپ کی عود میں کوئی کمزوری نہیں ہے۔"

ابن اسحاق نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جس رات میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے یاد کیا کہ اہل مکہ میں سے سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن کون ہے؟ حتیٰ کہ میں اس کے پاس جاؤں اور اسے بتاؤں کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔" میں نے دل میں کہا کہ ابو جہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے شدید دشمن ہے۔ میں وقتِ صبح اس کے پاس گیا۔ اس کے دروازے پر دستک دی۔ ابو جہل باہر نکلا اس نے کہا: "میرے بھانجے! تمہیں خوش آمدید! صبح صبح کس لیے آئے ہو؟ میں نے کہا: "میں اس لیے آیا

ہوں تاکہ تمہیں بتا دوں کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں۔ میں نے پیغام حق کی تصدیق کر دی ہے۔" اس نے میرے چہرہ پر دروازہ مارا۔ اس نے کہا: "رب تعالیٰ تجھے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اسے برباد کرے۔"

صحیح سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے کہا: "قریش سے سب سے زیادہ تیزی سے باتیں کون پھیلاتا ہے؟ انہیں بتایا گیا: "جمیل بن معمر الجمحی" وہ ان کے پاس گئے۔ حضرت عبد اللہ نے فرمایا: "میں بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا تاکہ میں دیکھوں کہ وہ کیا کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس کے پاس آئے۔ انہوں نے فرمایا: "اے جمیل! کیا تجھے علم ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں نے محمد عربی ﷺ کا دین اختیار کر لیا ہے۔" جونہی انہوں نے یہ بات کی وہ اپنی چادر گھسیٹتا ہوا اٹھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے پیچھے تھے میں اپنے والد گرامی کے پیچھے پیچھے تھا۔ حتیٰ کہ وہ مسجد حرام کے دروازے کے پاس کھڑا ہوا۔ اس نے کہا: "اے گروہ قریش! ابن خطاب صابی بن گیا ہے۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیچھے سے کہا: "اس نے جھوٹ بولا ہے بلکہ میں نے تو اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں نے یہ گواہی دی ہے کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں محمد عربی ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔" سارے قریش ان پر جھپٹ پڑے۔ وہ ان کے ساتھ لڑتے رہے حتیٰ کہ سورج ان کے سروں پر آ گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ وہ ان کے سروں پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جو چاہو کر لو۔ بخدا! جب ہماری تعداد تین سو ہو جائے گی تو پھر یا تو تم ہمارے لیے اس شہر کو خالی کر دو گے یا پھر ہم کہیں چلے جائیں گے۔" وہ اس حالت پر تھے کہ قریش کا ایک بزرگ رسیدہ شخص ان کے پاس آیا اس نے یمنی چادر اور منقش حلہ پہن رکھا تھا۔ وہ ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پوچھا: "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا: "عمر صابی ہو گیا ہے۔" اس نے کہا: "رک جاؤ۔ ایک آدمی نے اپنے آپ کے لیے ایک امر پسند کیا ہے تم اس سے کیا چاہتے ہو؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ بنو عدی تمہارا یہ صاحب، تمہارے سپرد کر دیں گے۔ اس لیے اس کا رستہ چھوڑ دو۔ گویا کہ وہ کپڑا تھے جو ان سے فوراً جدا ہو گئے۔ ہجرت مدینہ طیبہ کے بعد میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا: "والد گرامی! وہ شخص کون تھا جس نے لوگوں کو اس روز آپ سے دور کیا تھا۔ جس روز آپ نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ سے لڑ رہے تھے۔" انہوں نے فرمایا: "نور نظر! وہ عاصی بن وائل تھا۔ وہ حالت شرک پر مرا تھا۔"

امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ عاصی ان کے پاس آیا اس نے یمنی چادر پہن رکھی تھی۔ ریشمی حلہ پہن رکھا تھا۔ اس نے پوچھا: "کیا ہوا ہے؟" انہوں نے فرمایا: "تمہاری قوم گمان کرتی ہے کہ وہ مجھے عنقریب قتل کر دے گی کیونکہ میں نے اسلام قبول کر لیا

ہے۔" عاصی نے کہا: "کوئی شخص آپ تک نہیں آسکتا۔ آپ امن سے رہیں۔" عاصی باہر نکلا۔ وہ لوگوں سے ملا۔ ان کا اژدہام جمع ہو چکا تھا۔ اس نے پوچھا: "کہاں جا رہے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "ہم ابن خطاب کے ارادہ سے نکلے ہیں۔ وہ صابی ہوگیا ہے۔" عاصی نے کہا: "تم اس تک نہیں جاسکتے۔" لوگ راستہ ہی سے واپس آگئے۔ امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہو گئے تو ہم غالب ہی رہے۔" ان سے ہی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "بخدا! ہم میں ظاہری طور پر خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کی طاقت نہ تھی حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔ ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو حضرت جبرائیل نازل ہوئے۔ انہوں نے عرض کی: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! آسمان والے حضرت عمر فاروق کے اسلام لانے کی خوشیاں منا رہے ہیں۔"

. امام احمد، امام ترمذی اور ابن حبان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی: "مولا! ان افراد میں سے جو تجھے پسند ہے ان کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔ ابوجہل یا عمر بن خطاب۔" رب تعالیٰ کے حضور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پسندیدہ تھے۔

✿✿✿

اٹھارواں باب

شعب ابی طالب میں محصوری

ابو الاسود، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب قریش نے دیکھا کہ صحابہ کرام حبشہ چلے گئے ہیں۔ وہ وہاں امن و سکون سے رہ رہے ہیں نجاشی نے بھی انہیں پناہ دے رکھی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک بہادر شخص تھے۔ ان کی وجہ سے صحابہ کرام محفوظ ہو گئے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے حتیٰ کہ حضرت حمزہ اور صحابہ کرام قریش پر غالب آنے لگے۔ اسلام قبائل میں پھیلنے لگا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے پر اتفاق کر لیا۔ انہوں نے کہا: ”اس شخص نے ہمارے بیٹوں اور خواتین کو خراب کر دیا ہے۔“ انہوں نے لوگوں سے کہا: ”ہم سے کئی گنا دیت لے لو اور قریش کے علاوہ اور کوئی شخص ان کو شہید کر دو۔ ہمیں بھی سکون دو۔ خود کو آرام پہنچاؤ لیکن آپ کی قوم نے انکار کر دیا۔ بنو مطلب نے بھی بنو ہاشم کی مدد کی۔ جب قریش کو پتہ چل گیا کہ آپ کی قوم نے آپ کو تحفظ فراہم کر دیا ہے تو قریش میں سے مشرکین نے اتفاق کر لیا کہ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کو گھاٹی کی طرف نکل جانے پر مجبور کریں۔ انہوں نے اس امر پر بھی اتفاق کیا کہ وہ ایک عہد نامہ لکھیں جس میں یہ طے کریں کہ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کو نہ رشتہ دیں گے نہ ہی ان سے رشتہ لیں گے۔ نہ ان سے کچھ خریدیں گے نہ ہی انہیں کچھ فروخت کریں گے۔ نہ ان سے صلح کریں گے نہ ہی ان کے بارے میں دل میں رقت پیدا ہو گی حتیٰ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حوالے کر دیں تاکہ وہ آپ کو شہید کر دیں۔“ قریش نے اس معاہدہ پر اتفاق کیا پھر ایک عہد نامہ رقم کیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس تحریر کو منصور بن عکرمہ نے لکھا تھا۔ ابن ہشام نے کاتب کا نام نضر بن حارث تحریر کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بددعا فرمائی تو اس کی بعض انگلیاں شل ہو گئیں۔ بعض سیرت نگاروں نے بغیض بن عامر کا نام لکھا ہے۔ اس کا ہاتھ بھی مفلوج ہو گیا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے ہشام بن عمرو کا نام لکھا ہے۔ بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان سارے اقوال کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ امکان ہے کہ ان سب نے مختلف نسخے تحریر کیے ہوں۔

پھر انہوں نے یہ عہد نامہ خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا تاکہ ان کے نفس اس پر محکم رہیں۔ انہوں نے بنو ہاشم کے لیے بازاروں کے رستے بند کر دیے۔ وہ کسی کھانے، پینے اور خرید و فروخت ہونے والی چیز کو نہ چھوڑتے مگر اس کی طرف جلدی سے جاتے اور اسے فوراً خرید لیتے۔ جب قریش نے یہ اذیت ناک سلوک دیکھا تو بنو ہاشم اور بنو مطلب جناب ابو طالب کے

پاس گئے ان کے مؤمن اور کافران کے ہمراہ شعب ابی طالب میں داخل ہو گئے۔ مؤمن از روئے دین جبکہ کافر حمیت کی وجہ سے وہاں چلا گیا۔ بنو ہاشم میں سے ابولہب قریش کی جانب چلا گیا اس نے قریش کی مدد کی۔ جب یہ اپنی قوم سے جدا ہوا تو ہند بنت عتبہ اسے ملی۔ اس نے کہا: "عتبہ کی بیٹی! جب میں نے لات وعزیٰ کو چھوڑنے والوں کو چھوڑ دیا ہے اور ان کی مدد کی ہے تو کیا میں نے لات وعزیٰ کی نصرت نہیں کی؟ اس نے کہا: "ہاں! ابو عتبہ! اللہ تجھے جزائے خیر دے۔"

علامہ بلاذری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت تحریر کی ہے انہوں نے فرمایا: ہم تین سال تک گھاٹی میں محصور رہے۔ کھانے پینے کا سامان بھی ہم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک شخص نفقہ لے کر نکلتا وہ اس سے خرید نہ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ واپس آجاتا۔ حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو گیا جو ہلاک ہو گیا۔"

قریش کا یہ اذیت ناک اور سنگ دلانہ سلوک دیکھ کر جناب ابو طالب نے یہ اشعار کہے:

الا ابلغا عنّی علی ذات بیننا لؤیًّا و خصامن لؤی بنی کعب

ترجمہ: "ہمارے آپس میں جو عمدہ تعلقات ہیں ان کی وجہ سے بنو لؤی کو یہ پیغام پہنچا دو۔ ان میں بنو کعب کو یہ پیغام پہنچا دو۔"

الم یعلموا انا وجدنا محمدا نبیًّا کموسی خط فی اوّلِ الکتبِ

ترجمہ: "کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی طرح کا نبی پایا ہے جن کا تذکرہ سابقہ کتب میں ہے۔"

و ان علیه فی العباد محبّةً وَ لَا خیر ممن خصّه الله بالحبِّ

ترجمہ: "لوگوں میں ان کے بارے میں پیار کے جذبات ہی پائے جاتے ہیں۔ اس بھلائی سے زیادہ کوئی بھلائی نہیں جسے رب تعالیٰ محبت کے لیے مختص کرے۔"

و ان الذی لصقتم فی کتابکم حکم کائن نحسا کراغیة السقبِ

ترجمہ: "جو عہد نامہ تم نے خانہ کعبہ کے اندر لٹکایا ہے وہ تمہارے لیے اسی طرح منحوس ہو گا۔ جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے بچے کی آواز تھی۔"

افیقوا افیقوا قبل ان یحفر الثری و یصبح من لم یجن دنبا کذی ذنبِ

ترجمہ: "جاگ جاؤ! جاگ جاؤ۔ اس سے پہلے کہ مٹی کو کھودا جائے اور بے گناہ بھی گناہ گار کی طرح ہو جائے۔"

و لا تتبعوا امرا لو شاةِ و تقطعوا او امرنا بعد المودّة و القربِ

ترجمہ: "چغل خوروں کی پیروی نہ کرو۔ اس طرح تم محبت اور مؤدت کے بعد تعلقات منقطع کر دو گے۔"

و تسلجبوا جربا عواناً و ربّما امرّ علی من ذاقه حلب الحرب

ترجمہ: "جنگ کو چکھنے کی آرزو لگاتار نہ کرو۔ اسے جس نے بھی چکھا اسے اس کا ذائقہ کڑوا ہی لگا۔"

فلسنا و رب البیت نسلم احمد لعزّاء من عضّ الزّمانِ و لا رَبِ

ترجمہ: "خانہ کعبہ کی قسم ہم زمانہ کی تکالیف یا مصائب سے ڈر کر حضور اکرم ﷺ کو تمہارے سپرد نہیں کریں گے۔"

و لمّا تبن منا و منکم سو الف و ایدٍ اثرت بالقساسیة الشهب

ترجمہ: "نہ تو ابھی تک تمہاری اور ہماری گردنیں یا ہاتھ اس طرح عیاں ہوئے ہیں جنہیں قصاصی تلواروں سے کاٹا گیا ہو۔"

بمعترکٍ ضنکٍ تری کَسِرُ العنا به و النسور الطخم یعلفن کالشرب

ترجمہ: "ایسی خون آشام جنگ میں جہاں تو ٹوٹے ہوئے نیزوں کو دیکھے گا۔ جہاں کالے سروں والے گدھ شرابیوں کی طرح پڑے ہوں گے۔"

کان مجال الخیل فی مجراته و معمعة الابطال معرکة الحرْبِ

ترجمہ: "گویا کہ اسی کے اردگرد گھوڑوں کا شور جنگ کے معرکہ میں جوانوں کا شور ہے۔"

الیس ابونا هاشم شدازرهٗ و اوصی بنیه بالطعان و بالضرب

ترجمہ: "کیا ہمارا باپ ہاشم نہیں ہے۔ جنہوں نے خود کو بھی مضبوط کیا اور اپنے بیٹوں کو نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی وصیت کی۔"

و لسنا نمل الحرب حتی تملنا و لا نشتکی ما ان ینوب من النکب

ترجمہ: "ہم جنگ سے اکتا نہیں جاتے حتیٰ کہ وہ ہم سے اکتا جائے اور ہم مصیبت کا شکوہ کسی سے نہیں کرتے۔"

و لکنا اهل الحفائظ و النهی اذا طار ارواح الکماة من الرعبِ

ترجمہ: "بلکہ ہم تو ایسے جوانمرد ہیں کہ ہم اس وقت بھی ہوش میں ہوتے ہیں محافظ ہوتے ہیں جب جوانوں کی روحیں رعب کی وجہ سے پرواز کر جاتی ہیں۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تین سال اسی تنگی میں گزر گئے۔ صرف مخفی طور پر ہی کوئی چیز ان تک جا سکتی تھی۔ وہ لوگ ان تک یہ اشیاء پہنچاتے تھے جو صلہ رحمی کرتے تھے۔

ابو جہل کو حکیم بن حزام ملے۔ ان کے ہمراہ ان کا غلام بھی تھا۔ اس نے گندم اٹھائی ہوئی تھی یہ اسے اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس لے جانا چاہتے تھے۔ وہ بھی شعب ابی طالب میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ

تھیں وہ ان کے ساتھ چمٹ گیا۔ اس نے کہا: "کیا تم بنوہاشم تک کھانا لے جانا چاہتے ہو؟ تم نہ خود جا سکتے ہو اور نہ ہی تمہارا یہ کھانا جا سکتا ہے حتیٰ کہ میں تمہیں مکہ مکرمہ میں رسوا کر دوں گا۔" ابوالبختری نے کہا: "یہ ان کی پھوپھی کا کھانا ہے جو ان کے پاس تھا کیا تو ان کا کھانا ہی ان تک جانے نہیں دیتا۔ اس شخص کا رستہ چھوڑ دے ابوجہل نے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ دونوں الجھ پڑے۔ ابوالبختری نے اونٹ کا جبڑا لیا اور ابوجہل کو دے مارا۔" اسے زخمی کر دیا اسے بری طرح روند ڈالا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پاس ہی کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے وہ ناپسند کرتے تھے کہ یہ بات حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچے جس سے آپ مزید غمزدہ ہوں۔"

اس پورے دورانیہ میں جناب ابوطالب حضور ﷺ سے عرض کرتے کہ آپ ایک بستر پر آرام فرما ہو جائیں۔ وہ دیکھتے رہتے کہ کوئی شخص آپ کو شر یا اذیت پہنچانے کے لیے تو نہیں آیا۔ جب آپ سو جاتے تو وہ اپنے بیٹوں، بھائیوں یا چچازادوں میں سے کسی کو کہتے وہ حضور ﷺ کے بستر پر لیٹ جاتے۔ حضور ﷺ کسی دوسرے بستر پر تشریف لے جاتے وہ پھر بھی آپ کی نگرانی کرتے رہتے حتیٰ کہ تین سال گزر گئے۔

پھر رب تعالیٰ نے ان کے اس ظالمانہ عہد نامہ پر دیمک کو مسلط فرما دیا۔ وہ عہد نامہ کی ظلم سے بھرپور شقوں کو چٹ کر گئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جہاں جہاں بھی اس عہد نامہ میں رب تعالیٰ کا نام تھا دیمک اسے کھا گئی۔ اس نے شرک، ظلم اور قطع رحمی کی شقوں کو باقی رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو اس امر سے آگاہ فرما دیا۔ حضور ﷺ نے اپنے چچا کو آگاہ کیا۔ جناب ابوطالب نے پوچھا: "کیا آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کو اسی طرح فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! انہوں نے کہا: "بخدا! آپ کے پاس کوئی حاضر نہیں ہوا۔" دوسری روایت میں ہے انہوں نے کہا: چمکدار ستاروں کی قسم! آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔" وہ بنوہاشم اور بنومطلب کے ساتھ مسجد حرام میں آئے۔ انہیں قریش کی طرف سے خطرہ تھا جب قریش نے انہیں دیکھا تو انہوں نے اسے عجیب سمجھا۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ حضور ﷺ کو سپرد کرنے آئے ہیں یہ مصیبت اور اذیت سے گھبرا گئے ہیں۔ جناب ابوطالب نے کہا: "چند امور ایسے ہیں جن کا ہمارے اور تمہارے مابین تذکرہ نہیں ہوا۔ تم وہ صحیفہ لے کر آؤ جس میں تمہارا معاہدہ لکھا ہوا ہے۔ شاید ہمارے اور تمہارے مابین صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔

جناب ابوطالب نے اس خدشہ کے پیش نظر یوں فرمایا تھا کہ وہ کہیں لانے سے قبل ہی وہ عہد نامہ دیکھ نہ لیں۔ وہ ساری دستاویز لے کر آئیں۔ انہیں شک نہ گزرے اور وہ اس میں گڑبڑ نہ کر دیں۔ انہوں نے وہ عہد نامہ اپنے سامنے رکھا اور ابوطالب سے کہا: "اب وقت آ گیا ہے کہ تم ان امور سے باز آ جاؤ جو تم نے اپنے لیے ہمارے لیے پیدا کیے ہیں۔" جناب ابوطالب نے فرمایا: "میں تمہارے پاس ایسا معاملہ لے کر آیا ہوں جو ہمارے اور تمہارے مابین انصاف کر دے گا۔ میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے۔ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا کہ وہ صحیفہ جو تمہارے سامنے ہے رب تعالیٰ نے اس

پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے۔ اس نے رب تعالیٰ کے نام کے علاوہ تمہارے ظلم و ستم کی ساری شقیں چٹ کر دی ہیں۔ اگر معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح انہوں نے فرمایا ہے تو ہم انہیں تمہارے سپرد نہیں کریں گے حتیٰ کہ ہمارا آخری فرد بھی مر جائے۔ اگر ان کی یہ بات سچ نہ نکلی تو ہم انہیں تمہارے سپرد کر دیں گے۔ خواہ انہیں قتل کر دینا یا باقی رکھنا۔" قریش نے کہا: "جو کچھ تم کہہ رہے ہو ہم اسی پر راضی ہیں۔ انہوں نے وہ دستاویز کھولی۔ انہوں نے اسے اسی طرح پایا جس طرح صادق و مصدوق نبی ﷺ نے اس کی خبر دی تھی۔ جب قریش نے اس خبر کی صداقت دیکھ لی جو حضور اکرم ﷺ نے جناب ابوطالب کو بتائی تھی تو انہوں نے کہا: "یہ تمہارے بھتیجے کا جادو ہے۔" ان کی بغاوت اور سرکشی میں اضافہ ہو گیا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب نے کہا: "ہمارا دشمن اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ جھوٹ اور جادو کو اس کی طرف منسوب کیا جائے ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ یہ قطع رحمی جس پر تم نے اتفاق کر لیا ہے یہ سرکشی اور جادو کے زیادہ قریب ہے۔ جناب ابو طالب نے فرمایا: "اے گروہ قریش! ہمیں محصور و مقید کیوں کیا گیا ہے۔ اب معاملہ عیاں ہو چکا ہے یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ ظلم، قطع رحمی اور برائی کے قریب صرف تم ہو۔" پھر وہ اور ان کے ساتھی غلاف کعبہ کے اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے یہ دعا مانگی: "مولا! اس شخص کے خلاف ہماری مدد فرما جو ہم پر ظلم کرتا ہے۔ قطع رحمی کرتا ہے اور اسے حلال سمجھتا ہے جسے حرام کیا گیا ہے۔" پھر وہ گھاٹی کی طرف لوٹ گئے۔

جب جناب ابوطالب کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ عرب کے لوگ قریش کے ساتھ نہ مل جائیں تو انہوں نے اس وقت اپنا قصیدہ لامیہ کہا: انہوں نے اس میں حرم کعبہ اور اس کی عظمت کے طفیل پناہ مانگی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ کسی صورت میں بھی حضور ﷺ کو قریش کے حوالے نہیں کریں گے حتیٰ کہ وہ سارے عالم بالا کو سدھار جائیں ابن اسحاق اور ابو ھفان عبداللہ بن احمد نے کثیر اشعار کا ذکر کیا ہے، ابو ھفان نے بہت سے زائد اشعار کا تذکرہ کیا ہے میں ان میں سے بعض کا تذکرہ کر رہا ہوں:

خلیلی ما اذنی لاول عاذل　　　بصغواء فی حق و لا عند باطل

ترجمہ: "اے میرے یار! میرے کان حق یا باطل کے بارے پہلی ہی دفعہ سنتے وقت اس کے بارے ملامت کرنے والے نہیں۔"

خلیلی ان الرای لیس بشرکۃ　　　و لا نہنہ عند الامور البلابل

ترجمہ: "اے میرے دوست! عظیم امور کے وقت رائے میں نہ شرکت ہو سکتی ہے نہ ہی اسے ڈانٹ کر روکا جا سکتا ہے۔"

و لما رائیت القوم لا ود عندھم　　　و قد قطعوا کل العری و الوسائل

ترجمہ: "جب میں نے دیکھا کہ میری قوم میں باہمی محبت نہیں رہی اور انہوں نے ہر رشتہ اور تعلق توڑ لیا ہے۔"

قد صارحونا بالعداوۃ و الاذی و قد طاوعوا امر العدوّ المزایل

ترجمہ: "انہوں نے پوری عداوت کے ساتھ ہمارا مقابلہ کیا اذیت دی اور اس دشمن کا حکم بجا لائے جو ہر صورت میں علیحدہ ہونے والا تھا۔"

و قد حالفوا قوماً علینا اظنۃ یعضون غیظا خلفنا بالانامل

ترجمہ: "انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ عہد کیے جو ہمارے لیے بدگمانی رکھتے تھے۔ جو ہماری عدم موجودگی میں جوشِ غضب سے انگلیاں کاٹتے تھے۔"

صبرت لھم نفسی بسمراء سمحۃ و ابیض غضب من تراث المقاول

ترجمہ: "میں لچکدار نیزے اور ایسی تلوار کو لے کر ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے نکل آیا جو بادشاہوں کی طرف سے ہمیں وراثت میں ملی تھی۔"

و احضرت عند البیت رھطی و اخوتی و امسکت من اثوابہٖ بالوصائل

ترجمہ: "میں نے اپنے قبیلہ اور بھائیوں کو خانہ کعبہ کے پاس جمع کیا۔ بیت اللہ کے سرخ دھاری دار غلاف کو پکڑ لیا۔"

قیاما معا مستقبلین رتاجہٗ لدی حیث یقضی خلفہ کل نافلٖ

ترجمہ: "میں سب کے ہمراہ اس دروازے کی سمت منہ کر کے کھڑا تھا۔ جہاں ہر قسم اٹھانے والا قسم اٹھاتا تھا۔"

اعوذ برب الناس من کل طاعن علینا بسوء او صلح بباطل

ترجمہ: "میں برے الزامات لگانے والے اور باطل پر مصر شخص سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

و من کاشح یسعٰی لنا بمعیبۃ و من ملحق فی الدین ما لم نحاول

ترجمہ: "میں ایسے کینہ جو شخص سے پناہ مانگتا جو ہم پر عیب لگانے کی سعی کرتا ہے۔ ہمیں اس دین سے ملانے کی سعی کرتا ہے جس کا ہم ارادہ نہیں کرتے۔"

و ثور و من ارسی بثیرا مکانہ وراق لیرقی جراء و نازل

ترجمہ: "ثور پہاڑ اور اس ذات کی قسم جس نے ثبیر کو اپنی جگہ پر نصب کیا حراء کے پہاڑ پر اترنے والے اور چڑھنے والے کی قسم۔"

و بالبیت حق البیت من بطن مکہ و باللہ ان اللہ لیس بغافل

ترجمہ: "بیت اللہ اور اس کے حق کی پناہ جو وادیٔ مکہ میں ہے۔ رب تعالیٰ کی پناہ جو اپنے بندے سے لحہ بھر

بھی غافل نہیں ہوتا۔"

و بالحجر الاسود اذ يمسحونه اذا كتنفواه بالضحى و الاصائل

ترجمہ: "حجر اسود کی پناہ جسے لوگ بوسہ دیتے ہیں اور صبح و شام اس کا گھیراؤ کیے رکھتے ہیں۔

و موطئ ابراهيم فى الضمر برطبة على قدميه حافيا غير ناعل

ترجمہ: "اس پتھر کی پناہ جسے حضرت خلیل اللہ کے قدم چومنے کی سعادت ملی۔ وہ ننگے پاؤں تھے۔ اُن کے قدموں کے نشانات وہیں پڑ گئے۔"

و من حج بيت الله من كل راكب و من كل ذى نذر و من كل راجل

ترجمہ: "ہر اس شخص کی پناہ جو اس مقدس گھر کا حج کرنے کا ارادہ کرے۔ خواہ وہ سوار ہو یا پیدل ہو یا نذر مانے ہوئے ہو۔"

فهل بعد هذا من معاذ لعائذ و هل من معيذ يتقى الله عاذل

ترجمہ: "کیا اس کے بعد بھی کوئی پناہ ہے جسے پناہ طلب کرنے والا مانگ سکے۔ کسی ملامت کرنے والے کی پناہ کے بعد بھی کسی کی پناہ ہو سکتی ہے جو رب تعالیٰ سے ڈرتا بھی ہو۔"

يطاع بنا العدى و ودوا لو اننا تسدبنا ابواب ترك و كابل

ترجمہ: "ہمیں نظر انداز کر کے ہمارے دشمنوں کی باتیں سنی جاتی ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ ہمارے لیے ترکی اور کابل کے رستے بند ہو جائیں۔"

كذبتم و بيت الله نترك مكة و نظعن الا امركم فى بلابل

ترجمہ: "خانہ کعبہ کی قسم! تم نے یہ جھوٹ بولا ہے کہ ہم مکہ مکرمہ کو چھوڑ کے کہیں چلے جائیں گے یہ تمہاری وسوسہ سازی ہے۔"

كذبتم و بيت الله نبزى محمدا و لما نطا عن حوله و نناضل

ترجمہ: "بیت اللہ کی قسم تم نے یہ بھی جھوٹ بولا ہے کہ ہم محمد عربی ﷺ کی وجہ سے مغلوب ہو جائیں گے۔ ہم نے ان کے ارد گرد نہ نیزہ بازی کی ہے نہ ہی تیر اندازی۔"

و نسلمه حتى نصرع حوله و نذهل عن ابنائنا و الحلائل

ترجمہ: "اور ہم انہیں تمہارے سپرد کر دیں گے۔ نہیں! ہم تو ان کے ارد گرد اپنی جانیں قربان کریں گے ہم اپنی بیویوں اور اولادوں کو بھول جائیں گے۔"

و ینهض قوم فی الحدید الیکم   نهوص الرّوایا تحت ذات الصلاصل

ترجمہ: "ایک غرق آہن قوم تمہارے پاس اس طرح آئے گی جس طرح پانی لانے والیاں اونٹنیاں برتن اٹھا کر آتی ہیں۔"

و حتّٰی نری ذا الضعن یر کب ردعه   من الطعن فعل الانکب المتحامل

ترجمہ: "حتیٰ کہ تو دیکھے گا کہ ایک کینہ رکھنے والا شخص نیزہ کھا کر بھی نہیں رکے گا۔ وہ حاملہ اونٹنیوں کی طرح مشکل سے چل رہا ہوگا۔"

انا لعمر الله ان جد ما اری   تبلسن اسیافنا بالاماثل

ترجمہ: "رب تعالیٰ کی ابدیت کی قسم! اگر وہ واقعہ رونما ہو گیا جو میرے نہاں خانہ دل میں ہے تو پھر ہماری تلواریں کئی بزرگوں کے سینوں میں پیوست ہو جائیں گی۔"

بکفی فتًی مثل الشهاب سمیدع   اخی ثقة حامی الحقیقة باسل

ترجمہ: "یہ تلواریں ایسے جوان کے ہاتھوں میں ہوں گی جو شہاب کی مانند تاباں قابل اعتماد حقیقت کا مددگار اور بہادر ہوگا۔"

و ما ترك قدم لا ابالك سیّدا   یحوط الذمار غیر ذرب مؤکل

ترجمہ: "تیرا باپ مرے! اس عظیم سردار کو چھوڑنا کتنا قبیح ہے جو امور کی نگرانی بھی کرے، فحش گوئی بھی نہ کرے اور اپنا کام بھی دوسروں کے سپرد نہ کرے۔"

و ابیض یستقی الغمام بوجهه   ثمال الیتامٰی عصمة للارامل

ترجمہ: "وہ سفید رنگت والے ہیں ان کے چہرہ کے طفیل بارش طلب کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کے سرپرست اور بیوگان کی پناہ گاہ ہیں۔"

یلوذبه الهلاك من آل هاشم   فهم عنده فی نعمة و فواضل

ترجمہ: "بنو ہاشم کے مفلس لوگ ان کے ہاں پناہ لیتے ہیں وہ ان کے ہاں سے رحمت اور فضل حاصل کرتے ہیں۔"

جزی عنا عبد شمس و نوفلاً   عقوبة شرّ عاجلا غیر اجل

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے عبد شمس اور نوفل کو شر کی ایسی سزا دے جس میں عجلت ہو دیر نہ ہو۔"

بمیزانِ قسط لا یخیس شعیرةً   له شاهد من نفسه غیر مائل

ترجمہ: "ایسی سزا جو عدل کے ترازو میں تلی ہو۔ اس میں جَو بھر بھی کمی نہ آئے۔ مجرم کا ضمیر بھی کہے کہ یہ سزا

ظالمانہ نہیں ہے۔"

و نحن صمیم من ذؤابة هاشم و آل قصّی فی الخطوب الاوائل

ترجمہ: "ہم بنو ہاشم اور بنو قصی میں سے وہ خالص النسل آدمی ہیں جو گزشتہ معاملات کی روح رواں ہیں۔"

فکل صدیق و ابن اخت نعُدُّه لعمری و جدنا غبّه غیر طائلٍ

ترجمہ: "ہر دوست اور ہر بھانجا جسے اپنا شمار کرتے ہیں زندگانی کی قسم! ہم نے اسے پایا ہے کہ اسے ایک دن چھوڑ کر ایک دن ملنا بھی فائدہ مند نہیں ہے۔"

سوی ان رھطا من کلاب بن مرّة براء الینا من معقة حاذلٍ

ترجمہ: "لیکن کلاب بن مرہ کا ایک قبیلہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ انہوں نے ہمارے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں توڑا۔"

و نعم ابن اخت القومِ غیر مکذبٍ زهیر حساما معزدا من حمائل

ترجمہ: "زہیر قوم کا کتنا عمدہ بھانجا ہے۔ اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔ وہ اس تلوار کی طرح ہے جسے نیام سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔"

اشم من الشمِّ البھالیل ینتمی الی حسبٍ فی حومة المجد فاضل

ترجمہ: "وہ عظیم سرداروں سے بھی بالاتر ہے۔ وہ اس عظیم نسب کی طرف منسوب ہے جو شرف میں بہت آگے ہے۔"

لعمری لقد کلفت وجدا باحمد و اخوته دأب المحب المواصلِ

ترجمہ: "مجھے اپنی حیات کی قسم! میں احمد مجتبیٰ ﷺ اور ان کے بھائیوں کی محبت میں اس طرح اسیر ہوں جس طرح دائمی محب کسی کی محبت کا اسیر ہوتا ہے۔"

فلا زال فی الدنیا جمالا لاھلھا و زینا علی رغم العدوّ المخاتل

ترجمہ: "رب تعالیٰ ان لوگوں کو دنیاوی حسن و جمال سے آراستہ کرے جنہوں نے محمد عربی ﷺ اور ان کے بھائیوں سے محبت کی۔"

فمن مثله فی الناسِ الیّ مؤمّل اذا قاسه الحکام عند التفاضل

ترجمہ: "لوگوں میں ان کی مثل کون ہے کس سے امیدوں کی لو لگائی جا سکتی ہے۔ فضائل میں فیصلہ کرنے والوں کو ان سے برتر نظر نہ آیا۔"

حلیم رشید عادل غیر طائش یو الی الھالیس عنه بغافل

ترجمہ: "وہ حلیم، ہدایت یافتہ عادل ہیں جلد باز نہیں ہیں وہ ایسے معبود برحق سے محبت کرتے ہیں جو ان سے غافل نہیں ہے۔"

فایّدہ رب العباد بنصرہٖ و اظھر دینا حقہ غیر ناصلٖ

ترجمہ: "بندوں کا رب تعالیٰ اپنی نصرت کے ساتھ ان کی مدد کرے، ان کے دین کو غالب کرے ان کا حق زائل ہونے والا نہیں۔"

فو اللہ لولا ان اجیٔ بسبۃٍ تجر علی اشیاخنا فی القبائلٖ

ترجمہ: "بخدا! اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ ہمارے بزرگوں کو قبائل میں برا بھلا کہا جائے گا۔"

لکنا اتبعناہ علی کل حالۃٍ من الدھر جدا غیر قولِ التھازلٖ

ترجمہ: "تو پھر ہم ہر حال میں ان کی اتباع کرتے۔ زمانوں تک ان کی پیروی کرتے رہتے میں یہ بات از روئے مذاق نہیں کر رہا۔"

لقد علموا ان ابنا لا مکذب لدینا و لا یعنی بقول الاباطل

ترجمہ: "یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے فرزند کی تکذیب کرنے والا ہم میں سے کوئی بھی نہیں لیکن جھوٹوں کی باتوں پر کوئی بھی توجہ دینے والا نہیں۔"

فاصبح فینا احمد فی ارومۃٍ یقصر عنھا سورۃ المتطاولٖ

ترجمہ: "احمد مجتبیٰ ﷺ ایسے والدین کے ہاں جلوہ افروز ہوئے کہ ظلم کرنے والوں کے ہاتھ ان کی شان کو کم کرنے سے کوتاہ رہے۔"

حدبت نفسی دونہ و حمیتہٗ و دافعت عنہ بالذریٰ و الکلاکل

ترجمہ: "میں نے ان کے لیے اپنے نفس کو بہت تکلیف دی ہے۔ میں نے اپنی کمر اور سینے سے آپ کا بھرپور دفاع کیا۔"

یہ قصیدہ بہت طویل ہے۔ میں نے اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ قصیدہ بہت عظیم اور بلیغ ہے۔ اسے صرف وہی لکھ سکتا ہے جس کی طرف یہ منسوب ہے۔ یہ سات معلقات قصیدوں سے بھی بلیغ ہے۔ یہ معنی کے اعتبار سے بھی بلیغ ہے۔ اس میں انہوں نے اس دستاویز کا تذکرہ کیا ہے جسے قریش نے لکھا تھا۔ یہ جناب ابو طالب نے اس وقت لکھا تھا جب وہ شعب ابی طالب میں داخل ہوئے تھے لہٰذا اسے اس جگہ ذکر کرنا ہی مناسب اور بہتر ہے۔

❁❁❁

انیسواں باب

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب پہلی ہجرتِ حبشہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ آئے تو ان کی قوم نے ان کے ساتھ سختی کی۔ ان کے قبائل ان پر جھپٹ پڑے۔ انہیں ان کی طرف سے سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوسری بار ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ دوسری دفعہ ہجرت کرنا صحابہ کرام پر بہت گراں تھا۔ انہیں قریش کی طرف سے سخت تکالیف برداشت کرنا پڑیں کیونکہ معلوم ہو گیا تھا کہ نجاشی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت عمدہ سلوک کیا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے پہلے بھی ہجرت کی اب دوسری بار ہجرت کر رہے ہیں لیکن آپ ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم رب تعالیٰ کی طرف اور میری طرف ہی ہجرت کرنے والے ہو۔ تمہارے لیے یہ دونوں ہجرتیں ہیں۔" حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یارسول اللہ! ہمارے لیے یہ کافی ہے۔"

ابن سعد اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس ہجرت میں مردوں کی تعداد ۸۳ تھی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ اس ہجرت میں قبیلہ قریش کی گیارہ خواتین شامل تھیں جبکہ سات خواتین کا تعلق دیگر قبائل کے ساتھ تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے اس تعداد میں اضافہ بھی کیا ہے۔ ان کی داستان امام احمد نے حضرت ابن مسعود سے، ابونعیم اور امام بیہقی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے اور ابن اسحاق نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ سے اور طبرانی اور ابن عساکر نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا:

"ہم سرزمین حبشہ میں فروکش ہو گئے۔ نجاشی ہمارے لیے عمدہ پڑوسی ثابت ہوا۔ ہمیں اپنے دین پر امن نصیب ہو گیا۔ ہم رب تعالیٰ کی عبادت سکون کے ساتھ کرنے لگے۔ ہمیں نہ تو اذیت دی جاتی تھی۔ نہ ہی ہم ایسی چیز کو سنتے تھے جو ہمیں ناپسند ہو۔ جب قریش تک یہ خبر پہنچ گئی تو انہوں نے باہم مشاورت کی انہوں نے مشورہ کیا کہ دو مضبوط افراد کو ہمارے تعاقب میں بھیجا جائے اور وہ نجاشی کے لیے مکہ مکرمہ کے عمدہ تحائف بھیجیں۔ ان میں سے عجیب ترین تحائف چمڑے کے تھے۔ انہوں نے اس کے لیے بہت سے چمڑے جمع کیے۔ انہوں نے ہر ہر پادری کے لیے ایک ایک تحفہ دیا۔ پھر عمارۃ بن ولید اور عمرو بن عاص کو بھیجا۔ انہیں حکم دیا کہ وہ ہر ہر پادری کو نجاشی سے گفتگو کرنے سے قبل ایک ایک تحفہ دیں۔ پھر نجاشی کے پاس جائیں اسے تحائف پیش کریں۔ پھر اس سے التجا کریں کہ وہ ان مہاجرین سے گفتگو کیے بغیر

ہی انہیں تمہارے سپرد کر دے۔"

وہ عازم سفر ہوئے۔ نجاشی کے پاس پہنچے۔ ہم وہاں عمدہ گھر اور عمدہ پڑوس میں رہ رہے تھے۔ انہوں نے ہر ہر پادری کو ایک ایک تحفہ دیا۔ انہوں نے ہر ہر پادری سے کہا: "ہم میں سے چند پاگل جوان بھاگ کر تمہارے بادشاہ کے ہاں پناہ گزیں ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنا دین بھی چھوڑ دیا ہے۔ وہ تمہارے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں۔ جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ ہی تم اس سے آشنا ہو۔ ہمیں اپنی قوم کے سرداروں نے بادشاہ کی طرف بھیجا ہے تاکہ وہ انہیں ان کی طرف لوٹا دے۔ جب ہم بادشاہ کے ساتھ محوِ گفتگو ہوں تو تم اسے مشورہ دینا کہ وہ انہیں ہمارے سپرد کر دے اور ان کے ساتھ بات چیت نہ کرے کیونکہ ان کی قوم انہیں سب سے بہتر اور اچھی طرح جانتی ہے۔" پادریوں نے کہا: "بالکل ٹھیک ہے۔" پھر وہ نجاشی کے دربار میں پہنچے۔ اسے سجدہ کیا۔ اسے اس کے تحائف دیے۔ اس نے ان کے تحائف قبول کر لیے۔ پھر ان دونوں نے اسے کہا: "اے شاہ والا! ہمارے چچا زادوں میں سے چند احمق لوگوں نے اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں۔ جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ ہی آپ۔ ان کے قبائل کے سرداروں، ان کے آباء اور چچاؤں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ ان کو واپس کر دیں کیونکہ وہ ان کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ وہ ان کے عیوب سے آگاہ ہیں۔"

عمرو اور عمارہ کے نزدیک اس سے زیادہ بغض والی اور کوئی چیز نہ تھی کہ نجاشی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا کلام سنے۔ اس کے پادریوں نے کہا: "شاہِ والا! یہ دونوں سچ کہہ رہے ہیں۔ ان کی قوم ان سے زیادہ آگاہ ہے۔ وہ انہیں سب سے زیادہ جاننے والی ہے۔ آپ ان مہاجرین کو ان کے سپرد کر دیں تاکہ وہ انہیں اپنے ملک اور قوم میں لے جائیں۔" نجاشی نے پوچھا: "وہ کہاں ہیں؟" ان دونوں نے کہا: "وہ آپ کی اسی سرزمین پر ہیں۔" یہ سن کر نجاشی کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا: "بخدا! ہرگز نہیں میں ان کو ان کے سپرد نہیں کروں گا یوں نہیں ہو سکتا کہ ایک قوم میرے پڑوس میں آ کر بسیرا کرے۔ وہ میرے شہر میں آئیں وہ مجھے دیگر بادشاہوں پر ترجیح دیں حتیٰ کہ میں پہلے انہیں بلاؤں گا اور ان سے اس کی بابت پوچھوں گا جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں۔ اگر حقیقت اسی طرح ہوئی جس طرح یہ کہہ رہے ہیں تو میں ان کو ان کے سپرد کر دوں گا ورنہ میں ان کی حفاظت کروں گا اور ان کے پڑوس کو عمدہ کروں گا کیونکہ انہوں نے میرا پڑوس پسند کیا ہے۔"

پھر اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف پیغام بھیجا۔ انہیں بلایا۔ جب نجاشی کا قاصد ان کے پاس پہنچا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک جگہ جمع ہوئے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: "جب تم اس کے پاس پہنچو گے تو تم کیا کہو گے؟" انہوں نے کہا: "بخدا! ہم وہی کچھ کہیں گے جس کا ہمیں علم ہے جس کا حکم ہمیں حضور ﷺ نے دیا ہے خواہ وہ جو کچھ چاہے کرے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آج میں تمہارا خطیب ہوں گا۔"

نجاشی نے اپنے اپنے پادریوں کو بلا لیا۔ انہوں نے اس کے ارد گرد اپنے اپنے صحیفے کھول لیے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ دیگر مسلمان ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ انہوں نے سلام کیا۔ لوگوں نے پوچھا: "تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہ کیا؟ انہوں نے فرمایا: "ہم رب تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔" نجاشی: یہ کون سا دین ہے جو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ اپنی قوم کے دین کو بھی تم نے چھوڑ دیا ہے نہ تو تم میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ ہی کسی اور قوم کا دین اختیار کیا ہے۔"

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے۔ ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ برے افعال سرانجام دیتے تھے۔ قطع رحمی کرتے تھے۔ پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے۔ قوی کمزور کو ہڑپ کر جاتا تھا۔ ہم اسی حالت پر تھے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے ہم میں اپنا رسول مکرم ﷺ مبعوث فرمایا ہم ان کے نسب سے آگاہ ہیں۔ ان کی صداقت سے آشنا ہیں۔ عفت اور امانت کو جانتے ہیں انہوں نے ہمیں رب تعالیٰ کی طرف دعوت دی تاکہ ہم اس کی توحید کا اقرار کریں۔ اس کی عبادت کریں۔ ان بتوں اور پتھروں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ایک خدا کی عبادت کریں۔ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔ انہوں نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے رکھنے کا حکم دیا۔" انہوں نے اسلام کے امور شمار کیے پھر فرمایا: "انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے، حرام امور اور خونریزی سے بچنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ہمیں برے امور، جھوٹ، فواحش، یتیم کا مال کھانے اور پاکیزہ دامن خواتین پر تہمت لگانے سے روکا۔ ہم نے ان کی تصدیق کی ان پر ایمان لے آئے۔ اس پیغام کی تصدیق کی جو وہ رب تعالیٰ کے حضور سے لے کر آئے۔ ہم خدائے یکتا کی عبادت کرنے لگے۔ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ ہم اس چیز کو حرام سمجھتے ہیں جسے رب تعالیٰ نے ہم پر حرام کیا ہے۔ اس چیز کو حلال سمجھتے ہیں جسے رب تعالیٰ نے ہم پر حلال کیا ہے۔ ہماری قوم ہمارے ساتھ عداوت کرنے لگی۔ انہوں نے ہمیں اذیتیں دیں۔ ہمیں اپنے دین سے برگشتہ کرنا چاہا تاکہ ہمیں بتوں کی پوجا کی طرف لوٹا دیں تاکہ ہم ان خبائث کو حلال سمجھیں جنہیں ہم حرام سمجھتے ہیں۔ جب انہوں نے ہم پر غلبہ پایا ہم پر ظلم کیا۔ زندگی کا دائرہ ہم پر تنگ کیا اور وہ ہمارے اور ہمارے دین حق کے مابین حائل ہو گئے تو ہم آپ کے شہر کی طرف نکل آئے۔ دیگر بادشاہوں کو چھوڑ کر آپ کو ترجیح دی۔ آپ کے پڑوس میں رغبت رکھی۔ اے شاہِ والا! ہمیں امید ہے آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔"

نجاشی نے ان سے کہا: "کیا آپ کے پاس اس کلام کا کچھ حصہ ہے جسے لے کر وہ مبعوث ہوئے ہیں؟ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہاں!" نجاشی: "اس میں سے کچھ پڑھیں" انہوں نے سورۃ "کھیعص" کی ابتدائی آیات تلاوت کیں جنہیں سن کر نجاشی رونے لگا۔ حتیٰ کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ اس کے پادری بھی رونے لگے حتیٰ کہ ان کے صحیفے

بھیک گئے۔ نجاشی نے کہا: ''یہ کلام مقدس اور وہ کلام جسے لے کر حضرت موسیٰ تشریف لائے تھے ایک ہی چراغ سے نکلے ہیں۔'' پھر نجاشی نے عمرو سے کہا: ''کیا یہ تمہارے غلام ہیں۔'' عمرو: نہیں۔ نجاشی: کیا یہ تمہارے مقروض ہیں؟ عمرو: نہیں! نجاشی: ''تم دونوں چلے جاؤ۔ بخدا! میں ان کو تمہارے سپرد کبھی بھی نہیں کروں گا۔'' جب یہ دونوں نجاشی کے دربار سے نکلے تو عمرو نے کہا: ''بخدا! کل میں ایسی چال چلوں گا جس سے مسلمانوں کو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا۔'' عمارہ نے کہا: ''اس طرح نہ کرنا۔ ان کی ہمارے ساتھ رشتہ داری ہے۔ اگرچہ وہ ہمارے مخالف ہیں۔'' عمرو: میں نجاشی کو بتاؤں گا کہ مسلمان گمان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بندے ہیں۔''

صبح یہ دونوں نجاشی کے دربار میں چلے گئے۔ انہوں نے کہا: ''بادشاہ سلامت! یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے بہت بڑی بات کرتے ہیں۔ ذرا ان سے پوچھیں کہ وہ ان کے بارے کیا کہتے ہیں؟ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا تاکہ ان سے یہ سوال کرے۔ مسلمان ایک جگہ جمع ہو گئے وہ اتنے غمزدہ کبھی نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''اگر اس نے تم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے پوچھ لیا تو تم کیا جواب دو گے؟ انہوں نے کہا: ''بخدا! ہم ان کے بارے وہی کچھ کہیں گے جو کچھ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ جو چاہے ہو جائے۔'' حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی نہ بولے۔ میں ہی تمہارا خطیب ہوں۔'' مسلمان نجاشی کے پاس پہنچے تو وہ اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ عمرو اس کے دائیں اور عمارہ اس کے بائیں طرف بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پادری اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ نجاشی نے حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں سے پوچھا: ''تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے کیا کہتے ہو؟'' حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم ان کے بارے وہی کچھ کہتے ہیں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے کنواری مریم کی طرف پھینکا تھا۔'' نجاشی نے زمین کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس سے ایک تنکا اٹھایا۔ پھر کہا: ''جو کچھ تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے بتایا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس تنکا کی مقدار بھی زائد نہیں ہیں۔ اے راہبو! اے پادریو! بخدا! تم ان میں ذرا بھر بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔'' اس کے پادری اس کے اپنی ناکوں سے آوازیں نکالنے لگے۔ نجاشی نے کہا: ''بخدا! اگر تم اپنی ناکوں سے آوازیں بھی نکالو۔'' پھر اس نے کہا: ''تمہیں خوش آمدید! جس ہستی پاک کے پاس سے تم آئے ہو انہیں مرحبا! میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ وہی ذات بابرکات ہیں جن کا ذکر خیر ہم انجیل میں پاتے ہیں۔ وہ وہی رسول مکرم ہیں جن کی شہادت حضرت عیسیٰ بن مریم نے دی تھی۔ تم جہاں چاہو رہو۔ بخدا! اگر اس سلطنت کا بوجھ مجھ پر نہ ہوتا تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کے نعلین پاک اٹھانے کی کوشش کرتا۔'' اس نے ہمارے لیے کھانے اور لباس کا حکم دیا۔ پھر کہا جاؤ! امن کے ساتھ رہو۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر جرمانہ ہوگا۔ جو تمہیں گالی دے گا

اس پر جرمانہ ہوگا۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر جرمانہ ہوگا۔ مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ مجھے سونے کا پہاڑ دیا جائے اور میں تم میں سے کسی شخص کو اذیت دوں۔" دوسری روایت میں ہے کہ نجاشی نے مسلمانوں سے کہا:

"کیا تمہیں کوئی اذیت دیتا ہے؟" مسلمان: ہاں! اس نے اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کرے: "جو ان میں سے کسی کو اذیت دے گا اسے چار درہم جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔" اس نے پوچھا: "کیا یہ تمہارے لیے کافی ہے؟" ہم نے کہا: "نہیں!" اس نے کہا: "اس کو دگنا کر دو۔" حضرت موسیٰ بن عقبہ نے لکھا کہ نجاشی نے کہا: "جس نے ان مسلمانوں کی طرف اذیت آمیز نظر سے دیکھا تو اسے جرمانہ ہوگا۔" پھر کہا: "ان کے تحائف انہیں واپس کر دو۔ بخدا! مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ بخدا! رب تعالیٰ نے مجھ سے اس وقت کوئی رشوت نہیں لی تھی جب اس نے مجھے میرا ملک لوٹایا تھا۔ کہ میں اب رشوت لینے لگوں۔ اس نے میرے بارے لوگوں کی بات نہیں مانی تھی کہ اب میں اس کے بارے لوگوں کی بات ماننے لگوں۔" اس طرح یہ دونوں اس کے دربار سے ذلیل ورسوا ہو کر نکلے۔

پھر اہل حبشہ ایک جگہ جمع ہوئے۔ انہوں نے نجاشی سے کہا: "تم نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے۔" انہوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس نے حضرت جعفر طیار اور ان کے ساتھیوں کے لیے کشتیاں تیار کرا دیں۔ اس نے کہا: "ان پر سوار ہو جاؤ۔ اسی طرح ہو جاؤ جس طرح پہلے تھے اگر مجھے شکست ہو جائے تو جہاں چاہنا چلے جانا۔ اگر مجھے کامیابی نصیب ہو جائے تو پھر اسی جگہ قیام کرنا۔" انہوں نے کاغذ لیا۔ اس میں لکھا: "وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ محمد عربی ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بندے، رسول اور روح ہیں وہ اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی طرف پھینکا تھا۔" پھر اس نے وہ کاغذ دائیں کندھے کے پاس اپنی قباء کے نیچے رکھا۔ وہ اہل حبشہ کی طرف نکلا۔ انہوں نے اس کے لیے دو صفیں بنالیں، اس نے کہا: "اے اہل حبشہ! کیا میں لوگوں میں سے تمہارا سب سے زیادہ حقدار نہیں ہوں۔" اہل حبشہ: ہاں! نجاشی: تم نے میری سیرت کو کیسے پایا ہے؟ اہل حبشہ: بہت عمدہ۔ نجاشی: پھر تمہیں کیا ہوا ہے؟ اہل حبشہ: تم نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے۔ تم یہ گمان کرتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندے ہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ (نعوذ باللہ) نجاشی نے کہا: اس نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر اپنی قباء کے اوپر رکھا ہوا تھا: "وہ گواہی دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے کچھ بھی زائد نہیں ہیں۔" اس کی مراد وہ کچھ تھا جو کچھ اس نے لکھا ہوا تھا۔ اہل حبشہ اس سے راضی ہو گئے وہ واپس چلے گئے۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "ہم نجاشی کے شہر میں رہ رہے تھے۔ عمدہ گھر اور بہترین پڑوس تھا۔ ہم اس عمدہ حالت پر تھے کہ اہل حبشہ میں سے ایک شخص نجاشی سے اس کی مملکت کے بارے جھگڑنے لگا۔ بخدا! ہم پہلے اتنے غمزدہ کبھی نہ ہوئے تھے جتنے غمگین اس روز ہوئے تھے۔ ہمیں یہ خدشہ تھا کہ اگر وہ شخص نجاشی پر غالب آ گیا تو ایک ایسا شخص

آجائے گا جو ہمارے حقوق کی اس طرح رعایت نہیں کرے گا۔ جس طرح نجاشی کرتا ہے۔ نجاشی اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ان کے مابین دریائے نیل کا پاٹ تھا۔ صحابہ کرام نے فرمایا: ''وہ کون سا شخص ہے جو وہاں جائے۔ اس قوم کی معرکہ آزمائی دیکھے پھر ہمارے پاس خبر لے کر آئے۔'' حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں جاتا ہوں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: ''تم؟'' وہ سارے صحابہ کرام میں سے کمسن تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے لیے مشکیزہ میں ہوا بھری۔ اسے ان کے سینے کے نیچے رکھا۔ اس پر تیرتے ہوئے وہ دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر چلے گئے۔ جہاں یہ معرکہ ہونا تھا۔ حتیٰ کہ وہ جنگ دیکھنے لگے۔

حضرت ام سلمہ نے فرمایا: ''ہم نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی کہ نجاشی اپنے دشمن پر غالب آجائے اور اسے شہروں میں اقتدار نصیب ہو جائے۔ بخدا! ہم اسی انتظار میں تھے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے کہ اچانک حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے۔ انہوں نے کپڑا لہرایا اور کہا: ''تمہیں بشارت ہو۔ نجاشی کو غلبہ نصیب ہو چکا ہے۔ رب تعالیٰ نے اس کے دشمن کو ہلاک کر دیا ہے۔ بخدا! ہم اتنے خوش کبھی نہ ہوئے تھے جتنے خوش اس دن ہوئے تھے نجاشی واپس آگیا۔ رب تعالیٰ نے اس کے دشمن کو ہلاک کر دیا۔ اسے شہروں میں تسلط حاصل ہو گیا۔ حبشہ کا اقتدار اسے مل گیا۔ ہم بڑے سکون سے اس کے پاس رہنے لگے۔

علامہ الطبرانی نے صحیح سند سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابو الفرج الاموی نے حضرت عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے عمرو اور عمارۃ کے مابین نجاشی کے دربار تک پہنچنے سے قبل ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی عداوت ڈال دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو ایک بدشکل انسان تھا جبکہ اس کے ہمراہ اس کی بیوی بھی تھی عمارہ ایک خوبصورت جوان تھا۔ وہ عمرو کی بیوی سے اور اس کی بیوی اس سے محبت کرنے لگی۔ انہوں نے عزم کیا کہ وہ عمرو کو سمندر میں پھینک دیں۔ عمارۃ نے عمرو کو سمندر میں پھینک دیا۔ وہ تیرنے لگا۔ اس نے کشتی والوں کو آواز دی۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ اسے کشتی پر سوار کر لیا۔ عمرو نے عمارہ سے عداوت کو دل میں چھپائے رکھا اس کے لیے ظاہر نہ کی بلکہ اس نے اپنی بیوی سے کہا: ''اپنے چچا زاد عمارہ کو بوسہ دو تاکہ اس کا دل خوش ہو جائے۔'' جب یہ سرزمین حبشہ پہنچے اور رب تعالیٰ نے انہیں ذلیل و رسوا کر کے واپس لوٹایا تو عمرو نے عمارہ کے ساتھ ایک چال چلی۔ اس نے اسے کہا: ''تم ایک خوبصورت انسان ہو۔ یہ عورتیں خوبصورتی کو پسند کرتی ہیں۔ تم نجاشی کی عورت سے تعرض کرو۔ شاید ہماری آرزو کو پورا کرنے کے لیے نجاشی کے پاس سفارش کرے۔'' عمارۃ نے اسی طرح کیا۔ وہ بار بار نجاشی کی بیوی کے پاس جانے لگا۔ اس کے عطروں میں سے ایک عطر بھی حاصل کر لیا۔ جب عمرو نے یہ دیکھا تو وہ بادشاہ کے پاس گیا اور اسے عمارہ کے بارے بتایا۔ بادشاہ کو عزت و ناموس نے آلیا۔ اس نے کہا: ''اگر یہ میرا پڑوسی نہ ہوتا تو میں اسے قتل کر

دیتا۔ لیکن عنقریب میں اس کے ساتھ وہ معاملہ کروں گا جو قتل سے بھی برا ہوگا۔" اس نے جادوگروں کو بلایا۔ انہیں حکم دیا کہ وہ عمارہ پر جادو کر دیں۔ انہوں نے اس کی شرمگاہ پر اپنی پھونک ماری کہ وہ چہرے کے بل اڑنے لگا۔ حتیٰ کہ وہ پہاڑوں پر وحشی جانوروں کے ساتھ جا ملا۔ وہ جب کسی انسان کو دیکھتا تو اس سے دور بھاگ جاتا۔ حضرت عمر فاروق کے دور خلافت کے آخری سالوں میں اس کے چچا زاد حضرت عبداللہ بن ربیعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان سے اجازت لی کہ وہ اس کے پاس جائیں شاید کہ وہ اسے پالیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ سرزمین حبشہ گئے۔ عمارہ کو ہر جگہ ڈھونڈا انہیں بتایا گیا کہ وہ فلاں پہاڑوں پر ہے وہ جنگلی جانوروں کے ساتھ ہی آتا ہے اور ان کے ساتھ ہی واپس چلا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ اس کی طرف گئے۔ اس رستہ میں چھپ گئے جہاں وہ پانی پینے آتا تھا۔ انہوں نے اچانک عمارہ کو دیکھ لیا۔ بالوں نے اسے ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ گویا کہ وہ شیطان تھا۔ حضرت عبداللہ نے اسے پکڑ لیا۔ اسے صلہ رحمی کا واسطہ دینے لگے۔ وہ اس پر جھکے ہوئے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا: "اے بجیر! مجھے چھوڑ دو۔ اے بجیر مجھے چھوڑ دو۔" لیکن عبداللہ نے اسے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ وہ ان کے سامنے ہی مر گیا۔

امام زہری نے فرمایا: "میں نے یہ روایت حضرت عمرو بن زبیر کے سامنے پڑھی۔ انہوں نے فرمایا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ نجاشی نے یہ بات کیوں کی تھی۔" رب تعالیٰ نے مجھ سے رشوت نہیں لی تھی کہ آج میں اس کے بارے لوگوں سے رشوت لیتا پھروں۔ اس نے میرے متعلق لوگوں کی بات نہیں مانی تھی کہ آج میں اس کے بارے لوگوں کی بات مان لوں۔" میں نے کہا: "مجھے تو کوئی علم نہیں۔" حضرت عمرو نے کہا: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ نجاشی کا باپ اس کی قوم کا بادشاہ تھا۔ اس کے بھائی کے بارہ لڑکے تھے لیکن نجاشی کے باپ کا صرف یہی بیٹا تھا۔ اہل حبشہ نے ان کے بارے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا: "اگر ہم نجاشی کے باپ کو قتل کر دیں اور اس کے بھائی کو مسند اقتدار پر بٹھا دیں تو اس کی پشت سے بارہ لڑکے ہیں جو نسل در نسل حبشہ کی زمام اقتدار سنبھالیں گے۔ حبشہ کی حکومت طویل مدت تک ان کے پاس رہے گی۔ ان کے مابین اختلاف نہیں ہوگا۔" انہوں نے نجاشی کے باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور مسند اقتدار پر اس کے بھائی کو بٹھا دیا۔ کچھ دیر اسی طرح گزر گئی۔ نجاشی اپنے چچا کے پاس پلتا رہا۔ اس کے چچا کے معاملہ کی تدبیر صرف وہی کرتا تھا۔ نجاشی ایک عقلمند اور دانا شخص تھا۔ جب اہل حبشہ نے چچا کے نزدیک اس کا یہ مقام دیکھا۔ انہوں نے کہا: "یہ لڑکا اپنے چچا کے معاملات میں غالب آگیا ہے۔ ہم اس سے امن میں نہیں کہ وہ ہمارا بادشاہ بن جائے۔ پھر اسے علم ہو جائے کہ ہم نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ اگر اسے یہ علم ہو گیا تو وہ ہم میں سے ہر ہر شخص کو قتل کر دے گا۔" انہوں نے اس کے بارے مشاورت کی کہ یا اسے قتل کر دیا جائے یا اسے ہمارے

شہروں سے نکال دیا جائے۔" اس کے چچا کے پاس گئے۔ اس نے کہا: "تمہارے نزدیک اس لڑکے کا جو مقام ہے ہم اس سے آگاہ ہیں۔ تم جانتے ہو نا کہ ہم نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا اور اس کی جگہ تمہیں مسند اقتدار پر بٹھا دیا تھا۔ ہمیں خطرہ ہے کہ یہ ہمارا بادشاہ بن جائے گا اور یہ ہمیں قتل کر دے گا۔ یا تو اسے قتل کر دو یا اسے جلا وطن کر دو۔" اس نے کہا: "تمہارے لیے ہلاکت! کل تم نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ آج میں اسے قتل کر دوں؟ میں اسے تمہارے شہروں سے جلا وطن کر دیتا ہوں۔" وہ اسے لے کر نکلے۔ اسے بازار میں کھڑا کر دیا۔ ایک تاجر نے اسے چھ سو یا سات سو دراہم میں خرید لیا۔ اس نے اسے کشتی پر سوار کیا اور اپنے ہمراہ لے گیا۔ عشاء کے وقت بادل امڈ کر آئے۔ اس کا چچا بارش میں نہانے کے لیے باہر نکلا اس پر بجلی گری اور وہ مر گیا۔ اہل حبشہ اس کے لڑکوں کے پاس گئے۔ لیکن وہ سارے احمق تھے۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی بھلائی نہیں تھی۔ حبشہ کا معاملہ بگڑ گیا۔ اہل حبشہ نے ایک دوسرے سے کہا: "بلاشبہ تمہارا وہ بادشاہ جو تمہارا معاملہ سدھار سکتا تھا وہی تھا جسے تم نے کل فروخت کر دیا تھا۔ اگر تمہیں حبشہ کے معاملات کو درست کرنے کی فکر ہے تو اسے جانے سے قبل جالو۔" وہ اس کی تلاش میں نکلے۔ اسے جالیا اسے واپس لے آئے۔ اس کے سر پر تاج سجا دیا۔ اس کے تخت پر اسے بٹھا دیا۔ اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

بادشاہ نے کہا: "جس طرح تم نے میرا غلام مجھ سے لے لیا ہے۔ اسی طرح اب میری رقم کو واپس کر دو۔" اہل حبشہ نے کہا: "ہم تمہیں وہ رقم واپس نہیں کریں گے۔" تاجر نے کہا: "بخدا! میں نجاشی سے اس ضمن میں ضرور بات کروں گا۔" وہ اس کے پاس گیا اس سے بات کی اس نے کہا: "اے شاہ والا! میں نے ایک غلام خریدا تھا۔ جنہوں نے مجھے غلام بیچا تھا۔ انہوں نے رقم پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ پھر انہوں نے وہ غلام مجھ سے چھین لیا۔ لیکن میری قیمت واپس نہیں کی۔" نجاشی کا پہلا حکمت آمیز فیصلہ یہ تھا: "اس تاجر کا مال واپس کر دو۔ یا میں اس کے غلام کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ وہ اسے جہاں چاہے گا لے جائے گا۔" اہل حبشہ نے کہا: "ہم اس کی رقم اسے دے دیتے ہیں۔" انہوں نے اس کی رقم واپس لوٹا دی۔ اسی لیے اس نے مذکورہ بالا جملہ کہا تھا۔

مہاجرین حبشہ نجاشی کے پڑوس میں عمدہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جلدی واپس لوٹ آئے۔ جب دیگر مسلمانوں نے سنا کہ حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے ہیں تو ان میں سے ۳۳ مرد اور ۸ عورتیں واپس آ گئیں۔ دو صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں وصال فرما گئے۔ ۲۴ صحابہ کرام نے غزوہ بدر میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔

حضور اکرم ﷺ کا نجاشی کی طرف خط مبارک

امام بیہقی نے حضرت ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عمرو بن امیۃ الضمری کو حضرت جعفر

طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ہمراہ نجاشی کے پاس بھیجا۔ آپ نے ایک خط مبارک لکھوایا۔ اس میں یہ عبارت تھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نجاشی الاصحم کی طرف!

تم پر سلامتی ہو۔ میں اس رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتا ہوں جو ملک، قدوس، مؤمن اور مھیمن ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی طرف پھینکا تھا۔ وہ کنواری، طیبہ اور طاہرہ تھیں۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں تخلیق کیا۔ ان میں روح پھونکی جس طرح اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی اور ان میں روح پھونکی۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ جو وحدہٗ لا شریک ہے میں اس کی اطاعت کرنے کی تمہیں ترغیب دیتا ہوں۔ نیز یہ کہ تم میری اتباع کرو۔ مجھ پر ایمان لے آؤ۔ جو پیغام حق میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لے آؤ۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں تمہارے پاس اپنے چچا زاد حضرت جعفر بن ابی طالب اور بعض مسلمانوں کو بھیج رہا ہوں۔ جب یہ تمہارے پاس پہنچیں تو انہیں اپنے پاس ٹھہرا لینا۔ ظلم کو ترک کر دو۔ میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو رب تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں نے تبلیغ کر دی ہے۔ میں نے خلوص کا اظہار کر دیا ہے۔ میری نصیحت کو قبول کر لو سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی۔"

اس کے جواب میں نجاشی نے یہ عریضہ بھیجا:

"محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف نجاشی الاصحم بن الابجر کی طرف سے!

یا نبی اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی، رحمت اور برکت ہو۔ اس معبود برحق کے علاوہ کوئی خدا نہیں جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی۔ یا رسول اللہ! ﷺ مجھے آپ کا مکتوب گرامی مل چکا ہے۔ جس میں آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ ذکر کیا ہے۔ آسمان اور زمین کے رب کی قسم! آپ نے جو کچھ ذکر کیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے زائد نہیں ہیں۔ جس چیز کے ساتھ آپ مبعوث ہوئے ہیں ہم نے اسے پہچان لیا ہے۔ آپ کے چچا زاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمارے ہاں قیام کر لیا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ میں نے آپ کی اتباع کر لی ہے۔ میں نے آپ کے چچا زاد کی بیعت کر لی ہے۔ میں نے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں اپنے نور نظر اریحا بن الاصحم کو آپ کی بارگاہ میں بھیج رہا ہوں۔ میں صرف اپنے نفس کا مالک ہوں۔

اگر آپ حکم دیں تو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں۔ یا رسول اللہ! ﷺ میں اسی طرح کروں گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے۔"

تنبیہات

1. ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ اس سفر میں عمرو کا رفیق راہ عبد اللہ بن ربیعہ تھا لیکن سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ صحیح مؤقف یہ ہے کہ اس سفر میں عمرو کا رفیق عمارہ تھا۔ عبد اللہ عمرو کے ساتھ نجاشی کے پاس اس وقت گیا تھا جبکہ غزوۂ بدر رونما ہو چکا تھا۔

2. حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے کہا: "انہوں نے ہمیں نماز کا حکم دیا۔" اس سے مراد وہ نماز تھی جو پانچ نمازوں سے پہلے فرض تھی۔ جبکہ زکوٰۃ سے مراد مطلق صدقہ ہے کیونکہ مال کی زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی تھی۔

مہاجرین حبشہ کے اسماء

یہ اسماء ذکر کرنے کے دو فوائد ہیں۔ (۱) ان کی پہچان (۲) ان کا شمار امت کے اکابر صالحین میں ہوتا ہے۔ علامہ جوزی نے الصفوۃ کے مقدمہ میں حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ صالحین کے تذکرہ کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔" ابن اسحاق نے ان کا تذکرہ قبائل اور خاندان کے اعتبار سے کیا ہے لیکن مجھے یہ ترتیب مشکل لگی ہے۔ یہ اس شخص کے لیے مشکل ہے جو ان میں سے کسی ایک کا نام معلوم کرنا چاہے۔ لہٰذا میں انہیں حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر کروں گا۔

(الف) حضرت ابان بن سعد رضی اللہ عنہ۔ ابن اسحاق نے ان کا تذکرہ کیا ہے لیکن دیگر سیرت نگاروں نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ انہوں نے غزوہ خیبر کے ایام میں اسلام قبول کیا تھا اور اس غزوہ میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ شرکت کی تھی۔ حضرت ابراہیم بن حارث، حضرت الاسود بن نوفل،

(باء) حضرت بشیر بن حارث رضی اللہ عنہ (تاء) حضرت تمیم بن حارث رضی اللہ عنہ۔ (ج) حضرت جابر بن سفیان، حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت جنادہ بن سفیان، حضرت جہم بن قیس۔ (ح) حضرت حارث بن حارث بن قیس۔ حضرت حارث بن حاطب، حضرت حارث بن خالد، حضرت حارث بن عبد قیس۔ حضرت حاطب بن حارث، حضرت حاطب بن حارث بن معمر قرشی جمحی، حضرت حاطب بن عمرو بن عبد شمس۔ حضرت حجاج بن حارث، حضرت حطّاب بن حارث۔

(خاء) حضرت خالد بن حزام، حضرت خالد بن سعید، حضرت خالد بن سفیان، حضرت خزیمہ بن جہم، حضرت خنیس بن حذافہ۔ (راء) حضرت ربیعہ بن ھلال، (زاء) حضرت زبیر بن عوام۔ (س) حضرت سائب بن حارث، حضرت سائب بن

عثمان، حضرت سعد بن خولہ، حضرت سعد بن حارث، حضرت سعید بن عبد قیس، حضرت سعید بن عمرالتمیمی، حضرت سفیان بن معمر، حضرت سکران بن عمرو، حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت سلیط بن عمرو، حضرت سہیل بن بیضاء، حضرت سویبط بن حرملہ۔ (شین) حضرت شرجیل بن عبد اللہ، (طاء) حضرت طیب بن ازھر، حضرت طیب بن عمیر، (عین) حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت عامر بن ابی وقاص، حضرت عامر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن جحش، حضرت عبد اللہ بن حارث، حضرت عبد اللہ بن حذافہ، حضرت عبد اللہ بن سفیان، حضرت عبد اللہ بن سہیل، حضرت عبد اللہ بن شہاب، حضرت عبد اللہ بن اسد، حضرت عبد اللہ بن عرفطہ، حضرت عبد اللہ بن قیس، حضرت عبد اللہ بن مخزمہ، حضرت عبد اللہ بن غافل، حضرت عبد اللہ بن مظعون، عبید اللہ بن جحش (اس نے وہاں نصرانیت اختیار کر لی تھی پھر اسی نصرانیت پر مرا تھا) حضرت عبد الرحمان بن عوف، حضرت عتبہ بن غزوان، حضرت عتبہ بن مسعود، حضرت عثمان بن ربیعہ، حضرت عثمان بن عبد غنم، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عدی بن نضلہ، حضرت عروہ بن ابی اثاثہ، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عمرو بن رئاب، حضرت عمرو بن امیۃ، حضرت عمرو بن جہم، حضرت عمرو بن حارث، حضرت عمرو بن سعید، حضرت عمرو بن عثمان، حضرت عمرو بن ابی سرح، حضرت عمیر بن رئاب، حضرت عیاش بن ابی ربیعہ، حضرت عیاض بن زہیر۔ (الفاء) فراس بن نضر بن حارث۔ (القاف) حضرت قذافہ بن مظعون، حضرت قیس بن حذافہ، حضرت قیس بن عبد اللہ (المیم) حضرت مالک بن زمعہ، حضرت محمد بن حاطب، حضرت محمید بن جزئ، حضرت مصعب بن عمیر۔ حضرت مطلب بن ازہر، حضرت معبد بن حارث، حضرت معتب بن عوف، حضرت معمر بن حارث، حضرت معیقیب بن فاطمہ، حضرت مقدار بن اسود کندی، (النون) حضرت نبیہ بن عثمان، حضرت نعمان بن عدی، (الھاء) ہاشم بن ابی حذیفہ، حضرت ھبار بن سفیان، حضرت ہشام بن عتبہ، حضرت ہشام بن عاصی (الیاء) حضرت یزید بن زمعہ، حضرت یسار ابو فکیہہ۔ حضرت ابو روم بن عمیر بن ہاشم، حضرت ابو بسرۃ بن ابی رہم، حضرت ابو سلمہ بن عبد اللہ، حضرت ابو عبیدہ بن جراح حضرت ابو قیس بن حارث۔

صحابیات

حضرت اسماء بنت عمیس، حضرت امینہ، حضرت برکۃ بنت یسار، حضرت حریملہ بنت عبد الاسود حضرت حسنہ ام شرجبیل، حضرت خزیمہ بنت جہم، حضرت رقیہ بنت سید الخلائق ﷺ حضرت رملہ بنت ابی عوف، حضرت ریطہ بنت الحارث، حضرت سہلہ بنت سہیل، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت عمیرہ بنت اسعد، حضرت فاطمہ بنت صفوان بن امیہ، حضرت فاطمہ بنت علقمہ، حضرت فاطمہ بنت المجلل حضرت فکیہہ بنت یسار، حضرت لیلیٰ بنت ابی خیثمہ، حضرت ہمینہ بنت خلف، حضرت ھند بنت ابی امیہ، حضرت ام حرملہ بنت عبد الاسود، حضرت ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہم۔

سرزمین حبشہ میں پیدا ہونے والے صحابہ کرام

حضرت جعفر طیار اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت عبد اللہ، حضرت عون اور حضرت محمد رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ حضرت امیہ بنت خلف کے ہاں حضرت سعید اور امۃ پیدا ہوئے۔ حضرت رملہ بنت ابی عوف کے ہاں حضرت عبد اللہ بن مطلب، حضرت سہلہ بنت سہیل، حضرت فاطمہ بنت مجلل کے ہاں حضرت محمد اور حضرت حارث پیدا ہوئے۔ حضرت ریطہ کے ہاں حضرت موسیٰ، حضرت عائشہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔

❀❀❀

بیسواں باب

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اس وقت سے ہی میرے والدین اہل ایمان تھے۔ ہر دن صبح یا شام کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں ضرور تشریف لایا کرتے تھے۔ جب مسلمانوں کو اذیت دی جانے لگی تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہجرت حبشہ کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے۔ وہ جب برک الغماد تک پہنچے تو انہیں ابن دغنہ ملا۔ وہ قبیلہ قارہ کا سردار تھا۔ اس نے کہا: "اے ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے۔ میں زمین میں چل پھر کر اپنے رب کی عبادت کرنا چاہتا ہوں۔" ابن دغنہ نے کہا: "آپ جیسی ہستی نہ نکل سکتی ہے نہ نکالی جا سکتی ہے آپ غریب کی مدد کرتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں۔ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ حق کے امور پر مدد کرتے ہیں۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں۔ آپ واپس لوٹ جائیں اور اپنے شہر میں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کریں۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت حارث بن خالد بھی تھے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میرے ہمراہ میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی ہے۔" ابن دغنہ نے کہا: "اسے آگے جانے دیں۔ آپ اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹ جائیں۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: "رفاقت کا حق کہاں گیا؟ حضرت حارث نے کہا: "آپ واپس لوٹ جائیں۔ آپ کو اجازت ہے۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس حبشہ میں چلا جاؤں گا۔" وہ روانہ ہو کر حبشہ چلے گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔ ابن دغنہ ان کے ہمراہ تھا۔ ابن دغنہ قریش کے سرداروں کے پاس گیا۔ اس نے کہا: "ابوبکر جیسے شخص کو باہر نہیں نکالا جا سکتا۔ کیا تم ایسے شخص کو اپنے شہر سے باہر نکال رہے ہو۔ جو کمزوروں کی مدد کرتا ہے۔ صلہ رحمی کرتا ہے بوجھ اٹھاتا ہے۔ مہمان نوازی کرتا ہے۔ حق کے امور پر مدد کرتا ہے۔ قریش نے ابن دغنہ کی بات نہ جھٹلائی۔ انہوں نے ابن دغنہ کی پناہ کو نافذ کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امان دے دی۔ انہوں نے ابن دغنہ سے کہا: "ابوبکر سے کہو کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرے۔ اسی گھر میں ہی نماز پڑھے۔ وہاں جو چاہے پڑھے لیکن ہمیں اس سے اذیت نہ دے۔ نہ ہی بآواز بلند تلاوت کرے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ وہ ہماری خواتین اور بیٹوں کو فتنہ میں مبتلا کر دے گا۔" ابن دغنہ نے یہ بات جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بتا دی۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں رب تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔ وہ نہ بآواز بلند نماز پڑھتے تھے نہ ہی اپنے گھر سے باہر قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے پھر انہیں خیال آیا۔

انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی وہ وہاں نماز پڑھتے تھے۔ مشرکین کی خواتین اور بچوں کا اژدہام ان کے پاس جمع ہو جاتا۔ وہ ان کے گریہ پر تعجب کرتے اور ان کی طرف دیکھتے۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک نرم دل انسان تھے۔ قرآن پاک پڑھتے وقت ان کی آنکھوں سے آنسو گرتے رہتے تھے۔ یہ دیکھ کر مشرکین مکہ گھبرا اٹھے۔ انہوں نے ابن دغنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ ان کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا: "ہم نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت اپنے گھر میں کریں گے۔ انہوں نے اس امر سے تجاوز کیا ہے۔ انہوں نے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا دی ہے۔ وہاں باآواز بلند نماز اور قرأت کرتے ہیں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ وہ ہماری خواتین اور بچوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے۔"

ان کے پاس جاؤ اگر وہ پسند کریں کہ صرف اپنے گھر میں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کریں تو ان کی پناہ قائم رکھو۔ اگر وہ انکار کریں تو انہیں کہو کہ وہ تمہاری پناہ واپس کر دیں۔ ہمیں سخت ناپسند ہے کہ ہم آپ کی پناہ واپس کر دیں لیکن ہم جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اعلانیہ قرأت بھی پسند نہیں کرتے۔"

ابن دغنہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا: "آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کو کن شرائط پر پناہ دی تھی۔ یا تو ان شرائط کی پاسداری کرو یا میری پناہ واپس کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں کہ ابن دغنہ نے ابوبکر کو پناہ دی تھی لیکن ان کی قوم نے اس کی پناہ کو ٹھکرا دیا۔" جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں تیری پناہ تجھے واپس کرتا ہوں اور میں رب تعالیٰ کی پناہ پر راضی ہوں۔"

اس وقت حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا: "میں نے تمہاری ہجرت گاہ دیکھی ہے۔ وہ دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین کھجوروں والی سرزمین پاک ہے۔ صحابہ کرام مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ مہاجرین حبشہ میں سے اکثریت مدینہ طیبہ کی طرف چلی گئی۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ذرا ٹھہر جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی۔" جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کیا آپ کو امید ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! بقیہ تفصیل ہجرت مدینہ کے باب میں بیان کی جائے گی۔"

ابن اسحاق نے قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب ابن دغنہ کی پناہ میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو قریش کا ایک احمق انہیں رستہ میں ملا۔ وہ خانہ کعبہ کی طرف جا رہے تھے۔ اس نے ان کے سر اقدس پر مٹی پھینک دی۔ ولید بن مغیرہ یا عاصی بن وائل ان کے پاس سے گزرا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: "کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس احمق نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ اس نے کہا: "تم نے خود ہی اپنے نفس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تین بار اس طرح کہا: "میرے مولا! تو کتنا حلیم ہے۔"

اکیسواں باب

ظالمانہ دستاویز کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "پھر قریش میں سے ایک جماعت اس ظالمانہ دستاویز کو ختم کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی جو قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف لکھی تھی۔ اس صحیفہ کو ختم کرنے کے لیے سب سے اہم کردار ہشام بن عمرو کا تھا۔ یہ نضلہ بن ہاشم کا ماں کی طرف سے بھائی تھا۔ اس کے بنو ہاشم کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ یہ اپنی قوم میں شرف والا شخص تھا۔ یہ رات کے وقت ایک اونٹ لاتا۔ یہ خوراک سے لدا ہوتا تھا۔ اس وقت بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب میں تھے۔ جب وہ اونٹ گھاٹی کے منہ تک جاتا تو یہ اس کی نکیل اس کی گردن پر رکھ دیتا پھر اس کے پہلو پر ضرب لگاتا۔ وہ اونٹ گھاٹی میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس چلا جاتا۔ وہ دوسرا اونٹ لاتا جسے گندم سے لادا گیا ہوتا تھا وہ اس کے ساتھ بھی اسی طرح کرتا۔"

ابن سعد نے لکھا ہے: "جب بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تو یہ سارے لوگوں سے زیادہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنے والا تھا۔ اس نے ایک رات میں خوراک کے تین اونٹ اس گھاٹی میں بھیجے۔ قریش کو یہ علم ہو گیا وہ وقت صبح اس کے پاس گئے اور اس ضمن میں اس سے بات چیت کی۔ اس نے کہا: "اب میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا جو تمہاری مخالفت میں ہو۔" قریش چلے گئے اس نے دوسری رات بھی اسی طرح کیا۔ اس نے ایک یا دو اونٹ گھاٹی میں داخل کر دیے۔ یہ دیکھ کر قریش کو بہت غصہ آیا۔ انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا۔ ابو سفیان نے کہا: "اسے چھوڑ دو۔ یہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے جو صلہ رحمی کے مستحق ہیں۔ بخدا! اگر ہم بھی اسی طرح کریں جس طرح یہ کرتا ہے تو ہمارے لیے بہتر ہوتا۔" یہ ہشام زہیر بن ابی امیۃ کے پاس گیا۔ اس کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبد المطلب تھا۔ اس نے اسے کہا: "اے زہیر! کیا تو راضی ہے کہ تو خود تو کھانا کھائے۔ کپڑے پہنے، عورتوں سے نکاح کرے لیکن تیرے ننھال اس حالت میں ہوں جسے تو جانتا ہے جو نہ کچھ خرید سکیں نہ کچھ فروخت کر سکیں۔ جو نہ نکاح کر سکیں نہ کوئی ان کے ساتھ نکاح کرے۔ میں قسم اٹھاتا ہوں کہ اگر وہ ابو الحکم بن ہشام کے ننھال ہوتے۔ اگر تم اس طرح کی دعوت دیتے جس طرح کہ اس نے تجھے دعوت دی ہے تو تیری دعوت پر لبیک نہ کہتا۔" اس نے کہا: "ہشام! تیرے لیے ہلاکت! میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں ایک شخص ہوں۔ اگر میرے ساتھ ایک اور شخص ہوتا تو میں اس صحیفہ کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا۔" اس نے کہا: "تجھے ایک

شخص مل گیا ہے۔ زہیر نے کہا: "وہ کون ہے؟" ہشام نے کہا: "وہ میں ہوں۔" زہیر نے کہا: "پھر تیسرا شخص تلاش کرو۔"
وہ مطعم بن عدی کے پاس گیا اس نے اسے کہا: "اے مطعم! کیا تو راضی ہے کہ بنو عبد مناف میں سے دو قبیلے ہلاکت میں گر رہے ہوں اور تو قریش کی موافقت کرتے ہوئے اسے دیکھ رہا ہو۔ بخدا! اگر تم قریش کو اس اذیت میں مبتلا کر دیتے تو وہ تم پر اس سے کہیں جلدی حملہ آور ہو جاتے۔" اس نے کہا: "میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں اکیلا شخص ہوں۔" اس نے کہا: "تو نے دوسرا شخص بھی پا لیا ہے۔" مطعم: وہ کون ہے؟ ہشام: "وہ میں ہوں۔" اس نے کہا: "تیسرا شخص تلاش کرو۔" ہشام نے کہا: "وہ بھی مل گیا ہے؟" مطعم: وہ کون؟ ہشام: "وہ زہیر بن امیہ ہے۔" اس نے کہا: "چوتھا شخص بھی تلاش کرو۔" ہشام ابی البختری بن ہشام کے پاس گیا۔ اسے اسی طرح کہا جس طرح مطعم بن عدی کو کہا تھا۔ اس نے اسے کہا: "کیا کوئی اور شخص بھی اس معاملہ میں ہماری مدد کر سکتا ہے؟ ہشام: ہاں! ابوالبختری: وہ کون؟ ہشام: زہیر، مطعم اور میں تمہارے ساتھ ہیں۔ ابوالبختری: پانچواں فرد بھی تلاش کرو۔" ہشام زمعہ بن اسود کے پاس گیا۔ اس سے بات چیت کی: اسے ان کی قرابت اور حق یاد کرایا۔ اس نے پوچھا: "کیا کوئی اور شخص اس معاملہ میں ہماری مدد کرنے کے لیے تیار ہے۔" ہشام نے کہا: "ہاں! اس نے مذکورہ بالا افراد کے نام اسے بتا دیے۔

زبیر بن ابی بکر نے لکھا ہے کہ سہیل بن بیضاء فہری نے یہ ساری تگ و دو کی تھی۔ جناب ابوطالب کے قصیدہ کا مصرعہ هم رجعوا سهل بن بيضاء راضيا بھی اس مؤقف کی تائید کرتا ہے۔ ابن سعد نے ان افراد میں عدی بن قیس کا اضافہ کیا ہے ان میں سے حضرات ہشام، زہیر، سہیل اور عدی رضی اللہ عنہم کو اسلام لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ سارے افراد رات کے وقت الحجون کی بلندی پر چڑھے۔ باہم مشاورت کی انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس ظالمانہ دستاویز کے اختتام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ حتیٰ کہ یہ ختم ہو جائے۔ زہیر نے کہا: "میں تم میں سے سب سے پہلے آغاز کروں گا۔ سب سے پہلے میں ہی گفتگو کا آغاز کروں گا۔"

وقتِ صبح وہ اپنی اپنی محفل میں گئے۔ زہیر بھی نکلا۔ اس نے خوبصورت حلہ زیب تن کر رکھا تھا۔ اس نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے کہا: "اے اہل مکہ! ہم کھانا کھاتے ہیں۔ کپڑے پہنتے ہیں جبکہ بنو ہاشم ہلاکت کے گھاٹ میں اترے ہوئے ہیں۔ وہ نہ خرید سکتے ہیں نہ ہی فروخت کر سکتے ہیں۔ بخدا! میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا حتیٰ کہ یہ صحیفہ چاک کر دوں۔" ابوجہل: مسجد کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: "تو جھوٹ بول رہا ہے۔ بخدا! وہ شق نہیں ہو گا۔" زمعہ بن اسود نے کہا: "جھوٹا تو تو ہی ہے۔ بخدا! جب یہ دستاویز لکھی جا رہی تھی اس وقت ہم اس پر راضی ہی نہ تھے۔" ابوالبختری نے کہا: زمعہ نے سچ کہا ہے جو کچھ اس میں لکھا گیا ہم اس پر راضی نہیں ہیں۔ نہ ہی اس کا اقرار کرتے ہیں۔" مطعم نے کہا: "تم دونوں نے سچ کہا ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ جھوٹ ہے۔ ہم رب تعالیٰ کے حضور اس

سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔ جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے۔" ہشام بن عمرو نے بھی اسی طرح کہا۔ ابو جہل نے کہا: "یہ ایسا امر ہے جس کا فیصلہ رات کو کیا گیا ہے۔ اس کے بارے اس کے علاوہ کسی اور جگہ مشاورت ہوئی ہے۔ جناب ابو طالب مسجد حرام کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مطعم اٹھا تاکہ اس صحیفہ کو چاک کر دے۔ اس نے دیکھا کہ دیمک نے رب تعالیٰ کے نام کے علاوہ سب کچھ چٹ کر دیا تھا۔

حضرت ابن عباس نے لکھا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہے۔ (ابونعیم)

محمد بن عمر اسلمی نے لکھا ہے: "میں نے محمد بن صالح اور عبد الرحمن بن عبد العزیز سے پوچھا کہ بنو ہاشم شعب ابی طالب سے کب باہر نکلے؟ انہوں نے کہا: بعثت کے دسویں سال یعنی ہجرت سے تین سال قبل۔

الفصوص میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ شعب ابی طالب سے باہر تشریف لائے اس وقت آپ کی عمر مبارک ۴۹ سال تھی۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب یہ صحیفہ چاک چاک ہو گیا۔ اس میں جو کچھ تحریر تھا وہ سب کچھ باطل ہو گیا تو جناب ابو طالب نے ان لوگوں کی توصیف کرتے ہوئے یہ اشعار کہے جنہوں نے اس ظالمانہ دستاویز کو ختم کرنے کے لیے تگ و دو کی تھی۔ انہوں نے کہا:

الاهل اتى بحرينا صنع ربنا على نأيهم و الله بالناس ارود

ترجمہ: "کیا وہ سب کچھ مہاجرین حبشہ کو مسافت کے باوجود معلوم ہو گیا ہے جو کچھ ہمارے رب تعالیٰ نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر حکیم ہے۔"

فيخبرهم ان الصحيفة مزقت ان كل ما لم يرضه الله مفسد

ترجمہ: "ان کو یہ اطلاع ملی ہے کہ اس دستاویز کو چاک کر دیا گیا ہے جسے رب تعالیٰ پسند نہیں کرتا وہ فنا ہو جاتی ہے۔"

تراوحها افك و سحر مجمّع و لم يلف سحر اخر الدهر يصعد

ترجمہ: "جھوٹ اور دروغ گوئی نے اس صحیفہ کو تقویت دی۔ جھوٹ قیامت تک بھی ترقی نہیں کر سکتا۔"

فمن ينش من حصار مكة عزة فعزتنا فى بطن مكة اتلد

ترجمہ: "اگر کوئی اس لیے معزز ہے کہ اس کی رہائش مکہ مکرمہ میں ہے تو پھر اس شہر میں ہماری عزت بہت قدیم ہے۔"

نشأنا بها و الناس فيها قلائل فلم ننفك نزداد خيرا و نحمد

ترجمہ: "جب لوگ بہت کم تھے تو ہم نے اس شہر میں نشو و نما پائی۔ خیر کے اعتبار سے ہم میں اضافہ ہوتا رہا ہر جگہ ہماری تعریف ہوتی رہی۔"

و نطعم حتی یترک الناس فضلهم — اذ جعلت ایدی المفیضین ترعد

ترجمہ: "ہم لوگوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ لوگ اپنی فضیلت کو ترک کر دیتے ہیں۔ جب فال گیروں کے ہاتھ بھی کانپنے لگتے ہیں۔"

جزی اللہ رهطا بالحجون تتابعوا — علی ملاء یهدی لحزم و یرشد

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اس گروہ کو جزاء دے جو حجون پر تھا۔ جنہوں نے اس گروہ کی اعانت کی۔ جو ہدایت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے۔"

قعود لدی خطم الحجون کانهم — مقاولةٌ بل هم اعزّو امجد

ترجمہ: "وہ حجون کی رفعت پر ایسے بیٹھے تھے گویا کہ وہ سردار تھے۔ بلکہ وہ سرداروں سے بھی معزز و محترم تھے۔"

اعان علیها کل صقر کانهٔ — اذا ما مشی فی رفرف الدرع احرد

ترجمہ: "اس ظالمانہ دستاویز کو ختم کرنے والا ہر شخص شاہین کی مانند تھا۔ جب وہ خود سے بندھی ہوئی زرہ کے ساتھ چلتا تو آہستہ چلتا ہے۔"

جریٌٔ علی جلّی الخطوب کانه — شهاب بکفی قابس یتوقد

ترجمہ: "وہ بڑے بڑے امور کی طرف جرأت سے بڑھنے والا ہے گویا کہ وہ آگ لینے والے شخص کے دونوں ہاتھوں میں روشن انگارہ ہے۔"

من الا کبر عین من لؤی بن غالب — اذا سیم خسفا وجهه یتربد

ترجمہ: "وہ لوی بن غالب کے معززین میں سے ہے۔ جب اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کیا جاتا ہے تو اس کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے۔"

الظ بهذا الصلح کل مبرأ — عظیم اللواء امره ثم یحمد

ترجمہ: "اس صلح میں مدد کرنے والا ہر آدمی عیب سے پاک، بڑے جھنڈے والا اور قابل ستائش ہے۔"

قضوا ما قضوا فی لیلهم ثم اصبحوا — علی مهل و سائر الناس رقد

ترجمہ: "انہوں نے اس رات کو جو فیصلہ کرنا تھا کر دیا۔ پھر صبح کے وقت منزل پر جا پہنچے۔ جبکہ سارے دیگر لوگ سو رہے تھے۔"

هم رجعوا سهل بن بیضاء راضیاً — و سرّ ابوبکر بها و محمد

ترجمہ: "انہوں نے سہل بن بیضاء کو راضی بھیج دیا۔ حضور ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس سے مسرور ہو گئے۔"

متی شرك الاقوام فی جلّ امرنا و کنا قدیما اقبلها نتودّد

ترجمہ: ”یہ لوگ ہمارے عظیم کاموں میں کب شرکت کرتے ہیں حالانکہ کافی مدت سے ہم باہم محبت کرتے رہے ہیں۔“

فیا لقصّی هل لکم فی نفوسکم و هل لکم فیما یجئی به غدُ

ترجمہ: ”اے بنو قصی! کیا تم نے کبھی اپنے متعلق سوچا ہے اور کبھی سوچا ہے کہ مستقبل میں تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔“

❁❁❁

بائیسواں باب

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ابن سعد نے ابوعون دوسی سے، امام بیہقی نے ابن اسحاق سے۔ ابن جریر اور ابوالفرج نے عباس بن ہشام سے روایت کیا ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ آئے۔ اس وقت حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں ہی تشریف فرما تھے۔ قریش کے چند افراد ان کے پاس گئے۔ حضرت طفیل ایک شریف، معزز اور نغزگو شاعر تھے۔ قریش نے ان سے کہا: "طفیل! تم ہمارے شہر میں آئے ہو۔ یہ جو شخص ہمارے ہاں ظہور پذیر ہوا ہے اس کا معاملہ شدت اختیار کر گیا ہے۔ اس نے ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے۔ ہمارا معاملہ بکھیر دیا ہے۔ ان کی بات جادو کی طرح ہے۔ جو آدمی اس کے باپ، آدمی اور اس کے بھائی اور آدمی اور اس کی بیوی کو جدا کر دیتا ہے ہمیں تمہارے بارے خدشہ ہے۔ تمہاری قوم کے بارے اور خطرہ ہے کہ کہیں تمہیں بھی ایسے حالات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جیسے حالات کا سامنا ہمیں کرنا پڑا ہے۔ ان سے نہ بات کرنا نہ ہی ان کی بات سننا۔" حضرت طفیل نے کہا: "بخدا! وہ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے اتفاق کر لیا کہ میں آپ سے نہ بات کروں گا نہ ہی آپ کی بات سنوں گا۔ حتیٰ کہ مسجد حرام کی طرف جاتے وقت میں اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ تاکہ کہیں آپ کی بات میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ میں مسجد حرام کی طرف گیا حضور اکرم ﷺ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ میں ان کے قریب گیا۔ رب تعالیٰ نے انکار کر دیا مگر یہ کہ اس نے مجھے آپ کی باتیں سنا دیں۔ میں نے ایک عمدہ کلام سنا۔ میں نے دل میں کہا: "میں ایک قادر الکلام شخص ہوں مجھ پر کلام کا حسن و قبح عیاں ہے۔ مجھے کیا چیز روک سکتی ہے کہ میں اس شخص سے سن لوں کہ یہ کیا کہتا ہے؟ اگر وہ عمدہ ہوا تو اسے قبول کر لوں گا۔ اگر قبیح ہوا تو اسے ترک کر دوں گا۔" میں ٹھہرا رہا حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ واپس لوٹ آئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ میں نے عرض کی: "آپ کی قوم نے مجھے اس طرح اس طرح کہا ہے میں شاعر ہوں۔ ذرا سنئیں میں کیا کہتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: "سناؤ" میں نے آپ کو اشعار سنائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "اب میں پڑھتا ہوں سنو۔" آپ نے سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی تلاوت کر دی۔ مجھ پر اسلام پیش کیا۔ بخدا! میں نے اتنا حسین کلام کبھی نہیں سنا تھا نہ ہی کبھی اتنا عمدہ امر دیکھا تھا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں نے عرض کی: "یا نبی اللہ! ﷺ میں ایک ایسا شخص ہوں کہ میری قوم میری اطاعت کرتی ہے۔ میں اپنی قوم کے پاس جانے لگا ہوں۔ میں انہیں اسلام کی طرف دعوت دوں

گا۔ رب تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ میرے لیے کوئی نشانی بنا دے۔ جو ان کے خلاف میرے لیے مددگار ثابت ہوں۔" آپ نے دعا مانگی: "مولا! اس کے لیے نشانی بنا دے۔" میں ایک بارش والی تاریک رات میں اپنی قوم کی طرف عازم سفر ہوا۔ حتیٰ کہ جب میں ثنیہ تک پہنچا اور گھاٹی کے مکینوں کو دیکھنے لگا تو میری آنکھوں کے سامنے ایک نور نمودار ہو گیا جو چراغ کی طرح تھا۔ میں نے عرض کی: "مولا! اسے میرے چہرے کے علاوہ کسی اور جگہ سے نمودار کر دے۔ مجھے خدشہ ہے کہ وہ اسے مثلہ سمجھیں گے۔" وہ نور میرے عصا کے کنارے سے نکلنے لگا گویا کہ وہ ایک معلق قندیل تھی۔ میں گھاٹی سے اتر کر نیچے ان کے پاس آنے لگا۔ حتیٰ کہ میں اہل خانہ کے پاس آ گیا۔ جب میں اپنے گدھے سے اترا تو میرے والد گرامی میرے پاس آئے۔ میں نے ان سے کہا: "والد صاحب! مجھ سے دور ہو جاؤ۔ میرا اور آپ کا تعلق ختم! انہوں نے کہا: "نور نظر! کیوں؟ میں نے کہا: "میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ دین محمدی ﷺ کی اتباع کر لی ہے۔" انہوں نے کہا: "لخت جگر! میرا دین وہی ہے جو تمہارا دین ہے۔" میں نے کہا: "جائیں! غسل کریں۔ صاف کپڑے پہنیں۔" انہوں نے اسی طرح کیا پھر آئے۔ میں نے انہیں اسلام پیش کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر میری زوجہ میرے پاس آئی۔ میں نے اسے کہا: "میرا اور تیرا تعلق ختم۔" اس نے کہا: "میرے والدین آپ پر فدا! کیوں؟ میں نے کہا: "اسلام نے میرے اور تیرے مابین تفریق ڈال دی ہے۔ میں نے حضور ﷺ کے دین کی اتباع کر لی ہے۔" اس نے کہا: "میرا دین وہی ہے جو آپ کا دین ہے۔" میں نے کہا: "جاؤ! پاکیزہ کپڑے پہن کر آؤ۔" اس نے اسی طرح کیا۔ میں نے اس پر اسلام پیش کیا۔ اس نے بھی اسلام قبول کر لیا لیکن میری امی نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر میں نے قبیلہ دوس کو دعوتِ اسلام دی لیکن اس نے گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا۔ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ! دوس پر بدکاری نے غلبہ پا لیا ہے۔ اس کے لیے بد دعا فرمائیں۔" آپ نے یہ دعا مانگی: "دوس کو ہدایت نصیب فرما۔" پھر فرمایا: "ان کے پاس جاؤ۔ انہیں اسلام کی طرف دعوت دو اور ان کے ساتھ نرمی کرو۔" میں اپنی قوم کے پاس آ گیا۔ میں اسے دعوت دیتا رہا حتیٰ کہ حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق گزر گئے۔ میں دوس میں سے مسلمانوں کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ حاضر ہو گیا۔ اس وقت حضور ﷺ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ حتیٰ کہ دوس کے ستر یا اسی گھرانے مدینہ طیبہ میں فروکش ہو گئے۔ پھر ہم خیبر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے ہمارے لیے بھی مال غنیمت میں سے ہمارا حصہ نکالا۔" حضرت طفیل نے جب اسلام قبول کیا تو یہ اشعار کہے:

آلا بلغ لديك بنو لؤى — على الشنان و الغضب و المردّى

ترجمہ: "بنو لؤی کو عداوت، غضب اور ہلاکت کے باوجود یہ پیغام دے دو۔"

بان الله رب الناس فرد — تعالى جده من كل ندّ

ترجمہ: "کہ لوگوں کا پروردگار اللہ تعالیٰ یکتا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔"

و ان محمد عبد رسول　　دليل هدى و موضح كل رشد

ترجمہ: "نیز یہ کہ محمد عربی ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں ہدایت کے راہ نما ہیں۔ ہر ہدایت کو روشن کرنے والے ہیں۔"

رئيت له دلائل انبائتني　　بان سبيله يهدى تقصد

ترجمہ: "میں نے آپ کے ایسے دلائل دیکھے جنہوں نے مجھے بتا دیا کہ آپ کا رستہ منزل کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔"

و ان الله جلّله بهاء　　و اعلى جده فى كل جدّ

ترجمہ: "رب تعالیٰ نے آپ کو رفیع عظمت بخشی ہے اور آپ کی کوشش کو ہر کوشش سے بلند کیا ہے۔"

و قالت لى قريش عد عنه　　فان مقاله كالغرّ يعدى

ترجمہ: "مجھ سے قریش نے کہا کہ آپ سے پہلوتہی کروں۔ آپ کی گفتگو غر پرندے کی طرح بیمار کر دیتی ہے۔"

فلمّا ان املت اليه سمعى　　سمعت مقاله كمشور شهد

ترجمہ: "جب میں نے آپ ﷺ کی طرف اپنے کان جھکائے تو میں نے آپ کی گفتگو سن لی جو شہد کی طرح شیریں تھی۔"

و الهمنى هدايا الله عنه　　و بدل طالعى نحسى بسعدى

ترجمہ: "رب تعالیٰ نے مجھے ان کی وجہ سے ہدایت دے دی۔ میرے نحوست کے ستارے کو سعادت میں بدل دیا۔"

ففزت بما حباه الله قلبى　　و خاز محمد بصفاء ودّى

ترجمہ: "جو کچھ رب تعالیٰ نے میرے دل کو دیا تھا میں اس کی وجہ سے کامیاب ہو گیا۔ میری محبت کے خلوص کے ساتھ محمد عربی ﷺ کامیاب ہو گئے۔"

❁❁❁

تئیسواں باب

اراشی اور زبیدی کی داستانیں

ابن اسحاق نے تحریر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے: "مجھے عبد الملک بن ابی سفیان الثقفی نے بیان کیا ہے۔ وہ ایک اچھے انسان تھے۔ انہوں نے کہا: "اراش سے ایک شخص اپنے اونٹ لے کر آیا۔ ابو جہل نے اس سے اونٹ خرید لیے۔ وہ قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام کرنے لگا۔ وہ شخص آیا اور قریش کی محافل میں کھڑا ہو گیا۔ حضور ﷺ مسجد حرام کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا: "اے معشر قریش! ابو الحکم کے خلاف میری مدد کون کرے گا؟ میں غریب مسافر ہوں۔ اس نے میرا حق سلب کر لیا ہے۔" ان اہل محفل نے کہا: "تمہیں وہ شخص نظر آ رہا ہے۔ (وہ آپ سے مذاق کر رہے تھے کیونکہ وہ اس عداوت کو جانتے تھے جو حضور اکرم ﷺ اور ابو جہل کے مابین تھی) ان کے پاس جاؤ۔ وہی ابو جہل کے خلاف تمہاری مدد کریں گے۔"

اراشی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ساری داستانِ غم عرض کی۔ آپ ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اہل محفل نے ایک شخص سے کہا: "ان کے پیچھے پیچھے چلو اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ اس کے دروازہ تک آئے دستک دی۔ اس نے پوچھا: "کون؟ آپ نے فرمایا: (جانِ عالم) محمد (ﷺ) آپ نے فرمایا: "باہر نکل۔" وہ باہر نکلا اس کے چہرے کی شادابی ختم ہو چکی تھی۔ اس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: "اس اراشی کا حق ادا کرو۔" اس نے عرض کی: "ضرور! میں ابھی اس کا حق ادا کرتا ہوں۔ وہ اندر گیا۔ پھر باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں اراشی کی رقم تھی اس نے اسے اس کے حوالے کر دیا۔ اراشی اسی محفل کے پاس گیا اس نے کہا: "اللہ تعالیٰ آپ کو عمدہ جزائے خیر دے بخدا! انہوں نے میرا حق دلوایا ہے۔" اتنے میں وہ شخص بھی آ گیا جس کو قریش نے آپ کے پیچھے بھیجا تھا۔ انہوں نے پوچھا: "تمہارے لیے ہلاکت! تم نے کیا دیکھا ہے؟" اس نے کہا: "میں نے بڑا تعجب خیز امر دیکھا ہے۔ بخدا! جب حضور ﷺ نے ابو جہل کے دروازے پر دستک دی تو وہ باہر نکلا تو گویا کہ وہ ایک روح کے بغیر جثہ تھا۔ آپ نے فرمایا: "اس مسکین کو اس کا حق ادا کرو۔" اس نے کہا: "بالکل! آپ اسی جگہ تشریف رکھیں حتیٰ کہ میں اس کا حق ادا کر دوں وہ اندر گیا باہر نکلا تو اراشی کو اس کا حق ادا کر دیا۔" اتنے میں ابو جہل بھی آ گیا۔ قریش نے پوچھا: "تیرے لیے ہلاکت! تجھے کیا ہوا تھا؟ اس طرح کے فعل کا ارتکاب تجھ سے پہلے تو کبھی نہیں ہوا تھا؟ اس نے کہا: "بخدا! جب انہوں نے میرے دروازہ پر دستک دی۔ جب میں نے

آپ کی آواز سنی تو میں رعب سے بھر گیا۔ میں آپ کی طرف باہر نکلا۔ آپ کے سر کے اوپر ایک نر اونٹ تھا۔ میں نے کسی اونٹ کی اتنی بڑی گردن، اتنا بڑا سر اور اتنے بڑے جبڑے نہیں دیکھے تھے۔ اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھے کھا جاتا۔"

محمد بن عمر اسلمی نے حضرت یزید بن رومان سے، ابونعیم نے ابویزید مدنی سے اور ابوفرعہ باہلی سے روایت کیا ہے کہ اسی اثناء میں کہ حضور اکرم ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے اردگرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک زبیدی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا: "اے گروہ قریش! کون اپنا سامانِ تجارت لے کر تمہارے پاس آیا کرے گا؟ کون نفع بخش سامان لے کر تمہارے پاس آئے گا۔ تمہارے ہاں کوئی تاجر کیسے آیا کرے گا۔ تم تو اس شخص پر ظلم کرتے ہو جو تمہارے حرم میں داخل ہوتا ہے۔" وہ اسی طرح ساری مجلسوں میں گیا۔ حتیٰ کہ وہ اس محفل پاک میں چلا گیا جس میں حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام جلوہ افروز تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے پوچھا: "کس نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ وہ تین اونٹ لے کر آیا ہے وہ اس کے بہترین اونٹ تھے۔ ابوجہل نے ان کی اصلی قیمت کی تہائی قیمت لگا دی ہے۔ اب ابوجہل کے خوف سے کوئی شخص میرے اونٹ زیادہ قیمت میں نہیں خرید رہا۔ اس نے میرے سامان کی قیمت کم کر دی ہے اور مجھ پر ظلم کیا ہے۔"

حضور ﷺ نے پوچھا: "تیرے اونٹ کہاں ہیں؟ اس نے عرض کی: "وہ حزورۃ کے مقام پر ہیں۔" حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہیں تشریف لے گئے۔ اونٹوں کو دیکھا وہ بہت خوبصورت تھے آپ نے زبیدی کے ساتھ سودا بازی کی حتیٰ کہ اسے خوش کر دیا۔ آپ نے وہ اونٹ خرید لیے۔ اس قیمت میں دو اونٹ فروخت کر دیے تیسرا اونٹ بیچا اور اس کی قیمت بنوعبدالمطلب کی بیوگان میں تقسیم کر دی۔ ابوجہل بازار کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ گفتگو بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے۔ فرمایا: "اے عمرو! اس طرح کا سلوک آئندہ نہ کرنا جس طرح کا سلوک اس اعرابی کے ساتھ کیا ہے ورنہ تجھے مجھ سے ایسے امر کا سامنا کرنا پڑے گا جو تجھے ناپسند ہوگا۔" وہ کہہ رہا تھا: "محمد عربی ﷺ! میں پھر ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ محمد عربی! میں ایسی حرکت نہیں کروں گا۔" حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ امیہ بن خلف اور دیگر سرداران قریش ابوجہل کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا: "آج تو محمد عربی ﷺ کے ہاتھوں رسوا ہو گیا ہے یا تو تو ان کی اتباع کرنا چاہتا ہے یا تیرے اندر ان کا رعب داخل ہو گیا تھا۔" اس نے کہا: "میں کبھی بھی ان کی اتباع نہیں کروں گا۔ جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ان کے دائیں بائیں آدمی دیکھے جنہوں نے نیزے پکڑ رکھے تھے اگر میں ان کی مخالفت کرتا تو وہ مجھے مار ڈالتے۔"

❁❁❁

چوبیسواں باب

نصاریٰ کا وفد

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں رونق افروز تھے۔ عیسائیوں کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ وفد تقریباً بیس افراد پر مشتمل تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ آپ مسجد حرام میں جلوہ افروز تھے ان تک آپ کی خبر حبشہ سے پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے آپ کے ساتھ گفتگو کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ سے مختلف سوالات کیے۔ قریش کے افراد خانہ کعبہ کے اردگرد اپنی اپنی محافل میں تھے۔ جب وہ مختلف سوالات سے فارغ ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی دعوت دی۔ انہیں قرآن پاک پڑھ کر سنایا۔ جب انہوں نے قرآن حکیم سنا تو ان کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ آپ کی تصدیق کی۔ انہوں نے آپ کو آپ کے ان اوصاف سے پہچان لیا جو ان کی کتب میں بیان کیے گئے تھے۔ جب وہ وہاں سے اٹھے تو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ابوجہل نے ان سے ملاقات کی۔ اس نے انہیں کہا: "اللہ تعالیٰ تمہیں رسوا کرے تمہیں تمہارے اہل دین نے اس لیے بھیجا تاکہ تم اس شخص کے بارے انہیں بتاؤ۔ تم یونہی ان کی محفل میں بیٹھے۔ اسی وقت تم نے اپنا دین چھوڑ دیا۔ تم نے ان کی تصدیق کر دی۔ ہم کسی ایسے کارواں کو نہیں جانتے جو تم سے زیادہ احمق ہو۔" اس وفد نے کہا: "تم پر سلامتی ہو۔ ہم تم جیسے جاہلوں کی طرح گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں اپنا دین مبارک تمہیں اپنا دین مبارک۔ ہم نے بھلائی حاصل کرنے میں تاخیر نہیں کی۔"

دوسرے قول کے مطابق یہ نجران کا وفد تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کون سا وفد تھا۔ ان کے بارے یہ آیات طیبات نازل ہوئیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝ (القصص: ۵۲ تا ۵۵)

ترجمہ: "جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے بھی سر تسلیم خم کر چکے تھے یہ لوگ ہیں جنہیں دیا گیا ان کا اجر دو مرتبہ بوجہ ان کے صبر کے اور وہ دور کرتے ہیں نیکی کے ساتھ برائی کو نیز اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں اور جب وہ سنتے ہیں کسی بیہودہ بات کو تو منہ پھیر لیتے ہیں اس سے اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں تم سلامت رہو ہم جاہلوں سے الجھنے کے خواہاں نہیں۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ میں نے امام زہری سے ان آیات طیبات کے بارے سوال کیا کہ ان کا نزول کن لوگوں کے بارے ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں لگاتار سنتا رہا کہ یہ آیات طیبات نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے نازل ہوئیں۔ اسی طرح سورۃ المائدہ کی یہ آیات طیبات بھی ان کے بارے ہی نازل ہوئیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ (المائدۃ ۸۲ تا ۸۳)

ترجمہ: "ضرور پائیں گے آپ لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو اور پائیں گے آپ سے زیادہ قریب دوستی میں ایمان والوں سے انہیں جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لیے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے اور جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو چھلک رہی ہوتی ہیں۔ آنسوؤں سے اس لیے کہ پہچان لیا انہوں نے حق کو۔"

❁❁❁

پچیسواں باب

سورۃ عبس کی ابتدائی آیات کا نزول

امام ترمذی، ابن منذر اور ابن حبان نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، عبد الرزاق اور عبد بن حمید اور ابویعلی نے حضرت انس سے، ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے کسی سردار کے ساتھ گفتگو کی۔ آپ نے اسے اسلام کی طرف دعوت دی۔ آپ کو امید تھی کہ وہ اسلام لے آئے گا ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ وہ شخص ولید بن مغیرہ تھا۔ حضرت انس اور حضرت ابومالک نے لکھا ہے کہ وہ امیہ بن خلف تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت مجاہد نے کہا ہے کہ اس محفل میں قریش کے کئی سردار جمع تھے۔ ان میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف بھی تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''کیا وہ کلام عمدہ نہیں جسے میں لے کر آیا ہوں۔'' انہوں نے کہا: ''ہاں! بخدا! دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا: ''جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ انہوں نے عرض کی: ''نہیں۔''

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے وہ نابینا تھے۔ آپ سرداران قریش کے ساتھ مصروف تھے۔ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما نے آپ سے کچھ پوچھا۔ انہیں علم نہ تھا کہ آپ مصروف ہیں۔ وہ آپ سے التجاء کرنے لگے کہ آپ انہیں قرآن پاک پڑھ کر سنائیں۔ انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! مجھے راہ دکھائیں مجھے وہ علم سکھائیں جو رب تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ مداخلت گراں گزری۔ آپ نے انہیں جھڑکا کیونکہ آپ ان سرداران قریش کے ساتھ مشغول تھے۔ آپ کو امید تھی کہ شاید کوئی اسلام لے آئے۔ جب حضرت ابن ام مکتوم نے اصرار کیا تو آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔ اس وقت یہ آیات طیبات نازل ہوئیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰىۤ ۙ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰىؕ ﴿۲﴾ وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىۤ ۙ﴿۳﴾ اَوۡ يَذَّكَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّكۡرٰىؕ ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰىۙ ﴿۵﴾ فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰىؕ ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيۡكَ اَلَّا يَزَّكّٰىؕ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡ جَآءَكَ يَسۡعٰىۙ ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخۡشٰىۙ ﴿۹﴾ فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾ كَلَّآ۔ (عبس: ۱ تا ۱۱)

ترجمہ: ''چیں بہ چیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا یا غور و فکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت لیکن وہ جو پرواہ نہیں کرتا اب اس کی طرف تو توجہ کرتے ہیں۔ آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سدھرے اور جو آپ کے پاس آیا دوڑتا ہوا

اور وہ ڈر بھی رہا ہے تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں ایسا نہ چاہیے۔"

جب ان آیات طیبات کا نزول ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور ان کی تعظیم کی۔ مدینہ طیبہ میں ۱۳ بار انہیں اپنا نائب بنایا جیسے کہ ابو عمر نے لکھا ہے۔ ان کا تفصیلی تذکرہ آپ کے مؤذنین کے بارے میں آئے گا۔ وہ جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ فرماتے: "اس ذات کو مرحبا جس کی وجہ سے رب تعالیٰ نے مجھ پر عتاب فرمایا ہے۔" آپ ان کے لیے اپنی چادر پھیلا دیتے۔

تنبیہات

1. حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت مجاہد سے مروی روایات مبہم کی تفسیر میں سابقہ اقوال کو جمع کرنے والی ہیں۔
2. الحافظ نے لکھا ہے کہ اسلاف کرام کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ "عَبَسَ" کا فاعل حضور اکرم ﷺ کی ذات والا ہے لیکن داؤدی نے عجیب و غریب بات لکھی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس کا فاعل کافر ہے۔
3. وہ بات بھی عجیب ہے جسے قاضی ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ مبہم شخص ولید بن مغیرہ یا امیہ بن خلف ہے لیکن یہ قیاس باطل ہے اور مفسرین کی طرف سے جہالت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ولید اور امیہ دونوں حالتِ کفر میں مرے تھے۔ ایک کی موت ہجرت سے قبل جبکہ دوسرا غزوۂ بدر میں مرا تھا نہ تو امیہ کبھی مدینہ طیبہ حاضر ہوا تھا نہ اکیلے نہ ہی وفد کی صورت میں جیسے کہ امام سہیلی اور امام قرطبی نے لکھا ہے۔

لیکن قاضی ابن عربی نے یہ قول تحقیق کے بغیر لکھ دیا ہے کیونکہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا تعلق اہل مکہ سے تھا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ یہ حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ماموں کے بیٹے تھے۔ انہوں نے ابتداء میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ اولین مہاجرین میں سے تھے۔ یہ حضور ﷺ کی ہجرت سے قبل مدینہ طیبہ ہجرت کر آئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے حضور سید عالم ﷺ کے بعد ہجرت کی تھی مگر پہلا قول درست ہے۔ سورۂ عبس بلا اختلاف مکیہ ہے تو پھر کوئی چیز رکاوٹ بن سکتی تھی کہ حضرت ابن مکتوم اور امیہ اور ولید ایک جگہ جمع ہوں۔" پھر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سبھی کا یہی موقف ہے۔ انہوں نے ان سے اسی طرح روایت کیا ہے اگر سورۂ عبس مدینہ طیبہ میں نازل ہوتی یا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں اسلام قبول کیا ہوتا تو ابن عربی کا قول درست ہوتا۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مجھے تو زیادہ تعجب الزہر کے مصنف پر بھی ہوا کہ انہوں نے سکوت اختیار کیا حالانکہ وہ اس سے کمتر اشیاء پر بھی گرفت کرتے ہیں۔

◆ یہ بھی عجیب بات ہے کہ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے بعد میں اسلام قبول کیا تھا۔ سورت عبس پہلے نازل ہوئی تھی۔ الزہر میں ہے کہ اس مؤقف میں توقف کی ضرورت ہے۔ میں نے کسی مؤرخ یا مفسر کو نہیں دیکھا جس نے جزم یا نقل کے ساتھ یہ قول کیا ہو۔ ان سب کے اس قول کی طرف دیکھا جائے گا۔" ان کا قدیم الاسلام ہونا اس کی تردید کرتا ہے۔" امام سہیلی نے اپنے مؤقف کی تاکید ان کے اس قول سے بھی کی ہے: "استدینی یا محمد" اے محمد عربی! ﷺ مجھے دین سکھائیں۔ انہوں نے آپ کو یا رسول اللہ" کے الفاظ سے مخاطب نہیں کیا ہے۔ لیکن مغلطای نے لکھا ہے کہ میں نے مذکورہ بالا الفاظ درست "استدینی یا محمد" کہیں نہیں دیکھے۔

میں کہتا ہوں "اس سیرت (ابن ہشام) کے الفاظ جس کی امام سہیلی نے شرح لکھی ہے وہ یہ ہیں "ابن ام مکتوم نے حضور ﷺ سے بات کی اور عرض کی کہ آپ انہیں قرآن مجید پڑھ کر سنائیں۔" امام ترمذی نے روایت لکھی ہے اسے حسن لکھا ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح لکھا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اس کے یہ الفاظ ہیں: "جعل يقول يا رسول الله ارشدني" جبکہ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: "فجعل عبد الله يستقرى النبي آيةً من القرآن قال يا رسول الله علّمني ما علمك الله۔"

❁❁❁

چھبیسواں باب

"قل یا ایھا الکافرون" کا نزول

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور الطبرانی نے حضرت ابن عباس، ابن ابی حاتم اور الانباری نے مصاحف حضرت سعید بن مینا سے امام عبدالرزاق نے ابن وہب اور ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ ان سب سے کہا ہے کہ اسی اثناء میں کہ حضور سید کائنات ﷺ محو طواف تھے کہ اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، امیۃ بن خلف، عاص بن وائل سہمی آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے انہوں نے آپ کو بلایا تاکہ آپ کو مال و دولت دیں اور مکہ مکرمہ کی مالدار شخصیت بن جائیں یا آپ کا نکاح اس عورت سے کر دیں جسے آپ پسند کریں۔ انہوں نے کہا: "محمد عربی! ﷺ ہم آپ کو یہ سب کچھ عطا کرتے ہیں لیکن آپ ہمارے معبودان (باللہ) کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں۔ انہیں برائی کے ساتھ یاد نہ کریں۔ اگر آپ یہ قبول نہیں کرتے تو آپ کے سامنے ایک امر رکھتے ہیں اس میں صلح کی گنجائش ہے۔" آپ نے فرمایا: "وہ کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "آپ ایک سال ہمارے معبودوں کی عبادت کر لیا کریں اور ہم ایک سال آپ کے معبودوں کی عبادت کر لیا کریں گے۔" دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے کہا: "محمد عربی! ﷺ آئیں! ہم اس معبود کی عبادت کر لیتے ہیں جس کی آپ کرتے ہیں اور آپ ان معبودان کی عبادت کر لیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ اس طرح ہم اور آپ ایک امر میں مشترک ہو جائیں گے۔ اگر وہ معبود عمدہ ہوا جس کی آپ عبادت کرتے ہیں تو ہم کو اس سے حصہ مل جائے گا اور اگر وہ معبودان بہتر ہوئے جن کی ہم عبادت کرتے ہیں تو آپ کو اس سے حصہ مل جائے گا۔" اس وقت یہ سورت طیبہ نازل ہوئی:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝۶

(الکافرون: ۱ تا ۶)

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے اے کافرو میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا تھا اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم پوجا کیا کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو۔ جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔"

ستائیسواں باب

سورۃ الروم کی ابتدائی آیات کا نزول

امام احمد، امام ترمذی (انہوں نے اس روایت کو حسن لکھا ہے)، امام نسائی، امام بیہقی، الضیاء المقدسی نے حضرت ابن عباس، ابن جریر، امام بیہقی نے ایک اور سند سے انہی سے، ابن جریر نے حضرت ابن مسعود سے، ابویعلی اور ابن ابی حاتم نے حضرت براء بن عازب سے، امام ترمذی اور امام الطبرانی نے نیار بن مکرم سے، ابن عبد الحکم نے فتوح مصر میں ابن ابی حاتم نے حضرت ابن شہاب سے اور ابن جریر نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ قریب کی سر زمین میں روم اور ایران باہم جنگ آزما ہوئے۔ اہل روم کو شکست ہوئی۔ جب یہ خبر حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچی تو ان پر بہت شاق گزری۔ حضور ﷺ کو ناپسند تھا کہ ایران کے آتش پرست روم کے اہل کتاب پر غالب آجائیں۔ یہ خبر سن کر کفار مکہ بہت خوش ہوئے۔ وہ صحابہ کرام سے ملے۔ انہوں نے کہا: ''تم اہل کتاب ہو۔ اہل ایران میں سے ہمارے بھائی تمہارے اہل کتاب بھائیوں پر غالب آگئے ہیں۔ جب تم ہمارے ساتھ جنگ کرو گے تو ہم بھی تم پر غالب آجائیں گے۔ اس وقت یہ آیات طیبات نازل ہوئیں:

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِیْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ (الروم ۱ تا ۶)

ترجمہ: ''الف، لام، میم۔ ہرا دیئے گئے رومی پاس کی زمین میں اور وہ ہار جانے کے بعد ضرور غالب آجائیں گے۔ چند برس کے اندر اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی اور بعد بھی اور اس روز خوش ہوں گے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ مدد فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی سب پر غالب ہے ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''

جب یہ آیات طیبات نازل ہوئیں تو مشرکین نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ یہ تمہارے صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ روم ایران پر غالب آجائے گا۔'' انہوں نے فرمایا: ''میرے صاحب نے سچ فرمایا

ہے۔" دوسری روایت میں ہے جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کفار کے پاس پہنچے اور فرمایا: "تم اس بات پر خوش ہو رہے ہو کہ تمہارے بھائی ہمارے بھائیوں پر غالب آ گئے ہیں۔ خوشیاں نہ مناؤ۔ رب تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا نہیں کرے گا۔ بخدا! اہل روم اہل ایران پر غالب آ جائیں گے۔ یہ بات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائی ہے۔" ابی بن خلف اٹھ کر ان کے پاس گیا۔ اس نے کہا: "تم نے جھوٹ بولا ہے۔" حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے خدا کے دشمن! تو سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔" ابی نے کہا: "ہم دس دس اونٹنیاں شرط رکھتے ہیں (یہ شرط کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے) اگر روم ایران پر غالب آ گیا تو یہ اس اونٹنیاں میں دوں گا اور اگر ایران روم پر غالب آ گیا تو دس اونٹنیاں تم دو گے یہ مدت تین سال ہے۔" حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: "مدت اس طرح درست نہیں جس طرح تم نے ذکر کی ہے "بضع" کی یہ مدت تین سے نو سال تک ہو سکتی ہے۔ شرط میں اضافہ کر دو اور مدت بڑھا دو۔" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باہر نکلے۔ ابی سے ملے۔ اس نے کہا: "شاید تم نادم ہو کر آئے ہو؟ انہوں نے فرمایا: "نہیں! آؤ ہم شرط میں اضافہ کر لیتے ہیں اور مدت بڑھا دیتے ہیں۔ میں اونٹوں کی تعداد سو اور مدت نو سال مقرر کرتا ہوں۔" ابی نے کہا: "ٹھیک ہے" جب ابی کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق مکہ مکرمہ سے چلے جائیں گے تو وہ ان کے پاس آیا۔ اس نے کہا: "مجھے خدشہ ہے کہ تم مکہ مکرمہ چھوڑ جاؤ گے۔ مجھے اپنا ضامن دو۔" انہوں نے حضرت عبداللہ کو اپنا ضامن مقرر کیا۔

جب ابی نے احد کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو وہ حضرت عبداللہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا: "میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا حتیٰ کہ تم مجھے ضامن دو۔" انہوں نے اپنا ضامن دیا۔ وہ احد کی طرف گیا۔ پھر مکہ مکرمہ واپس آنے لگا۔ اسے زخم لگا ہوا تھا۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخمی کیا تھا۔ یہ اسی سے مکہ مکرمہ میں واصل جہنم ہوا۔ اہل روم اہل ایران پر غالب آ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق ابی سے جیت گئے۔ انہوں نے ابی کے ورثاء سے ایک سو اونٹ لے لیے۔ انہوں نے انہیں بارگاہ رسالت میں حاضر کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انہیں صدقہ کر دو۔" انہوں نے وہ سارے راہِ خدا میں صدقہ کر دیے۔

❁❁❁

اٹھائیسواں باب

جنابِ ابوطالب کی وفات

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مشہور قول کے مطابق جناب ابوطالب کی وفات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وصال سے قبل ہوئی۔ ان دونوں کی وفات ہجرت مصطفی ﷺ کے تین سال قبل ایک ہی سال میں ہوئی۔ "الفصوص" میں ہے اس وقت گھاٹی سے باہر نکلنے کو اٹھائیس روز گزر چکے تھے ابن حزم نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب کی وفات نصف شوال کو ہوئی۔

ابن شیبہ، امام احمد، امام ترمذی (انہوں نے اس روایت کو صحیح لکھا ہے) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم نے سدی سے، امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت سعید بن مسیب سے، امام مسلم اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب جناب ابوطالب کا وقت وفات آیا تو قریش نے ایک دوسرے سے کہا: "عمر اور حمزہ اسلام لا چکے ہیں۔ محمد عربی (ﷺ) کا معاملہ قریش کے سارے قبائل تک پھیل چکا ہے۔ آؤ جناب ابوطالب کے پاس جاتے ہیں۔ ہم انہیں کہتے ہیں کہ وہ کچھ لے کر اور کچھ دے کر اپنے بھتیجے سے ہماری صلح کرا دیں۔ ہم اس سے امن میں نہیں کہ وہ ہمارا معاملہ ہم سے چھین لیں گے۔" سردارانِ قریش جناب ابوطالب کے پاس گئے ان سے گفتگو کی۔ ان سرداروں میں عتبہ، شیبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف ابوسفیان اور دیگر لوگ شامل تھے۔ انہوں نے کہا: "ابوطالب! ہم میں آپ کا کیا مقام ہے اس سے آپ بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ کی وفات کا وقت قریب ہے۔ ہمیں آپ کے بارے اندیشہ ہے۔ آپ اس عداوت سے آگاہ ہیں۔ جو ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے مابین ہے۔ آپ انہیں بلائیں کچھ لے اور کچھ دے کر ہماری صلح کرا دیں۔ تاکہ وہ ہم سے اور ہم ان سے رک جائیں وہ ہمارے دین کو اور ہم ان کے دین کو ترک کر دیں۔" جناب ابوطالب نے حضور ﷺ کی طرف پیغام بھیجا۔ آپ تشریف لائے۔ جناب ابوطالب اور سرداران قریش کے مابین ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ابوجہل کو اندیشہ لگ گیا کہ اگر اس جگہ حضور پاک ﷺ تشریف فرما ہو گئے تو جناب ابوطالب میں ان کے لیے نرم جذبات پیدا ہو جائیں گے۔ ابوجہل جلدی سے اچھلا اور اس جگہ جا بیٹھا۔ حضور ﷺ کو اپنے چچا کے قریب ایسی جگہ نہ مل سکی جس جگہ آپ بیٹھ جاتے۔ آپ دروازہ کے قریب بیٹھ گئے۔ جناب ابوطالب نے کہا: "اے میرے بھتیجے! یہ آپ کی قوم کے سردار ہیں۔ یہ آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ کچھ لے

دے کر صلح کرلیں۔" حضور ﷺ نے فرمایا:"ہاں! صرف ایک کلمہ طیبہ۔ یہ مجھے دے دیں۔ جس سے یہ سارے عرب کے مالک بن جائیں گے۔ سارا عجم بھی ان کا دین اختیار کرلے گا۔" دوسری روایت میں ہے:"سارا عرب ان کا دین اختیار کرلے گا اور سارا عجم انہیں جزیہ دینے لگے گا۔" وہ آپ کے اس کلمہ پر تعجب کرنے لگے۔ انہوں نے کہا:"صرف ایک کلمہ۔" آپ نے فرمایا:"ہاں! ابوجہل نے کہا:"بالکل! آپ کے والد گرامی کی قسم! دس ایسے کلمات" آپ نے فرمایا"یوں کہو: "لا الہ الا اللہ۔ سارے معبودانِ باطلہ کو چھوڑ دو جن کی تم پوجا کرتے ہو۔" انہوں نے تالیاں بجائیں پھر کہا:"اے محمد عربی! کیا آپ چاہتے ہیں کہ سارے معبودان کو ایک معبود بنالیں۔ آپ کا معاملہ عجیب ہے۔"

انہوں نے ایک دوسرے سے کہا:"یہ شخص تمہیں وہ کچھ دینے کے لیے تیار نہیں جو تم ارادہ کرتے ہو۔ چلو۔ اپنے دین پر عمل پیرا ہو۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ تمہارے اور ان کے مابین فیصلہ کردے۔" پھر وہ متفرق ہو گئے۔ رب تعالیٰ نے ان کے بارے سورۃ ص کی ابتدائی آیات نازل کیں۔

جناب ابوطالب نے حضور ﷺ سے عرض کی:"بخدا! میرے بھتیجے! آپ نے ان سے کوئی بعید امر کا مطالبہ نہیں کیا۔" جب انہوں نے یہ بات کی تو آپ نے سوچا کہ شاید جناب ابوطالب ایمان لے آئیں۔ آپ نے فرمایا:"چچا جان! آپ ہی وہ کلمہ کہہ لیں۔ روز حشر میں آپ کی شفاعت کروں گا۔" جب انہوں نے آپ کا اتنا اشتیاق دیکھا تو انہوں نے کہا: "بھتیجے! اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ میرے بعد آپ پر اور آپ کے چچا زادوں پر طعنہ زنی کریں گے اور قریش کہیں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت کے خوف سے پڑھا ہے تو میں یہ کلمہ ضرور پڑھ لیتا۔ میں یہ کلمہ صرف اور صرف آپ کو خوش کرنے کے لیے پڑھتا۔

ابن کلبی نے لکھا ہے کہ جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا۔ تو ان کے پاس قریش کے سردار جمع ہوئے انہوں نے انہیں وصیت کی۔ انہوں نے کہا:"اے گروہ قریش! رب تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے تمہیں چن لیا ہے۔ تم سارے عرب کا دل ہو۔ تم جان لو کہ کوئی خوبی نہیں رہی مگر تم نے سارے عرب کی خوبیوں کو جمع کرلیا ہے۔ کوئی شرف نہیں رہا مگر تم نے سارے شرف کو حاصل کرلیا ہے۔ اسی وجہ سے تمہیں لوگوں پر فضیلت ملی ہے۔ اسی وسیلہ کی وجہ سے لوگ تمہاری طرف آتے ہیں۔ میں تمہیں اس پاکیزہ عمارت کی تعظیم کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اس میں رب تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ معیشت کا دارومدار ہے۔ اسی سے تمہارا دبدبہ قائم ہے تم صلہ رحمی کرو۔ قطع رحمی نہ کرو۔ صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بغاوت اور نافرمانی کو ترک کردو۔ اسی وجہ سے تم سے پہلی اقوام ہلاک ہوئیں تھیں۔ داعی کو جواب دو۔ سائل کو عطا کرو۔ اس میں زندگی اور موت کا شرف ہے۔ سچ کو لازم پکڑو امانت ادا کرو۔ ان سے خاص لوگوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ عام میں عزت بڑھتی ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم حضور ﷺ کے ساتھ بھلائی کرو

وہ قریش میں امین ہیں عرب میں صدیق ہیں۔ وہ ان ساری خوبیوں کے جامع ہیں جن کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے۔ بخدا! میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے غریب لوگ، اطراف کے پاکیزہ فطرت لوگ اور کمزور لوگ ان کی دعوت پر لبیک کہہ چکے ہیں ان کے کلمہ کی تصدیق کر چکے ہیں۔ ان کے امر کی تعظیم بجا لاتے ہیں۔ وہ قریش کے سردار بن گئے ہیں۔ جبکہ قریش کے محلات غیر آباد ہو گئے ہیں۔ عرب کے لوگ ان سے دلی طور پر محبت کرنے لگے ہیں۔ انہوں نے اپنے دل ان کی محبت کے لیے مختص کر دیے ہیں اور اقتدار کی باگ ان کے ہاتھ میں تھما دی ہے۔ اے گروہِ قریش! اپنے باپ کے بیٹے کے مددگار بن جاؤ۔ جنگوں میں ان کے معاون بن جاؤ۔ بخدا! تم میں سے جو بھی ان کی راہ پر چلے گا وہ کامیاب ہو جائے گا۔ جو بھی ان کی ہدایت کے رستہ پر چلے گا وہ سعادت مند ہو گا۔ اگر مجھے کچھ مہلت ملتی اور میری موت میں تاخیر ہوتی تو ساری جنگوں میں ان کا ساتھ دیتا اور ان سے مصائب دور کرتا۔" اس کے بعد جناب ابو طالب وفات پا گئے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے مسیب بن حزن سے روایت کیا ہے کہ جب جناب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضور اکرم ﷺ آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے دیکھا کہ ابو جہل اور عبد اللہ بن مغیرہ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: "چچا! لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ میں رب تعالیٰ کے ہاں اس کی گواہی دوں گا۔" ابو جہل اور عبد اللہ بن مغیرہ نے کہا: "اے ابو طالب! کیا آپ عبد المطلب کی ملت کو چھوڑ رہے ہیں۔" حضور ﷺ بار بار اصرار کرتے رہے۔ وہ دونوں بھی اپنی بات دہراتے رہے۔ حتیٰ کہ جناب ابو طالب نے کہا: "وہ عبد المطلب کے دین پر ہی ہیں۔" انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۳﴾ (التوبۃ ۱۱۳)

ترجمہ: "درست نہیں ہے نبی کے لیے اور نہ ایمان والوں کے لیے کہ وہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۵۶﴾ (القصص ۵۶)

ترجمہ: "بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے ہیں جبکہ واضح ہو گیا کہ یہ دوزخی جن کو آپ پسند کریں البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا ہے: "یا رسول اللہ! جناب ابو طالب آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ آپ کی نصرت کرتے تھے۔ کیا یہ چیزیں انہیں فائدہ دیں گی۔" آپ نے فرمایا: "ہاں! میں نے انہیں آگ کی سختیوں میں پایا۔ میں انہیں اٹھا کر آگ کی سطح پر لے آیا۔" دوسرے الفاظ میں ہے: "اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ

کی نچلی سطح پر ہوتے۔" امام بخاری نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس وقت آپ کے ہاں آپ کے چچا کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: "شاید انہیں روز حشر میری شفاعت فائدہ دے۔ انہیں آگ کی سطح پر لایا جائے گا وہ آگ ان کے ٹخنوں تک ہوگی۔ جس سے ان کا دماغ پگھل جائے گا۔"

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: "روز حشر سب سے ہلکا عذاب اس شخص کا ہوگا۔ جس کے قدموں کے تلووں کے نیچے ایک انگارہ رکھا جائے گا۔" ایک اور روایت میں دو انگاروں کا تذکرہ ہے۔

امام مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "اسے آگ کے جوتے اور تسمے پہنائے جائیں گے۔ جس سے اس کا دماغ پگھل جائے گا۔" ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حتیٰ کہ دماغ اس کے قدموں میں بہنے لگے گا۔ امام بخاری کے الفاظ یہ ہیں: "وہ گمان کرے گا کہ اس سے شدید عذاب کسی کو نہیں ہو رہا حالانکہ اسے سب سے ہلکا عذاب ہو رہا ہوگا۔"

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "سارے اہل آگ میں سے جناب ابو طالب کا عذاب سب سے ہلکا ہوگا۔ انہیں آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے جن سے ان کا دماغ پگھل جائے گا۔" ان ساری روایات سے اس روایت کا باطل ہونا ظاہر ہوتا ہے جسے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے فرمایا: "اے میرے بھتیجے! میرے بھائی نے وہ کلمہ کہہ لیا ہے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ کہہ لیں۔" امام بیہقی، ابو الفتح اور امام ذہبی نے لکھا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بعد میں اسلام قبول کیا تو انہوں نے جناب ابو طالب کی حالت کے بارے پوچھا۔ جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے اگر یہ گواہی ان کے پاس موجود ہوتی تو اپنے اسلام کے بعد اسے ادا کرتے انہیں ابو طالب کی حالت معلوم ہوگئی۔ مگر آپ سے نہ پوچھا حالت اداؔ کا اعتبار کیا جاتا ہے تحمل کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

الحافظ نے لکھا ہے کہ اگر ابو طالب نے کلمہ توحید پڑھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو ان کے لیے مغفرت طلب کرنے سے نہ روکتا۔ عبد الرزاق، فریابی اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت طیبہ جناب ابو طالب کے بارے نازل ہوئی۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ ۔ (الانعام ۲۶)

ترجمہ: "اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو۔"

وہ مشرکین کو روکتے تھے کہ حضور ﷺ کو اذیت نہ دیں لیکن آپ کے پیغام حق سے دور تھے۔ امام احمد، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب جناب ابو طالب کی

روح پرواز کر گئی تو میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! آپ کے چچا کا انتقال ہو گیا ہے۔" آپ نے فرمایا: "جاؤ اور انہیں دفن کر دو۔" انہوں نے فرمایا: "جب میں نے انہیں دفن کر دیا تو میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا آپ نے فرمایا: "غسل کر لو۔"

اس سے وہ نظریہ بھی باطل ہو گیا جسے مؤرخ مسعودی نے ذکر کیا ہے کہ جناب ابو طالب ایمان لے آئے تھے لیکن یہ مؤقف صحیح احادیث کے مقابلہ میں نہیں آسکتا۔

تنبیہات

1. امام سہیلی نے لکھا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ جناب ابو طالب کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے۔ غور و فکر کرنے سے یہ حکمت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ جناب ابو طالب کی جزاء اور ان کے عمل کے مابین مشاکلت نظر آتی ہے وہ یہ کہ جناب ابو طالب پوری طرح حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ وہ صرف حضرت عبد المطلب کے دین پر ثابت رہے انہوں نے وفات کے وقت کہا تھا: "میں عبد المطلب کی ملت پر ہوں۔" اسی لیے عذاب ان کے قدموں پر مسلط کیا گیا کیونکہ وہی اپنے آباء کے مذہب پر تھے۔

2. الحافظ نے لکھا ہے کہ وہ آیت جس میں آپ کو استغفار سے منع کیا گیا ہے۔ وہ جناب ابو طالب کی وفات سے کافی مدت بعد میں نازل ہوئی۔ یہ آیت ان کے حق میں اور غیر کے حق میں عام ہے۔ امام بخاری نے کتاب تفسیر میں اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ آیت طیبہ اس کے بعد نازل ہوئی۔

3. حضور ﷺ نے جناب ابو طالب سے کہا: "لا الٰہ الا اللہ" کہہ دیں۔ آپ نے "محمد رسول اللہ" ﷺ کا تذکرہ نہیں کیا کیونکہ یہ دونوں کلمات ایک کلمہ کی مانند ہو گئے ہیں۔ شاید ابو طالب جانتے ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں لیکن وہ توحید الٰہیہ کا اقرار نہ کرتے ہوں۔ اسی لیے انہوں نے اپنے قصیدہ نونیہ میں لکھا ہے:

و دعوتنی و علمت انک صادق   و لقد صدقت و کنت ثم امینا

ترجمہ: "آپ نے مجھے دعوت دی۔ میں جانتا ہوں کہ آپ حق پر ہیں۔ آپ سچے ہیں پھر آپ امین ہیں۔"

آپ نے دعوت میں صرف لا الہ الا اللہ پر اکتفاء کیا۔ اگر وہ توحید کا اقرار کر لیتے تو رسالت کی گواہی دینے میں توقف نہ کرتے۔

4. عجیب اتفاق یہ ہے کہ حضور ﷺ کے جن چچاؤں نے اسلام کو پایا ان کی تعداد چار ہے۔ (۱) ابو طالب، ان کا نام عبد مناف تھا۔ (۲) ابولہب۔ اس کا نام عبد العزیٰ تھا۔ (۳) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔ (۴) حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ مؤخر الذکر دونوں کو دولت اسلام نصیب ہوئی۔

۵ بعض غالی شیعہ گمان کرتے ہیں کہ جناب ابو طالب نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے واہیہ روایات سے استدلال کیا ہے جن کا الحافظ نے "الاصابۃ" میں رد کیا ہے۔

۶ آپ نے فرمایا: "شاید انہیں میری شفاعت فائدہ دے۔ اس امید کا وقوع حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے عیاں ہو جاتا ہے لیکن آپ کے اس فرمان کی مشکل عیاں ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّٰفِعِينَ (المدثر ۴۸)

ترجمہ: "پس انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچائے گی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔"

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ اسی لیے اسے آپ کی خصوصیت میں شمار کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آیت میں منفعت کا معنی حدیث میں منفعت کے معنی کے منافی ہے آیت میں اس کا معنی آگ سے نکالنا ہو گا جبکہ حدیث شریف میں منفعت سے مراد تخفیف ہو گا۔ امام قرطبی نے یقین کے ساتھ یہی جواب لکھا ہے۔

امام بیہقی نے "البعث" میں لکھا ہے یہ روایات جناب ابو طالب کی شان میں صحیح ہیں روایت صحت کے حوالے سے ان کے انکار کا کوئی معنی نہیں ہے۔

میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ کفار کے حق میں شفاعت اس سچی خبر کے وجود کی وجہ سے ممتنع ہے کہ ان کے بارے کوئی شفاعت نہ کرے۔ یہ ہر کافر کے حق میں عام ہے۔ شاید اس سے وہ مخصوص ہو جائے جس کی تخصیص پر روایت ثابت ہو جائے۔

بعض اہلِ نظر نے اسے اس امر پر محمول کیا ہے کہ کافر پر عذاب اس کے کفر کی وجہ سے واقع ہو گا۔ اس کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہو گا۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ شافع کے دل کی تسلی کے لیے بعض کفار کے بعض گناہوں کے عذاب سے تخفیف کر دے۔ یہ کفر کی وجہ سے ثواب نہیں ہو گا کیونکہ کفر پر اس کی موت کی وجہ سے یہ سب کچھ رائیگاں ہو چکا ہے۔

امام قرطبی نے المفہم میں لکھا ہے: "اس شفاعت میں اختلاف ہے کہ کیا یہ زبان قولی سے یا زبان حالی سے ہو گی۔ دوسرا تو آیت طیبہ کی وجہ سے مشکل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تخصیص کے جواز کے لیے ہے۔ جبکہ دوسری قسم کا مفہوم یہ ہے کہ جب جناب ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام میں اضافہ کیا۔ آپ سے تکالیف دور کیں تو اس کا اطلاق شفاعت پر کیا۔ کیونکہ یہ شفاعت اسی وجہ سے تھی۔" اس کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جس سے تخفیف ہو گی اسے یہ تخفیف محسوس نہ ہو گی۔ گویا کہ اس نے اس سے فائدہ ہی نہ اٹھایا۔ اس کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ وہ شخص سمجھے گا کہ آگ میں اس سے شدید عذاب کسی اور کا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہنم کا تھوڑا سا عذاب بھی پہاڑ برداشت نہیں کر سکتے۔ اس عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جہنمی یہی سمجھے گا کہ اسے عذاب کی تخفیف سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔

انتیسواں باب

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال

امام بخاری نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہجرت سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ ان کا وصال ہجرت سے تقریباً دو سال قبل ہوا۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کا وصال ہجرت سے پانچ سال قبل ہوا لیکن علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔

ابن جوزی نے حکیم بن حزام اور ثعلبہ بن صغیر سے روایت کیا ہے کہ جناب ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وصال کے مابین ایک ماہ اور پانچ ایام کا فرق تھا۔ جبکہ امام حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جناب ابو طالب کی وفات کے تین روز بعد وصال فرما گئیں۔ محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ ان کا وصال دس رمضان المبارک میں ہوا۔ ان کی عمر پینسٹھ (٦٥) برس تھی۔ پھر انہوں نے حضرت حکیم بن حزام سے روایت کیا ہے کہ ان کا وصال بعثت کے دسویں سال ہوا۔ اس وقت بنو ہاشم گھاٹی سے باہر نکل چکے تھے۔ انہیں الحجون میں دفن کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر انور میں اترے۔ اس وقت نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی۔ یعقوب بن سفیان نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا وصال ہوا تو نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اسلام کی صداقت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی مشیر تھیں وہ آپ کو تسلی دیتی تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں انہیں "طاہرہ" کے دلنواز لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ ان کے مزید فضائل ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ابواب میں آئیں گے۔

✿✿✿

تیسواں باب

جناب ابوطالب کے وصال کے بعد آپ کو اذیتیں

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب جناب ابوطالب کا انتقال ہوگیا تو حضور ﷺ نے قریش سے ان اذیتوں کا سامنا کیا جن کی جرأت وہ جناب ابوطالب کی زندگی میں نہ کر سکے۔ ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت کیا ہے جب جناب ابوطالب کا انتقال ہوگیا تو قریش کا ایک احمق آپ ﷺ سے ملا۔ اس نے آپ کے سراقدس پر مٹی پھینک دی حضور ﷺ اپنے کاشانۂ اقدس میں داخل ہوئے سراقدس پر مٹی تھی۔ آپ کی ایک نورنظر اٹھیں وہ آپ کے سراقدس سے مٹی صاف کرنے لگیں اور ساتھ ساتھ روتے جارہی تھیں۔ حضور ﷺ فرمارہے تھے: "نورنظر! نہ رو۔ رب تعالیٰ تمہارے والد گرامی کا محافظ ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں نے قریش سے کسی ایسے امر کا مشاہدہ نہیں کیا جسے میں ناپسند کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ جناب ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔" الطبرانی اور ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "جب جناب ابوطالب کا انتقال ہوگیا تو قریش آپ سے بدکلامی کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: "چچا جان! میں نے آپ کا چلے جانا کتنی جلدی محسوس کیا ہے۔

امام بیہقی نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "قریش بزدلی کا مظاہرہ کرتے رہے حتیٰ کہ جناب ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔" ابن سعد نے حضرت حکیم بن حزام اور حضرت ثعلبہ بن صغیر سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور جناب ابوطالب کا انتقال ہوگیا تو حضور اکرم ﷺ کے لیے دو مصیبتیں جمع ہو گئیں۔ آپ گھر میں ہی تشریف فرمارہتے۔ آپ کم ہی باہر نکلتے تھے۔ آپ کو قریش سے ایسی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا جن کی جرأت وہ جناب ابوطالب کی زندگی میں نہ کر سکے۔ یہ خبر ابولہب تک پہنچ گئی۔ وہ آپ کے پاس آیا اس نے کہا: "محمد عربی (فداہ روحی ﷺ) آپ اپنا کام کرتے رہیں۔ جو آپ جناب ابوطالب کی زندگی میں کرتے تھے لات وعزیٰ کی قسم! لوگ آپ تک نہیں آسکیں گے حتیٰ کہ میں مرجاؤں۔"

ابن غیطلہ نے آپ کو برا بھلا کہا۔ ابولہب اس کے پاس گیا اور اسے برا بھلا کہا۔ وہ بھاگ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا: "اے گروہ قریش! ابوعتبہ صابی ہوگیا ہے۔" قریش آئے وہ اس کے دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ اس نے کہا: "میں نے عبدالمطلب کے دین کو نہیں چھوڑا۔ لیکن میں اپنے بھتیجے کی حفاظت کرتا رہوں گا حتیٰ کہ وہ اپنا کام مکمل کرلیں۔" انہوں نے

کہا: "تو نے بہت اچھا اور عمدہ کام کیا ہے۔ صلہ رحمی کی ہے۔"

کئی دنوں تک آپ کی یہی کیفیت رہی۔ آپ جہاں چاہتے تشریف لے جاتے کوئی آپ سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ وہ سب ابولہب سے ڈرتے تھے۔ حتیٰ کہ عقبہ بن ابومعیط اور ابوجہل ابولہب کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا: "ذرا اپنے بھتیجے سے پوچھو کہ تمہارے باپ کا ٹھکانہ کہاں ہے۔" ابولہب: میں نے ان سے پوچھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے کہا: "وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ آگ میں ہیں۔" ابولہب نے کہا: "محمد عربی! کیا عبدالمطلب کا ٹھکانہ آگ میں ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! جو بھی اس دین پر مرے گا جس پر عبدالمطلب کا انتقال ہوا ہے وہ آگ میں ہوگا۔" ابولہب نے کہا: "میں آپ کا دشمن ہی رہوں گا۔ آپ گمان کرتے ہیں کہ عبدالمطلب آگ میں ہیں۔" پھر ابولہب اور دیگر قریش کا رویہ شدت اختیار کر گیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ وہ بدبخت افراد جو آپ کے کاشانہ اقدس میں آپ کو اذیت دیتے تھے۔ وہ یہ تھے: ابولہب، حکم بن ابی العاص، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء اور ابن الاصداء العذلی۔ حکم بن ابی العاص کے علاوہ کسی کو اسلام نصیب نہ ہوا۔ ان میں سے ایک نے آپ پر اس وقت بکری کی رحم پھینک دی جب آپ نماز ادا کر رہے تھے۔ جب آپ کے گھر میں ہنڈیا پک رہی ہوتی تو ایک شخص آگے بڑھ کر اس میں گندگی پھینک دیتا۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ نماز پڑھتے وقت پردہ فرما لیا کرتے تھے۔ امام بخاری، ابن منذر، ابویعلی اور الطبرانی نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمرو بن عاص سے پوچھا: "مجھے اس شدید ترین تکلیف کے بارے بتائیں جو حضور ﷺ کو مشرکین کی طرف سے پہنچی تھی۔ انہوں نے کہا: "اسی اثناء میں کہ حضور اکرم ﷺ حطیم میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط آیا اس نے آپ کی گردن مبارک کے اردگرد کپڑا ڈالا۔ پھر اسے زور سے مروڑا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے انہوں اسے کندھے سے پکڑ کر دور کیا اور کہا:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ۔

ترجمہ: "کیا تم اس ذات والا کو شہید کرنے کے درپے ہو جو یہ کہتی ہے کہ میرا رب تعالیٰ ہے۔"

ابویعلی اور الطبرانی نے یہ اضافہ کیا ہے: "جب حضور ﷺ نے نماز ادا فرمالی۔ ان مشرکین کے پاس سے گزرے وہ خانہ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: "گروہ قریش! مجھے اس ذاتِ والا کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے میں ذبح کے ساتھ ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔" آپ نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا۔ ابوجہل نے کہا: "محمد عربی! (فداہ روحی وابی وامی ﷺ) آپ جاہل نہیں ہیں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "تو ان میں سے ایک ہے۔" بزار اور ابویعلی نے صحیح سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "مشرکین

نے حضور اکرم ﷺ کو اس قدر مارا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے انہوں نے کہا: "تمہارے لیے ہلاکت! کیا تم اس پاکیزہ ہستی کو قتل کر رہے ہو جو کہتی ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔"

امام بخاری، امام مسلم، بزار اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں نے کسی دن نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ نے قریش کے لیے بددعا کی ہو۔ سوائے ایک روز کے۔ آپ نماز ادا فرما رہے تھے قریش کا ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا۔ قریب ہی اس اونٹ کی اوجھڑی پڑی تھی جسے کل ہی ذبح کیا گیا تھا۔ قریش نے یا ابوجہل نے کہا: "اس اونٹ کی اوجھڑی کون اٹھائے گا اور اس وقت محمد عربی ﷺ کے کندھوں پر رکھ دے گا۔ جب وہ سجدہ ریز ہوں۔" ان میں سے بدبخت ترین عقبہ بن ابی معیط اٹھا۔ وہ اوجھڑی اٹھا لایا اور اسے آپ کی کمر انور پر رکھ دیا۔ وہ سب ہنسنے لگے۔ وہ ایک دوسرے پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ حضور ﷺ نے اپنا سر نہ اٹھایا۔ اتنے میں حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ اوجھڑی کو آپ کی کمر انور سے ہٹایا اور جس نے یہ گندی حرکت کی تھی اس کے لیے بددعا کی۔ جب حضور اکرم ﷺ نے اپنی نماز مکمل فرمائی پھر اپنا سر اقدس بلند کیا۔ اللہ رب العزت کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر ان بدبختوں کے لیے بددعا کی۔ آپ جب بھی دعا مانگتے تین دفعہ دعا مانگتے۔ جب سوال کرتے تو تین دفعہ سوال کرتے تھے۔ آپ نے عرض کی: "مولا! قریش میں سے ایک گروہ کی گرفت فرما۔ مولا! ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کی گرفت فرما۔" آپ نے ساتواں فرد بھی ذکر فرمایا مگر مجھے یاد نہیں رہا مجھے اس ذاتِ والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے جس جس فرد کا نام لیا وہ غزوۂ بدر میں مقتول ہوا۔ پھر انہیں ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ البتہ امیہ بن خلف کو اس گڑھے تک پہنچنے سے قبل ہی پھٹ گیا تھا۔ امام بزار اور امام الطبرانی نے الاوسط میں یہ اضافہ کیا ہے: "پھر آپ مسجد حرام سے باہر تشریف لائے آپ کو رستہ میں ابوالبختری ملا۔ ابوالبختری نے ایک چھڑی اٹھا رکھی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا۔ اس نے پوچھا: "آپ کو کیا ہوا؟" آپ نے فرمایا: "میرا رستہ چھوڑ دے۔" اس نے کہا: "اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں آپ کا رستہ نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ آپ مجھے بتا دیں کہ آپ کو کیا ہوا ہے؟ آپ کو کیا تکلیف پہنچی ہے؟ جب آپ نے سمجھ لیا کہ وہ آپ کا رستہ نہیں چھوڑے گا تو آپ نے اسے فرمایا: "ابوجہل نے حکم دیا۔ مجھ پر گوبر پھینکا گیا۔" ابوالبختری نے کہا: "آپ میرے ہمراہ مسجد حرام میں داخل ہو جائیے۔ ابوجہل کی طرف متوجہ ہو کر ابوالبختری نے کہا: "ابوالحکم! کیا تو نے حکم دیا ہے اور محمد عربی (جانِ عالم ﷺ) پر گوبر پھینکا گیا ہے۔" اس نے کہا: "ہاں! اس نے ڈنڈا اٹھایا اسے ابوجہل کے سر پر دے مارا۔ لوگ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ ابوجہل چلایا: "تمہارے لیے ہلاکت! محمد عربی ﷺ چاہتے ہیں کہ تمہارے مابین عداوت کی آگ بھڑک اٹھے اور وہ اور ان کے صحابہ کرام بچ نکلیں۔"

ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کو اتنا مارا گیا کہ آپ بے ہوش ہو گئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: "تم برباد ہو جاؤ۔ کیا تم اس ہستی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتی ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔"

بزار، ابو نعیم نے فضائل میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "اے لوگو! مجھے اس شخص کے بارے بتاؤ جو سب سے زیادہ قوی ہو۔" انہوں نے کہا: "ہم نہیں جانتے۔" حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا: "سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے شجاع تھے۔ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا۔ قریش آپ کو پکڑے ہوئے تھے۔ ہر فرد آپ کو مار رہا تھا۔ وہ آپ کو گھسیٹ رہا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے: "تم وہی ہو نا جس نے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے۔ مگر ہم میں سے سوائے ابو بکر کے اور کوئی آپ کے قریب نہ جا سکا۔ وہ اسے مارتے ہوئے اسے کھینچتے ہوئے اور اسے پیچھے ہٹاتے رہے۔ انہوں نے کہا: "تمہارے لیے ہلاکت! کیا تم اس شخص کو قتل کر رہے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔" پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی وہ مبارک چادر اٹھائی جو ان کے اوپر تھی۔ گریہ بار ہو گئے حتیٰ کہ ان کی داڑھی مبارک تر ہو گئی۔ پھر فرمایا: "میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آل فرعون کا مومن بہتر تھا یا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ؟ ساری قوم خاموش رہی۔ انہوں نے فرمایا: "کیا تم مجھے جواب نہیں دو گے؟ بخدا! ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی کی ایک ساعت آل فرعون کے مومن سے بہتر تھی۔ وہ شخص اپنا ایمان چھپاتا تھا اور یہ اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔"

دار قطنی نے "الافراد" میں حضرت عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے تھے: "جناب ابو طالب کے انتقال کے بعد حضور ﷺ نے قریش سے بہت سی تکالیف برداشت کیں۔

❀❀❀

اکتیسواں باب

حضور ﷺ کا سفر طائف

حضرت موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے لکھا ہے: "جب جناب ابو طالب کی وفات ہوئی اور قریش نے ایسی اذیتیں دیں جن کی وہ جناب ابو طالب کی زندگی میں جرأت نہ کر سکے تو حضور ﷺ طائف کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ اکیلے تھے۔ آپ پیدل تھے۔ ابن سعد نے حضرت جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ بعثت کے دسویں سال شوال کے ماہ (کے آخر میں) عازم سفر ہوئے تا کہ بنو ثقیف آپ کی مدد کریں۔ وہ آپ کا آپ کی قوم سے دفاع کریں۔ آپ کو امید تھی کہ شاید وہ پیغام حق کی تصدیق کریں۔"

آپ جب طائف پہنچے تو آپ ثقیف کے سرداروں کے پاس گئے۔ یہ سردار تین بھائی عبد یالیل، مسعود اور حبیب تھے۔ یہ عمرو بن عمیر کے بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کی زوجیت میں قریش میں سے بنو جمح کی ایک عورت تھی۔ اس عورت کا نام صفیہ بنت معمر تھا۔ یہ صفوان بن امیہ کی ماں تھی۔

حضور اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف فرما ہو گئے۔ آپ نے انہیں اسلام کا پیغام دیا اور آپ کے مخالف لوگوں کے خلاف آپ کی مدد کرنے کے لیے کہا۔ ان میں سے ایک نے کہا: "اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہو تو وہ غلاف کعبہ کو نوچ ڈالے گا۔" دوسرے نے کہا: "کیا اللہ تعالیٰ کو آپ کے علاوہ اور کوئی شخص نہ ملا جسے وہ مبعوث کرتا؟ تیسرے نے کہا: "بخدا! میں آپ سے گفتگو نہیں کروں گا۔ آپ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہوئے جیسے کہ آپ کہتے ہیں تو آپ کا مقام و منصب اس سے کہیں بالا ہے کہ میں آپ کے کلام کا جواب دوں اور اگر آپ رب تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کر رہے ہیں۔ پھر بھی میں آپ سے بات تک نہیں کرنا چاہتا۔" حضور ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ان کی بھلائی سے مایوس ہو چکے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: "تم نے میرے ساتھ جو سلوک کرنا تھا کر لیا۔ اب اسے مخفی رکھنا۔" آپ کو ناپسند تھا کہ ان کے اس سلوک کی خبر قریش تک پہنچے۔

آپ طائف میں دس روز یا ایک ماہ قیام فرما رہے۔ آپ ان کے ہر ہر سردار کے پاس گئے۔ اس سے بات چیت کی۔ مگر انہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک نہ کہا۔ انہوں نے کہا: "محمد عربی! ہمارے شہر سے نکل جائیں۔" انہوں نے اپنے احمقوں اور غلاموں کو ابھارا۔ وہ آپ کو برا بھلا کہتے۔ چیخیں مارتے حتیٰ کہ لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔

ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ اہل طائف آپ کے رستہ میں دو صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ جب حضور سرور کائنات ﷺ ان صفوں کے مابین سے گزرے جب بھی آپ قدم مبارک اٹھاتے یا رکھتے اہل طائف اس پر پتھروں کی بارش کر دیتے حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک سے خون مبارک بہنے لگا۔ سلیمان تیمی نے یہ اضافہ کیا ہے: "جب آپ کو پتھر لگتا تو آپ زمین پر بیٹھ جاتے وہ آپ کو شانوں سے پکڑتے اور آپ کو کھڑا کرتے۔ جب آپ چلنے لگتے تو وہ آپ پر پتھر برساتے اور خود ہنسنے لگتے۔ ابن سعد نے لکھا ہے: "حضرت زید بن حارثہ اپنے آپ سے حضور اکرم ﷺ کا دفاع کرتے حتیٰ کہ ان کے سر پر کئی زخم آئے۔" ابن عقبہ نے لکھا ہے: "جب آپ نے اہل طائف سے نجات پائی تو آپ کے دونوں پاؤں سے خون نکل رہا تھا۔ آپ ان کے باغوں میں سے ایک باغ کی طرف آئے۔ آپ نے انگور کی بیل کے سایہ میں توقف فرمایا۔ آپ کو بہت زیادہ اذیت اور تکلیف ہو رہی تھی۔ یہ باغ عتبہ اور شیبہ کی ملکیت میں تھا۔ جب آپ نے انہیں دیکھا تو ناپسند فرمایا کیونکہ آپ کو علم تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے کتنی عداوت رکھتے تھے۔ جب آپ انگور کی بیل کے سایہ میں قدرے پرسکون ہو گئے تو آپ نے یہ دعا مانگی:

الطبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ طائف سے واپس آنے لگے۔ آپ درخت کے سایہ کے نیچے تشریف فرما ہو گئے دو رکعتیں نماز ادا کی پھر یہ دعا مانگی "مولا! میں اپنی قوت کی کمی، اپنے حیلہ کی قلت اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے بسی کا شکوہ تجھ سے کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے۔ تو میرا رب بھی ہے تو مجھے اس بعید کے حوالے کرتا ہے جو ترش روئی سے میرے ساتھ پیش آتا ہے۔ یا تو نے کسی دشمن کو میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر تیری طرف سے مجھ پر غضب نہ ہو تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری بارگاہ سے عافیت میرے لیے زیادہ دل کشا ہے میں تیری ذات کے نور کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس سے ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں جس کے ساتھ دنیا اور آخرت کا امر درست ہوتا ہے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے۔ مجھ پر اپنی ناراضگی اتارے میں تیری رضا طلب کرتا رہوں گا حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے۔ "لا حول و لا قوۃ الا بك۔"

جب ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ نے آپ کو دیکھا تو انہیں آپ پر ترس آیا۔ انہوں نے اپنے غلام کو بلایا جسے عداس کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اسے کہا: "انگوروں کا یہ گچھا لو۔ اسے اس طشت میں رکھو۔ اسے اس شخص کے پاس لے جاؤ اسے کہو کہ وہ اس میں سے کچھ کھا لے۔" عداس نے اسی طرح کیا اس نے وہ طشت حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیا پھر عرض کی: "آپ کھائیں۔" جب آپ نے اپنا دستِ اقدس آگے بڑھایا تو بسم اللہ پڑھی۔ پھر تناول فرمانے لگے۔ عداس نے آپ کے چہرہ انور کی طرف دیکھا۔ پھر عرض کی: "بخدا! ان شہروں کے باسی تو یہ کلام نہیں پڑھتے۔" حضور اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: "اے عداس! تیرا تعلق کس شہر کے ساتھ ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ عداس نے کہا: "میں عیسائی ہوں۔ میں اہل نینوا

ہیں سے ہوں۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "پاکباز بندے حضرت یونس علیہ السلام کی بستی۔" عداس نے پوچھا: "آپ کو کیا معلوم ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کون تھے؟ بخدا جب میں نینوا میں سے نکلا تو دس افراد بھی حضرت یونس علیہ السلام کو نہیں جانتے تھے۔ آپ نے حضرت یونس کو کیسے جان لیا حالانکہ آپ اُمی ہیں اور اُمی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "وہ میرے بھائی تھے۔ وہ بھی نبی تھے۔ میں بھی نبی ہوں۔" عداس آپ پر جھکا۔ وہ آپ کے سر اقدس، ہاتھوں اور قدموں کے بوسے لینے لگا۔ ربیعہ کے بیٹوں نے ایک دوسرے سے کہا: "اب اس نے تمہارا غلام بھی خراب کر دیا ہے۔" جب عداس ان کے پاس آیا تو انہوں نے اسے کہا: "تیرے لیے بربادی! تو اس شخص کا سر، پاؤں اور ہاتھ کیوں چومنے لگا۔ اس نے کہا: "میرے آقا! روئے زمین پر ایسا کوئی شخص نہیں جو ان سے بہترین ہو۔ مجھے انہوں نے ایک ایسی چیز کے بارے بتایا ہے جسے صرف نبی جانتا ہے۔" اس نے کہا: "عداس! وہ تجھے تیرے دین سے برگشتہ نہ کر دے۔ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔" عداس نے اپنے سرداروں سے اس وقت کہا جب وہ غزوۂ بدر کے لیے جا رہے تھے۔ انہوں نے اسے بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ عداس نے انہیں کہا: "کیا تم اس شخص سے جنگ کرنے جا رہے ہو جسے میں نے تمہارے باغ میں دیکھا تھا۔ بخدا! اس کے مقابلہ میں تو پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے۔" انہوں نے کہا: "عداس! اس کی زبان کا جادو تجھ پر چل گیا ہے۔"

حضور اکرم ﷺ طائف سے واپس تشریف لائے تو آپ بہت غمزدہ تھے۔ کسی مرد یا عورت نے آپ کی دعوت پر لبیک نہیں کہا تھا۔ حضرت خالد العدوانی نے کہا ہے کہ انہوں نے طائف کے بازار میں حضور ﷺ کی زیارت کی۔ آپ اپنی کمان یا عصا کے ساتھ کھڑے تھے۔ میں نے آپ کو سنا آپ سورۃ والسماء والطارق کی تلاوت کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے اسے ختم کیا۔ میں نے زمانہ جاہلیت میں اس سورت کو یاد کر لیا۔ حالانکہ میں اس وقت مشرک تھا۔ پھر میں نے اسے اسلام کے زمانہ میں پڑھا۔ مجھے بنو ثقیف نے بلایا۔ انہوں نے پوچھا: "تم نے اس شخص سے کیا سنا ہے؟ میں نے انہیں وہ سورت سنا دی۔ ان کے ہمراہ جو قریش کے لوگ تھے۔ انہوں نے کہا: "ہم اپنے صاحب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں اگر ہم جان جاتے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے تو ہم ان کی اتباع کر لیتے۔ (امام احمد، امام بخاری فی تاریخہ)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کی: "کیا آپ پر ایسا دن بھی گزرا ہے جو احد کے روز سے شدید ہو؟ آپ نے فرمایا: "میں نے تمہاری قوم سے بہت سی اذیتیں برداشت کی ہیں۔ سب سے زیادہ یوم عقبہ کو مجھے اذیت دی گئی۔ جب میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر اپنا آپ پیش کیا۔ مگر کسی ایک نے بھی میری صدا پر لبیک نہ کہا۔ میں غمزدہ ہو کر آگے چل پڑا۔ جب میں قرن الثعالب کے مقام پر پہنچا تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ میں نے ایک بادل دیکھا جو مجھ پر سایہ فگن تھا۔ اس میں حضرت جبرائیل امین تھے۔ انہوں نے عرض کی: "آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کی قوم کے گستاخانہ جملے سن لیے ہیں۔ انہوں نے جو جوابات دیے ہیں۔ اس نے وہ سن لیے ہیں۔ اس نے آپ کے پاس

پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ آپ جو چاہیں اسے ان کے بارے حکم دیں۔" مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے بلایا۔ مجھے سلام کیا۔ پھر عرض کی: "محمد عربی (فداک روحی ﷺ) آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کی قوم کے گستاخانہ جملے سن لیے ہیں۔ میں پہاڑوں پر مامور فرشتہ ہوں۔ مجھے رب تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ تاکہ آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں۔ اگر پسند فرمائیں تو میں یہ دو پہاڑ ان پر گرا دوں۔" آپ نے فرمایا: "نہیں! بلکہ مجھے امید ہے کہ رب تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو رب تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔" (امام احمد امام بخاری اور امام مسلم)

حضرت عکرمہ نے فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "حضرت جبرائیل میرے پاس آئے۔ انہوں نے عرض کی: "محمد عربی! (فداک روحی ﷺ) آپ کا رب آپ پر سلام بھیجتا ہے یہ پہاڑوں کا فرشتہ ہے اس نے اسے بھیجا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ وہ وہی کرے جس کا آپ اسے حکم دیں۔" پہاڑوں کے فرشتے نے آپ سے عرض کی: "اگر آپ پسند کریں تو میں ان پر پہاڑ گرا دوں۔ اگر آپ پسند کریں تو میں انہیں زمین میں دھنسا دوں۔" آپ نے فرمایا: "اے پہاڑوں کے فرشتے! مجھے امید ہے کہ ان کی پشت سے ایسی اولاد پیدا ہوگی جو لا الہ الا اللہ کہے گی۔" پہاڑوں کے فرشتے نے کہا: "آپ اسی طرح رؤف رحیم ہیں جس طرح آپ کے رب نے آپ کا نام رکھا ہے۔" الاموی اور ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ جب حضور ﷺ اہل طائف سے واپس آئے۔ انہوں نے آپ کی صدا پر لبیک نہ کہا۔ وہ آپ کی تصدیق اور نصرت کے لیے نہ اٹھے تو آپ نے مقام نخلہ میں کچھ مدت قیام کیا مکہ مکرمہ واپس آنے کا ارادہ کیا۔ حضرت زید نے عرض کی: "آپ اہل مکہ کے پاس کیسے واپس جائیں گے حالانکہ انہوں نے آپ کو وہاں سے نکال دیا ہے۔" آپ نے فرمایا: "اے زید! رب تعالیٰ آسائش اور گنجائش پیدا فرما دے گا۔ رب تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرے گا۔ وہ اپنے نبی کریم ﷺ کی نصرت کرے گا۔" آپ حراء کی طرف تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن اریقط کو اخنس بن شریق کی طرف بھیجا تاکہ وہ آپ کو پناہ دے۔ اس نے کہا: "میں حلیف ہوں اور حلیف صریح کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دیتا۔" پھر آپ نے عمرو بن سہیل کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے کہا: "بنو عامر بن لوی بنو کعب کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دیتے۔" پھر آپ نے مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا۔ اس نے آپ کو "ہاں" کہا۔ اس نے کہا: "آپ سے کہیں کہ آپ تشریف لے آئیں۔" عبداللہ آپ کے پاس آیا اور آپ کو بتایا۔ حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ یہ رات اسی کے ہاں بسر کی۔ وقت صبح مطعم بن عدی باہر نکلا۔ اس نے اپنے ہتھیار سجا رکھے تھے۔ اس کے اردگرد اس کے چھ یا سات لڑکے بھی تھے۔ اس نے آپ سے عرض کی: "آپ طواف کریں۔" انہوں نے اپنی تلواریں حمائل کیں اور مطاف کو گھیر لیا۔ ابوسفیان مطعم کے پاس آیا اور کہا: "کیا تو نے پناہ دی ہے یا ان کی اتباع کر لی ہے؟" اس نے کہا: "صرف پناہ دی ہے۔" اس نے کہا: "جس کو تو نے پناہ دی ہو اسے تکلیف نہیں دی جا سکتی۔ وہ اس کے ہمراہ بیٹھ گیا حتیٰ کہ حضور ﷺ نے اپنا طواف مکمل کیا۔ جب آپ اپنے کاشانہ اقدس میں گئے

تو وہ بھی آپ کے ہمراہ ہی تھے۔ابوسفیان اپنی محفل میں چلا گیا۔

حضور ﷺ کچھ مدت ٹھہرے رہے۔پھر رب تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دے دیا۔اس کے بعد مطعم مر گیا۔
حضور ﷺ نے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے فرمایا:"اگر آج مطعم زندہ ہوتا وہ ان قیدیوں کے بارے مجھ سے گفتگو کرتا تو میں انہیں آزاد کر دیتا۔"

تنبیہ

ابن جوزی نے لکھا ہے:"بعض اوقات قلیل الایمان ملحد کے ذہن میں آسکتا ہے کہ حضور ﷺ کو کیا ضرورت تھی کہ آپ کسی کافر کی پناہ میں داخل ہوتے۔آپ حج کے ایام میں کہتے:"کون ہے جو مجھے پناہ دے گا حتیٰ کہ میں اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا لوں۔"

اسے کہا جائے گا:"یہ امر ثابت ہے کہ رب تعالیٰ قادر ہے وہ کسی حکمت کے تحت ہی کوئی کام کرتا ہے۔جب اس کے فعل کی حکمت ہم پر مخفی ہو تو ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم سرِ تسلیم خم کر دیں۔حضور ﷺ سے جو کچھ صادر ہوا تو اس حکیم ذات سے صادر ہوا۔جس نے کلیات کے قوانین قائم کیے۔افلاک میں گردش پیدا کی۔پانی اور ہوا کو جاری کیا۔یہ سب کچھ حکیم اور قادر کی تدبیر کی وجہ سے ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے۔آپ کو ستایا گیا۔اذیتیں دی گئیں تو ہمارے لیے عیاں ہوتا ہے کہ ان میں وہ حکمتیں ہیں کہ اگر ان میں سے بعض حکمتیں ظاہر ہو جائیں تو مصائب کے پردے سے دو حکمتیں عیاں ہوں گی۔

1. مبتلی کو اختیار دینا۔تاکہ اس کا دل مصائب پر راضی ہونے سے سکون پا سکے۔اس طرح دل کو جو مکلف بنایا جائے وہ احسن طریقہ سے ادا کرے گا۔
2. دلائل کے مابین شبہ پیدا کرنا تاکہ مجتہد کو وہ شبہ دور کرنے کی وجہ سے ثواب مل سکے۔"

✿✿✿

بتیسواں باب

جنات کا قبولِ اسلام

بعثت کے ابواب میں جنات کا آپ کی قرأت سننے کے بارے تذکرہ ہو چکا ہے۔ حافظ ابن حجر اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے: "اس شخص کا قول جو یہ کہتا ہے کہ جنات کا وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا تھا جب آپ طائف سے واپس آ رہے تھے ان میں سے بعض کے حاضر خدمت ہونے کی اولیت پر صراحۃً دلالت نہیں کرتا۔ وہ بات جو اس روایت سے عیاں ہوتی ہے جس میں شہاب باری میں مبالغہ کا تذکرہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ واقعہ بعثت اور نزولِ وحی کے بعد رونما ہوا تھا۔ جب انہوں نے اس کے بارے جستجو کی تو اس کے سبب آگاہ ہو گئے وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ پھر دعوتِ اسلامیہ پھیلنے لگی۔ جس نے اسلام قبول کیا اس نے قبول کر لیا۔ ان جنات نے بھی قرآن پاک سنا وہ بھی مشرف باسلام ہو گئے۔ یہ واقعہ دو ہجرتوں کے مابین رونما ہوا تھا۔ وہ کئی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے حتیٰ کہ مدینہ طیبہ میں بھی حاضر ہوئے تھے۔

محمد بن عمر اسلمی، ابونعیم نے حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے اپنے آباء سے روایت کیا ہے کہ جنات ماہ ربیع الاول نبوت کے گیارہویں سال آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابن اسحاق اور ابن سعد نے لکھا ہے: "جب حضور ﷺ طائف سے مکہ مکرمہ کی طرف واپس آئے تو رات کے وقت مقام نخلہ میں نماز ادا فرمائی۔ اس وقت آپ کے پاس سے جنات کا وہ گروہ گزرا جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے: "جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے وہ اہل نصیبین میں سے سات جن تھے انہوں نے آپ کی قرأت سماعت کی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے چلے گئے۔ وہ ایمان لا چکے تھے۔ وہ اس پیامِ حق کی صدا پر لبیک کہہ چکے تھے جو انہوں نے سنا تھا۔ ان آیات میں رب تعالیٰ نے ان کا تذکرہ ہی کیا ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۰﴾ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

(الاحقاف: ۲۹ تا ۳۱)

ترجمہ: ''اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو وہ قرآن سنیں تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو پھر جب تلاوت مکمل ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے انہوں نے جا کر کہا اپنی قوم سے ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف اے ہماری قوم قبول کرلو اللہ تعالیٰ کی طرف دی جانے والی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔''

ابن شیبہ، احمد بن منیع، حاکم، ابونعیم اور امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نخلہ کی وادی میں قرآن مجید کی تلاوت فرمارہے تھے۔ جب انہوں نے کتابِ حکیم کی تلاوت سنی تو وہ نیچے آگئے۔ ان کی تعداد سات تھی۔ مذکورہ آیات طیبات ان کے بارے ہی نازل ہوئی ہیں۔

ابن جریر اور الطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مذکورہ بالا جنات تعداد میں سات تھے۔ وہ اہلِ نصیبین میں سے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کی طرف قاصد بنا کر بھیجا۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت مسروق سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''میں نے حضرت ابن مسعود سے عرض کی: ''اس رات یہ کس نے آپ کو بتایا تھا جس رات جنات نے آپ کا قرآن سنا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ''درخت نے'' محمد بن عمر اسلمی اور ابونعیم نے حضرت کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ جب یہ نو جنات کا گروہ نخلہ کی وادی سے روانہ ہوا یہ فلاں، فلاں اور الاحقب تھے۔ وہ اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے چلے گئے۔ بعد میں وفد کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ان کی تعداد تین سو تھی۔ یہ الحجون آئے۔ الاحقب بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی: ''ہماری قوم الحجون میں حاضر خدمت ہے۔ وہ آپ سے شرف ملاقات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے وقت الحجون تشریف لے جانے کا وعدہ فرمایا۔

امام احمد، امام ترمذی اور امام مسلم نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کی: ''کیا اس روز تم میں سے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل تھا جب جنات نے آپ سے ملاقات کی تھی۔'' انہوں نے فرمایا: ''اس رات ہم میں سے کوئی بھی آپ کے ہمراہ نہ تھا۔ بلکہ ہم نے ایک رات آپ کو نہ پایا۔ ہم نے سوچا کہ شاید کسی نے آپ کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔ ہم نے ساری رات اضطراب میں گزار دی۔ صبح کے وقت آپ حراء کی طرف سے تشریف لے آئے۔'' ہم نے عرض کی: ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو نہ پایا۔ ہم نے آپ کو تلاش کیا مگر آپ نہ ملے۔ تو ہم نے پریشانی میں رات گزار دی۔'' آپ نے فرمایا: ''میرے پاس جنات کا داعی آیا تھا۔ میں ان کے

ہمراہ گیا تھا۔ میں نے انہیں قرآن پاک پڑھ کر سنایا۔ آپ تشریف لے گئے۔ ہمیں ان کے آثار اور ان کی آگ کے نشانات دکھائے۔" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے حضور ﷺ نے سنا آپ فرما رہے تھے: "میں نے الحجون کے مقام پر جنات کو قرأت سناتے ہوئے رات گزار دی۔"

میں کہتا ہوں کہ ان روایات سے عیاں ہوتا ہے کہ جنات نے مقام نخلہ میں آپ کی قرأت سننے کی سعادت حاصل کی۔ وہ اسلام لے آئے۔ آپ نے انہیں ان کی قوم کی طرف بھیج دیا تاکہ وہ اسے ڈرائیں۔ پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ان کی تعداد تین سو تھی۔ آپ نے انہیں قرآن پاک سنایا۔ اس وقت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ نہ تھے۔ بلکہ اس کے بعد میں رونما ہونے والے واقعہ میں آپ کے ہمراہ تھے۔

الطبرانی، ابونعیم وغیرہما نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا: "تم میں سے جو آج رات جنات کا معاملہ دیکھنا چاہتا ہو وہ حاضر ہو جائے۔ میرے علاوہ اور کوئی حاضر نہ ہوا۔ ہم روانہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا: "آج رات چچا زاد اور بھائیوں کی اولاد آئے گی۔ میں انہیں قرآن پاک پڑھ کر سناؤں گا۔" ہم روانہ ہوئے جب ہم مکہ مکرمہ کی بلند جگہ پر پہنچے تو آپ نے اپنے مبارک پاؤں سے میرے لیے ایک دائرہ کھینچا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کے اندر بیٹھ جاؤں۔ آپ نے فرمایا: "اس سے نہ نکلنا حتیٰ کہ میں آجاؤں۔ پھر آپ جنات کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آپ کھڑے ہوئے اور قرآن پاک پڑھنا شروع کیا تو بہت سی سیاہ چیزوں نے آپ کو گھیر لیا۔ گویا کہ وہ مکھیاں تھیں۔ جنہوں نے کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ ان کی شرم گاہیں نظر نہیں آرہی تھیں۔ میں ان کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ پہاڑوں پر سے بھی مرد آپ کے پاس جمع ہو رہے تھے۔ ان کے سرداروں نے کہا: "میں انہیں آپ سے دور لے جاتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "مجھے رب تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی بھی پناہ نہیں دے سکے گا۔" وہ جنات میرے اور آپ کے مابین حائل ہو گئے۔ حتیٰ کہ مجھے آپ کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر وہ بادل کی طرح آہستہ آہستہ جانے لگے حتیٰ کہ ایک گروہ باقی رہ گیا۔ طلوع فجر کے وقت حضور اکرم ﷺ فارغ ہوئے۔ آپ نیچے تشریف لائے۔ میرے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا: "مجھے جنات کی طرف بھیجا گیا تھا۔" میں نے عرض کی: "یہ کیسی آوازیں تھیں جنہیں میں سن رہا تھا؟ آپ نے فرمایا: "یہ ان جنات کی آوازیں تھیں جب انہوں نے مجھے الوداع کہا اور مجھ پر سلام بھیجا۔" میں نے عرض کی "اس گروہ نے کیا کیا؟ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ! وہ وہی ہیں۔" انہوں نے آپ سے زاد راہ کا سوال کیا۔ آپ نے ہڈی اور لید انہیں دی۔ آپ نے فرمایا: "ہر وہ ہڈی تمہارا زاد راہ ہے جس سے گوشت اتار لیا گیا ہو۔ یہ سبز لید تمہارا زاد راہ ہے۔" انہوں نے عرض کی: "یارسول اللہ! ﷺ لوگ انہیں ہمارے لیے چھوڑ دیں گے۔" میں نے عرض کی: "یارسول اللہ! یہ چیزیں انہیں کیا فائدہ دیں گی؟" آپ نے فرمایا: "وہ کسی ہڈی کو نہیں پائیں گے مگر اس پر اسی

طرح گوشت چڑھ جائے گا جس طرح اس سے اتارا گیا تھا۔ وہ کسی لید کو نہیں پائیں گے مگر اس میں اسی طرح دانے ہوں گے جس روز انہیں کھایا گیا۔ لہٰذا تم میں سے کوئی ہڈی، مینگنی اور لید سے استنجا نہ کرے۔" وقت صبح میں نے ساٹھ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ دیکھی۔

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ وہ جنات تعداد میں بارہ ہزار تھے جو موصل کے جزیرہ سے آئے تھے۔ ابو حمزہ ثمالی نے ذکر کیا ہے کہ جنات کے اس قبیلہ کو بنو شیعبان کہا جاتا تھا۔ یہ تعداد میں سارے جنات سے زیادہ تھے یہ ان کے سردار تھے۔ ابلیس کے عام لشکری یہی تھے۔

تنبیہات

❶ حضرت سفیان ثوری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "یہ جنات تعداد میں نو تھے۔ ان میں سے ایک زوبعۃ تھا۔ یہ وادئ نخلہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ان کی تعداد پندرہ تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ستر سواریوں پر تھے ان کے سردار کا نام وردان تھا۔ حضرت عکرمہ کی روایت میں ہے کہ ان کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس اختلاف میں اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے وفود مختلف اوقات میں مکہ مکرمہ میں اور مدینہ طیبہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

❷ وہ جنات جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کے اسماء میں اختلاف ہے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ ان کی تعداد سات تھی۔ تین کا تعلق اہل حران کے ساتھ تھا چار کا تعلق اہل نصیبین سے تھا۔ ان کے اسماء یہ ہیں: (۱) حسی (۲) منسی (۳) شاصر (۴) ماصر (۵) الارد (۶) اینان (۷) الاحقب۔

اسماعیل بن ابی زیاد نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد نو تھی ان کے اسماء یہ تھے: (۱) سلیط (۲) شاصر (۳) خاصر (۴) حسا (۵) مسا (۶) ارقم (۷) ادرس (۸) حاصر۔

امام بیہقی نے حضرت ابو معمر الانصاری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسی اثناء میں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے تھے۔ انہوں نے چٹیل میدان میں ایک مردہ سانپ دیکھا۔ انہوں نے کہا: "میرے پاس کدال لے کر آؤ۔" انہوں نے گڑھا کھودا۔ سانپ کو ایک کپڑا میں لپیٹا اور اسے دفن کر دیا۔ اچانک ایک ہاتف نے صدا دی جو نظر نہیں آ رہا تھا: "اے سرق! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: "اے سرق! تم چٹیل میدان میں مرو گے۔ میری امت کا بہترین فرد تمہیں دفن کرے گا۔" حضرت عمر نے کہا: "اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تم کون ہو؟" اس نے کہا: "میرا تعلق جنات سے ہے یہ سرق تھے۔ جن جنات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی ان میں یہ اور میں ہی باقی رہ گئے تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

"اے سرق! چٹیل میدان میں تمہاری موت واقع ہوگی اور میری امت کا بہترین فرد تمہیں دفن کرے گا۔"

ابن سلام نے ابن اسحاق السبیعی کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی اثناء میں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ چل رہا تھا۔ انہوں نے بگولا دیکھا۔ دوسرا بگولا آیا جو اس سے بھی بڑا تھا۔ جب یہ چھٹ گیا تو وہاں ایک مردہ سانپ پڑا تھا۔ ہم میں سے ایک شخص اپنی چادر لے آیا۔ اس نے اسے چیرا اور اس کے کچھ حصہ سے سانپ کو کفن دیا اور اسے دفن کر دیا۔ جب رات پڑی تو دو عورتوں نے پوچھا: "تم میں سے عمرو بن جابر کو کس نے دفن کیا ہے؟ ہم نے کہا: "ہم کسی عمرو بن جابر کو نہیں جانتے۔" انہوں نے کہا: "اگر تم اجر کے خواہاں ہو تو تم نے اجر پا لیا ہے۔ فاسق جنات نے مومن جنات کے ساتھ جنگ کی۔ انہوں نے عمرو بن جابر کو شہید کر دیا۔ یہ وہی سانپ تھا جو تم نے دیکھا تھا۔ ان کا تعلق اس گروہ سے تھا جنہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل کی تھی۔" ابن ابی الدنیا نے ابو اسحاق سے روایت کیا ہے کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک سفر پر تھے۔ دو سانپوں میں باہم لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کو مار دیا۔ وہ اس کی خوشبو اور حسن سے بہت متاثر ہوئے۔ ان میں سے ایک شخص اٹھا۔ اس نے اس سانپ کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور اسے دفن کر دیا۔ انہوں نے کسی قوم سے سنا جو نظر نہیں آ رہی تھی۔ "السلام علیکم! تم نے عمرو کو دفن کیا ہے۔ ہمارے مسلمانوں اور کافروں کے مابین جنگ ہوئی۔ کافر نے مسلمان کو شہید کر دیا۔ وہ وہی سانپ تھا جس کو تم نے دفن کیا ہے۔ یہ اس گروہ میں سے ایک تھا جس نے حضور پاک ﷺ سے قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل کی تھی۔

امام احمد کے فرزند حضرت عبد اللہ نے زوائد میں، الطبرانی اور امام حاکم نے صفوان بن معطل وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ یہ ان سات جنات میں سے آخری تھا۔ جو بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تھے۔" ابن ابی الدنیا نے حضرت معاذ بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "اسی اثناء میں کہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "امیر المومنین! میں آپ کو عجیب بات نہ بتاؤں۔ میں فلاں میدان میں تھا۔ دو بگولے آئے۔ ایک اس طرف سے دوسرا دوسری طرف سے۔ وہ باہم لڑنے لگے۔ پھر وہ جدا ہوئے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا۔ میں وہاں پہنچا جہاں وہ لڑے تھے۔ میں نے اتنے زیادہ سانپ دیکھے کہ میں نے اتنے سانپ پہلے نہیں دیکھے تھے۔ بعض سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ وہاں ایک زرد رنگ کا مردہ سانپ بھی تھا۔ میں سانپوں کے پاس گیا اور انہیں الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا کہ ان میں خوشبو آور سانپ کون سا ہے۔ وہ ایک پتلا سا زرد سانپ تھا۔ میں نے کہا: "یہ خوشبو اس خوبی کی وجہ سے ہے جو اس میں ہے۔" میں نے اسے اپنے عمامہ میں لپیٹا اور اسے دفن کر دیا۔ اسی دوران کہ میں چل رہا تھا۔ کسی ایک صدا دینے والے نے صدا دی میں اسے دیکھ نہیں رہا تھا۔ اس نے کہا: "عبد اللہ! تم نے یہ کیا کیا ہے؟ میں نے جو کچھ دیکھا یا پایا تھا اس کے بارے اسے بتایا۔ اس نے کہا: "تمہیں ہدایت

نصیب ہوئی ہے۔ یہ جنات کے دو قبیلے بنو شیبان اور بنو اقیش تھے۔ان میں باہم جنگ ہوئی۔ان میں سے ایک جن شہید ہو گیا۔ یہ ان جنات میں سے ایک تھا جنہوں نے زبان رسالت سے قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل کی تھی۔

ابن ابی الدنیا اور ابو نعیم نے ابو ہاشم ناجی سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''ہم ابو رجاء عطاردی کے ہاں گئے انہوں نے پوچھا: ''کیا تمہیں ان جنات کے بارے علم ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کی تھی۔'' وہ مسکرانے لگے۔انہوں نے کہا: ''میں تمہیں اس چیز کے بارے بتاتا ہوں جو میں نے سنی اور دیکھی۔ہم عازم سفر تھے جب ہم نے چشمہ دیکھا تو وہاں اپنے خیمے لگا لیے میں قیلولہ کرنے لگا۔اچانک ایک سانپ خیمہ میں داخل ہوا۔وہ مضطرب تھا۔وہ میرے برتن کی طرف آیا۔میں نے اس پر پانی چھڑکا۔اسے سکون ملا۔جب ہم نے نماز عصر پڑھی تو وہ مر گیا۔میں اپنے توشہ دان کی طرف گیا۔اس میں سے سفید کپڑا نکالا۔میں نے اس سانپ کو اس میں لپیٹا اس کے لیے گڑھا کھودا اور اسے دفن کر دیا۔ہم بقیہ دن اور رات محو سفر رہے۔وقت صبح ہم پانی پر اترے ہم نے اپنے خیمے لگائے۔میں قیلولہ کرنے لگا۔میں نے آواز سنی۔کوئی کہہ رہا تھا: ''تمہیں دو دفعہ سلام! نہ ایک دفعہ، نہ دس دفعہ نہ سو دفعہ اور نہ ہزار دفعہ اور اس سے زیادہ دفعہ۔'' میں نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' اس نے کہا: ''ہم جنات ہیں۔اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے۔تم نے وہ فعل سرانجام دیا ہے جس کی جزاء ہم تمہیں نہیں دے سکتے۔'' میں نے پوچھا: ''میں نے تمہارے ساتھ کیا نیکی کی ہے؟'' اس نے کہا: ''جو سانپ تمہارے پاس مرا تھا۔وہ ان جنات میں سے ایک تھا جنہوں نے حضور ﷺ کی بیعت کی تھی۔''

علامہ باوردی نے لکھا ہے: ''یہ ان جنات میں سے ایک تھا جنہوں نے حضور ﷺ سے قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل کی تھی۔'' الحافظ نے ''الاصابۃ'' میں لکھا ہے: ''یہ قصہ سابقہ قصے سے مختلف ہے۔ان میں سے ایک دوسرے کو ثابت کر رہا ہے۔ممکن ہے پہلا قصہ نو کی تعداد سے مقید ہو جبکہ دوسرا ان کے ساتھ مقید ہو جنہوں نے آپ سے قرآن پاک سماعت کیا ہو۔شاید یہ دو گروہ ہوں۔مسرق کی داستان میں ہے کہ وہ بیعت کرنے والوں میں سے آخری جن تھا۔ممکن ہے اس کا آخر ہونا بیعت کے ساتھ مقید ہو۔''

ابو نعیم نے الدلائل میں حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا: ''حضرت عبد اللہ کے ساتھیوں میں بعض ساتھی حج کے ارادہ سے نکلے۔جب انہوں نے بعض رستہ طے کر لیا تو انہوں نے ایک سانپ دیکھا جو رستہ میں ٹیڑھا پڑا تھا۔اس کی رنگت سفید تھی اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''تم چلو۔میں آگے نہیں بڑھوں گا حتیٰ کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ اس سانپ کا معاملہ کدھر جاتا ہے۔جلد ہی وہ سانپ مر گیا۔میں نے سفید کپڑا لیا اسے اس میں لپیٹا اور رستے کے ایک طرف اسے دفن کر دیا۔میں پھر اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔بخدا! ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ مغرب کی طرف سے چار خواتین آئیں۔ان میں سے ایک نے کہا: ''تم میں سے کس نے عمرو کو دفنایا ہے؟ ہم

نے پوچھا: "کون سا عمرو؟ اس نے کہا: "تم میں سے کس نے سانپ کو دفن کیا ہے؟" میں نے کہا: "میں نے۔" اس نے کہا: "بخدا! تم نے دائمی روزہ رکھنے والے اور ہمیشہ قیام کرنے والے کو دفن کیا ہے وہ رب کے احکامات کا حکم دیتا تھا۔ وہ تمہارے نبی کریم ﷺ پر ایمان لایا۔ اس نے آپ کے نبی ﷺ کے اوصاف آسمان سے سنے حالانکہ وہ چار سو سال بعد مبعوث ہوئے تھے۔" ہم نے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر اپنا حج ادا کیا۔ پھر میں مدینہ طیبہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا انہیں سانپ کے معاملہ کے بارے بتایا۔ انہوں نے فرمایا: "تم نے سچ کہا ہے۔ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے: "وہ مجھ پر میری بعثت سے چار سو سال قبل ایمان لایا تھا۔"

ابن ابی الدنیا نے حضرت حذیفہ عدوی سے روایت کیا ہے کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اپنے باغ سے نکلے وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے رستہ میں دو بگولے دیکھے جب وہ بگولے جدا ہوئے تو ایک سانپ مارا جا چکا تھا۔ وہ نیچے اترے۔ اپنی قوس کے سرے سے اسے اٹھایا پھر اسے دفن کر دیا۔ جب رات پڑی تو ہاتف نے یہ اشعار پڑھے:

یا ایها الرّاکب المزجی مطیۃً ۔۔۔ اربع علیك سلام الواحد الصمد

رائیت عمراً و قد القی کلاکله ۔۔۔ دون العشیرۃ کا الفرغامۃ الاسد

ترجمہ: "اے وہ سوار! جو اپنی سواری کو ہانک رہا ہے۔ ذرا نرمی کر۔ تجھ پر یکتا اور بے نیاز خدا کا سلام ہو تو نے عمرو کو دیکھا جس نے اپنے قبیلہ سے دور ببر شیر کی طرح اپنا سینہ نیچے پھینکا تھا۔"

وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور آپ کو یہ واقعہ بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ نصیبین کا قاصد عمرو بن جومایۃ تھا۔ اسے مخش بن جوشن عیسائی ملا۔ اس نے اسے قتل کر دیا۔ میں نے نصیبین کو دیکھا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسے میرے لیے بلند کیا تھا۔ میں نے رب تعالیٰ سے التجاء کی کہ وہ اس کی نہروں کے پانی کو شیریں کر دے۔ اس کے پھلوں کو میٹھا کر دے اور وہاں ابر کرم زیادہ برسائے۔

۳ حضرت ابن عباس نے انکار کیا ہے کہ جنات حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جمع ہوئے ہوں۔ صحیحین میں ان سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: "نہ تو حضور ﷺ نے جنات کو قرآن پاک سنایا اور نہ ہی انہیں دیکھا۔ حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ عکاظ کے بازار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ اس وقت شیاطین آسمانی خبریں سننے سے روک دیے گئے تھے۔ ان پر شہاب مارے جاتے تھے۔ جنات نے کہا: "یہ شہاب باری کسی واقعہ کی وجہ سے ہے جو ظہور پذیر ہوا ہے۔ انہوں نے زمین کا مشرق اور مغرب چھان مارا۔ ایک گروہ تہامہ میں حضور ﷺ کے پاس سے گزرا۔ اس وقت آپ نخلہ کے مقام پر تھے عکاظ کی سمت جا رہے تھے۔ آپ نے صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کو نمازِ صبح پڑھائی جب انہوں نے قرآن پاک سنا تو اس کو غور سے سنا۔ انہوں نے کہا: "اسی وجہ سے ہمیں آسمانی خبروں سے روک دیا گیا ہے۔ وہ اپنی قوم کی طرف گئے۔ انہوں نے کہا: "اے ہماری قوم!

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ۔ (الجن: ۲،۱)

ترجمہ: "ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے راہ دکھاتا ہے ہدایت کی۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ پر یہ آیت طیبہ نازل کی:

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ۔ (الجن: ۱)

ترجمہ: "آپ فرمائیے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے۔"

امام بیہقی نے لکھا ہے: "یہ واقعہ جو حضرت ابن عباس سے روایت کیا گیا ہے یہ اس وقت کے بارے ہے جب پہلے جنات نے آپ کی قرأت سنی تھی۔ اس وقت وہ آپ کی حالت سے آگاہ ہوئے۔ آپ نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔ پھر دوسری بار جنات کا داعی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ان کے ساتھ تشریف لے گئے اور انہیں قرآن پاک سنایا جیسے کہ امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔" حضرت کعب سے روایت بھی امام بیہقی کی تائید کرتی ہے۔ امام بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے دونوں واقعات کو یاد فرمایا اور انہیں روایت کیا۔

دیگر علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی روایت سے عیاں ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے جنات کو قرآن پاک سنایا۔ آپ نے انہیں دیکھا۔ یہ روایت حضرت ابن عباس کی نفی کی روایت پر مقدم ہو گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسی روایت مروی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی تائید کرتی ہے۔ ابن جریر نے جید قوی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ کے فرمان وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ۔ (الاحقاف ۲۰) ترجمہ: "اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو۔" کی تفسیر میں ہے کہ ان جنات کی تعداد ۹ تھی۔ ان کا تعلق اہل نصیبین سے تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں ان کی قوم کی طرف قاصد بنا کر بھیجا۔ یہ تشریح بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابن عباس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح دونوں قصوں کو روایت کیا ہے۔

④ الحافظ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ہمارے موقف کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ بعثت کی ابتداء کے بارے ہے جیسے کہ انہوں نے کہا ہے کہ جنات نے آپ کو دیکھا تو آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نمازِ صبح پڑھا رہے تھے یہ احتمال بھی ہے یہ واقعہ معراج سے بعد کا ہو۔ یہ قطعی بات ہے کہ آپ معراج سے قبل بھی نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نماز پڑھتے تھے۔ پہلے ایک نماز طلوع آفتاب سے

قبل اور دوسری غروب آفتاب سے قبل تھی۔ اس میں دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ (ق:٣٩)

ترجمہ: "اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔"

اس صورت میں حدیث پاک میں نماز فجر کا اطلاق وقت کے اعتبار سے ہوگا۔ ان پانچ نمازوں میں سے ایک نماز کی حیثیت سے نہیں ہوگا۔ جو شب معراج کو فرض ہوئی تھیں۔ اس طرح جنات کا یہ واقعہ بعثت کے آغاز کے بارے میں ہوگا۔

امام ترمذی اور امام الطبرانی نے اس سند سے یہ روایت لکھی ہے جو کسی بھی اشکال سے سالم ہے۔ اسے میں نے ابو اسحاق سبیعی، حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی سند سے تحریر کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جنات آسمان کی طرف جاتے تھے۔ وحی سن لیتے تھے...... اس جیسی دیگر روایات پہلے گزر چکی ہیں اور یہی عمدہ مؤقف ہے۔

❁❁❁

تینتیسواں باب

مختلف قبائل کو تبلیغ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ میدان عرفات میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو اپنا آپ پیش کرتے۔ آپ فرماتے: ''ارے کوئی ایسا شخص ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے جائے۔ قریش نے تو مجھے روک دیا ہے کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں۔''

محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ نبوت کے ابتدائی تین سالوں تک حضور ﷺ خفیہ تبلیغ کرتے رہے۔ چوتھے سال اعلانیہ تبلیغ فرمائی۔ دس سال تک لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ آپ حج کے ایام میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز میں لوگوں کی قیام گاہوں میں تشریف لے جاتے وہ انہیں یہ دعوت دیتے کہ وہ آپ کا دفاع کریں حتیٰ کہ آپ اپنے رب کے پیغامات پہنچالیں ان کے لیے جنت ہوگی لیکن آپ کسی کو نہ پاتے جو آپ کی مدد کرتا نہ ہی کوئی آپ کی آواز پر لبیک کہتا حتیٰ کہ آپ ایک ایک قبیلہ کے بارے پوچھتے۔ آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے۔ آپ فرماتے: ''اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو۔ کامیاب ہو جاؤ گے تم سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے۔ سارا عجم تمہارے زیرنگیں ہوگا۔ جب تم ایمان لے آؤ گے تو تم جنت کے مالک بن جاؤ گے۔'' ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے ہوتا۔ وہ کہتا: ''اس کی اطاعت نہ کرنا۔ یہ صابی ہے۔ کاذب ہے (نعوذ باللہ منہ) لوگ بری طرح آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیتے۔ وہ آپ کو اذیت دیتے وہ کہتے: ''آپ کی قوم آپ کو سب سے زیادہ جانتی ہے۔''

ابن اسحاق نے لکھا ہے: پھر حضور سرور کائنات ﷺ طائف سے مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ آپ کی قوم آپ کی شدت سے مخالف تھی۔ مگر کچھ کمزور افراد تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضور ﷺ ایام حج میں اپنا آپ قبائل کو پیش کرتے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے۔ انہیں بتاتے کہ آپ نبی اور مرسل ہیں ان سے فرماتے کہ وہ آپ کی تصدیق کریں۔ آپ کا دفاع کریں حتیٰ کہ آپ واضح طور پر اس پیغام کو پہنچا دیں جس کے ساتھ آپ مبعوث ہوئے ہیں۔

ابن اسحاق نے امام بیہقی، امام احمد، ان کے فرزند دلبند، امام الطبرانی نے ثقہ افراد سے حضرت ربیعہ بن عباد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''میں ابھی بچہ ہی تھا۔ میں اپنے والد کے ہمراہ منیٰ میں تھا۔ حضور اکرم ﷺ عرب کے قبائل پر کھڑے تھے۔ آپ فرما رہے تھے: ''اے بنو فلاں! میں تمہاری طرف رب تعالیٰ کا رسول بن کر آیا ہوں وہ تمہیں

حکم دیتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کے جن شریکوں کی تم پوجا کرتے ہو انہیں چھوڑ دو۔ تم مجھ پر ایمان لاؤ۔ میری تصدیق کرو۔ میرا دفاع کرو حتیٰ کہ میں وہ پیغام پہنچادوں جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔"

آپ کے پیچھے پیچھے ایک بھینگا اور روشن چہرے والا شخص تھا۔ اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں۔ اس نے عدن کا حلہ پہن رکھا تھا۔ جب حضور ﷺ اپنے فرمان سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا: "اے بنو فلاں! یہ شخص تمہیں اس طرف دعوت دیتا ہے کہ تم لات و عزیٰ کی بندگی کا پٹا اتار پھینکو۔ جنات اور مالک بن اقیش کے حلیفوں کو ترک کر دو اور اس کی بدعت اور گمراہی کو قبول کرلو۔ تم اس کی اطاعت نہ کرنا۔ نہ ہی اس کی بات سننا۔" میں نے اپنے باپ سے کہا: "یہ شخص کون ہے جو حضور ﷺ کے فرمان کی تردید کرتا ہے۔ جہاں حضور ﷺ تشریف لے جاتے ہیں یہ بھی وہاں جاتا ہے۔" میرے باپ نے کہا: "یہ ان کا چچا عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ابولہب ہے۔"

امام الطبرانی نے حضرت طارق بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں ذوالمجاز کے بازار میں تھا۔ میرے پاس سے ایک شخص گزرا جس نے سرخ حلہ پہن رکھا تھا۔ وہ فرما رہا تھا: "اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے۔" ایک شخص ان کے پیچھے تھا۔

وہ کہہ رہا تھا: "اے لوگو! یہ کذاب ہے (نعوذ باللہ منہ) اس کی اطاعت نہ کرنا۔" میں نے پوچھا: "یہ کون ہیں؟" لوگوں نے مجھے بتایا: "اس ہستی کا تعلق بنو ہاشم کے ساتھ ہے۔ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یہ ان کا چچا عبدالعزیٰ ہے۔" الطبرانی نے ثقہ راویوں سے حضرت مدرک بن منیب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: "میں نے اپنے باپ کے ہمراہ حج کیا جب ہم منیٰ پہنچے تو ہم نے ایک جماعت دیکھی۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا: "یہ جماعت کیسی ہے؟" اس نے کہا: "یہ صابی گروہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ اس وقت فرما رہے تھے: "اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو۔ کامیاب ہو جاؤ گے۔"

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، الطبرانی نے کبیر میں مدرک بن منیب سے اور وہ اپنے دادا جان سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: "میں نے زمانہ جاہلیت میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ فرما رہے تھے: "اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو۔ کامیاب ہو جاؤ گے۔" بعض نے آپ کے چہرۂ انور کی طرف تھوکنے کی جسارت کی اور آپ علیہ السلام پر مٹی پھینکی۔ بعض نے آپ کو برا بھلا کہا۔ حتیٰ کہ دوپہر کے وقت ایک (مبارک) بچی آئی اس کے پاس پانی تھا۔ اس نے آپ کا چہرہ انور اور دست اقدس دھو دیے۔ آپ نے فرمایا: "نور نظر! اپنے والد گرامی کے بارے کسی غلبہ یا ذلت کا اندیشہ نہ کرو۔" میں نے پوچھا: "یہ بچی کون ہے؟ مجھے بتایا گیا: "یہ آپ کی نور نظر حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔"

امام احمد، امام بیہقی نے اشعث بن سلیم کی سند سے بنو کنانہ کے ایک شخص سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا: "میں نے حضور پاک ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ذوالمجاز کے بازار میں تشریف فرما تھے۔ آپ لوگوں سے فرما رہے تھے: "اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے۔" ایک بدبخت شخص آپ کے پیچھے تھے۔ وہ آپ پر مٹی پھینک رہا تھا۔ وہ ابو جہل تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: "اے لوگو! یہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزّٰی کی عبادت کو ترک کر دو۔" وہ وہیں جاتا جہاں حضور ﷺ تشریف لے جاتے تھے۔ حضور ﷺ اس کے آگے آگے تھے۔ آپ اس کی طرف توجہ بھی نہیں فرما رہے تھے۔"

الحافظ ابن کثیر نے لکھا ہے: "محفوظ موقف یہ ہے کہ وہ شخص ابولہب تھا۔ ابو جہل کہنا وہم ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ کبھی یہ اور کبھی وہ ہوتا ہو کیونکہ یہ دونوں حضور ﷺ کو اذیت دینے میں پیش پیش تھے۔ یہی ظاہری بات ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا آپ بنو کندہ، بنو کلب، بنو عامر بن صعصعہ اور بنو حنیفہ کو پیش کیا لیکن انہوں نے سارے عرب سے بڑھ کر سختی سے ان کی تردید کی۔ امام واقدی نے یہ اضافہ کیا ہے: "آپ نے بنو عبس، بنو غسان، بنو محارب، بنو فزارہ، بنو مرّہ، بنو سُلیم، بنو نصر، بنو ثعلبہ، بنو حارث، بنو عذرہ اور بنو قیس بن خطیم پر اپنا آپ پیش کیا۔" امام واقدی نے ان کی تفصیلات لکھی ہیں۔

محمد بن عمر اسلمی نے عامر بن سلمہ الحنفی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے کہا: "ہم رب تعالیٰ سے التجاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں جنت سے محروم نہ کرے۔ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔ آپ لگاتار تین سال عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں ہمارے پاس تشریف لاتے رہے۔ آپ ہمیں رب تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ نیز یہ کہ ہم آپ کو تحفظ دیں حتیٰ کہ آپ اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا لیں۔ آپ ہمارے ساتھ جنت کا وعدہ فرماتے تھے ہم نے نہ تو آپ کی دعوت قبول کی اور نہ ہی عمدہ طریقہ سے آپ کو جواب دیا۔ ہم نے آپ کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔ مگر آپ ہمارے ساتھ حلیم تھے۔ میں پہلے سال ہجر کی طرف آیا۔ مجھے ھوذہ بن علی نے کہا: "کیا سال حج کے دوران کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے؟ میں نے کہا: "قریش کا ایک شخص مختلف قبائل کے پاس جاتا رہا۔ وہ انہیں رب تعالیٰ وحدہ لا شریک کی طرف دعوت دیتا رہا۔ نیز یہ کہ وہ اس کا دفاع کریں حتیٰ کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا لے۔ ان کے لیے جنت ہوگی۔" ھوذہ نے کہا: "ان کا تعلق قریش کے کس قبیلے کے ساتھ تھا؟ میں نے کہا: "وہ نسب کے اعتبار سے سب سے افضل تھے۔ ان کا تعلق بنو عبد المطلب کے ساتھ تھا۔" ھوذہ: کیا وہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب تھے؟ میں نے کہا: "ہاں! ہاں! اس نے کہا: "ان کا معاملہ یہاں تک آ جائے گا؟ میں نے کہا: "شہروں میں سے ہوتا ہوا یہاں تک؟" اس نے کہا: "اس سے بھی آگے۔" میں دوسرے سال پھر ہجر گیا۔ اس نے کہا: "اس ذات

پاک نے کیا کیا؟'' میں نے کہا: ''بخدا! میں نے انہیں گزشتہ سال کی طرح ہی دیکھا ہے۔'' پھر میں نے تیسرے سال بھی آپ کی زیارت کی۔ یہ زیارت آخری بار تھی۔ پھر آپ کا معاملہ پھیل گیا اور لوگوں میں آپ کا ذکر کثرت سے ہونے لگا۔

امام حاکم، امام بیہقی، ابونعیم اور قاسم بن ثابت نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنا آپ لوگوں پر پیش کریں۔ آپ باہر نکلے۔ میں بھی آپ کے ہمراہ تھا...... پھر ہم ایسی محفل میں آئے جہاں سکون اور وقار تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انہوں نے سلام کیا: پوچھا: ''کس قوم کے ساتھ تعلق ہے؟'' انہوں نے کہا: ''بنو شیبان بن ثعلبہ سے۔'' حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی: ''میرے والدین آپ پر فدا! یہ لوگوں کے سردار ہیں۔ ان میں مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ، مثنی بن حارثہ اور نعمان بن شریک ہیں۔'' مفروق حسن و جمال اور بلاغت میں سب سے فائق تھا۔ اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں جو اس کے سینے پر لٹک رہی تھیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریب ہی تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: ''تمہاری تعداد کتنی ہے؟'' اس نے کہا: ''ہماری تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہیں۔ ایک ہزار قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔'' سیدنا صدیق اکبر: تمہارے دفاع کا انداز کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''ہم جنگ کے وقت شدید غضب ناک ہوتے ہیں۔ ہم جس قبیلہ سے ناراض ہوتے ہیں اس سے جنگ کرنے میں شدت اختیار کرتے ہیں۔ عمدہ گھوڑی کو اولاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسلحہ کو اونٹوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ نصرت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ کبھی ہم غالب اور کبھی مغلوب ہو جاتے ہیں۔ شاید آپ کا تعلق قریش کے ساتھ ہے؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: کیا تمہیں خبر ملی ہے کہ حضور اکرم ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں۔ آپ کی ذات والا یہ ہے۔'' مفروق: آپ ہمیں کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک ہے۔ میں اس کا بندہ اور رسول ہوں۔ نیز یہ کہ تم مجھے پناہ دو۔ میری مدد کرو قریش نے تو اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔ اس کے رسول کی تکذیب کی ہے۔ باطل کی وجہ سے حق سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ اللہ رب العزت کی ذات غنی اور حمید ہے۔'' مفروق نے کہا: ''اے قریش کے بھائی! آپ ہمیں کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ بخدا! میں نے اس کلام سے عمدہ کلام نہیں سنا۔'' حضور اکرم ﷺ نے ان آیات بینات کی تلاوت فرمائی:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾ (الانعام ۱۵۱)

ترجمہ: "آپ فرمائیے آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمہارے رب نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے، ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہوں اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ نے سوائے حق کے۔ یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے جن کا تاکہ تم (حقیقت کو) سمجھو۔"

مفروق نے کہا: "بخدا! آپ عمدہ اخلاق، اچھے شمائل کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ وہ قوم کتنی احمق ہے جس نے آپ کی تکذیب کی اور آپ پر غالب آنے کی کوشش کی۔" پھر اس نے یہ معاملہ ہانی بن قبصہ کی طرف لوٹا دیا اس نے کہا: "یہ ہانی ہیں جو ہمارے بزرگ اور دینی معاملات کے سرپرست ہیں۔"

ہانی نے کہا: "قریش کے بھائی! میں نے آپ کی گفتگو سن لی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ رائے درست نہیں کہ ایک ہی محفل میں ہم اپنا دین ترک کر دیں اور آپ کے دین کی اتباع کر لیں۔ یہ انجام کے اعتبار سے قلیل غور و فکر کی دلیل ہے۔ جلدی میں لغزش ہو جاتی ہے۔ ہم ناپسند کرتے ہیں کہ اپنے پیچھے لوگوں کو چھوڑ کر کوئی معاہدہ کر لیں لیکن ہم واپس جاتے ہیں۔ آپ بھی واپس تشریف لے جائیں۔ ہم بھی غور و فکر کرتے ہیں۔ آپ بھی غور و فکر کر لیں۔" ہانی مثنیٰ کو بھی اس معاملہ میں شریک کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا: "یہ مثنیٰ ہیں جو ہمارے بزرگ اور سپہ سالار ہیں۔" مثنیٰ نے کہا: "(انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا) اے قریش کے بھائی! میں نے آپ کی گفتگو سن لی ہے، اس کے بارے ہانی کا جواب بہت عمدہ ہے۔ عجلت میں اپنا دین ترک کرنا اور آپ کا دین اختیار کرنا درست نہیں ہے۔ ہم دو پانیوں کے مابین ہیں۔ (۱) یمامہ (۲) سمامہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "ان دو پانیوں سے کیا مراد ہے؟ مثنیٰ نے کہا: "یہ کسریٰ کی نہریں اور عرب کے پانی ہیں۔ جہاں تک کسریٰ کی نہروں کا تعلق ہے تو اس کا گناہ قابل معافی نہیں۔ اس کا عذر مقبول نہیں جہاں تک اہل عرب کے پانیوں کا تعلق ہے تو ان کا گناہ قابل معافی اور ان کا عذر مقبول ہے۔ کسریٰ سے ہم نے معاہدہ کیا ہے کہ ہم کسی واقعہ کا ظہور نہیں کریں گے کسی واقعہ کو ظاہر کرنے والے کو پناہ نہیں دیں گے۔ میرے قریشی بھائی! جس معاملہ کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں بادشاہ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ اگر آپ پسند کریں کہ ہم آپ کو عرب کے پانیوں سے پناہ دیں تو یہ ہمیں قبول ہے۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "تم نے کتنا عمدہ جواب دیا ہے۔ تم نے سچ بولا ہے۔ دین الٰہی کی نصرت وہی کر سکتا ہے جو اس کا ساری جوانب سے دفاع کرے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کچھ ہی مدت میں اللہ تعالیٰ تمہیں ان کی زمین، شہر اور اموال کا مالک بنا دے اور ان کی عورتیں تمہارے قبضہ میں ہو جائیں تو کیا تم رب تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو گے؟" نعمان نے کہا: "مولا! تیرے لیے ہی تعریف ہے۔" پھر حضور ﷺ نے یہ آیت طیبہ تلاوت کی:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (الاحزاب ۴۵،۴۶)

ترجمہ: "اے نبی (مکرم ﷺ) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔"

پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت سعید بن یحییٰ نے اپنے مغازی میں اپنے والد گرامی سے، ابونعیم نے حضرت عبد الرحمان عامری سے اور وہ اپنے شیوخ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: "ہم عکاظ میں تھے کہ حضور اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: "کس قبیلہ کے ساتھ تعلق ہے؟ ہم نے کہا: "بنو عامر بن صعصعہ میں سے بنو کعب سے۔" آپ نے فرمایا: "میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ تم میرا دفاع کرو۔ حتیٰ کہ میں رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دوں۔ میں تم میں سے کسی کو کسی امر پر مجبور نہیں کروں گا۔" انہوں نے کہا: "ہم آپ پر ایمان تو نہیں لائیں گے لیکن آپ کا دفاع کریں گے حتیٰ کہ آپ اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا لیں۔" ان کے پاس بیحرۃ بن فراس قشیری آیا؟ اس نے پوچھا: یہ تمہارے پاس کون شخص ہے جو مجھے عجیب لگ رہا ہے؟ انہوں نے کہا: "یہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (فداہ روحی) ہیں؟" اس نے پوچھا: "تمہارا اور ان کا کیا تعلق ہے؟" انہوں نے کہا: "یہ گمان کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے رسول محترم ہیں۔" انہوں نے ہم سے کہا ہے کہ ہم ان کا دفاع کریں حتیٰ کہ یہ اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا لیں۔" اس نے کہا: "تم نے انہیں کیا جواب دیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہم نے انہیں خوش آمدید کہا ہے۔ انہیں مثبت جواب دیا ہے۔ ہم نے ان سے کہا ہے کہ ہم انہیں اپنے شہروں میں لے جائیں گے اور ہر اس چیز سے ان کا دفاع کریں گے جس سے اپنی جانوں کا دفاع کرتے ہیں۔" بیحرۃ نے کہا: "میں اس بازار والوں میں سے کسی شخص کو نہیں جانتا جو اتنی بری چیز لے کر لوٹا ہو جتنی بری چیز لے کر تم لوٹ رہے ہو کیا تم قوم کے اس احمق شخص (نعوذ باللہ منہ) کا ارادہ کر رہے ہو جس کی قوم نے اسے دھتکار دیا ہے۔ اس کی تکذیب کی۔ تم نے اسے پناہ دے دی ہے۔ اس کی مدد کی ہے۔ سارا عرب تمہیں ایک قوس سے تیر برسائے گا۔ تمہاری رائے سب سے بری رائے ہے۔" پھر وہ حضور اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے کہا: "اٹھو! اپنی قوم کے پاس چلے جاؤ۔ بخدا! اگر تم میری قوم کے پاس نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔"

حضور اکرم ﷺ اٹھ کر اپنی اونٹنی کی طرف گئے۔ تاکہ آپ اس پر سوار ہوں۔ بیحرۃ خبیث اٹھا اور اس نے اونٹنی کے پہلو پر مارا۔ اونٹنی بدکی اور اس نے حضور ﷺ کو نیچے پھینک دیا۔ اس وقت بنو عامر کے پاس حضرت ضباعہ بنت

عامر رضی اللہ عنہا تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ وہ اپنے رشتہ داروں سے ملنے آئی تھیں۔ اس نے کہا: ''اے بنو عامر! میرا عامر نہیں ہے۔ کیا تمہارے سامنے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس طرح سلوک کیا جارہا ہے تم میں سے کوئی بیحرۃ کو منع نہیں کرتا۔'' اس کی قوم کے تین افراد بیحرۃ کی طرف گئے۔ جبکہ دو نے اس کی مدد کی۔ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو پکڑ لیا اور اسے زمین پر پٹخ دیا۔ وہ اس کے سینے پر چڑھ گیا اور اس کے چہرے پر تھپڑ مارنے لگا۔ حضور ﷺ نے یہ دعا مانگی: ''مولا! ان میں برکت فرما۔ مولا! ان پر لعنت فرما۔'' وہ تین افراد جنہوں نے آپ کی مدد کی تھی وہ مشرف باسلام ہو گئے۔ انہیں شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ وہ حضرات عطیف، غطفان یسران سہل اور عروہ بن عبد اللہ تھے جبکہ دوسرے افراد ہلاک ہو گئے۔

جب لوگ حج کر کے چلے گئے تو بنو عامر بھی واپس اپنے قبیلے میں چلے گئے۔ وہ اپنے ایک عمر رسیدہ شخص کے پاس گئے جو ان کے ساتھ حج کرنے نہ جا سکا تھا۔ وہ جب بھی حج سے واپس جاتے تو وہ اپنے اس بوڑھے سے دورانِ حج رونما ہونے والے واقعات بیان کرتے تھے۔ جب وہ اس سال اس کے پاس پہنچے تو اس نے ان سے حج کے متعلق پوچھا۔ بنو عامر نے کہا: ''ہمارے پاس قریش کا ایک شخص آیا۔ اس کا تعلق بنو عبدالمطلب سے تھا جو گمان کرتا تھا کہ وہ نبی ہے۔ اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اس کا دفاع کریں۔ اس کے ہمراہ اٹھ کھڑے ہوں۔ اسے اپنے شہروں کی طرف لے جائیں اس بوڑھے نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور کہا: ''اے بنو عامر! کیا اس نقصان کی تلافی ممکن ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں کسی نے کبھی بھی نبوت کے بارے جھوٹا قول نہیں کہا۔ بلاشبہ وہ حق ہے۔ اس وقت تمہاری رائے کہاں گئی تھی؟

ابونعیم نے روایت کیا ہے بکر بن وائل حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آیا۔ حضور ﷺ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ان کے پاس جاؤ اور ان پر اسلام پیش کرو۔'' وہ ان کے پاس آئے اور انہیں اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا: ''حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا بزرگ حارثہ آجائے جب حارثہ آیا اس نے کہا: ''ہمارے اور فرس کے مابین جنگ ہو رہی ہے۔ جب ہم اس جنگ سے فارغ ہو جائیں گے تو ہم واپس آئیں گے اور آپ کی باتوں میں غور و فکر کریں گے۔'' جب وہ اور فرس باہم جنگ آزما ہوئے تو ان کے بزرگ نے کہا: ''اس شخص کا کیا نام تھا جس نے تمہیں اس امر کی طرف بلایا جس کی طرف بلایا۔'' انہوں نے کہا: ''محمد (مصطفی ﷺ)'' اس نے کہا: ''آج تمہارا شعار یہی ہے۔'' انہیں فرس پر نصرت نصیب ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میری وجہ سے ان کی نصرت کی گئی۔'' محمد بن عمر الاسلمی نے جہم بن ابی جہم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ بنو عامر پر کھڑے ہوئے۔ آپ نے انہیں اللہ رب العزت کی طرف بلایا۔ ان میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا: ''تعجب ہے۔ آپ کی قوم نے آپ کو تھکا دیا ہے۔ پھر عرب کے سارے قبائل نے آپ کو تھکا

دیا ہے حتیٰ کہ آپ ہمارے پاس آگئے اور ہمیں بار بار دعوت دینے لگے۔ میں آپ کو حاجیوں کے لیے عبرت بنادوں گا۔" وہ حضور ﷺ کی طرف اٹھ کر گیا۔ وہ پہلے بیٹھا ہوا تھا۔ رب تعالیٰ نے اس کی پنڈلی توڑ دی۔ وہ اپنی ٹانگ کی وجہ سے چیخنے لگا۔ حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے۔

ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن وابصہ العبسی سے وہ اپنے والد گرامی سے اور وہ اپنے پدر بزرگوار سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: "ہم منیٰ میں تھے کہ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ نے ہمیں دعوت دی ہم نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ ہمارے ساتھ میسرہ بن مسروق العبسی بھی تھا۔ اس نے ہمیں کہا: "میں قسم اٹھاتا ہوں کہ کاش ہم اس ہستی کی تصدیق کرلیں۔ ہم انہیں اٹھا کر اپنے کجاؤں کے وسط میں رکھ لیں۔ یہ عمدہ رائے ہے میں قسم اٹھاتا ہوں کہ ان کا امر غالب ہو جائے گا۔ یہ پوری طرح کامیاب ہو جائیں گے۔" قوم نے انکار کر دیا۔ وہ واپس چلی گئی۔ میسرہ نے انہیں کہا: "ہمارے ساتھ فدک چلو۔ وہاں یہودیوں کا بسیرا ہے۔ ہم ان سے اس ہستی کے بارے پوچھیں گے۔" وہ یہودیوں کے پاس گئے۔ انہوں نے اپنی کتاب کھولی۔ پھر حضور ﷺ کا ذکر خیر پڑھا۔ "وہ نبی امی عربی ہوں گے۔ وہ گدھے پر سواری کریں گے۔ وہ روٹی کے ٹکڑے پر اکتفاء کریں گے۔ ان کی قامت نہ طویل ہوگی اور نہ ہی پست۔ ان کے بال نہ سیدھے ہوں گے نہ ہی گھنگھریالے ہوں گے۔ ان کی آنکھوں میں سرخی ہوگی۔ ان کا رنگ گہرا ہوگا۔" یہودیوں نے کہا: "اگر وہ تمہیں اسلام کی طرف دعوت دے رہے ہیں تو ان کی دعوت قبول کرلو۔ ان کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ ہم تو ان سے حسد کرتے ہیں۔ ہم ان کی اتباع نہیں کریں گے۔ ہم ان کی وجہ سے بڑی آزمائش کا سامنا کریں گے۔ اہل عرب میں ہر ایک یا تو ان کی اتباع کرلے گا یا وہ اسے قتل کر دیں گے۔" حضرت میسرہ نے کہا: "اے میری قوم! اب تو معاملہ واضح ہو چکا ہے۔" حضرت میسرہ نے اسلام قبول کرلیا۔

ابونعیم نے ابن رومان، عبداللہ بن ابی بکر وغیرہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کندہ کے خیموں میں تشریف لائے۔ اپنا آپ ان پر پیش کیا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ان کی قوم میں سے چھوٹے شخص نے کہا: "اے میری قوم! اس شخص کو حاصل کرنے میں سبقت لے جاؤ۔ اس سے قبل کہ کوئی اور تم سے سبقت لے جائے۔ بخدا! اہل کتاب ہمیں بیان کرتے رہے ہیں کہ حرم سے ایک نبی پاک کا ظہور ہوگا۔ ان کے ظہور کا وقت یہی ہے۔" مگر قوم نے انکار کر دیا۔

امام بیہقی نے عاصم بن عمر سے اور وہ اپنی قوم کے شیوخ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: "سوید بن صامت مکہ مکرمہ میں حج اور عمرہ کرنے کی نیت سے آیا۔ سوید کو اس کی قوم اس کی جلد، شعر، شرف اور نسب کی وجہ سے الکامل کہتے تھے یہ اشعار اسی کے ہیں:

الا رب من تدعو صديقا و لو ترى   مقالته بالغيب سائك ما يفرى

ترجمہ: "ارے! کتنے ہی ایسے انسان ہیں جنہیں تو دوست سمجھتا ہے۔ کاش! تو ان کی مخفی گفتگو سن لیتا اور ان کا جھوٹ گھڑنا تجھے برا لگتا۔"

مقالته كالشهد ما كان شاهداً و بالغيب ما ثور على ثغرة النحر

ترجمہ: "سامنے اس کی گفتگو شہد کی طرح شیریں ہوتی ہے جبکہ پیٹھ پیچھے وہ گدی کے گڑھے کے لیے تلوار کی دھار کی طرح ہے۔"

يسرك باديه و تحت اديمه تميمة غش تبترى عقب الظهر

ترجمہ: "اس کا ظاہر تجھے مسرور کر دے گا لیکن اس کی کھال کے نیچے فریب کی سرگوشی ہے جو پیٹھ کے پٹھوں کو قطع کر دیتی ہے۔"

تبين لك للعينان ما هو كاتم من الغل و البغضاء بالنظر الشزر

ترجمہ: "جو بغض اور کینہ وہ چھپا رہا ہوتا ہے اس کی ترچھی نگاہوں والی آنکھیں تجھ پر واضح کر دیں گی۔"

فرشني بخير طال ما قد بريتني و خير الموالى من يريش و لا يبرى

ترجمہ: "تم نے لمبا عرصہ میری مخالفت میں بسر کیا ہے اب میری مدد کر کیونکہ بہترین دوست وہ ہوتا ہے جو مدد کرتا ہے کمزور کرنے کی سعی نہیں کرتا۔"

جب حضور اکرم ﷺ نے اس کے متعلق سنا تو اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اسے رب تعالیٰ اور اسلام کی طرف دعوت دی۔ سوید نے آپ سے کہا: "اس طرح کا کلام میرے پاس بھی ہے جیسے آپ کے پاس ہے۔" حضور ﷺ نے پوچھا: "تمہارے پاس کیا ہے؟" اس نے کہا: "میرے پاس حضرت لقمان کی حکمت ہے۔" حضور اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: "اسے میرے سامنے پیش کرو۔" اس نے اسے آپ پر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: "یہ عمدہ کلام ہے لیکن جو کلام میرے پاس ہے وہ اس سے افضل ہے وہ قرآن پاک ہے جسے رب تعالیٰ نے نازل کیا ہے وہ سراپا ہدایت اور نور ہے۔" حضور ﷺ نے اس پر قرآن پاک پڑھا۔ اسے ایمان کی طرف دعوت دی۔ وہ اس سے دور نہ رہا۔ اس نے کہا: "یہ ایک بہترین کلام ہے۔" پھر وہ چلا گیا۔ مدینہ طیبہ اپنی قوم کے پاس گیا۔ جلد ہی خزرج نے اسے قتل کر دیا۔ اس کی قوم کے افراد کہا کرتے تھے: "ہمارا خیال ہے کہ جب اسے قتل کیا گیا تو وہ مسلمان تھا۔" یہ جنگ بعاث سے قبل قتل ہوا تھا۔

❁❁❁

چونتیسواں باب

آپ کا مذاق اڑانے والوں کا انجام

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾ (الرعد ۳۲)

ترجمہ: "اور بے شک تمسخر اڑایا گیا رسولوں کا جو آپ سے پہلے گزرے پس میں نے ڈھیل دی کافروں کو (کچھ عرصہ تک) پھر میں نے پکڑ لیا انہیں تو (دیکھو) کیسا (بھیانک) تھا میرا عذاب۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ (الحجر: ۹۵،۹۶)

ترجمہ: "ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لیے۔ جو بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا۔"

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾ (الحجر: ۹۷ تا ۹۹)

ترجمہ: "اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں سو آپ پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں سے اور عبادت کیجئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس الیقین۔"

مذاق اڑانے والوں کی تعداد کے بارے جمہور علماء کرام کا مؤقف یہ ہے کہ ان کی تعداد پانچ تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ دوسری روایت کے مطابق ان کی تعداد آٹھ تھی۔ الغرر میں اسی روایت کو صحیح کہا گیا ہے۔ ابو عمرو العراقی نے الدرر میں اسی قول کو یقین کے ساتھ لکھا ہے۔

۱۔ الاسود بن عبد یغوث بن وہب بن زہرہ۔ یہ حضور ﷺ کے ماموں کا بیٹا تھا۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ جب مسلمانوں کو دیکھتا تو کہتا: "تمہارے پاس زمین کے وہ بادشاہ آگئے ہیں جو قیصر و کسریٰ کی سلطنت کے

وارث بنیں گے۔" یہ حضور ﷺ سے کہا کرتا تھا: "محمد عربی! ﷺ آج آسمان سے کیا نئی خبر آئی ہے؟" یہ اپنے اہل خانہ سے عازم سفر ہوا۔ اسے بادِ سموم نے آلیا۔ اس کا چہرہ سیاہ ہوگیا۔ حتیٰ کہ وہ حبشی ہوگیا۔ وہ اپنے اہل خانہ کے پاس آیا۔ مگر انہوں نے اسے نہ پہچانا۔ انہوں نے دروازہ بند کیا۔ وہ مبہوت ہو کر باہر نکل گیا۔ پھر پیاسا مرگیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ اسے خارش نے آلیا۔ اس کے سر سے پیپ بہنے لگی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا جس سے یہ مرض استسقاء میں مبتلا ہوگیا۔ اس کا پیٹ بہت زیادہ پھول گیا۔ جس کی وجہ سے یہ مرگیا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اسے بہت زیادہ پیاس لگی۔ اس نے پانی پیا حتیٰ کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا۔

میں کہتا ہوں "پہلے قول کو ابونعیم نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اسے ربیع بن انس سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ انہوں نے اضافہ کیا ہے۔ "یہ سفید رنگت والا خوبصورت انسان تھا۔ دوسرے قول کو الطبرانی، بیہقی اور ضیاء نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ تیسرے قول کو ابونعیم نے دو ضعیف سندوں سے روایت کیا ہے جبکہ چوتھے قول کو بیاض نے الاصول میں لکھا ہے۔

ابن ابی حاتم اور علامہ بلاذری نے صحیح سند سے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے الاسود کی گردن کو جھکایا حتیٰ کہ اس کا سینہ جھک گیا۔ حضور ﷺ فرمانے لگے: "میرا ماموں! میرا ماموں! حضرت جبرائیل امین نے کہا: "محمد عربی! ﷺ اسے چھوڑ دو میں اسے کافی ہوگیا ہوں۔" ان روایات میں مخالفت نہیں ممکن ہے اس کے ساتھ یہ سارے واقعات پیش آئے ہوں۔

◆ حارث بن قیس السہمی: یہ ابن العنطلہ کے نام سے معروف تھا۔ یہ اپنی ماں کی طرف منسوب تھا۔ یہ ایک پتھر لیتا۔ اس کی پوجا کرتا جب دوسرا خوبصورت پتھر نظر آتا تو پہلے کو چھوڑ کر دوسرے کی پوجا شروع کر دیتا۔ اسی کے بارے یہ آیت طیبہ نازل ہوئی ہے:

أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ۚ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ (الفرقان ٤٣)

ترجمہ: "کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا اس (احمق) کو جس نے بنا لیا اپنا خدا اپنی خواہش کو۔ کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں؟"

یہ بدبخت کہا کرتا تھا کہ محمد عربی ﷺ نے خود کو اور اپنے ساتھیوں کو دھوکہ میں رکھا ہوا ہے۔ وہ ان کے ساتھی وعدہ کرتے ہیں کہ وہ موت کے بعد اٹھیں گے۔ بخدا! ہمیں صرف زمانہ، ایام کا گزرنا اور حوادثات ہلاک کرتے ہیں۔" اس نے نمکین مچھلی کھائی پھر پانی پیتا رہا حتیٰ کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ قتل ہوگیا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس کے سر سے پیپ بہنے لگی تھی۔ میں

کہتا ہوں کہ پہلے قول کو عبد الرزاق، ابن جریر وغیرہما نے حضرت قتادہ سے اور حضرت مقسم سے روایت کیا ہے۔

◆ اسود بن المطلب بن اسد بن عبد العزیٰ: علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ اور اس کے ساتھی حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف آنکھوں کے اشارے کرتے تھے۔ یہ کہتے تھے: "تمہارے پاس زمین کے بادشاہ آگئے ہیں۔ یہ قیصر و کسریٰ پر غالب آئیں گے۔ یہ سیٹیاں بجاتے تھے۔ اس نے حضور ﷺ کی گستاخی کی جو آپ پر گراں گزری۔ حضور ﷺ نے اس کے لیے بد دعا کی کہ رب تعالیٰ اس کی بصارت چھین لے اور یہ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا۔ حضرت جبرائیل امین اس درخت کے پتے اور کانٹے اس کے چہرے اور آنکھوں پر مارنے لگے حتیٰ کہ وہ اندھا ہو گیا۔ یہ اپنے غلام سے مدد طلب کرنے لگا۔ اس کے غلام نے اسے کہا: "مجھے تو تمہارے علاوہ کوئی نظر نہیں آرہا جو تمہارے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہو۔" دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا تو یہ اندھا ہو گیا۔ یہ حضور ﷺ کو اذیت دینے سے رک گیا۔ غزوۂ بدر کے روز اس کا بیٹا زمعہ بن اسود واصل جہنم ہوا۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ثابت بن الجدع نے اس کا کام تمام کیا۔ اس کا بیٹا عقیل بھی مارا گیا۔ اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا۔ دوسرے قول کے مطابق صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے واصل جہنم کیا تھا۔

◆ مالک بن الطلاطلہ: ابن کلبی اور بلاذری نے ان میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ احمق تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے لیے بد دعا کی۔ رب تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ مانگی۔ حضرت جبرائیل امین نے اس کا پیٹ چیر دیا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ علامہ بلاذری اور دیگر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے اس کی طرف اشارہ کیا اس کے سر سے پیپ بہنے لگی۔ بعض نے یہ واقعہ عمر بن الطلاطل کے بارے بیان کیا ہے مگر وہ درست نہیں۔

◆ عاص بن وائل السہمی: علامہ بلاذری نے لکھا ہے: "یہ اپنے گدھے یا سفید خچر پر سوار ہوا۔ یہ جب ان گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں اترا۔ یہ طائف جا رہا تھا۔ اس کا گدھا یا خچر زمین پر بیٹھ گیا۔ یہ مر گیا۔ دوسرا قول یہ ہے جب اس کا گدھا یا خچر بیٹھا تو اسے سانپ نے ڈنگ مار دیا۔ وہ اسی جگہ مر گیا پہلے قول کو علامہ بلاذری نے جبکہ دوسرے قول کو ابو نعیم نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری، امام مسلم اور ابن اسحاق نے حضرت خباب بن الارت سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں لوہار تھا۔ میں نے عاص بن وائل کے لیے تلواریں بنائیں۔ میں اس کے پاس قیمت مانگنے کے لیے آیا۔ اس نے کہا: "میں تمہیں ان کی قیمت نہیں دوں گا حتیٰ کہ تم محمد عربی ﷺ کا انکار کر دو۔" میں نے کہا: "میں انکار نہیں کروں گا حتیٰ کہ رب تعالیٰ تجھے مارے پھر تجھے زندہ کرے۔" اس نے کہا: "کیا میں مر جاؤں گا پھر مجھے زندہ کیا جائے گا۔" میں نے کہا:

"ہاں! اس نے کہا: "مجھے چھوڑ دو۔ میں مرجاؤں۔ پھر مجھے زندہ کیا جائے۔ پھر مجھے مال و دولت دیا جائے گا۔ تو اس وقت میں تمہیں تمہارا حق ادا کر دوں گا۔ بخدا! اے خباب! تم اور تمہارے یہ صاحب رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مجھ سے زیادہ معزز نہیں۔ تمہارا حصہ وہاں زیادہ نہ ہوگا۔" اس وقت یہ آیات طیبات اتریں:

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ (مریم ۷۷ تا ۸۰)

ترجمہ: "کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا اولاد اور مال۔ (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے) کیا وہ آگاہ ہو گیا ہے غیب پر یا لے لیا ہے اس نے (خداوند) رحمن سے کوئی وعدہ؟ ہرگز ایسا نہیں۔ ہم لکھ لیں گے جو یہ کہہ رہا ہے اور لمبا کر دیں گے اس کے لیے عذاب کو خوب لمبا کرنا اور ہم ہی وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے (یعنی اس کے مال و اولاد کے) اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔"

◆ حکم بن عاص بن امیہ: علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کو اذیت دیتا تھا۔ یہ آپ کو برا بھلا کہتا اور آپ اس سے نازیبا گفتگو سنتے تھے۔ ایک دن حضور اکرم ﷺ چل رہے تھے۔ یہ آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ یہ آپ کے لیے ناک اور منہ چڑھا رہا تھا۔ اس نے فتح مکہ کے روز اسلام کا اظہار کیا۔ اس کے دین میں تردد تھا۔ ایک دن اس نے حضور اکرم ﷺ کے حجرہ مقدسہ میں جھانکا۔ اس وقت آپ اپنی کسی زوجہ محترمہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ اپنا نیزہ لے کر باہر نکلے۔ آپ نے فرمایا: "اس شگاف سے کون دیکھ رہا تھا۔ اگر میں اسے پالیتا تو اس کی آنکھ پھوڑ ڈالتا۔" آپ نے اس پر اور اس کی اولاد پر لعنت کی اور اسے مدینہ طیبہ سے جلا وطن کر دیا۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت تک مدینہ طیبہ سے باہر رہا۔

ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پیچھے تھا وہ آپ کی نقلیں اتار رہا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے دیکھا فرمایا: "تو اسی طرح ہو جا" وہ اپنے گھر لوٹ آیا۔ ایک ماہ تک اس پر بے ہوشی طاری رہی پھر اسے افاقہ ہوا۔ اس کی شکل اسی طرح ہو چکی تھی جس طرح وہ نقلیں اتارتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم ہی تھا۔

◆ ولید بن مغیرہ: علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ ولید ایک شخص کے پاس سے گزرا جسے حزاث کہا جاتا تھا وہ اپنے تیر کا پھل درست کر رہا تھا۔ اس کا پاؤں ایک تیر پر آیا۔ اسے ہلکی سی خراش لگی۔ یا وہ تیر اس کے ازار سے اٹک گیا۔ جس سے اس کی پنڈلی پر ہلکی سی خراش آئی۔ حضرت جبرائیل امین اس پر جھکے انہوں نے اسے مارا

اسی کی ٹانگ پر پھوڑا نکل آیا وہ واصل جہنم ہو گیا۔

ابولہب: یہ حضور ﷺ کے ساتھ عداوت رکھنے میں سب سے آگے آگے تھا۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کے در اقدس پر گندگی اور غلاظت پھینک دیتا تھا۔ ایک دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا انہوں نے اسے پکڑا اور گندگی اس کے سر پر پھینک دی۔ ابولہب اپنا سر جھاڑنے لگا اور کہنے لگا: "صابی احمق! اب اس نے گندگی پھینکنا کم کر دی تھی۔

ابن ابی الزناد نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں شریر ہمسایوں کے مابین تھا۔ ایک طرف ابولہب جبکہ دوسری طرف عقبہ بن ابی معیط تھا۔ وہ گندگی لے کر آتے تھے۔ اسے میرے دروازے پر پھینک دیتے تھے۔" حضور اکرم ﷺ فرماتے تھے: "اے بنو عبد مناف! یہ کیسا پڑوس ہے۔" پھر آپ اپنے در اقدس سے وہ گندگی ہٹا دیتے تھے۔

ابولہب نے اپنے بیٹے کو ایسی چیز دے کر بھیجا جس سے آپ کو اذیت ہوتی تھی۔ اس نے آپ کو سنا آپ سورۃ النجم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نے کہا: "میں نجم کے رب کا انکار کرتا ہوں۔" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "رب تعالیٰ تجھ پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرمائے۔" وہ تجارت کے لیے گیا: "ایک شیر آیا۔ عتبہ حوران کے مقام پر اپنے ساتھیوں کے مابین سویا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلنے لگا اور سونگھنے لگا۔ وہ عتبہ تک پہنچ گیا اور اسے نگل گیا۔ عتبہ کے آخری کلمات یہ تھے: "کیا تمہیں کہتا نہ تھا کہ محمد عربی ﷺ سارے لوگوں سے زیادہ سچے ہیں۔" پھر وہ مر گیا۔

میں کہتا ہوں کہ ابولہب کے اس لڑکے کا نام عتیبہ تھا۔ عنقریب اس واقعہ کا تذکرہ آئے گا۔

ابولہب ایک ایسے مرض سے ہلاک ہوا جسے رسولی کہا جاتا تھا۔ اہل عرب اس سے بدفالی لیتے تھے۔ جسے یہ رسولی نکل آتی تھی وہ اس سے دور بھاگتے تھے۔ جب ابولہب اس مرض میں مبتلا ہوا تو اس کے اہل خانہ نے اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ وہ کافی مدت بغیر گور و کفن پڑا رہا۔ حتیٰ کہ اس کی اولاد کو عار دلائی جانے لگی۔ انہوں نے اس کے لیے ایک گڑھا کھودا اور ابولہب کو اس میں پھینک دیا۔ اس کی بیوی ام جمیل حرب کی بیٹی تھی۔ وہ حضور اکرم ﷺ کو بہت زیادہ اذیتیں دیتی تھی۔ یہ حمالۃ الحطب تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نام اس لیے رکھا ہے کیونکہ وہ کانٹے اٹھاتی تھی اور رات کے وقت اس رستہ میں پھینک دیتی تھی جہاں سے اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گزرنا ہوتا تھا تاکہ یہ کانٹے انہیں لگیں۔ ایک دن اس نے بہت بڑی گٹھڑی اٹھائی ہوئی تھی۔ یہ تھک گئی اور آرام کرنے کے لیے ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ فرشتہ آیا اس نے اسے اس رسی کے ساتھ پیچھے سے کھینچا جو اس کی گردن میں تھی۔ اس کا گلا بند ہو گیا اور یہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب حضور اکرم ﷺ پر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝

تو حضور ﷺ کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ آپ اعلان کرنے لگے: "اے بنو فہر، اے بنو عدی! حتیٰ کہ لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ جو شخص خود نہ آسکتا تھا اس نے اپنا نمائندہ بھیجا تا کہ وہ دیکھے کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ ابولہب اور قریش بھی آ گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ذرا بتاؤ اگر میں تمہیں کہوں کہ اس وادی میں ایک گھڑ سوار دستہ ہے جو تم پر غارت گری کرنا چاہتا ہے کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا: "ہاں! ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ ہی بولتے سنا ہے۔" آپ نے فرمایا: "میں آگے آنے والے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔" ابولہب نے کہا: "تمہارے لیے ہلاکت! کیا تم نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا۔" اس وقت یہ سورت نازل ہوئی:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۚ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ (مسد: ۱ تا ۵)

ترجمہ: "ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہوگیا۔ کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا۔ عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں اور اس کی جورو بھی بدبخت ایندھن اٹھانے والی۔ اس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی۔"

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ ابو الاصواء بھی آپ کو اذیت دیتا تھا وہ حضور اکرم ﷺ سے کہتا تھا: "اہل کتاب آپ کو اپنے افسانے سکھاتے ہیں۔ لوگ آپ کو مجنون معلّم کہتے ہیں۔" حضور اکرم ﷺ نے اس کے لیے بددعا کی۔ یہ پہاڑ پر چڑھا۔ اس پر بہت سے پہاڑی بکرے چڑھے انہوں نے اسے سینگ مار مار کر مار دیا۔

ابن اسحاق نے ان میں امیہ بن خلف الجمحی کا ذکر بھی کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ جب بھی یہ حضور ﷺ کو دیکھتا تو آپ کی عیب جوئی کرتا اور اشارے سے باتیں کرتا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ (الہمزۃ ۱، ۲)

ترجمہ: "ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لیے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے۔ (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔"

اسی طرح ابن اسحاق نے کلدہ بن علقمہ کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں کیا ہے۔ خشنی نے لکھا ہے کہ علقمہ بن کلاہ درست ہے۔ حضور اکرم ﷺ جب کسی محفل میں تشریف فرما ہوتے۔ اس میں اللہ رب العزت کی طرف بلاتے۔ قرآن

پاک کی تلاوت کرتے قریش کو اس عذاب سے ڈراتے جو گزشتہ اقوام کو پہنچا تھا تو آپ کے بعد یہ بدبخت اسی محفل میں چلا جاتا۔ ایران کے بادشاہوں کے قصے بیان کرتا پھر کہتا: "بخدا! محمد عربی کا کلام میرے کلام سے عمدہ نہیں۔ ان کی باتیں بھی پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ وہ انہیں اسی طرح لکھ لیتے ہیں جس طرح میں لکھ لیتا ہوں۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (الفرقان ۵)

ترجمہ: "اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے۔ اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام۔ (تاکہ ازبر ہو جائیں)"

رب تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے یہ آیت طیبہ نازل کی:

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الفرقان ۶)

ترجمہ: "آپ فرمائیے اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک دن حضور ﷺ تشریف فرما تھے۔ ولید بن مغیرہ بھی آپ کے پاس ہی تھا۔ نضر بن حارث آیا اس محفل میں قریش کے اور بھی افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے گفتگو کی۔ نضر نے آپ کے ساتھ مناظرہ کرنا چاہا۔ آپ نے گفتگو فرما کر اسے خاموش کر دیا، پھر انہیں یہ آیت طیبہ سنائی۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (الانبیاء ۹۸-۱۰۰)

ترجمہ: "(اے مشرکو!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ تم اس میں داخل ہونے والے ہو (سوچو!) اگر یہ خدا ہوتے۔ تو نہ داخل ہوتے جہنم میں اور (جھوٹے خدا اور ان کے پجاری) سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ جہنم میں (شدت عذاب سے) چیخیں گے اور وہ اس میں اور کچھ نہ سن سکیں گے۔"

حضور ﷺ اٹھ کر تشریف لے گئے۔ عبد اللہ بن زبعری آیا۔ بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ اس جگہ بیٹھ گیا۔ ولید نے اسے کہا: "بخدا! ابھی ابھی نضر بن حارث نے محمد عربی ﷺ سے بات کی۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اور وہ معبود ان جن کی ہم پوجا کرتے ہیں سارے جہنم کا ایندھن ہیں۔" عبد اللہ نے کہا: "اگر میں انہیں پا لیتا تو میں انہیں خاموش کرا دیتا۔ محمد عربی (ﷺ) سے یہ سوال تو کرو کہ ہر وہ معبود جس کی غیر اللہ کے علاوہ پرستش کی جائے وہ اپنے پجاریوں

سمیت جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ ہم ملائکہ کی جبکہ یہود حضرت عزیر کی اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں۔" ولید اور اس کے ہم نشینوں نے عبداللہ کی اس بات کو عجیب سمجھا۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید اس نے دلیل پکڑی ہے اور جھگڑا کیا ہے۔ جب بارگاہ رسالت مآب میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہر وہ ذات جو یہ پسند کرے کہ رب تعالیٰ کے علاوہ اس کی بھی پوجا کی جائے تو وہ اپنے پجاریوں کے ہمراہ آتش جہنم میں ہوگی۔ وہ تو شیاطین کی اور ان کی عبادت کرتے ہیں جن کے بارے شیاطین انہیں حکم دیتے ہیں۔" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ (الانبیاء ۱۰۱-۱۰۳)

ترجمہ: "بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ان (نعمتوں) میں جن کی خواہش انہوں نے کی تھی ہمیشہ رہیں گے۔ نہ غمناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (انہیں بتائیں گے) یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔"

تنبیہ

امام سہیلی نے لکھا ہے اگر ابن زبعری اور دیگر کفار قریش اس آیت طیبہ میں غور و فکر کرتے تو انہیں علم ہو جاتا کہ ان کا اعتراض دو اعتبار سے درست نہیں۔

1. یہ قریش کو خصوصی خطاب ہے جو بت پرست تھے۔ یہ کلام لات و عزیٰ اور ہبل اور ان کے دیگر بتوں کے بارے ہو رہا ہے۔
2. آیت طیبہ میں "وما تعبدون" کے الفاظ ہیں "و من تعبدون" نہیں ہے۔ ان کا یہ اعتراض حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور ملائکہ کے "بارے کیسے لازم" آسکتا تھا کیونکہ یہ ذو العقول ہیں جبکہ بت غیر ذو العقول تھے۔ اسی لیے آیت طیبہ میں لفظ "ما" ہے جو غیر ذو العقول پر دلالت کرتا ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابن زبعری فصحاء عرب میں سے تھا۔ اس پر من اور ما کے مقامات مخفی نہ تھے۔ اس کا ارادہ صرف قیاس اور اس عموم معنوی کے اعتبار سے تھا جس میں حکم اس کے علت کے عموم کی وجہ سے عموم ہوتا ہے۔ یعنی اگر کسی چیز کا معبود ہونا لازم کرتا ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہو تو یہ مفہوم تو ملائکہ، حضرت عزیز اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب کئی اعتبار سے دیا گیا ہے۔

١ گذشتہ آیت طیبہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے بھلائی مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔اس طرح ملائکہ، الانبیاء اور بتوں اور شیاطین کے مابین مساوات قائم کرنا اسی طرح ہے جس طرح بیع اور ربا (سود) میں برابری قائم کی جائے۔ اہل باطل کی کیفیت یہی ہوتی ہے وہ ان اشیاء میں مساوات کرتے ہیں جن میں شریعت مطہرہ، عقل اور فطرت نے تفریق کی ہے اور ان اشیاء میں تفریق پیدا کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ نے برابری قائم فرمائی ہے۔

٢ بت تو ایسے پتھر تھے جو نہ مکلف تھے نہ ہی وہ بول سکتے تھے۔ان کی اور ان کے پجاریوں کی اہانت کرنے کے لیے انہیں جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔اس سے اس شخص کو عذاب دینا مقصود نہیں جو عذاب کا مستحق نہ ہو۔

٣ جس نے ان کی پوجا کی ہے اس نے اپنے گمان کے مطابق ان کی پوجا کی ہے۔انہوں نے اپنی طرف کسی کو بلایا نہیں۔مشرکین نے شیاطین کی پوجا کی تھی۔ان کا وہم تھا کہ یہ ان کے لیے عبادت ہے۔رب تعالیٰ نے ملائکہ کو، حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو ان سے بری فرما دیا۔غیر اللہ سے مراد الشیاطین ہیں۔ یہ ساری وجوہات رب تعالیٰ کے اس فرمان سے اخذ کی گئی ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَہُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ (الانبیاء ١٠١)

ترجمہ: "بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی۔"

جب تم رب تعالیٰ کے اس فرمان وَّقُوۡدُہَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ۔ (التحریم ٦) میں غور و فکر کرو گے تو یہ بات عیاں ہوگی کہ ان کے معبودان باطلہ کے ذریعے ہی انہیں عذاب دیا جائے گا۔یہ شدید عذاب ہے اور ساری امیدوں کو قطع کرتا ہے۔

اسی طرح الاخنس بن شریق بھی آپ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔اس کا نام ابی تھا بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ اپنی قوم کے سرداروں میں سے تھا۔یہ آپ سے قرآن پاک سنتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے درج ذیل آیات طیبات نازل کیں:

وَلَا تُطِعۡ کُلَّ حَلَّافٍ مَّہِیۡنٍ ﴿۱۰﴾ ہَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیۡمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِیۡمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ ﴿۱۳﴾ (القلم ١٠ تا ١٣)

ترجمہ: "اور نہ بات مانیے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی جو بہت نکتہ چیں، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا، بڑا بدکار ہے اکھڑ مزاج ہے، اس کے علاوہ بداصل ہے۔"

تنبیہ

ابن اسحاق نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ آیات طیبات اخنس کے بارے نازل ہوئیں، اس روایت کو ابن ابی خاتم سے بدی سے، ابن سعد، عبد بن حمید نے شعبی سے عبد الرزاق اور ابن منذر نے کلبی سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیات اسود بن عبد یغوث کے بارے نازل ہوئیں۔ ایک اور قول یہ ہے یہ ولید بن مغیرہ کے بارے نازل ہوئیں۔

اسی طرح ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط بھی آپ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ باہم دوست تھے۔ ابن مردویہ، ابونعیم نے الدلائل میں صحیح سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیر سے، امام عبد الرزاق نے مصنف میں، ابن جریر اور ابن منذر نے مقسم مولی ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ابو معیط یا عقبہ بن ابی معیط مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔ وہ آپ کو اذیت نہیں دیتا تھا۔ یہ ایک حلیم شخص تھا جبکہ دیگر قریش آپ کو اذیت دیتے تھے۔ ابو معیط کا ایک دوست تھا جو شام گیا ہوا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔ قریش نے کہا: "ابو معیط صابی ہو گیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ جب بھی سفر سے واپس آتا وہ کھانا تیار کرتا۔ اہل مکہ کو اس کی دعوت دیتا۔ اس نے کھانا بنایا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا: "میں تیرا کھانا اس وقت تک نہیں کھاؤں گا حتیٰ کہ تو یہ گواہی دے دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول (محترم) ہوں۔" اس نے کہا: "میرے بھتیجے! کھا لو۔" آپ نے فرمایا: "میں اس وقت تک نہ کھاؤں گا حتیٰ کہ تو یہ گواہی دے۔" اس نے یہ گواہی دی۔ آپ نے اس کا کھانا کھا لیا۔ اس رات اس کا دوست شام سے آ گیا۔ اس نے اپنی بیوی سے پوچھا: "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معاملہ کا کیا کیا؟ اس نے کہا: "آپ پہلے سے شدت سے اس پر قائم ہیں۔" اس نے کہا: "میرے دوست ابو معیط نے کیا کیا؟" اس عورت نے کہا: "وہ صابی ہو گیا ہے۔" اس نے وہ رات بری کیفیت میں گزاری۔ وقت صبح ابو معیط اس کے پاس آیا۔ اسے سلام کیا لیکن اس نے جواب نہ دیا۔ اس نے کہا: "تو نے میرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟" اس نے کہا: "میں تیرے سلام کا جواب کیوں دوں؟ جبکہ تو صابی ہو گیا ہے۔" اس نے کہا: "کیا قریش نے اسی طرح کیا ہے؟" اس نے جواب دیا: "بخدا! میں صابی نہیں ہوا لیکن میرے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ میں اس کے لیے گواہی دوں۔ مجھے شرم آئی کہ وہ میرے گھر سے کھائے بغیر چلا جائے۔ میں نے اس کے لیے گواہی دے دی۔" اس کے دوست نے کہا: "میں تجھ سے صرف اسی وقت راضی ہوں گا جب تو ان کے پاس جائے اور ان کے چہرۂ (انور) پر تھوکے۔" دوسری روایت میں ہے، ابو معیط نے کہا: "میں ان کے لیے کیا عمل کروں کہ ان کے سینے صاف ہو جائیں۔" اس کے دوست نے کہا: "تو ان کی محفل میں جا۔ ان کے چہرۂ (والضحیٰ) پر تھوک دے اور انہیں

برے الفاظ سے یاد کرے۔ اس نے اسی طرح کیا لیکن آپ کے چہرۂ انور تک اس کا تھوک نہ پہنچ سکا۔ حضرت ابوبکر النقاش سے روایت ہے کہ عقبہ نے جب آپ کے چہرہ انور کی طرف تھوکا تو وہ تھوک اسی کے چہرہ پر پڑا اور وہاں برص کا داغ بن گیا۔ پھر حضور ﷺ نے اس کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا: "اگر میں نے تجھے مکہ مکرمہ کے پہاڑوں سے باہر پالیا تو تمہاری گردن اڑادوں گا۔" ابی بن خلف نے کہا: بخدا! میں محمد عربی ﷺ کو قتل کردوں گا۔" حضور ﷺ تک یہ بات پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا: "ہرگز نہیں! بلکہ میں اسے قتل کردوں گا۔ ان شاء اللہ!" جب ابی تک یہ بات پہنچی تو وہ گھبرا گیا کیونکہ وہ حضور ﷺ کی زبان اقدس سے جو بات بھی سنتے تھے وہ ہو کر رہتی تھی۔ وہ غزوۂ بدر کے وقت عقبہ کے ساتھ عازم سفر ہوا مگر اس نے باہر نکلنے سے انکار کردیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے کہا: "ہمارے ساتھ نکل۔" اس نے کہا: "اس ہستی نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ اگر اس نے مکہ مکرمہ کے پہاڑوں سے باہر پالیا تو میں ان کی گردن اڑادوں گا۔" اس کے ساتھیوں نے کہا: "تیرے پاس ایک ایسا سرخ اونٹ ہے جسے کوئی نہیں پکڑ سکتا اگر ہمیں شکست ہوئی تو تو اس پر بیٹھ کر بھاگ آنا۔" وہ ان کے ہمراہ نکلا۔ جب رب تعالیٰ نے مشرکین کو ہزیمت سے دوچار کیا اور ان کے لاشے گڑھے میں پھینکے گئے۔ آپ ﷺ نے قریش کے ستر افراد قیدی بنا لیے۔ آپ کی خدمت میں ابومعیط پیش کیا گیا۔ اس نے آپ سے پوچھا: "کیا آپ مجھے قتل کردیں گے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے۔ اس کی گردن اڑادی۔ قیدیوں میں سے اس روز اس کے علاوہ کسی اور کو قتل نہیں کیا گیا۔"

غزوۂ احد کے روز ابی مشرکین کے ہمراہ نکلا۔ وہ حضور ﷺ کی تلاش میں تھا تاکہ وہ آپ پر حملہ کردے ایک شخص آپ کے اور اس کے مابین حائل ہوگیا۔ جب حضور ﷺ نے اسے دیکھا تو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "اس کا رستہ چھوڑ دو۔ آپ نے نیزہ لیا اور اسے دے مارا۔ وہ اس کی پسلی کی ہڈی پر لگا۔ اس سے زیادہ خون نہ نکلا خون اس کے پیٹ میں جمع ہوگیا۔ وہ اس طرح آوازیں نکالتا تھا جس طرح بیل آوازیں نکالتا ہے۔ اسی حالت میں اس کے ساتھی اسے اٹھا کرلے گئے۔ انہوں نے اس سے پوچھا: "تجھے کیا ہوا ہے؟ واللہ! تجھے صرف خراش ہی آئی ہے۔" اس نے کہا: "اگر آپ کا صرف لعاب دہن ہی مجھ تک پہنچ جاتا وہ بھی مجھے قتل کردیتا۔ آپ نے مجھے فرما نہیں دیا تھا۔ "میں تجھے قتل کروں گا۔ اگر یہ ضرب اہل ذوالمجاز کو لگتی تو انہیں بھی مارڈالتی۔" وہ اسی روز مرگیا۔ ابی معیط کے بارے یہ آیات طیبات نازل ہوئیں:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾
يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ
وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ﴿٢٩﴾ (الفرقان ۲۷ تا ۲۹)

ترجمہ: "اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کاٹے گا اپنے ہاتھوں کو (اور) کہے گا کاش! میں نے اختیار کیا

ہوتا رسول (مکرم) کی معیت میں (نجات کا) راستہ۔ ہائے افسوس! کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔ واقعی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آجانے کے بعد۔ اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو (مشکل کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے۔"

تنبیہات

1. ابن سعد نے کہا ہے: "میں نے امام واقدی سے پوچھا: "رب تعالیٰ کا یہ فرمان اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ (الحجر ۹۵) یہ سورت مکیہ ہے۔" انہوں نے کہا: "میں نے مالک اور ابن ابی ذئب سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "رب تعالیٰ انہیں کافی ہو گیا۔ بعض کو اندھا کر دیا بعض پر موت طاری کر دی اور بعض کو اس طرح کافی ہو گیا کہ اس نے آپ کی ہجرت کے لیے اسباب مہیا کر دیے۔" بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ ان کے معاملہ کے بارے آپ کو کافی ہو گیا۔ وہ آپ کو نقصان نہ دے سکے۔
2. علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ علامہ واقدی نے کہا ہے کہ یہ مذاق کرنے والے ایک ہی وقت میں سارے ہلاک ہو گئے تھے لیکن امام واقدی کا موقف درست ہے۔"
3. اکثر روایات میں ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُبی اسے واپس لے گیا تھا لیکن بعض کتب میں اس کے برعکس لکھا ہے۔

ان مذاق اڑانے والوں میں ابو جہل بھی تھا۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اسے یہ کنیت دی تھی۔ اس سے قبل اسے ابو الحکم کہا جاتا تھا۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جس نے ابو جہل کو ابو الحکم کہا تو اس نے خطاء کی اس خطاء کی رب تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہیے۔" آپ نے فرمایا: "ہر امت کا کوئی نہ کوئی فرعون ہوتا ہے۔ اس امت کا فرعون ابو جہل ہے۔"

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابو جہل حضور ﷺ سے ملا۔ اس نے کہا: "محمد عربی! ﷺ آپ ہمارے معبودان کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں ورنہ ہم اس معبود کو برا بھلا کہیں گے جس کی آپ عبادت کرتے ہیں۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (الانعام ۱۰۸)

ترجمہ: "اور تم نہ برا بھلا کہو انہیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا (ایسا نہ ہو) کہ وہ بھی برا بھلا کہنے لگیں اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے۔"

مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت حضور ﷺ ان کے معبودان باطلہ کو برا بھلا کہنے سے رک گئے اور رب تعالیٰ کی طرف انہیں بلانے لگے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ (الدخان ۴۳)

ترجمہ: "بلاشبہ زقوم کا درخت۔"

تو ابوجہل نے کہا: "اے گروہ قریش! کیا جانتے ہو کہ یہ زقوم کا درخت کیا ہے جس سے محمد عربی ﷺ تمہیں ڈراتے ہیں۔" انہوں نے کہا: "نہیں!" اس نے کہا: "اس سے مراد یثرب کی عجوہ کھجور اور مکھن ہے۔ بخدا! اگر ہم نے اس پر قدرت پالی تو اسے خوب کھائیں گے۔ اس وقت رب تعالیٰ نے یہ آیات طیبات نازل کیں:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ (الدخان: ۴۳ تا ۴۸)

ترجمہ: "بلاشبہ زقوم کا درخت گنہگار کی خوراک ہوگا۔ پگھلے تانبے کی مانند پیٹوں میں جوش مارے گا۔ جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے۔ (حکم ہوگا) اس (نابکار) کو پکڑلو اور پھر اسے گھسیٹ کر لے جاؤ جہنم کے وسط میں پھر انڈیلو اس کے سر کے اوپر کھولتا پانی (اسے) عذاب دینے کے لیے۔"

الحمدللہ ثم الحمدللہ! آج بروز پیر رات ۹:۴۵ بجے سبل الھدیٰ کی دو جلدوں کے ترجمہ سے فراغت نصیب ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کے حبیب لبیب ﷺ کی نظر عنایت اور مرشد کریم رحمۃ اللہ علیہ کی خاص توجہ کا ثمر ہے کہ اس حقیر کو اس عظیم تصنیف کی ابتدائی دو جلدوں کا ترجمہ کرنے کی سعادت ملی۔ دعا ہے کہ رب تعالیٰ اس تصنیف لطیف کا مکمل ترجمہ کرنے کی سعادت سے بہرہ ور کرے۔ آمین!

خاک راہ حجاز

ذوالفقار علی ساقی

دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

۲۱-۱۱-۱۱ بمطابق ۲۶ ذوالحجۃ ۱۴۳۲ھ